جلد 3

الخیر الشذی

شرح اردو

جامع الترمذی

ابوابُ الحجّ تا ابوابُ البیوع

بحمد اللہ
ممتاز انفرادی خصوصیات
کے پیشِ نظر دیگر شروحات
سے بے نیاز کر دینے والی
حضرات اکابر علمائے کرام
کی پسندیدہ شرح

تالیف
مولانا مفتی عبد الرشید
فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان
استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
061-4514929
0300-7301239

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

جلد سوم

شرح اردو

جامع الترمذی

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على سيدنا محمد النبي

الأمي وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

شرح اردو

جلد سوم

جامع الترمذی

ابواب الحج، ابواب الجنائز، ابواب النکاح، ابواب الرضاع والطلاق، ابواب البیوع

از

مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ناشر

قرآن مجید * دینی کتب * اسلامی رسائل کا مرکز

إدارہ اشاعت الخیر

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

061-4514929,0322-6748121

الخیر الشذی

تالیف مولانا مفتی عبد الرشید صاحب مدظلہ

تاریخ اشاعت ذیقعدہ ۱۴۴۰ھ

ناشر ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ ملتان 061-4514929 , 0322-674821

ملتان
☆ مکتبہ حقانیہ ☆ مکتبہ امداد العلوم ☆ مکتبہ امدادیہ ☆ مکتبہ مجیدیہ ☆ مکتبہ عمر ابن خطابؓ

لاہور
☆ مکتبۃ الحسن ☆ مکتبۃ المیزان ☆ مکتبہ رحمانیہ ☆ مکتبہ سید احمد شہید ☆ مکتبہ خلیل ☆ مصباح العلم ☆ مکتبۃ الحرمین ☆ الفلاح پبلشر ☆ شمع بک ایجنسی ☆ مکتبہ رشیدیہ ☆ مکتبہ عشرہ مبشرہ ☆ الھادی پبلشر ☆ مکتبہ عائشہؓ ☆ ادارۃ القریش ☆ اقرا قرآن کمپنی مکتبہ انعامیہ ☆ مکتبہ شیخ ☆ کتب خانہ اشرفیہ ☆ مکتبہ لدھیانوی ☆ ادارۃ الرشید

کراچی
☆ مکتبۃ المقیت ☆ مکتبۃ الندوۃ ☆ مجلس نشریات اسلام ☆ ادارۃ النور ☆ مکتبۃ الفلق ☆ مکتبہ عمر فاروقؓ ☆ مکتبۃ الحجاز ☆ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن۔

مکتبہ احمد ☆ مکتبہ حقانیہ ڈیرہ اسماعیل خان ☆ مکتبہ عثمانیہ راولپنڈی ☆ دار الاخلاص پشاور ☆ علمی مکتبہ خانہ اکوڑہ خٹک ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی ☆ مکتبہ صفدریہ راولپنڈی ☆ مکتبہ شہید اسلام اسلام آباد ☆ مکتبہ امیر معاویہؓ کبیر والہ ☆ مکتبہ منظور الاسلامیہ علی پور ☆ مکتبہ زکریا ڈیرہ غازی خان ☆ مکتبہ صفدریہ بہاولپور

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

ضروری گزارش اس کتاب کی تصحیح کی علماء کی زیر نگرانی حتی الوسع کوشش کی گئی ہے اگر اس کے باوجود کہیں اغلاط نظر آئیں تو برائے مہربانی مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کی جا سکے۔ شکر الکم واجر کم علی اللہ (ادارہ)

شجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء

سلسلۂ سند کتاب جامع الترمذی

(عبدالرشید بن مولانا غلام محمد مؤلف الخیر الشذی اردو شرح جامع الترمذی)

امام الانبیاء خاتم النبیین والمرسلین محمد رسول اللہ ﷺ سے جامع الترمذی شریف کی پہلی حدیث سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے

ان سے حضرت مصعب بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے........ ان سے حضرت سماک بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے ....ان سے حضرت ابو عوانہ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے

ان سے مؤلف الشیخ الحافظ الامام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ ترمذی الشافعیؒ نے

ان سے حضرت ابوعباس محمد بن احمد المحبوبی المروزی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے ابومحمد عبدالجبار بن محمد بن عبداللہ الجراحی رحمۃ اللہ علیہ نے....

ان سے حضرت قاضی زاہد ابوعامر بن محمود بن قاسم الازدی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت الشیخ ابوالفتح عبدالملک بن عبداللہ الھروی رحمۃ اللہ علیہ نے....

ان سے حضرت عمر بن طبرزد البغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت فخر بن البخاری المالکی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت الشیخ عمر المراغی نے....

ان سے حضرت عبدالرحیم الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت شیخ زین الدین زکریا ابن محمد انصاری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے....

ان سے حضرت شیخ النجم الغیطی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت شہاب احمد سبکی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے....

ان سے حضرت شیخ سلطان بن احمد المزاحی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے حضرت شیخ ابراہیم بن حسن الکردی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے....

ان سے حضرت ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے........ان سے

مرکز الاسانید الشاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم العمری الدہلویؒ (۱۱۱۴ھ/۱۱۷۶ھ) نے

ان سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے (۱۱۵۹ھ/۱۲۳۹ھ) ترمذی شریف پڑھی....ان سے حضرت شاہ ابوسعید محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۶ھ/۱۲۵۰ھ) نے........ان سے حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲۴ھ/۱۲۹۶ھ) نے........ان سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۸ھ/۱۲۹۷ھ) نے........ان سے

حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۸ھ/۱۳۳۹ھ) نے........ان سے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۲ھ/۱۳۵۲ھ) نے........

ان سے حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۸ھ/۱۴۰۳ھ) نے........ان سے حضرت علامہ محمد شریف کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۳ھ/۱۴۱۰ھ) نے....

ان سے استاذ العلماء جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد یٰسین صابر (۱۳۶۹) نے........ان سے

اس عاجز عبدالرشید بن مولانا غلام محمد صاحب نے ۱۴۱۶ ہجری جامعہ خیر المدارس ملتان میں مکمل جامع ترمذی شریف پڑھی۔

اللہ پاک اس عاجز کو اس نسبت کی لاج رکھتے ہوئے حدیث پاک کی خدمت کی برکات نصیب کرے۔ فللہ الحمد علی ذالک

احب الصالحین ولست منھم.....لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

تقریظ

جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث
استاذ العلماء سندی واستاذی
حضرت مولانا محمد یسین صابر مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان

عزیزم مولوی مفتی عبدالرشید صاحب نے ترمذی شریف کی تسہیل وتبیین پر کام کیا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہے میں نے دیکھا ہے تدریس اور دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف تالیف کا ذوق بڑی مبارک بات ہے۔ میرے نزدیک تو علم کی خدمت کسی درجہ میں ہو قابل رشک ہے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرماویں اور حدیث کے طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کو نفع مند بناویں اور عزیز موصوف کے لئے دین ودنیا کی کامیابیوں کا ذریعہ بناویں۔ آمین ثم آمین......

والسلام مع الاکرام العبد المسکین محمد یسین صابر ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

فہرست الخیر الشذی

جلد سوم

ابواب الحج، ابواب الجنائز، ابواب النکاح، ابواب الرضاع والطلاق، ابواب البیوع

مضامین	صفحہ
اَبْوَابُ الْحَجِّ	
اصطلاحی تعریف	21
حج کی فرضیت کب ہوئی، ابواب میں ترتیب بندی	21
حج کے احکام، فرائض، واجبات اور فرض ہونے کی شرائط	22
بَابُ مَا جَاءَ فِی حُرْمَةِ مَکَّةَ	22
مسئلہ: حرم مکہ کے اشجار وغیرہ کا کیا حکم ہے	25
بَابُ مَا جَاءَ فِی ثَوَابِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ	25
مسئلہ: حج وعمرہ سے کونسے گناہ معاف ہوتے ہیں؟	26
بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّغْلِیظِ فِی تَرْکِ الْحَجِّ	28
یہود ونصاریٰ سے مشابہت کی وجہ	28
بَابُ مَا جَاءَ فِی إِیجَابِ الْحَجِّ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ	28
بَابُ مَا جَاءَ کَمْ فُرِضَ الْحَجُّ	29
بَابُ مَا جَاءَ کَمْ حَجَّ النَّبِیُّ ﷺ	30
دم کی اقسام	32
بَابُ مَا جَاءَ کَمِ اعْتَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ	33
بَابُ مَا جَاءَ مِنْ أَیِّ مَوْضِعٍ أَحْرَمَ النَّبِیُّ ﷺ	34
بَابُ مَا جَاءَ مَتَی أَحْرَمَ النَّبِیُّ ﷺ	36
بَابُ مَا جَاءَ فِی إِفْرَادِ الْحَجِّ	36
حج کی اقسام	37
قران کی افضلیت کی وجوہ ترجیح	40
بَابُ مَا جَاءَ فِی الْجَمْعِ بَیْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ	41
بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّمَتُّعِ	41
بَابُ مَا جَاءَ فِی التَّلْبِیَةِ	45
مسئلہ اولیٰ: تلبیہ کا حکم کیا ہے؟	46
مسئلہ ثانیہ: تلبیہ کہتے وقت نیت کرنا ضروری ہے کہ نہیں کہ یہ تلبیہ عمرہ کا ہے یا حج کا یا دونوں کا	47
مسئلہ ثالثہ: تلبیہ کون سے الفاظ سے مسنون ہے	47
مسئلہ رابعہ: مرد اور عورت کیلئے تلبیہ کہنے کا طریقہ	47
مسئلہ خامسہ: تلبیہ کے درمیان وقفہ کرنا مسنون ہے پھر تلبیہ عربی میں ہو یا فارسی میں	48
مسئلہ سادسہ: ثم الحج فرائضہ عندنا ثلاثۃ	48
بَابُ مَا جَاءَ فِی فَضْلِ التَّلْبِیَةِ وَالنَّحْرِ	48
بَابُ مَا جَاءَ فِی رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِیَةِ	50
بَابُ مَا جَاءَ فِی الِاغْتِسَالِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ	51
بَابُ مَا جَاءَ فِی مَوَاقِیتِ الْإِحْرَامِ	52
میقات کی اقسام	52
مسئلہ: مکہ جانے والے کے لئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے یا نہیں	53

صفحہ	مضامین
53	مسئلہ: احرام کہاں سے باندھنا افضل ہے میقات سے یا اس سے پہلے؟
54	مسئلہ: میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟
55	بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ لُبْسُهُ
55	مسئلہ: محرم کیلئے کیا پہننا جائز ہے اور کیا پہننا جائز نہیں؟
56	بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ السَّرَاوِيلِ وَالْخُفَّيْنِ
56	مسئلہ: اگر کسی شخص کے پاس کھلے کپڑے احرام کے لئے نہ ہوں اور اسی طرح چپل نہ ہو تو کیا وہ پائجامہ اور خفین پہن سکتا ہے؟
57	بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ
59	بَابُ مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ
60	بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ
61	بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ
62	مسئلہ: محرم کا حالت احرام میں نکاح کا حکم؟ کیا محرم حالت احرام میں نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟
62	حضرت ابن عباسؓ کی روایت تزوج وهو محرم کی مختلف توجیہات شوافع کے نزدیک
63	فریق مخالف کی طرف سے چند سوالات اور انکے جوابات
65	روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وجوہ ترجیح
67	بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ
69	بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ
71	سفیان ثوریؒ اور اسحاق بن راہویہ کا استدلال
72	بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

صفحہ	مضامین
74	بَابُ مَا جَاءَ فِي صَيْدِ الْبَحْرِ لِلْمُحْرِمِ
75	بَابُ مَا جَاءَ فِي الضَّبُعِ يُصِيبُهَا الْمُحْرِمُ
77	بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاغْتِسَالِ لِدُخُولِ مَكَّةَ
78	بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ ﷺ مَكَّةَ
78	بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ ﷺ مَكَّةَ نَهَارًا
79	بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ
80	بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ الطَّوَافُ
81	بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّمَلِ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ
81	بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِلَامِ الْحَجَرِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِي
82	مسئلہ: استلام کا کیا حکم ہے؟
83	بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ طَافَ مُضْطَبِعًا
83	بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ
85	بَابُ مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ
86	مسئلہ: سعی بین الصفا والمروہ کا کیا حکم ہے؟
87	مسئلہ: صفا سے ابتداء اور مروہ پر اختتام اس ترتیب کا کیا حکم ہے؟
88	بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ
89	بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّوَافِ رَاكِبًا
89	مسئلہ: طواف راکباً کا کیا حکم ہے؟
89	مسئلہ: احناف کے نزدیک چھ واجب مناسک ایسے ہیں جنکو عذر کی بناء پر چھوڑ دینے سے دم واجب نہیں ہوتا
89	مسئلہ: آپ ﷺ نے کتنے طواف کئے ہیں
90	بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الطَّوَافِ
92	بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ

مضامین	صفحہ
مسئلہ: الصبح اور بعد العصر طواف کے نوافل کا حکم؟	92
بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ	93
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّوَافِ عُرْيَانًا	94
مسئلہ: ننگے بدن طواف کرنے کا کیا حکم ہے؟	95
بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ	96
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ	97
تعارض وجوابات	98
مسئلہ: کعبہ میں نماز جائز ہے یا نہیں؟	99
مسئلہ: حطیم کعبہ کا کیا حکم ہے؟	99
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْرِ الْكَعْبَةِ	99
کعبہ شریف کی بناء کتنی مرتبہ بنائی گئی	100
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْحِجْرِ	102
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ	103
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ إِلَى مِنًى وَالْمُقَامِ بِهَا	105
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ	106
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ بِمِنًى	107
منیٰ میں نماز کا قصر کرنے کا حکم	108
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُقُوفِ بِعَرَفَاتٍ وَالدُّعَاءِ بِهَا	109
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ	112
مسئلہ: وادی عرنہ میں وقوف کرنے سے وقوف عرفہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟	113
دوسرا مسئلہ: عرفات کے اندر ظہر اور عصر کو جمع کرینگے	114
تیسرا مسئلہ: عرفات میں جو جمع ہے یہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہے	114
چوتھا مسئلہ: مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ	114
پانچواں مسئلہ: افعل ولا حرج	114
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِفَاضَةِ مِنْ عَرَفَاتٍ	116
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ	116
مسئلہ: عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کی صورت میں اذان اور اقامت کا حکم؟	118
مسئلہ ثانیہ: مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین کی صورت میں اذان واقامت کا مسئلہ	118
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ بِجَمْعٍ	119
مسئلہ: وقوف مزدلفہ کا کیا حکم ہے؟	121
مسئلہ: یوم النحر کی رمی کا وقت کیا ہے؟	122
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِ الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ	122
بَابُ بلا ترجمہ	124
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْإِفَاضَةَ مِنْ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ	125
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْجِمَارَ الَّتِي تُرْمَى بِهَا مِثْلُ	125
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّمْيِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ	126
بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ رَاكِبًا	126
مسئلہ: رمی راکبا افضل ہے یا ماشیاً	127
بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ	128
رمی جمار کا سبب کیا بنا؟ سوال وجواب	129
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ	130
بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاكِ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ	130
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِشْعَارِ الْبُدْنِ	132
مسئلہ: اشعار کا حکم کیا ہے؟	133

مضامین	صفحہ
باب (بلا ترجمہ)	134
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْهَدْيِ لِلْمُقِيمِ	135
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْغَنَمِ	136
مسئلہ: تقلید غنم مشروع ہے یا نہیں؟	136
بَابُ مَا جَاءَ إِذَا عَطِبَ الْهَدْيُ مَا يُصْنَعُ بِهِ	137
بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْبَدَنَةِ	138
بَابُ مَا جَاءَ بِأَيِّ جَانِبِ الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الْحَلْقِ	139
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ	141
مسئلہ: حلق وقصر کی مقدار واجب کیا ہے؟	142
احرام سے نکلنے کے لئے حلق یا قصر کو کیوں ضروری کہا گیا کوئی اور صورت بھی تو ہو سکتی تھی؟	142
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلْقِ لِلنِّسَاءِ	143
مسئلہ: عورتوں کے لئے حلق کرانا مکروہ ہے	144
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ أَوْ نَحَرَ	144
باب ما جاء فی الطیب عند الاحلال قبل الزیارۃ	145
مسئلہ: اگر کسی نے رمی جمار، ذبح، حلق کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگالی تو اسکا حکم	146
بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْحَجِّ	147
مسئلہ: حج کا تلبیہ کب ختم کرے گا؟	147
مسئلہ: جمرہ عقبہ کی کون سی کنکری پر تلبیہ ختم کرینگے؟	148
بَابُ مَا جَاءَ مَتَى تُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْعُمْرَةِ	148
مسئلہ: عمرہ کرنے والا کب تلبیہ ختم کرے گا؟	149
بَابُ مَا جَاءَ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ بِاللَّيْلِ	149
بَابُ مَا جَاءَ فِي نُزُولِ الْأَبْطَحِ	151

مضامین	صفحہ
مسئلہ: مقام محصب میں ٹھہرنے کا کیا حکم ہے	151
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَجِّ الصَّبِيِّ	152
مسئلہ: نابالغ بچے کا حج معتبر ہے یا نہیں	153
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَجِّ عَنِ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ	154
مسئلہ: شیخ فانی پر حج فرض ہے یا نہیں	155
مسئلہ: استطاعت بدنی نفس وجوب کے لئے شرط ہے یا وجوب ادا کے لئے؟	155
بَابُ مِنْهُ	156
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا	157
مسئلہ: عمرہ سنت ہے یا واجب؟	158
مسئلہ: ایک سے زائد عمرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟	158
بَابُ مِنْهُ	159
بَابُ مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْعُمْرَةِ	160
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ التَّنْعِيمِ	161
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ	162
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَجَبٍ	162
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ ذِي الْقَعْدَةِ	163
بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَمَضَانَ	164
سوال وجواب	164
فضیلت اسی رمضان کیساتھ خاص ہے یا قیامت تک کیلئے؟	165
بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُهِلُّ بِالْحَجِّ فَيُكْسَرُ	166
مسئلہ: احصار کن صورتوں میں متحقق ہوگا؟	167
مسئلہ: محصر کے جانور کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے یا نہیں	167
مسئلہ: محصر کے لئے حج وعمرہ کی قضاء ہے یا نہیں؟	168

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِشْتِرَاطِ فِي الْحَجِّ	169
مسئلہ: اب اشتراط فی الحج کا اعتبار ہے یا نہیں؟	169
بَابٌ مِنْهُ	170
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ	171
اشکال وجواب	172
بَابُ مَا جَاءَ مَا تَقْضِي الْحَائِضُ مِنَ الْمَنَاسِكِ	173
بَابُ مَا جَاءَ مَنْ حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ	174
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا	175
مسئلہ: اس باب میں امام ترمذیؒ فرمارہے ہیں کہ قارن پر ایک طواف ہے یا اس سے زائد؟	176
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مَكْثَ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ	179
بَابُ مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْقُفُولِ مِنَ الْحَجِّ	180
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَمُوتُ فِي إِحْرَامِهِ	181
مسئلہ: حالتِ احرام میں مرنے والے کا حکم؟	181
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمِدُهَا	182
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَحْلِقُ رَأْسَهُ فِي إِحْرَامِهِ	182
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا	183
رمی جمار کے وقت مسنون میں تاخیر کرنا	184
مسئلہ: رعاۃ دو دن کی اکٹھی رمی ایک دن کر سکتے ہیں یا نہیں؟	184
بَابٌ (بلا ترجمہ)	186
باب (بلا ترجمہ)	186
حج اکبر کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال	187
بَابٌ (بلا ترجمہ)	187
بَابٌ (بلا ترجمہ)	188
بَابٌ (بلا ترجمہ)	189
بَابٌ (بلا ترجمہ)	190
بَابٌ (بلا ترجمہ)	191
زم زم کا معنی، زمزم پینے کے آداب	191
زمزم کھڑے ہو کر پینے کے متعلق روایات	191
بَابٌ (بلا ترجمہ)	191

اَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْمَرَضِ	193
ھم اور حزن میں فرق	195
غم اور حزن، خوف اور حزن میں فرق	195
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ	195
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّي لِلْمَوْتِ	197
علاج بالکی کی شرعی حیثیت	198
احادیث کی مختلف توجیہات	199
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعَوُّذِ لِلْمَرِيضِ	200
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ	203
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَصِيَّةِ بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ	204
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَلْقِينِ الْمَرِيضِ عِنْدَ الْمَوْتِ	205
تلقین قبل الموت	206
تلقین عند القبر	207
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عِنْدَ الْمَوْتِ	209
مختلف توجیہات	209

مضامین	صفحہ
سوال وجواب	209
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ	210
باب بلا ترجمہ	211
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّعْيِ	212
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّبْرَ فِي الصَّدْمَةِ الْأُولَى	214
شان ورود	215
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْمَيِّتِ	215
بَابُ مَا جَاءَ فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ	216
مسئلہ اولیٰ: غسل میت کا کیا حکم ہے فرض ہے یا سنت یا واجب	216
مسئلہ ثانیہ: میت کو غسل دینے کا سبب کیا ہے	216
مسئلہ ثالثہ: میت کو غسل دینے کی اصل اور بنیاد	216
مسئلہ: میت پر پانی کتنی بار بہایا جائے؟	218
مسئلہ: عورت کی مینڈھیاں کس طرح رکھی جائیں	219
بَابٌ فِي مَا جَاءَ فِي الْمِسْكِ لِلْمَيِّتِ	220
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ	221
مسئلہ: میت کو غسل دینے والے پر وضو وغسل کرنے کا کیا حکم ہے؟	221
بَابُ مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْأَكْفَانِ	223
بَابٌ مِنْهُ	223
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَمْ كُفِّنَ النَّبِيُّ ﷺ	224
کفن مسنون، کفایت، ضرورت	225
تین کپڑوں کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف	225
کفن مسنون کتنے کپڑے ہیں	225
روایات میں اختلاف اور رفع اختلاف	226

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي الطَّعَامِ يُصْنَعُ لِأَهْلِ الْمَيِّتِ	227
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدُودِ	228
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْحِ	229
مسئلہ: بکاء علی المیت کس حد تک جائز ہے؟	229
مسئلہ ثانیہ: کیا میت کو اسکے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے؟	230
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ	231
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ	232
اشکال وجوابات	234
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ	235
مسئلہ: جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟	237
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ	239
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّكُوبِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ	240
سوال وجوابات	241
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذَٰلِكَ	241
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِسْرَاعِ بِالْجَنَازَةِ	242
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَتْلَى أُحُدٍ وَذِكْرِ حَمْزَةَ	243
بَابٌ آخَرُ	244
بَابٌ آخَرُ	245
بَابٌ آخَرُ	246
حدیث کا شان ورود	247
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ	247
بَابُ فَضْلِ الْمُصِيبَةِ إِذَا احْتَسَبَ	248
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ	249
مسئلہ اولیٰ: غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟	249

مضامین	صفحہ
مسئلہ ثانیہ: نماز جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں	251
نماز جنازہ کی چار تکبیرات کی حکمت	251
بَابُ مَا يَقُولُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ	252
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ	254
مسئلہ: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کیا حکم ہے؟	254
بَابُ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ وَالشَّفَاعَةُ لَهُ	255
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ	257
مسئلہ: اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ کا حکم؟	258
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْأَطْفَالِ	258
مسئلہ: چار ماہ کے پیدا ہونیوالے بچے پر نماز جنازہ ہے یا نہیں؟	259
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنِينِ	259
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ	260
مسئلہ: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟	261
بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ يَقُومُ الْإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ	263
مسئلہ: نماز جنازہ کیلئے امام میت کی کس جانب کھڑا ہو	264
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ	265
مسئلہ: شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟	266
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْقَبْرِ	268
مسئلہ: قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم؟	268
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَلَى النَّجَاشِيِّ	270
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ	271
اشکال و جواب	271
بَابٌ آخَرُ	272

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ	272
مسئلہ: قیام للجنازۃ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	273
آپ صلى الله عليه وسلم کے قیام کی وجوہات اور حکمت	274
بَابُ فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْقِيَامِ لَهَا	275
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم اللَّحْدُ لَنَا	276
بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ	277
بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ يُلْقَى تَحْتَ الْمَيِّتِ	278
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ الْقُبُورِ	279
قبروں کو ایک بالشت اونچا کرنے کی ہیئت کیا ہوگی؟	280
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ عَلَى الْقُبُورِ	281
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ وَالْكِتَابَةِ	282
بَابُ مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْمَقَابِرَ	283
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ	284
مسئلہ: زیارت قبور کی شرعی حیثیت	285
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ زِيَارَةِ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ	285
مسئلہ: عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم؟	286
بَابُ مَا جَاءَ فِي الزِّيَارَةِ لِلْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ	287
میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے کا حکم	288
بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ	288
مسئلہ: میت کو رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے؟	289
مسئلہ: میت کو قبر میں کس جانب سے اتارا جائے گا؟	289
بَابُ مَا جَاءَ فِي الثَّنَاءِ الْحَسَنِ عَلَى الْمَيِّتِ	291
بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ قَدَّمَ وَلَدًا	292
بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّهَدَاءِ مَنْ هُمْ	294

مضامین	صفحہ
شہید کی اقسام	295
طاعون کی چند اقسام	296
شہید کو شہید کہنے کی وجہ، شہید حکمی کی اقسام	296
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُونِ	296
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ	297
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ	299
مسئلہ: خودکشی کرنیوالے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟	299
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَدْيُونِ	300
مسئلہ: قرض کی ادائیگی میں میت کی جانب سے اس کی کفالت کا کیا حکم ہے؟	301
بَاب مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ	302
سوال وجواب	303
مسئلہ سماع موتی	305
قائلین ومنکرین سماع موتی کے دلائل	305
بَاب مَا جَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزَّى مُصَابًا	307
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ	308
بَاب مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْجَنَازَةِ	308
بَاب آخَرُ فِي فَضْلِ التَّعْزِيَةِ	309
راوی حدیث ابو برزہؓ کے حالات	309
بَاب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْجَنَازَةِ	309
مسئلہ: نماز جنازہ کی تکبیرات پر ہاتھ اٹھانے کا حکم؟	310
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ نَفْسَ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ	311

اَبْوَابُ النِّكَاحِ

مضامین	صفحہ
نکاح کے لغوی معنی، تعریف، حکم، مشروعیت کی حکمت	312
نکاح کے ارکان، شرائط، مستحبات، الفاظِ نکاح	312
نکاح کی مصالح، منکوحہ کے اوصاف	314
مسئلہ اختلافی: تخلی بالنوافل افضل ہے یا نکاح؟	314
بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيجِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ	315
اعتراض وجواب	316
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ	318
مسئلہ: مرد کا خصی کرانا جائز نہیں خواہ عمر چھوٹی ہو یا بڑی	319
بَاب مَا جَاءَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ	319
مسئلہ: کفو میں کس چیز کا اعتبار کیا جائے گا حرفت و نسب کا یا دینی حالت کا؟	320
بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْمَرْأَةَ يُنْكَحُ عَلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ	321
سوال وجواب	322
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ	323
مسئلہ: جس عورت کو نکاح کا پیغام دیا جائے اسکو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟	323
بَاب مَا جَاءَ فِي إِعْلَانِ النِّكَاحِ	324
زمانہ جاہلیت میں رائج کردہ چار طرح سے نکاح	324
سوال وجوابات	325
مسئلہ: دف اور موسیقی کا شرعی حکم	327
اعتراض وجواب	328
مسئلہ: غناء بغیر آلات، موسیقی کا حکم	328
بَاب مَا جَاءَ فِيمَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ	329
بَاب مَا جَاءَ فِي مَا يَقُولُ إِذَا دَخَلَ عَلَى أَهْلِهِ	330
بَاب مَا جَاءَ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي يُسْتَحَبُّ فِيهَا	330

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلِيمَةِ	331
مسئلہ: ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے	331
سوال وجوابات	332
مسئلہ اختلافی: ولیمہ کتنے دن تک جائز ہے؟	334
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِجَابَةِ الدَّاعِي	335
مسئلہ: اجابت دعوت کا کیا حکم ہے؟	335
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَجِيءُ إِلَى الْوَلِيمَةِ	336
اشکال وجواب	337
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَزْوِيجِ الْأَبْكَارِ	337
بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ	338
مسئلہ: عبارات النساء سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں؟	342
اضطراب کی تفصیل	343
بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ	346
مسئلہ اولیٰ: نکاح میں گواہوں کا کیا حکم ہے؟	347
مسئلہ ثانیہ: گواہوں کا بیک وقت ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا نہیں؟	348
مسئلہ ثالثہ: نکاح میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار ہے یا نہیں؟	348
مسئلہ رابعہ: نکاح میں فاسق کی گواہی کا کیا حکم ہے؟	348
بَابُ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ	348
سوال وجواب	350
مسئلہ: نکاح میں خطبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	351
بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِئْمَارِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ	351
مسئلہ: ولایت اجبار کا کیا حکم ہے؟	353
ولایت اجبار کی اختلافی واتفاقی صورتیں	353
بَابُ مَا جَاءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ	354
مسئلہ: نابالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یا نہیں؟	355
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلِيَّيْنِ يُزَوِّجَانِ	356
بَابُ مَا جَاءَ فِي نِكَاحِ الْعَبْدِ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهِ	357
مسئلہ اختلافی: غلام کے نکاح کا کیا حکم ہے؟	357
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُهُورِ النِّسَاءِ	358
مسئلہ اولیٰ: کیا غیر مال مہر بن سکتا ہے یا نہیں	358
مسئلہ ثانیہ: مہر کی مقدار معین کتنی ہے؟	359
مسئلہ ثالثہ تعلیم قرآن مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟	361
مسئلہ رابعہ: لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے؟	362
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَعْتِقُ الْأَمَةَ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا	363
مسئلہ: عتق مہر بن سکتا ہے یا نہیں	363
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَضْلِ فِي ذٰلِكَ	364
سوال وجوابات	365
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا	365
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا	367
مسئلہ: زوج اول کیلئے بیوی کے حلال ہونے کیلئے صرف عقد نکاح کافی ہے یا وطی بھی ضروری ہے	368
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ	368
بَابُ مَا جَاءَ فِي نِكَاحِ الْمُتْعَةِ	372
مسئلہ حرمت متعہ کے متعلق مفصل بحث	373
تحریم متعہ کب ہوئی؟	377
متعہ کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی رائے	377

صفحہ	مضامین
378	بَاب مَا جَاءَ مِنَ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الشِّغَارِ
379	شغار کی لغوی و اصطلاحی تعریف
379	مسئلہ: نکاح شغار کا کیا حکم ہے؟
380	بَاب مَا جَاءَ لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا
380	سوال و جواب
382	بَاب مَا جَاءَ فِي الشَّرْطِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ
384	بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ
385	مسئلہ: چار سے زائد کو چھوڑنے کی صورت کیا ہوگی؟
386	ابو رغال کون تھا
387	بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أُخْتَانِ
387	بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْجَارِيَةَ
388	بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْبِي الْأَمَةَ وَلَهَا زَوْجٌ
388	مسئلہ: عورتیں اپنے شوہر سے جب جدا ہو جائیں گی تو سبب فرقت کیا چیز ہوگی؟
389	بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَهْرِ الْبَغِيِّ
390	کاہن اور عراف میں فرق
390	بَاب مَا جَاءَ أَنْ لَا يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ
390	اختلافی مسئلہ: کسی اور کی منسوبہ کو پیغام بھیج کر نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟
394	بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ
394	عزل کے معنی
395	منع حمل کی نیتیں
396	بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَزْلِ
396	بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ
397	مسئلہ: باکرہ اور ثیبہ کے درمیان تقسیم لیالی کا حکم؟
398	بَاب مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ
400	بَاب مَا جَاءَ فِي الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ
401	مسئلہ: اگر زوجین میں سے دار الحرب کے اندر ایک اسلام لے آئے تو اسکا کیا حکم ہے؟
401	اشکال و جواب
403	بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ

اَبْوَابُ الرَّضَاعِ

صفحہ	مضامین
405	بَاب مَا جَاءَ يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ
406	رضاعت کی لغوی و اصطلاحی تعریف
407	بَاب مَا جَاءَ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ
408	مسئلہ: دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والی بچی کیلئے حرام ہوگا یا نہیں؟
409	بَاب مَا جَاءَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ
411	مسئلہ: دودھ کی کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے
412	بَاب مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ
413	مسئلہ: شہادت مرضعہ سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟
414	بَاب مَا جَاءَ مَا ذُكِرَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ
415	اختلافی مسئلہ: مدت رضاعت کتنی ہے؟
416	بَاب مَا جَاءَ مَا يُذْهِبُ مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ	417
مسئلہ: خیار عتق کا کیا حکم ہے؟	419
مسئلہ: اگر شوہر آزاد ہے تو بیوی کو خیار عتق ملے گا یا نہیں؟	419
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ	420
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَرَى الْمَرْأَةَ فَتُعْجِبُهُ	422
سوال وجواب	422
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الزَّوْجِ عَلَى الْمَرْأَةِ	422
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا	424
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ	426
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزِّينَةِ	428
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَيْرَةِ	428
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُسَافِرَ الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا	429
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ	431
باب (بلا ترجمہ)	432
باب (بلا ترجمہ)	433
باب (بلا ترجمہ)	433

اَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ

مضامین	صفحہ
طلاق کے لغوی معنی، اقسام	435
بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ	435
مسئلہ: حالت حیض میں طلاق کا کیا حکم ہے؟	437
مسئلہ: مطلقہ کی عدت طہر سے ہوگی یا حیض سے؟	437
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ	438
طلاق البتۃ کا کیا حکم ہے؟	439
بحث طلاق ثلاثہ	440
مسئلہ ①: کیا ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز ہے؟	440
مسئلہ ②: طلاق ثلاث کے وقوع کا کیا حکم ہے؟	441
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ	443
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ	445
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَا سُكْنَى لَهَا	446
مسئلہ: معتدہ مطلقہ رجعیہ پر نفقہ اور سکنہ واجب ہے کہ نہیں؟	447
بَابُ مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ	449
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ طَلَاقَ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ	452
مسئلہ: عدد طلاق میں مرد کی حریت یا غلامی کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کا؟	453
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ	453
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ	454
جد کا لغوی معنی	455
مسئلہ: حالت ہزل میں طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟	455
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ	455
مسئلہ: خلع کی شرعی حیثیت کیا ہے خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے	457
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ	457
بَابُ مَا جَاءَ فِي مُدَارَاةِ النِّسَاءِ	459
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوهُ أَنْ يُطَلِّقَ	459

مضامین	صفحہ
مسئلہ: والدین کے حقوق واجبہ اور غیر واجبہ کیا ہیں؟	460
مسئلہ: والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا حکم	461
بَابُ مَا جَاءَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا	461
بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ	462
سوال و جواب	462
باب (بلا ترجمہ)	463
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا	464
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا	466
مسئلہ: سوگ کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف	468
مسئلہ: مطلقہ عورت کیلئے ترک احداد کا کیا حکم ہے؟	468
معتدہ سرمہ لگا سکتی ہے یا نہیں؟	468
ترمی بالبعرۃ کی تشریح	470
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ	470
ظہار کے کفارہ کا سبب نزول	471
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ	472
ظہار کی لغوی تعریف	472
مسئلہ: ظہار کس صورت میں متحقق ہوگا؟	473
مسئلہ: کفارہ ظہار کی مقدار کتنی ہے؟	473
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْإِيلَاءِ	474
ایلاء کا لغوی و اصطلاحی معنی، ایلاء شرعی	474
مسئلہ: ایلاء کا حکم کیا ہے؟	475
مسئلہ: چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء شرعی ہوگا یا نہیں؟	475
بَابُ مَا جَاءَ فِي اللِّعَانِ	476
لعان کا لغوی معنی	477
احناف کے نزدیک لعان کی تعریف	477
ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لعان کی تعریف، لعان کا حکم و حکمت	477
بَابُ مَا جَاءَ أَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا	478
مسئلہ اختلافی: متوفی عنہا زوجہا کو زوج کے مکان میں عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟	480

اَبْوَابُ الْبُيُوْعِ

مضامین	صفحہ
بیوع کو جمع لانے کی وجہ، بیع کی لغوی و شرعی تعریف	481
تقسیم باعتبار بیع و مبیع	481
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الشُّبُهَاتِ	482
الحلال بین والحرام بین ۔۔۔ سوال و جواب	483
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الرِّبَا	485
ربوا کے لغوی و اصطلاحی معنی	485
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي الْكَذِبِ وَالزُّورِ	489
کذب اور زور میں فرق	489
بَابُ مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ إِيَّاهُمْ	490
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ كَاذِبًا	492
بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ	493
بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ	493
بَابُ مَا جَاءَ فِي كِتَابَةِ الشُّرُوطِ	496
سوال و جواب	497
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ	497

مضامین	صفحہ
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ	498
مسئلہ اولیٰ: بیع من یزید کا کیا حکم ہے؟	499
مسئلہ ثانیہ: کون کون سے اموال میں نیلام جائز ہے	499
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ	500
مدبر کی تعریف واقسام	500
مسئلہ: مطلق مدبر کی بیع کا کیا حکم ہے؟	500
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَلَقِّي الْبُيُوعِ	501
مسئلہ اولیٰ: تلقی جلب کی تفصیل	502
مسئلہ: اگر غبن فاحش کیساتھ خریدنے ہوئے غلہ کا حکم	503
بَابُ مَا جَاءَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ	504
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ	506
مسئلہ: بیع مزابنہ جائز ہے یا نہیں؟	507
مسئلہ: سلت اور گندم کو باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟	507
مسئلہ ثانیہ: بیع الرطب بالتمر جائز ہے یا نہیں؟	507
سوال وجوابات	508
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ	512
مسئلہ: قبل بدو صلاح یا بعد بدو صلاح کی بیع کا حکم؟	515
بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ	516
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغَرَرِ	517
بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ	521
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ	523
مسئلہ اولیٰ، مسئلہ ثانیہ	525

مضامین	صفحہ
مسئلہ ثالثہ: کہ بیع میں شرط لگانا جائز ہے یا نہیں	525
مسئلہ رابعہ	527
حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے متعلق چند باتوں کا بیان	527
مسئلہ خامسہ، مسئلہ سادسہ	528
مسئلہ سابعہ: بیع قبل القبض کے نقصانات	529
مسئلہ ثامنہ: غائب شئے کی بیع اور خیار رؤیت کا حکم	529
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ	530
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً	531
حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ	532
بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ	534
بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْحِنْطَةَ بِالْحِنْطَةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ	535
بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ	538
بیع صرف کی صورتیں اور انکا حکم	540
کاغذی نوٹوں سے سونا وچاندی خریدنے کا حکم	542
سودی بینک کی ملازمت کا حکم	543
بَابُ مَا جَاءَ فِي ابْتِيَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّأْبِيرِ	545
مسئلہ: تابیر النخل	546
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا	547
خیار کی اقسام	550
بَابٌ (مِنْهُ)	554
بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ	555
بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُصَرَّاةِ	557
بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَيْعِ	560

مضامین	صفحہ
بَاب مَا جَاءَ فِي الِانْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ	562
بَاب مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْقِلَادَةِ وَفِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ	563
بَاب مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ	565
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ	568
مسئلہ: غلام اپنی سیدہ کے لئے محرم ہے یا نہیں؟	571
بَاب مَا جَاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِيمٌ	572
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدْفَعَ	574
بَابٌ	575
بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ	578
بَاب مَا جَاءَ فِي الِاحْتِكَارِ	581
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُحَفَّلَاتِ	582
بَاب مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ يُقْتَطَعُ بِهَا	583
بَاب مَا جَاءَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ	584
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ	585
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ	586
بَاب مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ	587
بَاب مَا جَاءَ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ	589
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ	590
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ	590
باب (منه)	591
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغَنِّيَاتِ	592
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفَرْقِ	593
بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ	594
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ	595
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثُّنْيَا	597
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الطَّعَامِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ	598
بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ	600
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ	600
بَاب مَا جَاءَ فِي احْتِلَابِ الْمَوَاشِي بِغَيْرِ إِذْنٍ	602
بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ	603
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ	607
بَاب مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخْصَةِ فِي ذَلِكَ	608
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّجْشِ فِي الْبُيُوعِ	612
بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّجْحَانِ فِي الْوَزْنِ	613
بَاب مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ	614
بَاب مَا جَاءَ فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ	615
بَاب مَا جَاءَ فِي وَ الْمُنَابَذَةِ الْمُلَامَسَةِ	617
بَاب مَا جَاءَ فِي السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ وَالتَّمْرِ	618
بَاب مَا جَاءَ فِي أَرْضِ الْمُشْتَرَكِ يُرِيدُ بَعْضُهُمْ	619
بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ	621
بَاب	623
بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْغِشِّ فِي الْبُيُوعِ	624
بَاب مَا جَاءَ فِي اسْتِقْرَاضِ الْبَعِيرِ	624
باب (بلا ترجمہ)	626
بَاب النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ	627

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَبْوَابُ الْحَجِّ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الحج کے تحت چند مختلف مسائل کا بیان ہوگا۔

الاولی: مناسک حج کا اور مناسک منسک کی جمع ہے لغت میں اسکے مختلف معنی ہیں ① قصد کرنا۔ ② بعض حضرات نے کہا کسی باعظمت چیز کی طرف جانے کا قصد کرنا۔ ③ بعض حضرات نے کہا کہ اس کے معنی ہیں ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد بار بار حج کرنا۔ شاعر کا قول ہے ؎

"واشهد من عوف حلولا كثيرة يحجون سب الزبرقان المزعفرا"

یعنی سالہا سال قبیلہ عوف کے لوگ حاضر ہوتے رہے اور زعفران کی خوشبو میں لت پت زبرقان بادشاہ کے عطیہ کا قصد کرتے رہے۔

اصطلاحی تعریف: "الحج قصد الى زيارة البيت الحرام على وجه التعظيم بافعال مخصوصة فى زمان مخصوص"۔ (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۰۹)

الثانية: حج کی فرضیت کب ہوئی: اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔ ۵ ہجری۔ امام واقدیؒ نے اس قول کیلئے ضمام بن ثعلبہ کے قصہ سے استدلال کیا۔ ۶ ہجری ۹ ہجری ۴ ہجری ماوردی کا قول ہے کہ آٹھ ہجری کو فرض ہوا (کما قال حافظ عینی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں مختلف روایات ہیں ① ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا ② قبل الہجرت دو حج کئے ③ بعض حضرات نے کہا کہ ہجرت سے پہلے حج کے عدد معلوم نہیں۔

اللہ تعالی کا یہ حکم نازل ہوا "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا"۔ چونکہ یہ حکم سال کے آخر میں نازل ہوا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم افعال حج کی تعلیم میں مشغولیت اور آئندہ سال کیلئے سفر حج کے اسباب کی تیاری میں مصروفیت کی وجہ سے خود حج کیلئے تشریف نہیں لے جاسکے بلکہ اس سال یعنی ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا امیر مقرر فرما کر مکہ بھیج دیا تھا تاکہ وہ لوگوں کو حج ادا کروائیں اور پھر آپ خود آئندہ سال ۱۰ ہجری میں حج کیلئے تشریف لے گئے اور یہی حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہوا۔

الثالثة: ابواب میں ترتیب بندی: علماء کے نزدیک عبادات کی تین اقسام ہیں۔

① **بدنیہ محضہ:** جیسے نماز، روزہ۔ ② **مالیہ محضہ:** جیسے صدقہ، زکوۃ، عشر، فطرانہ وغیرہ۔

③ **ان دونوں سے مرکب:** جیسے حج۔ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں پہلے نماز کا ذکر کیا پھر ترتیب کے ساتھ روزے کا ذکر ہونا چاہیے تھا لیکن قرآن میں نماز کے ساتھ زکوۃ کا ذکر ہے اسلئے نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر کیا پھر صوم کا ذکر کیا پھر حج کا ذکر کیا۔

الرابعة: کیا امم سابقہ پر بھی حج واجب تھا یا اسی امت کے ساتھ خاص ہے۔ طبریؒ نے کہا کہ حج اسی امت کے ساتھ خاص ہے سابقہ امتوں پر حج واجب نہیں تھا لیکن اس قول کی بعض حضرات نے تردید کرتے ہوئے چند دلائل پیش کئے ہیں۔

دلیل اول: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کے بارے میں اعلان کیا تو اس وقت یہ فرمایا "ان الله كتب عليكم الحج الى

البیت العتیق فأجیبوا ربکم" یہاں پر صیغہ امر کا ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سابقہ امتوں پر بھی حج فرض تھا۔ **جواب:** حج ہمارے نبی ﷺ پر فرض ہوا اور ہجرت کے بعد امت پر بھی فرض ہوا۔ اگر آپ ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں علامۃ الناس پر حج فرض ہوتا تو بقیہ امتوں پر بھی فرض ہوتا۔ لہٰذا ہم کہیں گے کہ یہ امر استحباب کیلئے تھا نہ کہ وجوب کیلئے۔

دلیل ثانی: علامہ ابن حجرؒ نے اس قول سے استدلال کیا ہے "مامن نبی الا وحج البیت فهو من الشرائع القديمة... وجاء آدم عليه السلام حج اربعين سنة من الهند ما شيئًا" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ امتوں پر حج فرض تھا۔

جواب: "ولا يبعد أن يكون واجبا على الانبياء عليهم السلام دون اممهم فيكون هذا من خصوصيات الانبياء واتباع سيد الاصفياء" اس دلیل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماقبل امتوں پر بھی فرض ہو بلکہ یہ وجوب صرف انبیاء کے لئے تھا نہ کہ ان کی امتوں کے لئے۔ اس جواب کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن اسحاقؒ نے ذکر کیا "انه لم يبعث الله نبيا بعد ابراهيم الا وقد حج البيت اى بطريق الوجوب والا فقد حج آدم عليه السلام وقالت له الملائكة برحجك وقد حججنا قبلك... وقد صح انه عليه الصلوة والسلام لما بلغ عسفان في حجة الوداع قال يا ابابكر أى واد هذا وادى عسفان قال لقد مرّ به هود وصالح على بكرين أحمر بن خطامهما الليف وازرهم العباء وأرديتهم النمار يلبون يحجون البيت العتيق" (رواہ احمد) (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۱۰)

حج کے احکام: حج بشرط استطاعت عمر میں ایک بار فرض ہے اور استطاعت کے ساتھ دوسری شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ شرائط کے پائے جانے کے باوجود بھی کوئی شخص حج نہ کرے تو وہ فاسق گناہ گار ہوگا اور جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے صحیح یہ ہے کہ جب حج کی شرائط پائی جائیں تو فی الفور حج کرنا فرض ہے دوسرے سال تک تاخیر کرنا گناہ ہے۔

حج کے فرض ہونے کی شرائط: ① مسلمان ہونا ② آزاد ہونا ③ عاقل ہونا ④ بالغ ہونا ⑤ صحت مند و تندرست ہونا ⑥ قادر ہونا ⑦ راستہ پر امن ہونا ⑧ عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ⑨ زادِ راہ کا ہونا۔

حج کے فرائض: حج کے فرائض پانچ ہیں۔ ① احرام ② وقوف عرفات ③ طواف الزیارۃ ④ مذکورہ بالا فرائض میں ترتیب کا لحاظ رکھنا ⑤ ہر فرض کو اسکے مکان مخصوص میں ادا کرنا۔

حج کے واجبات: ① وقوف مزدلفہ ② صفا و مروہ کے درمیان سعی ③ رمی جمرۃ عقبہ، رمی جمار ④ طواف وداع یعنی غیر ملکی کیلئے طواف قدوم ⑤ حلق یا تقصیر یعنی چوتھائی بال منڈوانا یا کتروانا ⑥ ہر وہ چیز جس کے ترک کرنے پر دم یعنی جانور ذبح کرنا واجب ہے اس سے بچنا۔

باب ما جاء في حرمة مكة

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْعَدَوِيِّ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ وَهُوَ يَبْعَثُ

حضرت ابو شریح عدوی فرماتے ہیں کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا اے امیر مجھے اجازت دو کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کی صبح

الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الْأَمِيرُ
أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ
وَوَعَاهُ قَلْبِي وَأَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ أَنَّهُ
حَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا
اللَّهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا أَوْ
يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقُولُوا
لَهُ إِنَّ اللَّهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكَ وَإِنَّمَا أُذِنَ لِي فِيهِ
سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ
كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ وَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .
فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ مَا قَالَ لَكَ عَمْرٌو بْنُ سَعِيدٍ
قَالَ أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ بِذَلِكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ إِنَّ
الْحَرَمَ لَا يُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا
بِخَرْبَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَيُرْوَى بِخِزْيَةٍ وَفِي الْبَابِ
عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى
حَدِيثُ أَبِي شُرَيْحٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو
شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيُّ اسْمُهُ خُوَيْلِدُ بْنُ عَمْرٍو
الْعَدَوِيُّ الْكَعْبِيُّ وَمَعْنَى قَوْلِهِ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ
يَعْنِي جِنَايَةً يَقُولُ مَنْ جَنَى جِنَايَةً أَوْ أَصَابَ
دَمًا ثُمَّ جَاءَ إِلَى الْحَرَمِ فَإِنَّهُ يُقَمُ عَلَيْهِ الْحَدُّ .

کھڑے ہو کر فرمائی میرے کانوں نے اسے سنا میرے دل نے اس کو یاد رکھا اور میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے دیکھا آپ ﷺ نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا مکہ کو اللہ نے حرمت کی جگہ بنایا ہے۔ اسے لوگوں نے حرمت کی جگہ قرار نہیں دیا کسی بھی شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس میں خون بہانا اور وہاں کے درخت کاٹنا حلال نہیں اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (وہاں) قتال کی وجہ سے اس میں لڑائی کو جائز سمجھے تو اسے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی اجازت دی تھی تجھے تو اجازت نہیں دی آپ نے فرمایا مجھے بھی دن کے کچھ حصے میں اس کی اجازت دی گئی اور اس کے بعد اس کی حرمت اسی دن اسی طرح لوٹ آئی جیسے کل تھی اور حاضر غائب تک یہ حکم پہنچا دے ابو شریح سے پوچھا گیا کہ اس پر عمرو بن سعید نے کیا کہا انہوں نے کہا کہ اس نے کہا اے ابو شریح میں اس حدیث کو تم سے بہتر جانتا ہوں حرم نافرمان اور باغیوں کو پناہ نہیں دیتا اور نہ قتل کر کے بھاگنے والوں یا چوری کر کے بھاگنے والوں پناہ دیتا ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ "بِخَرْبَةٍ" کی جگہ "بِخِزْيَةٍ" کے الفاظ بھی مروی ہیں (خزیہ کے معنی ذلت کے ہیں) اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابو شریح کی حدیث حسن صحیح ہے اور ابو شریح خزاعی کا نام خویلد بن عمرو عدوی کعبی ہے۔ "وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ" کے معنی جنایت یعنی تقصیر کر کے بھاگنے والے کے ہیں جو شخص نقصان کر کے یا خونریزی کے بعد حرم میں آجائے اس پر حد قائم کی جائے گی۔

تشریح: عبدالملک کی بیعت ان کے والد مروان کی زندگی میں ۶۵ ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کی گئی۔ ان کی خلافت مصر وشام کے علاقوں میں سات سال تک رہی جبکہ دوسرے علاقوں میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی عبدالملک کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ خلافت سے پہلے عباد اور زہاد میں ان کا شمار ہوتا تھا نیز ان فقہاء میں شمار ہوتے تھے جو ہر وقت سجدہ میں رہتے تھے اور تلاوت قرآن پاک میں مشغول رہتے تھے لیکن جب عبدالملک کو پوری طرح اقتدار

مل گیا اور اس کی خلافت قائم ہوگئی تو ان کی گود میں جو قرآن پاک تھا اس کو بند کردیا اور کہا "ہذا فراق بینی و بینك"۔ عبدالملک عراق کی جانب مصعب بن عمیرؒ سے لڑنے نکلا ان کو شہید کردیا اور اسی طرح ۷۳ ہجری میں عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف ثقفی ظالم کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کیلئے بھیجا ان کے مقابلے پر جانے کیلئے کوئی تیار نہیں تھا لیکن اس ظالم نے خود کو پیش کردیا اور عبدالملک نے اسکی سرکردگی میں انکے مقابلے کیلئے لشکر بھیجا جب انہوں نے مکہ پر چڑھائی کی تو ابوشریحؓ نے انہیں روکنے کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سنایا لیکن اس نے یہ جواب دیا کہ حرم گناہ گار کو پناہ نہیں دیتا مطلب یہ تھا کہ نعوذ باللہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مجرم تھے۔ اگر حرم سے باہر نکل آئے تو اسے سزا دوں گا اگر نہ نکلے تو حرم ہی میں اسے قتل کروں گا چنانچہ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حرم کعبہ ہی میں شہید کردیا۔ عبدالملک نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر ابن حازم کے پاس بھیجا تاکہ یہ مرعوب ہو لیکن انہوں نے سر دیکھ کر قسم اٹھائی کہ میں کبھی اس ظالم شخص کی بیعت نہیں کروں گا پھر ابن حازم نے ایک صاف طشت منگوایا اور آپ کے سر مبارک کو دھویا اور اسکو خوشبوئیں لگائیں اور اسکو کفن دیکر انکے اہل وعیال کی طرف بھیج دیا پھر آپ نے عبدالملک کے ایلچی کو کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں تہہ وتیغ کرڈالتا۔

وَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا: اس طرح حدیث کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں "إن الحرم لا يعيذ عاصيا ولا فارًّا بدم ولا فارًّا بخربة" حرم میں قتال کے بارے میں کچھ تفصیل ہے کہ اگر کوئی شخص جنایت کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اس کی جنایت مادون النفس ہو تو بالاتفاق اس کا قصاص حرم میں لیا جاسکتا ہے۔ اگر اس شخص نے جنایت کی ہے تو دیکھا جائے گا کہ کس جگہ کی ہے اگر حرم میں کی ہے تو بھی اتفاق ہے کہ اس سے حرم میں ہی قصاص لیا جائے گا اور اگر اس نے حرم سے باہر جنایت کی اور حرم میں پناہ لی ہے تو اس میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اس سے حرم ہی میں قصاص لیا جائے گا۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس سے حرم میں قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اس کا کھانا پینا بند کردیا جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے پھر اس سے قصاص لیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: "عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مكة ... وقال ان ابن خطل معلق باستار الكعبة فقال اقتله" اگر حرم میں قتل کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیتے۔

جواب: ابن خطل کے بارے میں علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پہلے مسلمان تھا پھر یہ مرتد ہوگیا تھا اور اس نے ایک مسلمان کو قتل کردیا تھا جو اس کا خدمت گار تھا اور اس نے ایک پیشہ ورانہ لڑکی رکھی ہوئی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف مذمت کرتی تھی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے کا حکم دیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو قصاصاً قتل کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا قتل اس خاص ساعت میں ہوا ہوگا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے سرزمین حرم قتل مباح کردی گئی تھی۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

دلیل ثانی: "ان الحرم لا يعيذ عاصيا ولا فارا بدم ... الخ"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: قوله تعالىٰ "ومن دخله كان آمنا" کہ جو حرم میں داخل ہوگیا تو اس کیلئے امن ہے۔

دوسری دلیل: اگلی حدیث باب "عن جابر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول لا يحل لاحدكم ان

یحمل بمکۃ السلاح" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت ہتھیار اٹھانا درست نہیں ہے۔
أَوْ يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً : مسئلہ: حرم مکہ کے اشجار وغیرہ کا کیا حکم ہے۔ شجرہ سے مراد گھاس ہے۔ مکہ کی نباتات تین قسم کی ہیں۔
اوّل: وہ نباتات جو کسی شخص نے اپنی محنت سے اُگائی ہوں ان کا کاٹنا یا اکھیڑنا بالاتفاق جائز ہے۔
ثانی: وہ نباتات جن کو کسی نے اگایا تو نہ ہو لیکن وہ ان ہی نباتات کی جنس سے ہوں جنہیں لوگ عام طور پر اگاتے ہیں اس قسم کی نباتات کو اکھیڑنا بھی جائز ہے اور کاٹنا بھی جائز ہے۔
ثالث: وہ نباتات جو از خود اُگی ہوں ان میں صرف اذخر گھاس کو کاٹنا اور اکھیڑنا جائز ہے۔ نیز خود رو پودوں میں سے اگر کوئی سوکھ گیا ہو یا مرجھا گیا ہو یا جل گیا ہو تو اس کو کاٹنا بھی جائز ہے۔
قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک جو کانٹا بالطبع موذی ہے اس کا کاٹنا جائز ہے کیونکہ یہ ان فواسق میں سے ہے جن کو قتل کرنا ضروری ہے۔
قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس درخت کا کاٹنا جائز نہیں جو خود بخود اُگے البتہ اذخر گھاس کے کاٹنے کی اجازت ہے۔
امام شافعیؒ کی دلیل: قیاس ہے جو اوپر گزر گیا ہے۔
جواب: یہ قیاس نص کے مقابلے میں قابل حجت نہیں ہے یا یہ قیاس مع الفارق ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے "اویعضد بھاشجرۃ"۔
یہ مسائل حرم کے گھاس یا درخت کاٹنے کے بارے میں جو ذکر کئے ہیں یہ اس وقت تھا جب یہ چیزیں تھیں۔ اب نہ تو وہاں درخت ہیں اور نہ ہی گھاس کا تنکا اس لئے یہ مسائل صرف معلومات کے پیش نظر بیان کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ یاد رہے بھول نہ جائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ حُبْشِيٍّ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ .

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حج اور عمرے پے در پے کیا کرو (الگ الگ سفروں میں) کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو ختم کر دیتی ہے اور حج مقبول کا ثواب صرف جنت ہی ہے اس بارے میں حضرت عمر، عامر بن ربیعہ، ابوہریرہ، عبداللہ بن حبشی، ام سلمہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس باب میں حج وعمرہ کے ثواب کو بیان کر رہے ہیں۔ امام ترمذی ابواب الحج کے شروع میں ہی فضیلت والے باب کو لائے ہیں تاکہ قارئین کو کتاب الحج پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا خوب شوق پیدا ہو جب فضیلت سامنے ہوگی تو کتاب الحج پڑھنے میں بھی آسانی ہوگی اور پھر اس پر عمل کرنے کے لئے ہر شخص کوشش کرے گا۔

امیر شخص کے لئے تو مناسب یہی ہے کہ وہ عمرہ کے لئے علیحدہ سے سفر کرے اور حج کے لئے علیحدہ سے سفر کرے۔ اگر کوئی شخص ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ دونوں کرے تو یہ بھی جائز ہے۔ حدیث الباب میں حج اور عمرہ کرنے کے دو فائدے بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے غریبی دور ہوتی ہے اگرچہ اس میں خرچ بہت لگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس سے غربت کو دور فرمادیتے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں گناہوں کا معاف ہونا بھی بدیہی ہے جیسا کہ لوہا میلا ہوگیا ہو سونا چاندی پر زنگ لگ گیا ہو تو اس کو بھٹی میں جلانا پڑتا ہے اور آگ اس کے میل کو کھا جاتی ہے اور وہ لوہا، سونا، چاندی خالص ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حج وعمرہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور آدمی پاک صاف ہو کر واپس گھر لوٹتا ہے۔

مسئلہ: **حج وعمرہ سے کونسے گناہ معاف ہوتے ہیں؟** اس بارے میں علماء کی دو رائے ہیں۔ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور ان کا میلان بھی اس طرف ہو رہا ہے کہ حج سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔ اس کی تائید میں وہ مشہور حدیث ہے "من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كما ولدته امه" (سنن ابن ماجہ ص۲۰۷) اور اس کی تائید اور دیگر روایات سے بھی ہوتی ہے مثلاً "ان الاسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها وأن الحج يهدم ما كان قبله" (صحیح مسلم ج۱ص۷۶)

عن طلحة بن عبيدالله بن كريز ان رسول الله ﷺ قال ما رأى الشيطان يوماً هو فيه اصغر ولا ادحر ولا احقر ولا اغيظ منه في يوم عرفة وما ذاك الا لما رأى من تنزل الرحمة وتجاوز الله عن الذنوب العظام الا ما رأى يوم بدر. (ص۵۶، کتاب الحج باب جامع الحج)

حدثنا عبدالله بن كنانه بن عباس بن مرداس السلمي أن اباه اخبره عن ابيه ان النبي رسول الله دعا لأمته عشية عرفة بالمغفرة فاجيب أني قد غفرت لهم ما خلا الظالم فأني اخذ للمظلوم منه قال: اى رب ان شئت أعطيت المظلوم من الجنة و غفرت للظالم فلم يجب عشية فلما اصبح بالمزدلفة أعاد الدعاء فاجيب الى ما سأل قال فضحك رسول الله ﷺ او قال تبسم فقال ابوبكر و عمر بأبي انت و أمي ان هذه لساعة ما كنت تضحك فيها فما الذى اضحكك؟ اضحك الله سنك قال: ان عدو الله ابليس لما علم ان الله عزوجل قد استجاب دعائي، و غفر لامتي، اخذ التراب فجعل يحثوه على رأسه و يدعو بالويل والثبور فاضحكني ما رأيت من جزعه. (سنن ابن ماجہ ص۲۱۶)

وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ: حج مبرور کی شرح میں علماء کرام کی مختلف آراء ہیں۔ ① بعض حضرات نے کہا کہ "هو الذى لم يخالطه شيء من المآثم" ② بعض حضرات نے کہا کہ جس میں اطعام طعام اور طیب الکلام ہو وہ حج مبرور ہے ③ ابن العربیؒ کہتے ہیں کہ جس حج کے بعد کوئی معصیت نہ ہو وہ حج مبرور ہے ④ بعض نے کہا کہ حج مبرور وہ ہے کہ

حج کے بعد اس کے اخلاق، عمل اور دینی حالت پہلے سے اچھے ہو جائیں ⑤ امام طیبیؒ فرماتے ہیں "علامة کون الحج مقبولا الاتیان بجمیع ارکانه وواجباته وسننه وآدابه مع اخلاص النیة واجتناب ما نهی عنه" ⑥ حسن بصریؒ فرماتے ہیں "ان یرجع زاهدا فی الدنیا راغبا فی الآخرة" یعنی حج مبرور وہ ہے کہ جسکے بعد دنیا سے بے رغبتی اور آخرت میں رغبت زیادہ ہو جائے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو حَازِمٍ كُوفِيٌّ وَهُوَ الْأَشْجَعِيُّ وَاسْمُهُ سَلْمَانُ مَوْلَى عَزَّةَ الْأَشْجَعِيَّةِ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے حج کیا اور اس دوران عورتوں کے ساتھ فحش کلامی یا فسق (یعنی گناہ) کا ارتکاب نہیں کیا تو اسکے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے گئے امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں ابو ہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور ابو حازم کوفی اشجعی ہیں انکا نام سلمان ہے اور یہ عزۃ الاشجعیہ کے غلام ہیں۔

تشریح: مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ : حاجی کیلئے رفث، فسوق اور جدال سے بچنا لازم ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۱۹۷ میں اس کا ذکر موجود ہے: "فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج"۔ پس جو شخص حج کے مہینوں میں حج کرے یعنی حج کا احرام باندھے تو نہ فحش بات جائز ہے نہ بے حکمی اور نہ جھگڑا۔

رفث میاں بیوی کے درمیان کی جانے والی گفتگو کو کہتے ہیں احرام کی حالت میں جماع تو بالکل ممنوع ہے باقی رہا میاں بیوی کا آپس میں گپ شپ کرنا یہ بھی منع کر دیا گیا ہے۔

و لم یفسق کما فی الآیة ولا فسوق: فسق اور فسوق دونوں مصدر ہیں ان کے معنی ہیں حق وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا۔ اللہ کی حدود کا خیال نہ رکھنا "تلك حدود الله فلا تعتدوها" یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ اس اعتبار سے گناہ کی چار قسمیں ہیں۔ دو گناہ یہ ہیں ذنب اور خطیئۃ اور دو گناہ سیئۃ اور معصیۃ ہیں۔ پس جو بندہ سیئۃ یا معصیت کا ارتکاب کرتا ہے وہ فاسق ہے یعنی دینداری کے دائرہ سے باہر ہو گیا اس لئے حج میں فسق سے بچنا ضروری ہے ورنہ حج مقبول نہیں ہوگا۔

ولا جدال: ساتھیوں سے لڑنا جھگڑنا حج کے دوران اس سے بچنا بھی ضروری ہے حج کے سفر میں معمولی باتوں پر جھگڑا ہو جاتا ہے۔ پس اس سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے۔ جو ان مذکورہ تینوں گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس شخص کے تمام گناہ معاف کر دے گا اور وہ ایسے پاک ہو جائے گا جیسا کہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ الْحَجِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الْقُطَعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَوْلَى رَبِيعَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ الْبَاهِلِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَذَلِكَ أَنَّ اللهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ (وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَجْهُولٌ وَالْحَارِثُ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص سامان سفر اور اپنی سواری کی ملکیت رکھتا ہو کہ وہ اسے بیت اللہ تک پہنچا سکے پھر اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے اور اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے پہچانتے ہیں اور اس کی سند میں کلام ہے ہلال بن عبداللہ مجہول ہے اور حارث کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے۔

تشریح: جس شخص کے پاس زاد و راحلہ ہو اور وہ حج نہ کرے تو اس کے بارے میں اتنی بڑی وعید فرمائی ہے کہ اسے چاہیے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس شخص نے چونکہ حج کو چھوڑ کر اسلام کے ایک اہم شعار سے اعراض کا مرتکب ہوا ہے اس لئے وہ یہود و نصاریٰ کے مشابہ ہو گیا۔

یہود و نصاریٰ سے مشابہت کی وجہ: ایسے شخص کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت قرار دینے میں یہ نکتہ ہے کہ حج ملت ابراہیمہ کے شعائر میں سے ایک اہم شعار ہے اور یہود و نصاریٰ نماز تو پڑھتے تھے لیکن حج نہیں کرتے تھے اس لئے تارک حج کو انکے مشابہ قرار دیا گیا۔ اور مشرکین حج تو کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اسی لئے دوسری روایت میں تارک صلوٰۃ کو کفار و مشرکین کے مشابہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: "بین الرجل و بین الشرك والكفر ترك الصلوة" (کنزالعمال ج۷ص۲۳۳)

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ: اس حدیث کی سند میں ہلال بن عبداللہ متروک راوی ہے اور حارث اعور ضعیف راوی ہے اس لئے ابن جوزیؒ نے اس حدیث کو موضوعات میں لیا ہے مگر ان کی رائے صحیح نہیں یہ حدیث نہایت ضعیف ہے موضوع نہیں ہے۔ یہ حدیث زاد و راحلہ کے شرط ہونے سے بھی متعلق ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِيجَابِ الْحَجِّ بِالزَّادِ وَالرَّاحِلَةِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ حج کس چیز سے فرض ہوتا ہے آپ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُوجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَجُّ وَإِبْرَاهِيمُ ابْنُ يَزِيدَ هُوَ الْخُوزِيُّ الْمَكِّيُّ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زادراہ (سامان سفر) اور سواری سے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اس پر اہل علم کا عمل ہے اگر کسی شخص کے پاس سامان سفر اور سواری ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ ابراہیم بن یزید خوزی مکی ہیں۔ بعض علماء نے ان کے حافظے کی وجہ سے ان پر کلام کیا ہے۔

تشریح: حج کی فرضیت کی شرائط میں سے یہ شرط بھی ہے کہ اس کے پاس زاد وراحلہ یعنی کھانے کا سامان اور سواری ہو۔ آنے جانے کا خرچہ اس کے پاس اور سواری بھی اس کے پاس ہو اور اتنی مدت کا خرچہ گھر والوں کے پاس بھی موجود ہو یہ نہ ہو کہ سب کچھ سمیٹ کر حج کے لئے چل پڑے اور پیچھے بچے بھوکے تڑپ رہے ہوں یا مانگ مانگ کر گزارہ کر رہے ہوں اس کی دلیل قرآن پاک میں واضح ہے "ولله على النّاس حج البيت من استطاع اليه سبيلًا" اس آیت کے پیش نظر استطاعت بدنی میں کسی کا اختلاف نہیں بدن کا تندرست ہونا استطاعت ہوتی ہے البتہ استطاعت مالی میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات حدیث الباب کی بناء پر فرماتے ہیں کہ فرضیت حج کے لئے زاد وراحلہ کا ہونا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک اگر کوئی شخص پیدل جانے اور بیت اللہ شریف تک پہنچنے پر قادر ہو تو راحلہ شرط نہیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک زاد کی بھی شرط نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اگر آدمی قوی مضبوط ہو تو راستے میں بھی کمائی کر سکتا ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے" ولله على النّاس حج البيت من استطاع اليه سبيلًا" اس آیت میں زاد وراحلہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں صرف استطاعت سبیل کا ذکر ہے جو پیدل چلنے سے بھی ہو سکتی ہے۔

جواب: جمہور حضرات اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ لفظ استطاعت کا اطلاق قدرت ممکنہ پر نہیں ہوتا بلکہ قدرت مُیسّرہ پر ہوتا ہے اور اس پر دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث الباب ہے۔

اعتراض: حدیث باب میں ابراہیم بن یزید الخوزی ایک راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی جو تحسین کی ہے اس کی وجہ سے امام ترمذیؒ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ تصحیح وتحسین احادیث میں متساہل ہیں۔

جواب: امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین کثرت شواہد اور امت کی تلقی بالقبول کی وجہ سے کی ہے۔ نیز امام دار قطنی نے اپنی سنن میں اس حدیث کو متعدد طرق سے روایت کیا ہے جو اپنے ضعف کے باوجود ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔ لہٰذا اس پر ضعف سند کا اعتراض نہیں کر سکتے۔

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ فُرِضَ الْحَجُّ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا مَنْصُورُ بْنُ وَرْدَانَ كُوفِيٌّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہر سال حج کرنا فرض ہے؟

أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ أَفِي كُلِّ عَامٍ فَسَكَتَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ فِي كُلِّ عَامٍ قَالَ لَا وَلَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ فَأَنْزَلَ اللهُ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ) وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَاسْمُ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عِمْرَانَ وَهُوَ سَعِيدُ بْنُ فَيْرُوزَ.

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے صحابہ نے پھر پوچھا اے اللہ کے رسول کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر ان کی حقیقت تم پر ظاہر کر دی جائے تو تمہیں بری لگیں، (اس باب میں حضرت ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور ابوبختری کا نام سعید بن ابوعمران ہے اور وہ سعید بن ابی فیروز ہیں۔

تشریح: حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور مسلم کی روایت میں اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حج ہر سال فرض ہے یا ایک بار، ان کا یہ پوچھنا دوسرے اعمال پر قیاس کرتے ہوئے تھا کہ جس طرح روزہ زکوٰۃ نماز وغیرہ تکرار کے ساتھ فرض ہیں تو کیا حج بھی ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نعم فرما دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا پھر اللہ پاک نے یہ مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ پھر حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا کہ جب تک میں خود کسی معاملے میں حکم نہ دوں، لوگ سوال نہ کریں، وجہ یہ بتلائی گزشتہ امتیں اسلئے ہلاک ہوئیں کہ وہ اپنے نبیوں سے مختلف قسموں کے سوالات کرتی تھیں۔ پھر ان احکامات کی خلاف ورزی بھی کرتیں۔ اسلئے فرمایا کہ جب میں حکم دوں جہاں تک تمہارے بس میں ہو اسکی تعمیل کرو۔ اور جب میں تمہیں کسی سے روک دوں تو تم اسکو چھوڑ دو۔ (مشکوٰۃ کتاب الحج حدیث اوّل)

بَابُ مَا جَاءَ كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ ثَلَاثَ حِجَجٍ حَجَّتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُهَاجِرَ وَحَجَّةً بَعْدَ مَا هَاجَرَ مَعَهَا عُمْرَةٌ فَسَاقَ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ بَدَنَةً وَجَاءَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبَقِيَّتِهَا فِيهَا جَمَلٌ لِأَبِي جَهْلٍ فِي

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حج کیے دو ہجرت سے پہلے اور ایک ہجرت کے بعد جسکے ساتھ عمرہ بھی کیا، اس حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کیلئے اپنے ساتھ تریسٹھ اور باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے ساتھ لیکر آئے، ان میں سے ایک اونٹ ابوجہل کا بھی تھا جسکے ناک میں چاندی کا چھلہ تھا آپ نے انہیں ذبح کیا اور ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک ایک

أَنْفِهِ بُرَةٌ مِنْ فِضَّةٍ فَنَحَرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كُلِّ بَدَنَةٍ بِبَضْعَةٍ فَطُبِخَتْ وَشَرِبَ مِنْ مَرَقِهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ حُبَابٍ وَرَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ فِي كُتُبِهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ قَالَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا فَلَمْ يَعْرِفْهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَيْتُهُ لَا يَعُدُّ هٰذَا الْحَدِيثَ مَحْفُوظًا وَقَالَ إِنَّمَا يُرْوٰى عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ مُجَاهِدٍ مُرْسَلٌ

ٹکڑا اکٹھا کرنے کا حکم دیا پھر اسے پکایا گیا اور اسکے بعد آپ نے اسکا کچھ شوربہ پیا۔ امام ابوعیسٰی ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث سفیان کی روایت سے غریب ہے ہم اسے صرف زید بن حباب کی روایت سے جانتے ہیں۔ عبداللہ بن عبدالرحمن اپنی کتاب میں یہ حدیث عبداللہ ابوزیاد سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے اسکے بارے میں پوچھا انہوں نے بھی سفیان ثوری کی سند سے نہیں پہچانا۔ جعفر اپنے والد سے وہ جابر سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث محفوظ نہیں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثوری نے ابواسحاق سے اور وہ مجاہدؒ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اِس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعد الہجرت ایک ہی حج کیا۔ البتہ ہجرت سے قبل آپ ﷺ سے کوئی حج ثابت ہے یا نہیں اس بارے میں یہ بات سمجھ لیں کہ آپؐ کی مبارک زندگی کے تین دور گزرے ہیں۔ ① نبوت سے قبل۔ ② ہجرت سے قبل۔ ③ ہجرت کے بعد۔ نبوت سے پہلے بھی نبی کریم ﷺ سے حج ثابت ہیں۔ قریش جو حمس کہلاتے ہیں یہ لوگ عرفات میں نہیں جاتے تھے مگر ایک آدمی کہتا کہ ہم نے نبی کریمؐ کو عرفات میں دیکھا تو تعجب ہوا کہ یہ حمس میں سے ہیں مگر عرفات میں کیسے آئے اس سے معلوم ہوا کہ حج کے لئے آئے ہیں پھر نبوت کے بعد بھی حج کئے۔ حج کے موسم میں حج بھی کرتے تھے اور لوگوں کو دعوت بھی دیتے تھے جیسا کہ البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۱۱۰ میں مذکور ہے۔ ''فانه علیه الصلوٰة والسلام کان بعد الرسالة یحضر مواسم الحج ویدعوا الناس الی الله عزوجل ویقول..... الخ''۔ (معارف السنن جلد ۵ ص ۲۰-۲۱)

آپ ﷺ نے کتنے حج ادا کئے اسی کے بارے میں کسی کو صحیح تعداد معلوم نہیں لیکن بظاہر یہ لگتا ہے کہ ہر سال حج کیا ہوگا اور ہجرت کے بعد آپ نے ایک ہی حج کیا ہے اس پر اتفاق ہے۔ باقی حدیث میں جو دو حجوں کا ذکر ہے یہ اس اعتبار سے کہا کہ ان دو حجوں میں انصار نے بیعت کی تھی۔ اس لئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے دو کا ذکر کیا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہجرت سے قبل آپ ﷺ نے کم از کم تین حج کئے ہیں۔ جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے کہ ہجرت سے قبل آپؐ نے تین حج کئے ہیں کیونکہ موسم حج میں تین مرتبہ انصار مدینہ سے ملاقات ثابت ہے۔

فَسَاقَ ثَلَاثًا وَسِتِّينَ بَدَنَةً: آپ ﷺ نے ۶۳ اونٹوں کی قربانی کی اس کی حکمت یہ تھی کہ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۶۳ سال تک پہنچ چکی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن سے واپس تشریف لائے تو ۳۷ اونٹوں کی قربانی کی سو کا عدد مکمل کرنے کے لئے اور حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے ۳۲ اونٹوں کا نحر کیا شاید اس کی حکمت یہ تھی کہ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر مبارک ۳۲ سال تھی۔

فَنَحَرَهَا: آپ ﷺ نے کتنی قربانیاں کیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتنی قربانیاں کیں اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''ان النبی ﷺ أهدى مأته بدنة (باب من يتصدق بجلال البدن) کہ آپ ﷺ نے سو اونٹوں کی قربانی کی۔ اور مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فنحر ثلاثا و ستین بیده ثم اعطى علياً فنحر ما غير'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ اونٹوں کو قربانی اپنے ہاتھ سے کی اور باقی اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیئے کہ وہ نحر کریں۔ ابوداؤد شریف میں ابن اسحاق کی روایت ''عن ابن ابي نجيح عن مجاهد'' کی سند سے مروی ہے کہ حدیث علی ہے ''نحر النبي ﷺ ثلاثين بدنة و امرني فنحرت سائرها'' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس اونٹوں کی خود قربانی کی اور باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ قربانی کریں، ان تمام روایات میں اختلاف ہے۔

اس کی تطبیق علامہ بدرالدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان الفاظ میں دی ہے ''ان النبي ﷺ نحر ثلاثين ثم امر علياً أن ينحر فنحر سبعًا، ثم نحر النبي ثلاثًا و ستين'' کہ پہلے تو آپ ﷺ نے تیس اونٹوں کی قربانی کی پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ سات اونٹوں کی قربانی کریں تو یہ کل ۳۷ ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ اونٹوں کی قربانی دی اسی طرح کُل سو (۱۰۰) کی تعداد پوری ہوگئی۔

بعض حضرات نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ نے سات (۷) اونٹوں کی قربانی کی پھر مزید ۶۳ اونٹوں کی قربانی کی یہ کل ستر ہو گئے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تیس اونٹوں کی قربانی وہ کریں۔

ابن قیمؒ نے حدیث کی ایک اور توجیح بیان کی ہے کہ ابتداءً تیس اونٹوں کی قربانی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے سات اونٹ ذبح کئے جس کا مشاہدہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوا اور نہ ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو۔ پھر ۳۶ اونٹوں کی مزید قربانی کی اور اس کے علاوہ جو باقی بچے ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کیا فلا تعارض بينهما۔

وَشَرِبَ مِنْ مَرَقِهَا: یہ جملہ اس بات پر واضح دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ قارن تھے یہ قربانی دم قران کے طور پر تھی نہ کہ دم جنایت کے طور پر۔ کیونکہ حاجی کے لئے دم الجنایۃ کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

اس سے حنفیہ کی تائید بھی ہوتی ہے کہ دم قران دم تمتع یہ دم شکر ہیں اور ان سے کھانا جائز ہے یہ دم جنایت نہیں جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے کہ ان کے نزدیک دم الجبر ہے اور دم الجبر کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

دم کی دو قسمیں ہیں: ① ''دم التمتع والقران والاضحية وهدى التطوع اذا بلغ محله'' نفلی ھدی جب وہ اپنے محل یا جگہ پر پہنچ جائے۔ ② دم نذر، دم کفارہ یا دم احصار ہے۔

پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کی قربانی سے کھانا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

دوسری قسم کا حکم یہ ہے کہ خود اس قربانی سے کھانا جائز نہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ سُفْيَانَ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سفیان ثوریؒ کی حدیث سے غریب ہے ہم اس کو زید بن حباب کے علاوہ نہیں جانتے۔ مطلب یہ ہے کہ سفیان ثوریؒ کے شاگردوں میں سے صرف زید ہی اس روایت کو ذکر کرتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی شاگرد روایت نہیں کرتا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن کو دیکھا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی زیاد کی سند سے اس کو اپنی کتاب میں لکھا ہے یعنی امام دارمی نے بھی اس

حدیث کو اسی سند سے بیان کیا ہے۔ اس سند کے علاوہ دوسری اور کوئی سند نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد امام بخاریؒ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے حدیث سفیان ثوری والی سند سے نہیں پہچانی اور میں نے ان کو دیکھا انہوں نے اس سند کو محفوظ شمار نہیں کیا۔ انہوں نے یہ فرمایا کہ یہ حدیث ثوری عن ابی اسحاق بن مجاہد کی سند سے مرسل روایت ہے۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَمْ حَجَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَجَّةً وَاحِدَةً وَاعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ عُمْرَةٌ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَّةِ وَعُمْرَةٌ مَعَ حَجَّتِهِ وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ إِذْ قَسَمَ غَنِيمَةَ حُنَيْنٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ هُوَ أَبُو حَبِيبٍ الْبَصْرِيُّ هُوَ جَلِيلٌ ثِقَةٌ وَثَّقَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ

حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ نے کتنے حج کئے؟ انہوں نے فرمایا ایک حج اور چار عمرے۔ ایک عمرہ ذیقعدہ میں ایک صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک حج کے ساتھ اور ایک عمرہ جعرانہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حبان بن ہلال کی کنیت ابوحبیب بصری ہے۔ اور وہ بڑے بزرگ اور ثقہ ہیں۔ یحیی بن سعید قطان انہیں ثقہ کہتے ہیں۔

تشریح: أَرْبَعَ عُمَرٍ: آپ ﷺ نے کتنے عمرے کئے ان کی تفصیل آنے والے باب میں آ رہی ہے جس پر امام ترمذیؒ نے مستقل علیحدہ سے باب قائم کیا ہے۔ وہاں اس کی شرح دیکھیں۔

بَاب مَا جَاءَ كَمِ اعْتَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ عُمْرَةَ الْحُدَيْبِيَةِ وَعُمْرَةَ الثَّانِيَةِ مِنْ قَابِلٍ وَعُمْرَةَ الْقَضَاءِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ وَعُمْرَةَ الثَّالِثَةِ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ وَالرَّابِعَةِ الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعَ عُمَرٍ وَلَمْ يَذْكُرْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کئے ایک عمرہ حدیبیہ کے موقع پر دوسرا، آئندہ سال ذیقعدہ میں حدیبیہ والے عمرے کی قضا میں، تیسرا عمرہ جعرانہ سے کیا اور چوتھا عمرہ حج کے ساتھ۔ اس باب میں حضرت انس، عبداللہ بن عمرو، ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث غریب ہے ابن عیینہ یہ حدیث عمرو بن دینار سے اور وہ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار عمرے کئے اور اس میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر نہیں کیا۔ سعید

فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ .

بن عبدالرحمٰن مخزومی نے سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عکرمہ سے یہ حدیث انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی حدیث کی مثل بیان کی۔

تشریح: نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں چار عمروں کے لئے احرام باندھا تھا ان عمروں میں سے تین عمرے تو ادا کئے لیکن ایک عمرہ سے روک دیئے گئے تھے جو لوگ چار عمروں کے بارے میں کہتے ہیں وہ عمرۃ القضاء کو مستقل عمرہ شمار کرتے ہیں۔

عُمْرَةُ الْحُدَيْبِيَةِ: پہلا عمرہ دوشنبہ یکم ذی قعدہ سن ۶ ہجری میں کیا یہ عمرہ نا تمام رہا کیونکہ مکہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ سال اس عمرہ کی قضاء کی اس عمرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر ھدی کے جانور ذبح کر کے اور حلق کروا کر حلال ہونا پڑا۔

وَعُمْرَةُ الْقَضَاءِ: دوسرے عمرہ کا احرام ۷ ہجری ذی قعدہ کے مہینہ میں باندھا یہ عمرہ **عمرۃ القضاء** کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ درحقیقت ۶ ہجری والے عمرہ کی قضاء تھی۔

وَعُمْرَةُ الْجِعِرَّانَةِ: تیسرے عمرے کا احرام ۸ ھ میں ۱۸ ذی قعدہ کو غزوہ حنین اور طائف کے مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر مقام جعرانہ سے باندھا اور یہ عمرہ عمرہ جعرانہ کے نام سے مشہور ہے۔

وَالرَّابِعَةُ الَّتِي مَعَ حَجَّتِهِ: چوتھے عمرہ کا احرام ۱۰ ہجری میں ۲۵ ذی قعدہ کو حجۃ الوداع کے احرام کے ساتھ باندھا ۴ ذی الحجہ کو آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر حج قران کیا۔

احصار کی وجہ سے حج یا عمرہ توڑنا پڑے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی قضاء نہیں اور احناف کے نزدیک قضاء ہے۔ اس کا عمرۃ القضاء ہونا یہ احناف کی دلیل ہے کہ احصار کی وجہ سے توڑے ہوئے عمرے کی قضاء ہے اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

بَاب مَا جَاءَ مِنْ أَيِّ مَوْضِعٍ أَحْرَمَ النَّبِيُّ ﷺ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ لَمَّا أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَجَّ أَذَّنَ فِي النَّاسِ فَاجْتَمَعُوا فَلَمَّا أَتَى الْبَيْدَاءَ أَحْرَمَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَالْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ . حَدَّثَنَا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا تو لوگوں میں اعلان کرایا۔ لوگ جمع ہو گئے پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیداء کے مقام پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، انس، اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ حسن صحیح ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ الْبَيْدَاءُ الَّتِي يَكْذِبُونَ فِيهَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ مَا أَهَلَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا مِنْ عِنْدِ الْمَسْجِدِ مِنْ عِنْدِ الشَّجَرَةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیداء کے مقام پر احرام باندھا اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذوالحلیفہ کے پاس درخت کے قریب سے لبیک پکارنا شروع کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج کیا تھا اس حج میں آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک جم غفیر موجود تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو جزیرہ عرب میں اعلان کیا گیا کہ آپ ﷺ اس سال حج ادا کریں گے پس جو حج کے لئے مکہ پہنچ سکتا ہے وہ مکہ پہنچے اس پر ایک لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اس سے زائد لوگ حج میں شریک ہوئے ان میں سے بہت سارے لوگ اپنے وطنوں سے براہ راست مکہ پہنچے تھے اور بیشتر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے تاکہ شروع سے آپ ﷺ کے ساتھ رہیں اور حج کے مسائل سیکھیں۔ نبی کریم ﷺ ۲۵ ذی قعدہ کو ظہر کی نماز کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے راستے میں ذوالحلیفہ مقام پر ٹھہر گئے یہ اہل مدینہ والوں کا میقات ہے یہ مدینہ منورہ سے تقریباً پانچ یا چھ میل کے فاصلے پر ہے، اس جگہ پر آپ ﷺ نے عصر سے لے کر فجر کی نمازیں ادا کیں۔ اس جگہ طویل قیام کا مقصد یہ تھا کہ سب رفقاء جمع ہو جائیں اور آگے سفر ساتھ ہو۔ آنے والے دن میں آپ ﷺ نے طلوع شمس کے بعد ذوالحلیفہ میں ایک درخت کے قریب احرام کا دوگانہ ادا کیا اور پھر تلبیہ پڑھ کر احرام شروع فرمایا اس کا علم صرف انہی لوگوں کو ہوا جو وہاں پر موجود تھے۔ پھر جب آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوئے اور وہ کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا اس وقت جن لوگوں نے تلبیہ سنا انہوں نے سوچا کہ اب احرام شروع کیا۔ لہٰذا انہوں نے اس مقام پر احرام باندھنے کی روایت کر دی۔ پھر جب اونٹنی آپ کو لے کر بیداء نامی ٹیلے پر چڑھی تو آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا پس جن لوگوں نے یہاں تلبیہ سنا انہوں نے وہ وقت یاد کر لیا اور اس وقت کو پہلا تلبیہ قرار دیا۔ اور یہ بیان کر دیا کہ آپ نے بیداء مقام سے احرام باندھا۔ اس بات پر تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ظاہراً احرام ذوالحلیفہ سے باندھا تھا لیکن اس میں روایات مختلف ہیں کہ تلبیہ کہاں سے پڑھا۔ بعض نے کہا کہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز کے فوراً بعد پڑھا اور بعض نے کہا کہ ذوالحلیفہ مقام پر تلبیہ پڑھا اور بعض نے کہا کہ جب آپ ﷺ اونٹ پر سوار ہوئے تو اس وقت تلبیہ پڑھا اور بعض نے کہا کہ بیداء مقام پر تلبیہ پڑھا۔ اس طرح ان روایات میں اختلاف ہے۔

لیکن یہ اختلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے دور ہو جاتا ہے اور یہ روایت تمام روایات میں تطبیق بھی کہی جا سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان تمام مقامات پر تلبیہ پڑھا تھا لہٰذا جس صحابی نے جس مقام پر تلبیہ سنا انہوں نے اسی مقام کو روایت کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انی لا علم الناس بذالك کہ نبی کریم ﷺ کے حج کے افعال واقوال کا مجھے سب سے زیادہ علم ہے کیونکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب تھا، بنسبت اور لوگوں کے اس لئے

ان کو صحیح علم نہ ہو سکا اور ان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔

اعتراض: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا دارومدار خصیف بن عبدالرحمٰن پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔

جواب: خصیف بن عبدالرحمٰن کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ جہاں بعض حضرات نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے وہاں متعدد محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معین، ابوحاتم، اور ابوزرعہ وغیرہ سے ان کی توثیق منقول ہے۔ امام ابوداؤد نے ان کی سند ذکر کرنے کے بعد سکوت اختیار کیا ہے۔ امام ابوداؤد کا سکوت فرمانا ان کے نزدیک کم سے کم حسن ہونے کی دلیل ہے۔ امام حاکم نے ان کی حدیث کو صحیح علی شرط مسلم قرار دیا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مَتَى أَحْرَمَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهَلَّ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُ أَحَدًا رَوَاهُ غَيْرَ عَبْدِ السَّلَامِ بْنِ حَرْبٍ وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يُحْرِمَ الرَّجُلُ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہمیں نہیں معلوم کہ اس حدیث کو عبدالسلام بن حرب کے علاوہ کسی اور نے روایت کیا ہو۔ اہل علم اس کو مستحب کہتے ہیں کہ آدمی نماز کے بعد احرام باندھے اور تلبیہ پڑھے۔

تشریح: احرام شروع کرنے سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون ہے۔ ان دو رکعات کے فوراً بعد تلبیہ پڑھنا ضروری نہیں اگر تلبیہ پڑھنے سے تاخیر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ دو رکعت شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نیت ایک پوشیدہ امر ہے اس لئے اس کو ایسے عمل کے ذریعے مشروع کروایا گیا جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے جو اللہ کی عبادت کے اہتمام پر دلالت کرنے والا ہے تاکہ نفس کے لئے یہ بات خوب واضح ہو جائے کہ یہ عمل جو شروع کر رہا ہو وہ بہت اہم ہے۔

اس حدیث الباب میں ایک راوی خصیف بن عبدالرحمٰن الجزری ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں ان کا تذکرہ ماقبل باب کے اعتراض وجواب کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِفْرَادِ الْحَجِّ

حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ قِرَاءَةً عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عُمَرَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا (یعنی حج میں فقط حج کا احرام باندھا) اس باب میں حضرت جابر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حسن صحیح ہے، اسی پر

قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ. وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْرَدَ الْحَجَّ وَأَفْرَدَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانُ. حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ الصَّائِغُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهٰذَا قَالَ أَبُو عِيسٰى و قَالَ الثَّوْرِيُّ إِنْ أَفْرَدْتَ الْحَجَّ فَحَسَنٌ وَإِنْ قَرَنْتَ فَحَسَنٌ وَإِنْ تَمَتَّعْتَ فَحَسَنٌ و قَالَ الشَّافِعِيُّ مِثْلَهُ وَقَالَ أَحَبُّ إِلَيْنَا الْإِفْرَادُ ثُمَّ التَّمَتُّعُ ثُمَّ الْقِرَانُ.

بعض اہل علم کا عمل ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا اور اسی طرح حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی حج افراد کیا۔ ابوعیسیٰ نے فرمایا ہم سے روایت کی اسکی قتیبہ نے وہ عبداللہ بن نافع صائغ سے وہ عبیداللہ بن عمر سے وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری نے فرمایا کہ اگر آدمی حج افراد کرے تو بہتر ہے اور اگر تمتع کرے تو بھی بہتر ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حج افراد سب سے بہتر ہے پھر حج تمتع اور اسکے بعد حج قران۔

تشریح: حج کی اقسام: حج کی تین اقسام ہیں: حج افراد، حج تمتع، حج قران۔

حج افراد: میقات سے صرف حج کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور حج کرنا۔

حج تمتع: میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ جانا اور عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دینا (لیکن اگر ہدی ساتھ ہو تو پھر احرام نہ کھولے بلکہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کے احرام کی نیت کرے اور اگر ہدی ساتھ نہیں تو پھر احرام عمرہ کھول دے) پھر مکہ میں ہی رکا رہے پھر آٹھ ذی الحجہ کو مکہ سے حج کا احرام باندھے اور حج کرنے۔

حج قران: حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھنا اور عمرہ ادا کر کے احرام کی حالت میں مکہ میں رُکے رہنا اور حج کے دنوں میں حج کرنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج کیا اس حج کے بارے میں ائمہ کی مختلف روایات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حج، حج افراد کیا تھا یا حج تمتع یا حج قران ستر سے زائد صحابہ سے روایات جو عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہیں ان میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران کیا تھا اور پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا اور چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج افراد کیا تھا۔ (معارف السنن جلد ۱ ص ۴۱-۴۲)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً حج مفرد کا احرام باندھا پھر قران کا احرام باندھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قارن تھے مال کے اعتبار سے نہ کہ ابتداء کے اعتبار سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج قران کا احرام جاہلیت کی ایک رسم باطل کو رد کرنے کیلئے کیا زمانہ جاہلیت میں یہ تصور چلا آرہا تھا کہ جس سال حج کرنا ہو اس سال اشہر حج میں عمرہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور شریعت کا حکم ابھی نازل نہیں ہوا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حج کا احرام باندھا افراد کی روایات کا محمل یہی ہے یعنی ان روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی حالت کا تذکرہ ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچ گئے نیا حکم آگیا کہ لوگ حج کا احرام عمرہ سے بدل دیں۔ یعنی نیت بدل دیں اور افعال عمرہ کر کے احرام کھول دیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو یہ حکم سنایا جن کے پاس ہدی نہیں تھی ان کو احرام کھولنے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ آٹھ

ذی الحجہ کو مکہ ہی میں احرام باندھیں۔تو لوگوں پر یہ حکم شاق گزرا کیونکہ حج کے لئے چند گنے چنے دن باقی رہ گئے تھے۔ نبی کریم ﷺ چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے تھے اور احرام کھولنے کا مطلب یہ تھا کہ بیویوں سے فائدہ اٹھانا اور پہلے سے جو تصور چلا آرہا تھا وہ ذہنوں میں موجود تھا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم اس حال میں حج کریں گے کہ ہماری شرمگاہوں سے منی ٹپک رہی ہوگی۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر وعظ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم سے زیادہ اللہ کی اطاعت کرنے والا اور تم سے زیادہ خیر کا طالب ہوں، اگر میرے ساتھ قربانی کے جانور نہ ہوتے تو میں بھی تمہارے ساتھ عمرہ کر کے احرام کھول دیتا۔جب آپ ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہنوں سے بوجھ ہٹ گیا۔ اس کے بعد جو لوگ ہدی ساتھ نہیں لائے تھے انہوں نے ارکان عمرہ ادا کر کے احرام کھول دیا۔آپ ﷺ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے جب تک وہ ذبح نہ ہوتے آپ احرام نہیں کھول سکتے تھے۔اس لئے آپ ﷺ نے عمرہ کے ساتھ حج کی نیت کرلی۔ اب آپ قارن ہو گئے۔اب یہ قران کی روایت آخری حالت کے اعتبار سے ہے۔

روایات میں تینوں طریقوں سے حج کرنا جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب سے افضل حج افراد ہے پھر حج تمتع پھر حج قران۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام مالک کے نزدیک سب سے افضل حج افراد ہے پھر حج تمتع پھر حج قران۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سب سے افضل حج تمتع ہے جس میں ہدی ساتھ نہ لایا ہو پھر حج افراد، پھر قران۔

امام شافعیؒ، امام مالکؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے: ”عن عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول الله ﷺ أفرد الحج“۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ”باب ان النبی ﷺ افرد الحج و افرد ابوبکر و عمر و عثمان“ نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے افراد کی حدیث مسلم اور ابن ماجہ میں ہے۔”عن جابر ان رسول الله ﷺ و ابابکر و عمر و عثمان افرد و الحج“ (سنن بن ماجہ ص۲۱۳)

جواب اوّل: افراد الحج کا معنی یہ ہے کہ حج وعمرہ دونوں ایک احرام سے ادا کئے۔

جواب ثانی: آپ ﷺ قارن تھے اور قارن کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنے تلبیہ میں حج وعمرہ دونوں کا ذکر کرے یا صرف حج کا ذکر کرے تو صرف حج کے ذکر سے بعض نے سمجھا کہ حج افراد ہے۔

جواب ثالث: حج افراد کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ نے حج افراد کیا بلکہ یہ ہے کہ آپ ؐ نے حج افراد کو مشروع قرار دیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے ”قد صنعها رسول الله ﷺ و صنعنا معه“ نیز سعد رضی اللہ عنہ سے تمتع کی روایت مسلم اور مسند احمد میں بھی ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب ہے ”تمتع رسول الله ﷺ و ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم“۔

دلیل ثالث: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث باب ”لقد صنعها رسول الله ﷺ“ حضرت نیز ابن عمرؓ کی حدیث ہے ”تمتع رسول الله“

دلیل رابع: صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے "تمتع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و تمتعنا معه"
دلیل خامس: "ان ابا موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ کان یفتی بالمتعة فقال له عمر رضی الله عنهما قد علمت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد فعله واصحابه"۔
دلیل سادس: حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے تمتع کی روایات مسلم میں موجود ہیں۔
باقی رہیں وہ روایات جن میں یہ ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کی تمنا فرمائی تھی تو ان کے جوابات یہ ہیں:
جواب اوّل: تمتع سے مراد تمتع لغوی ہے یعنی ایک ہی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بھی کیا اور عمرہ بھی کیا گویا تمتع لغوی مراد ہے اور تمتع لغوی اور قران اصطلاحی دونوں جمع ہو جاتے ہیں۔
جواب ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود قارن تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حج تمتع اور حج افراد کرنے کی اجازت دیدی تھی تا کہ امت کیلئے تینوں طریقوں سے حج کرنے کا جواز حاصل ہو جائے۔
جواب ثالث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اپنے احرام کو مخفی رکھا اس وجہ سے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد کا تلبیہ پڑھا اور کبھی تمتع کا پڑھا لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق میں پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قران کا حکم دیا اسی وجہ سے اگر پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراد یا تمتع کا تلبیہ پڑھا بھی ہے تو اس کا اعتبار نہیں۔
جواب رابع: ابن ہمام وغیرہ فرماتے ہیں کہ قارن کے لئے تینوں طریقوں پر تلبیہ پڑھنا جائز ہے روایات میں اختلاف، سماع کی وجہ سے آیا لہٰذا جس نے تمتع کے الفاظ سنے اس نے تمتع کہا اور جس نے حجۃ کا لفظ سنا تو اس کو افراد قرار دیا اور جس نے حج اور عمرہ کے الفاظ سنے اس نے قران نقل کر دیا۔
جواب خامس: یہ مسئلہ جواز و عدم جواز کا نہیں بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے جس نے جس پر عمل کیا وہ جائز ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے "قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لبیك بعمرة و حجة" کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ اور حج دونوں کا تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا اس سے معلوم ہوا کہ یہ حج قران تھا حج افراد یا حج تمتع نہیں تھا۔
دلیل ثانی: بخاری شریف اور ابوداؤد شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو بوادی العقیق یقول اتانی اللیلة أت من ربی فقال صل فی هذا الواد المبارك و قل عمرة فی حجة" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو قران کا حکم دیا گیا۔
دلیل ثالث: ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قرن الحج والعمرة" کہ آپ صلی اللہ علیہ نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے یعنی حج قران ادا کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے قران کے بارے میں روایات بخاری شریف کے ان چند ابواب ہیں۔ ① کتاب التمنی۔ ② باب تقضی الحائض المناسک۔ باب عمرة التنعیم۔
دلیل رابع: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یلبی بهما جمیعا"۔
دلیل خامس: "عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه قرن الحج مع العمرة ۔۔۔۔۔۔ ثم قال هكذا فعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم"۔

دلیل سادس: "عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین حج و عمرۃ"۔
دلیل سابع: "عن سراقۃ بن مالک رضی اللہ عنہ قال قرن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حج قران کیا تھا۔
دلیل ثامن: "عن ابی طلحۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الحج والعمرۃ" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج و عمرہ دونوں کو جمع کیا۔
دلیل تاسع: "عن الھرماس بن زیاد رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرن فی حجۃ الوداع بین الحج والعمرۃ" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حج اور عمرہ کو جمع کیا تھا یعنی حج قران کیا تھا۔
دلیل عاشر: "عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اھلوا یا آل محمد بعمرۃ فی حج"۔

قران کی افضلیت کی وجوہ ترجیح:

① قران کی روایات بنسبت افراد و تمتع کی روایات کے زیادہ ہیں۔

② افراد اور تمتع والی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے افراد کے متعلق جو مشہور روایت ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جبکہ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ساتھ عمرہ کیا۔ اس کے علاوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو حج قران کے متعلق روایات نقل کر رہے ہیں ان میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے بارے میں جتنی روایات مذکور ہیں ان میں کسی روایت میں یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افردت یا تمتعت فرمایا ہو لیکن حضرت براء بن عازب اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایات میں "قرنت" کی تصریح موجود ہے۔

④ وہ روایات جن میں حج قران کے متعلق ذکر آیا ہے ان روایات کی تاویل نہیں ہو سکتی مگر بہت ہی مشکل طریقے سے۔ اس کے برخلاف افراد اور تمتع کے متعلق جو روایات آئی ہیں ان میں آسانی سے تاویل ہو سکتی ہے۔

⑤ قران کے روایت کرنے والے راوی علم میں اونچے مرتبہ کے ہیں برخلاف تمتع اور افراد کی روایات نقل کرنے والوں کے۔

⑥ حج قران میں مشقت زیادہ ہے اس لئے وہ افضل ہے برخلاف تمتع اور افراد کے اس میں اتنی مشقت نہیں۔

⑦ حج قران کا ثبوت تمام خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

⑧ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حج افراد مروی ہے ان سے قران بھی مروی ہے جیسے حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ لیکن ایسے صحابہ کرام متعدد ہیں جن سے صرف قران مروی ہے افراد نہیں مثلاً، حضرت انس، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما وغیرہ۔

⑨ جو روایات اس بارے میں مروی ہیں وہ کئی انواع پر مشتمل ہیں کبھی تو اس کی تعبیر "بالاھلال بھما" سے کی جاتی ہے اور کبھی اس کی تعبیر "بعدم الاحلال بینھما" سے کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ عمرہ حج کے ساتھ مقترن ہو اس کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے اور بسا اوقات صرف لفظ قران سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ سب تعبیرات قران کی ہیں۔

⑪ قربانی کے لئے ہدی کا جانور ساتھ لے جانے کا حکم تھا اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود جانور لے کر گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قران افضل ہے۔

⑫ قربانی کے جانور ساتھ لے جانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو اختیار دیا تھا اور اس کا حکم ان کو دیا پس جو

آپ ﷺ نے اپنے لئے اختیار کیا اسے دوسرے لوگوں کو اختیار کرنے پر مجبور نہیں فرمایا۔

⑬ آپ ﷺ کا فرمان "دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیامة" یہ فرمان تقاضا کرتا ہے کہ عمرہ حج میں داخل ہو۔ عمرہ حج کے جزء ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور جزء کل میں داخل ہوتا ہے اس لئے اس سے جدا نہیں ہوتا اور یہ حج قران میں ہوتا ہے۔

⑭ قران کے اعمال دونوں کی طرف سے ادا کئے جاتے ہیں مثلاً احرام، طواف، سعی، عمرہ و احرام جبکہ حج کی دوسری اقسام میں اس طرح نہیں ہوتا۔

افراد والی روایات ساکت اور نافی ہیں جبکہ قران والی روایات مثبت ہیں والمثبت مقدم علی النافی۔

باب مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا وَاخْتَارَهُ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سنا فرماتے تھے لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجَّةٍ اے اللہ میں حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں، اس باب میں حضرت عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم اسی پر عمل کرتے ہیں اہل کوفہ اور دوسرے لوگوں نے اسے (یعنی حج قران کو) پسند کیا ہے۔

تشریح: حج اور عمرہ کا تلبیہ ایک ہی ہے تلبیہ کے دوران حج یا عمرہ کی نیت کرنا ضروری نہیں اس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے کہ صرف نیت کرنا کافی ہے اور آپ ﷺ نے اپنے تلبیہ میں حج و عمرہ دونوں کا ذکر اس لئے کیا تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صورت حال کا پتہ چل جائے کہ آپ ﷺ نے حج قران کیا ہے۔

اس باب میں اور سابق باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے آئندہ بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ آپ ﷺ شروع سے قارن تھے۔ اسی کو امام ابوحنیفہؒ نے اختیار کیا ہے اور یہ حدیث بغیر کسی وجہ کے امام صاحب کا مستدل ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي التَّمَتُّعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ وَالضَّحَّاكَ بْنَ قَيْسٍ وَهُمَا يَذْكُرَانِ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى

محمد بن عبداللہ بن حارث بن نوفل سے روایت ہے انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص اور ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ دونوں تمتع کا ذکر کر رہے تھے جس میں حج کے ساتھ عمرہ بھی کیا جاتا ہے ضحاک بن قیس نے کہا یہ تو وہی کرے گا جو اللہ

الْحَجِّ فَقَالَ الضَّحَّاكُ بْنُ قَيْسٍ لَا يَصْنَعُ ذٰلِكَ إِلَّا مَنْ جَهِلَ أَمْرَ اللهِ فَقَالَ سَعْدٌ بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أَخِي فَقَالَ الضَّحَّاكُ فَإِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَدْ نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَعْدٌ قَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَنَعْنَاهَا مَعَهُ وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ أَخْبَرَنِي يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَهُوَ يَسْأَلُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ هِيَ حَلَالٌ فَقَالَ الشَّامِيُّ إِنَّ أَبَاكَ قَدْ نَهٰى عَنْهَا فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهٰى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ بَلْ أَمْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کے حکم سے بے خبر ہو۔ حضرت سعد نے کہا اے بھتیجے تو نے بری بات کہی ضحاک نے کہا کہ عمر بن خطاب نے تمتع سے منع کیا ہے۔ حضرت سعد فرمانے لگے کہ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی (حج) تمتع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم نے بھی اسی طرح کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن شہاب سے روایت ہے کہ ان سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا کہ انہوں نے ایک شامی کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حج کے ساتھ عمرے کو ملانے (یعنی تمتع) کے متعلق سوال کرتے ہوئے سنا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ جائز ہے شامی نے کہا آپ کے والد نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا دیکھو اگر میرے والد کسی کام سے منع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی کام کریں تو میرے والد کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ شامی نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَمَتَّعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَأَوَّلُ مَنْ نَهٰى عَنْهُ مُعَاوِيَةُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعُثْمَانَ وَجَابِرٍ وَسَعْدٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ اخْتَارَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمتع کیا۔ اسی طرح ابو بکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی تمتع ہی کیا اور جس نے سب سے پہلے تمتع سے منع کیا وہ امیر معاویہ ہیں۔ اس باب میں حضرت علی، عثمان، جابر، سعد، اسماء بنت ابی بکر اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن ہے، علماء صحابہ کی ایک جماعت نے تمتع ہی کو اختیار کیا ہے۔ یعنی حج کے ساتھ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ۔ التَّمَتُّعُ بِالْعُمْرَةِ وَالتَّمَتُّعُ أَنْ يَدْخُلَ الرَّجُلُ بِعُمْرَةٍ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ثُمَّ يُقِيمَ حَتّٰى يَحُجَّ فَهُوَ مُتَمَتِّعٌ وَعَلَيْهِ دَمٌ مَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيُسْتَحَبُّ لِلْمُتَمَتِّعِ إِذَا صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ أَنْ يَصُومَ فِي الْعَشْرِ وَيَكُونُ آخِرُهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فَإِنْ لَمْ يَصُمْ فِي الْعَشْرِ صَامَ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ فِي قَوْلِ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَعَائِشَةُ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ و قَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَصُومُ أَيَّامَ التَّشْرِيقِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَأَهْلُ الْحَدِيثِ يَخْتَارُونَ التَّمَتُّعَ بِالْعُمْرَةِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ .

عمرے کو۔ تمتع حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے اور اس کے بعد حج کرنے تک وہیں رہنے کو کہتے ہیں، اور اس میں قربانی کرنا واجب ہے اگر کوئی قربانی نہ کرسکتا ہو تو حج کے دنوں میں تین اور گھر واپس آنے پر سات روزے رکھے۔ اور اس کیلئے مستحب ہے کہ تین روزے ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں رکھ لے اس طرح کہ تیسرا روزہ عرفہ کے دن ہو۔ یعنی پہلے عشرہ کے آخری تین دن، اگر ان دنوں میں روزے نہ رکھے ہوں بعض علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن میں حضرت عمرؓ اور عائشہؓ بھی شامل ہیں کے نزدیک ایام تشریق میں روزے رکھے امام مالک شافعی احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایام تشریق میں روزے نہ رکھے اہل کوفہ (احناف) کا یہی قول ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ محدثین تمتع ہی کو اختیار کرتے ہیں امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ قران اور تمتع سے منع فرمایا کرتے تھے۔

یہاں پر جس تمتع کا ذکر ہورہا ہے اس سے تمتع اصطلاحی مراد ہے ضحاک کا تمتع اصطلاحی کے بارے میں یہ کہنا ''لا یصنع ذالك الا من جهل امر الله تعالى'' یہ ان کے اپنے فہم کے اعتبار سے ہے کہ انہوں نے قران کی آیت کا یہ مطلب سمجھا ہوا تھا کہ حج وعمرہ کو الگ الگ سفروں کے ساتھ کیا جائے۔

علامہ نوویؒ اس نہی کو نہی تنزیہ پر محمول کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک حج افراد افضل ہے اس لئے قران اور تمتع سے منع فرمایا کرتے تھے گویا ان کے نزدیک حج افراد کی افضیلت زیادہ ہے۔

احناف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نہی کی متعدد توجیہات کی ہیں مثلاً یہ کہ وہ ایک سال میں حج وعمرہ دونوں کے لئے مستقل سفر کرنے کو تمتع اور قران کے مقابلے میں افضل قرار دیتے تھے اور یہ صورت حنفیہ کے نزدیک بھی یقیناً افضل ہے یہ توجیہ نہی عن التمتع اور نہی عن القران دونوں سے متعلق ہے۔

اس کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''فافصلوا حجکم من

عمرتكم فانه اتم لحجكم وأتم لعمرتكم''۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کی علیحدہ علیحدہ وجہ ہے۔ نہی عن القران کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر ایک انسان ایک سال میں دو سفر کرے ایک مستقلاً حج کے لئے اور دوسرا مستقلاً عمرہ کے لئے تو ان کے نزدیک یہ صورت قران اور تمتع سے زیادہ افضل ہے یہ صورت تو حنفیہ کے نزدیک بھی افضل ہے اور حضرت عمرؓ کے نزدیک جو شخص سال میں دو سفر کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو اس کے لئے بھی ان کے نزدیک حج قران میں کوئی کراہت نہیں بلکہ اسے تمتع اور افراد سے افضل سمجھتے تھے۔ اس کی تائید طحاوی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ''يقولون ان عمر نهى عن المتعة قال عمر لو اعتمرت فى عام مرتين ثم حججت لجعلتها مع حجتى'' اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو قران کی تمنا کیا کرتے تھے پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس سے روکیں۔ لہٰذا ان کی نہی کا مطلب یہی ہے کہ قران ویسے تو تمتع اور افراد سے افضل ہے لیکن ایک صورت اس سے بھی افضل ہے۔ لہٰذا اس کے بجائے اس صورت کو اختیار کرنا چاہیے یعنی ایک سال میں حج کے لئے مستقل سفر کیا جائے اور عمرہ کے لئے مستقل۔

اور تمتع سے نہی کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں حلال ہونے کے بعد عین حج کے موقع پر احرام باندھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس کی کراہیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا ''أتنطلق الى منى وذكورنا تقطر''۔

لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیسے محض اپنی رائے سے تمتع کو مکروہ سمجھتے تھے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نبی کریمؐ نے تمتع کا بھی حکم دیا ہوا ہے۔

اس سے بھی بہتر توجیہ جو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے کی ہے کہ یہاں تمتع سے تمتع اصطلاحی مراد نہیں ہے یعنی تمتع اصطلاحی سے منع نہیں فرماتے تھے بلکہ وہ فسخ الحج الی العمرۃ سے روکتے تھے اس کے متعلق ضحاک کا یہ کہنا لا يصنع ذلك الا من جهل امر الله بالکل بجا ہے کیونکہ وہ فسخ الحج بالعمرۃ اس سال کی خصوصیت تھی اور اس سے مقصود رسم جاہلیت کا رد تھا کہ زمانہ جاہلیت میں اشہر حج کے اندر لوگ عمرہ کو مکروہ سمجھتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان صحابہ کرامؓ کو حکم دیا جنہوں نے صرف حج افراد کے لئے احرام باندھا تھا اور ہدی بھی ساتھ نہیں لائے تھے تو ان کو کہا کہ ''فسخ حج الى العمرة'' پر عمل کرتے ہوئے طواف وسعی کے بعد حلال ہو جائیں تا کہ اشہر حج میں عمرہ کی کراہیت کے متعلق عقیدہ جاہلیت کی تردید ہو جائے۔

اب یہ فسخ الحج الی العمرۃ کی صورت حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خاص تھی اور ان کے لئے بھی صرف اسی سال مصلحۃً جائز کی گئی تھی۔ بعض لوگوں نے اس کو عام سمجھا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنبیہ فرمائی اور تمتع یا متعہ کے الفاظ کے ساتھ اس سے منع فرمایا۔ اب اس بحث کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو نہی عن المتعہ منقول ہے اس سے مراد فسخ الحج الی العمرۃ مراد ہے جس کا جواز حجۃ الوداع کے ساتھ خاص تھا۔ مقصود رسم جاہلیت کی تردید تھی اس پر آگے سے حضرت سعد کا یہ فرمانا ''بئس ماقلت يا ابن اخى'' بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ ان کو اس خصوصیت کا علم نہیں ہو سکا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یا پھر حضرت ضحاک نے کہا کہ نہی تحریمی تھی۔ پھر اس کے جواب میں حضرت سعد نے کہا'' قدصنعها رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اى

امر به". حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا " بئس ما قلت یا ابن اخی " کہنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ضحاک کی بات درست تھی کہ اب اگر کوئی یہ کرے گا تو وہ جاہل ہے لیکن صورۃً حدیث کا مقابلہ تھا اس لیے اس کو" بئس ما قلت یا ابن اخی " کہا۔

قد صنعها رسول الله ﷺ: اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے تمتع اصطلاحی کیا ہوا تھا بلکہ یہاں تمتع سے جمع بین الحج والعمرۃ یعنی قران مراد ہے کیونکہ کسی کے نزدیک بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متمتع تھے۔ صرف حنابلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمتع ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور دلیل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوہ مروہ کے قریب مشقص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کا قصر کیا تھا اور مروہ کے قریب اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کر کے حلال ہو گئے ہوں یہ صورت تو تمتع میں ممکن ہے۔

جواب یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ حج کے متعلق نہیں بلکہ عمرہ جعرانہ سے متعلق ہے اس سے آپؐ کے متمتع ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

واول من نھی عنھا معاویۃ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے شخص جو تمتع سے منع فرماتے تھے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصود حج تمتع سے روکنا نہیں تھا بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتوے کو رد کرنا تھا وہ اس بات کے قائل تھے کہ جو شخص حج افراد کا احرام باندھ کر آئے تو طواف صرف بیت اللہ سے "فسخ الحج الی العمرۃ" ہو جائے گا وہ فسخ چاہے یا نہ چاہے۔

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ مشہور ہوا تو لوگوں میں اضطراب پیدا ہو گیا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی تردید کے لئے لوگوں پر زور دیا کہ وہ حج افراد کا احرام باندھیں اور عمرہ کو اس کے ساتھ جمع نہ کریں نہ تو قران کی صورت میں اور نہ ہی تمتع کی صورت میں۔ ان کا مقصود تمتع سے روکنا نہیں تھا بلکہ اس مسئلہ کو واضح کرنا تھا جبکہ لوگ اس کو الٹ سمجھ کر کہنے لگے کہ امیر معاویہؓ حج تمتع سے روکتے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي التَّلْبِيَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ تَلْبِيَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا تلبیہ یہ تھا (اے اللہ میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں تیری بارگاہ میں۔ تمام تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں تیری بادشاہت میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے احرام باندھا اور یہ تلبیہ کہتے ہوئے چلے (میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں تیری بارگاہ میں۔ تیرا کوئی شریک نہیں

بْنُ عُمَرَ يَقُولُ هٰذِهِ تَلْبِيَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَزِيدُ مِنْ عِنْدِهِ فِي أَثَرِ تَلْبِيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِنْ زَادَ فِي التَّلْبِيَةِ شَيْئًا مِنْ تَعْظِيمِ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَأَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَقْتَصِرَ عَلٰى تَلْبِيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِنَّمَا قُلْنَا لَا بَأْسَ بِزِيَادَةِ تَعْظِيمِ اللّٰهِ فِيهَا لِمَا جَاءَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَهُوَ حَفِظَ التَّلْبِيَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ زَادَ ابْنُ عُمَرَ فِي تَلْبِيَتِهِ مِنْ قِبَلِهِ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبٰى إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ:

میں تیرے حضور حاضر ہوں بے شک تعریف نعمت اور بادشاہت تیرے ہی لئے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں) حضرت نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ ہے، آپ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ) اس تلبیہ میں یہ اضافہ فرماتے میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں تیری عبادت کیلئے ہر وقت تیار ہوں بھلائی تیرے ہی اختیار میں ہے تیری ہی طرف رغبت ہے اور عمل تیری ہی رضا کیلئے ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابن مسعود، جابر، عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوریؒ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تلبیہ میں کچھ ایسے تعظیمی الفاظ زیادہ کئے تو کوئی حرج نہیں لیکن مجھے یہ بات پسند ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلبیہ ہی پڑھے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ بات کہ تعظیم الٰہی کے کچھ الفاظ زیادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہم نے اس لئے کہی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تلبیہ یاد تھا پھر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی طرف سے یہ الفاظ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبٰى إِلَيْكَ وَالْعَمَلُ زیادہ کئے

تشریح: مسئلہ اولیٰ: تلبیہ کا حکم کیا ہے؟ اس کے متعلق فتح الباری جلد ۳ ص ۳۲۶ میں اور عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۵۳۲ میں مذاہب اور اقوال کو تفصیل سے بیان کیا ہے کہ احرام کی ابتداء کے وقت ایک دفعہ تلبیہ کہنا واجب ہے اور تین دفعہ کہنا سنت ہے اس کے علاوہ باقی مواضع میں کثرت سے تلبیہ کہنا مندوب ہے۔ تلبیہ کے قائم مقام سوق ہدی بھی ہے یعنی کسی نے تلبیہ تو نہیں کہا البتہ سوق ہدی کیا تو پھر بھی وہ محرم بن جاتا ہے۔ خلاصہ کے طور پر چند اقوال بیان کئے جاتے ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تلبیہ کہنا سنت ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک تلبیہ کہنا واجب ہے اگر کسی نے ترک کر دیا تو اس پر دم آئے گا۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک تلبیہ کہنا فرض ہے۔

مسئلہ ثانیہ: تلبیہ کہتے وقت نیت کرنا ضروری ہے کہ نہیں کہ یہ تلبیہ عمرہ کا ہے یا حج کا یا دونوں کا۔ اس بارے میں شرح مہذب میں لکھا ہے کہ تلبیہ کے وقت حج یا عمرہ کا ذکر واجب نہیں۔ پس قارن کے لئے جائز ہے کہ تلبیہ کے وقت دونوں کا ذکر کرے یا ان دونوں میں سے ایک کا ذکر کرے یا دونوں میں سے کسی ایک کا بھی ذکر نہ کرے۔ (جلد ۷ ص ۲۲۵)

اگر کسی نے تلبیہ کے وقت کسی کی بھی نیت نہ کی تو پھر بھی جو ادا کر رہا ہے وہ ادا ہو جائے گا۔

البتہ شوافع حضرات کے ہاں نیت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر اس شخص نے تلبیہ حج کا کہا لیکن نیت عمرہ کی تھی تو وہ معتمر ہی کہلائے گا۔ اگر اس نے تلبیہ عمرہ کا کہا اور نیت حج کی کی تو وہ حاجی ہوگا اور اگر اس نے دونوں (عمرہ اور حج) کا تلبیہ کہا اور نیت قران کی کی تو وہ قارن کہلائے گا۔

مسئلہ ثالثہ: تلبیہ کون سے الفاظ سے مسنون ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے اس میں الفاظ تلبیہ یہ ہیں:

''لبیك اللّٰھم لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ''والملك'' کی جگہ ''لا شریك لك'' ہے۔

اس تلبیہ میں کمی بیشی جائز ہے کہ نہیں اس سے زائد کرنا جائز ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں۔ (عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۵۳۳ فتح الباری جلد ۳ ص ۳۲۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے تلبیہ کے بعد پڑھاتے تھے ''لبیك لبیك وسعدیك، والخیر فی یدیك، لبیك والرغبی الیك والعمل'' (اے اللہ! میں بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ آپ کی عبادت کو نیک بختی تصور کرتا ہوں اور بھلائی آپ کے اختیار میں ہے بار بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور پوری رغبت آپ کی طرف ہے اور عمل بھی آپ کیلئے ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا جو تلبیہ تھا اس کو پڑھنا بہتر ہے۔ اور اگر کوئی ان جملوں کو بڑھانا چاہے وہ اپنی طرف سے جملہ بڑھا سکتا ہے ایسے جملے جو اللہ کی تعظیم پر دلالت کریں۔ یہ بڑھانا ابتدا میں بھی نہ ہو اور درمیان میں بھی نہ ہو بلکہ آخر میں ہو۔

مسئلہ رابعہ: مرد اور عورت کے لئے تلبیہ کہنے کا طریقہ: مردوں کے لئے تلبیہ آواز سے کہنے کا حکم ہے عورتوں کیلئے تلبیہ آہستہ آواز میں کہنا ہے ''أَلَبُّ لَكَ إِلْبَابًا بَعْدَ إِلْبَابٍ'' یہ ماخوذ ہے ''ألب بالمكان'' سے ''اذا قام به'' جب اس میں اقامت اختیار کی جائے۔ بعض نے کہا کہ یہ ماخوذ ہے محبتی سے۔

وقیل: ''اخلاصی لك وقیل قرباً منك وقیل: خضوعاً لك''۔ (عمدۃ القاری ۴ ص ۵۳۲)

إِنَّ الْحَمْدَ: لفظ إِنَّ فصیح لغت کے اعتبار سے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے فراء نحوی اسی کا قائل ہے۔ امام کسائی کے نزدیک ہمزہ کا فتحہ مستحسن ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا ''لان الحمد او بأن الحمد'' ابن سماعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک ان میں سے کونسی صورت پسندیدہ ہے آپ نے فرمایا کہ کسرہ برائے ابتداء ہے اور فتحہ برائے بناء، اور بناء والی ابتداء اولیٰ ہے۔

وَالنِّعْمَةَ لَكَ: مشہور اس کا نصب ہے اس پر رفع بھی جائز ہے مبتدا بنانے کی صورت میں، اس صورت میں خبر محذوف ہوگی۔

والملك: یہ بھی منصوب ہے مشہور روایت کے مطابق۔ اس پر رفع بھی جائز ہے اس صورت میں یہ خبر محذوف ہوگی۔ حمد کے ساتھ ساتھ

نعمت کو ذکر کیا کیونکہ نعمت حمد کے متعلقات میں سے ہے اور "ملک" مستقل بنفسہ ہے میم کے ضمہ کے ساتھ بمعنی حکومت، سلطنت۔

و معنی التلبیة: بعض نے کہا کہ یہ تلبیہ کہنا دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا جواب ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہدؒ، عکرمہؒ اور عطاءؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی دعوت (پکار) کا جواب ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا جواب ہے۔

مسئلہ خامسہ: تلبیہ کے درمیان وقفہ کرنا مسنون ہے پھر تلبیہ عربی میں ہو یا فارسی میں دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ دونوں طرح سے ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ سادسہ: ثم الحج فرائضہ عندنا ثلاثة۔ ① الاحرام یہ شرط ہے۔ ② وقوف عرفات۔ ③ وطواف الافاضة اس میں چار چکر تو فرض ہیں اور بقیہ تین واجب ہیں اگر کسی نے ان تین کو چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہوگا۔

شوافع حضرات کے نزدیک منہاج النووی میں حج کے پانچ ارکان لکھے ہیں۔ ① الاحرام ② والوقوف ③ والطواف، ④ والسعی ⑤ والحلق۔ امام مالکؒ کے نزدیک چار فرائض ہیں ان کے ہاں سعی فرائض میں شامل نہیں ہے۔ کما فی ارشاد السالك یہی قول امام احمدؒ و امام اسحاقؒ کا ہے۔

مسئلہ سابعہ: واما الواجبات: واجبات کی تعداد ہمارے نزدیک بہت کثیر ہے ان کی تعداد بیس تک پہنچتی ہے جس کی تفصیل ردالمحتار وغیرہ میں آئی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّلْبِيَةِ وَالنَّحْرِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ ح و حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْحَجِّ أَفْضَلُ قَالَ الْعَجُّ وَالثَّجُّ

محمد بن رافع، ابن ابی فدیک، اسحاق بن منصور، ضحاک بن عثمان، محمد بن منکدر، عبدالرحمن بن یربوع، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس میں تلبیہ (یعنی لبیک) ہو اور خون بہایا جائے (یعنی قربانی کی جائے)

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّي إِلَّا لَبَّى مَنْ عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ مِنْ حَجَرٍ أَوْ شَجَرٍ أَوْ مَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْأَرْضُ مِنْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا. حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان تلبیہ کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں تمام پتھر، درخت اور کنکریاں سب تلبیہ کہتے ہیں یہاں تک کہ زمین ادھر ادھر (مشرق ومغرب) سے پوری ہو جاتی ہے (یعنی جہاں تک زمین ہے سب لبیک پکارتے ہیں۔ حسن بن محمد زعفرانی اور عبدالرحمن بن اسود، ابوعمرو بصری نے کہا کہ ہم سے روایت کی عبیدہ بن حمید نے عمارہ بن

أَبُو عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ وَقَدْ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ عَنْ أَبِيهِ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوٰى أَبُو نُعَيْمٍ الطَّحَّانُ ضِرَارُ بْنُ صُرَدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْطَأَ فِيهِ ضِرَارٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ مَنْ قَالَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَرْبُوعٍ عَنْ أَبِيهِ فَقَدْ أَخْطَأَ

غزیہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسماعیل بن عیاش کی حدیث کی مثل اس باب میں حضرت ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابی بکر غریب ہے ہم اسے ابن ابی فدیک کی ضحاک بن عثمان سے روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔ محمد بن منکدر، سعید بن عبدالرحمٰن بن یربوع سے بھی ان کے والد کے حوالے سے اس کے علاوہ روایت کرتے ہیں ابونعیم طحان ضرار بن صرد یہ حدیث ابن ابی فدیک سے وہ ضحاک سے وہ محمد بن منکدر سے وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن یربوع سے وہ اپنے والد سے وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں لیکن ضرار نے اس میں غلطی کی ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن حسن سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے وہ شخص جو اس حدیث کو محمد بن منکدر سے وہ سعید بن عبدالرحمٰن بن یربوع سے اور وہ اپنے والد سے اس سند سے روایت کرتا ہے پس اس نے خطا کی (امام ترمذی کہتے ہیں)

قَالَ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ وَذَكَرْتُ لَهُ حَدِيثَ ضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ فَقَالَ هُوَ خَطَأٌ فَقُلْتُ قَدْ رَوَاهُ غَيْرُهُ عَنِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ أَيْضًا مِثْلَ رِوَايَتِهِ فَقَالَ لَا شَيْءَ إِنَّمَا رَوَوْهُ عَنِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَرَأَيْتُهُ يُضَعِّفُ ضِرَارَ بْنَ صُرَدٍ وَالْعَجُّ هُوَ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ وَالثَّجُّ هُوَ نَحْرُ الْبُدْنِ.

میں نے امام بخاریؒ کے سامنے ضرار بن صرد کی ابن ابی فدیک سے روایت بیان کی تو انہوں نے فرمایا کچھ نہیں پس ان لوگوں نے اسے ابن ابی فدیک سے روایت کر دیا ہے، اور سعید بن عبدالرحمٰن کو چھوڑ دیا ہے (امام ترمذیؒ کہتے ہیں) میرے خیال میں امام بخاریؒ ضرار بن صرد کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ عج کے معنی بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور ثج قربانی کو کہتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث الباب میں یہ پوچھنا مقصود ہے کہ اعمالِ حج میں کونسا عمل سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اونچی آواز سے تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا۔

العج: اس کے معنی ہیں کوئی بھی بات بلند آواز سے کرنا، شور مچانا، یہاں مراد زور سے تلبیہ پڑھنا ہے۔ جیسا کہ آنے والے باب میں حدیث آرہی ہے کہ حجۃ الوداع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرًا تلبیہ پڑھ رہے تھے اسی دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ سے کہا کہ صحابہ کرام کو حکم دیں کہ وہ تلبیہ زور سے پڑھیں مگر زور سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ خوب چیخا جائے بلکہ ہلکا سا جہر مراد ہے۔ اس کے برعکس ایک سند میں صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے نبی کریم ﷺ نے فرمایا یایھا الناس اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون أصم ولا غائبا انکم تدعون سمیعًا بصیرًا. اے لوگو! تم اپنے اوپر رحم کرو تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع و بصیر ہے۔ غرض تلبیہ ہلکے جہر کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

الثج: کا معنی ہے بہنا، بہانا قربانی کا خون بہانا، حج میں یہ دو عمل بہت پسند ہیں۔ پس متمتع اور قارن تو قربانی کرتے ہی ہیں اور مفرد کو بھی قربانی کرنی چاہیے۔ اگرچہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي فُدَيْكٍ:
اس روایت کی سند میں انقطاع ہے کہ محمد بن المنکدر کا عبدالرحمٰن بن یربوع سے سماع نہیں بلکہ وہ ایک اور روایت میں واسطہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں اور وہ واسطہ عبدالرحمٰن کے بیٹے سعید کا ہے۔ اور ابو نعیم الطحان یہی حدیث ضرار بن صرد سے وہ ابن ابی فدیک وہ ضحاک بن عثمان سے وہ محمد بن منکدر سے وہ سعید بن عبدالرحمٰن سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ضرار سے اس سند میں غلطی ہوئی ہے کہ سعید کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد اور امام بخاریؒ نے اس سند کی تردید کی ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ الْحَسَنِ يَقُولُ قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن الحسن سے سنا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا جس نے اس حدیث میں سند یوں بیان کی" عن محمد بن المنکدر عن ابن عبدالرحمٰن بن یربوع عن ابیہ" یعنی جس نے اس سند میں عن ابیہ (سعید) کا واسطہ بڑھایا اس نے غلطی کی ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اور میں نے ان کے سامنے ضرار بن صرد کی حدیث ذکر کی جو ابن فدیک سے روایت کرتے ہیں تو اس پر امام بخاریؒ نے فرمایا اس نے غلطی کی ہے۔ میں نے کہا: ابو نعیم کے علاوہ بھی ابن ابی فدیک سے ابو نعیم کی حدیث کی مانند روایت کرتے ہیں اور سعید کا واسطہ بھی ذکر کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے فرمایا اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اکثر رواۃ جو اس حدیث کو ابن ابی فدیک سے روایت کرتے ہیں اس میں سعید (عن ابیہ) کا واسطہ ذکر نہیں کرتے اور میں نے امام بخاریؒ کو ضرار بن صرد کو ضعیف قرار دیتے ہوئے دیکھا لہٰذا ثقہ کی زیادتی تو معتبر ہے مگر غیر ثقہ کی زیادتی معتبر نہیں۔ لہٰذا ابو نعیم نے جو واسطہ بڑھایا ہے اس کا اعتبار نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ (وَهُوَ ابْنُ

حضرت خلاد بن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ) عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ (بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ) عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي جِبْرِيلُ فَأَمَرَنِي أَنْ آمُرَ أَصْحَابِي أَنْ يَرْفَعُوا أَصْوَاتَهُمْ بِالْإِهْلَالِ أَوْ بِالتَّلْبِيَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ خَلَّادٍ عَنْ أَبِيهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَصِحُّ وَالصَّحِيحُ هُوَ خَلَّادُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ أَبِيهِ وَهُوَ خَلَّادُ بْنُ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادِ بْنِ سُوَيْدٍ الْأَنْصَارِيُّ

میرے پاس جبرائیل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تلبیہ بلند آواز سے پڑھنے کا حکم دوں راوی کو شک ہے کہ اہلال فرمایا یا تلبیہ (دونوں کے معنی ایک ہیں) امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ خلاد کی ان کے والد سے مروی حدیث حسن صحیح ہے اور بعض نے اس حدیث کو خلاد بن سائب سے اور وہ زید بن خالد کے حوالے سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ خلاد کا اپنے والد سے روایت کرنا ہی صحیح ہے وہ خلاد بن سائب بن خلاد بن سوید انصاری ہیں۔ اس باب میں زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔

تشریح: یہ مسئلہ ابھی ماقبل میں گزر چکا ہے کہ تلبیہ مردوں کے لئے جہراً کہنے کا حکم ہے اور عورتوں کے لئے آہستہ آواز میں کہنے کا حکم ہے۔ یہ جہر کا حکم صرف مسجد حرام اور منی میں ہے دیگر مساجد کی جماعات میں جہراً نہیں۔

یہ حدیث حضرت خلاد بن سائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بعض راوی ان کی سند کو زید بن خالد تک پہنچاتے ہیں لیکن وہ سند ٹھیک نہیں۔ اور حدیث الباب میں جو سند ذکر کی ہے وہ مراد نہیں بلکہ آگے جو قال ابوعیسیٰ میں سند ذکر ہے جس میں عن ابیہ کا واسطہ موجود ہے وہ مراد ہے۔

باب میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے مگر اس کی سند دوسری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِغْتِسَالِ عِنْدَ الْإِحْرَامِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَعْقُوبَ الْمَدَنِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَرَّدَ لِإِهْلَالِهِ وَاغْتَسَلَ . قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْاِغْتِسَالَ عِنْدَ الْإِحْرَامِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

حضرت خارجہ بن زید بن ثابت اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھتے وقت کپڑے اتارے اور غسل کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے بعض اہل علم احرام باندھتے وقت غسل کرنے کو مستحب کہتے ہیں امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: حج یا عمرہ کا احرام باندھنے سے پہلے نہانا سنت ہے یہ نہانا نظافت کے لئے ہے تطہیر کے لئے نہیں۔ اس لئے حج یا عمرہ شعائر اللہ میں سے ہے اس کے ذریعے توحید کا شہرہ پھیلا ہے۔ پس نہا کر احرام باندھنے میں اس کی تعظیم ہے۔

اور اگر نہانے کا موقع نہ ملے تو بغیر نہائے بھی احرام باندھ سکتے ہیں۔ جیسے آج کل ہوائی جہازوں سے سفر ہوتا ہے اور ائیر پورٹ پر نہانے کا انتظام نہیں ہوتا۔ لہٰذا گھر سے روانہ ہوتے ہوئے نہا لینا کافی ہے۔

حج کے مسنون اغتسالات میں سے ایک غسل دخول مکہ کیلئے ہے دوسرا وقوف عرفہ کے لئے تیسرا غسل وقوف مزدلفہ، چوتھا طواف زیارت، پانچواں رمی الجمار ایام تشریق میں، چھٹا طواف صدر، ساتواں مدینہ میں داخل ہونے کا غسل۔ یہ تمام غسل مسنون ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مَوَاقِيتِ الْإِحْرَامِ لِأَهْلِ الْآفَاقِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَجُلًا قَالَ مِنْ أَيْنَ نُهِلُّ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ وَأَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ وَأَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ قَالَ وَيَقُولُونَ وَأَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کہاں سے احرام باندھیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے اہل شام جحفہ سے اہل نجد قرن سے اور یمن والے یلملم سے احرام باندھیں۔ اس باب میں حضرت ابن عباس جابر بن عبداللہ اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے، امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَّتَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ الْعَقِيقَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مشرق کے لئے عقیق کو میقات (احرام باندھنے) کی جگہ مقرر فرمایا۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: میقات بیت اللہ کے چاروں جوانب میں مخصوص جگہوں کا نام ہے جن کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ مدینہ کی جانب سے تین میل، عراق کی جانب سے سات میل، جعرانہ کی جانب سے نو میل اور جدہ کی جانب دس میل ہے۔ حرم اور میقات کے درمیانی جگہ کا نام حل ہے ان مواقیت سے آگے بغیر احرام کے نہیں جا سکتے۔

قولہ وقت رسول اللہ ﷺ: میقات کی دو اقسام ہیں۔ **میقات زمانی:** شوال، ذیعقدہ، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ۔

میقات مکانی: وہ جگہیں جہاں سے بغیر احرام کے گزرنا درست نہیں، میقات مکانی کی پھر پانچ اقسام ہیں لیکن حدیث میں

چار کا ذکر ہے۔ بہر حال میقات اسے کہتے ہیں جہاں سے مکہ مکرمہ میں جانے والے احرام باندھتے ہیں اور مکہ جانے والے کیلئے اس جگہ سے بغیر احرام کے آگے بڑھنا منع ہے ہر علاقے کے الگ الگ میقات ہیں۔

① **ذوالحلیفہ:** یہ مدینہ منورہ سے دو فرسخ پر واقع جگہ کا نام ہے اور امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے تقریباً دس مراحل کے فاصلے پر ہے۔ یہ مدینہ والوں اور مدینہ کی طرف سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے اور آج کل یہ بیر علی کے نام سے مشہور ہے۔

② **جحفہ:** یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان شام کی جانب ایک مقام کا نام ہے۔ مکہ سے تقریباً ۱۸۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ شام اور مصر کی طرف سے آنے والے لوگوں کیلئے میقات ہے۔ قریش کی تجارتی شاہراہ کا ایک اسٹیشن رہ چکا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو سیلاب بہا کر لے گیا تھا اس لئے جحفہ نام پڑا۔

③ **نجد قرن المنازل:** یہ مکہ مکرمہ سے جنوب کی جانب ۴۸ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے یہ طائف کے قریب ہے۔ یہ میقات اہل حجاز اور یمن کی طرف سے آنے والے لوگوں کے لئے میقات ہے۔

④ **ذات عرق:** عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے اور اس کے ساتھ دوسری جگہ بھی ہے جسکو عقیق کہا جاتا ہے یہ مشرق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے یا ایک طرف کے آنے والوں کے لئے دو جگہ میقات ہے جو ذات عرق کی طرف آئیں تو یہ ان کے لئے میقات ہے اور جو عقیق کے راستے سے آئیں ان کا یہ میقات ہے۔

⑤ **یلملم:** یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ یمن کے لوگ جب مکہ مکرمہ جاتے تھے تو وہ اس راستے سے گزرتے تھے۔ پاکستان، ہندوستان وغیرہ کا میقات بھی یہی ہے۔

یہاں چند اصطلاحات ہیں جو کتاب الحج میں استعمال ہوتی ہے۔ **آفاقی:** جو مذکورہ مواقیت سے باہر رہتا ہو مثلاً پاکستانی ہو یا ہندوستانی۔ **میقاتی:** یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو ان مواقیت کے اندر رہتا ہو۔ **حرم:** اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے گھاس وغیرہ نہیں کاٹا جاتا۔ حرم اور مقیات کے اندر کا علاقہ حل ہے۔

مسئلہ: مکہ جانیوالے کیلئے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ کے نزدیک جس غرض سے بھی ہو بغیر احرام میقات سے تجاوز کرنا آفاقی کے لئے مطلقاً ناجائز ہے۔

قول ثانی: اہل ظواہرؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف حج وعمرہ کے ارادہ سے داخل ہونے والوں کے لئے احرام ضروری ہے اگر کسی دوسری غرض سے مکہ جائے تو احرام ضروری نہیں یہی قول امام مالکؒ سے منقول ہے۔

شوافعؒ کی دلیل اوّل: ان کا استدلال حدیث مذکورہ سے ہے کہ اس میں "**لمن کان یرید الحج والعمرۃ**" کا ذکر ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ جس کا یہ ارادہ نہ ہو اس کا یہ حکم نہیں ہے۔

جواب: انہوں نے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے اور مفہوم مخالف سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

دلیل ثانی: آپ ﷺ فتح مکہ کے دن بغیر احرام کے حرم میں داخل ہوئے کیونکہ اس وقت حج وعمرہ کا ارادہ نہ تھا بلکہ فتح مکہ کا ارادہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ حج وعمرہ کے لئے صرف احرام باندھنا ضروری ہے۔

جواب: بغیر احرام داخل ہونا اس وقت صرف آپ ﷺ کیلئے خاص تھا یہ عام افراد کے لئے نہیں تھا چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں "لم تحل لاحد قبلی ولا لاحد بعدی وانما حلت لی ساعة من نهار ثم عادت حراما یعنی الدخول بغیر حرام" لہٰذا اس سے عمومی اوقات میں بغیر احرام دخول پر استدلال کرنا درست نہیں۔ (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۱۵)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لا یجاوز وقت الا باحرام"۔ دوسری بات یہ ہے احرام کا اصل مقصد اس بقعہ مبارکہ کی تعظیم وتکریم ہے اور یہ ہر ایک کے لئے عام ہے خواہ حج وعمرہ کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

مسئلہ: احرام کہاں سے باندھنا افضل ہے میقات سے یا اس سے پہلے؟ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک احرام میقات سے باندھنا افضل ہے۔

قول ثانی: امام سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک احرام میقات سے پہلے باندھنا بھی افضل ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

حنفیہ اور جمہور حضرات کی دلیل اوّل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فعل کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مواقیت سے پہلے احرام باندھا۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "سمعت رسول الله ﷺ یقول: من أهل بعمرة من بیت المقدس غفرله" اور ابوداؤد میں روایت ہے "من اهل بحجة أو عمرة من المسجد الاقصى الى المسجد الحرام غفرله ما تقدم من ذنبه وما تأخر ووجبت له الجنة" (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۱۶)

اس باب میں چار مواقیت کا بیان ہے وہ اتفاقی ہیں البتہ ان میں ایک میقات "ذات عرق لاهل العراق" ہے اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ یہ میقات میں شامل ہے کہ نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کا مقرر کردہ نہیں بلکہ جب حضرت عمرؓ نے عراق کو فتح کیا تو انہوں نے اس میقات کو مقرر کیا مگر حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے جمہور کی تائید ہوتی ہے کہ عراق والوں کے لئے نبی کریمؐ نے عقیق جگہ کو مقرر کیا تھا اگرچہ اس وقت عراق فتح نہیں ہوا تھا مگر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ عراق فتح ہوگا لوگ حج کے لئے آئیں گے اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے لئے میقات مقرر کردیا لیکن چونکہ نبی کریمؐ کے زمانے میں اہل عراق مسلمان نہیں تھے اس لئے اس میقات کو نبی کریمؐ کے زمانے میں شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب عراق فتح ہوا لوگ وہاں سے آنے لگے تو اس میقات کو شہرت ان کے دور میں ہوئی۔

مسئلہ: میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے تو اس کے بارے میں جمہور اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ یہ آدمی واپس اسی میقات پر چلا جائے۔ یا دوسرے آفاقی میقات پر جائے اور احرام باندھ دوبارہ داخل ہو تو دم ساقط ہو جائے گا لیکن اگر کوئی آفاقی میقات پر نہ گیا تو اس سے دم ساقط نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اختلاف کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے اگر کسی اور مقصد کے لئے حرم میں جائے تو احرام باندھنا مستحب ہے۔

اس اعتبار سے وہ لوگ جو نوکری کے لئے وہاں جاتے ہیں ان کے لئے امام شافعیؒ کا مسلک پر عمل کرنے میں گنجائش ہے۔ مگر وہ لوگ جو کاروبار کے لئے نہیں جاتے یا ان کی کوئی مجبوری نہیں تو جب مدینہ یا جدہ جائیں تو احرام باندھ کر پھر مکہ جائیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَا لَا يَجُوزُ لِلْمُحْرِمِ لُبْسُهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْحَرَمِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ وَلَا تَنْتَقِبُ الْمَرْأَةُ الْحَرَامُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ حالت احرام میں ہم کون کون سے کپڑے پہن سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قمیص، شلوار، برنس، پگڑی اور موزے نہ پہنو البتہ اگر کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو موزے پہن سکتا ہے انہیں ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ دے پھر ایسا کپڑا بھی نہ ہو جس میں ورس (ایک خوشبو) یا زعفران لگا ہوا ہو اور عورت اپنے چہرے پر نقاب نہ ڈالے اور ہاتھوں میں دستانے نہ پہنے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: محرم کے لئے کیا پہننا جائز ہے اور کیا پہننا جائز نہیں؟ اس بارے میں امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ وہ اشیاء جو محرم کے لئے پہننا جائز نہیں۔

① لَا تَلْبَسُوا الْقَمِيصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ: محرم احرام کی حالت نہ تو قمیص پہن سکتا ہے اور نہ ہی شلوار یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ عورت احرام کی حالت میں قمیص اور شلوار پہن سکتی ہے۔ ہر وہ کپڑا جو بدن کی ساخت کے مطابق بنایا گیا ہو وہ محرم کے لئے جائز نہیں مثلاً کرتا، جبہ، پائجامہ، پتلون، بنیان وغیرہ محرم نہیں پہن سکتا اور وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا محرم اس کو پہن سکتا ہے۔

② وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْعَمَائِمَ: برنس وہ ٹوپی جو جبہ کے ساتھ سلی ہوئی ہوتی ہے جیسا کہ عام طور پر سردیوں کے کوٹ کے ساتھ ٹوپی لگی ہوتی ہے ضرورت کے وقت سر پر پہن لیتے ہیں ورنہ پیچھے پیٹھ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ کرتے سے جو علیحدہ ٹوپی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس پر علماء نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ احرام میں مرد کے لئے سر کا ڈھانکنا منع ہے اور اسی طرح چہرے کا ڈھانکنا بھی منع ہے کیونکہ مرد کا احرام سر میں ہوتا ہے اور عورت کا احرام چہرے میں ہوتا ہے۔ اس لئے عورت حالت احرام میں چہرے کو نہیں ڈھانکے گی۔ عورت ایسا نقاب ڈالے جس کا کپڑا اس کے چہرے کو نہ لگے تو جائز ہے۔

③ وَلَا الْخِفَافَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ: چمڑے کے موزے پہننا بھی جائز نہیں یعنی پاؤں میں بھی

احرام ہے لیکن جوتے کے بغیر چلنا بھی دشوار ہے اس لئے جوتوں کے لئے یہ اصول ہے کہ ایسا جوتا استعمال کریں جس سے ٹخنے نہ چھپیں۔اب پاؤں میں ٹخنے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ ہڈی جو پاؤں کی دونوں طرف ابھری ہوئی ہے وہاں تک پاؤں کا وضو میں دھونا ضروری ہے۔دوسری وہ ہڈی جو پاؤں کے اوپر تھوڑی سی ابھری ہوئی ہے جہاں پر تسمہ باندھا جاتا ہے احرام کی حالت میں دونوں ٹخنے کھلا رکھنا ضروری ہیں۔پاؤں کے اطراف والے اور پاؤں کے اوپر والا ٹخنہ دونوں کو۔اس کے لئے ہوائی چپل استعمال کرنا مناسب ہے کیونکہ اس سے دونوں طرح کے ٹخنے کھلے رہ جاتے ہیں۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس چپل نہ ہو تو کیا وہ خفین پہن سکتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خفین کو ٹخنوں سے نیچے کاٹ لے پھر پہنے یا ایسے جوتے پہنے جس کے تسمہ باریک ہوں پاؤں کے اوپر والا ٹخنہ واضح ہو چھپ نہ جائے۔

④ وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ: وہ کپڑا جو زعفران یا ورس میں رنگا ہو محرم اس کو نہیں پہن سکتا یہ مسئلہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں ہے۔ممانعت کی وجہ رنگ کا ہونا نہیں بلکہ خوشبو کا ہونا ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ محرم رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے احرام کی حالت میں معصفر کپڑا پہنا تھا۔اس معصفر کپڑے کی خوشبو ختم ہوگئی تھی۔صرف رنگ رہ گیا تھا۔

⑤ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ: مرد و عورت دونوں کے لئے حالت احرام میں دستانے پہننا مکروہ ہے۔احناف کے نزدیک مسئلہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک عورت کے لئے دستانے پہننا جائز ہے۔

احناف حضرات اس حدیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں ''ولا تنتقب'' سے لے کر ''ولا تلبس القفازين'' تک کا جملہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ادراج ہے جس کو محدثین نے تسلیم کیا ہے۔امام بخاریؒ نے یہ حدیث کئی مقامات پر ذکر کی ہے لیکن ایک جگہ کے سوا کہیں بھی یہ جملہ نقل نہیں کیا اور جس جگہ ذکر کیا ہے اس جگہ پر تنبیہ کردی ہے اگر اس کے علاوہ اس زیادتی کا مرفوع ہونا ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی ہم کہیں گے کہ یہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي لُبْسِ السَّرَاوِيلِ وَالْخُفَّيْنِ لِلْمُحْرِمِ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ وَالنَّعْلَيْنِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمُحْرِمُ إِذَا لَمْ يَجِدِ الْإِزَارَ فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيلَ وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرٍو نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب محرم (احرام باندھنے والے) کو تہبند نہ ملے تو شلوار پہن لے اور اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے۔قتیبہ نے حماد بن زید سے انہوں نے عمرو سے اسی حدیث کی طرح اس باب میں ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔بعض

يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرَابِيًّا قَدْ أَحْرَمَ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْزِعَهَا. حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا أَصَحُّ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ هٰكَذَا رَوَاهُ قَتَادَةُ وَالْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

جبہ پہنے ہوئے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ اسے اتار دے۔ ہم سے روایت کی ابن ابی عمر نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عطاء سے انہوں نے صفوان بن یعلی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے ہم معنی حدیث۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ اصح ہے اور اس حدیث میں قصہ ہے اسی طرح قتادہ حجاج بن ارطاۃ اور کئی راوی بھی عطاء سے یعلی بن امیہ کے واسطے سے روایت کرتے ہیں لیکن صحیح عمرو بن دینار اور ابن جریج کی ہی روایت ہے یہ دونوں عطاء سے وہ صفوان بن یعلی سے اور وہ اپنے والد سے مرفوعا روایت کرتے ہیں۔

تشریح: محرم حالت احرام میں اگر ممنوع کپڑے استعمال کرے تو اسے جنایت دینی پڑے گی اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں باب الجنایات میں ہے۔ حدیث الباب میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو دیکھا جس نے عمرہ کا احرام باندھ رکھا تھا اور جبہ بھی پہن رکھا تھا اور خوشبو بھی لگا رکھی تھی۔ آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا آپ پر وحی کے آثار شروع ہوئے جب آپ پر وحی کے آثار شروع ہوتے تھے تو جو بھی اس وقت موجود ہوتا وہ آپ کو کوئی کپڑا اوڑھا دیتا تھا جب وحی پوری ہوگئی تو آپ نے اس اعرابی سے فرمایا جبہ نکال دو اور خوشبو دھوڈالو اور اس کو جنایت قرار نہیں دیا۔ یہ تشریع کے وقت کی رخصت دی ہے۔ چونکہ یہ حکم اس سلسلہ میں پہلی بار آیا ہے اس لئے اس جنایت سے صرف نظر کیا گیا لیکن اگر اب کوئی ایسی حرکت کرے تو اس پر جنایت ہوگی۔ اگر کسی نے قمیص پہن رکھی ہے تو پھر اس کو پھاڑ کر اتارے یا معتاد طریقے سے اتارے، اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ابراہیم نخعیؒ، امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کو پھاڑ کر نکالے گا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ کے نزدیک معتاد طریقے کے مطابق نکالے گا۔

ابراہیم نخعیؒ کی دلیل: قیاس ہے ان کے پاس کوئی نقلی دلیل نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب حضرت یعلی بن امیہؓ کی روایت ہے۔

دوسری دلیل: موطا امام مالک میں ''وعلیہ قمیض'' کا ذکر ہے اور آگے **فامرہ ان ینزع** کے الفاظ موجود ہیں۔ ان دونوں دلائل میں قمیص کو کھولنے کا حکم دیا ہے پھاڑنے کا حکم نہیں دیا۔

ان کے قیاس کا جواب واضح ہے کہ صریح حدیث کے مقابلے میں قیاس معتبر نہیں۔

قال ابو عیسیٰ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو عبدالملک بن ابی سلیمان اور عمرو بن دینار دونوں روایت کرتے ہیں پھر عبدالملک، عطاء بن یسار کا براہ راست یعلی بن امیہ سے روایت کرنا بیان کرتے ہیں۔ قتادہ اور حجاج بن ارطاۃ ان کے متابع ہیں اور

صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُحْرِمُ الْإِزَارَ لَبِسَ السَّرَاوِيلَ وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ لَبِسَ الْخُفَّيْنِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ و قَالَ بَعْضُهُمْ عَلَى حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ.

اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر لنگی نہ ہو تو شلوار پہن لے اور اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن لے۔ امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے، بعض اہل علم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر جوتے نہ ہوں تو موزے پہن سکتا ہے بشرطیکہ موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ دے۔ سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اگر کسی شخص کے پاس کھلے کپڑے احرام کے لئے نہ ہوں اور اسی طرح چپل نہ ہو تو کیا وہ پائجامہ اور خفین پہن سکتا ہے اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کسی محرم کو ازار مہیا نہ ہو تو وہ سلا ہوا پائجامہ پہن سکتا ہے اور اس کے پہننے سے فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

ہمارا استدلال ان روایات سے ہے جن میں سلے ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔

باقی شوافع حضرات حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے ہاں لبس بعد الشق پر محمول ہے۔ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اس طرح کپڑے پھاڑنے سے مال کا ضیاع ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ مال کا ضائع کرنا نہیں بلکہ کپڑے دوسرے طریقے سے استعمال کرنا ہے۔ جبکہ شوافع حضرات خود بھی خفین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کو بعینہ پہننا جائز نہیں۔ بلکہ ان کو اس طرح کاٹنا چاہیے کہ وہ کعبین سے نیچے ہو جائیں۔ لہذا جس طرح خفین کو کاٹنا اضاعت مال نہیں اسی طرح شق سراویل بھی اضاعت مال نہیں۔

وَإِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ لَبِسَ الْخُفَّيْنِ: اس کا مطلب جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ خفین کو کعبین سے کاٹ کر جوتے کے طور پر استعمال کیا جائے لیکن امام احمد بن حنبلؒ اس جملہ کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس کے پاس جوتے نہ ہوں تو وہ بند موزے بھی پہن سکتا ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل ماقبل باب کی حدیث الباب ہے جسکے یہ الفاظ ہیں ''ولیقطعھما ما اسفلَ من الکعبین'' اس میں ''لیس خفین کیساتھ ما اسفل من الکعبین'' کی قید صراحۃً لگادی ہے لہذا حضرت ابن عباسؓ کی حدیث باب کو اسی پر محمول کیا جائیگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُحْرِمُ وَعَلَيْهِ قَمِيصٌ أَوْ جُبَّةٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ

عطاء روایت کرتے ہیں یعلی بن امیہ سے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی کو احرام کی حالت میں

عمر بن دینار یعلی کے صاحبزادے حضرت صفوان کا واسطہ بڑھاتے ہیں اور ان کے متابع ابن جریج ہیں اور صحیحین میں واسطہ والی روایات لی گئی ہیں اس لئے امام ترمذیؒ نے عمرو بن دینار کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے مگر عبدالملک کی حدیث کو غیر اصح کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ عطاء بن یسار کی ملاقات بہت سارے صحابہؓ سے ہوئی ہے ہوسکتا ہے انہوں نے یہ حدیث صفوان سے بھی سنی ہو اور ان کے والد یعلی سے بھی براہ راست سنی ہو۔

باب مَا يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ مِنَ الدَّوَابِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسُ فَوَاسِقَ يُقْتَلْنَ فِي الْحَرَمِ الْفَأْرَةُ وَالْعَقْرَبُ وَالْغُرَابُ وَالْحُدَيَّا وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ . حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي زِيَادٍ عَنِ ابْنِ أَبِي نُعْمٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقْتُلُ الْمُحْرِمُ السَّبُعَ الْعَادِيَ وَالْكَلْبَ الْعَقُورَ وَالْفَأْرَةَ وَالْعَقْرَبَ وَالْحِدَأَةَ وَالْغُرَابَ. قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا الْمُحْرِمُ يَقْتُلُ السَّبُعَ الْعَادِيَ وَالْكَلْبَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ و قَالَ الشَّافِعِيُّ كُلُّ سَبُعٍ عَدَى عَلَى النَّاسِ أَوْ عَلَى دَوَابِّهِمْ فَلِلْمُحْرِمِ قَتْلُهُ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ احرام میں پانچ شریر چیزوں کا مارنا جائز ہے چوہا، بچھو، کوا، چیل، اور کاٹنے والا کتا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود اور، ابن عمر، ابوہریرہ، ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا محرم کے لئے درندے کاٹنے والے کتے، چوہے، بچھو، چیل، اور کوے کو مارنا جائز ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ درندے اور کاٹنے والے کتے کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو درندہ انسان یا جانور پر حملہ آور ہوتا ہو تو محرم کے لئے اس کو مارنا بھی جائز ہے۔

تشریح: ابواب الحج کے شروع میں یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ محرم کیلئے کن چیزوں کے کرنے کا حکم ہے اور کن چیزوں سے رکنے کا حکم ہے؟ یہاں سے محرم کیلئے شکار سے رکنے کا بیان ہو رہا ہے۔ محرم شکار نہیں کر سکتا البتہ پانچ جانور اس سے مستثنیٰ ہیں۔ محرم اور غیر محرم دونوں ان کو مار سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ شریر جانور حرم میں بھی مارے جائیں چوہا، بچھو، کوا، چیل اور کاٹ کھانے والا کتا۔

اس حدیث کی بناء پر ائمہ کرام نے اپنے اپنے مسلک پر ضوابط قائم کئے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے موذی اور حشرات الارض (زمین کے کیڑے مکوڑے) کا ضابطہ بنایا ہے۔ پس جو جانور ستاتا ہے اس کو حالت احرام میں مار سکتے ہیں خواہ وہ جانور حرم میں ہو یا حرم سے باہر ہو۔

امام مالکؒ کا ضابطہ یہ ہے کہ اس حدیث کی بناء پر موذی جانور کو مارنا جائز ہے چونکہ یہ پانچوں جانور ایذاء دینے والے ہیں چوہا، اناج کا دشمن، کپڑے کاٹنے کا ماہر درزی، بچھو ڈنک مارتے میں اور کاٹ کھانے والا کتا تو واضح ہے اور کوا جب اونٹ کی کوہان زخمی ہوتی ہے تب اس کا تماشا دیکھنا چاہیے اونٹ کے زخم میں چونچیں مارتا ہے اور اس کو تندرست نہیں ہونے دیتا اور چیل مرغی کے بچوں کو اٹھا کر لے جاتی ہے اس طرح یہ پانچوں جانور موذی ہیں اس لئے ان کا قتل کرنا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث سے یہ ضابطہ نکلا کہ ہر وہ جانور جس کا گوشت حرام ہے اس جانور کو حرم میں قتل کر سکتے ہیں جب ان کو حرم میں مارنا جائز ہے تو احرام کی حالت میں بھی مار سکتے ہیں۔ چونکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ پانچوں چیزیں حرام ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حرام چیزوں کا قتل حالت احرام میں حرم میں اور حرم سے باہر جائز ہے۔

احناف کے نزدیک اگر دیگر جانور انسان پر حملہ کرتے ہیں تو پھر ان کو قتل کرنا جائز ہے اگر یہ جانور حملہ نہیں کرتے تو پھر ان کو مارنا جائز نہیں اگر ویسے قتل کرے گا تو جزاء واجب ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ وَعَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَعَبْدِ اللَّهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْحِجَامَةِ لِلْمُحْرِمِ وَقَالُوا لَا يَحْلِقُ شَعْرًا وَ قَالَ مَالِكٌ لَا يَحْتَجِمُ الْمُحْرِمُ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ وَ قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالشَّافِعِيُّ لَا بَأْسَ أَنْ يَحْتَجِمَ الْمُحْرِمُ وَلَا يَنْزِعُ شَعْرًا.

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے۔ اس باب میں حضرت انس، عبداللہ بن بحینہ، اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم محرم کو پچھنے لگوانے کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ بال نہ مونڈے جائیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ محرم بغیر ضرورت کے پچھنے نہ لگوائے سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ اگر بال نہ اکھاڑے جائیں تو محرم کے لئے پچھنے لگوانے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: حالت احرام میں حجامہ لگوانا جائز ہے حجامہ ایسی جگہ پر لگوائیں گے جہاں بال نہ ہوں اگر بالوں کی جگہ حجامہ لگوایا جس کی وجہ سے بالوں کو کٹوانا پڑے تو یہ جائز نہیں اگر سخت مجبوری ہو یا شدید سر میں درد ہو یا حجامہ لگوائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو جائز ہے البتہ جو بال حجامہ کی وجہ سے مونڈے گا ان کا فدیہ دینا ہوگا اور وہ فدیہ تین روزے یا چھ محتاجوں کا کھانا کھلانا یا ایک قربانی کرنی ہوگی یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں تنگی

ہے چنانچہ ان کے نزدیک بغیر ضرورت شدیدہ کے پچھنے لگوانے کی اجازت نہیں وہ حدیث الباب کو ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔
یہ بحث تو حجامہ لگوانے کے بارے میں ہے ورنہ حجامہ لگانے والے کے حق میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی ممانعت نہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَزْوِيجِ الْمُحْرِمِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ ابْنُ عُلَيَّةَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ قَالَ أَرَادَ ابْنُ مَعْمَرٍ أَنْ يُنْكِحَ ابْنَهُ فَبَعَثَنِي إِلَى أَبَانَ بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَوْسِمِ بِمَكَّةَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ يُرِيدُ أَنْ يُنْكِحَ ابْنَهُ فَأَحَبَّ أَنْ يُشْهِدَكَ ذٰلِكَ قَالَ لَا أُرَاهُ إِلَّا أَعْرَابِيًّا جَافِيًا إِنَّ الْمُحْرِمَ لَا يَنْكِحُ وَلَا يُنْكَحُ أَوْ كَمَا قَالَ ثُمَّ حَدَّثَ عَنْ عُثْمَانَ مِثْلَهُ يَرْفَعُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ وَمَيْمُونَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عُثْمَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَابْنُ عُمَرَ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ لَا يَرَوْنَ أَنْ يَتَزَوَّجَ الْمُحْرِمُ وَقَالُوا فَإِنْ نَكَحَ فَنِكَاحُهُ بَاطِلٌ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ تَزَوَّجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَكُنْتُ أَنَا الرَّسُولَ فِيمَا بَيْنَهُمَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ

نبیہ بن وہب سے روایت ہے کہ ابن معمر نے اپنے بیٹے کی شادی کا ارادہ کیا تو مجھے امیر حج ابان بن عثمان کے پاس بھیجا میں گیا اور کہا کہ آپ کا بھائی اپنے بیٹے کا نکاح کرنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آپ اس بات پر گواہ ہوں ابان بن عثمان نے فرمایا وہ گنوار اور بے عقل آدمی ہے، محرم (احرام باندھنے والا) نہ خود نکاح کرسکتا ہے اور نہ کسی کا نکاح کرواسکتا ہے یا اسی طرح کچھ کہا پھر حضرت عثمانؓ سے مرفوعاً اسی کے مثل روایت بیان کی اس باب میں حضرت ابورافعؓ اور میمونہؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض صحابہ کا اسی پر عمل ہے جن میں عمر بن خطاب، علی، اور ابن عمر رضی اللہ عنہم شامل ہیں پھر بعض فقہاء تابعین امام مالکؒ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ بھی احرام کی حالت میں نکاح کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر نکاح کرلیا جائے تو وہ نکاح باطل ہے۔ حضرت ابورافعؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے ساتھ نکاح کیا تو آپ محرم نہیں تھے۔ پھر جب صحبت کی تب بھی آپ احرام سے نہیں تھے میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ امام عیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے ہم نہیں جانتے کہ حماد بن زید کے علاوہ کسی نے اس کو مسند بیان کیا ہو۔ حماد بواسطہ مطر الوراق، ربیعہ سے روایت کرتے ہیں۔ مالک بن انس نے بواسطہ ربیعہ، سلیمان بن یسار سے مرسلاً روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے نکاح

مَطَرٍ الْوَرَّاقِ عَنْ رَبِيعَةَ وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ رَبِيعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا وَرَوَاهُ أَيْضًا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ رَبِيعَةَ مُرْسَلًا قَالَ أَبُو عِيسَى وَرُوِيَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ أَنَّ النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَيَزِيدُ بْنُ الْأَصَمِّ هُوَ ابْنُ أُخْتِ مَيْمُونَةَ

کیا تو آپ محرم نہ تھے سلیمان بن ہلال نے بھی ربیعہ سے مرسل روایت کی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید بن اصم نے حضرت میمونہؓ سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا تو وہ حلال (یعنی احرام کی حالت میں نہیں تھے) بعض نے یزید بن اصم سے روایت کیا کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا تو آپ حلال تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید بن اصم حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں۔

تشریح: مسئلہ: محرم کا حالت احرام میں نکاح کا حکم۔ کیا محرم حالت احرام میں نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک محرم کا حالت احرام میں نکاح کرنا نکاح باطل ہے۔ اور یہی قول لیثؒ اور امام اوزاعیؒ کا بھی ہے صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ وزید بن ثابتؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ حالت احرام میں انکاح بھی جائز ہے اور نکاح بھی جائز ہے البتہ جماع اور دواعی جماع حالت احرام میں جائز نہیں۔ یہی قول ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ، عطاء بن ابی الرباحؒ، حکم بن عتیبہؒ، عکرمہؒ، مسروقؒ، قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عائشہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: احناف کی دلیل آنے والا باب ہے "باب ما جاء فی الرخصة فی ذلك" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ "ان النبی ﷺ تزوج میمونة وهو محرم"۔ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پندرہ ائمہ فقہاء یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو "کتاب المناسك باب تزويج المحرم" میں بھی ذکر کیا ہے اور کتاب النکاح باب نکاح المحرم میں یہی حدیث ذکر کی ہے اور امام بخاریؒ نے منع کی کوئی حدیث نقل نہیں کی اس پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک حالت احرام میں نکاح منع نہیں ہے اور نہ ہی یہ نکاح والا واقعہ آپؐ کے ساتھ خاص ہے۔ امام بخاری کا منع والی حدیث ذکر نہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ گویا انکے نزدیک وہ احادیث ان کی شرط کے موافق نہیں

دلیل ثانی: طحاوی شریف اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "قال تزوج رسول الله ﷺ بعض نسائه وهو محرم"۔ امام طحاویؒ فرماتے ہیں "نقلة هذا الحدیث کلهم ثقات"۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں "وهو شاهدٌ قوی" اس حدیث میں "بعض نسائه" سے مراد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

دلیل ثالث: طحاوی شریف اور مشکل الآثار میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال تزوج رسول الله ﷺ میمونة رضی اللہ عنہا وهو محرم"۔

دلیل رابع: عطاءؒ کی روایت مرسل روایت ہے "تزوج رسول الله ﷺ وهو محرم" اس مضمون کی مرسل روایات

عطاء، شعبی، مجاہد سے بھی مروی ہے۔

دلیل خامس: طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے''سَألتُ انس بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ عن نكاح المحرم فقال وَمَابأس به هل هوالا كالبيع''(شرح معانی الآثار ص۳۶۶ ج اول) امام طحاویؒ نے اس حدیث کو سند قوی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے''ان المحرم لا ينكح ولا ينكح ثم حدث عن عثمان مثله يرفعه''۔

جواب: یہ کراہت پر محمول ہے پھر ظاہر ہے کہ کراہت اس شخص کے لئے ہوگی جو نکاح کے بعد اپنے اوپر قابو نہ پاسکے اور وطی میں مبتلا ہو جائے زیادہ سے زیادہ اس کی مثال یہ ہوگی جیسے اذان کے وقت بیع کرنے کا حکم ہے کہ بیع تو مکروہ ہے لیکن بیع منعقد ہو جائے گی۔اسی طرح حالت احرام میں نکاح اس شخص کے لئے مکروہ ہوگا جس کو فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔

دلیل ثانی: عن ابي رافع رضی اللہ عنہ قال تزوج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ميمونة وهو حلال و بنى بها وهو حلال و كنت انا الرسول بينهما . (ترمذی،مسند احمد)

جواب: تزوج سے خِطبہ مراد ہے اس پر قرینہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے''لما خطبها النبي صلی اللہ علیہ وسلم جعلت امرها الى العباس رضی اللہ عنہ فانكحها النبي صلی اللہ علیہ وسلم''۔(نسائی،مسند احمد) اس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے خود نکاح قبول فرمایا تھا اس سلسلے میں کوئی دوسرا شخص آپ کا وکیل نہیں تھا۔راجح یہی ہے کہ یہ روایتِ مرسل ہے اور مرسل موصول کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

دلیل ثالث:''عن يزيد بن الاصم رضی اللہ عنہ عن ميمونة رضی اللہ عنہا قالت تزوجني رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وهو حلال'' حضرت میمونہؓ خود صاحب واقعہ ہیں حقیقت حال کا ان کو صحیح علم ہوگا نہ کہ دوسرے حضرات کو اس کا زیادہ علم ہوگا۔

جواب: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود عقد نکاح میں موجود نہیں تھیں۔آپ رضی اللہ عنہ کے وکیل نکاح حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرایا تھا۔اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور علم حضرت یزید بن الاصم رضی اللہ عنہ سے کئی گنا زیادہ ہے لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت راجح ہوگی۔

تزوج وهو حلال والی روایات واجب التاویل ہیں کیونکہ بالاتفاق یہ نکاح مکہ مکرمہ جاتے وقت مقام سرف میں ہوا جو مکہ مکرمہ سے کچھ فاصلے پر ہے اور میقات کے اندر ہے اور رخصتی واپسی پر مدینہ منورہ جاتے ہوئے ہوئی اگر''تزوج وهو حلال'' کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میقات سے بدون احرام گزر گئے جو کہ بالاتفاق درست نہیں۔

جواب: اس کے جواب میں بعض حضرات نے کہا کہ اس وقت مواقیت کی تعین ہوئی ہی نہیں تھی مواقیت کی تعیین تو حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی تھی اور یہ نکاح کا واقعہ تو عمرۃ القضاء کے موقع پر ہوا۔

جواب علی الجواب: یہ بات کہنا کہ مواقیت کی تعیین حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی تھی یہ درست نہیں کیونکہ بخاری شریف میں حضرت مسور بن مخرمہؓ کی ایک روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ کے سال بھی ذوالحلیفہ سے احرام باندھا تھا الفاظ یہ ہیں''خرج النبي صلی اللہ علیہ وسلم عام الحديبية في بضع عشرة مائةً من اصحابه فلما كان بذي الحليفة قلد الهدى وأشعر و احرم منها''۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مواقیت کی تعیین عمرۃ القضاء سے ایک سال

پہلے غزوہ حدیبیہ کے موقع پر یا اس سے پہلے ہو چکی تھی کم از کم اہل مدینہ کی میقات تو یقینا مقرر ہو ہی چکی ہوگی۔

دلیل رابع: حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے حالت احرام میں نکاح کو رد کر دیا۔

جواب: ان کا ردّ کرنا کسی اور وجہ کی بنیاد پر ہوگا اور وہ وجہ سدُّ اللباب اور احتیاط کی وجہ سے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت "تزوج وھو محرم" کی مختلف توجیہات شوافع کے نزدیک:

توجیہ اوّل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت خصوصیت پر محمول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے حالت احرام میں نکاح جائز ہے۔

جواب: اگر حالت احرام میں نکاح کرنا آپؐ کے ساتھ خاص ہے تو خصوصیت کی دلیل لاؤ، ہم تو کہتے ہیں کہ اسکی کوئی خاص دلیل نہیں۔

توجیہ ثانی: دوسری توجیہ یہ ہے کہ "تزوج میمونة وھو محرم" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں تو موجود تھے لیکن خود احرام نہیں باندھا ہوا تھا۔

جواب: یہ توجیہ دو وجہ سے غلط ہے ایک تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کر گئے حالانکہ یہ بات درست نہیں اس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بخاری شریف میں 'باب تزویج المحرم' میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں لفظ اس طرح ہیں "تزوج میمونة وھو محرم" اور بخاری شریف جلد دوم ۷٦٦ پر باب نکاح المحرم میں حضرت ابن عباسؓ سے حدیث مروی ہے اس میں یہ لفظ ہیں "تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو محرم"۔ ان دونوں صورتوں میں تقابل ان دونوں روایتوں میں محرم کا معنی حالت احرام ہے داخل فی الحرم۔

توجیہ ثالث: فریق مخالف ایک توجیہ یہ کرتے ہیں جس کو مصنفؒ نے ص ۱۷۲ پر "باب ماجاء فی الرخصة فی ذٰلك" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں "فقال بعضھم" کے حوالے سے ذکر کی ہے "وظھر امر تزویجھا وھو محرم"۔

جواب: یہ توجیہ واقعہ نکاح کے ساتھ منطبق نہیں ہوسکتی۔ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ حدیبیہ میں کفار سے صلح کر لی تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ اگلے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے آئیں اور تین دن قیام کریں اس صلح کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال مکہ میں آئے اس کو عمرۃ القضاء بھی کہتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ سے فارغ ہوئے تو کفار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اپنے صاحب کو کہو کہ تین دن پورے ہو گئے ہیں لہٰذا واپس چلے جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا کہ میں نے میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا ہے میں سب کو ولیمہ کھلانا چاہتا ہوں اور آپ لوگ معاہدہ کی دو سے تین دن تک مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ہم مسلمان یہاں موجود ہیں، پس مجھے ایک دن زائد مکہ میں رہنے کی اجازت دے دو اور سب آ کر میرے ولیمہ کی دعوت کھاؤ پھر میں چلا جاؤں گا مگر مکہ کے مشرکین نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی اور جواب دیا کہ ہمیں دعوت نہیں کھانی۔ آپ معاہدہ کے مطابق مکہ خالی کر دیں اس وقت سب لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نکاح فرمایا ہے۔

اور آپ کے ذہن میں ایک منصوبہ تھا کہ جب کفار آئیں گے تو چونکہ صحابہ اور وہ سب رشتہ دار ہیں اس لئے ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور ان کو دین کی دعوت دیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت کے پیش نظر یہ نکاح کیا تھا لیکن جب کفار و مشرکین نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تین دن گزار کر واپس مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا پہلا پڑاؤ مقام سرف میں ہوا وہیں شب زفاف کا عمل پیش آیا۔ اس پر دیکھئے تزویج کا ظہور حالت احرام میں ہونے کے بجائے حالت حل میں ہو رہا ہے بلکہ احناف کے لئے

گنجائش ہے کہ وہ مخالف روایت کی یہ توجیہ کریں کہ ''تزوج رسول اللہ ﷺ میمونة وھو حلال ای ظھر امر تزویجھا وھو حلال ''یعنی جب لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا پتہ چلا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔

فریق ثانی کی طرف سے چند سوالات اوران کے جوابات:

سوال اوّل: ابورافع رضی اللہ عنہ اس نکاح کے قاصد ہیں جبکہ یزید بن اصم رضی اللہ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا خود صاحب واقعہ ہیں تو ان کی روایات کو نہیں لیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو لے لیا جبکہ ابورافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ان کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ نکاح حالت حلت میں کیا۔

جواب اوّل: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا اس وقت وہ مکہ میں تھیں اور حضور ﷺ مدینہ میں تھے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام جو لے کر آئے وہ حضرت ابورافع کے ذریعہ سے بھجوایا گیا تھا پھر آپ ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے مقام سرف میں جب پہنچے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے وکیل نکاح تھے۔ وہ بھی وہاں پہنچے تو وہاں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح کر دیا۔ اب یہاں پر نہ تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا موجود ہیں اور نہ ہی ابورافع رضی اللہ عنہ آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اگر اس بارے میں کوئی روایت ہوتی تو وہ حتمی ہوتی مگر ان سے تو ایسی کوئی روایت نہیں ہے ان کے بیٹے عبداللہ سے روایت ہے وہ بھی انہی الفاظ سے ہے ''وھو حرامٌ'' ظاہر ہے والد نے یہ بتایا ہوگا اس طرح حقیقت حال سے زیادہ واقف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہوئے اس لئے ہم ان کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

جواب ثانی: دوسرا جواب یہ ہے کہ ابورافع رضی اللہ عنہ نے جو کہا کہ ان کا نکاح حالت حِل میں ہوا تو اسکا ایک جواب یہ بھی ہے کہ نکاح سے مراد وطی ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس جاتے ہوئے مقام سرف میں شب زفاف منائی تھی۔ اور اس وقت یہ بھی موجود ہونگے اسلئے انہوں نے کہہ دیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالت احرام میں نہیں تھے۔ یا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو ولیمہ کی دعوت دی تھی اس وقت انکو نکاح کا علم ہوا ہو یہ ساری توجیہات ہیں۔

سوال ثانی: شوافع حضرات کے پاس قولی روایت بھی موجود ہے کہ جو مسلم شریف جلد اوّل ص ۴۵۳ پر'' باب تحریم نکاح المحرم وکراھة خطبتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔ ''ان المحرم لا ینکح ولا ینکح'' ضابطہ یہ ہے کہ جب قول وفعل میں تعارض ہو تو ترجیح قول کو ہوتی ہے۔

جواب اوّل: یہ قولی روایت ''لا ینکح'' وطی پر محمول ہے عقد نکاح پر محمول نہیں ہے (کہ محرم وطی نہیں کرسکتا ہاں عقد کرسکتا ہے)۔

جواب ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت آپ کی قولی روایت سے زیادہ مضبوط ہے جو کہ اصح مافی الباب بھی ہے اور یہ قولی روایت اس کے مساوی نہیں ہے۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وجوہ ترجیح: اوّل: یہ روایت اصح مافی الباب ہے امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت تواتر کے ساتھ منقول ہے چنانچہ بیس سے زائد فقہاء تابعین اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے جبکہ یزید بن اصم رضی اللہ عنہ والی روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔

رابع: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعدد شواہد موجود ہیں چنانچہ نسائی، طحاوی اور مسند بزار وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حالت احرام میں ہوا تھا۔

خامس: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث میں راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما فقیہ ہیں اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں راویہ میمونہ رضی اللہ عنہا غیر فقیہ ہیں جب فقیہ اور غیر فقیہ میں تعارض آجائے تو فقیہ کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔

سادس: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس لئے راجح ہے کہ طبقات ابن سعد کی تصریح کے مطابق ان کے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس نکاح کے عاقد تھے۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے اولیاء میں سے اس وقت کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے عقد کیا تھا۔ لہٰذا عقد نکاح کے وقت اور مقام کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہوسکتا۔

سابع: محرم والی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اور وہ مرد ہیں اور حلال والی روایت حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ہے اور وہ عورت ہیں اور اصول یہ ہے کہ مرد و عورت کی روایت میں جب اختلاف ہو تو مرد کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔

ثامن: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مثبت ہے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت منفی ہے اور جب مثبت اور منفی میں تعارض ہو جائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔

تاسع: "تزوجها وهو حلال" میں تزوج سے مراد بناء اور وطی ہے لہٰذا مطابقت ہو جائے گی۔

عاشر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت کرنے میں منفرد نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں جو یزید بن اصم رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ثقہ ہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا أَسْنَدَهُ غَيْرَ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو حماد بن زید کے علاوہ کسی سے نہیں جانتا۔ اس کے مسند اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ حماد بن زید اس کو مسند ذکر کرتا ہے اور مالک بن انسؒ اس کو مرسل ذکر کرتے ہیں اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حماد سے فائق ہے پھر امام مالک بن انسؒ کا متابع سلیمان بن یسار بھی موجود ہے تو اس طرح مرسل ہونے میں یہ روایت قوی ہے۔

مرسل حدیث احناف و مالکیہ کے نزدیک تو حجت ہوتی ہے لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک حجت نہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى وَرُوِيَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یزید بن اصم عن میمونہ والی روایت مسند ہے گویا اس حدیث کے اثبات کے لئے امام ترمذی دوسرے قال ابو عیسیٰ کو لائے ہیں۔

"**قَالَ أَبُو عِيسَى وَرُوِيَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ**" یہ حضرت میمونہ کی بہن کے بیٹے ہیں یعنی بھانجے ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الشَّعْثَاءِ يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الشَّعْثَاءِ اسْمُهُ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَاخْتَلَفُوا فِي تَزْوِيجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَيْمُونَةَ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا فِي طَرِيقِ مَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا حَلَالًا وَظَهَرَ أَمْرُ تَزْوِيجِهَا وَهُوَ مُحْرِمٌ ثُمَّ بَنٰى بِهَا وَهُوَ حَلَالٌ بِسَرِفَ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَمَاتَتْ مَيْمُونَةُ بِسَرِفَ حَيْثُ بَنٰى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَتْ بِسَرِفَ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا فَزَارَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى

حمید بن مسعدہ، سفیان بن حبیب، ہشام بن حسان، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت محرم تھے۔ اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ حضرت ایوب عکرمہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حالت احرام میں تھے۔ عمرو بن دینار، ابوشعثاء سے روایت کرتے ہیں وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے حالت احرام میں نکاح کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، ابوشعثاء کا نام جابر بن زید ہے اہل علم کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے متعلق اختلاف ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مکہ کے راستے میں نکاح کیا تھا بعض اہل علم کہتے ہیں نکاح حلال ہوتے ہوئے ہوا لیکن لوگوں کو اس کا پتہ احرام باندھنے کی حالت میں چلا پھر دخول بھی حلال ہونے کی حالت میں ہی سرف (ایک مقام ہے) کے مقام پر مکہ میں ہوا۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی سرف میں ہوئی اور آپ وہیں دفن ہوئیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا فَزَارَةَ يُحَدِّثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ وَبَنٰى بِهَا حَلَالًا وَمَاتَتْ بِسَرِفَ وَدَفَنَّاهَا فِي الظُّلَّةِ الَّتِي بَنٰى بِهَا فِيهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْأَصَمِّ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ مَيْمُونَةَ وَهُوَ حَلَالٌ.

مجھ سے نکاح بھی اور مجامعت بھی حلال ہونے کی حالت میں کیا (یعنی جب محرم نہیں تھے) راوی کہتے ہیں پھر میمونہ سرف کے مقام پر فوت ہوئیں اور ہم نے ان کو اسی اقامت گاہ میں دفن کیا جہاں آپ ﷺ نے ان کے ساتھ پہلی رات گزاری تھی۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور متعدد راویوں نے اسے حضرت یزید بن اصم سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور اس وقت آپ حالت احرام میں نہیں تھے۔

تشریح: اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ذکر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح کیا درآنحالیکہ آپ احرام میں تھے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تین سندیں پیش کی ہیں دو حضرت عکرمہ کی ہیں اور تیسری ابوالشعثاء کی ہے۔

اس حدیث کے متعلق مختلف توجیہات ماقبل باب کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔ یہاں ایک اور توجیہ بیان کی جاتی ہے۔

امام ابن حبانؒ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اس میں محرم سے مراد داخل حرم ہونا ہے جیسے انجد کے معنی ہیں "دخل النجد" اور "اتھم" کے معنی ہیں میں "دخل التھامة" اسی طرح احرم کے معنی دخل الحرم کے بھی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو وہ محرم یعنی داخل حرم تھے اگرچہ حلال تھے۔

بعض حضرات نے اس جواب کی تائید میں راعی کے اس شعر سے استدلال کیا ہے۔

قتلوا ابن عفان الخليفة محرمًا ودعا فلم أر مثله مقتولًا

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت مدینہ میں ہوئی اور وہ حالت احرام میں نہیں تھے۔ لہٰذا شعر میں محرماً سے مراد داخل حرم ہے اور حرم سے مراد حرم مدینہ ہے "وهذا التاويل لاحجة فيه اصلًا"۔

ابن حبان کی تاویل کا جواب: "أما اولًا فانه لاحصر للمحرم فی هذا المعنی بل لم يثبت فی اللغة هذا المعنی فی هذه المادة" ابن حبان کی تاویل کا پہلا جواب یہ ہے کہ محرم اس معنی میں حصر نہیں بلکہ لغت میں بھی اس مادہ کے تحت یہ معنی ثابت نہیں ان کا قیاس ان الفاظ سے ہے۔ "أنجد، وأتهم، وأشأم" اور اس جیسی مثالیں جبکہ لغت قیاس سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ لغت کا اثبات اس کے معانی سے ثابت ہوتا ہے جیسے احرم الرجل کا معنی ہے دخل الشهر الحرام۔

وأما ثانيا فان المحرم فی البيت المذكور معناه محقون الدم: راعی کے شعر کا جواب یہ ہے کہ اس میں محرم سے مراد داخل نہیں بلکہ "محقون الدم" ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس شعر میں محرماً کے معنی کے بارے میں ہارون الرشید کے دربار میں امام اصمعی اور امام کسائی کا مکالمہ ہو چکا ہے اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ہارون الرشید نے امام کسائی کی موجودگی میں امام اصمعی سے پوچھا کہ راعی کے اس شعر میں "محرم" کے کیا معنی ہیں تو امام اصمعی نے جواب دیا لیس معنی هذا کہ

اس کا معنی یہ نہیں کہ أنه احرم بالحج، ولا انه فی شهر حرام، ولا انه فی الحرم. امام کسائی نے یہ بن کر فرمایا و یحك! لما معناه امام کسائی محرم کے معنی کو ان تین میں منحصر سمجھ رہے تھے اس لئے امام اصمعی نے کہا لما اراد عدی بن زید۔

قتلوا کسری بلیل محرما فتولی لم یمتع بکفن

ای احرام لکسری: اس پر ہارون الرشید نے امام اصمعی سے پوچھا فما المعنی کہ اس کا معنی کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا "کل من لم یأت شیئًا یوجب علیه عقوبة فهو محرم لا یحل منه شیٔ" کوئی شخص ایسی چیز کا ارتکاب نہ کرے جو اس کو سزا کا موجب بنائے تو وہ محرم ہے اس پر کوئی چیز حلال نہیں (کوئی سزا نہیں دی جائے گی) اس پر ہارون الرشید نے جواب دیا "أنت لا تطاق"۔

پہلے شعر میں "محرمًا" کی تفسیر ازھری اور ابن بری نے کی ہے۔ ابن بری نے کہا کہ محرم سے مراد "حرمة الاسلام و ذمته یحل من نفسه شیئًا یوقع به" ازھری کا بھی یہی قول ہے۔

اصمعی سے مراد ابو سعید عبدالملک بن قریب البصری ائمہ حدیث میں سے ہیں۔

ابن حبان کی تاویل کا دوسرا جواب: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سرف میں ہونا متعین ہے اور سرف داخل حرم نہیں۔ لہٰذا محرم کے معنی داخل حرم نہیں ہو سکتے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي عَمْرٍو عَنْ الْمُطَّلِبِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَيْدُ الْبَرِّ لَكُمْ حَلَالٌ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ مَا لَمْ تَصِيدُوهُ أَوْ يُصَدْ لَكُمْ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي قَتَادَةَ وَطَلْحَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ مُفَسَّرٌ وَالْمُطَّلِبُ لَا نَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنْ جَابِرٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِأَكْلِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ بَأْسًا إِذَا لَمْ يَصْطَدْهُ أَوْ يُصَدْ مِنْ أَجْلِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ هٰذَا أَحْسَنُ حَدِيثٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ وَأَقْيَسُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِي

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حالت احرام میں خشکی کا شکار تمہارے لئے حلال ہے جب تک کہ تم خود شکار نہ کرو اور نہ ہی تمہارے حکم سے شکار کیا جائے اس باب میں حضرت ابو قتادہ اور طلحہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے حضرت ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث جابر مفسر ہے اور جابر سے مطلب کے سماع کا ہمیں علم نہیں اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس نے خود یا صرف اسی کیلئے شکار نہ کیا گیا ہو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب کی احسن اور قیاس کے سب سے زیادہ موافق حدیث ہے اور اسی پر عمل ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابو قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ جا رہے

النَّضْرِ عَنْ نَافِعٍ مَوْلَى أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِبَعْضِ طَرِيقِ مَكَّةَ تَخَلَّفَ مَعَ أَصْحَابٍ لَهُ مُحْرِمِينَ وَهُوَ غَيْرُ مُحْرِمٍ فَرَأَى حِمَارًا وَحْشِيًّا فَاسْتَوٰى عَلٰى فَرَسِهٖ فَسَأَلَ أَصْحَابَهُ أَنْ يُنَاوِلُوهُ سَوْطَهُ فَأَبَوْا فَسَأَلَهُمْ رُمْحَهُ فَأَبَوْا عَلَيْهِ فَأَخَذَهُ فَشَدَّ عَلَى الْحِمَارِ فَقَتَلَهُ فَأَكَلَ مِنْهُ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبٰى بَعْضُهُمْ فَأَدْرَكُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلُوهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّمَا هِيَ طُعْمَةٌ أَطْعَمَكُمُوهَا اللّٰهُ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ فِي حِمَارِ الْوَحْشِيِّ مِثْلَ حَدِيثِ أَبِي النَّضْرِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَيْءٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

تھے جب مکہ کے قریب پہنچے تو میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہ گیا۔ صرف میں احرام میں نہیں تھا اور باقی سب احرام میں تھے پس ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے ایک وحشی گدھے کو دیکھا تو اپنے گھوڑے پر چڑھ گئے اور ساتھیوں سے لاٹھی مانگی۔ انہوں نے انکار کر دیا پھر نیزہ مانگا انہوں نے اس سے بھی انکار کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے خود ہی اٹھالیا اور اس گدھے پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ بعض صحابہ نے اس میں سے کھایا اور بعض نے انکار کر دیا جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور اس کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو کھانا تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کھلایا۔ قتیبہ نے مالک سے انہوں نے زید بن اسلم سے انہوں نے عطاء بن یسار سے انہوں نے ابوقتادہ سے وحشی گدھے کے متعلق ابوالنضر کی حدیث کے مثل روایت کیا ہے لیکن زید بن اسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ باقی ہے؟ امام عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب کی اصل آیت قرآنی ہے "**ولا تقتلوا الصید و انتم حرم**" اور اللہ تعالیٰ کا فرمان "**و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرمًا**" اس باب میں اور آنے والے باب میں یہ مسئلہ ہے کہ محرم شکار کا گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اس بات میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر محرم نے بذات خود شکار کیا ہے تو وہ جانور مردار ہے اسے کوئی نہیں کھا سکتا نہ محرم اور نہ ہی غیر محرم۔ اسی طرح اگر محرم نے کسی غیر محرم کی شکار میں مدد کی ہو یا اشارہ کیا ہو یا دلالت کی ہو تب بھی اس شکار کا کھانا محرم کے لئے بالاتفاق حرام ہے البتہ اگر محرم کی اعانت، دلالت یا اشارے کے بغیر کسی غیر محرم نے شکار کیا تو محرم کے حق میں ایسے شکار کے جواز وعدم جواز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایسا شکار بھی مطلقاً ممنوع ہے "**صید لاجلہ ہو یا صید لاجلہ**" نہ ہو۔ یہی قول حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، طاؤس، جابر بن زید رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک محرم کے لئے ایسے شکار کا کھانا مطلقاً جائز ہے خواہ وہ شکار محرم کے لئے کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور یہی قول ابوعمر اور ابن عبدالبر کا نقل کیا گیا ہے۔ (عمدۃ القاری جلد ۵ ص ٦٤)

یہی قول صحابہ میں حضرت عمرؓ، ابو ہریرہؓ، زبیر بن العوامؓ، کعب احبارؒ، مجاہد، عطاء بن ابی الرباح، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم کا ہے۔ اسی طرف امام بخاریؒ بھی گئے ہیں۔ اشارہ اور دلالت میں فرق ہے کہ اشارہ محسوس اور مشاہد میں ہوتا ہے اور ''دلالت فی الغائب الغیر المشاہد'' میں ہوتی ہے۔

قول ثالث: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے کہ اگر غیر محرم نے محرم کے لئے یعنی اس کو کھلانے کی غرض سے شکار کیا تھا تو محرم کے لئے اس کا کھانا جائز نہیں اور اگر اس نیت سے اس کا شکار نہیں کیا تھا تو جائز ہے۔

سفیان ثوریؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کا استدلال: **دلیل اوّل:** قرآن پاک کی آیت ''و حرم علیکم صید البحر ما دمتم حرما'' کے اطلاق سے ہے اس میں صید لاجلہ اولا کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

جواب: یہ دلیل اس پر مبنی ہے کہ صید بمعنی مصید کے ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق اور یہ درست نہیں بلکہ یہاں پر صید بمعنی مصدر ہے۔ ای اصطیا یعنی فعل صید حرام ہے اس پر اجماع ہے۔

دلیل ثانی: اگلے باب میں ''باب ماجاء فی کراھیۃ لحم الصید للمحرم'' میں حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے ''أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مربہ بالابواء أو بودّان، فاھدٰی لہ حمارًا و حشیًا فرّدہ علیہ فلما رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما فی وجھہ من الکراھیۃ فقال: انہ لیس بنا ردٌ علیك ولکنا حرم''۔

جواب: اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اوّل اس میں یہ تصریح نہیں کہ وہ حمار وحشی مارا ہوا تھا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے زندہ پیش کیا ہو جیسا کہ ترمذی کی روایت کا ظاہر یہی ہے اور زندہ شکار کا قبول کرنا محرم کے لئے جائز نہیں دوسرا اگر مان لیا جائے کہ وہ شکار کیا ہوا مقتول حمار وحشی تھا تو ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سد اللذرائع اس کو رد فرما دیا ہو۔

دلیل ثالث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے ''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال صید البر لکم حلال و أنتم حرم مالم تصیدوہ او یصاد لکم۔ و اجاب الحنفیۃ عن ذٰلك الوجوہ''۔

جواب اوّل: حدیث ابی قتادہ، و بہز، و سعد بن جثامہ میں یصد لکم نہیں ہے۔ بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ''صید لاجل المحرم'' حرام نہیں۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مقابلے میں سنداً قوی اور ''اصح ما فی الباب'' ہے۔

جواب ثانی: ہدایہ میں ہے کہ یصد لکم میں لام للملك ہے معنی اس کا یہ ہے کہ ''أن یصاد و یجعل العین ملك المحرم حیًا'' یعنی زندہ شکار محرم کی ملک میں دینا مراد ہے اور یہ ہمارے نزدیک بھی حرام ہے۔

جواب ثالث: حدیث میں ''أن یصد لکم'' کے معنی ہیں ''بای اعانتکم او اشارتکم'' لیکن یہ محض ایک تاویل ہے جس سے دل مطمئن نہیں ہوتا۔

جواب رابع: حدیث میں ''اوبمعنی الا أن'' کے ہے معنی یہ ہوگا کہ اگر تم نے خود شکار کیا تو حرام ہے مگر یہ کہ تمہارے لئے شکار کیا گیا ہو تو وہ حلال ہے۔

جواب خامس: حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ایک راوی مطلب متکلم فیہ ہے ابو زرعہ، ابن حبان اور امام دارقطنی نے اگرچہ اس کی توثیق کی ہے لیکن ابن سعد ان کے بارے میں فرماتے ہیں کثیر الحدیث ولیس یحتج بحدیثہ۔

جواب سادس: یہ روایت منقطع ہے کیونکہ مطلب کا سماع حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔

احناف کی دلیل اول: حدیث الباب حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ یہ بھی غیر محرم تھے جب کہ ان کے ساتھی محرم تھے انہوں نے ایک حمار وحشی کو دیکھا یہ گھوڑے پر سوار تھے۔ انہوں نے ساتھیوں سے مدد طلب کی لیکن ساتھیوں نے انکار کر دیا پھر انہوں نے خود ہی اس حمار وحشی کا شکار کر لیا کچھ لوگوں نے اس کو کھایا اور کچھ لوگوں نے انکار کر دیا جب معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کی اعانت، دلالت، اشارہ کیا تھا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نفی میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی اجازت دے دی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر شکار کرنے والے کی نیت پر دارومدار ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سوالوں کی طرح حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ سوال کرتے کہ تم نے شکار کس نیت سے کیا تھا حالانکہ یہ سوال نہیں کیا۔

سوال: اس سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم محرم تھے تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ اکیلے غیر محرم کیسے تھے؟

جواب: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی علاقے کی طرف زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا تھا یہ راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل گئے تھے اور اس کی تائید طحاوی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

دلیل ثانی: حدیث طلحہؓ ہے ''انه اهدى علیه السلام لحم طير وهو محرم فاوفق لحمه وقال اكلناه مع رسول الله اخرجه مسلم'' معلوم ہوا کہ محرم کو اگر کوئی لحم صید بطور ہدیہ کے پیش کر دے تو یہ جائز ہے اور اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ نیز اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ شکار کہیں میرے لئے تو نہیں کیا تھا معلوم ہوا کہ غیر محرم کے شکار کا لحم محرم کے لئے مطلقاً جائز ہے۔ خواہ اس نے محرم کے لئے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ لَحْمِ الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ بِالْأَبْوَاءِ أَوْ بِوَدَّانَ فَأَهْدٰى لَهُ حِمَارًا وَحْشِيًّا فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَأٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فِي وَجْهِهِ مِنَ الْكَرَاهِيَةِ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِنَا رَدٌّ عَلَيْكَ وَلٰكِنَّا حُرُمٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ وَكَرِهُوا أَكْلَ

صعب بن جثامہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صعب کے پاس سے ابواء یا ودان، (دونوں مقام مکہ اور مدینے کے درمیان ہیں) میں گزرے تو صعب ایک وحشی گدھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہدیہ لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس لوٹا دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لئے واپس کیا ہے کہ ہم احرام میں ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض صحابہ کرام اور تابعین کا اس حدیث پر عمل ہے۔ ان کے نزدیک محرم کیلئے شکار کا گوشت کھانا مکروہ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس لئے واپس کیا تھا کہ

الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنَّمَا وَجْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَنَا إِنَّمَا رَدَّهُ عَلَيْهِ لِمَا ظَنَّ أَنَّهُ صِيدَ مِنْ أَجْلِهِ وَتَرَكَهُ عَلَى التَّنَزُّهِ وَقَدْ رَوٰى بَعْضُ أَصْحَابِ الزُّهْرِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ هٰذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ أَهْدٰى لَهُ لَحْمَ حِمَارٍ وَحْشٍ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ.

ان کے خیال میں صعب نے اسے نبی کریم ﷺ ہی کیلئے شکار کیا تھا۔ اور آپ ﷺ کا اسے ترک کرنا تنزیہا ہے۔ زہریؒ کے بعض ساتھی بھی اسے زہریؒ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صعب رضی اللہ عنہ نے وحشی گدھے کا گوشت ہدیے میں پیش کیا تھا لیکن یہ غیر محفوظ ہے اس باب میں حضرت علی اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔

تشریح: مذکورہ باب ماقبل والے باب کے برعکس ہے اس باب میں امام ترمذیؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ حالت احرام میں مکہ معظمہ تشریف لے جارہے تھے جب آپ ﷺ وادی ابواء یا ودّان نامی جگہ سے گزرے تو صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ ملاقات کی غرض سے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے یہ اپنے قبیلہ کے سردار بھی تھے وہ ایک زندہ خرگوش لے کر آئے تا کہ آپ کو بطور ہدیہ کے پیش کریں۔ آپ ﷺ نے وہ ہدیہ واپس کر دیا حضرت صعب کو یہ بات ناگوار گزری جب آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر ناگواری کے آثار دیکھے تو آپ ﷺ نے عدم قبولیت کی وجہ بتائی کہ ہم حالتِ احرام میں ہیں۔ ہم آپ کا یہ ہدیہ کسی ناراضگی کی وجہ سے واپس نہیں کر رہے بلکہ ہم تم سے راضی ہیں ہمارا عذر یہ ہے کہ ہم حالتِ احرام میں ہیں۔

حدیث الباب سے یہ مسئلہ واضح ہوتا ہے کہ اگر محرم کو زندہ شکار ملے تو اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ علماء کا اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ محرم آدمی بکری اونٹ وغیرہ ذبح کر سکتا ہے کیونکہ یہ شکار نہیں ہے یہ مانوس حیوان ہیں اور صید متنفرہ ہوتا ہے لیکن شکاری جانور کے اندر صید کی تعریف ضروری ہے۔ فقہاء حضرات صید بمعنی مصید کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ ''ھو الحیوان الممتنع المتوحش من الناس فی اصل الخلق اما بقوائمه او جناحه'' لہٰذا ذبح بقر و ابل محرم پر حرام نہیں ہے۔ اسی طرح وہ بطخ جو گھروں میں رہتی ہے البتہ ایک وہ بطخ ہے جو اڑتی ہے یہ اڑنے والی بطخ صید ہے اور اسی طرح وہ کبوتر جو جنگلی ہیں وہ بھی شکار میں شامل ہوں گے اور وہ کبوتر جو گھریلو ہیں فطرتاً متوحش نہیں ہیں وہ صید میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا اگر اونٹ بھگوڑا ہو کر متوحش ہو جائے تو یہ پھر بھی صید نہیں ہے کیونکہ یہ وحشت عارضی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ہرن کو گھر میں پال لے وہ صید ہی ہے کیونکہ فطرتاً وہ ایسا ہی ہے۔ اگر وہ مانوس ہو گیا ہے تو اس کا مانوس ہونا عارضی ہے اس کی صفت متوحش ہونا ہے۔

بعض حضرات نے حدیث الباب کی وجہ سے کہا کہ محرم کے لئے مطلقاً شکار کا گوشت کھانا حلال نہیں۔ کیونکہ لحم اعم ہے حدیث الباب میں جو واقعہ مذکور ہے وہ حجۃ الوداع کا ہے یہ حدیث حجازیین اور عراقیین کے مخالف ہے۔ ہم اس کا جواب دیں گے کہ آپ ﷺ نے یہاں جو خرگوش نہیں لیا یہ سد اللذ رائع کی بناء پر نہیں لیا۔ اور یہ اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے اگر اس کو روکا نہ جائے تو آنے والے وقت میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

باب ما جاء في صيد البحر للمحرم

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَاسْتَقْبَلَنَا رِجْلٌ مِنْ جَرَادٍ فَجَعَلْنَا نَضْرِبُهُ بِأَسْيَاطِنَا وَعِصِيِّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوهُ فَإِنَّهُ مِنْ صَيْدِ الْبَحْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبُو الْمُهَزِّمِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ سُفْيَانَ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ شُعْبَةُ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلْمُحْرِمِ أَنْ يَصِيدَ الْجَرَادَ فَيَأْكُلَ وَرَأَى بَعْضُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِ صَدَقَةً إِذَا اصْطَادَهُ أَوْ أَكَلَهُ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حج یا عمرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نکلے تو ہمارے سامنے ٹڈیوں کا لشکر آ گیا پس ہم نے انہیں اپنی لاٹھیوں اور کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے کھاؤ یہ دریا کا شکار ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو ابوالمہزم کی حدیث کے علاوہ نہیں جانتے ابوالمہزم کا نام یزید بن سفیان ہے۔ شعبہ نے ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ علماء کی ایک جماعت محرم کے لئے ٹڈی کو شکار کر کے کھانے کی اجازت دیتی ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر محرم ٹڈی کو کھائے یا اس کا شکار کرے گا تو اس پر صدقہ واجب ہو جائے گا۔

تشریح: محرم کے لئے سمندر کا شکار بنص قرآنی جائز ہے ''قال الله تعالى احل لكم صيد البحر وطعامه متاعا لكم وللسيارة وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرما'' امام ترمذیؒ کی غرض یہ ہے کہ ٹڈی سمندری شکار میں شامل ہوتی ہے اور یہ حدیث الباب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ٹڈی کو قتل کرنے سے جزا واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس کا حکم بحری شکار کی طرح ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ٹڈی بری شکار میں سے ہے یا بحری شکار میں سے ہے اس بارے میں ائمہ کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں جزاء واجب ہوگی (کما قال النووی فی شرح المہذب جلد ۷ ص ۳۳۱) یہی قول حضرت عمرؓ وعثمانؓ، ابن عباسؓ اور عطاءؒ کا ہے۔

قول ثانی: ابوسعید اصطخریؒ کے نزدیک ٹڈی کے شکار کرنے سے محرم پر جزاء واجب نہیں ہوتی یہی قول ابن منذر نے کعب احبار سے نقل کیا ہے۔ امام احمدؒ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا شمار صید البحر میں سے ہے اور اس میں کوئی جزا نہیں اور ایک یہ کہ اس کا شمار صید البر میں سے ہے اور اس میں جزا ہے۔ (المغنی جلد ۳ ص ۵۰۸)

ابوسعید اصطخری کی دلیل: یہی حدیث الباب جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''قال خرجنا مع رسول الله ﷺ في حج او عمرة فاستقبلنا رجل من جراد فجعلنا نضربه بأسياطنا وعصينا فقال النبي ﷺ كلوه فانه من صيد البحر''

جواب اوّل: اس حدیث میں ایک راوی ابوالمہزم ہے اس کا نام یزید بن سفیان ہے اس پر شعبہ نے کلام کیا ہے اس وجہ سے یہ ضعیف اور متروک ہے لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب ثانی: اگر اس کی سند کو درست مان بھی لیا جائے تو ہم کہیں گے کہ آپ ﷺ کے فرمان ''فانه من صید البحر'' کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ صید البحر کے مشابہ ہے ''من حیث یحل میتته ولا یحتاج الی الذبح قاله علی القاری''۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: موطا امام مالک میں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''ان رجلا رجاء الی عمر فقال یا امیر المؤمنین انی اصبت جرادات بسوطی وانا محرم فقال له عمر اطعم قبضته من طعام''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے ''لتمرة خیرٌ من جرادة'' امام شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی ''فیھا (فی الجرادة) قبضة من طعام'' کی روایت نقل کی ہے۔

ٹڈی کا حکم خشکی کے جانوروں کا ہے کیونکہ یہ خشکی میں ہی انڈے دیتی ہے اور خشکی میں ہی چلتی پھرتی ہے اور خشکی کے پتے وغیرہ کھاتی ہے۔ حدیث الباب کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جیسے مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہے ایسے ٹڈی بھی بغیر ذبح کے حلال ہے۔

فانه من صید البحر: اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ① جس طرح سمندر کا مردار (یعنی مری ہوئی مچھلی) حلال ہے اسی طرح مری ہوئی ٹڈی بھی حلال ہے اس کا ذبح کرنا شرط نہیں۔

② جس طرح محرم پر سمندر کا شکار کرنے کی وجہ سے جزا واجب نہیں اسی طرح ٹڈی مارنے سے بھی جزا واجب نہیں۔

③ جس طرح محرم کیلئے سمندر کے جانور شکار کرنا اور اسکا کھانا حلال ہے اسی طرح محرم کیلئے ٹڈی کا شکار کرنا اور اسکو کھانا جائز ہے۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک پہلا مطلب صحیح ہے چنانچہ ان کے نزدیک اگر محرم ٹڈی مارے گا تو اس پر جزا واجب ہوگی اور ایک ٹڈی کی جزا ایک کھجور ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے تمرة خیرٌ من جرادة۔ ایک کھجور ایک ٹڈی سے بہتر ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے۔ گویا اس میں مسئلہ کا بیان ہے کہ ایک ٹڈی کی جزاء ایک کھجور ہے اور وہ بہت ہے ایک کھجور کافی سے زیادہ جزا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ ٹڈی کا لشکر مکہ جاتے ہوئے ملا یا آتے ہوئے۔ اگر آتے ہوئے ملا تو اسمیں صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ احرام سے نہیں ہوں گے اس لئے ہوسکتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہو اور اس پر قرینہ ''کلوہ'' ہے اور اس میں صاف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ نے تشبیہ مردار ہونے میں دی ہے کہ جس طرح سمندر کا مردار حلال ہے ٹڈی کا مردار بھی حلال ہے ''کما مر فی تفصیله''۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الضَّبُعِ يُصِيبُهَا الْمُحْرِمُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ قُلْتُ لِجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الضَّبُعُ أَصَيْدٌ هِيَ قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ آكُلُهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ قُلْتُ أَقَالَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَالَ عَلِيٌّ

حضرت ابن ابی عمارؒ سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے پوچھا کیا بجو شکار ہے؟ انہوں نے فرمایا! ہاں۔ میں نے پوچھا کیا میں کھا سکتا ہوں فرمایا ہاں میں نے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بارے فرمایا ہے؟ انہوں نے فرمایا! ہاں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ علی یحییٰ بن سعید کے حوالے سے کہتے ہیں

بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَرَوَى جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ عَنْ جَابِرٍ عَنْ عُمَرَ وَحَدِيثُ ابْنِ جُرَيْجٍ أَصَحُّ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْمُحْرِمِ إِذَا أَصَابَ ضَبُعًا أَنَّ عَلَيْهِ الْجَزَاءَ.

کہ جریر بن حازم یہ حدیث روایت کرتے ہوئے بحوالہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، ابن جریج کی روایت اصح ہے اور امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ محرم اگر بجو کا شکار کرے تو اس پر جزاء ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے جلد ثانی کی ابتداء میں ضبع کے کھانے اور نہ کھانے کے بارے میں باب قائم کیا ہے بجو ایک درندہ ہے اس کو فارسی میں ''کفتار'' اردو میں ''ھنڈار'' یا بجو کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک بجو یا اور کوئی درندہ از خود حملہ آور ہو اور اسے محرم قتل کر دے تو کوئی جزا واجب نہیں اور اگر محرم اسے ابتداء قتل کرے تو جزاء واجب ہوگی جو زیادہ سے زیادہ ایک بکری ہوگی۔ حدیث الباب میں اسے جو صید قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اسے از خود قتل کرنے سے جزاء واجب ہے۔

ضبع حلال جانور ہے یا حرام جانور ہے۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ یہ مسئلہ کتاب الاطعمہ میں بھی آئے گا یہاں پر مختصر طور پر سمجھ لیجئے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔ **قول ثانی:** شوافع اور حنابلہ کے نزدیک حلال ہے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل اوّل: وہ احادیث جن میں ''کل ذی ناب من السباع'' کو حرام قرار دیا گیا ہے ہر ذی ناب میں ضبع بھی داخل ہے۔ **دلیل ثانی:** ''عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال: کل ذی ناب من السباع فأکلہ حرام''۔

دلیل ثالث: ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: نہی رسول اللہ ﷺ عن کل ذی ناب من السباع و عن کل ذی مخلب من الطیر'' (صحیح مسلم جلد۲ ص۱۴۷ کتاب الذبائح باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع)

دلیل رابع: ''عن خالد الولید قال: غزوت مع رسول اللہ ﷺ خیبر فأتت الیہود فشکوا أن الناس قد اسرعوا الی حظائرہم: فقال رسول اللہ ﷺ الا لا یحل اموال المعاہدین الا بحقہا و حرام علیکم الحمر الاہلیۃ وخیلہا و بغالہا وکل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر'' (سنن ابی داؤد جلد۲ ص۵۳۲)

دلیل خامس: ''عن ابی ثعلبۃ أن رسول اللہ ﷺ نہی عن أکل کل ذی ناب من السباع''

دلیل سادس: ترمذی اور ابن ماجہ میں خزیمہ بن جزء رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے ''أو یاکل الضبع احدٌ'' یہ حدیث اگرچہ عبدالکریم بن ابی المخارق کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن ''تحریم کل ذی ناب'' والی حدیث اس کی مؤید ہے۔

حدیث الباب کا جواب: باقی جہاں تک حدیث الباب کا تعلق ہے اس میں دو اشکالات ہوتے ہیں اوّل تو یہ کہ یحییٰ بن سعید قطان نے کہا ہے کہ اس کے راوی ابن ابی عمار نے اس کو مرفوعاً روایت کر کے غلطی کی ہے۔ دراصل یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف تھی، خود امام ترمذیؒ نے بھی جریر بن حازم کے حوالے سے اس کا موقوف ہونا بیان کیا ہے لیکن بعد میں حدیث باب کو اصح قرار دیا ہے۔

بہر حال اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے۔

اور یہ حدیث سنن ابی داؤد میں آئی ہے اس میں کھانے کا کوئی ذکر نہیں پوری روایت اس طرح ہے ''عن جابر بن عبدالله قال: سألت رسول الله عن الضبع، فقال: هو صيد ويجعل فيه كبش اذا صاده المحرم'' اس وجہ کی بناء پر راوی نے یہ سمجھا کہ یہ حلال ہے حالانکہ شکار تو حرام جانوروں کا بھی ہوتا ہے اس بناء پر تسامحاً اکل والاحصبہ بڑھا دیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الاغْتِسَالِ لِدُخُولِ مَكَّةَ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اغْتَسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِدُخُولِهِ مَكَّةَ بِفَخٍّ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالصَّحِيحُ مَا رَوٰى نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ لِدُخُولِ مَكَّةَ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ يُسْتَحَبُّ الِاغْتِسَالُ لِدُخُولِ مَكَّةَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَعَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَغَيْرُهُمَا وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے فخ کے مقام پر غسل فرمایا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور صحیح وہی ہے جو نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مکہ میں جانے کے لئے غسل کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم حدیث میں ضعیف ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور علی بن مدینی وغیرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ اور ہم اس حدیث کو صرف انہی کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں۔

تشریح: آپ ﷺ کے زمانے میں جب آپ ﷺ مدینہ منورہ سے مکہ تشریف لاتے اس وقت یہ سفر دس یا بارہ دن کا ہوتا تھا لوگ پیدل چلتے تھے اور راستہ بھی سارا ریتلا تھا ہوائیں چلتی تھیں گرد وغبار اڑتی تھی اس سے آدمی کا برا حال ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ اس وجہ سے فخ نامی جگہ پر غسل فرمایا کرتے تھے اس لئے سنت یہ ہے کہ جب مکہ قریب آئے تو غسل کرے۔ لیکن اب سفر کے اعتبار سے حالات اس سے مختلف ہیں لوگ دوسرے ملکوں سے جہازوں پر اور مکہ ومدینہ کے دور دراز علاقوں کے لوگ اے سی بسوں میں سوار ہو کر آتے ہیں اور اس وجہ سے انسان پر گرد وغبار بھی نہیں پڑتا۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی سنت پر عمل کرتے ہوئے غسل کرنا چاہے تو مکہ پہنچنے سے پہلے نہا لے اور وہاں نہانے کا معقول انتظام بھی موجود ہے۔ مکہ میں داخل ہونے کے لئے جو غسل کیا جاتا ہے یہ تعظیم کعبہ کی وجہ سے ہے یہ کوئی فرض واجب نہیں ہے بلکہ تمام علماء کے نزدیک مستحب ہے اگر کوئی جان بوجھ کر اس کو ترک کردے تو اس پر فدیہ بھی نہیں ہوگا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی تو وضو کرتے تھے اور کبھی غسل کرتے تھے۔

حدیث الباب اگرچہ سنداً ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اس کو دو وجہ سے قبول کیا جاتا ہے۔ ایک تو اسلئے کہ یہ مؤید بالتعامل ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ حدیث ضعیف بھی مقبول ہوتی ہے۔ فضائل میں ضعیف حدیث تب مقبول ہوتی

ہے جب اس میں تین شرائط پائی جائیں ① اس کا ضعف بہت شدید نہ ہو ② اسکا مضمون اصول شریعت کے اصول وثابتہ میں سے کسی اصل معمول بہ کے تحت داخل ہو ③ اس پر عمل کرتے ہوئے اسکے ثبوت پر پختہ یقین نہ ہو بلکہ اس میں احتیاط کا عقیدہ راجح ہو۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: "هٰذا حديث غير محفوظ" اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے گڑبڑ کی ہے اور وہی اس حدیث کو مرفوع ذکر کرتا ہے جبکہ یہ راوی ضعیف ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور ابن المدینیؒ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ ﷺ مَكَّةَ مِنْ أَعْلَاهَا وَخُرُوجِهِ مِنْ أَسْفَلِهَا

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَكَّةَ دَخَلَهَا مِنْ أَعْلَاهَا وَخَرَجَ مِنْ أَسْفَلِهَا وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ گئے تو بلندی کی طرف سے داخل ہوئے اور پستی کی طرف سے باہر نکلے۔ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اعلیٰ مکہ سے مراد جانب مشرقی ہے اس کا نام کداء ہے۔ آپ ﷺ جب حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے مکہ کے قریب ذی طوی مقام پر قیام فرمایا اور اگلے روز چار ذی الحجہ کو صبح کے وقت غسل فرمایا پھر مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ سے داخل ہوئے۔ بیت اللہ سے منیٰ کی جانب والا بالائی حصہ مراد ہے اور مکہ کا مشہور قبرستان حجون اسی طرف ہے اور جب حج سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ واپس جانے لگے تو مکہ کے نچلے حصہ سے راستہ بدلتے ہوئے واپس ہوئے راستہ تبدیل کرنے کی ایک وجہ تو وہی ہے جو عیدین کے ابواب میں گزر گئی کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زیارت کا موقع ملے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جس راستے سے آپ ﷺ آئے تھے اگر اسی راستے سے واپس جاتے تو آنے والوں کیساتھ مزاحمت ہوتی ان لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي دُخُولِ النَّبِيِّ ﷺ مَكَّةَ نَهَارًا

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْعُمَرِيُّ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ نَهَارًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں دن کے وقت داخل ہوئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: مکہ میں دن کے وقت داخل ہونا جمہور حضرات کے نزدیک مستحب ہے اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔ دخول مکہ دن کے وقت اس وجہ سے بھی ہوتا تھا تاکہ لوگ مناسک حج خود دیکھ کر ادا کریں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ساٹھ ستر ہزار کا قافلہ تھا اگر آپ رات کے وقت مکہ میں داخل ہوتے تو سب کی نیند خراب ہوتی۔

تیسری وجہ یہ کہ سکون قلبی کے ذریعہ سے مکہ میں داخل ہونا پیش نظر تھا اگر تھکاوٹ اور سستی کی حالت میں داخل ہوتے تو اللہ رب العزت کا خوب دھیان نہ کیا جاسکتا۔

چوتھی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ بیت اللہ کا پہلا طواف لوگوں کے آمنے سامنے کرنا چاہتے تھے تا کہ لوگ مناسک حج سیکھیں۔ اس لئے آپ ﷺ مکہ سے باہر رک گئے تا کہ جو لوگ پیچھے ہیں وہ اکٹھے ہو جائیں۔ اور وہاں سے اعمال حج کا ذہن بنا کر چلیں اور مکہ میں پہنچ کر آپ ﷺ کے ساتھ طواف وغیرہ اعمال میں شریک ہوں تا کہ حج کے ارکان سیکھیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي قَزَعَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ الْمُهَاجِرِ الْمَكِّيِّ قَالَ سُئِلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَيَرْفَعُ الرَّجُلُ يَدَيْهِ إِذَا رَأَى الْبَيْتَ فَقَالَ حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَكُنَّا نَفْعَلُهُ قَالَ أَبُو عِيسَى رَفْعُ الْيَدَيْنِ عِنْدَ رُؤْيَةِ الْبَيْتِ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي قَزَعَةَ قَزَعَةَ سُوَيْدُ بْنُ حُجَيْرٍ.

مہاجر مکی سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا گیا کیا بیت اللہ دیکھ کر آدمی ہاتھ اٹھائے؟ آپ نے فرمایا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا تو کیا ہم نے اس کو کیا تھا (ہم نے ہاتھ اٹھائے تھے؟ یعنی نہیں کیا تھا)۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کو دیکھنے پر ہاتھ اٹھانے کی کراہت کے متعلق ہم صرف شعبہ کی ابوقزعہ سے روایت سے جانتے ہیں۔ ابوقزعہ کا نام سوید بن حجیر ہے۔

تشریح: بیت اللہ کو دیکھنے کے وقت رفع یدین کرنا کیسا ہے؟ امام ترمذیؒ نے یہ باب قائم کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین کرنا مکروہ ہے۔ مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت جب کعبہ پر نظر پڑے تو تین مرتبہ اللہ اکبر اور تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اس وقت رفع یدین کیا جائیگا یا نہیں؟ رفع یدین کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے تو اللہ اکبر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھانا جس طرح تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا یہ بھی رفع یدین ہے۔

احناف کے نزدیک نہ تو تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھائے اور نہ ہی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ البتہ اس موقع پر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا ضرور کرے وہ قبولیت دعا کا موقع ہے۔ یہی مذہب امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ اس وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی چاہیے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: ایک مفہوم یہ ہے کہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ پر نظر پڑنے کی صورت میں ہاتھوں کو اٹھانے کی روایت ہم صرف شعبہ کی سند سے جانتے ہیں جو ابوقزعہ سے مروی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث الباب کی عبارت ''فكنا نفعله'' ہے جبکہ مصری نسخوں میں ''أفكنا نفعله'' ہے اور ہمزہ استفہام انکاری ہے؟ مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے اس کو کیا تھا یعنی اس موقع پر ہم نے رفع یدین نہیں کیا تھا۔ اس کی تائید ابوداؤد شریف میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''ما كنت أرى احدا يفعل هذا الا اليهود، وقد حججنا مع رسول الله ﷺ فلم يكن يفعله'' میرے خیال میں یہ کام تو یہودی کرتے تھے اور ہم نے رسول اللہ کے ساتھ حج کیا اس وقت آپ نے ایسا کام نہیں کیا۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ترمذی کی عبارت میں تصحیف ہوئی ہے۔

باب مَا جَاءَ كَيْفَ الطَّوَافُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَاسْتَلَمَ الْحَجَرَ ثُمَّ مَضَى عَلَى يَمِينِهِ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا ثُمَّ أَتَى الْمَقَامَ فَقَالَ (وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى) فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَالْمَقَامُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْبَيْتِ ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّفَا أَظُنُّهُ قَالَ (إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ) وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ تشریف لائے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کو بوسہ دیا پھر داہنی طرف چل دیئے (یعنی طواف شروع کیا) تین چکر بازوؤں کو تیز تیز ہلاتے ہوئے پورے کئے اور چار چکروں میں (اپنی عادت کے مطابق) چلے پھر مقام ابراہیم کے پاس آئے اور آیت کریمہ ''مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ'' پڑھ کر دو رکعتیں پڑھیں اس وقت مقام ابراہیم آپؐ اور بیت اللہ کے درمیان تھا۔ پھر حجر اسود کی طرف آئے اور اسے بوسہ دیا۔ پھر صفا کی طرف چلے گئے، راوی کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث جابرؓ حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ ابواب کی ترتیب بھی اسی طرح بیان کر رہے ہیں جس طرح حقیقۃً عمرہ یا حج میں افعال عمرہ یا افعال حج ادا کئے جاتے ہیں۔ پہلے دخول کعبہ کے متعلق ابواب قائم کئے اب یہاں سے طواف کا طریقہ بیان کر رہے ہیں۔ طواف کا طریقہ یہ ہے کہ کعبہ شریف پہنچ کر سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کرے، استلام کہتے ہیں، کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے کی قدرت نہ ہو یعنی رش ہو یا کسی کو تکلیف کا اندیشہ ہو تو دونوں ہاتھ حجر اسود کے مقابل کر کے ہاتھوں کو بوسہ دے دے اسے استلام کہتے ہیں۔ پھر جب طواف کرنے لگے تو حجر اسود کے داہنے حصے کے مقابل ہو جہاں آج کل کالی پٹی بنی ہوئی ہے اس پر آجائے اور اپنا رخ حطیم کی طرف کرے بایں طور پر کہ جب طواف کرنے لگو تو بائیں کندھا کعبہ کی طرف ہو اور پھر چکر لگائے جب کالی پٹی پر پہنچ جائے تو یہ ایک چکر پورا ہو جائے گا طواف کے پہلے تین چکروں میں جھپٹ کر تیزی سے چلے اور قدم زور سے اٹھائے لیکن قدم قریب قریب رکھے اور کندھوں کو خوب پہلوانوں کی طرح ہلا کر چلے اس کو رمل کہتے ہیں۔ یہ عمل سنت ہے رمل صرف اس طواف میں کرے جس طواف کے بعد سعی کرنی ہے۔ پھر جب سات چکر پورے ہو جائیں تو مقام ابراہیم پر آئے اور طواف کی دو رکعت پڑھے۔ یہ دو رکعت واجب ہیں دو رکعت پڑھتے ہوئے اس طرح کھڑا ہو کہ مقام ابراہیمؑ اور کعبہ دونوں سامنے آجائیں مگر یہ بات ذہن نشین رہے کہ قبلہ صرف کعبہ ہے مقام ابراہیم قبلہ نہیں۔ اگر اژدھام ہو تو جہاں پر آسانی ہو وہیں دو رکعات ادا کرے ان دو رکعات سے فارغ ہو کر پھر حجر اسود کا استلام کرے پھر صفا و مروہ کی سعی کے لئے نکلے اور سعی صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے صفا اور مروہ کے درمیان چکر لگاتے ہوئے دوہرے نشانات یا آج کل جو سبز لائٹیں لگی ہوئی ہیں وہاں دوڑیں گے اسکے بعد سر کے بال منڈوانے یا کٹوانے ہیں۔

باب ما جاء في الرمل من الحجر إلى الحجر

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَلَ مِنَ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثًا وَمَشَى أَرْبَعًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ الشَّافِعِيُّ إِذَا تَرَكَ الرَّمَلَ عَمْدًا فَقَدْ أَسَاءَ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَإِذَا لَمْ يَرْمُلْ فِي الْأَشْوَاطِ الثَّلَاثَةِ لَمْ يَرْمُلْ فِيمَا بَقِيَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ عَلَى أَهْلِ مَكَّةَ رَمَلٌ وَلَا عَلَى مَنْ أَحْرَمَ مِنْهَا.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مونڈھے ہلاتے ہوئے تیز تیز قدم چل کر حجر اسود سے حجر اسود تک تین چکر لگائے اور پھر چار چکر اپنی عادت کے مطابق چل کر پورے کئے۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بھول کر رمل (تیزی سے چلنا) چھوڑ دے تو اس نے غلطی کی لیکن اس پر کچھ واجب نہیں اور اگر پہلے تین چکروں میں رمل نہیں کیا تو باقی چکروں میں بھی رمل نہ کرے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اہل مکہ پر رمل واجب نہیں اور نہ ہی اس پر رمل واجب ہے جس نے مکہ سے احرام باندھا ہو۔

تشریح: پچھلے باب میں طواف کا طریقہ اجمالاً بیان کیا تھا اب یہاں سے عمرہ کے ہر رکن کو علیحدہ علیحدہ سے بیان کر رہے ہیں یہاں پر رمل کو بیان کیا ہے اور اگلے باب میں اضطباع کو بیان کریں گے اس کے بعد تقبیل حجر کو بیان کریں گے۔

رمل کی تعریف ماقبل باب میں گزر چکی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرۃ القضاء کے لئے آئے تھے تو آپؐ نے پورے چکر میں رمل نہیں کیا تھا بلکہ جس جانب مشرکین کو طواف نظر آرہا تھا صرف اسی حصہ میں رمل کیا تھا لیکن حجۃ الوداع میں آپؐ نے ابتدائی تین چکروں میں پورے چکروں میں رمل کیا تھا اس لئے پورے تین چکر میں رمل کرنا مسنون ہے۔ رمل صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے نہیں۔ اگر کوئی شخص رمل نہ کر سکے مثلاً بوڑھا ہے ٹھیک سے چل نہیں سکتا یا ہجوم زیادہ ہے اس میں رمل کرنے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اس وجہ سے اگر رمل ترک کر دیا یا بغیر عذر کے بھی رمل کو ترک کر دیا تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔

بعض علماء کے نزدیک مکہ میں رہنے والوں کے لئے رمل نہیں خواہ وہ مکہ کے اصل باشندے ہوں یا تمتع کی نیت سے باہر سے آئے ہوں اور عمرہ کا احرام کھول کر مکہ میں مقیم ہو گئے ہوں مکہ میں حج کا احرام باندھا ہو تو وہ رمل نہیں کرینگے۔ احناف کے نزدیک یہاں ضابطہ اور ہے کہ جس طواف کے بعد سعی ہے اس طواف میں رمل بھی ہے اور جس طواف کے طواف سعی نہیں ہے اس میں رمل بھی نہیں ہے۔ لہٰذا طواف زیارت جو واپس آنے کے قریب ہی کرتے ہیں اسکے بعد چونکہ سعی نہیں ہے اسلئے اس طواف میں رمل نہیں ہوگا۔

باب ما جاء في استلام الحجر والركن اليماني دون ما سواهما

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَمَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ

حضرت ابوطفیل سے روایت ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ طواف کر رہے تھے، حضرت معاویہؓ جس

خُثَيْمٍ عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ كُنَّا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمُعَاوِيَةُ لَا يَمُرُّ بِرُكْنٍ إِلَّا اسْتَلَمَهُ فَقَالَ لَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَسْتَلِمُ إِلَّا الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ لَيْسَ شَيْءٌ مِنَ الْبَيْتِ مَهْجُورًا وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا يَسْتَلِمَ إِلَّا الْحَجَرَ الْأَسْوَدَ وَالرُّكْنَ الْيَمَانِيَ.

رکن سے گزرتے اسے چوم لیتے تھے، اس پر حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی چیز کو بوسہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت معاویہ نے فرمایا بیت اللہ میں کوئی چیز بھی نہیں چھوڑنی چاہیے ۔اس باب میں حضرت عمر ؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس ؓ حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی چیز کا استلام نہ کیا جائے۔

تشریح: بیت اللہ شریف کے چار کونے ہیں استلام صرف دو کونوں کا ہے حجر اسود اور رکن یمانی ان دونوں کو رکنین یمانیین کہتے ہیں۔ حجر اسود کو تو بوسہ دیں گے اگر آسانی سے ممکن ہو سکے تو اگر ممکن نہ ہو تو دور سے اشارہ کر کے ہاتھوں کو تقبیل کرے۔ اور رکن یمانی کا صرف استلام ہوگا اور اگر استلام ممکن نہ ہو تو چھوڑ دے اشارے کی بھی ضرورت نہیں۔ باقی رہے دو ارکان رکن عراقی، رکن شامی ان کو رکنین شامیین کہتے ہیں ان دونوں رکنوں کی نہ تقبیل ہے اور نہ ہی استلام۔ ان دونوں کا استلام اس لئے نہیں ہے کہ وہاں سے مڑنا نہیں ہوتا بلکہ آگے حطیم سے گزر کر مڑنا ہوتا ہے کیونکہ حطیم کعبہ کا حصہ ہے پس اگر ہر شخص استلام کرنے کے لئے رکے گا تو طواف رک جائے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ شامی کونے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں۔

دراصل جب نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک ۳۵ برس کی تھی اس وقت قریش نے کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔ کعبہ شریف بوسیدہ ہو گیا تھا۔ آپ ؐ خود بنائے کعبہ میں شریک تھے اس وقت تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا اور شرط یہ رکھی تھی کہ صرف حلال اور طیب مال ہی چندہ میں دیا جائے چنانچہ چندہ تھوڑا ہوا اس لئے قریش نے کعبہ چھوٹا بنایا اور حطیم کی طرف کا حصہ کعبہ سے باہر نکال دیا۔ غرض حطیم کعبہ کا جزء ہے اور شامی کنارے اپنی اصلی جگہ پر نہیں ہیں اس لئے ان کا استلام نہیں کیا جاتا۔

جس رکن میں حجر اسود ہے اس کو دوہری فضیلت حاصل ہے ایک فضیلت اس لئے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے اور دوسری فضیلت یوں حاصل ہے کہ اس میں حجر اسود ہے۔ جب کہ رکن یمانی کی طرف ایک فضیلت ہے کہ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے لیکن رکن یمانی کو رکن عراقی وشامی دونوں پر فضیلت حاصل ہے۔

استلام کے لغوی معنی ہیں لمس کرنا یعنی چھونا اور یہ خواہ ہاتھ کے ساتھ ہو یا بوسہ کے ساتھ ہو۔

مسئلہ: استلام کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے نزدیک صرف دو یمانی ارکان کا استلام سنت ہے۔

قول ثانی: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں تمام ارکان کعبہ کا استلام کرنا چاہئے۔

جمہورؒ کی دلیل اوّل: ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث باب ہے " ان النبی ﷺ لم یکن یستلم

الا الحجر الاسود والركن اليمانی"۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت " قال لم ار النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستلم من البیت الا الرکنین" سے ہے۔

دوسرے قول والوں کی دلیل: قیاس ہے کہ بیت اللہ شریف کا کوئی رکن مھجور نہ رہے۔

جواب: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ترک استلام کا سبب ہجران نہیں بلکہ اتباع سنت ہے جیسے " بین الارکان کا ترک استلام ہجران" نہیں بلکہ اتباع سنت ہے۔ (معارف)

وَمُعَاوِيَةُ لَا يَمُرُّ بِرُكْنٍ إِلَّا اسْتَلَمَهُ: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے ہر رکن کا استلام کریں گے کیونکہ کعبہ کا ہر جز بابرکت ہے مگر جواب یہ ہے کہ استلام اسی جز کا کیا جائے گا جس کا استلام ثابت ہے وگرنہ پھر طواف کے دوران کعبہ کی دیواروں پر بھی ہاتھ گھسیٹتے ہوئے طواف کرنا چاہیے صرف کونوں کو خاص کرنے کی کیا وجہ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم طَافَ مُضْطَبِعًا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنِ ابْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَافَ بِالْبَيْتِ مُضْطَبِعًا وَعَلَيْهِ بُرْدٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثُ الثَّوْرِيِّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِهِ وَهُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَبْدُ الْحَمِيدِ هُوَ ابْنُ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ عَنِ ابْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ .

ابن ابی یعلی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اضطباع کی حالت میں طواف کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن پر ایک چادر تھی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث ثوری ابن جریج سے مروی ہے ہم اسے ان کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے عبدالحمید جو کہ ابن جبیر بن شیبہ ہیں وہ ابن یعلی سے وہ اپنے والد یعلی بن امیہ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اضطباع کہا جاتا ہے دائیں بغل کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ رمل کی حالت میں ایک سہولت کے پیش نظر ہے۔ رمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تین چکروں میں کیا تھا اور اضطباع پورے چکروں میں برقرار رکھا تھا۔ **وعلیہ برد** یہ چادر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی وہ حضرمی تھی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْحَجَرِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُولُ إِنِّي أُقَبِّلُكَ وَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ

عابس بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا اور وہ فرماتے تھے میں تجھے بوسہ دیتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ لَمْ أُقَبِّلْكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ تَقْبِيلَ الْحَجَرِ فَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ أَنْ يَصِلَ إِلَيْهِ اسْتَلَمَهُ بِيَدِهٖ وَقَبَّلَ يَدَهٗ وَإِنْ لَمْ يَصِلْ إِلَيْهِ اسْتَقْبَلَهٗ إِذَا حَاذَى بِهٖ وَكَبَّرَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

دیکھا ہوتا تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا اور باب میں حضرت ابو بکر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ حجر اسود کا بوسہ لینا مستحب ہے، اگر اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوم لے اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو تو اس کے سامنے ہو کر تکبیر کہے، امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ حجر اسود کو بوسہ دینے کا حکم بیان کرتے ہیں۔ اس بارے میں امام ترمذیؒ نے بعض اہل علم کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مستحب ہے کیونکہ عمرۃ القضاء اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجر اسود کا بوسہ لیا۔ تقبیل کی صورت یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اس پر رکھے اس طرح بوسہ لے کہ منہ اور پیشانی اس پر لگے منہ سے اس وقت آواز نکالنا مکروہ ہے یہ تقبیل اس وقت ہے جب کسی مسلمان کو بغیر تکلیف دینے کے ممکن ہو اگر تکلیف کا اندیشہ ہو تو پھر تقبیل کرنا جائز نہیں کیونکہ ایذاء مسلم حرام ہے استحباب کے لئے حرام کا ارتکاب درست نہیں۔

وَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ: ایک روایت میں یہ ہے کہ ''لا تنفع ولا تضر'' اس قول کا مقصد صرف تعلیم دینا تھا کہ جو لوگ قریب العہد بالاسلام تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومنے سے پہلے تو لوگوں کو منع کرنے کا ارادہ کیا پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پتھر کو چوما ہے تو اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہوگی اس لئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ارادہ بدل لیا اور لوگوں کو منع کرنے کے بجائے خود بھی بوسہ دے دیا۔ یہ شرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی ہے۔

اس سے بہتر توجیہ اور شرح حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد اور عمل سے یہ بات واضح ہوئی کہ جو حکم قرآن وحدیث سے ثابت ہو اس کو بغیر کسی اعتراض کے مان لینا چاہیے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ حجر اسود اگرچہ ایک پتھر ہے لیکن اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوما ہے تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس کو چومیں گے اگرچہ اس کی وجہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

لہٰذا دین کا مدار نبوت اور حکم شرعی پر ہے خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے عقل کے سمجھنے پر دین کا مدار نہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر دین میں رائے اور عقل کا دخل ہوتا تو موزوں کے اوپر مسح کرنے کے بجائے نیچے سے مسح کیا جاتا کیونکہ گندگی وغیرہ موزے کے نیچے لگتی ہے نہ کہ اوپر۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احکام شریعت پر عمل کرنے کیلئے اس کی حکمت کا سمجھنا ضروری نہیں۔ بلکہ احکام شریعت پر عمل کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ اللہ اور اسکے رسول کا حکم ہے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

کسی رائے کا دخل ہوتا تو موزوں کے نیچے مسح کرنا اولیٰ ہوتا اوپر مسح کرنے سے۔ کیونکہ گرد وغبار مٹی اور دیگر نجس اشیاء موزے کے نیچے لگتی ہیں اس لئے عقل کا تقاضا یہ ہے کہ موزے کے نیچے مسح ہو مگر چونکہ اوپر مسح کرنا منصوص ہے اس لئے عقل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے موزوں کے اوپر مسح کیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی اصل ثابت ہوئی کہ احکام شرع پر عمل کرنا حکمت جاننے پر موقوف

نہیں۔ احکام شرعیہ کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے اس سے بڑی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

اس بحث کے ضمن میں دوسری بحث بھی سمجھ لیں، حجر اسود کو بطور تبرک اور تعظیم کے طور پر چوما جاتا ہے محبت اور تبرک کے طور پر کسی چیز کو چومنے میں کوئی حرج نہیں جیسے قرآن پاک کو چومنا۔

بعض روایات میں دست بوسی اور قدم بوسی کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ دو واقعات میں نو مسلم حضرات آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور انہوں نے دست بوسی اور قدم بوسی کی تھی ان میں ایک روایت ابوداؤد میں آئی ہے اور مشکوٰۃ میں بھی آئی ہے۔ اگرچہ ان دونوں روایات کی اسناد صحیح نہیں۔ اس وقت چومنا کسی حد تک تھا اس لئے اس میں گنجائش تھی پھر جب بات آگے بڑھی اور لوگ بڑوں کی تعظیم کے لئے چومنے لگے اور اس میں لوگ غلو کرنے لگے حتیٰ کہ بعض لوگ قدم بوسی کے ساتھ ساتھ سجدہ کرنے لگے تو اس پر علماء نے بڑے گناہ سے بچنے کے لئے چھوٹی چیز سے بھی منع کر دیا کہ تم اپنے بڑوں کا اس طرح احترام نہ کرو جیسے عجمی لوگ اپنے بڑوں کا احترام کرتے ہیں۔ اور احترام و تعظیم میں جب انسان آگے بڑھ جائے تو بات عبادت اور پوجا تک پہنچ جاتی ہے اس لئے سد باب کے طور پر قدم بوسی کو مطلقاً ناجائز کہا اور دست بوسی کو نامناسب قرار دیا اگر محبت میں چومنا ہے تو پیشانی کو چومے یہی سنت ہے۔ باقی غلو ان چیزوں میں ہی ہوتا ہے جو محترم ہوتی ہیں۔ غیر محترم چیزوں میں غلو نہیں ہوتا۔ جیسے قرآن پاک کو بوسہ دینا برکت کے لئے ہوتا ہے اور یہی مسئلہ حجر اسود کا ہے۔

روایات میں تعارض: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو چوما اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حجر اسود کو ہاتھ لگا کر بوسہ دیا اور بعض روایات سے حجر اسود کی طرف اشارہ کر کے بوسہ دینا ثابت ہے ان روایات میں تعارض ہے۔

جواب اوّل: بعض حضرات نے یہ تطبیق دی ہے کہ یہ مختلف اوقات اور مختلف واقعات پر محمول ہے کسی واقعہ میں آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کسی میں ہے ہاتھ سے اشارہ کر کے بوسہ دیا۔

جواب ثانی: یا یہ اختلاف اشواط پر محمول ہے کہ آپ ﷺ کسی شوط پر بوسہ دیتے کسی میں اشارہ کر دیتے۔ علیٰ ہذا القیاس کہ جس صحابی نے جس طرح دیکھا انہوں نے اسی طرح روایت کر دیا۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ مَكَّةَ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَأَتَى الْمَقَامَ فَقَرَأَ {وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى} فَصَلَّى خَلْفَ الْمَقَامِ ثُمَّ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ قَالَ نَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللَّهُ بِهِ فَبَدَأَ بِالصَّفَا وَقَرَأَ (إِنَّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ تشریف لائے تو آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر مقام ابراہیم پر آئے اور یہ آیت پڑھی (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ) پھر مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھنے کے بعد حجر اسود کی طرف آئے اور اسے بوسہ دیا پھر فرمایا ہم بھی اسی طرح شروع کرتے ہیں جس طرح اللہ نے

الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ) قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ يَبْدَأُ بِالصَّفَا قَبْلَ الْمَرْوَةِ فَإِنْ بَدَأَ بِالْمَرْوَةِ قَبْلَ الصَّفَا لَمْ يُجْزِهِ وَيَبْدَأُ بِالصَّفَا وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى رَجَعَ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنْ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ ذَكَرَ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنْهَا رَجَعَ فَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَإِنْ لَمْ يَذْكُرْ حَتّٰى أَتَى بِلَادَهُ أَجْزَأَهُ وَعَلَيْهِ دَمٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ و قَالَ بَعْضُهُمْ إِنْ تَرَكَ الطَّوَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ حَتّٰى رَجَعَ إِلَى بِلَادِهِ فَإِنَّهُ لَا يُجْزِئُهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ الطَّوَافُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاجِبٌ لَا يَجُوزُ الْحَجُّ إِلَّا بِهِ .

شروع کیا اور صفا کی سعی شروع کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ سعی میں صفا سے شروع کرے لہٰذا اگر مروہ سے شروع کرے گا تو وہ سعی نہیں ہوگی۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو طواف کعبہ کر کے بغیر سعی کئے واپس آ جائے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر طواف کعبہ کیا اور سعی صفا و مروہ کئے بغیر مکہ سے نکل گیا تو اگر وہ قریب ہی ہو تو واپس آ جائے اور سعی کرے۔ اگر اپنے وطن پہنچنے تک یاد نہ آئے تو دم کے طور پر قربانی کرے۔ سفیان ثوریؒ کا یہی قول ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر صفا و مروہ کی سعی کو چھوڑ دیا حتیٰ کہ اپنے وطن لوٹ آیا تو اس کا حج نہیں ہوا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب ہے اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے سعی بین الصفا والمروۃ کا بیان کیا ہے اس کا ثبوت نص قرآنی سے ہے۔ ''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ'' کہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہے شعائر ان علامات کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہوئی ہیں تاکہ بندے ان جگہوں پر اطاعت اور خالص اللہ کے لئے عبادت کریں اردو میں ان کو یادگار کہا جاتا ہے۔ شعائر اللہ یہ جگہیں ہیں۔ مطاف، مقام ابراہیم، سعی بین الصفا والمروۃ والمنحر، الجمرات، مزدلفہ اور الموقف یہ سب شعائر اللہ ہیں۔

اس باب میں دو مسئلے ہیں۔ ① سعی بین الصفا والمروۃ کا کیا حکم ہے؟ ② سعی کی ابتدا صفا سے کرینگے اور مروہ پر ختم کرینگے۔

مسئلہ: سعی بین الصفا والمروہ کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے تین اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ سعی حج کے ارکان اور فرائض میں سے ہے اگر کسی نے اس کو ترک کیا تو اس کا حج ادا نہیں ہوگا یہی قول حضرت ابن عمر، عائشہ، جابر رضی اللہ عنہم کا بھی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور امام مالکؒ ایک روایت کے مطابق فرماتے ہیں کہ سعی واجب ہے اگر یہ ترک ہو جائے تو اگر انسان قریب ہو تو اس کو ادا کرے اور اگر گھر چلا جائے تو دم واجب ہوگا۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ سعی بین الصفاء والمروہ نہ تو رکن ہے اور نہ ہی واجب ہے بلکہ یہ سنت اور مستحب ہے۔ یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن سیرین، عطاء، مجاہد کا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ کی دلیل اوّل: عن عائشة رضی اللہ عنہا طاف رسول الله ﷺ و طاف المسلمون ما اتم الله حج من لم یطف بین الصفا والمروۃ۔

جواب: واجب چیز کے ترک کرنے سے بھی اس کی تمامیت ختم ہو جاتی ہے۔

دلیل ثانی: ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طویل حدیث ہے" وننظر الی رسول الله ﷺ وهو یسعی بین الصفا والمروۃ وسمعته یقول اسعوا فان الله کتب علیکم السعی " اس طرح کی احادیث مسند شافعی، مصنف ابن ابی شیبہ، دار قطنی اور بیہقی میں بھی مروی ہے۔ جواب: یہ حدیث خبر واحد ہے جس سے زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہو سکتا ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

احناف کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت مبارکہ ہے" فلا جناح علیه ان یطوف بهما " اس آیت کے ظاہر سے تو اباحت معلوم ہوتی ہے لیکن اجماع کی وجہ سے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ فرضیت کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے اور سعی کے بارے میں کوئی دلیل قطعی نہیں۔ لہٰذا یہ فرض نہیں ہو سکتی۔

یہی دلیل امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ہے۔

دلیل ثانی: اس باب کی حدیث جابرؓ سے بھی وجوب ثابت ہوتا ہے" ثم قال نبدأ بما بدء الله به فبدأ بالصفا و قرء ان الصفا والمروۃ من شعائر الله "۔

مسئلہ ثانیہ: صفا سے ابتداء اور مروہ پر اختتام اس ترتیب کا کیا حکم ہے؟

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ امام اوزاعیؒ کے نزدیک صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا شرط ہے۔ "کما قال ابن قدامة فی المغنی " جلد۲ ص۴۰۶۔ اگر کسی نے سعی کی ابتداء مروہ سے کی اور صفا پر ختم کی تو یہ سعی شمار نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح سعی کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ طواف صحیح کے بعد ہو خواہ وہ طواف قدوم کے بعد ہو یا طواف افاضہ کے بعد ہو۔ مفرد کے لئے افضل یہ ہے کہ طواف افاضہ کے بعد ہو۔ سعی کے جواز کی شرط یہ ہے کہ یہ تمام اشواط کے بعد ہو یا اکثر شواط کے بعد ہو۔ صفا سے شروع کرنا اور مروہ پر ختم کرنا یہ شرط ہے یا واجب اس کی مزید تفصیل جاننے کے لئے عمدۃ القاری جلد ۴ ص ۶۶۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

صفا و مروہ کے درمیان میلین اخضرین ہیں ان کے پاس پہنچنے پر مردوں کے لئے دوڑنا مستحب ہے عورتوں کیلئے نہیں۔

من مقام ابراہیم مُقام عارضی رہنے کی جگہ اور مَقام مستقل رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي السَّعْيِ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا سَعَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِيُرِيَ الْمُشْرِكِينَ قُوَّتَهُ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی اس لئے کی تا کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھائیں۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عمر، جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن

عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ يَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَإِنْ لَمْ يَسْعَ وَمَشٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ رَأَوْهُ جَائِزًا حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ كَثِيرِ بْنِ جُمْهَانَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يَمْشِي فِي الْمَسْعٰى فَقُلْتُ لَهُ أَتَمْشِي فِي الْمَسْعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَ لَئِنْ سَعَيْتُ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْعٰى وَلَئِنْ مَشَيْتُ فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيرٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هٰذَا۔

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسن صحیح ہے، اہل علم کے نزدیک صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ کر چلنا مستحب ہے لیکن آہستہ چلنا بھی جائز ہے۔ حضرت کثیر بن جمہان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ کو صفا و مروہ کی سعی کے دوران آہستہ چلتے ہوئے دیکھا تو پوچھا؟ کیا آپ صفا و مروہ کے درمیان آہستہ چلتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر میں دوڑ کر چلوں تو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوڑتے ہوئے دیکھا ہے اور اگر آہستہ چلوں تو آہستہ چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور میں بہت بوڑھا ہوں۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سعید بن جبیر نے بھی عبداللہ بن عمرؓ سے ایسے ہی روایت کی ہے۔

تشریح: صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے کی دو وجوہات ہیں۔

وجہ اوّل: تو ظاہر ہے کہ یہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی یادگار ہے جس کو حج میں شامل کر لیا گیا ہے جب انہوں نے پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا کی طرف چکر لگایا تو دونوں پہاڑوں پر چڑھنے کیلئے ڈھلوان جگہ سے دوڑتیں تاکہ اپنے بیٹے کو دیکھ سکیں کہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے جب سات چکر پورے ہوئے تو آواز آئی کہ پانی کا انتظام کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مناسک حج میں شامل کر دیا۔

وجہ ثانی: حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتے وقت اور صفا و مروہ کے درمیان بھی سعی کرتے وقت اس لئے دوڑتے تھے کہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں۔ جب آپ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے دوڑے تو مشرکین مسلمانوں کا طواف اور سعی دیکھنے کے لئے جبل قیعان پر جمع ہو گئے تھے کیونکہ ان کو خبر پہنچی تھی کہ مدینہ کے بخار نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ طواف کرتے ہوئے رمل کریں تو جب مشرکین نے مسلمانوں کو اس طرح دیکھا تو وہ حیران رہ گئے اور کہنے لگے کہ کون کہتا ہے کہ مسلمان کمزور ہو گئے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر میں سعی بین الصفا والمروۃ کے دوران دوڑوں بھی تو میرے لئے جائز ہے اور اگر میں ان دونوں کے درمیان چلوں بھی تو یہ بھی میرے لئے جائز ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ ان دونوں جملوں کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ہرے نشانوں کے جوانب میں چلے ہیں تو ان کے درمیان چلنا بھی جائز ہے۔ پس یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قیاس (اجتہاد) ہے کیونکہ اسکے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا عذر بیان کیا ہے کہ میں بوڑھا ہوں اس لئے چل رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ بوڑھے، مریض اور عورت کے لئے ہرے نشانوں کے درمیان چلنے کا حکم ہے۔

باب ما جاء في الطواف راكبا

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ وَعَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ فَإِذَا انْتَهَى إِلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي الطُّفَيْلِ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَطُوفَ الرَّجُلُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ رَاكِبًا إِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کے سامنے پہنچے تو اس کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ اس باب میں حضرت جابرؓ ابو طفیل اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن صحیح ہے بعض اہل علم صفا و مروہ کی سعی اور بیت اللہ کا طواف بغیر عذر کے سواری پر کرنا مکروہ سمجھتے ہیں امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: طواف راکباً کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور بقول امام ترمذیؒ کے امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق سواری پر طواف کیا تو اس پر دم واجب ہوگا اگر عذر ہو تو پھر دم واجب نہیں ہوگا۔ بغیر عذر کے دم کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ پیدل طواف کرنا واجب ہے اور حج کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ دم واجب کے ترک پر لازم آتا ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ طواف ماشیاً کرے اگر کسی نے راکباً طواف کیا تو بھی جائز ہے دم واجب نہیں ہوگا۔

امام احمد بن حنبلؒ و شافعیؒ کی دلیل: ان کا استدلال حدیث الباب ہے ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: طاف النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی راحلته فاذا انتهیٰ الی الرکن اشار الیه''۔

احناف اور مالکیہ کی دلیل: سنن ابی داؤد میں حدیث شریف ہے ''قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکة وهو یشتکی'' اس بیماری کے عذر کی وجہ سے سوار ہو کر طواف کیا، یہ حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہے کیونکہ اس میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے۔ دوسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ آپ کے راکباً طواف کی علت یہ ہے کہ یہ بعد النبوۃ پہلا اور آخری حج تھا اس لئے لوگوں کی تعداد کثیر تھی اور مقصد یہ تھا کہ لوگ احکام حج سیکھ لیں اس لئے کئی مقامات پر آپؐ نے اعلان کیا کہ احکام سیکھ لو۔ لہٰذا یہ راکباً طواف تعلیم فعلی کے لئے کیا جو کہ اوقع فی النفس بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری میں طواف اس لئے کیا تا کہ سارے لوگ طواف کا طریقہ اچھی طرح دیکھ لیں اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل طواف کرتے تو قریب والے لوگ دیکھ سکتے دور والے آپؐ کے طواف سے استفادہ نہ کر سکتے۔

مسئلہ: حنفیہ کے نزدیک چھ واجب مناسک ایسے ہیں جنکو عذر کی بناء پر چھوڑ دینے سے دم واجب نہیں ہوتا۔

① وقوف مزدلفہ عذر کی بناء پر چھوڑ دینا۔ ② طواف زیارت عذر کی بناء پر مؤخر ہو جائے۔ ③ طواف صدر حیض و نفاس کی جہ

سے چھوڑ دینا۔ ④ طواف میں عذر کی وجہ سے مشی ترک کرنا۔ ⑤ السعی۔ ⑥ حلق نہ کروانا اگر سر میں کوئی زخم یا پھوڑا وغیرہ ہو۔
علامہ انورشاہ صاحب کشمیریؒ نے ان چھ کو ان اشعار میں بند کیا ہے۔

حلق و سعي و مشي عند طوافهما — صدر و جمع و زور قبل إمساء
من واجبات ولكن حيث ما تركت — بالعذر فيها فقد قالوا بأجزاء

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرا العرف الشذی میں موجود نہیں ہے بلکہ میں نے اس کو اپنی یاد سے اس کو مکمل کیا ہے۔
مسئلہ: آپ ﷺ نے کتنے طواف کئے ہیں۔ علامہ انورشاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ہجرت کے بعد جتنے طواف کئے وہ کل چھ ہیں۔
① طواف عمرۃ القضاء کا۔ ② فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے بغیر احرام کے طواف کیا یہ عمرہ کا طواف تھا ③ عمرۃ الجعرانہ کے موقع پر آپؐ نے طواف کیا۔ اور اس کے علاوہ بقیہ تین طواف حجۃ الوداع کے موقع پر کئے تھے۔ یہ کل چھ طواف ہو گئے۔ ان آخری تین کے بارے میں اتفاق ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر کئے البتہ پھر اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔
پہلا طواف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عمرہ کا طواف تھا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قدوم کا طواف تھا۔ اور دوسرا طواف، طواف زیارت کا تھا تیسرا طواف طواف صدر کا تھا، عمرہ والا طواف تو ہمارے نزدیک یہ حج میں داخل ہے اس وقت طواف قدوم کو ترک کر دیا تھا۔ (معارف السنن جلد ۶ ص ۱۶۰۔۱۶۱)

باب ما جاءَ فِي فَضْلِ الطَّوَافِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانٍ عَنْ شَرِيكٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ خَمْسِينَ مَرَّةً خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ سَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ إِنَّمَا يُرْوٰى هٰذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ كَانُوا يَعُدُّونَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَفْضَلَ مِنْ أَبِيهِ وَلَهُ أَخٌ يُقَالُ لَهُ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ أَيْضًا.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا جیسے کہ اس کی ماں نے ابھی جنا ہے اس باب میں حضرت انسؓ اور ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباسؓ غریب ہے میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً مروی ہے۔ حضرت ایوب کہتے ہیں کہ محدثین عبداللہ بن سعید بن جبیر کو ان کے والد سے افضل سمجھتے تھے ان کا ایک بھائی عبدالملک بن سعید بن جبیر بھی ہے ان سے بھی یہ حدیث مروی ہے۔

تشریح: عبادات میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب کرنے والی نماز ہے اور نماز میں بھی زیادہ قرب خداوندی سجدہ میں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن حرم شریف میں تمام عبادات میں سب سے اہم عبادت طواف ہے۔ نوافل، ذکراذکار اور تلاوت ثانوی درجہ رکھتی ہے۔ حدیث شریف میں پچاس مرتبہ طواف کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے اب یہ پچاس طواف ایک ہی سفر میں کرنے ضروری نہیں اگر پوری زندگی میں طوافوں کا مجموعہ اگر پچاس تک پہنچ جائے تو وہ اس فضیلت کا مستحق ہے۔

خمسین مرۃً سے کیا مراد ہے؟ اس میں کیا پچاس دفعہ طواف کرنا مراد ہے یا پچاس شوط مراد ہیں۔ بالفاظ دیگر صرف پچاس شوط (پچاس چکر ہیں) یا تین سو پچاس چکر ہیں یہ نفلی طواف کے ہیں یا فرض یعنی حج کے ہیں۔

① محب طبری حنفی نے بعض حضرات سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد پچاس چکر ہیں۔

اور بعض حضرات نے اس پر رد کرتے ہوئے کہا کہ پچاس طواف مراد ہیں یعنی ہر طواف سات چکروں والا ہو تو اس صورت میں ۳۵۰ اشواط بنتے ہیں۔

علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ پچاس طواف سے مراد نفل ہیں نہ کہ حج کے طواف۔ یعنی پچاس حج مراد نہیں۔ آفاقی کیلئے افضل یہ ہے کہ وہ طواف کرے نفل نماز نہ پڑھے اور جتنی طاقت رکھتا ہے اتنے طواف کرے۔ حج میں مفرد اور متمتع کیلئے البتہ قارن کیلئے چار طواف ہیں۔

خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهِ : قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صغائر ہوتے ہیں۔ باقی یہاں پر جو بچہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ بعید ہے ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اتنے طواف کرنے سے یہ توبہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے کیونکہ کبائر گناہ تو بغیر توبہ کے معاف ہی نہیں ہوتے۔

اگر کوئی شخص دو طواف یعنی چودہ چکر لگا رہا ہے تو سات چکروں کے بعد دو رکعت نہ پڑھنا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص فجر کی نماز کے بعد یا عصر کی نماز کے بعد طواف کر رہا ہے تو وہ جتنے طواف چاہے کرے وہ ہر سات چکروں کے بعد دو رکعت نوافل نہیں پڑھے گا بلکہ بعد میں اکٹھے پڑھ لے گا کیونکہ فجر اور عصر کے بعد نوافل مکروہ ہیں۔ تفصیل "کتاب الصلوٰۃ" میں گزر چکی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ لِمَنْ يَطُوفُ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَابَاهَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي ذَرٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جُبَيْرِ بْنِ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے بنو عبد مناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے اور دن یا رات کے کسی حصے میں بھی نماز پڑھے تو اسے منع نہ کرو، اس میں حضرت ابن عباس اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث جبیر بن مطعم حسن صحیح ہے عبداللہ بن ابی نجیح

مُطْعِمٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بَابَاهُ أَيْضًا وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ بِمَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ وَالطَّوَافِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَبَعْدَ الصُّبْحِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا طَافَ بَعْدَ الْعَصْرِ لَمْ يُصَلِّ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَكَذٰلِكَ إِنْ طَافَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ أَيْضًا لَمْ يُصَلِّ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ عُمَرَ أَنَّهُ طَافَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمْ يُصَلِّ وَخَرَجَ مِنْ مَكَّةَ حَتّٰى نَزَلَ بِذِي طُوًى فَصَلّٰى بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكُ بْنِ أَنَسٍ.

نے اسے عبداللہ بن باباہ سے روایت کیا ہے اہل علم کا عصر اور فجر کے بعد مکہ مکرمہ میں نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک عصر اور فجر کے بعد طواف کرنے اور نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہی قول ہے امام شافعیؒ، احمد اور اسحاقؒ کا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر عصر کے بعد طواف کرے تو غروب آفتاب تک نماز نہ پڑھے اسی طرح اگر صبح کی نماز کے بعد بھی طواف کرے تو سورج طلوع ہونے تک نماز نہ پڑھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے فجر کے بعد طواف کیا اور نماز پڑھے بغیر مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ مقام ذی طوی میں پہنچے اور طلوع آفتاب کے بعد طواف کے نوافل ادا کئے سفیان ثوریؒ اور مالک بن انسؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: بعد الصبح اور بعد العصر طواف کے نوافل کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک طواف کے بعد کی دو رکعتیں اوقات مکروہہ میں بھی ادا کی جاسکتی ہیں یہی قول عطاء بن ابی رباح، طاؤس، قاسم، عروہ کا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق اور امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک اوقات مکروہہ میں طواف کی دو رکعتیں مکروہ ہیں۔

شوافع کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے ''عن جبیر بن مطعم ان النبی ﷺ قال: یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احداً طاف بهذا البيت، وصلى ايّة ساعة شاء من ليل او نهارٍ''۔

جواب اوّل: ایة ساعة سے مراد ساعات مکروہہ ہیں اور اس فرمان کا مقصد بنو عبد مناف کو یہ ہدایت کرنا ہے کہ وہ آنے جانے والوں کے لئے حرم کا راستہ ہر وقت کھلا رکھیں دراصل بنو عبد مناف کو یہ ہدایت کرنا ہے کہ بیت اللہ میں آنے والوں کے لئے چوبیس گھنٹے حرم کھلا رہنا چاہیے اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو عبد مناف کے گھر بیت اللہ کے اردگرد اور حرم کا احاطہ کئے ہوئے تھے جب یہ دروازے بند کر لیتے تو کوئی آدمی حرم تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا کہ طواف و نماز پر پابندی عائد نہ کریں ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگ اوقات مکروہہ میں نماز نہ پڑھ سکیں۔

جواب ثانی: احادیث نہی متواترہ کی وجہ سے اوقات منہیہ مستثنیٰ ہیں۔

دلیل ثانی: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا صلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب الشمس الا بمکۃ الا بمکۃ الا بمکۃ. یہاں پر مکہ کا استثناء کیا ہے۔

جواب: بالاتفاق یہ روایت ضعیف اور منقطع ہے اس سے استدلال درست نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث متواترہ ماقبل باب ''باب ما جاء فی کراھیۃ الصلوۃ بعد العصر و بعد الفجر'' میں گزر چکی ہے۔

دلیل ثانی: موطا امام مالک ص ۳۸۷ کتاب الحج میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کرتے ہیں ''عن حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف ان عبدالرحمٰن بن عبدالقاری أخبرہ انہ طاف بالبیت مع عمر بن الخطاب بعد صلوۃ الصبح، فلما قضی عمر طوافہ نظر فلم یر الشمس، فرکب حتی أناخ بذی طوی فصلی رکعتین'' حضرت عمر بن الخطاب خلیفہ راشد ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روبرو نماز کو مؤخر فرماتے ہیں حرم میں اس نماز کی فضیلت کو اوقات مکروہہ میں چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے چھوڑنے پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ وقت نماز کا نہیں۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد نقل کرتے ہیں ''انھا قالت اذا اردت الطواف بالبیت بعد صلوۃ الفجر او العصر فطف وآخر الصلوۃ حتی تغیب الشمس أو حتی تطلع فصل لکل اسبوع رکعتین''

دلیل رابع: مسند احمد بن حنبل میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو سند صحیح کے ساتھ مروی ہے'' لم نکن نطوف بعد صلوۃ الصبح حتی تطلع الشمس ولا بعد العصر حتی تغرب''۔

دلیل خامس: بخاری شریف میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وھو بمکۃ و أراد الخروج ولم تکن ام سلمۃ طاف بالبیت و أرادت الخروج فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اقیمت الصلوۃ للصبح فطوفی علی بعیرك والناس یصلون ففعلت ذلك ولم تصل حتی خرجت'' یہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے طواف کی رکعتیں حرم میں نہ پڑھیں اوقات مکروہہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی وگرنہ وہ حرم کی فضیلت کو ترک نہ کرتیں۔

دلیل سادس: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے'' انہ طاف بعد الصبح فلما فرغ جلس حتی طلعت الشمس''۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُقْرَأُ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ

حَدَّثَنَا أَبُو مُصْعَبٍ قِرَاءَةً عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بِسُورَتَيِ الْإِخْلَاصِ قُلْ يَا أَيُّهَا

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف کی دو رکعتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ

الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يَقْرَأَ فِي رَكْعَتَيِ الطَّوَافِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عِمْرَانَ وَحَدِيثُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ فِي هٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عِمْرَانَ ضَعِيفٌ فِي الْحَدِيثِ.

اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھی۔ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ طواف کی دو رکعتوں میں قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھنا پسند کرتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عبدالعزیز بن عمران کی حدیث سے اصح ہے اور جعفر بن محمد کی اپنے والد (امام باقر) سے مروی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے عبدالعزیز بن عمران حدیث میں ضعیف ہیں۔

تشریح: ہر طواف کے بعد دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے لیکن یہ رکعتیں طواف سے متصل پڑھنا ضروری نہیں دو چار طواف کر کے سب کے دو رکعت ایک ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ البتہ ہر طواف کے بعد متصلاً اس کے دو رکعت پڑھ لینا بہتر ہے ان دو رکعتوں میں کیا پڑھیں گے اس بارے میں مروی ہے نبی کریم ﷺ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔

اور دوگانہ طواف میں یہ سورتیں پڑھنا سنت اس لئے ہے کہ مقام ابراہیم پر لوگ کھڑے انتظار میں رہتے ہیں اس لئے دوگانہ مختصر پڑھنا چاہیے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کا موقع ملے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الْعَزِيزِ: عبدالعزیز بن عمران نے جعفر بن محمد سے اس حدیث کو مسند روایت کیا ہے اور سفیان جعفر سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے مرسل حدیث کو اصح قرار دیا ہے کیونکہ عبدالعزیز ضعیف راوی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الطَّوَافِ عُرْيَانًا

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أُثَيْعٍ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا بِأَيِّ شَيْءٍ بُعِثْتَ قَالَ بِأَرْبَعٍ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَلَا يَجْتَمِعُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إِلَى مُدَّتِهِ وَمَنْ لَا مُدَّةَ لَهُ فَأَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت زید بن اثیع فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کن چیزوں کا حکم دے کر بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے فرمایا چار چیزوں کے ساتھ ایک یہ کہ جنت میں صرف مسلمان ہی داخل ہوگا۔ دوسرے بیت اللہ شریف کا طواف برہنہ نہ کیا جائے تیسرے اس سال کے بعد مسلمان اور مشرک حج میں اکٹھے نہیں ہوں گے اور چوتھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس سے

قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَنَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ نَحْوَهُ وَقَالَا زَيْدُ بْنُ يُثَيْعٍ وَهٰذَا أَصَحُّ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَشُعْبَةُ وَهِمَ فِيهِ فَقَالَ زَيْدُ بْنُ أُثَيْلٍ.

معاہدہ ہے وہ اپنی مقررہ مدت تک رہے گا اور جس کی مدت مقررہ نہیں اس کو چار ماہ کی مہلت ہے اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث علی حسن ہے۔

تشریح: حج کی فرضیت آٹھ ہجری میں ہوئی اور مسلمانوں نے پہلا حج ۹ ہجری میں کیا تھا ۸ ہجری میں نبی کریم ﷺ ازخود حج کے لئے تو تشریف نہیں لے گئے بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حج کرایا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حج کے لئے چلے گئے تو پیچھے سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئی تھیں جن میں حج کے موقع پر اعلان براءت کا حکم دیا گیا چنانچہ پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجا۔ اور یہ حکم دیا کہ وہاں جا کر یہ اعلانات کرنے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روانہ کیا انہوں نے جا کر چار اعلان کروائے۔ جن میں سے دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا اعلان معاہدوں کے بارے میں تھا کہ جن قبائل کے ساتھ آنحضور ﷺ کا معاہدہ مقرر ہے وہ معاہدہ اسی مدت تک باقی رہے گا اور جن قبائل کے ساتھ معاہدہ کی کوئی میعاد مقرر نہیں تھی ان کو چار ماہ کی مہلت دی گئی۔ مدت ختم ہونے کے بعد ان پر کسی وقت بھی حملہ ہوسکتا ہے اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ معاہدات کا اعلان یا تو خود بادشاہ کرتا یا اس کے خاندان کا کوئی بڑا شخص کرتا اس لئے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعلان کے لیے روانہ فرمایا۔

دوسرا اعلان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت کے قاعدہ کے مطابق لوگ بیت اللہ کا طواف ننگے کرتے تھے تو اس رسم بد کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا کہ بیت اللہ کا کوئی شخص طواف ننگی حالت کی صورت میں نہ کرے زمانہ جاہلیت کی رسم پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔

طواف میں ستر عورت شرط ہے یا واجب۔ اس مسئلہ میں بعض علماء نے کہا کہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے جس طرح نماز کے لئے ستر ڈھانکنا شرط ہے اسی طرح طواف کے لئے ستر عورت شرط ہے۔ مشرکین مکہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور اپنے اس فعل پر یہ دلیل دیتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم گناہ کرتے ہیں انہی کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف کرنا بے ادبی ہے۔ حدیث الباب میں اس کی ممانعت کی جارہی ہے کہ عریاناً طواف کرنے کی اجازت نہیں باری تعالیٰ نے بھی ''واذا فعلوا فاحشة'' سے اس کی قباحت بیان فرمائی ہے اور آگے یابنی آدم ''خذوا زینتکم عند کل مسجد'' سے ستر پوشی کو ضروری قرار دیا ہے۔

مسئلہ: ننگے بدن طواف کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ اور فقہاء کوفہ کے نزدیک طواف کے لئے ستر عورت واجب ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ننگے طواف کرلیا تو اس نے اگر اس کا اعادہ کرلیا تو پھر ٹھیک ہے لیکن اگر اعادہ نہیں کیا بلکہ عریاناً ہی طواف کیا تو اس پر دم لازم ہوگا کیونکہ نفس طواف تو فرض ہے اس آیت کی وجہ سے ''ولیطوفوا بالبیت العتیق'' لیکن اخبار آحاد سے جو امور ثابت ہوتے ہیں مثلاً ستر عورت یہ واجب ہوں گے۔ اگر یہ بھی فرض ہوجائیں تو قطعی الثبوت اور ظنی الثبوت دلائل سے ثابت ہونے والے امور میں فرق نہیں رہے گا بلکہ ان میں فرق بدیہی ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ معارف السنن میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا قول ہے "ان ستر العورۃ فرض فی نفسہ فکیف یکون واجبًا للحج" کہ ستر عورت عام حالات میں فرض ہے جب عام حالات میں فرض ہے تو طواف میں واجب کیسے ہوا۔

جواب: ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں اس لئے کہ بسا اوقات ایک چیز فی نفسہ فرض ہوتی ہے اور واجب لغیرہ ہوتی ہے۔ یعنی بسا اوقات یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جاتی ہیں لہٰذا جس نے ننگے طواف کیا اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ایک فرض کا تارک ہے اور دوسرا واجب کا تارک۔ اب دونوں کے ترک پر اس پر جرمانہ لاگو ہوا کہ ایک تو ویسے ہی ننگے ہونا گناہ ہے دوسرا ننگے ہو کر طواف کرنا اور بھی گناہ ہے۔ لہٰذا اس گناہ کی سزا دم رکھی گئی ہے۔

ایک تو عام حالات میں اور دوسرا خاص طواف کی حالت میں ستر عورت کا خیال نہیں رکھا گویا اس نے فرض اور واجب دونوں کے ترک کا ارتکاب کیا۔ (معارف السنن جلد ۶ ص ۱۷۰)

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ستر عورت طواف میں شرط اور فرض ہے اس لئے اگر کوئی ننگا طواف کرے تو اس کا طواف نہیں ہوگا۔

دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اس لئے ان سے وجوب تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فرضیت کا ثبوت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت دلیل سے ہوتا ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى وَشُعْبَةُ وَهِمَ فِيهِ فَقَالَ: زَيْدُ بْنُ أُثَيْلٍ: زید کے والد کے نام میں اختلاف کو بیان کر رہے ہیں کہ ان کا صحیح نام یثیع ہے اور شعبہؒ نے جو اثیل کہا ہے ان کا یہ کہنا وہم ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي دُخُولِ الْكَعْبَةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِي وَهُوَ قَرِيرُ الْعَيْنِ طَيِّبُ النَّفْسِ فَرَجَعَ إِلَيَّ وَهُوَ حَزِينٌ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ إِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ وَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُونَ أَتْعَبْتُ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے نکلے تو آنکھیں ٹھنڈی اور مزاج خوش تھا لیکن جب واپس تشریف لائے تو غمگین تھے میں نے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کعبہ میں داخل ہوا کاش کہ میں کعبہ میں داخل نہ ہوا ہوتا مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنے بعد اپنی امت کو مشقت میں ڈال دیا۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: بیت اللہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کب داخل ہوئے اس بارے میں حدیث الباب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور اسی طرح ابوداؤد، ابن خزیمہ نے بھی ذکر کیا۔ امام بیہقی کا قول ہے کہ حج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے اس کے برخلاف حدیث ابن ابی اوفی ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ میں بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے تو جواب دیا گیا نہیں کیونکہ اس وقت بیت

اللہ میں بت رکھے ہوئے تھے اور مورتیاں بھی رکھی ہوئی تھیں اور اس وقت ان چیزوں کے ازالہ کرنے کا امکان نہیں تھا برخلاف فتح مکہ کے کہ جب مکہ فتح ہوا تو بیت اللہ کو بھی بتوں سے پاک کیا گیا۔

ابن حبان نے اس بارے میں روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ بیت اللہ میں دو مرتبہ داخل ہوئے ایک فتح مکہ کے موقع پر اور دوسرے حجۃ الوداع کے موقع پر۔ شرح مہذب میں ہے کہ کعبہ میں داخل ہونا بھی مستحب ہے اور اس میں نماز پڑھنا بھی مستحب ہے اس کے متعلق بحث آنے والے باب میں آرہی ہے۔

اس باب میں حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے کہ میرے پاس سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو ہشاش بشاش نکلے تھے لیکن جب واپس آئے تو غمزدہ تھے میں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آج کعبہ شریف میں گیا اور مجھے بعد میں خیال آیا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے مجھے ڈر ہے کہ میں نے اپنے بعد اپنی امت کو مشقت میں ڈال دیا ہے یعنی ہر شخص حج کے موقع پر بیت اللہ میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا اور وہ مشقت میں پڑے گا۔ بہرحال اس حدیث کے پیش نظر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کعبہ شریف میں داخل ہونا حج کے مناسک میں سے نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ بِلَالٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَمْ يُصَلِّ وَلَكِنَّهُ كَبَّرَ وَفِي الْبَاب عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ بِلَالٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِالصَّلَاةِ فِي الْكَعْبَةِ بَأْسًا وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلَاةِ النَّافِلَةِ فِي الْكَعْبَةِ وَكَرِهَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ فِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا بَأْسَ أَنْ يُصَلِّيَ الْمَكْتُوبَةَ وَالتَّطَوُّعَ فِي الْكَعْبَةِ لِأَنَّ حُكْمَ النَّافِلَةِ وَالْمَكْتُوبَةِ فِي الطَّهَارَةِ وَالْقِبْلَةِ سَوَاءٌ.

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وسط کعبہ میں نماز پڑھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی بلکہ صرف تکبیر کہی اس باب میں حضرت اسامہ بن زید، فضل بن عباس، عثمان بن طلحہ، اور شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں امام مالک بن انس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں نوافل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں البتہ فرض نماز پڑھنا مکروہ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نفل نماز ہو یا فرض نماز دونوں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ طہارت اور قبلہ کا حکم فرض اور نفل دونوں کے لئے برابر ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نماز فی الکعبہ کا بیان کر رہے ہیں کہ کیا نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ میں نماز پڑھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں روایات متعارض ہیں۔

روایات میں تعارض: ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر نماز پڑھی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلّی فی جوف الکعبة قال ابن عباس رضی اللہ عنہما لم یصل ولکنه کبّر''۔

بخاری شریف میں کتاب الصلوٰۃ اور کتاب المناسک میں ہے'' مالك عن نافع عن ابن عمر: ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دخل الکعبة واسامة بن زید و بلال و عثمان بن طلحة الحجبی فأغلقها علیه و مکث فیها، فسألت بلالًا حین خرج: ما صنع النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: جعل عمودًا عن یساره و عمودًا عن یمینه و ثلاثة اعمدة وراءه و کان البیت یومئذٍ علی ستة اعمدة ثم صلی '' ان دونوں احادیث میں آپؐ کا بیت اللہ میں نماز پڑھنے کا ثبوت موجود ہے۔

اس کے برخلاف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس میں بیت اللہ میں نماز پڑھنے کی نفی ہے۔ مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے '' اخبرنی اسامة بن زید أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما دخل البیت دعا فی نواحیه کلها و لم یصل فیه '' (یہی روایت بخاری شریف جلد اوّل ص ۲۱۸ میں کتاب المناسک: باب من کبر فی نواحی الکعبۃ میں ہے)

اور اسی طرح حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مسند احمد اور معجم طبرانی فی الکبیر میں ہے '' أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فی الکعبة فسبح وکبر ودعا واستغفر ولم یرکع ولم یسجد ''۔ (مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۲۹۳ باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ)

رفع تعارض اوّل: محدثین حضرات نے حدیث بلال رضی اللہ عنہ کو حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر ترجیح دی ہے۔ دوسرا یہ کہتے ہیں کہ مثبت روایت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

رفع تعارض ثانی: جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ساتھ موجود نہیں تھے بلکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کعبہ میں داخل ہوئے تھے وہ صرف تین صحابی تھے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ دوسرے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور تیسرے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔

سوال: صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں '' اخبرنی اسامة بن زید أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما دخل البیت دعا فی نواحیه کلها و لم یصل فیه حتی خرج '' اور حضرت اسامہؓ کا بیان ہے جو کہ کعبہ شریف میں آپ کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز نہیں پڑھی حالانکہ جواب ثانی میں آپ نے کہا کہ تین صحابی موجود تھے تو اس حدیث میں اسامہ نماز کی نفی کر رہے ہیں۔ اس کے دو جواب دیئے ہیں۔

جواب اوّل: اس کا جواب بھی واضح ہے کہ جب یہ لوگ کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں متفرق ہو گئے تھے آپؐ ایک طرف تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے قریب تھے جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ دوسری جانب میں تھے اور چونکہ کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا اس لئے اندھیرا چھا گیا اور درمیان میں ستون بھی حائل تھے اس لئے حضرت اسامہ آپ کو دور سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ نہ سکے بالخصوص جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو رکعتیں پڑھی تھیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور طبرانی کی روایت میں آتا ہے '' عن عثمان بن طلحة أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی البیت رکعتین ''۔ (کما فی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۹۴)

جواب ثانی: مسند ابو داؤد طیالسی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کعبہ کے اندرونی دیواروں پر تصویریں بنی

ہوئی دیکھیں تو ان کو مٹانے کے لئے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو پانی لانے کا حکم دیا لہٰذا یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز پڑھی ہو جبکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پانی لینے کے لئے گئے ہوئے ہوں۔ اس لئے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے ''عن عبدالرحمٰن بن مهران عن عمير مولى ابن عباس عن اسامة قال دخلت على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فرأى صورًا فدعا بدلو من ماء فأتيته به فضرب به الصوز هٰذا الاسناد جيدٌ قال القرطبي فلعله استصحب النفي لسرعة عوده انتهى'' (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۵۷) (باب من كبر في نواحي الكعبة)

رفع تعارض ثالث: حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے اس تعارض کو تعدد واقعات پر محمول کیا ہے لیکن دیگر محدثین نے اس جواب کو پسند نہیں کیا بلکہ وہ ترجیح کی طرف مائل ہیں۔

مسئلہ: کعبہ میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اوپر کے اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک بیت اللہ کے اندر مطلقاً نماز جائز نہیں کیونکہ اگر کعبہ میں نماز پڑھے گا تو بعض حصہ کا استدبار اور بعض کا استقبال لازم آئے گا جو کہ ٹھیک نہیں۔ جبکہ جمہور کے نزدیک کعبہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ کونسی نماز کعبہ میں جائز ہے فرائض یا نوافل

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک کعبہ میں ہر نماز پڑھنا جائز ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک روایت میں نوافل جائز ہیں۔ اس کے علاوہ فرائض، وتر، طواف کی دو رکعتیں اور فجر کی دو رکعتیں جائز نہیں۔ جبکہ احناف کہتے ہیں کہ نماز کی صحت کے اعتبار سے فرائض اور نوافل کا ایک حکم ہے۔

مسئلہ: حطیم کعبہ کا کیا حکم ہے؟: کعبہ سے باہر والا حصہ جو کعبہ کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ حقیقۃً کعبہ کی بناء میں شامل ہے یہ تقریباً ۳۲ یا ۳۸ ذراع کی جگہ ہے اس میں چھ ذراع یقیناً بیت اللہ کا حصہ ہے باقی کے اندر شبہ ہے کہ یہ کعبہ کے اندر کا حصہ ہے یا باہر کا؟ بعض کے نزدیک یہ اندر کا حصہ ہے اور بعض کے نزدیک یہ اندر کا حصہ نہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ طواف اس کے باہر سے کیا جائے اور اگر کسی نے فقط اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ اس کا کعبہ ہونا یقینی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ واللہ اعلم

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَسْرِ الْكَعْبَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ قَالَ لَهُ حَدِّثْنِي بِمَا كَانَتْ تُفْضِي إِلَيْكَ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ يَعْنِي عَائِشَةَ فَقَالَ حَدَّثَتْنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِالْجَاهِلِيَّةِ لَهَدَمْتُ الْكَعْبَةَ وَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ فَلَمَّا مَلَكَ ابْنُ الزُّبَيْرِ هَدَمَهَا وَجَعَلَ لَهَا بَابَيْنِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت اسود بن یزید فرماتے ہیں کہ ابن زبیرؓ نے ان سے کہا کہ مجھے وہ باتیں بتاؤ جو حضرت عائشہؓ تمہیں بتایا کرتی تھیں اسود نے کہا کہ وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا اگر تمہاری قوم عہد جاہلیت کے قریب نہ ہوتی (یعنی جاہلیت چھوڑ کر نئے نئے مسلمان نہ ہوئے ہوتے) تو میں کعبہ کو توڑ کر اس میں دو دروازے بناتا پھر جب ابن زبیر مکہ کے حاکم مقرر ہوئے تو انہوں نے اسے توڑ کر دوبارہ بنایا اور اس کے دو دروازے کر دیئے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: کسر الکعبۃ: بیت اللہ کے لئے کسر کے لفظ کو استعمال کیا ہے جبکہ حدیث مبارک میں اس کے لئے ''ھدمت'' آیا ہے اسی لفظ کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ کعبہ کے لئے ایسے الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔

حَدِیْثُ عَھْدٍ بِالجَاھِلِیَّۃِ: اس جملہ سے یہ ضابطہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کام مستحب ہو اور اس میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو وہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ کعبہ شریف کو بناء ابراہیم پر تعمیر کرنا استحباب کا درجہ تھا اگر اس کو بناء ابراہیمی پر دوبارہ تعمیر کرتے تو نئے مسلمان ہونے والے لوگوں کے ایمان میں خلل کا خدشہ تھا کہ کہیں وہ اشکالات میں پڑ کر اور طرح طرح کی باتوں میں آکر اسلام نہ چھوڑ دیں اس لئے اس کام کو ترک کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام نہیں کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے خواہش کا اظہار کیا تا کہ جب اندیشہ باقی نہ رہے تو یہ کام کیا جائے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ اندیشہ باقی نہ رہا پھر انہوں نے منشا نبوت کے مطابق کعبہ شریف تعمیر کر دیا لیکن حجاج نے پھر حسب سابق اس کو تعمیر کر دیا حجاج ظالم نے صرف حطیم کی طرف کی نئی دیوار بنائی ہے اور ایک دروازہ کر دیا ہے اور وہ اونچا کر دیا ہے باقی تعمیر ابن زبیرؓ ہی کی ہے۔

کعبہ شریف کی بناء کتنی مرتبہ بنائی گئی: بیت اللہ کو دس بار بنایا گیا تھا۔

اوّل: سب سے پہلی تعمیر ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے کی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتے پہلے عرش کا طواف کیا کرتے تھے پھر ان کے لئے آسمان پر البیت المعمور بنایا گیا پھر فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر دن ورات ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کریں گے اور جنہوں نے ایک بار طواف کر لیا دوبارہ ان کی باری قیامت تک نہیں آئے گی پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر انہوں نے زمین پر عین بیت المعمور کے نیچے کعبہ کی تعمیر کی۔

ثانی: بناء آدم علیہ السلام: دوسری مرتبہ کعبہ کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی۔

ثالث: بناء بنی آدم من الطین والحجارۃ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعض بیٹوں نے پتھر اور گارے سے اس کی تعمیر کی، یہ تعمیر طوفان نوح تک برقرار رہی پھر طوفان نوح کے وقت اٹھا لی گئی یا طوفان نوح میں غرق ہوگئی اور تعمیر کی جگہ بھی چھپ گئی کسی کو معلوم نہیں تھا کہ کعبہ کہاں پر تھا۔

رابع: بناء ابراھیم حیث بوّء اللہ لہ مکان البیت وذٰلک بنص القرآن: چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو کعبہ کی تعمیر کرنے کا حکم دیا گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کہاں تعمیر کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فلاں جگہ پر چلے جاؤ جس جگہ بادل کا سایہ رکا ہوا نظر آئے اتنی جگہ پر تعمیر کر دینا، بعض نے کہا کہ فلاں جگہ جہاں پر ریت کا ٹیلہ بنا ہوا ہے وہاں پر تعمیر کرو۔ بہر حال اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

بعض حضرات نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کعبہ کا بانی اوّل قرار دیا ہے۔ لیکن راجح یہ ہے کہ وہ بانی اوّل نہیں ہیں۔ قرآن پاک کی آیت کا انداز بھی اس کی تائید کرتا ہے ''واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت واسماعیل'' اس میں رفع القواعد کا ذکر ہے۔ تاسیس کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ شریف کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم نے اسی کو بلند کر کے بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا۔

خامس: پانچویں مرتبہ قوم عمالقہ نے اس کو تعمیر کیا۔

سادس: بناء جرھم کما رواہ الفاکھی چھٹی مرتبہ اسے بنو جرہم نے تعمیر کیا۔

سابع: بناء قصی بن کلاب کما ذکرہ الزبیر بن بکار ساتویں تعمیر قصی بن کلاب نے کی۔

ثامن: بناء قریش قبل مبعث النبی ﷺ بخمس عشرۃ سنۃ حین کان عمرہ خمسا و عشرین سنۃ: آٹھویں مرتبہ قریش نے اجتماعی چندے سے آپ ﷺ کی ولادت کے بعد اور بعثت سے پہلے کعبہ کی تعمیر کی اس تعمیر میں حجر اسود آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا اس کا واقعہ مشہور ہے جو چھوٹی کتب میں تفصیل سے پڑھ چکے ہو۔ اب تک کعبہ کے دو دروازے چلے آتے تھے ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ قریش نے چونکہ حلال کمائی سے تعمیر کیا تھا اور یہ کمائی کم پڑ گئی تھی اس لئے کعبہ کا کچھ حصہ تعمیر میں آنے سے رہ گیا جسے حطیم کعبہ کہتے ہیں۔ نیز کعبہ کے دو دروازے تھے قریش نے صرف ایک دروازہ باقی رکھا۔ اور مشرقی اور مغربی جانب سے بھی اس کی چوڑائی کسی قدر کم کر دی اور اس کے دروازے کو بھی اونچا کر دیا تا کہ جس کو چاہیں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اسی طرح قریش کی تعمیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں تقریباً چار تغیرات پیدا ہوئے۔ حطیم کعبہ چھوڑ دیا، دو دروازوں کے بجائے ایک دروازہ کر دیا، اس کو اونچا کر دیا، مشرقی و مغربی چوڑائی کو کم کر دیا۔

حدیث الباب کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بیت اللہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق تعمیر کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن اس خیال سے ارادہ ترک فرما دیا کہ زمانہ جاہلیت کے ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور قریش کے لوگ ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں ایسا نہ ہو کہ تعمیر کعبہ میں ان لوگوں کو خلفشار پیدا ہو جائے اور یہ کہنے لگیں کہ کعبہ کو اس کی آبائی بنیادوں سے گرایا جا رہا ہے تو یہ بات فتنہ کی شکل اختیار کر کے پورے شہر میں پھیل جائے۔

تاسع: بناء عبداللہ بن الزبیر و سببہ توہین الکعبۃ و احتراقہا من حجارۃ المنجنیق التی اصابتہا حین حوصر ابن الزبیر بمکۃ فی اوائل سنۃ اربع و ستین من الھجرۃ: نویں مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کعبہ کو از سر نو تعمیر کیا۔ اس تعمیر کی وجہ یزید بن معاویہ کی فوج بنی کہ انہوں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کیلئے کعبہ پر پتھروں کی بارش کی جس کی وجہ سے کعبہ شریف کا غلاف جل گیا اور بھی بہت سارے نقصانات ہوئے ان نقصانات کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے از سر نو کعبہ ابراہیم کی بنا کے مطابق تعمیر کیا۔ اور اس کے دو دروازے تعمیر کئے ان دو دروازوں میں سے ایک دروازے سے داخل ہوا جاتا تھا اور دوسرے سے نکلا جاتا تھا۔ اس کام سے سن ۶۵ ہجری میں فراغت ہوئی۔

عاشر: بناء الحجاج بن یوسف الثقفی مبیر ثقیف دسویں مرتبہ حجاج بن یوسف نے تعمیر کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے کئے ہوئے اضافہ کو چھوڑ کر پھر قریش کی بنیادوں پر کعبہ کو تعمیر کیا۔ چنانچہ پھر حطیم باہر رہ گئی اور کعبہ کا دروازہ ایک ہو گیا۔

اس کے بعد ہارون رشید نے اپنے زمانے میں اس کو گیارہویں مرتبہ بناء ابراہیمی کے مطابق تعمیر کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب امام مالکؒ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو امام مالکؒ نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنے سے روک دیا اور فرمایا کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ کعبہ کی تعمیر اور انہدام بازیچہ سلاطین بن کر رہ جائے گا۔ ہر بادشاہ آئے گا اپنی مرضی سے اس کو بناتا رہے گا۔ ہارون الرشید نے امام مالکؒ کا مشورہ قبول کیا اور تعمیر کا ارادہ ترک کر دیا اس وقت سے کعبہ حجاج بن یوسف کی تعمیر پر چلا آ رہا ہے اگرچہ چھوٹی موٹی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، بناء وہی ہے۔ لیکن اب تو حطیم کا حصہ بھی ہٹا دیا گیا ہے۔ گویا حجاج بن یوسف کی بناء میں کچھ تو تبدیلی آ گئی امید ہے کہ اب سعودی عرب کے لوگوں میں بھی تبدیلی آئے گی۔ اس دس مرتبہ تعمیر کعبہ کو کسی نے ایک شعر میں بند کیا

بنی بیت رب العرش عشر فخذھم ملائکۃ اللہ الکرام و آدم

فشیث و ابراہیم ثم عمالق قصی، قریش قبل ھذین جرھم

و عبد الالہ بن الزبیر بنی کذا بنا لحجاج و ھذا متمم

(معارف السنن جلد ۶ ص ۱۸۱)

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ فِي الْحِجْرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِي عَلْقَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُحِبُّ أَنْ أَدْخُلَ الْبَيْتَ فَأُصَلِّيَ فِيهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي فَأَدْخَلَنِي الْحِجْرَ وَقَالَ صَلِّي فِي الْحِجْرِ إِنْ أَرَدْتِ دُخُولَ الْبَيْتِ فَإِنَّمَا هُوَ قِطْعَةٌ مِنَ الْبَيْتِ وَلَكِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوهُ حِينَ بَنَوُا الْكَعْبَةَ فَأَخْرَجُوهُ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَلْقَمَةُ بْنُ أَبِي عَلْقَمَةَ هُوَ عَلْقَمَةُ بْنُ بِلَالٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں چاہتی تھی کہ کعبہ میں داخل ہو کر نماز پڑھوں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے حطیم میں لے گئے پھر فرمایا حطیم میں نماز پڑھو، اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو تو یہ بھی اس کا ایک حصہ ہے لیکن تمہاری قوم نے کعبہ کی تعمیر کے وقت چندے میں کمی کی وجہ سے اسے چھوڑ دیا اور اسے کعبہ سے نکال دیا، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور علقمہ بن ابی علقمہ سے مراد علقمہ بن بلال ہیں۔

تشریح: الحجر بکسر الحاء المھملۃ وسکون الجیم وہ جس کا نام حطیم ہے شام کی جانب کعبہ کا خالی حصہ جو تعمیر سے خالی ہے حجر کا حصہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ اس کا حصہ چھ ذراع ہے۔ بعض نے کہا کہ چھ ذراع اور ایک بالشت یا سات ذراع بہرحال اس میں مختلف اقوال ہیں۔

بہرحال بیت اللہ کا جو حصہ خارج کر دیا گیا ہے اس کا ایک نام حجر ہے اور دوسرا نام حطیم ہے حطیم کا مطلب یہ ہے کہ توڑا ہوا لہٰذا کعبہ کے گرد چار دیواری سے جو حصہ گرا ہوا ہے وہ سب بیت اللہ کا جزو نہیں ہے بلکہ دیوار سے چھ ہاتھ تک کعبہ کا جزو ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پورا حصہ بیت اللہ کا جز ہے اور یہی بات صحیح ہے گویا کعبہ کی بناء دائیں پاؤں کی وضع پر ہے لہٰذا پیچھے سے ایڑی کی طرح گول ہونا چاہیے۔

کبھی حطیم نصف دائرہ اور حجر کے مجموعہ کو بھی کہا جاتا ہے حجر وہ جگہ ہے جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ % کی قبریں ہیں "کما ھو المعروف" چنانچہ بعض تابعین مثلاً عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کے آثار سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے اور خالد بن عبدالرحمٰن بن خالد بن سلمۃ المخزومی کہتے ہیں کہ وہ جگہ جہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے میزاب اور حجر کے مغربی دروازہ کے درمیان ہے۔

حطیم کو حطیم اس لئے کہتے ہیں کہ لوگ وہاں قسموں کے لئے ہجوم کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو حطیم کہا جانے لگا۔ حجر کے بیت اللہ کا حصہ ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے البتہ حطیم کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

حطیم کعبہ کا جزو ہے اور یہ خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے۔ قرآن سے یہ بات ثابت نہیں لہٰذا اگر کسی نے صرف حطیم کی طرف رخ

کیا تو اس کی نماز نہیں ہوگی قرآن پاک کی آیت ''فول وجهك شطر المسجد الحرام'' میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حطیم کا بیت اللہ میں شامل ہونا خبر واحد سے ثابت ہے جو کہ ظن کا فائدہ دیتا ہے البتہ اگر کسی نے حطیم کے اندر نماز پڑھ لی تو اس کو وہی فضیلت حاصل ہوگی جو کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔ ائمہ ثلاثہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کو جائز کہتے ہیں مگر یہاں پر انہوں نے اپنے اصول کو چھوڑ دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَالرُّكْنِ وَالْمَقَامِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ رَجَاءٍ أَبِي يَحْيَى قَالَ سَمِعْتُ مُسَافِعًا الْحَاجِبَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللَّهُ نُورَهُمَا وَلَوْ لَمْ يَطْمِسْ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا يُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مَوْقُوفًا قَوْلُهُ وَفِيهِ عَنْ أَنَسٍ أَيْضًا وَهُوَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حجر اسود جب جنت سے اتارا گیا تو دودھ سے بھی زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا، اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی اور مقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھا دی اور اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ بجھاتا تو ان کی روشنی مشرق سے مغرب تک سب کچھ روشن کر دیتی، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اپنے قول (حدیث موقوف) کے طور پر مروی ہے۔ اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث مروی ہے اور وہ غریب روایت ہے۔

تشریح: کیا حجر اسود جنت سے اتارا گیا اور جنت سے اتارنے کی وجہ کیا ہے یہ بات دلیل قطعی سے معلوم تو نہیں ہوتی البتہ تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو جنت کی نشانی کے طور پر ان کو وہ پتھر دیا گیا پھر وہ کعبہ کے ایک کونے میں لگا دیا گیا۔ البتہ اتنی بات صحیح ہے روایات سے ثابت ہوتی ہے کہ یہ پتھر جنت سے اترا ہے۔

وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ: حجر اسود جب جنت سے اترا تھا تو اس وقت یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن بنی آدم کے گناہگاروں کے ہاتھ سے چھونے اور چومنے سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔

بعض حضرات نے اس حدیث کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اس کو حقیقت پر مبنی قرار دیا ہے۔ بعض شراح نے اس حدیث کو حجر اسود کی تعظیم شان پر محمول کیا ہے اور لوگوں کے گناہوں وغلطیوں کو اپنی طرف کھینچنا مراد لیا ہے اور جب انسانی گناہ ایک سفید پتھر کو سیاہ کر سکتے ہیں تو دل جو گوشت کا ٹکڑا ہے اس پر گناہ بطریق اولیٰ اثر انداز ہو سکتے ہیں اور اسی وجہ سے احادیث میں ہے کہ جب انسان ایک گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے دوسرا گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے ایک دن آتا ہے کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے کمانی قولہ تعالیٰ ''کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون''۔ الحاصل یہ کہ حجر اسود ایک سفید شیشہ کی مانند تھا لیکن اس کے ساتھ غیر مناسب اشیاء ملنے کی وجہ سے اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ (مرقاۃ ج ۵ ص ۳۱۹)

سوال: جنت سے جب یہ پتھر لایا گیا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا پھر گناہ گار لوگوں کے ہاتھ لگانے سے وہ سیاہ ہو گیا۔ سوال یہ ہے کہ جس طرح گناہگار اس کو ہاتھ لگاتے ہیں اسی طرح نیک لوگ بھی اس کو ہاتھ لگاتے ہیں نیک لوگوں کی نیکیوں سے یہ پتھر سفید کیوں نہیں ہوا، گنہگاروں کے گناہوں سے کالا کیوں ہو گیا؟

جواب اوّل: نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے جیسے اگر دودھ میں ایک قطرہ شراب کا ڈال دیا جائے یا پیشاب کا قطرہ ڈال دیا جائے تو سارا دودھ ناپاک ہو جاتا ہے خواہ تم اس میں کتنی پاک اشیاء ملاتے رہو وہ ناپاک ہی رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اگر سب لوگ ایک چیز کو ہاتھ لگاتے رہیں تو وہ خواہ مخواہ میلی ہو ہی جاتی ہے یہی حال حجر اسود کا ہے۔ یہاں اسود بمعنی کالا ہے اسود محاورہ کی صورت میں بمعنی میلا استعمال ہوتا ہے۔

جواب ثانی: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بعض ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے لیکن اس کا جواب وہی ہے جو ابن قتیبہ نے دیا ہے کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ کا قانون اور قاعدہ یہی ہے کہ سفید کو ہر چیز کالا کر دیتی ہے لیکن کالے کو کوئی چیز سفید نہیں کرتی۔

جواب ثالث: محب طبری حنفی فرماتے ہیں کہ اس کا کالا رنگ باقی رکھا گیا تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں کہ جب خطایا کا اثر ایک پتھر پر ہو سکتا ہے تو دل پر کیونکر نہیں ہو سکتا جو کہ گوشت کا بنا ہوا ہے۔

جواب رابع: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جنت کے پتھر پر سواد غالب کر دی تاکہ اہل الدنیا جنت کی زینت کا مشاہدہ نہ کر سکیں۔

فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ: اس کا ایک ظاہر مفہوم یہ ہے کہ حجر اسود کا استلام کرنے والوں کے گناہوں کی سیاہی پتھر پر منعکس ہو گئی۔ دوسرا بعض حضرات نے کہا کہ خطایا کا مطلب یہ ہے کہ بنی آدم کی غلطی کی وجہ سے یہاں کئی مرتبہ آگ لگی اس وجہ سے حجر اسود سیاہ ہو گیا۔ بعض حضرات نے کہا کہ خطایا سے مراد عام گناہ نہیں بلکہ ایک خاص غلطی ہے وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ حجر اسود کو ہاتھ لگاتے ہوئے صفائی کا اہتمام نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ سیاہ ہو گیا۔

قولہ طَمَسَ اللّٰهُ نُورَهُمَا: اس کا نور ختم ہو گیا مشرکین کے چھونے کی وجہ سے یا اس کے نور کے ختم کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس پر ایمان بالغیب باقی رہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حجر اسود کا جنت سے ہونے کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۱۷ھ میں قرامطہ نے اپنے وقت کے امیر ابوطاہر سلیمان بن سعید الحسین الجنابی کی معیت میں مکہ پر قابض ہو کر بہت خون بہایا بہت سے حجاج شہید ہوئے ان کا مقصد صرف بیت اللہ میں نصب حجر اسود کو چوری کرنا تھا جب وہ کامیاب ہو گئے اس کو اکھاڑ کر بحرین لے گئے ۲۲

سال تک بیت اللہ حجر اسود کی معیت سے محروم رہا بالآخر ۳۳۹ھ میں ترکی کے امیر نے پچاس ہزار دینار دے کر ان سے مطالبہ کیا تھا کہ اسے واپس کر دیں لیکن قرامطہ نے اس پر عمل نہ کیا بلکہ کہنے لگے جس کے حکم سے لائے تھے اسی کے حکم پر واپس کریں گے۔

اسکے بعد اسی سال قرامطہ نے حجر اسود کو اٹھا کر کوفہ میں رکھ دیا اور اسے لوگوں کو دکھانے کے لئے جامع مسجد کے ساتویں ستون میں لٹکا دیا اور ابو طاہر کے بھائی نے ایک خط بھی لکھ کر رکھ دیا کہ ہم جس کے حکم سے لائے تھے اسی کے حکم سے اسے واپس کر دیں گے تاکہ لوگوں کا حج مکمل ہو سکے اس کے بعد بغیر کسی مطالبہ کے اس سال ذی قعدہ میں مکہ میں چھوڑ گئے اس موقع پر مسلمان بہت خوش ہوئے۔

اب اس کے جنتی ہونے کی نشانی یہ ہے جس کو ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جب قرامطہ والوں سے حجر اسود کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ پتھر ہمارے ہاں خلط ملط ہو گیا ہے اگر تمہارے پاس کوئی نشانی ہے تو لے جاؤ تو انہوں نے علماء سے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس پر آگ اثر نہیں کرتی کیونکہ یہ جنتی پتھر ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا وہ لوگ دوسرے پتھر آگ میں ڈالتے تو وہ آگ میں ٹوٹ جاتے جب اس کو آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے اس پر اثر نہ کیا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ تعجب کی بات ہے کہ کافر لوگ مکہ سے جب یہ پتھر لے جا رہے تھے تو اس پتھر کے بوجھ سے کئی اونٹ مر گئے جب اسے واپس لایا جا رہا تھا تو اسے اونٹ کے بچے پر لاد کر لایا گیا جو ذرا بھی متاثر نہیں ہوا۔ (مرقاۃ ج ۵ ص ۳۲۰)

بعض حضرات نے کہا کہ دور جاہلیت میں ایک بار کعبہ کو خوشبو کی دھونی دیتے ہوئے غلاف کعبہ جل گیا جس سے حجر اسود کالا ہو گیا لیکن یہ دونوں قول درست نہیں کیونکہ حجر اسود پر آگ کا اثر نہ کرنا اس کے سیاہ نہ ہونے کی بھی علامت ہے کیونکہ سیاہ کرنا بھی آگ کے اثرات میں سے ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ بنی آدم کے گناہوں کے سبب سیاہ ہو گیا ہے۔ کما فی الحدیث۔

نیز اس کی خاصیات میں سے ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس کو اگر پانی میں ڈالا جائے تو ڈوبتا نہیں اوپر تیرتا رہتا ہے اس کے قریب دعا قبول ہوتی ہے قیامت میں پہلے پہلے حجر اسود اور قرآن مجید کو اٹھا لیا جائے گا اور آپ ﷺ کا خواب میں آنا بند ہو جائے گا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا يُرْوَى عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کا موقوف ہونا اصح ہے اور رجاء بن صبیح الجرشی نے اس کو مرفوع روایت کیا ہے لیکن یہ اس کی غلطی ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُرُوجِ إِلَى مِنًى وَالْمُقَامِ بِهَا

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْأَجْلَحِ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَإِسْمٰعِيلُ بْنُ مُسْلِمٍ قَدْ تُكُلِّمَ فِيهِ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْأَجْلَحِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منی میں ظہر۔ عصر۔ مغرب۔ عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھائیں اور پھر صبح عرفات کی طرف تشریف لے گئے، امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ اسماعیل بن مسلم کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِمِنًى الظُّهْرَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ غَدَا إِلَى عَرَفَاتٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ قَالَ يَحْيٰى قَالَ شُعْبَةُ لَمْ يَسْمَعِ الْحَكَمُ مِنْ مِقْسَمٍ إِلَّا خَمْسَةَ أَشْيَاءَ وَعَدَّهَا وَلَيْسَ هٰذَا الْحَدِيثُ فِيمَا عَدَّ شُعْبَةُ.

منی میں ظہر اور فجر کی نماز پڑھائی اور پھر عرفات کی طرف تشریف لے گئے اس باب میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور انسؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقسم سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے علی بن مدینی نے کہا یحییٰ کہتے ہیں کہ شعبہ نے نہیں سنیں حکم نے مقسم سے مگر پانچ حدیثیں اور شعبہ نے ان حدیثوں کو شمار کرتے ہوئے اس حدیث کا ذکر نہیں کیا۔

تشریح: مِنٰی میم کے کسرہ کے ساتھ اور مُنٰی میم کے ضمہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے مِنٰی یاء کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ یہ منصرف ہے اور مذکر ہے لیکن ملا علی قاری عمدۃ القاری جلد ۳ ص ۵۳۰) میں ذکر کرتے ہیں کہ مِنٰی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک جگہ اور بقع کا نام ہے۔

بعض نے کہا کہ جب اسے منصرف پڑھا جائے گا تو اسی صورت میں الف لکھا جائے گا اور جب اسے مؤنث لکھا جائے تو اس وقت منصرف نہیں ہوگا اور ی بھی نہیں لکھی جائے گی۔

آپ ﷺ آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ تشریف لے گئے اور ظہر سے لے کر فجر تک پانچ نمازیں وہیں ادا کیں پھر نو ذی الحجہ کی صبح کو عرفات تشریف لے گئے منیٰ کے قیام کے متعلق یہ حکم ہے کہ یہ اتنی اہمیت کا حامل نہیں اگر کوئی شخص منیٰ میں قیام نہ کرے اور سیدھا میقات سے عرفات چلا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے وہاں قیام کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے وہاں اسلئے قیام کیا تھا کہ سب لوگ مکہ سے یہاں آکر جمع ہو جائیں کوئی رہ نہ جائے پھر ۹ ذی الحجہ کو سب ایک ساتھ عرفہ جائینگے اگر آپ مکہ سے سیدھا عرفات جاتے تو شام تک لوگ آتے رہتے اور بہت سارے لوگ شام تک بھی نہ پہنچ سکتے اسلئے آپ ﷺ نے آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى: اگرچہ یہ حدیث اسماعیل بن مسلم کی وجہ سے ضعیف ہے مگر یہ مضمون کہ آٹھ ذی الحجہ میں پورے دن آپ نے قیام فرمایا یہ بات بہت ساری احادیث سے بھی ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْأَجْلَحِ: اس حدیث میں انقطاع ہے اس لئے کہ حکم بن عتیبہ نے مقسم سے صرف پانچ حدیثیں سنی ہیں اور یہ حدیث ان میں سے نہیں ہے وہ پانچ احادیث یہ ہیں وتر کے متعلق، قنوت کے متعلق، حرم میں شکار کرنے کے متعلق، طلاق کا ارادہ کرنے کے متعلق، حائضہ سے صحبت کرنے کے متعلق۔ (تہذیب ۲/ ۴۳۴)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم منیٰ میں آپ کے لئے ایک سایہ

بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ أُمِّهِ مُسَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَبْنِي لَكَ بِنَاءً يُظِلُّكَ بِمِنًى قَالَ لَا مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

دار جگہ نہ بنا دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں منیٰ ان لوگوں کی جگہ ہے جو پہلے وہاں پہنچ جائیں، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: منیٰ میں جو شخص پہلے پہنچے گا وہ اس کی جگہ ہوگی حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ منیٰ میں تین چار دن قیام فرماتے ہیں، ہم آپ کیلئے کوئی پختہ مکان نہ بنوادیں جہاں آپ ٹھہریں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ بنانے کی اجازت نہیں دی اور ارشاد فرمایا منیٰ اس شخص کے اونٹ بٹھانے کی جگہ ہے جو وہاں پہلے پہنچے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے منیٰ میں پہلے سے کوئی انتظام نہیں کیا گیا جہاں جگہ مل گئی وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ کھڑا کر دیا۔ اس وجہ سے آج بھی منیٰ میں کوئی عمارت نہیں کھڑی کر سکا۔ وقتی طور پر وہاں کے انتظامات والے خیمہ لگا دیتے ہیں اور حجاج وہاں قیام کرتے ہیں اور بے شمار مخلوق وہاں راستوں میں بھی پڑی رہتی ہے انکی کوئی پرواہ نہیں کرتا اور نہ ہی پولیس والے انکو ہٹاتے ہیں۔ حالانکہ انتظامی معاملہ ہے اگر راستے میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہو رہی ہو تو راستہ خالی کروانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ منی مناخ من سبق کا یہ مطلب نہیں کہ انتظام درست کرنے کیلئے بھی ان کو نہ ہٹایا جائے نظام کو صحیح اور درست رکھنے کے لئے اور جانوں کو ضائع ہونے سے بچانے کیلئے راستوں سے لوگوں کو ہٹانا جائز ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ: مسیکہ مجہول راوی ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو حسن کہا ہے مگر مصری نسخہ میں صحیح کہا ہے اور وہی نسخہ صحیح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کرنے والے پہلے طبقہ کے احوال اگر پردہ خفا میں رہ جائیں تو اس سے صرف نظر کی جاتی ہے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے سورہرہ کے باب میں جو حدیث ذکر کی ہے اس کو حسن صحیح کہا حالانکہ اس میں حمیدہ اور کبشہ مجہولہ ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ بِمِنًى

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى آمَنَ مَا كَانَ النَّاسُ وَأَكْثَرَهُ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ رَكْعَتَيْنِ

حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بہت سے لوگوں کے ساتھ منیٰ میں بے خوف وخطر دو رکعتیں قصر نماز پڑھی، اس باب میں حضرت ابن مسعود ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر، عمر اور عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور میں ان حضرات کے ساتھ منیٰ میں

صَدْرًا مِنْ إِمَارَتِهِ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي تَقْصِيرِ الصَّلَاةِ بِمِنًى لِأَهْلِ مَكَّةَ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ لِأَهْلِ مَكَّةَ أَنْ يَقْصُرُوا الصَّلَاةَ بِمِنًى إِلَّا مَنْ كَانَ بِمِنًى مُسَافِرًا وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ جُرَيْجٍ وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَيَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْقَطَّانِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا بَأْسَ لِأَهْلِ مَكَّةَ أَنْ يَقْصُرُوا الصَّلَاةَ بِمِنًى وَهُوَ قَوْلُ الْأَوْزَاعِيِّ وَمَالِكٍ وَسُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ

دو رکعتیں ہی پڑھیں (یعنی قصر نماز) اہل مکہ کے منیٰ میں قصر کرنے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ منیٰ میں صرف مسافر ہی قصر نماز پڑھ سکتا ہے اہل مکہ نہیں ابن جریج، سفیان، ثوری یحییٰ بن سعید قطان، امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اہل مکہ منیٰ میں قصر نماز پڑھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں امام اوزاعیؒ مالک سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا کہ منیٰ میں نماز کا قصر کرنے کا کیا حکم ہے اس بارے میں تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ اگر حاجی مکہ جائیں پندرہ دن یا اس سے زیادہ اقامت کا ارادہ نہ کریں تو بالاتفاق وہ قصر کریں گے البتہ بعض حضرات اس قصر کے حکم میں اختلاف کرتے ہیں۔ قصر کے بارے میں ہم ابواب المسافر میں بحث کر چکے ہیں۔ اس باب میں یہ اختلاف بیان کریں گے کہ منیٰ میں قصر کرنے کی علت کیا ہے اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور ائمہ حضرات امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، سفیان ثوریؒ، عطاء بن ابی الرباحؒ، امام زہریؒ کا مسلک یہ ہے کہ قصر کی علت سفر ہے چنانچہ انکے نزدیک اہل مکہ کے لئے منیٰ میں قصر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ مسافرین میں شامل نہیں ہوتے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک منیٰ میں قصر کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ مسافر ہو یا مقیم ہو اور منیٰ میں قصر کرنا سفر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ مناسک حج میں سے ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے جمع تقدیم عرفات میں اور جمع تاخیر مزدلفہ میں اسی طرح یہاں پر قصر بھی مناسک حج کی وجہ سے ہوتی ہے سفر کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اور یہی قول ابن عمرؓ سالم قاسم اور طاؤس کا ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: آپ ﷺ نے منیٰ وغیرہ میں رباعی نمازیں قصر پڑھائی تھیں اور کسی نماز میں اعلان نہیں کیا تھا کہ امام مسافر ہے لہٰذا مقامی حضرات اپنی اپنی نمازیں پوری کر لیں حالانکہ ایسا اعلان کرنے کا معمول تھا پس یہ قرینہ ہے کہ قصر حج کی وجہ سے تھا۔

جواب اوّل: آنحضرت ﷺ نے مکہ میں تین دن نمازیں قصر پڑھائی تھیں اور وہاں اعلان ہوا تھا چونکہ لوگ اب اپنا مسئلہ جان گئے اس لئے بار بار اعلان کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

جواب ثانی: دوسرا جواب علی سبیل الانکار ہے کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں نماز سے فراغت کے بعد اتمام کا حکم نہیں دیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے حکم دیا ہو لیکن یہ بات ہم تک نہ پہنچ پائی ہو......... اصولی قاعدہ ہے کہ عدم ذکر الشی عدم شی کو مستلزم نہیں۔

جواب ثالث: اگر منیٰ میں قصر کرنا سفر کی علت میں نہ ہو بلکہ مناسک حج ہونے کی وجہ سے ہو تو اس صورت میں مناسک حج

ایک جز ہے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اہل منیٰ بھی حج کرتے وقت منیٰ میں قصر کریں حالانکہ ان کے حق میں قصر کے قائل تو آپ بھی نہیں ہو حالانکہ وہ بھی تو منیٰ میں مقیم ہیں تو وہ قصر کیوں نہیں کرتے حالانکہ یہ مناسک حج میں سے ہے۔

جواب رابع: اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ منیٰ میں قصر کرنا مناسک حج میں سے ہے لہٰذا جو شخص منیٰ میں قیام نہ کرے سیدھا عرفات چلا جائے تو بقول آپ کے اس نے مناسک حج میں ایک چیز کو ترک کر دیا اس کا حج نہیں ہونا چاہیے۔ یا حج تو ہو جائے لیکن دم آنا چاہیے حالانکہ آپ اس کے دم کے بھی قائل نہیں اور ادھر سے منیٰ میں قصر کو مناسک حج میں بھی شامل کرتے ہیں یہ کیسی منطق ہے؟ آپ کا استدلال آپ کے خلاف ہے۔

دلیل ثانی: امام مالکؒ نے موطا امام مالک ص ۴۲۹ میں نقل کیا ہے "أن عمر بن الخطاب لما قدم مكة صلى بهم ركعتين ثم انصرف فقال يا اهل مكة أتموا صلاتكم فانا قوم سفر" اس کے بعد امام مالکؒ فرماتے ہیں "ثم صلى عمر بن الخطاب ركعتين بمنى ولم يبلغنا أنه قال لهم شيئًا" اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔

جمہور حضرات کی دلیل: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں منیٰ وغیرہ میں نماز پوری پڑھانی شروع کی اور لوگوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی تو انہوں نے یہ عذر بیان کیا کہ میں نے مکہ کے قریب نکاح کر لیا ہے میں مدینہ سے سیدھا سسرال آتا ہوں پھر وہاں سے ایک ماہ بعد مکہ بھی آتا ہوں اس لئے میں مسافر نہیں ہوں یہ مالکیہ کے خلاف دلیل ہے کہ منیٰ وغیرہ میں قصر سفر کی بناء پر ہوتی تھی مناسک حج کی بناء پر نہیں ہوتی تھی ورنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ عذر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوُقُوفِ بِعَرَفَاتٍ وَالدُّعَاءِ بِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ أَتَانَا ابْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ وَنَحْنُ وُقُوفٌ بِالْمَوْقِفِ مَكَانًا يُبَاعِدُهُ عَمْرٌو فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْكُمْ يَقُولُ كُونُوا عَلَى مَشَاعِرِكُمْ فَإِنَّكُمْ عَلَى إِرْثٍ مِنْ إِرْثِ إِبْرَاهِيمَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَالشَّرِيدِ بْنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَابْنُ مِرْبَعٍ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ مِرْبَعٍ الْأَنْصَارِيُّ

حضرت یزید بن شیبان سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ابن مربع انصاری تشریف لائے ہم عرفات میں ایک جگہ ٹھہرے ہوئے تھے عمرو بن عبداللہ نے اس جگہ کو دور بتایا انہوں نے فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم لوگ حج کیلئے اپنی عبادت کی جگہ رہو کیونکہ تم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ترکہ میں سے ایک ترکہ پر ہو۔ اس باب میں حضرت علی، عائشہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور شرید بن سوید ثقفی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن مربع کی حدیث حسن ہے ہم اسے صرف ابن عیینہ کی روایت سے جانتے ہیں وہ عمرو بن دینار سے روایت کرتے ہیں ابن مربع کا نام یزید بن

وَإِنَّمَا يُعْرَفُ لَهُ هٰذَا الْحَدِيثُ الْوَاحِدُ. مربع انصاری ہے ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔

تشریح: بْنُ مِرْبَعِ الْأَنْصَارِيُّ: امام ترمذی نے نام ذکر کیا ہے کہ ان کا نام یزید ہے بعض نے کہا کہ ان کا نام زید ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا نام عبداللہ ہے۔ (کمافی التہذیب وعمدۃ القاری جلد ۱۰ ص ۶۷۹)

وقوف عرفہ حج کے ارکان میں سے بڑا رکن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''الحج عرفة''۔

وقوف عرفہ ۹ ذی الحجہ کو شروع ہوتا ہے وہاں پر زوال تک کوئی کام نہیں کرنا ہوتا زوال کے بعد امام ظہر اور عصر کی نماز دونوں اکٹھی پڑھاتا ہے اس کے بعد لوگوں کا وقوف شروع ہو جاتا ہے لوگ ذکر، اذکار، نوافل، تلاوت وغیرہ میں لگ جاتے ہیں۔ عرفات میں سب کاموں سے اہم کام دعائیں کرنا ہوتا ہے۔

قول اوّل: عرفہ کا وقوف ذی الحجہ کی ۹ تاریخ کے زوال سے لے کر اگلے دن کی صبح صادق تک رہتا ہے پھر امام احمدؒ کے نزدیک یہ پورا وقت یکساں ہے لہٰذا جو شخص ۹ ذی الحجہ کے زوال سے لے کر دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک عرفات میں پہنچ گیا اس کا حج ہو جائے گا۔

قول ثانی: احناف اور شوافع کے نزدیک اگر کسی نے صرف دن کا وقوف کیا اور رات کا کوئی حصہ ساتھ نہیں ملایا یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس پر دم واجب ہے اور اگر کسی نے رات میں وقوف کیا دن میں وقوف نہیں کیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی شخص نے دن کا وقوف کیا اور غروب سے پہلے عرفات سے نکل آیا تو اس کا حج نہیں ہوا اور اگر صرف رات میں وقوف کیا اور دن میں وقوف نہیں کیا تو حج ہو جائے گا البتہ دم واجب ہوگا۔

وادی عرفات میں کونسی جگہ ہے جہاں پر نبی کریم ﷺ نے وقوف کیا تھا۔ بعض حضرات نے کہا وہ جبل رحمت کے پاس بڑے بڑے کالے پہاڑ ہیں۔ وہاں ایک مسجد بھی بنائی گئی ہے جسے مسجد صخرات کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ وادی عرفات وادی نعمان کے قریب ہے اس جگہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی تمام ذریت کو جمع کر کے ان سے عہد لیا گیا تھا۔ صحیح یہ ہے کہ جبل رحمت کے قریب وقوف کرنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حج کیا تھا تو وہ جبل رحمت کے دامن میں ٹھہرے تھے اور حج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہوتا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی وہیں وقوف کیا تھا آپ نے ابن مربع انصاری کو یزید بن شیبان کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ وہ جبل رحمت کے قریب آئیں اس لئے کہ حج موروثی عبادت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مِرْبَعِ الْأَنْصَارِيِّ: ابن مربع کی حدیث کو ابن عیینہ کی سند کے بغیر ہم نہیں جانتے یعنی عمرو بن دینار سے روایت کرنیوالے تنہا ابن عیینہ ہیں اور ابن مربع کا نام یزید بن مربع انصاری ہے جنکا ذکر شروع باب میں ہو چکا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ قُرَيْشٌ وَمَنْ كَانَ عَلَى دِينِهَا وَهُمُ الْحُمْسُ يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ يَقُولُونَ نَحْنُ قَطِينُ اللهِ وَكَانَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ قریش اور ان کے متبعین جنہیں حمس کہا جاتا ہے مزدلفہ میں ٹھہر جاتے (عرفات نہ جاتے) اور کہتے ہم بیت اللہ کے خادم اور مکہ کے رہنے والے ہیں جب کہ دوسرے تمام لوگ عرفات میں جا کر

مَنْ سِوَاهُمْ يَقِفُونَ بِعَرَفَةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ (ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ كَانُوا لَا يَخْرُجُونَ مِنَ الْحَرَمِ وَعَرَفَاتٌ خَارِجٌ مِنَ الْحَرَمِ فَأَهْلُ مَكَّةَ كَانُوا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ وَيَقُولُونَ نَحْنُ قَطِينُ اللهِ يَعْنِي سُكَّانَ اللهِ وَمَنْ سِوَى أَهْلِ مَكَّةَ كَانُوا يَقِفُونَ بِعَرَفَاتٍ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى (ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ) وَالْحُمْسُ هُمْ أَهْلُ الْحَرَمِ

ٹھہرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (پھر جہاں سے دوسرے لوگ واپس ہوتے ہیں تم بھی وہیں سے واپس ہو) امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ حرم سے باہر نہیں جاتے تھے جب کہ عرفات حرم سے باہر ہے وہ لوگ مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور کہتے کہ ہم تو اللہ کے گھر کے قریب رہنے والے ہیں لیکن دوسرے لوگ عرفات میں جا کر ٹھہرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی (پھر وہاں سے واپس لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹتے ہیں) حمس سے مراد اہل حرم ہیں۔

حمس، احمس کی جمع ہے اس کے معنی ہیں صاحب قوت وشدت۔ یہ قریش اور ان کے آس پاس رہنے والے قبیلوں کا لقب ہے یعنی جدیلہ، کنانہ، بنو عامر بن صعصعہ اور قبیلہ قیس ان کو حمس اس لئے کہتے ہیں کہ ان قبیلے والوں نے اپنے اوپر سختی کی ہوئی تھی اور دوسرے اہل عرب سے زیادہ پابندیاں عائد کی ہوئی تھیں یہ لوگ احرام باندھنے کے بعد اپنے اوپر گوشت حرام کر لیتے تھے، بالوں والے خیموں میں نہیں جاتے تھے اور یہ لوگ بہت سارے جائز کاموں کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے جب یہ مکہ آتے تو کپڑے بدل ڈالتے اور حمس کے کپڑوں کے سوا دوسرے کپڑوں میں طواف کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور اس کے علاوہ حج کے دوران عرفات میں آنے کے بجائے یہ لوگ مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ کہتے کہ ہم مکہ کے مجاور ہیں ہم حرم مکہ سے باہر نہیں نکلتے جبکہ عرفات کا میدان حرم سے باہر ہے اور مزدلفہ حرم کے اندر شامل ہے یہ حضرات کہتے تھے ''نحن قطين الله يعني سكان الله'' یعنی ہم حرم کے رہائشی ہیں۔ اس وجہ سے یہ لوگ حدود حرم سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ قرآن پاک میں اس کی تردید ان الفاظ سے کی ہے۔ ''ثم افيضوا من حيث أفاض الناس'' تمہارا وقوف ایسی جگہ پر ہونا چاہیے جہاں پر تمام لوگ وقوف عرفہ کرتے ہیں۔

فائدہ: عام ایام میں رات پہلے اور دن بعد میں ہوتا ہے مگر ایام حج میں رات دن کے تابع ہوتی ہے مثال کے طور پر عام دنوں میں رات پہلے شمار ہوتی ہے دن بعد میں۔ جیسے آج مغرب سے گیارہ شعبان شروع ہو جائے گی اور کل دن گیارہ شعبان کا دن ہوگا۔ اب دیکھیں وقوف عرفہ ۹ ذی الحجہ کے زوال سے شروع ہوتا ہے اور آگے رات اس میں شامل ہوتی ہے صبح صادق تک کسی نے عرفہ میں قیام کر لیا تو حج ادا ہو جائے گا یہاں پر دن پہلے اور رات بعد میں ہے اور رات اس دن میں شامل ہے یہ کل چار راتیں ہیں جو بعد میں آتی ہیں اور دن پہلے ہوتا ہے۔ صبح صادق تک عرفات میں ٹھہرتے ہیں پھر مزدلفہ چلے جاتے ہیں پھر طلوع شمس سے پہلے پہلے منیٰ میں چلے جاتے ہیں۔ باقی تفصیل حج کے ارکان وغیرہ کی آتی رہے گی۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ عَرَفَةَ كُلَّهَا مَوْقِفٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي رَافِعٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ وَقَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَقَالَ هٰذِهِ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ أَفَاضَ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَأَرْدَفَ أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ وَجَعَلَ يُشِيرُ بِيَدِهِ عَلَى هِينَتِهِ وَالنَّاسُ يَضْرِبُونَ يَمِينًا وَشِمَالًا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِمْ وَيَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمُ السَّكِينَةَ ثُمَّ أَتَى جَمْعًا فَصَلَّى بِهِمُ الصَّلَاتَيْنِ جَمِيعًا فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى قُزَحَ وَوَقَفَ عَلَيْهِ وَقَالَ هٰذَا قُزَحُ وَهُوَ الْمَوْقِفُ وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ ثُمَّ أَفَاضَ حَتَّى انْتَهَى إِلَى وَادِي مُحَسِّرٍ فَقَرَعَ نَاقَتَهُ فَخَبَّتْ حَتَّى جَاوَزَ الْوَادِيَ فَوَقَفَ وَأَرْدَفَ الْفَضْلَ ثُمَّ أَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ أَتَى الْمَنْحَرَ فَقَالَ هٰذَا الْمَنْحَرُ وَمِنًى كُلُّهَا مَنْحَرٌ وَاسْتَفْتَتْهُ جَارِيَةٌ شَابَّةٌ مِنْ خَثْعَمٍ فَقَالَتْ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ قَدْ أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللهِ فِي الْحَجِّ أَفَيُجْزِئُ أَنْ أَحُجَّ عَنْهُ قَالَ حُجِّي عَنْ أَبِيكِ قَالَ وَلَوَى عُنُقَ الْفَضْلِ فَقَالَ الْعَبَّاسُ يَا رَسُولَ اللهِ لِمَ لَوَيْتَ عُنُقَ ابْنِ عَمِّكَ قَالَ رَأَيْتُ شَابًّا وَشَابَّةً فَلَمْ آمَنِ الشَّيْطَانَ عَلَيْهِمَا فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي أَفَضْتُ قَبْلَ أَنْ أَحْلِقَ قَالَ احْلِقْ وَلَا حَرَجَ أَوْ قَصِّرْ وَلَا حَرَجَ قَالَ وَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي ذَبَحْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ قَالَ ثُمَّ أَتَى الْبَيْتَ فَطَافَ بِهِ ثُمَّ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں ٹھہرے اور فرمایا یہ عرفات ہے یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور عرفات کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے پھر غروب آفتاب کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اور اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے ساتھ بٹھالیا اور اپنی عادت کے مطابق سکون واطمینان کے ساتھ ہاتھ سے اشارے کرنے لگے لوگ دائیں بائیں اپنے اونٹوں کو چلانے کیلئے مار رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے لوگو اطمینان سے چلو پھر آپ مزدلفہ پہنچے اور مغرب وعشاء دو نمازیں اکٹھی پڑھیں صبح کے وقت قزح کے مقام پر آئے اور وہاں ٹھہرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قزح ہے اور یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے بلکہ مزدلفہ سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے پھر وہاں سے چل کر وادی محسر میں پہنچے تو اونٹنی کو ایک کوڑا مارا جس سے وہ دوڑنے لگی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وادی سے نکل گئے پھر رکے اور فضل بن عباس کو اپنے ساتھ بٹھا کر جمرہ کے پاس آئے اور کنکریاں ماریں اسکے بعد قربانی کی جگہ پہنچے اور فرمایا یہ قربانی کی جگہ ہے اور منی پورے کا پورا قربان گاہ ہے۔ یہاں قبیلہ خثعم کی ایک لڑکی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اس نے عرض کیا میرے والد بہت بوڑھے ہیں اور ان پر حج فرض ہے کیا میں انکی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ فرمایا ہاں اپنے والد کی طرف سے حج کرلو پھر راوی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس کی گردن دوسری طرف موڑ دی اس پر حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے اپنے چچازاد کی گردن کیوں پھیر دی۔ آپ نے فرمایا میں نے نوجوان مرد اور نوجوان عورت کو دیکھا تو میں ان پر شیطان سے بے خوف نہیں ہوا، پھر ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے سر منڈانے سے پہلے کعبۃ اللہ کا طواف کر لیا ہے فرمایا کوئی حرج نہیں سر منڈوالے یا فرمایا بال کٹوالو، راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی فرمایا کوئی حرج نہیں اب کنکریاں مارلو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے پاس آئے اسکا طواف کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

أَتَى زَمْزَمَ فَقَالَ يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَوْلَا أَنْ يَغْلِبَكُمْ عَلَيْهِ النَّاسُ لَنَزَعْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَيَّاشٍ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ مِثْلَ هٰذَا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ رَأَوْا أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِعَرَفَةَ فِي وَقْتِ الظُّهْرِ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا صَلَّى الرَّجُلُ فِي رَحْلِهِ وَلَمْ يَشْهَدِ الصَّلَاةَ مَعَ الْإِمَامِ إِنْ شَاءَ جَمَعَ هُوَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ مِثْلَ مَا صَنَعَ الْإِمَامُ وَزَيْدُ بْنُ عَلِيٍّ هُوَ ابْنُ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ .

زمزم پر تشریف لائے اور فرمایا اے عبدالمطلب کی اولاد اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آ جائینگے تو میں بھی زمزم کا پانی کھینچتا (نکالتا) یعنی میرے اس طرح نکالنے پر لوگ میری سنت کی اتباع میں تمہیں پانی نکالنے کی مہلت نہ دیں گے اس لئے میں خود پانی نہیں نکالتا۔ اس باب میں حضرت جابرؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث علی حسن صحیح ہے ہم اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے صرف عبدالرحمن بن حارث بن عیاش کی روایت سے جانتے ہیں کئی راوی ثوری سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ عرفات میں ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر کے وقت میں جمع کی جائیں، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے خیمہ میں اکیلا نماز پڑھے اور امام کی جماعت میں شریک نہ ہو تو وہ بھی امام ہی کی طرح دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے زید بن علی وہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالبؓ ہیں۔

تشریح: عرفات سارے کا سارا موقف ہے علاوہ وادی عرنہ کے۔ یہ میدان عرفات میں داخل ہوتے ہوئے پہلے ایک برساتی نالا آتا تھا اس کو وادی عرنہ کہا جاتا ہے اس کے بعد عرفہ کا میدان شروع ہو جاتا ہے اگر کوئی وہاں وقوف کرے گا تو اس کا حج نہیں ہوگا اس کی کچھ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

مسئلہ: وادی عرنہ میں وقوف کرنے سے وقوف عرفہ ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک اور صاحب بدائع نے امام صاحب کا بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ عرنہ میں کسی نے وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا۔ **قولِ ثانی:** امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ اس سے وقوف عرفہ ادا نہیں ہوگا اور حج صحیح نہیں ہوگا الا یہ کہ عرفہ میں ایک لمحہ گزارا ہو پھر حج ہو جائے گا۔

حضرت مولانا بنوریؒ نے معارف السنن میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر وادی عرنہ کا عرفات میں اور محسر کا مزدلفہ میں شامل ہونا ثابت ہو جائے تو امام مالکؒ اور صاحب بدائع کا قول قوی ہے کیونکہ عرفات اور المشعر الحرام کے الفاظ آئے ہیں۔ اب عرنہ اور محسر میں وقوف کرنے سے قرآن کے مطلق پر تو عمل ہوگا البتہ خبر واحد کی وجہ سے کراہت باقی رہے گی۔ ہاں اگر یہ ثابت بھی ہو جائے تو عرنہ اور محسر بالترتیب عرفات اور مزدلفہ کا جزء ہی نہیں ہیں پھر وقوف ہی درست نہیں ہوگا۔

ثُمَّ أَتَى جَمْعًا: ای المزدلفة پھر وہ مزدلفہ آئے مزدلفہ کے تین نام آتے ہیں۔ ① جمع۔ ② مزدلفہ۔ ③ المشعر الحرام۔ اس کو جمع کا نام اس لئے دیتے ہیں کہ یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کی آپس میں ملاقات ہوئی تھی یا اسکو جمع اس لئے

کہتے ہیں کہ اس میں دو نمازوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ مزدلفہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس ازدلاف کا معنی قرب ہے۔ مزدلفہ میں قیام کرنے والوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ وقوف کر کے اللہ کے زیادہ مقرب ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ۶۷۸/۴)

قزح: قاف کے ضمہ کے ساتھ ہے جیسا کہ زفر میں ہے۔ یہ علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہے یہ اس پہاڑ کا نام ہے جس پر مزدلفہ میں امام وقوف کرتا ہے۔

وادی محسر: بضم المیم و فتح الحاء المهمله و تشديد السين یہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں واقع ہے۔ وادی محسر وہ جگہ ہے جسکے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہاں اصحاب فیل کو ہلاک کیا گیا لیکن علامہ دسوقیؒ نے شرح متن خلیل جلد ۲ ص ۴۵ کے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ وادی محسر اصحاب فیل کی ہلاکت کی جگہ نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ حرم کے اندر ہے اور اصحاب فیل کو حرم سے باہر ہلاک کیا گیا تھا۔ وادی محسر پہنچ کر نبی کریمؐ نے سرعت اختیار کی اور اسکو تیز رفتاری سے عبور کر لیا کیونکہ جس جگہ عذاب آیا ہو اس جگہ میں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

دوسرا مسئلہ: عرفات کے اندر ظہر اور عصر کو جمع کریں گے اس جمع میں چند شرائط ہیں۔

① جمع بین الصلوٰتین سے پہلے آدمی کا احرام کی حالت میں ہونا ضروری ہے۔ ② شرط یہ ہے کہ عرفہ کا مقام ہو۔ ③ عرفہ کا زمانہ یعنی ۹ ذی الحجہ کا دن بھی ہو۔ ④ ظہر پہلے اور عصر بعد میں ہو۔ ⑤ امام کا ہونا ضروری ہے یا اس کا نائب ہو۔ ⑥ جماعت کا ہونا شرط ہے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جاتی ہو تو عرفات میں جمع بین الصلاتین صحیح نہیں ہوگا۔

تیسرا مسئلہ: عرفات میں جو جمع ہے یہ ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہے یہ ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کا مذہب بھی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بغیر اذان کے دو اقامتوں کے ساتھ جمع ہوگی جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ پڑھیں گے۔

چوتھا مسئلہ: مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کا مسئلہ: مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کا مسئلہ آئندہ باب کے ذیل میں آرہا ہے وہاں اس کی شرائط اور تفصیل دیکھ لیں۔

پانچواں مسئلہ: افعل ولا حرج: دس تاریخ کو جب مزدلفہ کا وقوف کر لیں گے تو اس کے بعد چند احکام ہوں گے۔ ① منیٰ میں رمی کرنا ہے۔ ② دوسرا کام قربانی کرنا ہے یہ حکم قارن اور متمتع کے لئے ہے۔ ③ حلق یا قصر کروانا ہے۔ ④ طواف زیارت کرنا ہے۔ اب ان کاموں میں ترتیب ضروری ہے یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین کاموں میں ترتیب واجب ہے اور اس ترتیب کے عامداً یا ناسیاً یا جاہلاً ترک کرنے سے دم واجب ہوگا البتہ طواف زیارت کو دیگر مناسک یا ان میں سے کسی پر مقدم کرنے سے دم لازم نہیں آئے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کا مسلک علامہ سرخسیؒ نے اپنی کتاب مبسوط میں یہ لکھا ہے "من قدم نسكاً على نسك كان حلق قبل الرمي أو نحر القارن قبل الرمي او حلق قبل الذبح فعليه دم عند ابي حنيفة" (جلد۴ ص۴۱) "باب الطواف" یہاں پر مطلقاً فساد ترتیب پر دم کا حکم لگایا گیا ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک اگر کسی نے حلق کو رمی پر مقدم کیا ہے تو اس پر دم واجب ہوگا لیکن اگر حلق کو نحر پر مقدم کیا تو کچھ واجب نہیں ہوگا اور اگر طواف زیارت کو رمی پر مقدم کیا تو درست نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کو چاہیے کہ پہلے رمی کرے پھر نحر کرے پھر

طواف زیارت دوبارہ کرے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک مناسک اربعہ میں ترتیب مسنون ہے اور ترتیب کے ساقط ہونے پر کوئی دم وغیرہ نہیں یہ امام شافعیؒ کا مشہور قول ہے اور ان کا ایک قول یہ بھی ہے کہ تقدیم حلق علی الرمی کی صورت میں دم واجب ہوگا۔

قول رابع: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر ان مناسک میں ترتیب ٹوٹ گئی بھول کر یا جہل کی وجہ سے تو پھر کوئی دم وغیرہ نہیں۔ اور اگر ترتیب جان بوجھ کر اور مسائل کا علم ہوتے ہوئے توڑی ہے تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ اگر چہ یہ فعل مکروہ ہے لیکن اس پر دم کوئی واجب نہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس پر دم لازم آئے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: ان کے نزدیک ترتیب واجب نہیں ان حضرات کا استدلال حدیث الباب میں ''احلق فلا حرج'' سے ہے، اور اسی طرح ''ارم ولا حرج'' سے ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی ان حضرات کا استدلال ہے جو فرماتے ہیں ''ما سئل رسول الله ﷺ يومئذ عمن قدم شيئا قبل شيء الا قال لا حرج لا حرج''۔

امام ابوحنیفہؒ کا استدلال: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک فتوے سے ہے ''من قدم شيئا من حجه او أخر فليهرق لذلك دما'' اس سند میں اگر چہ کچھ ضعف موجود ہے لیکن یہی روایت امام طحاویؒ نے سند صحیح کے ساتھ ذکر کی ہے۔

ان کی دلیل کا جواب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ''لا حرج'' منقول ہے یہ بھی آپ کی روایت کردہ کے راوی ہیں لہٰذا ان کا مذکورہ فتوی اس بات کی دلیل ہے کہ روایات میں ''لا حرج'' سے مراد وجوب دم کی نفی نہیں ہے بلکہ محض گناہ کی نفی ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج ادا کرنے کا پہلا موقع تھا لوگوں کو مناسک حج کا علم نہیں تھا اس لئے اس وقت فساد ترتیب کا گناہ اٹھا دیا گیا۔ اس کی تائید طحاوی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو فرماتے ہیں ''سئل رسول الله ﷺ وهو بين الجمرتين عن رجل حلق قبل أن يرمي قال: لا حرج، و عن رجل ذبح قبل أن يرمي قال: لا حرج ثم قال عباد الله وضع الله عزوجل الحرج والضيق وتعلموا مناسككم فانها من دينكم''

اس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ نے حرج کی نفی اس بناء پر فرمائی تھی کہ مناسک حج عام نہیں تھے لیکن یہ وجوب دم کے منافی نہیں اس وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو راوی حدیث اور عین واقعہ کے مشاہد ہیں اپنے فتوی میں اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت میں دم واجب ہوگا اس کا مطلب یہی ہے کہ نفی اثم، وجوب دم کے منافی نہیں۔ جیسا کہ حالت احرام میں کسی شخص کو تکلیف یا بیماری کی وجہ سے اسے حلق کروانا پڑا تو بنص قرآنی جائز ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں اس کے باوجود اس کے بدلے میں دم وغیرہ دینا بالاتفاق واجب ہے۔

امام طحاویؒ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے یہ آیت پیش کرتے ہیں ''ولا تحلقوا رءوسكم حتى يبلغ الهدى محله'' وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں محصر کو تقدیم نحر علی الحلق کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بالاتفاق موجب دم ہے جب محصر کا یہ حکم ہے تو قارن وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے کہ حلق قبل النحر درست نہ ہو اور ترتیب توڑنے پر دم ہو۔

احناف کا دوسرا استدلال: مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۴۲۱ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی ایک روایت سے ہے ''فما سمعته سئل يومئذ عن امر مما ينسى المرء و يجهل من تقديم بعض الامور قبل بعض وأشباهها الا قال

رسول اللہ ﷺ افعلوا ذلك ولا حرج''۔

تیسرا استدلال: مؤطا امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں ''فجاء رجل فقال یا رسول الله لم اشعر فحلقت قبل أن أرمي قال إرم: ولا حرج، وقال اٰخر: یا رسول الله! لم اشعر فحلقت قبل أن اذبح قال: اذبح ولا حرج'' (ص۲۳۴-۲۳۵)

بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِفَاضَةِ مِنْ عَرَفَاتٍ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ وَبِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ وَأَبُو نُعَيْمٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْضَعَ فِي وَادِي مُحَسِّرٍ وَزَادَ فِيهِ بِشْرٌ وَأَفَاضَ مِنْ جَمْعٍ وَعَلَيْهِ السَّكِينَةُ وَأَمَرَهُمْ بِالسَّكِينَةِ وَزَادَ فِيهِ أَبُو نُعَيْمٍ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْمُوا بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَقَالَ لَعَلِّي لَا أَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِي هَذَا وَفِي الْبَاب عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وادی محسر میں تیزی سے چلے، بشر نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مزدلفہ سے لوٹے تو پُرسکون تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی آپ نے پُرسکون رہنے کا حکم دیا، ابونعیم نے یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ایسی کنکریاں مارنے کا حکم دیا جو کھجور کی گٹھلی کے برابر ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شاید میں اس سال کے بعد تم لوگوں کو نہ دیکھ سکوں اس باب میں حضرت اسامہ بن زید سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

والا یضاع چلنے میں جلدی کرنا سورۂ توبہ آیت ۴۷ میں ہے ''ولا وضعوا خِلالكم يبغونكم الفتنة'' وہ تمہارے اندر گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں وہ چاہتے ہیں تاکہ تم میں فتنہ ڈالیں۔

وادی محسر اس کی شرح ماقبل میں گزر چکی ہے اس وادی میں تیز چلنے کی حکمت بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ یہ نصاریٰ کا موقف ہے یا یہ وہ وادی ہے کہ کچھ لوگ یہاں پر شکار کرنے آئے تھے ان پر آگ نازل ہوئی تھی یا اس جگہ پر زمانہ جاہلیت میں لوگ قصیدوں کے ذریعے ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔ بہرحال یہاں اسراع سنت ہے۔

اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رمی کریں وہ کنکری غلیل کی کنکری جتنی ہو یا باقلاء (لوبیہ) کی دانے کے برابر ہو اس کے بارے میں بہت ساری احادیث آئی ہیں۔ اور اس باب میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے حدیث جابر رضی اللہ عنہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي

محمد بن بشار، یحیٰ بن سعید قطان، سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مالک سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مزدلفہ

إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ صَلّٰى بِجَمْعٍ فَجَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِإِقَامَةٍ وَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ مِثْلَ هٰذَا فِي هٰذَا الْمَكَانِ

میں نماز پڑھی اور دو نمازوں کو تکبیر کے ذریعے جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ کو اس جگہ ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ يَحْيَى وَالصَّوَابُ حَدِيثُ سُفْيَانَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي أَيُّوبَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنُ عُمَرَ بِرِوَايَةِ سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ وَحَدِيثُ سُفْيَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَرَوَى إِسْرَائِيلُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَخَالِدٍ ابْنَيْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدِيثُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ أَيْضًا رَوَاهُ سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَأَمَّا أَبُو إِسْحٰقَ فَإِنَّمَا رَوَى عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ وَخَالِدٍ ابْنَيْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي صَلَاةُ الْمَغْرِبِ دُونَ جَمْعٍ فَإِذَا أَتَى جَمْعًا وَهُوَ الْمُزْدَلِفَةُ جَمَعَ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ بِإِقَامَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَمْ يَتَطَوَّعْ فِيمَا بَيْنَهُمَا وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَذَهَبُوا إِلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ سُفْيَانُ وَإِنْ شَاءَ صَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ تَعَشَّى وَوَضَعَ ثِيَابَهُ ثُمَّ أَقَامَ

حضرت سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے اسی کی مثل حدیث مرفوعاً روایت کی۔ محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید کے حوالے سے کہتے ہیں کہ سفیان کی حدیث صحیح ہے اس باب میں حضرت علی ابوایوب۔ عبداللہ بن مسعود، جابر اور اسامہ بن زید سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی حدیث بروایت سفیان اسماعیل بن خالد کی روایت سے اصح ہے اور حدیث سفیان حسن صحیح ہے اسرائیل بھی یہ حدیث ابواسحاق سے وہ عبداللہ اور خالد (مالک کے بیٹے ہیں) سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کی حضرت ابن عمرؓ سے مروی حدیث بھی حسن صحیح ہے اس حدیث کو سلمہ بن کہیل سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب کہ ابواسحاق نے عبداللہ اور خالد جو امام مالکؒ کے بیٹے ہیں سے روایت کیا ہے اور وہ دونوں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مغرب کی نماز مزدلفہ سے پہلے نہ پڑھی جائے پس جب حاجی مزدلفہ پہنچیں تو مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کو ایک ہی وقت میں ایک ہی تکبیر کے ساتھ پڑھیں اور انکے درمیان کوئی نفل نماز نہ پڑھیں، بعض اہل علم نے یہی مسلک اختیار کیا ہے جن میں سفیان ثوری بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو مغرب پڑھ کر کھانا کھائے، کپڑے اتار دے اور پھر تکبیر کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھے

فَصَلَّى الْعِشَاءَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمُزْدَلِفَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَتَيْنِ يُؤَذِّنُ لِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَيُقِيمُ وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ ثُمَّ يُقِيمُ وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

بعض علماء کہتے ہیں کہ مغرب اور عشاء کی نمازیں مزدلفہ میں ایک اذان اور دو تکبیروں کے ساتھ پڑھی جائیں یعنی مغرب کیلئے اذان اور اقامت کہے اور نماز پڑھے پھر اقامت کہہ کر عشاء کی نماز پڑھے امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: مزدلفہ میں جمع تاخیری ہوگی مغرب کو عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھیں گے عشاء کا وقت داخل ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھنا اس شخص کے لئے جائز نہیں جو حج کے احرام میں ہو۔

مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کی چند شرائط ہیں۔ ① حج کا احرام ہو، اگر کسی نے حج کا احرام نہیں باندھا تو اس پر جمع بین الصلوتین نہیں ہے۔ ② عرفات میں وقوف پہلے کیا ہو۔ ③ زمانہ بھی مخصوص ہو یعنی لیلۃ النحر ہو۔ ④ وقت مخصوص ہو یعنی عشاء کی نماز کا وقت ہو۔ ⑤ مکان مخصوص ہو یعنی مزدلفہ میں ہو۔

مزدلفہ میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی امام یا نائب اور جماعت کی شرط نہیں۔

مسئلہ: عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کی صورت میں اذان اور اقامت کا حکم؟ اس مسئلہ میں تین قول ہیں:

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلواتین ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی۔ سفیان ثوری، امام شافعیؒ، ابو ثورؒ وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلوتین بغیر اذان کے صرف دو اقامتوں سے ہوگی یہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بھی ہے۔ **قول ثانی:** امام مالکؒ کے نزدیک عرفات میں جمع بین الصلوتین دو اذانوں اور دو اقامتوں کے ساتھ ہوگی یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

مسئلہ ثانیہ: مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین کی صورت میں اذان و اقامت کا مسئلہ: اس میں چھ قول ہیں:۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ کا قول قدیم اور امام احمدؒ کی ایک روایت اور مالکیہ میں سے ابن ماجشون کی روایت ہے کہ ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ یہ دو نمازیں ادا کریں گے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی ایک روایت اور حنفیہ میں سے امام زفر کا یہ قول ہے کہ مزدلفہ میں جمع بین الصلواتین ایک اذان اور دو اقامتوں سے ہوگی امام طحاوی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک دو اذانیں اور دو اقامتیں ہوں گی یہی مسلک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے۔

قول رابع: امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بغیر اذان کے دو اقامتوں کے ساتھ ادا ہوں گی۔ یہی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما، سالمؒ و قاسمؒ سے ہے۔ یہ چار قول مشہور ہیں دو قول اور بھی ہیں۔

قول خامس: سفیان ثوری، امام خطابی، ابن عبدالبر کے نزدیک صرف ایک اقامت وہ بھی پہلی نماز کے لئے ہوگی ابن حزم ظاہری کا قول ہے کہ یہی سفیان ثوری، امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کے مطابق ہے۔

قول سادس: ابن حزم ظاہری اور محب طبری نے بعض سلف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دونوں نمازوں میں نہ کوئی اذان ہے اور نہ کوئی اقامت۔
امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل مرفوع حدیث ہے " حتی اتی المزدلفة فصلی بها المغرب والعشاء باذان واحدٍ و اقامتین "۔
جواب: مغرب اور عشاء کے درمیان کسی عارض کی وجہ سے فصل ہو جائے تو اس پر اقامت مقرر ہونی چاہیے۔ اس میں بعض حضرات نے یہ تطبیق دی ہے کہ آپ نے تو ایک اذان ایک اقامت سے جمع فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغرب کے بعد پالان وغیرہ کھولنے میں مصروف ہو گئے تھے انہوں نے اقامت مکرر کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا تو مجازاً تکرار اقامت کو آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔
امام مالکؒ کی دلیل: حضرت ابن مسعودؓ کا عمل ہے۔
جواب اوّل: مرفوع کے مقابلے میں موقوف مرجوع ہے۔ جواب ثانی: یا یہ فصل پر محمول ہے۔
امام احمد کی دلیل: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی المغرب والعشاء بجمع كل واحدة باقامة: ابوداؤد کی روایت میں ہے ولم ینادِ فی واحدٍ منهما۔
جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں شدید اضطراب ہے ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں " واشد الاضطراب فی ذلك عن ابن عمر رضی الله عنهما فانه روی عنه من عمله الجمع بینهما بلااذان ولااقامة "۔
مشترکہ جواب: واقعہ ایک ہے اور روایات میں شدید اضطراب ہے لہٰذا قیاس کی طرف رجوع کرنا چاہیے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اذان غائب لوگوں کی اطلاع کے لئے ہوتی ہے اور اقامت حاضرین کی آگاہی کے لئے ہوتی ہے یہ مقصد یہاں پر ایک اذان اور ایک اقامت سے حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا یہی کافی ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: عن ابی الشعثاء بن سلیم عن ابیه قال اقبلت مع ابن عمر رضی اللہ عنہما من عرفات الی المزدلفة حتی اتینا فاذن و اقام اَوْ اَمَرَا نسانًا فاذن و اقام فصلی بنا المغرب ثلاث ركعات ثم التفت الینا فقال الصلوة فصلی بنا العشاء ركعتین فقال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم هكذا (ابوداؤد جلد اول ص ۲۷۴)۔
دلیل ثانی: عن سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ قال افضنا مع ابن عمر رضی اللہ عنہما فلما بلغنا جمعًا صلی بنا المغرب والعشاء باقامة واحدةٍ ثلاثًا و اثنتین فلما انصرف قال ابن عمر رضی اللہ عنہما هكذا صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی هذا المكان (ابوداؤد جلد اول ص ۲۷۴)
دلیل ثالث: عن ابی ایوب رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم جمع و بین المغرب و العشاء لمزدلفة باذان واحد و اقامة واحدةٍ (طبرانی)

باب مَا جَاءَ مَنْ أَدْرَكَ الْإِمَامَ بِجَمْعٍ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا

حضرت عبدالرحمن بن یعمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل نجد کے کچھ آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس

سُفْيَانُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِعَرَفَةَ فَسَأَلُوهُ فَأَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادَى الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ جَاءَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَقَدْ أَدْرَكَ الْحَجَّ أَيَّامُ مِنًى ثَلَاثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَزَادَ يَحْيَى وَأَرْدَفَ رَجُلًا فَنَادَى بِهِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ قَالَ: وَقَالَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ وَهٰذَا أَجْوَدُ حَدِيثٍ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُ مَنْ لَمْ يَقِفْ بِعَرَفَاتٍ قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ فَقَدْ فَاتَهُ الْحَجُّ وَلَا يُجْزِئُ عَنْهُ إِنْ جَاءَ بَعْدَ طُلُوعِ الْفَجْرِ وَيَجْعَلُهَا عُمْرَةً وَعَلَيْهِ الْحَجُّ مِنْ قَابِلٍ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَطَاءٍ نَحْوَ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ قَالَ وَسَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا هٰذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ هٰذَا الْحَدِيثُ أُمُّ الْمَنَاسِكِ.

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي هِنْدٍ وَإِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ وَزَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ مُضَرِّسٍ

وقت عرفات میں تھے ان لوگوں نے آپ سے حج کے متعلق پوچھا آپ ﷺ نے منادی کو حکم دیا کہ لوگوں میں یہ اعلان کرے کہ حج عرفات میں وقوف کا نام ہے اور جو شخص مزدلفہ کی رات طلوع فجر سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے حج کو پالیا۔ منی کا قیام تین دن ہے لیکن اگر کوئی جلدی کرتے ہوئے دو دنوں کے بعد واپس آ گیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں محمد کہتے ہیں کہ یحییٰ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا اور اس نے اعلان کیا۔ عبدالرحمٰن بن یعمر وہ نبی کریم ﷺ سے اسی کے ہم معنی روایت کرتے ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں ابن ابی عمر سفیان بن عیینہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ سفیان ثوری کی روایت میں سے یہ روایت سب سے بہتر ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ علماء صحابہ وغیرہ عبدالرحمٰن بن یعمر کی حدیث پر عمل کرتے ہیں کہ جو شخص طلوع فجر سے پہلے عرفات نہ پہنچا اس کا حج نہیں ہوا پس طلوع فجر کے بعد پہنچنے والے شخص کا حج فوت ہو گیا وہ اس مرتبہ عمرہ کرے اور آئندہ سال کا حج اس پر واجب ہے سفیان ثوری ،شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے شعبہ نے بھی بکیر بن عطاء سے ثوری کی حدیث کی مثل روایت کی ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے جارود سے سنا وہ وکیع سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ حدیث روایت کی اور کہا کہ یہ حدیث ام المناسک (یعنی مسائل حج کی اصل) ہے۔

حضرت عروہ بن مضرس بن اوس بن حارثہ بن ام طائی سے روایت ہے کہ میں مزدلفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے

بْنِ أَوْسِ بْنِ حَارِثَةَ بْنِ لَامٍ الطَّائِيِّ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُزْدَلِفَةِ حِينَ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي جِئْتُ مِنْ جَبَلَيْ طَيِّئٍ أَكْلَلْتُ رَاحِلَتِي وَأَتْعَبْتُ نَفْسِي وَاللّٰهِ مَا تَرَكْتُ مِنْ حَبْلٍ إِلَّا وَقَفْتُ عَلَيْهِ فَهَلْ لِي مِنْ حَجٍّ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَهِدَ صَلَاتَنَا هٰذِهِ وَوَقَفَ مَعَنَا حَتَّى نَدْفَعَ وَقَدْ وَقَفَ بِعَرَفَةَ قَبْلَ ذٰلِكَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَقَدْ أَتَمَّ حَجَّهُ وَقَضَى تَفَثَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

نکل رہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طے کے دو پہاڑوں سے آیا ہوں میں نے اپنی اونٹنی کو بھی خوب تھکایا اور خود بھی بہت تھک گیا ہوں قسم ہے پروردگار کی میں نے کوئی پہاڑ نہیں چھوڑا جس پر نہ ٹھہرا ہوں کیا میرا حج ہوگیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے ہماری اس وقت کی نماز میں شرکت کی اور واپس جانے تک ہمارے پاس ٹھہرا اس سے پہلے ایک رات، دن عرفات میں ٹھہرا تو اس کا حج پورا ہوگیا اور اس کی میل کچیل دور ہوگئی امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ وقوف عرفہ کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ وقوف عرفہ کب سے کب تک ہوگا اس بارے میں کچھ بحث ماقبل ''باب ما جاء فی الوقوف بعرفات والدعاء فیها'' میں گزر چکی ہے۔

خلاصہ دوبارہ سمجھ لیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے ہاں وقوف عرفات کا وقت ۹ ذی الحجہ زوال سے لے کر دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ۹ ذی الحجہ کی صبح صادق سے دس ذی الحجہ کی صبح صادق تک ہے۔

یہ اختلاف ابتداء وقت میں ہے انتہاء وقت پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

امام احمدؒ کی دلیل: حضرت عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے ''قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من شهد صلوتنا هٰذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذٰلك ليلًا او نهارًا فقدتم حجه''۔

جواب: یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور خلفاء راشدین کے دائمی عمل کے قرینہ سے مقید ہے اور اس سے مراد مابعد الزوال ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ زوال شمس کے بعد وقوف کیا ہے۔

مسئلہ: وقوف مزدلفہ کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ محدثین کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ مسنون ہے۔

قول ثالث: بعض تابعین رکنیت کے قائل ہیں کہ اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہوجائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه كان يقدم ضعفة اهله۔۔۔ فمنهم من يقدم منى لصلوة الفجر ومنهم من يقدم بعد ذٰلك فاذا قدموا رموا الجمرة وكان ابن عمر رضی اللہ عنہما يقول رخص فى ذٰلك رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

دلیل ثانی: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال بعثنى النبى صلى الله عليه وسلم مع اهله وامرنى ان ارمى مع الفجر. (طحاوی)

دلیل ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ''لا ترموا الجمرة حتی تطلع الشمس'' یہ استحباب پر محمول ہے۔
وجوب کی دلیل اوّل: قوله تعالى فاذكروا الله عند المشعر الحرام۔
دلیل ثانی: حضرت عروہ بن مضرسؓ کی حدیث الباب ہے'' قال رسول الله ﷺ من شهد صلوتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلًا او نهارًا فقدتم حجه''۔
جواب: ائمہ ثلاثہ اس کو سنت پر محمول کرتے ہیں۔
رکنیت کی دلیل: انہی مذکورہ دو دلیلوں سے رکنیت کو ثابت کرتے ہیں ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں۔
جواب: آیت میں منطوق ذکر الٰہی ہے جو بالاتفاق رکن حج نہیں تو غیر منطوق بطریق اولیٰ رکن نہیں ہوگا۔ باقی حدیث خبر واحد ہے زیادہ سے زیادہ وجوب ثابت ہوسکتا ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں۔
مسئلہ: یوم النحر کی رمی کا وقت کیا ہے؟
قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یوم النحر کی رمی طلوع فجر کے بعد جائز ہے اور طلوع شمس کے بعد مستحب ہے۔
قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک طلوع فجر سے قبل بھی جائز ہے۔
ائمہ ثلاثہ کے دلائل وہی ہیں جو اوپر ائمہ ثلاثہ کے دلائل ہیں۔
امام شافعی کی دلیل: عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ارسل النبی ﷺ ام سلمة رضی اللہ عنہا ليلة النحر فرمى الجمرة قبل الفجر۔
جواب: مذکورہ احادیث کے قرینہ سے مؤول ہے ''ای قبل صلوة الفجر'' یا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لئے خاص رخصت ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي تَقْدِيمِ الضَّعَفَةِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقَلٍ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ وَأَسْمَاءَ وَالْفَضْلِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَقَلٍ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَرَوَى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ مُشَاشٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ مِنْ جَمْعٍ بِلَيْلٍ وَهٰذَا حَدِيثٌ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ مُشَاشٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے سامان وغیرہ کے ساتھ رات ہی کو مزدلفہ سے بھیج دیا تھا اس باب میں حضرت عائشہ ام حبیبہ، اسماء اور فضل رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیح ہے اور کئی طرق سے انہی (ابن عباس رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے۔ شعبہ یہ حدیث مشاش سے وہ عطاء سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور وہ فضل بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کمزوروں کو رات ہی کے وقت مزدلفہ سے روانہ کردیا تھا، اس حدیث میں مشاش سے

وَزَادَ فِيهِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَرَوَى ابْنُ جُرَيْجٍ وَغَيْرُهُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ ضَعَفَةَ أَهْلِهِ وَقَالَ لَا تَرْمُوا الْجَمْرَةَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَمْ يَرَوْا بَأْسًا أَنْ يَتَقَدَّمَ الضَّعَفَةُ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ بِلَيْلٍ يَصِيرُونَ إِلٰى مِنًى و قَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ لَا يَرْمُونَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَنْ يَرْمُوا بِلَيْلٍ وَالْعَمَلُ عَلٰى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ .

غلطی ہوئی ہے اور انہوں نے اس میں فضل بن عباس کا واسطہ زیادہ کیا ہے کیونکہ ابن جریج وغیرہ یہ حدیث عطاء سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے اس میں فضل بن عباس کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر کے ضعفاء کو مزدلفہ پہلے روانہ کر دیا اور فرمایا طلوع آفتاب سے پہلے کنکریاں نہ مارنا، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ کمزوروں کو مزدلفہ سے جلد منیٰ بھیج دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اکثر اہل علم یہی کہتے ہیں کہ سورج نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ ماریں، بعض اہل علم رات کے وقت ہی کنکریاں مارنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر ہی ہے سفیان ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حج میں چھ واجبات ایسے ہیں جو عذر کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مزدلفہ میں وقوف تو طلوع فجر کے بعد ہوتا ہے لیکن بیمار یا ضعیف لوگ یا بچے صبح صادق سے پہلے رات کو منیٰ چلے جائیں تو کیا ان کا جانا ٹھیک ہے یا نہیں؟ یعنی وقوف مزدلفہ کو ساقط کر دیں تو ساقط ہو جائے گا یا نہیں تو ائمہ اربعہ جمہور محدثین کے ہاں ساقط ہو جاتا ہے اور معذور افراد رات کو منیٰ جا سکتے ہیں۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر یہ لوگ من جملہ ضعفاء میں سے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات ہی کو مزدلفہ سے منیٰ روانہ کر دیا تھا۔

مزدلفہ میں وقوف اور رات کا گزارنا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ① مبیت مزدلفہ۔ ② وقوف مزدلفہ۔

مبیت مزدلفہ دس ذی الحجہ کی رات مزدلفہ میں گزارنا اور وقوف مزدلفہ یعنی دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے طلوع شمس کے درمیانی وقت میں مزدلفہ میں ٹھہرنا۔ وقوف مزدلفہ جمہور کے ہاں اگرچہ رکن نہیں لیکن اگر کسی نے اس کو چھوڑ دیا تو اس پر دم واجب ہوگا یہی قول امام صاحب کا بھی ہے کہ بلا عذر وقوف مزدلفہ چھوڑنے پر دم واجب ہوگا جبکہ ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک وقوف مزدلفہ ارکان حج میں سے ہے اس کے چھوٹ جانے سے حج ہی فوت ہو جائے گا۔

مبیت مزدلفہ احناف کے ہاں سنت مؤکدہ ہے اس کے ترک پر دم واجب نہیں جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اور اسی طرح قتادہ اور زہری اور عطاء کے ہاں اس کے چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔ جبکہ علقمہؒ، شعبیؒ اور امام نخعیؒ کے ہاں یہ رکن ہے اس کے چھوٹ جانے سے حج ہی فوت ہو جائے گا۔

امام مالکؒ کے نزدیک مبیت مزدلفہ سنت ہے۔ امام شافعیؒ کی دوسری روایت بھی اسی کی مثل ہے۔ اہل ظواہر کے نزدیک جو شخص فجر کی نماز میں امام کے ساتھ مزدلفہ میں شامل نہ ہوا تو اس کا حج فاسد ہو گیا۔ برخلاف عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے لئے۔ مزدلفہ میں ٹھہرنے کے بارے میں جو حکم ہے اس کا تفصیلی اختلافی مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے۔

باب بلا ترجمہ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَا يَرْمِي بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ إِلَّا بَعْدَ الزَّوَالِ.

حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قربانی کے دن چاشت کے وقت کنکریاں مارتے تھے لیکن دوسرے دنوں میں زوال شمس کے بعد کنکریاں مارتے تھے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ قربانی کے دن زوال آفتاب کے بعد ہی کنکریاں ماری جائیں۔

تشریح: یوم النحر (قربانی کے دن) جمرہ عقبہ کی رمی کے اوقات یہ ہیں وقت مسنون، وقت مباح، وقت مکروہ۔

مسنون وقت: طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے۔ **وقت مباح:** زوال شمس سے غروب شمس تک۔

وقت مکروہ: یوم النحر گزرنے کے بعد گیارہ ذی الحجہ کی رات۔

اگر کسی شخص نے یوم النحر میں جمرہ عقبہ کی رمی نہیں کی یہاں تک کہ رات ہو گئی تو وقت کے مکروہ ہو جانے کے باوجود اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رات ہی کو رمی کرے اور اس پر دم نہیں یہ امام صاحبؒ کا قول ہے۔ سفیان ثوریؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ رات کو رمی نہیں کرے گا اور اس کے اوپر دم ہے اگر کسی شخص نے نہ یوم النحر میں رمی کی اور نہ ہی گیارہ تاریخ کی رات کو یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسے آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ رمی بھی کرے اور دم بھی دے۔ امام ابو یوسفؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک جب رات کو رمی کرنے کی اجازت نہیں تو ان میں بطریق اولیٰ رمی نہیں کرے گا بلکہ دم ہی دے گا۔

وَأَمَّا بَعْدَ ذٰلِكَ فَبَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ: یوم النحر کے بعد والے ایام کی رمی کے بارے میں اتفاق ہے کہ زوال شمس کے بعد ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے بھی استحساناً درست ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک اگر کسی شخص نے گیارہویں اور بارہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کر لی تو اس کا اعادہ ضروری ہے البتہ تیرہویں تاریخ کی رمی زوال سے پہلے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی نے تیرہویں تاریخ کو زوال سے پہلے رمی کی تو اس صورت میں اعادہ نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْإِفَاضَةَ مِنْ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَاضَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَنْتَظِرُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ يُفِيضُونَ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ مَيْمُونٍ يَقُولُ كُنَّا وُقُوفًا بِجَمْعٍ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا لَا يُفِيضُونَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَكَانُوا يَقُولُونَ أَشْرِقْ ثَبِيرُ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالَفَهُمْ فَأَفَاضَ عُمَرُ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ سے سورج طلوع ہونے سے پہلے واپس ہوئے اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے زمانہ جاہلیت کے لوگ طلوع آفتاب کا انتظار کرتے اور اس کے بعد مزدلفہ سے نکلتے تھے۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ہم مزدلفہ میں وقوف کیے ہوئے تھے پس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک مشرکین نہیں لوٹتے تھے تا آنکہ سورج نکل آتا تھا وہ کہا کرتے تھے ثبیر چمک جا اور بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کی پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ سورج طلوع ہونے سے پہلے لوٹ گئے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مزدلفہ سے مشرکین مکہ اس وقت لوٹتے تھے جب سورج نکل آتا تھا مزدلفہ میں جو وقوف کیا جاتا ہے وہ جبل قزح کے دامن میں کیا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہیں وقوف کیا تھا یہ پہاڑ مشرقی جانب میں ہے سورج اس کی اوٹ میں نکلتا ہے اسلئے نظر نہیں آتا اسکے پشت پر ثبیر نامی پہاڑی ہے جب اسکی چوٹی سے دھوپ ظاہر ہوتی تو اس وقت مشرکین مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ ثبیر چمک تاکہ ہم یہاں سے کوچ کریں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے کوچ کرلیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے مشرکین کی مخالفت کی یعنی مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے میں تبدیلی کردی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے اس عمل کی مخالفت کرکے سنت ابراہیمی کے عمل کو دوبارہ اجاگر کردیا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْجِمَارَ الَّتِي تُرْمَى بِهَا مِثْلُ حَصَى الْخَذْفِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ بِمِثْلِ حَصَى الْخَذْفِ وَفِي الْبَابِ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خذف کے برابر کنکریاں مارتے تھے اس باب میں حضرت سلیمان بن عمرو بن احوص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بواسطہ اپنی والدہ ام جندب ازدیہ،

سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ عَنْ أُمِّهِ وَهِيَ أُمُّ جُنْدُبٍ الْأَزْدِيَّةُ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي اخْتَارَهُ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنْ تَكُونَ الْجِمَارُ الَّتِي تُرْمٰى بِهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ

ابن عباس" فضل بن عباس، عبدالرحمن بن عثمان تیمی اور عبدالرحمن بن معاذ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ جو کنکریاں ماری جائیں وہ ایسی ہوں جن کو دو انگلیوں سے پھینکا جا سکے یعنی چھوٹی کنکریاں ہوں۔

تشریح: خذف کہتے ہیں چھوٹی کنکری جس کو انگلیوں کے درمیان پکڑ کر مارتے ہیں اسی طرح غلیل میں بھی جس کنکری کے ساتھ شکاری شکار کرتا ہے اس کو بھی خذف کہتے ہیں۔

کنکری مارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کنکری کو شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے سروں سے پکڑ کر پھینکا جائے۔اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھے کے سر پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے پھینکا جائے۔دوسرا طریقہ کثرت اژدحام کی وجہ سے بہت مشکل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّمْيِ بَعْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوال آفتاب کے بعد رمی کرتے تھے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: اس حدیث کی روشنی میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ایام منیٰ میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے اور صبح صادق تک رہتا ہے۔امام اعظمؒ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ تیرہ ذی الحجہ کی رمی زوال سے پہلے کوئی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي رَمْيِ الْجِمَارِ رَاكِبًا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَقُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَأُمِّ سُلَيْمَانَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن (دس ذوالحجہ کو) سوار ہو کر جمرہ عقبہ پر رمی کی۔اس باب میں حضرت جابر حضرت قدامہ بن عبد اللہ اور ام سلیمان بن عمرو بن احوص رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی

بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ أَنْ يَمْشِيَ إِلَى الْجِمَارِ وَوَجْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَنَا أَنَّهُ رَكِبَ فِي بَعْضِ الْأَيَّامِ لِيُقْتَدَى بِهِ فِي فِعْلِهِ وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ مُسْتَعْمَلٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

حدیث حسن ہے۔ بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے، بعض اہل علم کہتے ہیں کہ رمی پیدل چل کر کرنی چاہئیں ہمارے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض اوقات سوار ہو کر رمی کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کی پیروی کی جائے اہل علم کا دونوں حدیثوں پر عمل ہے۔

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَمَى الْجِمَارَ مَشَى إِلَيْهِ ذَاهِبًا وَرَاجِعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يَرْكَبُ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَمْشِي فِي الْأَيَّامِ الَّتِي بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَكَأَنَّ مَنْ قَالَ هٰذَا إِنَّمَا أَرَادَ اتِّبَاعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فِعْلِهِ لِأَنَّهُ إِنَّمَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَكِبَ يَوْمَ النَّحْرِ حَيْثُ ذَهَبَ يَرْمِي الْجِمَارَ وَلَا يَرْمِي يَوْمَ النَّحْرِ إِلَّا جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمروں پر رمی کیلئے پیدل جاتے اور پیدل ہی واپس تشریف لاتے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے، بعض راوی اسے عبید اللہ سے روایت کرتے ہوئے مرفوع نہیں کرتے اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ قربانی والے دن (دس ذوالحجہ) سوار ہو کر اور باقی دنوں میں پیدل چل کر رمی کرے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں جس نے یہ کہا گویا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی کا خیال کیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قربانی کے دن (دس ذوالحجہ کو) جمرہ عقبہ پر سواری پر سوار ہو کر رمی کی تھی اور اس دن صرف جمرہ عقبہ پر ہی کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

تشریح: ترمذی کے بعض نسخوں میں راکبًا کے بعد و ماشیًا کے الفاظ بھی ہیں اور وہ نسخہ اس سے زیادہ بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے اونٹ پر سیدھے جمرہ عقبہ پر تشریف لائے تھے اور اونٹ پر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی کی تھی تا کہ سب لوگ آپ کی رمی دیکھیں اور رمی کا طریقہ سیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راکبًا بھی رمی کی ہے اور ماشیًا بھی رمی کی ہے اسلئے دونوں طرح رمی جائز ہے۔

مسئلہ: رمی راکبًا افضل ہے یا ماشیًا: اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ رمی دونوں طریقوں سے جائز ہے البتہ اسکی افضلیت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک رمی راکبًا افضل ہے۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر وہ رمی جس کے بعد رمی ہو وہ ماشیًا افضل ہے کیونکہ اس میں ٹھہرنا ہوتا ہے اور دعا مانگنی ہوتی ہے اور ایسی رمی جس کے بعد رمی نہ ہو وہ راکبًا افضل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمی کو بیان کیا اس میں سوار ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے ''رَمَى الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ رَاكِبًا''۔

جواب: یہاں سوار ہونا ایسا تھا کہ جیسا کہ خطبہ اور طواف کے وقت آپ ﷺ سوار تھے تا کہ سب لوگ اچھی طرح دیکھ لیں۔
حکایت منقول ہے ابراہیم بن جراح سے کہ ایک دفعہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے پاس ان کے حالت مرض میں عیادت کرنے کے لئے تشریف لائے تو امام ابو یوسفؒ نے آنکھیں کھولیں اور مجھ سے سوال کیا کہ رمی ماشیاً افضل ہے یا راکبا، میں نے کہا ماشیاً افضل ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا یہ غلط کہہ دیا پھر میں نے کہا کہ راکباً افضل ہے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ بھی غلط ہے پھر آپ نے خود فرمایا جس رمی کے بعد دوسری رمی ہے وہ ماشیاً افضل ہے اور جس رمی کے بعد رمی نہیں وہ راکباً افضل ہے۔ ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا ابھی میں اس گھر کے دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ آپ کی موت کی آواز آئی مجھے آپ کے حرص علم پر بہت تعجب ہوا۔ (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۸۳)

بَابُ مَا جَاءَ كَيْفَ تُرْمَى الْجِمَارُ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْمَسْعُودِيُّ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ أَبِي صَخْرَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ لَمَّا أَتَى عَبْدُ اللهِ جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ اسْتَبْطَنَ الْوَادِيَ وَاسْتَقْبَلَ الْكَعْبَةَ وَجَعَلَ يَرْمِي الْجَمْرَةَ عَلَى حَاجِبِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ رَمَى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ مِنْ هَاهُنَا رَمَى الَّذِي أُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنِ الْمَسْعُودِيِّ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ أَنْ يَرْمِيَ الرَّجُلُ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ وَيُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ أَنْ يَرْمِيَ مِنْ بَطْنِ الْوَادِي رَمَى مِنْ حَيْثُ قَدَرَ عَلَيْهِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي بَطْنِ الْوَادِي. حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَعَلِيُّ

عبدالرحمٰن بن یزید فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ جمرہ عقبہ پر میدان کے درمیان میں پہنچے تو قبلہ رخ ہوئے اور اپنی داہنی جانب جمرے پر رمی کرنے لگے پھر انہوں نے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر پڑھتے رہے پھر فرمایا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس جگہ سے انہوں نے رمی کی تھی جن پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (یعنی نبی اکرم ﷺ)۔ ہناد وکیع سے وہ مسعودی سے اسی سند سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اس باب میں فضل بن عباس، ابن عباس ابن عمر اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ پسند کرتے ہیں کہ کنکریاں مارنے والا میدان کے درمیان سے سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری پر تکبیر کہے، بعض اہل علم نے اجازت دی ہے کہ اگر بطن وادی سے رمی ممکن نہ ہو تو جہاں سے کنکریاں مار سکے وہاں سے ہی مارے۔ نصر بن علی، علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، عبیداللہ بن ابی زیاد، قاسم بن محمد، حضرت عائشہ صدیقہ رضی

بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا جُعِلَ رَمْيُ الْجِمَارِ وَالسَّعْيُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِإِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمروں پر کنکریاں مارنا اور صفا ومروہ کے درمیان دوڑنا اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے کے لئے مقرر ہوا ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: جمار جیم کے کسرہ کے ساتھ جمع ہے جمرہ کی یہ چھوٹی کنکری کو کہتے ہیں جن مناروں پر کنکریاں ماری جاتی ہیں ان کو جمار کہتے ہیں اور جمار کی جگہ منیٰ میں ہے اس وجہ سے اس کو جمرۃ کہتے ہیں کیونکہ جمار اس پر پھینکا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ یہاں پر کنکریاں جمع ہوتی ہیں یا یہ اجمر سے ہے بمعنی جلدی کرنا یعنی بنی آدم اس پر کنکریاں مارنے میں جلدی کرتے ہیں۔ رمی جمار کا سبب کیا بنا، دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ میں قربان گاہ کی طرف لے جارہے تھے تو ابلیس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ایک بار وسوسہ ڈالا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں اس کے بعد ابلیس غائب ہو کر دوسرے اور تیسرے مقام پر نمودار ہوا وہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماردیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو حاجیوں کے لئے بطور یادگار باقی رکھا تو تین جمرات ہوئے ایک جمرۃ العقبہ جو حرم شریف کی طرف مسجد خیف کے ساتھ ہے اس کے بعد دوسرا جمرۃ الوسطیٰ ہے جو مزدلفہ کی طرف بیچ میں واقع ہے۔ تیسرا جمرۃ الاولیٰ ہے یہ مزدلفہ سے آتے وقت سب سے پہلے راستے میں آتا ہے پھر وسطیٰ پھر عقبہ۔ دسویں ذی الحجہ کو صرف اسی جمرہ عقبہ کو مارا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اسی کو مارا تھا۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ عمل اللہ کے ذکر کو مزید تقویت پہنچاتا ہے منیٰ کے ان ایام میں جمرات پر دوپہر سے لے کر رات تک ذکر اللہ بلند ہوتا ہے جو صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے جبکہ ہزاروں لوگ اللہ کا ذکر بلند کرتے ہیں تو وہ منظر دیکھنے کا ہوتا ہے۔

سوال: جب اس منظر پر دیر تک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو پھر سات کنکریوں پر بس کیوں کی جاتی ہے مناسب تو یہ تھا کہ لوگ وہاں دیر تک کنکریاں مارتے رہیں اور ذکر کرتے رہیں۔

جواب: ذکر اللہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا مقصد صرف اعلان ہے کہ ذاکر اللہ کے دین کا تابعدار ہے۔ اس ذکر کے لئے مجمع کا انتخاب کیا گیا اور وہ ذکر تنہائی میں نہیں کیا جاتا۔ اور اس نوع کے ذکر میں تکثیر مطلوب نہیں ہوتی۔ اس میں چند بار ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے اس میں تکثیر ذکر نہیں ہوتا بلکہ سات مرتبہ تکبیر کے ساتھ کنکریاں مارنے کو کافی قرار دیا گیا۔

دوسرا ذکر وہ ہے کہ جس سے مقصود نفس کی تربیت ہوتی ہے اس قسم کی نوع میں تکثیر ذکر مطلوب ہوتی ہے اور اس میں تنہائی بھی ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں جو ذکر مقصود ہے وہ نوع اوّل کا ہے نہ کہ نوع ثانی کا۔

ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کی جاتی ہے۔ ۱۱، ۱۲ اور ۱۳ کو جو رمی کی جاتی ہے وہ تینوں جمرات کی ہوتی ہے یوم نحر کی رمی کا وقت جواز صبح صادق سے طلوع شمس تک ہے لیکن مسنون وقت طلوع شمس کے بعد ہے اور گیارہ، بارہ اور تیرہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد ہے۔ اگر کوئی شخص بارہ تاریخ کو رمی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آجائے تو اس کے ذمہ تیرہویں تاریخ کی رمی

نہیں ہوتی اور جو شخص صبح صادق تک منیٰ میں رہا اس کے ذمہ تیرہویں کی رمی واجب ہوگی پہلی دو تاریخوں کی رمی میں ایک فرق ہے تیرہ تاریخ کو طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے رمی کرنے کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ ہے "رمی رسول اللہ الجمرة یوم النحر ضحی واما بعد ذلک فاذا زالت الشمس"۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ طَرْدِ النَّاسِ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ أَيْمَنَ بْنِ نَابِلٍ عَنْ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمِي الْجِمَارَ عَلَى نَاقَتِهِ لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ قُدَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا يُعْرَفُ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَهُوَ حَدِيثُ أَيْمَنَ بْنِ نَابِلٍ وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ.

حضرت قدامہ بن عبداللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اونٹنی پر بیٹھے کنکریاں مارتے دیکھا نہ تو وہاں کسی کو مارنا تھا نہ ادھر ادھر کرنا اور نہ یہ کہ ایک طرف ہو جاؤ (ہٹو بچو کی آوازیں)۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے، امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث قدامہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے یہ حدیث صرف اسی سند سے معروف ہے اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ایمن بن نابل محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔

تشریح: لَيْسَ ضَرْبٌ وَلَا طَرْدٌ: نہیں تھا مارنا اور نہیں تھا ہانکنا۔

وَلَا إِلَيْكَ إِلَيْكَ: اور نہ یہ کہا جاتا تھا کہ ایک طرف ہو جاؤ یعنی ہٹو بچو یہاں تکرار بطور تاکید کے ہے۔

آپ ﷺ نے پہلے دن اونٹ پر سواری ہو کر رمی کی تھی اور دوسرے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رہ کر رمی کی تھی اور آپ ﷺ کے لئے علیحدہ سے انتظام نہیں کیا گیا جیسا کہ بادشاہ کے آنے پر آہ و پکار، ہٹو بچو کی آوازیں ہوتی ہیں آپ ﷺ کے لئے کوئی علیحدہ سے انتظام نہیں کیا جاتا تھا۔ موجودہ حکمران اپنے ہی ملک میں بغیر سیکورٹی کے کہیں نہیں جاتے وجہ یہ ہے کہ اپنی تمام امانتیں اپنی رعایا پر خرچ کی ہوں تو پھر ان سے ڈر خوف نہ ہو ظاہر ہے حقوق پورے نہ کریں تو عوام نے پکڑنا تو ضرور ہے۔ جبکہ آپ ﷺ تو پورے جہاں کے لئے رحمت بن کر آئے۔ آپ تو لوگوں کی عزتوں کے محافظ بنے لوگوں کو حقوق دیئے پھر کیونکر وہ علیحدہ سے حج کریں اس لئے وہ عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حج اور ارکان حج ادا کرتے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الِاشْتِرَاكِ فِي الْبَدَنَةِ وَالْبَقَرَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَقَرَةَ عَنْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سات آدمیوں کی طرف سے گائے اور سات ہی کی طرف سے اونٹ کی قربانی

سَبْعَةٍ وَالْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ الْجَزُورَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورَ عَنْ عَشَرَةٍ وَهُوَ قَوْلُ إِسْحٰقَ وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ وَحَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ وَجْهٍ وَاحِدٍ.

دی۔اس باب میں حضرت ابن عمر ابو ہریرہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، علماء صحابہ وتابعین کا اسی پر عمل ہے کہ قربانی میں گائے یا اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ سفیان ثوریؒ، شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ قربانی میں گائے سات اور اونٹ دس آدمیوں کے لئے کافی ہے۔ امام اسحاقؒ کا یہی قول ہے وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث کو ہم صرف ایک ہی سند سے جانتے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَحَضَرَ الْأَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِي الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَفِي الْجَزُورِ عَشَرَةً قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَهُوَ حَدِيثُ حُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ عید الاضحیٰ آگئی تو ہم لوگ گائے میں سات اور اونٹ میں دس افراد شریک ہوئے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حسین بن واقد کی حدیث غریب ہے۔

تشریح: اس بات پر تو اجماع ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں ان سات شرکاء کی قربت یعنی ثواب کی نیت ہو جیسا کہ ایک کی قربانی کی نیت ہو اور دوسرے کی بھی قربانی کی نیت ہو یا قربت مختلفہ ہو۔ بعض حضرات تو ہدی کی نیت سے شامل ہوں اور بعض حضرات قربانی کی نیت سے۔ بہر حال سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یہ ائمہ ثلاثہ کا قول ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک بدنہ اور بقرہ میں گھر کے سارے افراد شریک ہو سکتے ہیں اگر چہ سات سے زائد ہوں۔ اسحاق بن راہویہ کا قول یہ ہے کہ بدنہ اور بقرہ میں دس افراد شریک ہو سکتے ہیں۔

امام مالکؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کی دلیل اوّل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب ہے "قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی البقرة سبعة و فی الجزور عشرة"۔

جواب اوّل: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی حسین بن واقد متکلم فیہ ہے انکر احمد حدیثه لہٰذا مسلم کی

مذکورہ حدیث کے مقابلے میں مرجوح ہے۔
جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ یہ سفر کا واقعہ ہے اور حالت سفر میں مسافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی اور دم قران تو واجب ہے۔
جواب ثالث: بعض نے کہا کہ دس آدمی صرف کھانے میں شریک تھے ملکیت میں سب شریک نہیں تھے۔
جواب رابع: بعض حضرات نے کہا کہ یہ ابتدا کا واقعہ ہے اس وقت دس افراد کی شرکت جائز تھی لیکن یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا اور بڑے جانور میں سات افراد کی شرکت باقی رہی۔
جواب خامس: معارف السنن میں حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ **واقعة حال لا عموم لها** کہ یہ واقعہ جزئیہ ہے کلیہ نہیں ہے ویسے تو حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک بکری ایک گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا قول ہے تو اس کا جواب جو حضرات جو دیں گے وہی ہم ان کے قول کا یا استدلال کا جواب دیں گے۔
دلیل ثانی: عن رافع رضی اللہ عنہ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قسم فعدل عشرة من الغنم ببعير (صحيحين)**
جواب: اس حدیث کا تعلق قربانی سے نہیں بلکہ تقسیم سے ہے۔
جمہور حضرات کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے "**عن جابر قال نحرنا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عام الحديبية البقرة على سبعة والبدنة عن سبعة**"۔

باب ما جاء في إشعار البدن

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي حَسَّانَ الْأَعْرَجِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَلَّدَ نَعْلَيْنِ وَأَشْعَرَ الْهَدْيَ فِي الشِّقِّ الْأَيْمَنِ بِذِي الْحُلَيْفَةِ وَأَمَاطَ عَنْهُ الدَّمَ. وَفِي الْبَابِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو حَسَّانَ الْأَعْرَجُ اسْمُهُ مُسْلِمٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ الْإِشْعَارَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ يُوسُفَ بْنَ عِيسَى يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ حِينَ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ لَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانیوں کی اونٹنیوں کے گلوں میں جوتیوں کا ہار ڈالا اور ہدی کی کوہان کو داہنی جانب سے زخمی کیا ذوالحلیفہ میں اور اس کا خون صاف کر دیا اس باب میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوحسان اعرج کا نام مسلم ہے۔ علماء صحابہ اور دیگر اہل علم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ وہ اشعار کو سنت سمجھتے ہیں امام ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے امام ترمذی کہتے ہیں میں نے یوسف بن عیسیٰ کو یہ حدیث وکیع کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے سنا، انہوں نے فرمایا کہ اس مسئلے میں اہل رائے کا قول نہ دیکھو (اہل رائے سے مراد امام عبدالرحمٰن تیمی مدنی ہیں جو امام مالک کے استاذ ہیں) اس

تَنْظُرُوا إِلَى قَوْلِ أَهْلِ الرَّأْيِ فِي هٰذَا فَإِنَّ الْإِشْعَارَ سُنَّةٌ وَقَوْلُهُمْ بِدْعَةٌ قَالَ وَ سَمِعْتُ أَبَا السَّائِبِ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ وَكِيعٍ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ يَنْظُرُ فِي الرَّأْيِ أَشْعَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُولُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ مُثْلَةٌ قَالَ الرَّجُلُ فَإِنَّهُ قَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ الْإِشْعَارُ مُثْلَةٌ قَالَ فَرَأَيْتُ وَكِيعًا غَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ أَقُولُ لَكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُولُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ مَا أَحَقَّكَ بِأَنْ تُحْبَسَ ثُمَّ لَا تُخْرَ حَتّٰى تَنْزِعَ عَنْ قَوْلِكَ هٰذَا.

لئے کہ نشان لگانا (یعنی اشعار) سنت ہے۔ اہل رائے کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوسائب سے سنا وہ کہتے ہیں ہم وکیع کے پاس تھے کہ انہوں نے اہل رائے میں سے ایک شخص سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اشعار کیا (یعنی نشان لگایا) جبکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ مثلہ ہے اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی بھی فرماتے ہیں یہ مثلہ ہے۔ اس پر وکیع غصے میں آ گئے اور فرمایا میں تم سے کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اور تم کہتے ہو کہ ابراہیم نخعی نے یوں کہا تم اس کے زیادہ حق دار ہو کہ تمہیں قید کر دیا جائے یہاں تک کہ تم اپنے اس قول سے رجوع کر لو۔

تشریح: ترجمۃ الباب میں اشعار کا ذکر ہے جبکہ حدیث الباب میں تقلید اور اشعار دونوں کا بیان ہے یہ ہو سکتا ہے کہ اشعار دونوں کو شامل ہو تقلید خاص ہو اور اشعار عام ہو جو دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اشعار کا لغوی معنی الاعلام نشانی لگانا۔

محدثین کی اصطلاح میں شعار کی تعریف: ان یکشط جلد البدنة حتی یسیل دم، ثم یسلته فیکون ذلک علامة علی کونها هدیاً۔ بدنہ کی دائیں جانب نیزے سے اتنا کٹ لگانا جس سے اس کا خون نکل آئے (گوشت نہ کٹے) تاکہ یہ نشانی ہو کہ یہ جانور ھدی کا ہے۔

تقلید جانور کے گلے میں جوتا وغیرہ ڈالنا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ھدی حرم کا ہے قلادہ ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ زمانہ جاہلیت میں چوری، قتل و غارت، لوٹ مار عام تھا کوئی کسی کے مال کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا جس کے ہاتھ جس کا مال لگ جائے وہ ہڑپ کر جاتا لیکن اتنی سفاکیت کے باوجود وہ حرم کے تقدس کو پامال نہیں کرتے تھے اسلئے جب ان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ جانور حرم کا ہے اس کی نشانی تقلید ہے یا اشعار ہے تو وہ اس سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ یہ حکم اسلام سے قبل بھی تھا جب آپؐ دنیا میں تشریف لائے تو آپؐ نے اس نشانی کو برقرار رکھا۔ چنانچہ جب آپؐ حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

مسئلہ: اشعار کا حکم کیا ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک اشعار مسنون ہے یہی قول امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کا ہے امام ابو یوسفؒ، محمد بن الحسنؒ سے بھی یہی مروی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک اشعار مثلہ ہے اور مکروہ ہے اسی وجہ سے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ پر بہت تشنیع کی گئی ہے۔ امام ترمذیؒ نے وکیع کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس کی تردید کرتے ہیں۔

امام صاحب کے قول کی مختلف توجیہات: اوّل: امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نہ اصل اشعار کو مکروہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی

اس کے مسنون ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ البتہ اس نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں لوگ اشعار کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے اور اشعار کے دوران جانور کا گوشت بھی کاٹ لیتے جس کی وجہ سے جانور کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور جانور کے مرنے کا خطرہ ہوتا تھا اس لئے امام ابوحنیفہؒ نے سدً اللذرائع اشعار سے لوگوں کو روک دیا کہ تم اشعار نہ کرو تمہیں طریقہ نہیں آتا تو لوگوں نے تعصب کی بناء پر یہ مشہور کر دیا کہ امام صاحب اشعار کے قائل نہیں۔ جو لوگ زیادہ ہی متعصب تھے انہوں نے تو یہ کہہ دیا کہ امام صاحب اشعار کی سنیت کے قائل نہیں نعوذ باللہ۔

امام طحاویؒ کا قول اس بارے میں زیادہ راجح ہے اور وہ امام ابوحنیفہؒ کے زیادہ جاننے والے تھے۔

ثانی: اگر امام صاحب کی طرف اس قول کی نسبت کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اشعار کے مقابلے میں تقلید نعلین افضل ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جتنے بدنوں کا سوق فرمایا ان میں سے صرف ایک ھدی کا اشعار کیا تھا باقی سب میں تقلید کی صورت میں عمل کیا تھا۔

ثالث: امام صاحب اگر نفس اشعار کو مکروہ سمجھتے تھے تب بھی ہم یہ کہیں گے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد تھا جو خود ان کی رائے پر نہیں بلکہ احادیث نہی عن المثلۃ اور احادیث نہی عن تعذیب الحیوان پر مبنی ہے گویا ان احادیث اشعار کو اس سے منسوخ مانتے ہیں اور اس قسم کے اجتہادات ہر مجتہد کے ہاں ملتے ہیں اور محض اس وجہ سے کسی مجتہد کو موجب طعن نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

اور دوسرا یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی روایات مروی ہیں جن سے **تخییر بین الاشعار و ترکہ** کا پتہ چلتا ہے ان دونوں حضرات کے نزدیک اشعار نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب بلکہ مباح ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اس کے قریب قریب ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ يُوسُفَ بْنَ عِيسَى يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا: امام ترمذی نے یہاں امام وکیعؒ کا ایک واقعہ نقل کیا کہ امام وکیع نے اصحاب الرائی میں سے ایک آدمی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے اشعار کرنے کا ذکر فرمایا: "**يقول ابو حنيفة هو مثلة**" کہہ کر امام ابوحنیفہؒ کے قول پر حیرت کا اظہار فرمایا اس پر اس آدمی نے کہا کہ ابراہیم نخعی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت امام وکیع نے جب یہ بات سنی تو وہ بہت غصہ میں آ گئے کیونکہ امام نخعیؒ کا کوفہ میں بہت بڑا مقام تھا انکے خلاف اگر کوئی بات کر دیتا تو اسکی شامت آ جاتی۔ اسلئے وکیع اس شخص پر برس پڑے اور کہا کہ میں تمہیں نبی کریم ﷺ کا فرمان پیش کر رہا ہوں اور تم مجھے یہ کہہ رہے ہو کہ ابراہیم نخعی نے یہ بات کہی ہے۔ لہٰذا تجھے قید خانہ بھیج دینا چاہیے اور جب تک تو توبہ نہ کرے تو تجھے رہائی نہیں دینی چاہیے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ قَالَا حَدَّثَنَا بْنُ الْيَمَانِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقام قدید سے ہدی کا جانور خریدا، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے

اشْتَرٰى هَدْيَهُ مِنْ قُدَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ الْيَمَانِ وَرُوِيَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ اشْتَرٰى مِنْ قُدَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا أَصَحُّ .

ثوریؒ کی روایت سے یحییٰ بن یمان کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے، نافع سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مقام قدید سے ہی ہدی کا جانور خرید اامام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت اصح ہے۔

تشریح: یہ حدیث امام ترمذیؒ کے تفردات میں سے ایک تفرد ہے کیونکہ یہ حدیث باقی صحاح ستہ میں نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے قدید نامی جگہ (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) سے ہدی کے جانور خریدے تھے یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ جب مدینہ منورہ سے چلے تھے تو وہیں سے اپنے ہدی ساتھ لائے تھے اور مقام ذوالحلیفہ میں ان کا اشعار فرمایا جیسا کہ ماقبل باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وضاحت گزر چکی ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ حدیث موقوف ہے یعنی یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے انہوں نے مقام قدید سے ہدی خریدی تھی۔ بخاری شریف میں اس حدیث کی صراحت آئی ہے اس حدیث کو مرفوع کہنے میں یحییٰ بن الیمان نے غلطی کی ہے وہ اس حدیث کو تنہا ثوری سے روایت کرتا ہے اور وہ صدوق ہے لیکن کثیر الخطأ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْهَدْيِ لِلْمُقِيمِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَمْ يُحْرِمْ وَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ إِذَا قَلَّدَ الرَّجُلُ الْهَدْيَ وَهُوَ يُرِيدُ الْحَجَّ لَمْ يَحْرُمْ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنَ الثِّيَابِ وَالطِّيبِ حَتّٰى يُحْرِمَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا قَلَّدَ الرَّجُلُ الْهَدْيَ فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ مَا وَجَبَ عَلَى الْمُحْرِمِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدی کے ہار کے لئے رسیاں بٹا کرتی تھی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو احرام باندھا اور نہ ہی کپڑے پہننا ترک کیے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ہدی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالتا ہے تو اس وقت اس پر سلے ہوئے کپڑے یا خوشبو حرام نہیں ہوتی جب تک کہ وہ احرام نہ باندھے بعض کہتے ہیں کہ ہدی کے گلے میں ہار (قلادہ) ڈالنے کے ساتھ ہی اس پر وہ تمام چیزیں واجب ہو جاتی ہے جو محرم پر واجب ہوتی ہیں۔

تشریح: نبی کریم ﷺ نے سن ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کے لئے مکہ بھیجا تو ان کے ساتھ سو بکریاں قربانی کے لئے مکہ بھیجی تھیں اور آپ مدینہ منورہ میں حلال رہے یعنی حالت احرام میں جو چیزیں حرام ہوتی ہیں مثلاً سلا ہوا کپڑا، بگڑی، خوشبو وغیرہ آپ ﷺ نے ترک نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی اس وقت تک محرم نہیں بنتا جب تک وہ احرام نہ باندھے اور اس میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ زیاد بن ابی سفیان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ لکھ کر بھیجا کہ جو شخص

بدی بھیجے گا اس پر احرام سے متعلق تمام چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدی کے گلے کے ہار اپنے ہاتھوں سے بٹے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کو یہ پہنائے اور ان کو میرے والد کے ساتھ بھیجا ہے اس کے باوجود بھی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام نہیں ہوئی امام ترمذیؒ نے بعض علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب آدمی نے ہدی کو قلادہ پہنایا تو اس پر وہ تمام چیزیں واجب ہو جاتی ہیں جو چیزیں محرم پر واجب ہوتی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقْلِيدِ الْغَنَمِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّهَا غَنَمًا ثُمَّ لَا يُحْرِمُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ تَقْلِيدَ الْغَنَمِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کی بکریوں کے گلے کے ہاروں کی رسیاں بٹا کرتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام نہیں باندھتے تھے (یعنی اپنے اوپر کسی چیز کو حرام نہیں کرتے تھے) امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر بعض صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ بکریوں کے گلے میں ہار ڈالے جائیں۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ تقلید غنم کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں۔

مسئلہ: تقلید غنم مشروع ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور حنابلہ کے نزدیک اونٹوں کی طرح بکریوں میں تقلید مشروع ہے۔

قول ثانی: حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تقلید ابل وبقر کے ساتھ مخصوص ہے اور غنم میں مشروع نہیں۔

امام شافعی اور حنابلہ کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے ''عن عائشة قالت كنت أفتل قلائد هدى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كلها غنما ثم لا يحرم''۔

جواب اوّل: اس روایت میں غنم کا ذکر اسود کا ذکر کردہ ہے جو کہ متفرد ہے وگرنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے لئے بکریاں لے جانا ثابت نہیں البتہ اونٹ لے جانا ثابت ہے۔

جواب ثانی: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ان میں تطبیق یہ ہے کہ تقلید غنم دو قسم پر ہے تقلید بالنعال اور تقلید بالخیط المفتول کتب فقہ میں نفی تقلید سے قسم اوّل مراد ہے۔ اور حدیث الباب میں اثبات قسم ثانی کا ہے صحیح روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''فتلت قلائدها من عهن عندی عهن'' رنگی ہوئی اون کو کہتے ہیں۔ قسم ثانی سے کتب فقہ ساکت ہیں تو مذہب حنفی حدیث الباب کے خلاف نہیں ہے۔

حنفیہ و مالکیہ کی دلیل اوّل: صاحب بدائع الصنائع نے عدم تقلید الغنم پر ایک اور استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں ''و الدليل على

أن الغنم لا تقلد قوله تعالى ولا الهدى ولا القلائد عطف القلائد على الهدى والعطف يقتضى المغايرة فى الاصل، واسم الهدى يقع على الغنم والابل والبقر جميعًا''۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا عَطِبَ الْهَدْيُ مَا يُصْنَعُ بِهِ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ نَاجِيَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ أَصْنَعُ بِمَا عَطِبَ مِنَ الْهَدْيِ قَالَ انْحَرْهَا ثُمَّ اغْمِسْ نَعْلَهَا فِي دَمِهَا ثُمَّ خَلِّ بَيْنَ النَّاسِ وَبَيْنَهَا فَيَأْكُلُوهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ ذُؤَيْبٍ أَبِي قَبِيصَةَ الْخُزَاعِيِّ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ نَاجِيَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا فِي هَدْيِ التَّطَوُّعِ إِذَا عَطِبَ لَا يَأْكُلُ هُوَ وَلَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ رُفْقَتِهِ وَيُخَلّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ يَأْكُلُونَهُ وَقَدْ أَجْزَأَ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالُوا إِنْ أَكَلَ مِنْهُ شَيْئًا غَرِمَ مِقْدَارَ مَا أَكَلَ مِنْهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أَكَلَ مِنْ هَدْيِ التَّطَوُّعِ شَيْئًا فَقَدْ ضَمِنَ

حضرت ناجیہ خزاعیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ ہدی مرنے کے قریب ہو تو کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے ذبح کرو پھر اس کے گلے میں ہار ڈالی ہوئی جوتی کو اس کے خون میں ڈبودو پھر اسے لوگوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دو، اس باب میں حضرت ذویب، ابوقبیصہ خزاعی سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ناجیہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر نفلی قربانی کا جانور مرنے کے قریب ہو تو وہ خود یا اس کے دوست اس کا گوشت نہ کھائیں بلکہ دوسرے لوگوں کو کھلادیں اس طرح اس کی قربانی ہو جائے گی امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر اس میں سے صاحب ھدی نے کچھ کھا لیا تو جتنا کھایا ہے تو اتنا ہی تاوان ادا کرے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر نفل ہدی کے گوشت میں سے صاحب ہدی نے کچھ کھالیا تو اتنی قیمت ادا کرے۔

تشریح: اگر ہدی راستہ میں ہلاک ہو جائے تو پھر اس کا کیا کریں گے اس بارے میں امام ترمذی یہاں باب ذکر کر رہے ہیں کہ اس کے بارے میں تفصیل ہے۔ اگر وہ ہدی واجب کی تھی تو اس کے بدلے میں دوسرا جانور قائم مقام کردے اور قریب المرگ ہدی کو ذبح کردے پھر جو چاہے اس کے ساتھ کرے خواہ وہ خود کھائے یا غنی اور فقیر کو کھلائے یا فروخت کردے کیونکہ وہ جانور ہدی سے نکل گیا۔ اگر وہ ہدی نفلی ہے تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اس کو ذبح کردے اور اس کے نعل کو خون میں بھگو کر کوہان پر مل دے تا کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ یہ ہدی ہے ایسے جانور کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: احناف کے نزدیک ایسے جانور میں سے خود کھانا اور اغنیاء کو کھلانا جائز نہیں بلکہ اس کو صرف فقراء کھا سکتے ہیں۔

قول ثانی: شوافع حضرات کے نزدیک ایسے جانور کو ہر شخص کھا سکتا ہے لیکن اگر وہ واجب ہدی ہے تو وہ اس کی ملکیت سے تو نکل آئی اب وہ صرف مسکینوں کا حق ہے لہٰذا نہ اس کو بیچنا جائز ہے اور نہ ہی دوسرے جانور کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے۔

حنفیہ کا قول یہ ہے کہ نفلی جانور خریدنے سے وہ ذبح کے لئے متعین ہوجاتا ہے لہٰذا اس کو قربت ہی میں خرچ کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقراء کو کھلایا جائے اغنیاء کو کھلانے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا برخلاف ہدی واجب کہ وہ خریدنے سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کی جگہ دوسرا جانور بھی قربان کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا وہ جانور خاص طور پر قربت کے لئے نہ رہا۔

باقی حدیث الباب میں نہ تو نفلی کی وضاحت ہے اور نہ ہی نذر کے مسئلہ کی کوئی وضاحت ہے اور نہ ہی غنی اور فقیر کا کوئی ذکر ہے اس لئے یہ کسی مذہب میں صریح نہیں بلکہ اس میں دونوں مذاہب کی گنجائش ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہ حدیث الباب جمہور کی دلیل ہے کہ نفل ہدی ذبح کرکے غریبوں کے لئے چھوڑ دی جائے خود مالک اس سے نہیں کھاسکتا اور نہ کوئی مالدار اس سے کھاسکتا ہے۔ آپ ﷺ کی ہدی نفلی تھیں اتنی ساری قربانیاں واجب نہیں تھیں۔

امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ جو چیز نفلی ہو یعنی نفل عبادت شروع کرنے سے نفلی ہی رہے گی جبکہ احناف کے نزدیک نفلی عبادت شروع کرنے سے پہلے نفلی ہی رہتی ہے لیکن جب نفل کو شروع کیا جائے تو ان کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے جیسا کہ اس حدیث الباب میں اس کا ذکر ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ نَاجِيَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ: اس میں امام ترمذی نے بعض اہل علم کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس میں سے کچھ کھالیا تو اس میں سے جتنا کھایا ہے اس کے بقدر ضمان دے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر نفل ہدی میں سے کچھ کھائے گا تو ضمان واجب ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ الْبَدَنَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ لَهُ ارْكَبْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهَا بَدَنَةٌ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ ارْكَبْهَا وَيْحَكَ أَوْ وَيْلَكَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي رُكُوبِ الْبَدَنَةِ إِذَا احْتَاجَ إِلَى ظَهْرِهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ و قَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَرْكَبُ مَا لَمْ يُضْطَرَّ إِلَيْهِ.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہدی کو ہانک کرلے جارہا ہے فرمایا اس پر سوار ہوجا۔ وہ عرض کرنے لگا یا رسول اللہ یہ ہدی کا جانور ہے آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا تجھ پر افسوس ہے یا تیرے لئے ہلاکت ہے تو اس پر سوار ہوجا۔ اس باب میں حضرت علی، ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ صحیح حسن ہے صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے رخصت (اجازت) دی ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس وقت تک سوار نہ ہو جب تک مجبور نہ ہو۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ ہدی کے جانور سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں بیان کر رہے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ہدی قابل احترام ہیں اور ان سے انتفاع میں ان کی توہین ہے۔ ان جانوروں سے انتفاع لینا سوار ہونا یا دودھ پینا اس کے متعلق سات اقوال معارف السنن میں ذکر کئے ہیں۔

قول اوّل: ہدی کے جانور پر سوار ہونا مطلقاً جائز ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو یہ قول عروہ بن زبیر اور اہل ظواہر کا ہے۔

قول ثانی: ہدی پر سوار ہونا جائز ہے لیکن مطلقاً نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ کہ حاجت ہو، ضرورت ہو تو پھر سوار ہو سکتے ہیں اگر ضرورت نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ یہی قول امام ترمذیؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا نقل کیا ہے اور یہی قول امام نوویؒ نے ابی حامد سے نقل کیا ہے۔

قول ثالث: شدت حاجت کے وقت سوار ہونا جائز ہے شدت حاجت سے مراد اضطراری حالت ہے یہ تابعین کی ایک جماعت سے منقول ہے اور یہی قول امام شعبیؒ، حسن بصریؒ، عطاءؒ سے منقول ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہؒ اور صحابہؓ کا قول بھی ہے۔

قول رابع: جائز مع الکراہۃ ہے جب بغیر ضرورت کے ہدی کے جانور پر سوار ہو جائے یہ قول ابن عبدالبر کی طرف منسوب ہے انہوں نے یہ قول امام شافعی اور امام مالک کا ذکر کیا ہے۔

قول خامس: ہدی پر ضرورت کے بقدر سوار ہونا جائز ہے جب ضرورت ختم ہو جائے تو سواری سے اتر جائے یہ قول ابراہیم نخعیؒ کا ہے۔ یہ فرماتے ہیں کہ وہ سواری پر اس وقت تک سوار ہو جب تک اس کو تھوڑی سی راحت حاصل ہو جائے اور اس کی تائید حدیث جابرؓ سے ہوتی ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے اس باب میں اشارہ کیا ہے۔

قول سادس: ہدی پر سوار ہونا مطلقاً منع ہے ابن العربیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول نقل کیا ہے وردہ البدر والشہاب۔

قول سابع: ہدی کے جانور پر سوار ہونا واجب ہے ابن عبدالبر نے اہل ظواہر کا قول نقل کیا ہے۔

امام شافعی، امام احمد کی دلیل: حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے "ان النبی ﷺ رأى رجلا يسوق بدنة فقال له: اركبها: فقال يا رسول الله: انها بدنة فقال له فی الثالثہ اوفی الرابعة اركبها ويحك أو: ويلك"

جواب: اس میں بھی مجبوری کی قید ملحوظ ہے ورنہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: مسلم شریف میں حضرت ابوالزبیر کی روایت ہے" قال سمعت جابر بن عبدالله سئل عن ركوب الهدى فقال سمعت النبی ﷺ يقول: اركبها بالمعروف اذا الجئت اليها حتى تجد ظهرًا"۔

بَاب مَا جَاءَ بِأَيِّ جَانِبِ الرَّأْسِ يَبْدَأُ فِي الْحَلْقِ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا رَمَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ نَحَرَ نُسُكَهُ ثُمَّ نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ فَحَلَقَهُ فَأَعْطَاهُ أَبَا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے سے فارغ ہوئے تو قربانی کے جانور ذبح کئے پھر حجام کو بلایا اور سر کی دائیں جانب اسکے سامنے کر دی اس نے اس طرف سے سر مونڈا آپ ﷺ نے وہ بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے پھر حجام کی طرف بائیں جانب کی تو اس

طَلْحَةَ ثُمَّ نَاوَلَهُ شِقَّهُ الْأَيْسَرَ فَحَلَقَهُ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

نے اس طرف بھی سر مونڈا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ ابن ابی عمرؒ سفیان بن عیینہ سے اور وہ ہشام سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: حلق کیلئے اس بارے میں اتفاق ہے کہ حلق دائیں جانب سے کیا جائیگا یہ مستحب ہے اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ یمین سے مراد کس کی یمین ہے حلق کرنیوالے کی یمین مراد ہے یا حلق کروانے والے کی یمین مراد ہے۔اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں۔

قول اوّل: علامہ نوویؒ نے لکھا ہے ''و هٰذا مذهبنا و مذهب الجمهور وقال ابو حنيفة يبدأ بجانب الايسر'' اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محلوق کی بائیں جانب سے ابتداء کی جائے گی گویا ان کے نزدیک حالق کی دائیں جانب کا اعتبار ہے نہ کہ محلوق کی دائیں جانب کا اور یہ مسلک حدیث الباب کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ حدیث الباب میں یہ بالکل ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے سر کے دائیں جانب کے بال پہلے کٹوائے اس لئے شیخ ابن ہمامؒ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''وهٰذا يفيد أن السنة في الحلق البداءة بيمين المحلوق رأسه و هو خلاف'' لیکن راجح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا اس سے رجوع ثابت ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ حالق کا یمین مراد ہے۔اختلاف کو ختم کرنے کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حالق محلوق کی پشت پر کھڑے ہو کر بال کاٹے اس صورت میں ابتداء بیمین الحالق اور ابتداء بیمین المحلوق دونوں پر عمل ہو جائے گا۔

ثُمَّ نَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْأَيْمَنَ: حالق کا نام معمر بن عبداللہ العدوی تھا کما ذکرہ البخاری۔ بعض حضرات نے کہا خراش بن امیہ۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حلق کرنا مناسک حج میں سے ہے حلق کرنا قصر سے افضل ہے۔

آپ ﷺ کے موئے مبارک کس کو عطا کئے گئے؟ نبی کریم ﷺ نے شق ایمن اور شق ایسر دونوں جانبوں کے موئے مبارک حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو دیدئے تھے۔ مسلم شریف کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے ابوعوانہ کی روایت سے بھی یہی متبادر ہوتا ہے۔ لیکن ابوبکر بن ابی شیبہ میں حفص بن غیاث سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالق سے کہا اور دائیں جانب اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ کیا کہ میری دائیں طرف والوں میں تقسیم کر دیں اور پھر بائیں جانب والے بال مبارک حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دے دیں۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں جانب کے بال آپ نے خود تقسیم کئے اور بائیں جانب کے بال حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دے دیئے ان دونوں روایات میں تعارض آ رہا ہے۔

اسی طرح ابوکریب حفص بن غیاث کے طریق سے یہ الفاظ بھی مروی ہیں'' فبدأ بالشق الايمن فوزعه الشعرة والشعرتين بين الناس، ثم قال بالايسر، فصنع مثل ذٰلك ثم قال: هاهنا ابو طلحة فدفعه الى ابي طلحة'' اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں جانب کے بال آپ ﷺ نے ایک ایک دو دو کر کے تقسیم کر دیئے اور بائیں جانب کے بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیئے۔اس طرح ان روایات میں ایک طرح کا تعارض ہو جاتا ہے۔

علامہ عینیؒ نے اسکا یہ جواب دیا کہ دراصل دونوں جانبوں کے بال نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیئے تھے۔

پس دائیں جانب کے بال تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کردیئے اور بائیں جانب کے بال مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے حکم سے اپنی اہلیہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دے دیئے۔ (عمدۃ القاری: ۳/ ۳۸)

لیکن اس پر ایک تعارض پھر بھی باقی رہ گیا کہ مسلم کی ایک روایت میں "ناول الحالق شقة الایمن فحلقه ثم دعا اباطلحة الانصاری اتاه ثم ناوله الشق الایسر فقال احلق فحلقه فاعطاه أباطلحة فقال أقسمه بين الناس"

اس روایت میں متبادر یہ ہے کہ بائیں جانب کے بال تقسیم کئے گئے جبکہ پچھلی روایت کا ظاہر یہ تھا کہ دائیں جانب کے بال تقسیم کئے گئے۔

جواب یہ ہے کہ تطبیق کے لئے لفظ اقسمہ کی ضمیر منصوب کو شق ایمن کی طرف لوٹایا جائے گا اگر چہ اس صورت میں مرجع بعید اور خلاف ظاہر ہے اس تطبیق کے مطابق یہ بھی درست ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موئے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیئے انہوں نے بھی تقسیم کئے اور یہ نسبت بھی درست ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم فرمائے۔ یہ نسبت بھی درست ہے کہ بائیں جانب کے بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطلحہ کو دیئے اور یہ نسبت بھی درست ہے کہ بائیں جانب کے بال حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے اُم سلیم رضی اللہ عنہا کو دیئے تھے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَلَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَلَقَ طَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ أُمِّ الْحُصَيْنِ وَمَارِبَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي مَرْيَمَ وَحُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ لِلرَّجُلِ أَنْ يَحْلِقَ رَأْسَهُ وَإِنْ قَصَّرَ يَرَوْنَ أَنَّ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے سر کے بال منڈوائے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یا دو مرتبہ فرمایا اے اللہ سر کے بال مونڈ وانے والوں پر رحم فرما پھر فرمایا بال کتروانے والوں پر بھی (اے اللہ رحم فرما)، اس باب میں حضرت ابن عباسؓ ابن ام حصینؓ مارب ؓ ابوسعیدؓ ابومریم حبشی بن جنادہؓ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ اگر آدمی سر کے بال منڈوائے تو بہتر ہے لیکن اگر سر کے بال کتروائے تو بھی جائز ہے سفیان ثوریؒ شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ حلق قصر سے افضل ہے اور اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ حلق اور قصر ارکان حج وعمرہ کے مناسک میں سے ہیں۔ ان کے بغیر حج وعمرہ دونوں نامکمل رہیں گے۔ امام شافعیؒ کی ایک شاذ روایت یہ ہے کہ یہ دونوں محض محظورات کو حلال کرنے والی چیزیں ہیں عبادت اور مناسک میں سے نہیں۔

مردوں کے لئے تو حلق افضل ہے قصر سے، البتہ عورتوں کے لئے حلق کرانا حرام ہے وہ صرف قصر کریں گی۔ بعض عورتوں کی چوٹی آخر میں باریک ہوجاتی ہے ان پر ذرا اوپر سے بال کاٹنا ضروری ہے تاکہ چوتھائی سر کے برابر بال کٹ جائیں۔ ورنہ احرام نہیں کھلے گا۔

مسئلہ: حلق وقصر کی مقدار واجب کیا ہے؟ اس کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی ایک ایک روایت یہ ہے کہ پورے سر کا حلق واجب ہے۔ امام مالکؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ اکثر سر کا حلق واجب ہے۔ امام احمد کی دوسری روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

قول ثانی: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھے سر کا حلق واجب ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک تین بالوں کا حلق یا قصر کافی ہے جبکہ امام شافعیؒ کے بعض اصحاب کے نزدیک مسح رأس کی طرح صرف ایک بال کا حلق یا قصر کافی ہے۔

قول رابع: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حلق ربع رأس کا واجب ہے گویا امام صاحبؒ کا مسلک وہی ہے جو مسح میں ربع رأس کا ہے۔

یہ اختلاف دراصل ایک اصول پر مبنی ہے وہ اصول یہ ہے کہ شارع جب کسی ایسے فعل کا حکم دیں جو کسی محل سے متعلق ہو تو کتنی مقدار پر عمل کرنے سے وہ عمل کرنے والا کہلائے گا۔ امام مالکؒ کے نزدیک اس کے پورے محل پر استیعاب ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معتد بہ مقدار یعنی ربع کافی ہے امام شافعیؒ کے ہاں بعض مطلق کافی ہے۔

شوافع اور احناف کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ حلق اور قصر دونوں صورتوں میں استیعاب رأس افضل ہے۔ جب قصر کریں گے تو حنفیہ کے نزدیک ایک پورے کے برابر یا اس سے کسی قدر زائد بالوں کا کاٹنا ضروری ہے۔ جبکہ شوافع کے نزدیک ایک پورے کے برابر بالوں کا کاٹنا افضل ہے اگر اس سے کم کاٹے تو بھی کافی ہے۔

حلق کا وقت ایام النحر ہے اور حلق کی جگہ حرم ہے یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے گویا ان کے نزدیک حلق کے لئے وقت معین اور جگہ معین کا ہونا ضروری ہے۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلق نہ تو کسی وقت کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی جگہ کے ساتھ خاص ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک مکان کے ساتھ تو خاص ہے زمانے کے ساتھ خاص نہیں۔ امام زفرؒ کے نزدیک زمانے کے ساتھ تو خاص ہے مکان کے ساتھ خاص نہیں۔

اس اختلاف کا ثمرہ اس طرح نکلے گا کسی شخص نے ایام النحر کے بعد یا خارج حرم حلق کرایا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں دم واجب ہوگا جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی بھی صورت میں دم نہیں ہوگا۔ امام محمدؒ کے نزدیک خارج حرم کی صورت میں تو دم واجب ہوگا حلق کو ایام نحر سے مؤخر کرنے کی وجہ سے دم نہیں ہوگا اور امام زفرؒ کے نزدیک ایام نحر کے بعد حلق کرانے کی صورت میں تو دم ہوگا خارج حرم حلق کرانے سے دم نہیں ہوگا۔

حلق کرانے کی صورت بال والوں کے لئے تو ظاہر ہے لیکن جس کے سر پر بال نہیں ہیں تو اس کو چاہیے کہ اپنے سر پر استرا پھر والے اس لئے کہ بقدر استطاعت حکم کی تعمیل واجب ہے۔ حلق یا قصر کرا کر احرام کھولنا دو وجہ سے افضل ہے۔

پہلی وجہ: جب لوگ کسی بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے پاس جاتے ہیں تو صفائی کا خوب اہتمام کر کے جاتے ہیں حجاج کرام بھی احرام کھول کر طواف زیارت کے لئے خداوند قدوس کے دروازے پر جائیں گے پس ان کو بھی خوب صاف ہو کر جانا چاہیے کیونکہ سر

مونڈوا کر اچھی طرح میل کچیل صاف ہو جاتا ہے۔

دوسری وجہ: سر منڈوا کر احرام کھولنے کا اثر کئی دن باقی رہتا ہے جب تک بال بڑے نہیں ہو جائیں گے ہر شخص یہی محسوس کرے گا کہ اس نے حج کیا ہے اس لئے حج کی شان بلند ہوگی اس لئے حلق افضل ہے۔

احرام سے نکلنے کے لئے حلق یا قصر کو کیوں ضروری کہا گیا کوئی اور صورت بھی تو ہو سکتی تھی؟ اس کی دو وجہیں ہیں۔

وجہ اوّل: احرام سے نکلنے کا یہی ایک مناسب طریقہ ہے جو متانت کے منافی نہیں اگر اس میں آزادی دی جائے تو معلوم نہیں لوگ احرام سے نکلنے کے لئے کیا کیا طریقے رائج کر دیں گے بدعات اور رسومات شروع ہو جائیں گی ان تمام چیزوں کی روک تھام کے لئے اس کو لازمی قرار دیا۔

وجہ ثانی: اس سے پراگندہ سر صاف ہو جاتا ہے اور صفائی میں یہ طریقہ سب سے افضل ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْحَلْقِ لِلنِّسَاءِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْجُرَشِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ خِلَاسِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ خِلَاسٍ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ فِيهِ اضْطِرَابٌ وَرُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ عَلَى الْمَرْأَةِ حَلْقًا وَيَرَوْنَ أَنَّ عَلَيْهَا التَّقْصِيرَ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو سر کے بال منڈوانے سے منع فرمایا۔ محمد بن بشار، ابوداؤد سے وہ ہمام، خلاس سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں لیکن انہوں نے اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث علی رضی اللہ عنہ میں اضطراب ہے اور حماد بن سلمہ سے بھی قتادہ کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کو سر کے بال منڈوانے سے منع فرمایا اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عورت سر کے بال نہ منڈوائے (یعنی حلق نہ کرائے) بلکہ بال کتروا لے۔

تشریح: مسئلہ: عورتوں کے لئے حلق کرانا مکروہ ہے دو وجوہ سے۔

وجہ اوّل: اس سے عورت کا حسن ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ مثلہ بن جاتا ہے اور مثلہ کرنا ممنوع ہے۔

وجہ ثانی: اس سے عورت کی شکل مرد جیسی بن جاتی ہے اور عورت کا مرد کی شکل اختیار کرنا منع ہے۔

قال ابوعیسیٰ: اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ حضرت ہمام نے اس کی سند حضرت علیؓ تک پہنچائی ہے اور حماد نے حضرت عائشہؓ تک پہنچائی ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ یہ حدیث مسند ہے یا منقطع۔ یعنی خلاس بن عمرو کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ خلاس بن عمرو ثقہ راوی ہے صحاح ستہ میں اس کی روایتیں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عمار اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کا سماع ثابت ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا سماع ثابت ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے حدیث کے ضعف سے مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ باب میں صحیح احادیث موجود ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَقَ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ أَوْ نَحَرَ قَبْلَ أَنْ يَرْمِيَ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ أَذْبَحْ وَلَا حَرَجَ وَسَأَلَهُ آخَرُ فَقَالَ نَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ قَالَ ارْمِ وَلَا حَرَجَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا قَدَّمَ نُسُكًا قَبْلَ نُسُكٍ فَعَلَيْهِ دَمٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا لیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اب قربانی کرلو۔ دوسرے شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کرلی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں اب کنکریاں مارلو۔ اس باب میں حضرت علی، جابر ابن عباس ابن عمر اور اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عبداللہ بن عمرو حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ افعال حج میں تقدیم وتاخیر سے دم واجب ہوتا ہے۔

تشریح: یوم النحر کے دن چار کام کرنے ہوتے ہیں جمرہ عقبہ کی رمی، ذبح، حلق، طواف زیارت۔ ان میں ترتیب کا خیال رکھنا چاہیے یہ ترتیب سنت ہے یا واجب؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ماقبل میں گزر چکا ہے۔

منیٰ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناسک کی تقدیم وتاخیر کے سلسلے میں متعدد سوالات ہوئے ہیں مثلاً کسی نے رمی سے پہلے قربانی کرلی، کسی نے قربانی سے پہلے سر منڈالیا، یا کسی نے رمی سے پہلے سر منڈوالیا، کسی نے شام کو رمی کی، کسی نے سر منڈانے سے پہلے طواف زیارت کرلیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو یہی جواب دیا کہ ''افعل ولا حرج'' کوئی بات نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کسی کو دم دینے کا حکم نہیں دیا اور اصول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت خاموشی اس کا بیان ہوتا ہے یعنی اگر کفارہ واجب ہوتا تو آپ ان مقامات پر اس کی وضاحت فرماتے خاموشی کا مطلب واضح ہے کہ دم واجب نہیں۔

اب ''لا حرج'' والی روایات میں تشریع کے وقت کی ترخیص ہے جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو جو فوری الجھن ہوتی تھی اس

میں شریعت سہولت دیتی ہے اور دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو آگے "باب فی الذبح بعد الصلوٰة" میں آرہی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براماموں کو ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی کی اجازت دی تھی اور یہ بھی ارشاد فرمایا تھا "لا تجزئ جذعة بعدك" یعنی یہ سہولت صرف تمہارے لئے ہے۔ اوروں کے لئے نہیں ہے۔ یہی تشریع کے وقت ترخیص کہلاتی ہے۔ چونکہ حج کا پہلا موقع تھا اور لوگوں کو اگرچہ مناسک کی ترتیب سمجھا دی گئی تھی مگر عدم مزاولت کی وجہ سے خلاف ورزی ہوگئی اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درگزر کیا۔ اور کفارے کا حکم نہیں دیا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الطِّيبِ عِنْدَ الْإِحْلَالِ قَبْلَ الزِّيَارَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا مَنْصُورٌ يَعْنِي ابْنَ زَاذَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ طَيَّبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ يُحْرِمَ وَيَوْمَ النَّحْرِ قَبْلَ أَنْ يَطُوفَ بِالْبَيْتِ بِطِيبٍ فِيهِ مِسْكٌ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ وَذَبَحَ وَحَلَقَ أَوْ قَصَّرَ فَقَدْ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ حَرُمَ عَلَيْهِ إِلَّا النِّسَاءَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ حَلَّ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا النِّسَاءَ وَالطِّيبَ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی، اور نحر کے دن دس ذوالحجہ کو طواف زیارت سے پہلے ایسی خوشبو لگائی جس میں مسک بھی تھا (یعنی مشک والی خوشبو) اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حسن صحیح ہے اکثر صحابہ وتابعین کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ محرم کے لئے قربانی کے دن (یعنی دس ذوالحجہ کو) جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارنے ذبح اور حلق یا قصر کے بعد بیویوں کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں امام شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا کہ عورتوں اور خوشبو کے علاوہ اس کے لئے تمام چیزیں حلال ہو جاتی ہے بعض صحابہ کرام اور تابعین اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: حدیث الباب احرام سے قبل خوشبو کے استعمال جواز پر دلالت کر رہی ہے کہ جو بھی خوشبو ہو اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ احرام سے قبل خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں؟

قول اوّل: جمہور ائمہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کے نزدیک احرام سے متصل پہلے ہر قسم کی خوشبوؤں کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔ یہی قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عباس،

ابن الزبیر، ابن جعفر، ابوسعید خدری، براء بن عازب، انس، ابوذر، والحسین بن علی رضی اللہ عنہم کا بھی ہے۔ امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہی اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک محرم کے لئے احرام سے قبل ایسی خوشبو لگانا کہ احرام کے بعد اس کا اثر باقی رہے مکروہ ہے۔ یہی قول امام محمد بن الحسن، امام طحاوی، ابن عمر، عمرؓ اور عثمان بن عفانؓ کا بھی ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے رمی جمار، ذبح، حلق کے بعد طواف زیارت سے پہلے خوشبو لگالی تو حدیث الباب کے تحت یہ لگانا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا ہے اور یہی فقہاء مدینہ کا قول ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک جس طرح طواف زیارت سے پہلے جماع کرنا جائز نہیں اسی طرح خوشبو کا استعمال بھی جائز نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: ان حضرات کا استدلال اس روایت سے بھی ہے جو امام طحاویؒ نے نقل کی ہے " عن ام قیس بنت محصن قالت: دخل علی عکاشة بن محصن و آخر فی منیٰ مساء یوم الاضحی فنزعا ثیابهما و ترکا الطیب فقلت مالکما، فقال: ان رسول الله ﷺ قال لنا: من لم یفض الی البیت من عشیة هذه فلیدع الثیاب والطیب " (شرح معانی الآثار جلد ۱ ص ۳۵۶)

جواب: اس میں ایک راوی متکلم فیہ ہے جو کہ ابن لہیعہ ہے اور یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب سے ہے " عن عائشة قالت طیبت رسول الله ﷺ قبل أن یحرم و یوم النحر قبل أن یطوف بالبیت بطیب فیه مسك "۔

دلیل ثانی: شرح معانی الآثار میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے " قال رسول الله ﷺ اذا رمیتم و حلقتم و قد احل لکم الطیب والثیاب و کل شئ الا النساء " (جلد ۱ ص ۴۲۳ باب اللباس و الطیب متی یحلان للمحرم)

سوال: اس روایت میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے جو متکلم فیہ ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں کرسکتے۔

جواب: حجاج بن ارطاۃ اکثر محدثین کے نزدیک قابل قبول ہیں اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

دلیل ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی جمہور حضرات کا استدلال ہے وہ فرماتے ہیں: " اذا رمیتم الجمرة فقد حل لکم کل شیءٍ الا النساء فقال له رجل والطیب فقال اما انا فقد رأیت رسول الله ﷺ یضمخ رأسه بالمسك افطیب هو " (شرح معانی الآثار جلد اول ص ۴۲۳ باب اللباس و الطیب متی یحلان للمحرم)

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ حَلَّ ۔۔۔۔ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ: اہل کوفہ سے مراد امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب نہیں کیونکہ اس باب میں احناف کا مسلک جمہور کے مطابق ہے یعنی حلال کل شیءٍ الا النساء۔

وهو قول اهل الکوفة اس عبارت کا تعلق کون سے مسئلہ سے ہے؟ امام ترمذیؒ کے قول کے مطابق اس کا تعلق دوسرے مسئلہ کے ساتھ ہے جبکہ اس کے تحت معارف السنن میں امام محمدؒ کی پہلے مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى يُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْحَجِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَرْدَفَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَمْعٍ إِلَى مِنًى فَلَمْ يَزَلْ يُلَبِّي حَتَّى رَمَى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْفَضْلِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْحَاجَّ لَا يَقْطَعُ التَّلْبِيَةَ حَتَّى يَرْمِيَ الْجَمْرَةَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

حضرت فضل بن عباس سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزدلفہ سے منیٰ تک مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھالیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے تک لبیک کہتے رہے۔اس باب میں حضرت علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر اہل علم صحابہ وتابعین کا عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ حاجی کو تلبیہ پڑھنا اسی وقت چھوڑ نا چاہیے جب جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: حج کا تلبیہ کب ختم کرے گا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: جمہور حضرات کا اس بارے میں مسلک یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی تک حج میں تلبیہ جاری رہتا ہے۔امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ وتابعین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، حسن بصریؒ اور سعید بن المسیبؒ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ حاجی جب عرفات روانہ ہو تو وہ تلبیہ ختم کردے اور بعض حضرات سے منقول ہے کہ وقوف عرفہ کرے تو تلبیہ ختم کردے۔

امام مالکؒ کی دلیل: طحاوی شریف میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''انه قال كنت ردف رسول الله ﷺ عرفة فكان لا يزيد على التكبير والتهليل'' (شرح معانی الآثار جلد اول ص ۳۵۳)

جواب اوّل: یہ روایت تلبیہ کی نفی اور اس کے وقت کے ختم ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

جواب ثانی: جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تلبیہ کی نفی کی روایات موجود ہیں ان میں زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دوسرے اذکار میں مشغول ہونے کی وجہ سے تلبیہ چھوڑ دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس وقت تلبیہ کی مشروعیت کے قائل نہیں تھے اس لئے کہ تلبیہ کے باوجود دوسرے اذکار پڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔

اجماع کی دلیل: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مزدلفہ کی صبح تک تلبیہ پڑھتے تھے۔ ''بحضور ملأ من الصحابة' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر جماعت کی موجودگی میں ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی کوئی اعتراض یا نکیر نہیں کی۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کیا اس پر بھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ان صحابہ میں سے بعض آفاقی تھے بعض شام سے آئے ہوئے تھے اور بعض عراق سے اور بعض یمن اور مصر سے آئے ہوئے تھے۔پس اس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا اس کی کسی نے

مخالفت نہیں کی۔ (کمافی العمدۃ جلد ۴ ص ۷۰۰)

مسئلہ: جمرہ عقبہ کی کون سی کنکری پر تلبیہ ختم کریں گے؟ جمہور حضرات کا ہے پھر آپس میں اختلاف ہو گیا ہے کہ کون سی کنکری مارنے پر تلبیہ ختم کریں گے۔

قول اول: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، ابوثورؒ کے نزدیک جمرہ عقبہ کی پہلی کنکری مارنے پر تلبیہ ختم کریں گے۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک جمرہ عقبہ کی رمی مکمل کرنے تک تلبیہ جاری رہے گا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: صحیح ابن خزیمہ میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "فلم یزل یلبی حتی رمی جمرة العقبة یکبر مع کل حصاة ثم قطع التلبية مع آخر حصاة"۔

جواب: امام بیہقیؒ نے کہا کہ یہ زیادتی غریب ہے۔ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات میں یہ زیادتی ثابت نہیں۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں "یکبر مع کل حصاة" یہ جملہ اس بات پر بھی تو دلالت کرتا ہے کہ تلبیہ پہلی کنکری پر ختم کر دیا ہو۔ وهذا ظاهر لا يخفى۔

جمہور حضرات کی دلیل اول: سنن بیہقی کی روایت حضرت عبداللہ کی سند کے ساتھ مروی ہے "رمقت النبي ﷺ فلم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة باول حصاة"۔

دلیل ثانی: طحاوی شریف میں عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت ہے فرماتے ہیں: "حججت مع عبد الله فلما افاض الى جمع جعل يلبي"

دلیل ثالث: حضرت فضل بن العباس کی حدیث الباب مستدل ہے "قال اردفني رسول الله ﷺ من جمع الى منى فلم يزل يلبي حتى رمى جمرة العقبة"۔

بَابُ مَا جَاءَ مَتَى تُقْطَعُ التَّلْبِيَةُ فِي الْعُمْرَةِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ يَرْفَعُ الْحَدِيثَ أَنَّهُ كَانَ يُمْسِكُ عَنِ التَّلْبِيَةِ فِي الْعُمْرَةِ إِذَا اسْتَلَمَ الْحَجَرَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا لَا يَقْطَعُ الْمُعْتَمِرُ التَّلْبِيَةَ حَتَّى يَسْتَلِمَ الْحَجَرَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا انْتَهَى إِلَى بُيُوتِ مَكَّةَ قَطَعَ التَّلْبِيَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرے میں تلبیہ سے اس وقت رُکتے تھے جب حجر اسود کو بوسہ دیتے۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباسؓ صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ عمرے میں تلبیہ اس وقت تک ختم نہ کرے جب تک حجر اسود کو بوسہ نہ دے لے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب مکہ کی آبادی میں پہنچ جائے تو تلبیہ ترک کر دے لیکن عمل رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر ہی ہے حضرت سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ:** عمرہ کرنے والا کب تلبیہ ختم کرے گا؟ امام ترمذیؒ نے پہلے حج کرنے والے کے تلبیہ کا ذکر کیا اب یہاں سے عمرہ کے تلبیہ کا ذکر کررہے ہیں۔

قول اوّل: امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام اسحاقؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ عمرے میں استلام حجر کے ساتھ تلبیہ ختم کرے گا۔ مذہب شافعیؒ کی کتب میں لکھا ہے کہ طواف کے شروع میں تلبیہ منقطع کرے گا۔ اس صورت میں امام شافعیؒ کے پہلے اور دوسرے قول میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا کیونکہ طواف کی ابتدا کے ساتھ ہی استلام حجر ہوتا ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر آدمی نے عمرے کا احرام میقات سے باندھا ہے تو حدود حرم میں پہنچنے پر تلبیہ منقطع کرے گا اور جنہوں نے احرام مسجد عائشہ یعنی تنعیم سے باندھا ہے تو ایک قول کے مطابق مکہ کے مکانات پر تلبیہ ختم کرے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ مسجد حرام میں پہنچنے پر تلبیہ ختم کرے گا۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال یرفع الحدیث کان یمسك عن التلبیة فی العمرة اذا استلم الحجر“۔

دلیل ثانی: ”اعتمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث عمر کلھا فی ذی قعدة یلبی حتی یستلم الحجر“۔

امام مالکؒ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے: ”سأل عطاء متی یقطع معتمر التلبیة فقال ابن عمر اذا دخل الحرم“۔

جواب: یہ حدیث موقوف ہے جو مرفوع حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَوَافِ الزِّيَارَةِ بِاللَّيْلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَّرَ طَوَافَ الزِّيَارَةِ إِلَى اللَّيْلِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَنْ يُؤَخَّرَ طَوَافُ الزِّيَارَةِ إِلَى اللَّيْلِ وَاسْتَحَبَّ بَعْضُهُمْ أَنْ يَزُورَ يَوْمَ النَّحْرِ وَوَسَّعَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُؤَخَّرَ وَلَوْ إِلَى آخِرِ أَيَّامِ مِنًى.

حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی۔ امام ابو عیسی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی اجازت دی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نحر کے دن طواف زیارت کرنا مستحب ہے بعض علماء نے منیٰ میں قیام کے آخر تک بھی طواف زیارت کی اجازت دی ہے۔

تشریح: حدیث الباب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت رات کے وقت کیا۔ طواف زیارت کا نام طواف افاضہ، طواف رکن، طواف فرض بھی ہے۔

حدیث الباب کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت رات کے وقت کیا یہ روایت دوسری روایات کے معارض ہے۔ مسلم شریف میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور مسلم و ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

مروی ہے ''تدل علی انه ﷺ أفاض یوم النحر نهارًا'' کہ آپ ﷺ نے طواف افاضہ دن کے وقت کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''ان رسول الله ﷺ افاض یوم النحر ثم صلی الظهر بمنی''۔ مسلم شریف میں حدیث جابر کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ''ثم رکب رسول الله ﷺ فأفاض الی البیت فصلی بمکة الظهر''۔ (جلد ۱ ص ۳۹۹)

سنن ابوداؤد میں حدیث عائشہؓ کے الفاظ اس طرح ہیں ''افاض رسول الله ﷺ من آخر یومه حین صلی الظهر ثم رجع الی منی'' (معارف السنن جلد ۶ ص ۲۹۹) یہ تمام روایات حدیث الباب کے معارض ہیں۔ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

اوّل: دن والی روایات وہ اصح اور اثبت ہیں۔ اور صحیحین کی احادیث ہیں۔

ثانی: حدیث الباب میں طواف سے مراد ایام نحر کے بقیہ ایام کا طواف ہے جبکہ دوسری احادیث میں طواف افاضہ سے مراد یوم النحر والا طواف ہے۔

ثالث: یا حدیث الباب زوال کے بعد تاخیر پر محمول ہے یہ تاویل بعید ہے۔

رابع: بعض نے کہا کہ طواف زیارت سے مراد نفلی طواف ہے اور ابن حبان کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے دس تاریخ کو دن میں طواف زیارت فرمانے کے بعد اسی رات میں نفلی طواف بھی کیا اور بھی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ منیٰ کی راتوں میں بیت اللہ شریف تشریف لے جاتے اور نفل طواف کرتے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ نفلی طواف کو طواف زیارت کیسے کہہ دیا؟

جواب: بعض نے کہا کہ یہاں ''اخّر'' سے مراد اذن بالتاخیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے طواف زیارت رات کے وقت کرنے کی اجازت دی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے خود رات کے وقت طواف زیارت کیا۔

اس کے بعد اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ ظہر کی نماز یوم النحر کے دن مکہ میں ادا کی گئی یا منیٰ میں۔ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں'' فافاض الی البیت فصلی بمکة الظهر'' کہ آپ ﷺ نے یوم النحر کے دن ظہر کی نماز مکہ میں پڑھی۔ اس کے برخلاف ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''انه ﷺ أفاض یوم النحر ثم رجع فصلی الظهر بمنی'' کہ آپؐ نے یوم النحر کے دن ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی۔ ان دونوں احادیث میں تعارض ہو گیا تو بعض نے ترجیح کا راستہ اختیار کیا ہے اور بعض حضرات نے جمع اور تطبیق کا راستہ اختیار کیا ہے۔ محدثین حضرات نے ان دونوں احادیث کی چار وجوہ لکھی ہیں۔

اوّل: ایک حدیث میں حضرت جابرؓ اکیلے ہیں جبکہ دوسری حدیث میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ ہیں والاثنان اولی من واحد۔

ثانی: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اخص الناس ہیں اور ان کو آپ ﷺ کا قرب بھی حاصل تھا اور آپ ﷺ کی بیویوں میں سب سے خاص تھیں اس لئے ان کی بات معتبر ہوگی۔

باب ما جاء في نزول الأبطح

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ يَنْزِلُونَ الْأَبْطَحَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَأَبِي رَافِعٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ وَقَدِ اسْتَحَبَّ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ نُزُولَ الْأَبْطَحِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَرَوْا ذٰلِكَ وَاجِبًا إِلَّا مَنْ أَحَبَّ ذٰلِكَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَنُزُولُ الْأَبْطَحِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اسحاق بن منصور، عبدالرزاق، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وادی ابطح میں اترتے تھے اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اسے صرف عبدالرزاق کی عبیداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے پہچانتے ہیں بعض اہل علم کے نزدیک وادی ابطح میں ٹھہرنا مستحب ہے واجب نہیں۔امام شافعی فرماتے ہیں کہ وادی ابطح میں اترنا حج کے افعال میں سے نہیں ہے یہ ایک مقام ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترتے تھے (عادت کے طور پر نہ کہ عبادتاً)۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَيْسَ التَّحْصِيبُ بِشَيْءٍ إِنَّمَا هُوَ مَنْزِلٌ نَزَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى التَّحْصِيبُ نُزُولُ الْأَبْطَحِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابن ابی عمر، سفیان، عمرو بن دینار، عطاء، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تحصیب کوئی (لازمی) چیز نہیں وہ تو ایک منزل ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تحصیب کا مطلب وادی ابطح میں اترنا ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قوله المحصب :اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سنگریزے بہت ہوں لیکن اب ایک معین جگہ کا نام ہے جو منیٰ کے متصل ہے اس جگہ کو محصب کے علاوہ ابطح ،بطحاء اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں یہ سب ایک جگہ کے مختلف نام ہیں اس وادی میں یا اس جگہ میں ٹھہرنا سب علماء کے نزدیک مستحب ہے۔

مسئلہ: مقام محصب میں ٹھہرنے کا کیا حکم ہے۔اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یہ ہے کہ محصب میں ٹھہرنا مسنون نہیں ہے۔

قول ثانی: جمہور علماء کے نزدیک محصب میں ٹھہرنا مسنون ہے۔

قول اوّل کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''**لیس المحصب بشیء وانماھو منزل نزل به النبی ﷺ لیکون اسمح لخروجه**''۔ اسی طرح کی روایت آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آ رہی ہے۔

قول ثانی کی دلیل: آپ ﷺ نے جب منیٰ میں روانگی کا ارادہ فرمایا تو یہی کہا کہ "**نحن نازلون غدا ان شاء الله بخيف بني كنانة**"۔

دوسری دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "**ان ابابکر وعمر کانوا ینزلون المحصب**"۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کو سنت قرار دیتے ہیں۔

تیسری دلیل: حدیث انس رضی اللہ عنہ ہے ''قال فاین صلی العصر یوم النفر قال بالابطح''۔ ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول محصب اتفاقی نہیں تھا بلکہ بحیثیت نسک اختیاری تھا لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے زیادہ راجح ہوگا۔

وادی محصب میں ٹھہرنے کی حکمت: چونکہ اس مقام پر قریش نے بنوہاشم سے سوشل بائیکاٹ کا حلف اٹھایا تھا اور اپنے کفر کا اظہار کیا تھا آپ ﷺ نے نزول فرما کر اللہ کی اس نعمت کو ظاہر کیا اور یہ بتلا دیا کہ کفار کا مذہب باطل تھا اور اللہ نے اپنے دین کو سربلند کیا ہے۔ (مرقاۃ ج ۵ ص ۳۷۰)

بَاب مَا جَاءَ فِي حَجِّ الصَّبِيِّ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ رَفَعَتِ امْرَأَةٌ صَبِيًّا لَهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ أَلِهَذَا حَجٌّ قَالَ نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت ایک بچے کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس کا بھی حج صحیح ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں اور ثواب تجھے ملے گا، اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث غریب ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا قَزَعَةُ بْنُ سُوَيْدٍ الْبَاهِلِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

قتیبہ، قزعہ بن سوید باہلی سے وہ محمد بن منکدر سے اور وہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اس کے مثل روایت کرتے ہیں اور تحقیق روایت کی گئی ہے حضرت محمد بن منکدر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً بھی روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ حَجَّ بِي أَبِي مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل، محمد بن یوسف، سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ والد نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کیا میں بھی ان کے ساتھ تھا اس وقت میری عمر سات سال تھی، امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ

صَحِيحٌ وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ الصَّبِيَّ إِذَا حَجَّ قَبْلَ أَنْ يُدْرِكَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ إِذَا أَدْرَكَ لَا تُجْزِئُ عَنْهُ تِلْكَ الْحَجَّةُ عَنْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ وَكَذَلِكَ الْمَمْلُوكُ إِذَا حَجَّ فِي رِقِّهِ ثُمَّ أُعْتِقَ فَعَلَيْهِ الْحَجُّ إِذَا وَجَدَ إِلَى ذَلِكَ سَبِيلًا وَلَا يُجْزِئُ عَنْهُ مَا حَجَّ فِي حَالِ رِقِّهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ

اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر اجماع ہے کہ نابالغ بچے کا حج کر لینے سے فرض ساقط نہیں ہوتا اسی طرح غلام کا بھی حالت غلامی میں کیا ہوا حج کافی نہیں اسے آزاد ہونے کے بعد دوسرا حج کرنا ہوگا۔ سفیان ثوری شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَعِيلَ الْوَاسِطِيُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ نُمَيْرٍ عَنْ أَشْعَثَ بْنِ سَوَّارٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا إِذَا حَجَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا نُلَبِّي عَنِ النِّسَاءِ وَنَرْمِي عَنِ الصِّبْيَانِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا يُلَبِّي عَنْهَا غَيْرُهَا بَلْ هِيَ تُلَبِّي عَنْ نَفْسِهَا وَيُكْرَهُ لَهَا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالتَّلْبِيَةِ

محمد بن اسماعیل واسطی، ابن نمیر، اشعث بن سوار، ابوزبیر، جابر سے روایت ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج کرتے تو عورتوں کی طرف سے تلبیہ (لبیک) کہتے اور بچوں کی طرف سے کنکریاں مارتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اہل علم کا اسی پر اجماع ہے کہ عورت کی طرف سے کوئی دوسرا تلبیہ (لبیک) نہ کہے بلکہ وہ خود کہے لیکن اس کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔

تشریح: قولہ فقالت الھذا حج قال نعم: اس حدیث کے تحت نابالغ کے حج کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے

مسئلہ: نابالغ بچے کا حج معتبر ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نابالغ کا حج معتبر ہے اس کو ثواب بھی ملے گا لیکن بلوغت کے بعد اگر اس پر حج کی استطاعت آ گئی تو مذکورہ حج کافی نہیں ہوگا بلکہ دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بچے کے حج کا کوئی اعتبار نہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے صحیح قول ان کا جمہور والا ہے البتہ ثواب اس کے والدین کو ملے گا اور اس حدیث میں آپ ﷺ نے نعم فرمایا اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ لڑکا اگرچہ نابالغ ہے اور اس پر حج فرض نہیں ہے لیکن اگر حج میں جائے گا تو اسے نفلی حج کا ثواب ملے گا اور چونکہ یہ عورت اس بچے کو حج کے آداب سکھلائے گی اس کی خبر گیری کرے گی تو یہ عورت اس کے حج کا سبب بنی اس لئے اس کو بھی ثواب ملے گا۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس قول کی نسبت درست نہیں کیونکہ امام صاحب کا مذہب یہ ہے کہ صبی کا حج صحیح ہے اور اس کا احرام منعقد ہو جاتا ہے البتہ اگر وہ محظورات احرام میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرلے تو صبی یا ولی کسی پر بھی دم وغیرہ واجب نہیں۔

پھر اگر صبی ممیز ہے تو وہ خود مناسک حج ادا کرے گا اور اگر غیر ممیز ہے تو اس کے لئے ولی کی نیت اور اس کا تلبیہ کافی ہوگا یعنی ولی اس کی طرف سے نیابت کرے گا۔ اور احرام کی ابتداء میں اس کے سلے ہوئے کپڑے اتار کر ازار اور رداء پہنائے گا۔

اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ بچہ کا یہ حج نفلی ہوگا جس کا ثواب اس کے ولی کو ملے گا اور بالغ ہونے کے بعد اس کو فریضہ حج ادا کرنا پڑے گا بلوغت سے پہلے ادا کیا ہوا حج فرض حج کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

اگر بچہ نے بلوغت سے پہلے احرام باندھا پھر وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہوگیا اور اس نے حج مکمل کرلیا تو احناف کے نزدیک اس کو فریضہ حج مستقلاً ادا کرنا ہوگا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اسی حج سے وہ فریضہ سے سبکدوش ہو جائے گا اسی طرح اگر وہ وقوف عرفہ سے پہلے پچھلا احرام کھول کر دوسرا احرام باندھ لے اور پھر وقوف عرفہ کرلے تو حنفیہ کے نزدیک بھی اس کا فریضہ حج ادا ہو جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْحَجِّ عَنِ الشَّيْخِ الْكَبِيرِ وَالْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمٍ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللهِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَسْتَوِيَ عَلَى ظَهْرِ الْبَعِيرِ قَالَ حُجِّي عَنْهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَبُرَيْدَةَ وَحُصَيْنِ بْنِ عَوْفٍ وَأَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ وَسَوْدَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَيْضًا عَنْ سِنَانِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْجُهَنِيِّ عَنْ عَمَّتِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ فَقَالَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا مَا رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُحَمَّدٌ وَيُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد پر حج فرض ہے اور وہ بہت بوڑھے ہیں اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ بھی نہیں سکتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم ان کی طرف سے حج کرلو۔ اس باب میں حضرت علی، بریدہ، حصین بن عوف، ابورزین عقیلی، سودہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی بواسطہ حصین بن عوف مزنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بواسطہ سنان بن عبداللہ جہنی بواسطہ ان کی پھوپھی مرفوعاً مروی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ مرفوعاً بھی مروی ہے امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے ان روایات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اس باب میں اصح روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث

ابْنُ عَبَّاسٍ سَمِعَهُ مِنَ الْفَضْلِ وَغَيْرِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَوَى هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرْسَلَهُ وَلَمْ يَذْكُرِ الَّذِي سَمِعَهُ مِنْهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ غَيْرُ حَدِيثٍ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَبِهٖ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ يَرَوْنَ أَنْ يُحَجَّ عَنِ الْمَيِّتِ وَقَالَ مَالِكٌ إِذَا أَوْصٰى أَنْ يُحَجَّ عَنْهُ حُجَّ عَنْهُ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُحَجَّ عَنِ الْحَيِّ إِذَا كَانَ كَبِيرًا أَوْ بِحَالٍ لَا يَقْدِرُ أَنْ يَحُجَّ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ.

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر مرسلاً روایت کی ہو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی کئی احادیث صحیح ہیں اسی حدیث پر صحابہ وتابعین کا عمل ہے۔ حضرت سفیان ثوری ابن مبارک شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ میت کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر میت نے مرنے سے پہلے حج کرنے کی وصیت کی تھی تو اس کی طرف سے حج کیا جائے بعض علماء نے زندہ کی طرف سے بھی حج کرنے کی اجازت دی ہے جب کہ وہ بوڑھا ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ حج نہ کرسکتا ہو ابن مبارکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: أَدْرَكَتْهُ فَرِيضَةُ اللّٰهِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ

مسئلہ: شیخ فانی پر حج فرض ہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور اکثر مشائخ کے نزدیک شیخ فانی پر حج فرض ہے اگر خود نہیں کرسکتا تو دوسرے سے حج کروائے یا وصیت کرے ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کی بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شیخ فانی پر حج فرض نہیں ہے اور یہی قول صحیح اور راجح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: ''ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا'' یہاں حج کیساتھ استطاعت کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ عدم استطاعت کی حالت کے باوجود آپؐ نے اس کی طرف سے حج کرنے کا حکم دیا۔

جواب: ان پر حج کی فرضیت عاجز ہونے سے پہلے کی تھی جس کا ادا کرنا ان پر ضروری تھا اس لئے یہ ارشاد فرمایا یا ''**بعد العجز**'' یہ صاحب نصاب ہوا تو بطور نفل ادا کرنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ ضرور ادا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا فرضیت ثابت نہیں ہوئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی طرف سے حج بدل ہوجاتا ہے۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی طرف سے حج ادا کرسکتی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ عورت مرد کی طرف سے حج ادا نہیں کرسکتی۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ عورت حالت احرام میں وہ لباس پہنتی ہے جو مرد نہیں پہنتا۔ امام مالکؒ، امام احمدؒ کے نزدیک حج زندہ کی طرف سے جائز نہیں خواہ عاجز ہونے سے پہلے یا عاجز ہونے کے بعد مال حاصل ہو۔ (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۲۱۵)

مسئلہ: استطاعت بدنی نفس وجوب کے لئے شرط ہے یا وجوب ادا کے لئے؟ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک نفس وجوب کے لئے شرط ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اتنا بوڑھا ہے کہ وہ سواری پر بیٹھ نہیں سکتا اور ارکان حج ادا کرنے پر قادر نہیں ہے اس کے پاس حج کے لئے زادوراحلہ موجود ہے تو اس پر حج کرنا یا حج بدل کرانا یا حج کی وصیت کرنا فرض نہیں کیونکہ جب اس میں حج ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں تو اس پر حج فرض ادا کرنا تکلیف مالا یطاق ہے ہاں اگر اس کو استطاعت مالی کے ساتھ ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل تھی مگر حج میں تاخیر کی یہاں تک کہ اس کی طاقت اور قدرت ختم ہو گئی تو بالاتفاق اس پر حج فرض ہے اگر خود نہ کر سکے تو حج بدل کرائے یا وصیت کرے۔

قول ثانی: جبکہ صاحبین کے نزدیک استطاعت بدنی وجوب ادا کے لئے شرط ہے نفس وجوب کے لئے شرط نہیں۔ لہٰذا جسے استطاعت مالی کے ساتھ استطاعت بدنی بھی حاصل ہو اس پر تو خود حج کرنا فرض ہے۔ وہ حج بدل نہیں کرا سکتا لہٰذا جسے استطاعت بدنی حاصل نہیں اور زادوراحلہ کا مالک ہو تو اس پر حج بدل کرانا یا وصیت کرنا ضروری ہے۔ اور حدیث الباب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سائلہ کے باپ پر شیخ کبیر ہونے کی حالت میں حج فرض ہوا ہے۔ پس اس میں صاحبین کے قول کی تائید ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ حج فرض ہونے کے بعد شیخ فانی ہو گیا ہو پس وہ جمہور کے موافق ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث چار طرق سے مروی ہے۔ ① حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے طریق سے۔ ② حصین بن عوف رضی اللہ عنہ کے طرق سے۔ ③ سنان بن عبداللہ اور ان کی پھوپھی کے طریق سے۔ ④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ امام بخاریؒ سے دریافت کیا کہ کون سی سند صحیح ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ والی روایت اصح ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان میں کیا گیا تھا اس وقت حضرت فضل رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف بھی تھے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو سامان کے ساتھ مزدلفہ بھیج دیا گیا تھا لیکن امام بخاریؒ نے دوسری اسانید کو بھی صحیح کہا ہے کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت حصین بن عوف رضی اللہ عنہ اور ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کی پھوپھی سے بھی سنی ہو پھر کبھی مرسل کی ہو یعنی درمیان کے واسطوں کو حذف کر کے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی ہو۔

بَاب مِنْهُ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنْ أَبِي رَزِينٍ الْعُقَيْلِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ أَبِي شَيْخٌ كَبِيرٌ لَا يَسْتَطِيعُ الْحَجَّ وَلَا الْعُمْرَةَ وَلَا الظَّعْنَ قَالَ حُجَّ عَنْ أَبِيكَ وَاعْتَمِرْ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا ذُكِرَتْ الْعُمْرَةُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ

حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد بہت بوڑھے ہیں نہ حج کر سکتے ہیں نہ عمرہ اور نہ سواری پر بیٹھنے کے قابل ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے باپ کی طرف سے حج اور عمرہ کر لو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرے کا ذکر صرف اسی حدیث میں ہے

أَنْ يَعْتَمِرَ الرَّجُلُ عَنْ غَيْرِهِ وَأَبُو رَزِينٍ الْعُقَيْلِيُّ اسْمُهُ لَقِيطُ بْنُ عَامِرٍ

کہ کسی دوسرے کی طرف سے بھی عمرہ کیا جاسکتا ہے ابو رزین عقیلی کا نام لقیط بن عامر ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَطَاءٍ قَالَ و حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمِّي مَاتَتْ وَلَمْ تَحُجَّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا قَالَ وَهَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ

عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میری ماں فوت ہوچکی ہیں انہوں نے حج نہیں کیا۔کیا میں ان کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں تم ان کی طرف سے حج کرو، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ماقبل باب میں شیخ کبیر کی طرف سے حج کرنے کا ذکر کیا ہے اب یہاں سے عمرہ کرنے کا ذکر کررہے ہیں۔کہ اگر کوئی شخص غیر کی طرف سے عمرہ کرنا چاہتا ہے تو اس میں معذور ہونے کی شرط نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ عمرہ فرض نہیں جب زندہ کی طرف سے عمرہ کیا جاتا ہے تو میت کی طرف سے بطریق اولیٰ عمرہ کیا جاسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ أَمْ لَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْعُمْرَةِ أَوَاجِبَةٌ هِيَ قَالَ لَا وَأَنْ يَعْتَمِرُوا هُوَ أَفْضَلُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا الْعُمْرَةُ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَكَانَ يُقَالُ هُمَا حَجَّانِ الْحَجُّ الْأَكْبَرُ يَوْمُ النَّحْرِ وَالْحَجُّ الْأَصْغَرُ الْعُمْرَةُ و قَالَ الشَّافِعِيُّ الْعُمْرَةُ سُنَّةٌ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَخَّصَ فِي تَرْكِهَا وَلَيْسَ فِيهَا شَيْءٌ ثَابِتٌ بِأَنَّهَا تَطَوُّعٌ قَالَ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرے کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا عمرہ واجب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اگر تم عمرہ کرو تو بہتر ہے (یعنی افضل ہے) امام ابوعیسیٰ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض علماء کا یہی قول ہے کہ عمرہ واجب نہیں اور کہا جاتا ہے کہ حج کی دو قسمیں ہیں حج اکبر جو قربانی کے دن یعنی دس ذوالحجہ کو ہوتا ہے اور دوسرا حج اصغر یعنی عمرہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں عمرہ سنت ہے ہم نہیں جانتے کہ کسی نے اسکے ترک کی اجازت دی ہو اور نہ ہی اسکے نفل ہونے کے متعلق کوئی روایت ثابت ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ ایک روایت اسی طرح کی ہے لیکن ضعیف ہے اس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ضَعِيفٌ لَا تَقُومُ بِمِثْلِهِ الْحُجَّةُ سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابن وَقَدْ بَلَغَنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ يُوجِبُهَا عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ اسے واجب کہتے تھے۔

تشریح: **مسئلہ:** عمرہ سنت ہے یا واجب؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابو ثورؒ، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ عمرہ واجب ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابن عباسؓ اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی مسلک ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کا قول زرقانیؒ نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک عمرہ سنت مؤکدہ ہے۔

قول ثالث: احناف کے نزدیک دو قول ہیں ایک قول محمد بن الفضل کا ہے جو مشائخ بخارا میں سے ہیں ان کا مسلک یہ ہے کہ عمرہ فرض کفایہ ہے۔ احناف میں سے صاحب بدائع کا قول یہ ہے کہ عمرہ ہمارے اصحاب کے نزدیک واجب ہے جیسے صدقۃ الفطر، عید الاضحی، اور صلوٰۃ وتر، لیکن صحیح اور راجح یہ ہے کہ عمرہ سنت ہے واجب نہیں اور سنت بھی سنن مؤکدہ میں سے ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: آیت قرآنی ہے " واتموا الحج والعمرة لله " یہاں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کو مستلزم ہے۔

جواب: آیت مذکورہ میں عمرہ کو پورا کرنے کا ذکر ہے ابتداء وجوب کا ذکر نہیں ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شروع کر دو تو عمرہ لازم ہو جاتا ہے اور اس کا اتمام ضروری ہے۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور کامل ابن عدی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انه عليه السلام قال الحج والعمرة فريضتان واجبتان"۔

جواب: اس میں پہلی حدیث موقوف علی ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے اور دوسری روایت میں ابن لہیعہ ضعیف راوی ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ و مالکیہؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے " سئل النبي صلى الله عليه وسلم اعن العمرة واجبة هي قال لا وان تعتمر افضل " اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو دارقطنی نے ضعیف کہا ہے مگر امام ترمذیؒ اس حدیث کو صحیح حسن قرار دے رہے ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے " الحج فريضة والعمر تطوع " ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے۔

مسئلہ: ایک سے زائد عمرہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے

قول اوّل: پھر احناف کے نزدیک عمرہ زندگی میں ایک بار سنت مؤکدہ ہے اور تکثیر عمرہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پانچ دنوں یوم عرفہ، یوم النحر، ایام تشریق کے تین دن گیارہواں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پانچ ایام میں سے یوم النحر میں مکروہ نہیں البتہ بقیہ چار میں مکروہ ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے نزدیک سال میں ایک سے زائد عمرہ مکروہ ہے۔

قول ثالث: شوافع حضرات کے نزدیک ایک سال میں تکثیر عمرہ میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحب ہے۔

قول رابع: امام احمدؒ کا مسلک بھی یہی ہے البتہ اثرم نے ایک روایت نقل کی ہے ''ان شاء اعتمر فی کل شهر فصل ولا بأس أن یعتمر فی السنة مراراً''۔

باب مِنْهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنْ لَّا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَهٰكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا لَا يَعْتَمِرُونَ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ فَلَمَّا جَاءَ الْإِسْلَامُ رَخَّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ قَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ يَعْنِي لَا بَأْسَ بِالْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَأَشْهُرُ الْحَجِّ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرٌ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ لَا يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُهِلَّ بِالْحَجِّ إِلَّا فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ وَأَشْهُرُ الْحُرُمِ رَجَبٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عمرہ قیامت تک حج میں داخل ہوگیا۔ اس باب میں حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث حضرت ابن عباسؓ حسن ہے اس کا معنی یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دور جاہلیت کے لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرتے تھے جب اسلام آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی اجازت دی اور فرمایا قیامت تک عمرہ حج میں داخل ہوگیا یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں حج کے مہینے شوال، ذوالقعد اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں حج کے لئے احرام باندھنا انہی چار مہینوں میں جائز ہے پھر حرمت کے مہینے رجب ذوالقعدہ، ذوالحج اور محرم ہیں متعدد راوی علماء صحابہ وغیرہ سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث الباب کا مطلب کیا ہے؟ اس بارے میں جمہور حضرات کی دو رائے ہیں۔

① اشہر حج میں عمرہ درست ہے گویا اہل جاہلیت کے عقیدہ کی تردید مقصود ہے جو یہ کہتے تھے کہ اشہر حج میں عمرہ جائز نہیں۔ اشہر حج شوال ذی قعدہ اور ذوالحجہ کے دس ایام ہیں۔

② اس میں جواز قران کو بیان کیا گیا ہے تقدیری عبارت یہ ہوگی ''دخلت العمرة فی افعال الحج الی یوم القیامة'' یعنی عمرہ کے افعال کو حج کے ساتھ ملا کر اس طرح ادا کیا جائے کہ حج قران کی صورت پیدا ہو جائے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ''سقوط العمرة و دخولها فی الحج'' یعنی عمرہ واجب نہیں ہے۔

لیکن علامہ نوویؒ نے اس تاویل کو ضعیف کہا ہے۔

بعض حضرات نے اس کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس میں جواز ''فسخ الحج الی العمرۃ'' بیان کیا گیا۔ امام نوویؒ نے اس تاویل کو ضعیف کہا ہے۔

بَاب مَا ذُكِرَ فِي فَضْلِ الْعُمْرَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ تُكَفِّرُ مَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مقبول کا ثواب جنت ہی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے اس باب میں عمرہ کی فضیلت کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے یہ حدیث صحیحین میں متفق علیہ ہے پھر امام ترمذیؒ نے اس باب میں اسی پر اکتفا کیا ہے کیونکہ ماقبل باب ''باب ما جاء فی ثواب الحج والعمرۃ'' کتاب الحج کا دوسرا باب بھی عمرہ کی فضیلت میں ہے۔ یہاں پر امام ترمذیؒ نے ان چھ احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے ان چھ احادیث کی تخریج حافظ بدر الدین عینیؒ نے عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۵ میں بھی ذکر کی ہے۔

تُكَفِّرُ مَا بَيْنَهُمَا: شیخین نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ''کفارۃ لما بینھما'' ابن عبد البرؒ نے ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں کبائر نہیں ہوتے۔

وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ: حج مبرور سے مراد مقبول حج ہے۔ حج مبرور کی مختلف تفسیریں ہیں جن کا ذکر ابواب الحج کے شروع میں گزر چکا ہے یہاں اجمالاً بیان کیا جاتا ہے۔ ① فقيل هو الذى لا يخالطه شئ من مأثم ورجحه النووى ② و قيل مالا رياء فيه ولا سمعة ولا رفث ولا فسوق. ③ وقيل مالم يتعقبه معصية۔

حج مبرور کے متعلق تفسیر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے امام احمدؒ کی مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج مبرور کے بارے میں پوچھا گیا کہ حج میں نیکی کیا ہے فرمایا ''افشاء السلام و الطعام'' اور ایک روایت میں ''افشاء السلام'' کے الفاظ کے ساتھ ''طیب الکلام'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اور ایک روایت میں ''لین الکلام'' یعنی نرم الفاظ بھی آئے ہیں۔

لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ: اس پر جزاء یہی ہے کہ گناہوں کا مٹانا اور جنت میں داخل کرنا۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ العرف الشذی میں یہ باب مذکور نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ التَّنْعِيمِ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ أَنْ يُعْمِرَ عَائِشَةَ مِنَ التَّنْعِيمِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کو حکم دیا کہ حضرت عائشہؓ کو تنعیم سے عمرے کے لئے احرام بندھوالاؤ۔ امام ابو عیسیٰ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: جو شخص مکہ میں رہتا ہو اور وہ عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہو تو وہ کہاں سے عمرہ کا احرام باندھے اس پر بعض حضرات حدیث الباب کو سامنے رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا میقات تنعیم ہے۔ یعنی وہ مکہ سے تنعیم آکر احرام باندھے۔ بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اہل مکہ کے لئے عمرہ کا میقات حل ہے خواہ وہ تنعیم ہو یا حل کا کوئی حصہ ہو ائمہ اربعہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرادیں اس میں تنعیم کو مقرر کرنا اس لئے نہیں تھا کہ اہل مکہ کے لئے میقات عمرہ تنعیم ہی متعین تھا بلکہ اصل مقصود تو حل تھا کہ چونکہ دوسری حدود حل کی بنسبت تنعیم قریب تھا اس لئے آپ نے تنعیم سے عمرہ کرانے کے لئے کہا اس کی تائید خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے: ''قالت دخل علیّ رسول اللہ ﷺ بسرف وأنا أبکی فقال ماذلك؟ قلت: حضت، قال: فلا تبکی'' حدیث الباب کے ترجمہ سے پورا واقعہ ظاہر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ابتداءً قارنہ تھیں اور ان کا احرام قران کا تھا چونکہ شوافع کے نزدیک عمرہ کے افعال کا حج کے افعال میں تداخل ہو جاتا ہے اس لئے انہیں جگہ جگہ دقتیں پیش آئیں اگر یہی بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عمرہ کی قضاء کیوں کرائی گئی اس لئے نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا ''انقضی عمرتك وامتشطی'' اگر عمرہ کا تداخل حج میں ہو جاتا ہے تو پھر علیحدہ سے احرام باندھنے کا حکم کیوں دیا گیا۔

اس کے بارے میں شوافع نے یہ تاویل کی کہ عمرہ کا احرام علیحدہ سے باندھنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ حضرت عائشہؓ کو تسلی اور تسکین قلب حاصل ہو۔ اور ''وانقضی عمرتك'' کی تاویل کر کے یہ معنی کر سکتے ہیں کہ عمرے کے افعال کرنا ضروری نہیں بلکہ وہ تو افعال حج میں داخل ہو گئے۔ لیکن پھر بھی ''امتشطی'' کا جواب نہیں دیا فقہاء کی تاویلات بھی بڑی عجیب ہوتی ہیں جن کو سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ مکی احرام کہاں سے باندھے۔ امام بخاریؒ کے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی جس طرح حج کا احرام مکہ ہی سے باندھتا ہے وہ عمرہ کا احرام بھی مکہ ہی سے باندھے گا۔ اس بارے میں جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ مکی حج کا احرام اگرچہ مکہ سے باندھے گا لیکن عمرہ کا احرام اس کے لئے حِل سے باندھنا ضروری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعُمْرَةِ مِنَ الْجِعِرَّانَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ مُزَاحِمِ بْنِ أَبِي مُزَاحِمٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ مُحَرِّشٍ الْكَعْبِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْجِعْرَانَةِ لَيْلًا مُعْتَمِرًا فَدَخَلَ مَكَّةَ لَيْلًا فَقَضَى عُمْرَتَهُ ثُمَّ خَرَجَ مِنْ لَيْلَتِهِ فَأَصْبَحَ بِالْجِعْرَانَةِ كَبَائِتٍ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ مِنَ الْغَدِ خَرَجَ فِي بَطْنِ سَرِفَ حَتَّى جَاءَ مَعَ الطَّرِيقِ طَرِيقِ جَمْعٍ بِبَطْنِ سَرِفَ فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ خَفِيَتْ عُمْرَتُهُ عَلَى النَّاسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَلَا نَعْرِفُ لِمُحَرِّشٍ الْكَعْبِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ

حضرت محرش کعبیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جعرانہ سے رات کے وقت عمرے کا احرام باندھ کر نکلے اور رات ہی کو مکہ میں داخل ہوئے اپنا عمرہ پورا کیا پھر اسی وقت مکہ سے واپس چل پڑے اور صبح تک جعرانہ میں پہنچے جیسے کوئی کسی کے ہاں رات رہتا ہے پھر زوال آفتاب کے وقت نکلے اور سرف میدان کی طرف تشریف لے گئے یہاں تک کہ مزدلفہ کے ساتھ ساتھ میدان سرف کے وسط میں پہنچ گئے اسی لئے لوگوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمرہ پوشیدہ رہا، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ہم محرش کعبی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس روایت کے علاوہ کوئی روایت نہیں جانتے۔

تشریح: جعرانہ سے عمرہ کرنے کے متعلق امام ترمذیؒ بیان کرر ہے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کرنے کے بعد مکہ میں انیس دن قیام کیا پھر حنین تشریف لے گئے وہاں سے طائف گئے اور ایک مہینے تک اس کا محاصرہ کیا پھر جعرانہ میں آکر حنین کی غنیمت تقسیم کی اس لئے یہاں کئی دن قیام رہا پھر مدینے لوٹنے کا وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ ادا کر کے صبح سے پہلے جعرانہ لوٹ آئے اس لئے اکثر لوگوں سے یہ عمرہ مخفی رہا پھر اگلے دن زوال کے بعد مدینہ منورہ کی طرف سفر شروع کیا میدان سرف کے بیچ میں سے جو راستہ گزرتا ہے آپ اس پر چلے۔ موجودہ دور میں جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں اس کو چھوٹا عمرہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جگہ کعبہ کے نزدیک ہے اس میں خرچ کم ہوتا ہے۔ اور جعرانہ سے جو عمرہ کیا جاتا ہے اس کو بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ اس باب میں راوی محرش الکعبی قلیل الروایۃ صحابی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَجَبٍ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ أَبِي

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا

بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ فِي أَيِّ شَهْرٍ اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ فِي رَجَبٍ قَالَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ مَا اعْتَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا وَهُوَ مَعَهُ تَعْنِي ابْنَ عُمَرَ وَمَا اعْتَمَرَ فِي شَهْرِ رَجَبٍ قَطُّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ

گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کون سے مہینے میں عمرہ کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا رجب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن عمر نبی اکرم ﷺ کے ہر عمرے میں ان کے ساتھ تھے لیکن آپ ﷺ نے رجب میں کبھی عمرہ نہیں کیا، امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ اس میں حبیب بن ابی ثابت کا حضرت عروہ سے سماع ثابت نہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ أَرْبَعًا إِحْدَاهُنَّ فِي رَجَبٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بیان کیا حسن بن موسیٰ نے شیبان سے انہوں نے منصور سے انہوں نے مجاہد سے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چار عمرے کئے، اُن میں سے ایک عمرہ رجب میں کیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس روایت میں نبی کریم ﷺ کے رجب میں عمرہ کرنے کے متعلق ذکر کیا ہے حالانکہ آپ ؐ نے زندگی میں چار عمرے کئے جن کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے پہلا عمرہ یکم ذی قعدہ، دوسرا عمرہ ذی قعدہ ۷ ہجری میں، تیسرا عمرہ ۱۸ ذی قعدہ اور چوتھے عمرہ کا احرام ۲۵ ذی قعدہ کو باندھا۔ اب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپؐ نے عمرہ رجب میں کیا جبکہ حضرت عائشہؓ رجب میں عمرہ کا انکار فرما رہی ہیں۔

لیکن یہ تعارض بخاری کی روایت سے دور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نسیان پر محمول ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کس مہینے میں ادا کئے جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رجب کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سن لی اور فرمایا اے ابن عمر تمہیں کیا ہو گیا آپ تو سب عمروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رجب میں ادا نہیں کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر سکوت کیا نعم اور لا کے ساتھ کوئی جواب نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح اور راجح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ ذِي الْقَعْدَةِ

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ هُوَ السَّلُولِيُّ الْكُوفِيُّ عَنْ

عباس بن محمد دوری، اسحاق بن منصور سلولی کوفی اسرائیل سے وہ ابی اسحاق سے وہ حضرت برا بن عازب رضی اللہ عنہ سے

إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَمَرَ فِي ذِي الْقَعْدَةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ کیا، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے اکثر عمرے ذی قعدہ کے مہینے میں کیئے جیسا کہ اوپر کے باب میں تفصیل سے بات گزر چکی ہے۔ عمرۃ الحدیبیہ، عمرۃ القضاء، عمرۃ الجعرانۃ، ان سب کی تفصیل ماقبل ابواب کے ذیل میں گزر چکی ہے تفصیل وہاں دیکھ لی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عُمْرَةِ رَمَضَانَ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ ابْنِ أُمِّ مَعْقِلٍ عَنْ أُمِّ مَعْقِلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَوَهْبِ بْنِ خَنْبَشٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَيُقَالُ هَرِمُ بْنُ خَنْبَشٍ قَالَ بَيَانٌ وَجَابِرٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ وَهْبِ بْنِ خَنْبَشٍ وَقَالَ دَاوُدُ الْأَوْدِيُّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ هَرِمِ بْنِ خَنْبَشٍ وَوَهْبٌ أَصَحُّ وَحَدِيثُ أُمِّ مَعْقِلٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَدْ ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً قَالَ إِسْحٰقُ مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيثِ مِثْلُ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ فَقَدْ قَرَأَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ.

حضرت ام معقل رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، جابر، ابوہریرہ، انس اور وہب بن خنبش رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں انہیں ہرم بن خنبش بھی کہا جاتا ہے بیان اور جابر نے شعبی سے وہب بن خنبش اور داؤد داودی نے ہرم بن خنبش نقل کیا لیکن وہب بن خنبش زیادہ صحیح ہے۔ حدیث حضرت ام معقل رضی اللہ عنہا اس سند سے حسن صحیح ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ رمضان میں عمرہ کا ثواب ایک حج کے برابر ہے امام اسحاقؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اسی طرح ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ پڑھی اس نے قرآن کا ایک تہائی پڑھا۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے عمرہ فی رمضان کی فضیلت کا بیان کیا رمضان میں عمرہ کی فضیلت یہ ہے کہ اس کا حج کے برابر ثواب ہے۔

سوال: جب آپ ﷺ نے رمضان میں اتنی فضیلت بیان کی ہے تو آپ ﷺ نے خود رمضان میں عمرہ کیوں نہیں کیا؟

جواب: آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد ایک خاص موقع پر یہ بات فرمائی تھی لیکن اس کے بعد آپ ﷺ کی زندگی میں رمضان

نہیں آیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ربیع الاوّل میں انتقال ہوگیا تھا، اس لئے آپ رمضان میں عمرہ نہیں کر سکے۔

حدیث کا پس منظر: حضرت ام معقلؓ ایک خاتون تھیں آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان کا خصوصی تعلق تھا آپ ﷺ کے ساتھ حج کرنے کی بڑی آرزو تھی چنانچہ انہوں نے اونٹ وغیرہ خرید کر تیاری کرلی تھی مگر وہ آپ ﷺ کے ساتھ حج پر نہ جا سکیں جب آپ ﷺ حج کر کے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ ملاقات کیلئے آئیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا ام معقل تم نے تو حج کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی پھر حج میں کیوں نہیں آئی؟ انہوں نے شکستہ دل سے جواب دیا یا رسول اللہ! آرزو تو بہت تھی مگر کیا کرتی ابو معقل کو چیچک نکل آئی اسلئے رہ گئی۔ آپ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرلینا میرے ساتھ حج کرنے کا ثواب مل جائیگا۔

فضیلت اسی رمضان کے ساتھ خاص ہے یا قیامت تک کے لئے؟ اسی طرح کیا یہ فضیلت صرف ام معقلؓ کے لئے تھی یا سب کے لئے تھی۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم تو یہی ہوتا ہے کہ یہ فضیلت ام معقلؓ ہی کے لئے خاص ہے اور اس مخصوص رمضان کے لئے تھی۔ لیکن اس بات پر تمام امت کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ جب کسی چیز کی فضیلت بیان کریں تو وہ فضیلت عام ہوتی ہے لہٰذا یہ فضیلت بھی صرف ام معقلؓ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ان کے طفیل اور ان کی برکت سے قیامت تک آنے والی ساری امت کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اسی طرح صرف اسی رمضان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ قیامت تک ہر رمضان یہ فضیلت ہے۔

اس پر بعض حضرات نے یہ اشکال کیا کہ اس حدیث کے ضمن میں ایک لفظ معی بھی آیا ہے مطلب یہ ہے کہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب نبی کریم ﷺ کے ساتھ حج کرنے کے ثواب کے برابر ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لفظ معی میں اوّل تو راوی کا شک ہے پھر لفظ معی کو علماء نے عام نہیں کیا۔ ام معقلؓ کے ساتھ خاص رکھا کیونکہ انہوں نے آپؐ کے ساتھ حج کی ضروری تیاری کرلی تھی مگر شوہر کی خدمت کے لئے رک گئی تھیں۔ اس لئے ان کو یہ صلہ ملا لیکن علماء نے کہا کہ رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ملے گا۔

وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اس باب میں ''وھب بن خنبش'' سے بھی روایت ہے ان کے نام میں اختلاف ہے بیان بن بشر اور جابر جعفی ان کو ہرم بن خنبش کہتے ہیں۔ جابر نے شعبیؒ سے روایت کی کہ ان کا نام وھب بن خنبش ہے اس سے معلوم ہوا کہ صحیح نام وھب ہے ہرم نہیں۔

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث شریف کی وضاحت اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ اخلاص کی فضیلت میں حدیث مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے سورۂ اخلاص پڑھی اس نے تہائی قرآن پڑھا یعنی سورۂ اخلاص پڑھنے سے تہائی قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح رمضان میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے ثواب کے برابر ملتا ہے اس کی تفصیل ماقبل ابواب میں گزر چکی ہے کہ ایک ثواب اصلی اور دوسرا ثواب فضلی ہے۔ ثواب اصلی تو وہی رکن یا فرض ادا کرنے سے ملتا ہے حج کا ثواب حج کرنے سے ہی ملے گا۔ ایک ہے فضلی ثواب تو یہ کسی اور عمل سے بھی حاصل ہو جاتا ہے عمرہ کرنے کا جو فضلی ثواب ہے وہ حج کے اصلی ثواب کے برابر ہے۔

لیکن اس سے یہ مطلب کوئی نہ لے کہ رمضان میں عمرہ کرنے سے وہ صاحب استطاعت حج کرنے سے سبکدوش ہو جائے گا کیونکہ اس بات میں اجماع ہے کہ وہ عمرہ اس کے حجۃ الاسلام کے قائم مقام نہ ہوگا اگرچہ اس کو حج کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الَّذِي يُهِلُّ بِالْحَجِّ فَيُكْسَرُ أَوْ يَعْرَجُ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ حَدَّثَنِي الْحَجَّاجُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كُسِرَ أَوْ عَرِجَ فَقَدْ حَلَّ وَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرٰى فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَا صَدَقَ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَنْصَارِيُّ عَنِ الْحَجَّاجِ مِثْلَهُ قَالَ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَرَوٰى مَعْمَرٌ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ سَلَّامٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَجَّاجٌ الصَّوَّافُ لَمْ يَذْكُرْ فِي حَدِيثِهِ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَافِعٍ وَحَجَّاجٌ ثِقَةٌ حَافِظٌ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ رِوَايَةُ مَعْمَرٍ وَمُعَاوِيَةَ بْنِ سَلَّامٍ أَصَحُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ مجھے حجاج بن عمروؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا کوئی عضو ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو وہ احرام سے نکل گیا اب اس پر دوسرے سال (یعنی آئندہ) حج واجب ہے حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا ذکر کیا تو ان دونوں نے فرمایا اس (یعنی حجاج بن عمروؓ) نے سچ کہا۔ اسحاق بن منصور، محمد بن عبداللہ انصاری سے اور وہ حجاج سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے کئی راوی حجاج صواف سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں معمر اور معاویہ بن سلام یہ حدیث یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ عکرمہ سے وہ عبداللہ بن رافع سے وہ حجاج بن عمرو سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں حجاج صواف اپنی روایت میں عبداللہ بن رافع کا ذکر نہیں کرتے اور حجاج محدثین کے نزدیک ثقہ اور حافظ ہیں امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ معمر اور معاویہ بن سلام کی روایت اصح ہے۔ عبد بن حمید، عبدالرزاق سے وہ معمر سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ عکرمہ سے وہ عبداللہ بن رافع سے وہ حجاج بن عمرو سے اور وہ نبی اکرم ﷺ سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہاں سے اور آنے والے ابواب میں امام ترمذیؒ احصار کو بیان کر رہے ہیں۔ احصار کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا پھر اس کو کسی وجہ سے رکنا پڑا مثلاً اس کو کوئی حادثہ پیش آ گیا یا وہ مریض ہو گیا یا راستے میں دشمن نے روک لیا یا کسی جرم کی پاداش میں اسے جیل میں ڈال دیا گیا تو ان تمام صورتوں میں اس کے لئے احصار متحقق ہو جائے گا۔ یہ محرم وہیں

اپنی ھدی ذبح کر کے احرام کھول دے۔

مسئلہ: اب احصار کن صورتوں میں متحقق ہوگا اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک احصار صرف دشمن سے ہوتا ہے مرض وغیرہ سے نہیں ہوتا اور یہی قول ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور لیث بن سعدؒ وغیرہ کا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام زفرؒ، امام محمدؒ کے نزدیک تمام اعذار سے حصر متحقق ہو جاتا ہے خواہ وہ مرض کی وجہ سے ہو یا دشمن کی وجہ سے یا نفقہ کی وجہ سے یا کوئی اور عذر کی وجہ سے ہو۔ یہی قول عطاء بن ابی رباحؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ کا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: قولہ تعالیٰ "فان احصرتم ... الآیۃ" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آپ ﷺ دشمن کے ذریعے محصور کئے گئے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ احصار صرف دشمن کے خوف کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔

جواب: اصول کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ "العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص المورد" جبکہ روایات سے بھی عموم معلوم ہوتا ہے

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا اثر ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "لا حصر الا حصر العدو فاما من اصابہ مرض أو وجع أو ضلال فلیس علیہ شیٔ"۔

جواب: قرآن کریم کے مقابلے میں یہ قابل حجت نہیں ہے یا پھر یوں کہا جائے گا کہ ان کی مراد حصر سے حصر کا کامل فرد ہے اور وہ حصر بالعدو ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ کوئی اور احصار نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: یہی آیت کریمہ ہے "فان احصرتم ... الآیۃ" یہ عام ہے ہر قسم کے احصار کو شامل ہے اگر صرف دشمن کو شامل ہوتا تو لفظ حصر لاتے پھر تو امام شافعیؒ کی دلیل بن سکتی تھی۔ "احصرتم" باب افعال سے احصار کے معنی میں ہے اور وہ عام ہے اور اہل لغت میں سے فراء، ابن سکیت، اخفش اور کسائی نے تصریح کی ہے کہ احصار اس رکنے کو کہا جاتا ہے جو صرف بیماری کی وجہ سے ہو اور حصر صرف دشمن کی طرف سے رکنے کو کہتے ہیں اسی صورت میں یہ احنافؒ کیلئے قطعی دلیل بن جائیگی۔

دلیل ثانی: مسند امام احمد اور ترمذی شریف میں عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے "قال سمعت النبی ﷺ یقول من کسر او عرج فقد حل"۔ اور ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں "من عرج أو کسر او مرض"۔

دلیل ثالث: حضرت ابن مسعود، ابن الزبیر علقمہ، سعید بن المسیب، عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "الاحصار من عدو او مرض او کسر وقال النووی الاحصار من کل شیٔ آذاہ" (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۳۲۴)

احصار کا حکم: ایک جانور ذبح کیا جائے۔

مسئلہ: محصر کے جانور کو حرم میں بھیجنا ضروری ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک حرم میں بھیجنا ضروری نہیں بلکہ جہاں احصار ہوا ہے وہیں ذبح کر کے اسی وقت حلال ہو جائے۔

قول ثانی: احنافؒ کے نزدیک حرم شریف میں کسی کے ساتھ بھیج دے اور دن کا تعین کرلیا جائے جب وہ وہاں ذبح کرلے تو اس وقت وہ حلال ہو جائے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: اس لئے کہ یہ عمل شرعاً رخصت اور ترفیہاً ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے "فان احصرتم فما

استیسر من الھدی'' (بقرۃ:۱۹۶)۔اگرحرم کیساتھ موقت قرار دیا جائے تو یہ آسانی ختم ہو جائیگی۔

جواب: یہاں رعایت نفس تخفیف کیلئے تھی نہ کہ انتہاء تخفیف کے اعتبار سے اور تخفیف اس سے حاصل ہو جائیگی۔

دلیل ثانی: آپ ﷺ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب محصور ہو گئے تو اسی جگہ ذبح کر کے حلال ہو گئے تھے اور یہ بات متعین ہے کہ حدیبیہ حل میں ہے، حرم میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ حرم میں بھیجنا ضروری نہیں۔

جواب اوّل: مقام حدیبیہ کا بعض حصہ حرم میں ہے اور ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے حرم والے حصے میں جانور ذبح کیا ہو۔فلا اشکال۔

جواب ثانی: اس موقع پر ہدی کے جانوروں کا حرم میں پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا اس مجبوری کی بناء پر آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی ہدی وہیں ذبح کیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت ہے'' **ولا تحلقوا رء وسکم حتی یبلغ الھدی محله** '' (البقرۃ:۱۹۶) اس آیت سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جانور حرم میں پہنچنے کے بعد حلال ہوگا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال ہے'' **ثم محلھا إلی البیت العتیق** '' (الحج:۳۳)

پھر جب وہ محصر حلال ہو جائے تو اس پر حلق وغیرہ نہیں ہے۔البتہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وہ حلق کرائے گا اور اگر نہ کرائے تو اس پر کچھ واجب نہیں پھر احناف کے نزدیک محصر عام ہے خواہ محصر بالعدو ہو یا مرض اس کے لئے ھدی کا حرم میں ذبح کئے جانے کی صورت میں حلال ہونے کی رخصت دونوں ہی کے لئے ہوگی۔لیکن شوافع ، مالکیہ،حنابلہ کے نزدیک چونکہ صرف حصر بالعدو کا اعتبار ہے اس لئے حلال ہونے کی رخصت صرف اسی کو حاصل ہوگی محصر بالمرض کو نہیں حاصل ہوگی اور حلال ہونے کی صورت میں ان حضرات کے نزدیک ہدی کو حرم بھیجنا ضروری نہیں بلکہ ہدی کا اس جگہ ذبح کیا جانا کافی ہے جہاں احصار متحقق ہوا ہے۔پھر ان حضرات کے نزدیک حلال ہونے کی صورت میں حلق یا قصر بھی کرائے گا۔

باقی رہی محصر بالمرض کے بارے میں ان حضرات کے نزدیک وہ طواف بیت اللہ کے بغیر حلال نہیں ہوسکتا۔البتہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک وہ اشتراط کی صورت میں حلال ہوسکتا ہے شوافع حضرات کو اس مسئلہ میں مشکل پیش آگئی تو انہوں نے اشتراط فی الحج کی قید لگا دی اور اپنی مشکل کو حل کر دیا، اشتراط فی الحج کے متعلق بحث آگے باب کے ذیل میں آرہی ہے۔

مسئلہ: وعلیه حجة اخری: محصر کے لئے حج وعمرہ کی قضاء ہے یا نہیں؟

محصر کے ذمہ اس حج یا عمرہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک محصر اگر ہدی ذبح کر کے حلال ہو جائے تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔ **قول ثانی:** شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اس پر قضاء واجب نہیں۔امام احمد بن حنبلؒ کی دوسری روایت اس کے مطابق ہے۔ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ قرآن پاک میں وجوب قضاء کا ذکر نہیں ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ الحدیبیہ کی قضاء کی تھی چنانچہ آپ نے اگلے سال جو عمرہ کیا تھا اس کا نام عمرۃ القضاء بھی ہے۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی ہڈی توڑ دی گئی یا وہ لنگڑا ہو گیا تو اس کا احرام کھل گیا اور اس کے ذمہ دوسرا حج ہے۔

باب ما جاء في الاشتراط في الحج

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ ضُبَاعَةَ بِنْتَ الزُّبَيْرِ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ أَفَأَشْتَرِطُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ كَيْفَ أَقُولُ قَالَ قُولِي لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ مَحِلِّي مِنَ الْأَرْضِ حَيْثُ تَحْبِسُنِي وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَرَوْنَ الْاِشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ وَيَقُولُونَ إِنِ اشْتَرَطَ فَعَرَضَ لَهُ مَرَضٌ أَوْ عُذْرٌ فَلَهُ أَنْ يَحِلَّ وَيَخْرُجَ مِنْ إِحْرَامِهِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَلَمْ يَرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْاِشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ وَقَالُوا إِنِ اشْتَرَطَ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَخْرُجَ مِنْ إِحْرَامِهِ وَيَرَوْنَهُ كَمَنْ لَمْ يَشْتَرِطْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ضباعہ بنت زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں حج کرنا چاہتی ہوں کیا میں شرط لگا سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ عرض کرنے لگیں کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کہو (میں حاضر ہوں اے اللہ تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اس زمین میں جہاں تو روکے احرام سے باہر آ جاؤں گی) اس باب میں حضرت جابر، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ حج میں شرط لگانا جائز ہے (یعنی احرام کو مشروط کرنا) وہ فرماتے ہیں کہ اگر مشروط احرام کی نیت کی ہو اور پھر بیمار یا معذور ہو جائے تو اس کیلئے احرام کھولنا جائز ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک حج کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر شرط لگائے تب بھی احرام سے نکلنا جائز نہیں وہ حضرات شرط لگانے کو اس شخص کی طرح سمجھتے ہیں جس نے شرط نہ لگائی ہو۔

تشریح: اشتراط فی الحج کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ یا حج کا احرام باندھتے وقت نیت کر لینا کہ جہاں مجھے کوئی عذر یا کوئی تکلیف پیش آ جائے یا دشمن روک دے تو میں احرام کھول دوں گا تو جہاں پر اس کو جو عذر لاحق ہو یا احصار کسی صورت میں پیش آ جائے تو وہیں حلال ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں تلبیہ کے ساتھ یہ الفاظ کہیں گے لبیك اللّٰهم لبيك محلى فى الارض حيث تحبسنى۔

مسئلہ: اب اشتراط فی الحج کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک اگر اس آدمی نے احرام باندھنے کے وقت تلبیہ کے وقت یہ شرط لگائی تھی وہ حلال ہو سکتا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ کے نزدیک اشتراط کا اعتبار نہیں۔ امام شافعیؒ کا جدید قول یہی ہے۔ البتہ امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں تھوڑا سا فرق ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک نہ تو اشتراط معتبر ہے اور نہ ہی احصار بالمرض معتبر ہے اس لئے حلال ہونے کی صورت صرف طواف بیت اللہ ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چونکہ احصار بالمرض کا اعتبار ہے اگر کوئی شخص راستے میں بیمار ہوجائے تو وہ بھی ہدی بھیج کر حلال ہوسکتا ہے اس لئے ان کے نزدیک اشتراط بلا فائدہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب یعنی حضرت ضباعہ بنت زبیر رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔

جواب اوّل: یہ ان کی خصوصیت تھی اگر یہ حکم عام ہوتا تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ایسا کرتے۔

جواب ثانی: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ضباعہ بیمار تھیں ان کو اندیشہ تھا کہ شاید وہ حج مکمل نہ کرسکیں تو ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی مانع اچانک پیش آجائے جس کی وجہ سے عبادت پوری نہ ہو تو دل کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر۔ بہرحال انسان کے ذہن میں اگر پہلے سے یہ خیال اور بات موجود ہو کہ راستے میں رکاوٹ آئے تو اس کا یہ حل ہوتا ہے تو پھر زیادہ پریشانی نہیں ہوتی۔ بہرحال آیت کریمہ ''فان احصرتم'' کے عموم اور حدیث مرفوع میں ''کسر او عرج'' کے پیش نظر یہ جزوی واقعہ پر محمول ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کے وقت اشتراط نہیں فرمایا۔

دلیل ثانی: ضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آنے والے باب میں آرہی ہے: ''أنه كان ينكرا لاشتراط فى الحج و يقول : اليس حسبكم سنة نبيكم'' اور بخاری شریف میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: ''كان ابن عمر يقول أليس حسبكم سنة رسول الله ان حبس احدكم عن الحج فطاف بالبيت والصفا والمروة ثم حل من كل شيء حتى يحج عاما قابلا فيهدى او يصوم ان لم يجد هديا''۔

سوال: جب اشتراط کے بغیر مریض محرم پر احصار کے حکم جاری ہوسکتے ہیں اور وہ احرام ختم کرسکتا ہے تو پھر اشتراط کا کیا فائدہ؟

جواب: اشتراط میں فی الجملہ کچھ نہ کچھ فائدہ ہے اس سے دل کو اطمینان اور سکون نصیب ہوگا۔

بَاب مِنْهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ أَخْبَرَنِي مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يُنْكِرُ الِاشْتِرَاطَ فِي الْحَجِّ وَيَقُولُ أَلَيْسَ حَسْبُكُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ وہ حج میں شرط لگانے سے انکار کرتے تھے اور فرماتے کیا تمہارے لئے تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کافی نہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: یہ حدیث الباب اشتراط فی الحج کے بارے میں احناف کا مستدل ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حج میں شرط لگانے پر نکیر کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کیا تمہارے لئے تمہارے نبیؐ کی سنت کافی نہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال احرام

باندھتے ہوئے کوئی شرط نہیں لگائی۔

الیس حسبکم سنة نبیکم مراد اس سے ''ألیس یکفیکم سنة'' رسول اللہ ﷺ ہے۔ حسب کا معنی کفایہ ہے ''حسبکم'' مرفوع ہے ''لیس'' کا اسم ہونے کی وجہ سے اور ''سنة نبیکم'' منصوب ہے لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے امام ترمذیؒ کی روایت میں یہی ترکیب متعین ہے۔ (معارف السنن جلد ۶ ص ۳۵۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَحِيضُ بَعْدَ الْإِفَاضَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ ذُكِرَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ حُيَيٍّ حَاضَتْ فِي أَيَّامِ مِنًى فَقَالَ أَحَابِسَتُنَا هِيَ قَالُوا إِنَّهَا قَدْ أَفَاضَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا إِذًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا طَافَتْ طَوَافَ الْإِفَاضَةِ ثُمَّ حَاضَتْ فَإِنَّهَا تَنْفِرُ وَلَيْسَ عَلَيْهَا شَيْءٌ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ صفیہ بنت حیی حائضہ ہوگئیں یعنی منیٰ میں قیام کے دنوں میں، آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ ہمیں روکنے والی ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا انہوں نے طواف زیارت کرلیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب کوئی بات نہیں (یعنی رکنے کی ضرورت نہیں) اس باب میں حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے اس پر اہل علم کا عمل ہے کہ اگر کسی عورت کو طواف زیارت کے بعد حیض آجائے تو وہ چلی آئے اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔ امام سفیان ثوریؒ، شافعیؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ إِلَّا الْحُيَّضَ وَرَخَّصَ لَهُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

ابو عمار، عیسیٰ بن یونس، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کرے اسے آخرت میں بیت اللہ کا طواف کر کے جانا چاہیے ہاں البتہ حائضہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (طواف زیارت ترک کرنے کی) رخصت دی ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ابن عمر حسن صحیح ہے۔ اسی پر اہل علم ہے۔

تشریح: طواف کی تین قسمیں ہیں۔ **قسم اوّل:** طواف قدوم حاجی جب مکہ میں آتا ہے تو سب سے پہلے طواف قدوم کرتا ہے۔ امام صاحب اور اکثر ائمہ کے نزدیک یہ طواف مسنون ہے۔

قسم ثانی: طواف زیارت یا طواف افاضہ یا طواف فرض یہ تین نام ایک طواف کے ہیں یہ طواف دس ذی الحجہ کو ہوتا ہے اور فرض ہے۔

قسم ثالث: طواف وداع۔ جب حاجی واپس وطن لوٹتا ہے اس وقت آخر میں طواف کرتا ہے اسے الوداعی طواف بھی کہا جاتا ہے یہ واجب ہے یہ طواف صرف حاجیوں کے لئے ہے عمرے والوں کے لئے نہیں۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر عورت کو طواف افاضہ کے بعد حیض آجائے تو وہ کیا کرے گی؟ آیا آخری طواف وہ ترک کردے گی یا اس کے لئے بھی انتظار کرے گی جیسا کہ طواف زیارت کے لئے انتظار کیا جاتا ہے۔

اس بات پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ اگر عورت کو حیض آنے لگے تو اس سے طواف وداع ساقط ہوجاتا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر، زید بن ثابت، حضرت ابن عمرؓ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عورت حائضہ ہوجائے تو جس طرح اس سے طواف زیارت ساقط نہیں ہوتا اسی طرح طواف وداع بھی ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابن عمرؓ کا اس سے رجوع ثابت ہے۔ گویا طواف وداع کا ساقط نہ ہونا یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح حائضہ طواف زیارت کے لئے پاک ہونے کا انتظار کرے گی اسی طرح طواف وداع کے لئے بھی انتظار کرے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلک کی تائید ابوداؤد شریف میں حارث بن عبداللہ بن اوس کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "أتيت عمر بن الخطاب فسألته عن المرأة تطوف بالبيت يوم النحر ثم تحيض قال: لِيَكُنْ آخر عهدها بالبيت قال: فقال الحارث كذلك افتاني رسول الله ﷺ قال: فقال عمر: أربت عن يديك سألتني عن شيءٍ سألت عنه رسول الله ﷺ لكيما أخالف" (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۰ باب الحائض تخرج بعد الافاضة)

امام طحاویؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب سے ساقط ہے۔

علامہ خطابیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلک کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ ان کے نزدیک حائضہ سے اس وقت تک طواف وداع ساقط نہیں ہوتا جب تک وقت میں وسعت اور گنجائش ہو یعنی اس کے لئے ٹھہرنا ممکن ہو تو ٹھہرنا ضروری ہے لیکن اگر وقت میں تنگی اور سفر کی جلدی ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق عمل ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث الباب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حائضہ کے ذمہ سے طواف وداع ساقط ہوجاتا ہے اگرچہ طواف زیارت ساقط نہیں ہوتا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو حضرت صفیہؓ کے حائضہ ہونے کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا "فلا اذاً" کوئی حرج نہیں کیونکہ حج کا رکن جو تھا وہ تم نے ادا کرلیا اگر طواف وداع حائضہ سے ساقط نہ ہوتا تو آپؐ "فلا اذًا" نہ فرماتے۔

اس باب میں ایک اور مسئلہ معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو طواف زیارت سے قبل حیض آنے لگ گیا تو اس سے یہ طواف ساقط نہیں ہوگا کیونکہ یہ فرض ہے اور رکن ہے اس کے لئے اس عورت کو وہیں انتظار کرنا پڑے گا اور پاکی کے بعد طواف زیارت کرکے اس کا حج مکمل ہوجائے گا۔

اشکال: اس پر تو ایک اہم اشکال پیش آتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں لوگوں کے لئے آنے جانے کی ٹکٹیں متعین وقت پر ہوتی ہیں آنے کا دن متعین ہوتا ہے تو وہاں انتظار کرنا تو مشکل ہے ایسی حالت میں حیض ونفاس والی عورتیں کیا کریں گی؟

جواب: اس کا حل کسی نے بیان نہیں کیا صرف ابن تیمیہ نے لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی عورت حالت ناپاکی میں طواف کرے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر دم دے کر اپنے گناہ کی تلافی کرے۔ اس صورت میں اس کا حج صحیح ہوجائے گا۔

باب ما جاء ما تقضی الحائض من المناسك

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنْ جَابِرٍ وَهُوَ ابْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حِضْتُ فَأَمَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا إِلَّا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ قَالَ أَبُو عِيسَى الْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْحَائِضَ تَقْضِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا مَا خَلَا الطَّوَافَ بِالْبَيْتِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ عَائِشَةَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ أَيْضًا.

علی بن حجر، شریک، جابر، ابن یزید الجعفی، عبدالرحمن بن اسود وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میں حج کے موقع پر حائضہ ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خانہ کعبہ کے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ علماء کا اسی پر عمل ہے کہ حائضہ بیت اللہ کے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا کرے۔ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور سند سے بھی مروی ہے۔

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ شُجَاعٍ الْجَزَرِيُّ عَنْ خُصَيْفٍ عَنْ عِكْرِمَةَ وَمُجَاهِدٍ وَعَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَ الْحَدِيثَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ النُّفَسَاءَ وَالْحَائِضَ تَغْتَسِلُ وَتُحْرِمُ وَتَقْضِي الْمَنَاسِكَ كُلَّهَا غَيْرَ أَنْ لَا تَطُوفَ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

زیاد بن ایوب، مروان بن شجاع اور خصیف، عکرمہ، مجاہد، عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوع حدیث بیان کرتے ہیں کہ نفاس اور حیض والی عورتیں غسل کر کے احرام باندھیں اور تمام مناسک حج ادا کریں سوائے بیت اللہ کے طواف کے یہاں تک کہ پاک ہوجائیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

تشریح: مسئلۃ الباب تمام ائمہ کا متفق علیہ ہے۔ ابن بطالؒ نے کہا کہ اس بات پر علماء کرام کا اجماع ہے کہ حائضہ عورت تمام مناسک حج میں شامل ہوسکتی ہے صرف طواف بالبیت نہیں کرسکتی امام مہلبؒ فرماتے ہیں کہ حائضہ عورت طواف بغیر طہارت کے نہیں کرسکتی۔ اگر کسی عورت نے طواف زیارت نہیں کیا تو اس پر اس کے بعد سعی بھی نہیں لیکن اگر کسی عورت نے طواف زیارت تو کرلیا اور سعی سے پہلے اس کو حیض آگیا تو وہ سعی کرسکتی ہے۔ حیض کی حالت میں طواف زیارت جائز ہونے کی وجہ شرح وقایہ میں یہ لکھی ہے کہ طواف کے لئے مسجد میں جانا ہوگا اور حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی مگر صحیح وجہ یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے طہارت شرط ہے جو حائضہ کو حاصل نہیں۔

حدیث الباب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان کیا ہے کہ یہ مکہ پہنچنے سے پہلے حائضہ ہوگئی تھیں اور یوم الترویہ تک وہ پاک نہیں ہوئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عمرہ توڑ کر حج کا احرام باندھنے کے لئے کہا اور فرمایا تھا کہ وہ حج کے تمام ارکان ادا کریں البتہ طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کریں معلوم ہوا کہ حائضہ تمام ارکان حیض کی حالت میں کرے گی صرف طواف زیارت کو پاک ہونے تک مؤخر کرے گی۔

اس حدیث پر کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ اس میں ایک راوی جابر جعفی ہے جو کہ کذاب ہے اس لئے اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس کی صحیح سند بخاری شریف (حدیث ۱۶۵۰) میں مذکور ہے۔

اس باب کی دوسری حدیث جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اس میں بھی ضعف ہے کہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے جو کہ خصیف ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مَنْ حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مُغِيرَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ أَوْسٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ خَرَرْتَ مِنْ يَدَيْكَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تُخْبِرْنَا بِهٖ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَوْسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَهٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ مِثْلَ هٰذَا وَقَدْ خُولِفَ الْحَجَّاجُ فِي بَعْضِ هٰذَا الْإِسْنَادِ.

حضرت حارث بن عبداللہ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا جو شخص اس گھر کا حج یا عمرہ کرے وہ آخر میں بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد روانہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم ہاتھوں کے بل گرو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات سنی اور ہمیں نہیں بتائی، اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں حضرت حارثؓ کی حدیث غریب ہے کئی راوی حجاج بن ارطاۃ سے بھی اسی کے مثل روایت کرتے ہیں جب کہ بعض نے اس سند کے بیان کرنے میں حجاج سے اختلاف بھی کیا ہے۔

تشریح: طواف وداع کے بارے میں تمام ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ صرف حاجی پر واجب ہے معتمر پر طواف وداع واجب نہیں۔ البتہ اس کے لئے بھی یہ افضل ہے کہ جب وطن لوٹے تو سب سے آخر میں طواف وداع کرے طواف وداع امام مالکؒ، داؤد ظاہریؒ اور ابن المنذرؒ کے نزدیک مسنون ہے اس کے ترک پر کچھ واجب نہیں۔ شوافعؒ کے نزدیک طواف وداع واجب ہے جس کے ترک پر دم واجب ہوتا ہے۔

احناف کے نزدیک آفاقی پر واجب ہے مکی اور میقاتی پر واجب نہیں۔

مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ: عمرہ کرنے والے پر تو طواف وداع واجب نہیں لیکن امام ترمذیؒ نے حدیث الباب میں یہ الفاظ تو نقل کئے ہیں کہ "من حج البیت او اعتمر" اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ طواف وداع معتمر پر بھی واجب ہوتا ہے۔ اس کا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ "او اعتمر" کے الفاظ کی زیادتی حجاج بن ارطاۃ کی ہے ورنہ سنن ابی داؤد میں بھی یہ روایت آئی ہے اور اس میں عمرہ کا کوئی ذکر نہیں۔

فَلْيَكُنْ آخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ: اس جملہ سے ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے استدلال کیا ہے کہ طواف وداع سب سے آخر میں ہو۔ اگر کوئی نے طواف وداع کر کے مکہ میں ٹھہر گیا یا کوئی چیز لینے چلا گیا تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ طواف وداع کا اعادہ کرے جبکہ امام صاحب کے نزدیک اس پر اعادہ نہیں اگر اعادہ کرے گا تو اس کے لئے مستحب ہے۔

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ خَرَرْتَ مِنْ يَدَيْكَ: ان کا مطلب یہ ہے کہ ''سقطت بسبب فعل یدیك'' یعنی تو اپنے فعل کی وجہ سے ہلاک ہو جائے اور گر جائے یا متکلم کے صیغہ کے ساتھ یہ مطلب ہے کہ میں تو تیری حرکت کی وجہ سے ہلاک وشرمسار ہی ہو جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت حارث بن عبداللہ بن اوس رضی اللہ عنہ پر اس لئے ناراض ہوئے کہ انہوں نے پہلے حضرت عمر فاروقؓ سے مسئلہ دریافت کیا پھر اسی مسئلہ میں نبی کریم ﷺ کی حدیث مبارکہ ذکر کی اس میں چونکہ یہ امکان تھا کہ حضرت عمرؓ کا بیان کردہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہو جاتا جس سے نبی کریمؐ کی حدیث کی مخالفت لازم آتی اس لئے حضرت عمرؓ کا منشأ یہ تھا کہ جب تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھ چکے ہو تو مجھ سے مسئلہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف حدیث بیان کر دیتے تا کہ حدیث کی مخالفت کا ذرہ برابر امکان نہ رہتا۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْقَارِنَ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَنَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَطَافَ لَهُمَا طَوَافًا وَاحِدًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا الْقَارِنُ يَطُوفُ طَوَافًا وَاحِدًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَطُوفُ طَوَافَيْنِ وَيَسْعٰى سَعْيَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج قران کیا۔ یعنی حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا اور دونوں کے لئے صرف ایک طواف کیا۔ اس باب میں حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابو عیسیٰؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدث حسن ہے اور اسی پر علماء صحابہ وغیرہ میں سے بعض کا عمل ہے کہ قارن (یعنی حج اور عمرہ ایک ساتھ کرنے والا) ایک ہی طواف کرے، امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ دو مرتبہ طواف اور دو مرتبہ سعی کرے (یعنی صفا ومروہ کے درمیان) سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ أَسْلَمَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج اور عمرہ کا (اکٹھا) احرام

نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعْيٌ وَاحِدٌ عَنْهُمَا حَتَّى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ تَفَرَّدَ بِهِ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَلَى ذَلِكَ اللَّفْظِ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَلَمْ يَرْفَعُوهُ وَهُوَ أَصَحُّ

باندھا اسے حلال ہونے کے لئے ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ دراوردی اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں کئی راوی یہ حدیث ابن عمر سے غیر مرفوع روایت کرتے ہیں اور یہ اصح ہے۔

تشریح: مسئلہ: اس باب میں امام ترمذیؒ فرما رہے ہیں کہ قارن پر ایک طواف ہے یا اس سے زائد؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوری، امام اوزاعیؒ کے نزدیک قارن پر دو طواف اور دو سعی ہیں ایک طواف اور ایک سعی عمرے کی اور ایک طواف اور ایک سعی حج کی گویا یہ چار طواف ہو گئے۔ پہلا طواف عمرہ کا دوسرا طواف قدوم کا تیسرا طواف افاضہ کا چوتھا طواف وداع کا جو واجب ہے۔ ان چار میں سے حنفیہ کے ہاں ایک طواف کم کر سکتے ہیں وہ اسی طرح کہ طواف عمرہ ہی میں طواف قدوم کی نیت کرے تو یہ ایک طواف دوسرے میں ضم ہو جائے گا۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے ہاں ایک طواف اور ایک سعی ہے یہ طواف اور سعی طواف قدوم اور طواف وداع کے علاوہ ہے ان کے نزدیک تداخل ہو جائے گا۔ دس ذی الحجہ کو طواف زیارت اور اس کے بعد سعی کرے گا یہ طواف اور سعی حج اور عمرہ دونوں کے لئے ہیں عمرہ کے لئے الگ سے طواف اور سعی کرنے کی حاجت نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب قارن مکہ پہنچے گا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف طواف قدوم کرے گا جو سنت ہے۔ اور اس کے بعد سعی نہیں کرے گا پھر وقوف عرفہ کے بعد طواف اور سعی کرے گا۔ یہی حج کا طواف زیارت ہے اور یہی عمرہ کا طواف ہے اور سعی حج کی بھی سعی ہے اور عمرہ کی بھی سعی ہے یہ تفصیل ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ہے۔

احناف کے نزدیک قارن مکہ پہنچ کر پہلے عمرہ کا طواف کرے گا پھر احرام نہیں کھولے گا پھر طواف قدوم کرے گا اس کے بعد اگر چاہے تو حج کی سعی کر سکتا ہے اور اگر چاہے تو سعی مؤخر بھی کر سکتا ہے۔ پھر وقوف عرفہ کے بعد طواف زیارت کرے گا اور اس کے بعد حج کی سعی کرے گا اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہیں کی تو طواف زیارت کے بعد سعی کرے گا اور اگر پہلے طواف قدوم کے بعد حج کی سعی کر لی تو اب طواف زیارت کے بعد سعی نہیں کرے گا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے ''عن جابر أن رسول اللہ ﷺ قرن الحج والعمرة فطاف لهما طوافا واحدا''

جواب اوّل: یہ مضمون حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اس مضمون کی تمام احادیث مؤول ہیں اور ان کا ظاہری مفہوم کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں کیونکہ اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک طواف نہیں

کیا ائمہ ثلاثہ حدیث الباب کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ طواف واحد سے مراد طواف زیارت ہے جس میں طواف عمرہ کا تداخل ہو گیا ہے۔
احناف کی توجیہ: احناف اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ طواف واحد سے مراد طواف عمرہ ہے جس میں طواف قدوم کا تداخل ہو گیا ہے احناف کی توجیہ اس لئے راجح ہے کہ اس سے روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔
جواب ثانی: حضرت شیخ الہندؒ نے ایک توجیہ بیان کی ہے کہ یہاں طواف سے مراد طواف تحلل ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا طواف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی کیا جو تحلل کا سبب بنا ہو اور وہ طواف زیارت ہی تھا کیونکہ طواف عمرہ کے بعد آپ قارن ہونے کی وجہ سے حلال نہیں ہوئے۔
دلیل ثانی: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دخلت العمرة فی الحج الی یوم القیمة. (ترمذی)
جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اشہر حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے۔ امام ترمذیؒ نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے اس میں اہل جاہلیت کا رد ہے وہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں۔
دلیل ثالث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث الباب ہے: ''عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احرم بالحج والعمرة اجزا طواف واحدٌ وسعی واحدٌ منهما حتی یحل منهما جمیعًا''۔
جواب اوّل: امام ترمذیؒ نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے جو مرفوع کے مقابلہ میں حجت نہیں پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے موقوف اثر سے حضرت ابن مسعود، حضرت علی رضی اللہ عنہما کے موقوف آثار راجح ہیں کہ وہ دونوں بزرگ علم وفقہ کے لحاظ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے برتر وفائق ہیں۔
جواب ثانی: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ مستدلات حنفیہ مثبت زیادت ہیں ان میں احتیاط ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر ایک عبادت مستقل عبادت ہے تو طواف وسعی بھی مستقل ہونے چاہئیں۔
احناف کی دلیل اوّل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ''فمن تمتع بالعمرة الی الحج '' (البقرة) حافظ ابن حجرؒ، امام شافعی، ابن عبدالبر مالکی، ابن القیم حنبلی اور ابن ہمام جیسے محققین کے ہاں یہ آیت تمتع اصطلاحی اور قران دونوں کو شامل ہے اس کا متبادر مفہوم یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے افعال الگ الگ ہیں پس ان کا اتصال ہوتا ہے تمتع میں بالاتفاق تداخل نہیں ہے لہٰذا قران میں بھی تداخل نہیں ہونا چاہیے۔
دلیل ثانی: مسند ابی حنیفہ میں حضرت صبی بن معبد کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا ''فصنعت ماذا''؟ اس پر انہوں نے جواب دیا ''مضیت فطفت طوافًا لعمرتی وسعیت سعیًا لعمرتی، ثم عدت مثل ذٰلك ثم بقیت حرامًا اصنع کما یصنع الحاج حتی اذا قضیت آخر نسکی'' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''هدیت لسنة نبیك محمد صلی اللہ علیہ وسلم و بمثله اخرج ابن حزم فی المحلی'' اس حدیث کی اصل نسائی میں بھی موجود ہے البتہ اس میں دو سعی اور دو طوافوں کا ذکر نہیں ہے۔
اعتراض: اس حدیث سے استدلال کمزور ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابراہیم نخعیؒ ہیں ان کا سماع نہ تو صبی بن معبد سے ہے اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے۔
جواب: محدثین کے نزدیک ابراہیم نخعیؒ کے مراسیل مقبول ہیں اس پر دلیل حافظ ابن عبدالبر تمہید میں امام اعمشؒ سے نقل کرتے

ہیں ''قال: قلت لابراهيم اذا حدثتني حديثا فأسنده فقال: اذا قلت عن عبدالله يعني ابن مسعود فاعلم أنه غير واحد واذا سميت لك احداً فهو الذي سميت '' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کی مراسیل ان کی مسانید سے بھی زیادہ قوی ہیں۔ حافظ بن عبدالبرؒ نے ایک ضابطہ بھی بیان کیا ہے'' كل من عرف أنه لا يأخذ الا عن ثقة فتدليه و مرسله مقبول فمر اسيل سعيد بن المسيب و محمد بن سيرين وابراهيم النخعي عندهم صحاح'' (التمهيد لما في المؤطا من المعاني جلد ا ص ۳۰)

دلیل ثالث: امام نسائیؒ نے اپنی سنن کبری میں مسند علی کے تحت یہ روایت ذکر کی ہے ''عن حماد بن عبدالرحمٰن الانصاری عن ابراهيم بن محمد بن الحنفية قال: طفت مع أبي وقد جمع بين الحج والعمرة فطاف لهما طوافين وسعى لهما سعيين وحدثني أن عليا فعل ذلك وقد حدثه أن رسول الله ﷺ فعل ذلك''

اعتراض: اس روایت میں حماد بن عبدالرحمٰن انصاری ہیں جو کہ ضعیف راوی ہیں۔

جواب: یہ مختلف فیہ راوی ہیں بہت سارے محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ چنانچہ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے حافظ ابن حجرؒ ان کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں '' اخرجه النسائي في مسند علي ورواته موثقون '' لہٰذا اس کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں۔

دلیل ثالث: سنن دار قطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے '' عن علي رضي الله عنه أنه طاف لهما طوافين وسعى لهما سعيين، وقال: هكذا رأيت رسول الله ﷺ صنع'' (دارقطنی جلد۲ ص ۲۳)

اعتراض: اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس میں ایک راوی حسن بن عمارہ ہیں جو کہ ضعیف ہیں۔

جواب: اس راوی کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے ان کی روایت مقبول تو ہونی چاہیے ورنہ کم از کم متابعت کے لئے تو ضرور ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

دلیل رابع: سنن دارقطنی ہی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے '' ان النبي ﷺ طاف طوافين وسعى سعيين''

اعتراض: اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اس روایت میں محمد بن یحییٰ ازدیؒ کو وہم ہوا ہے ورنہ اصل روایت اس طرح تھی: '' ان النبي ﷺ قرن الحج والعمرة''. (سنن دارقطنی جلد ۲ ص ۲۶۴)

جواب: ہم یہ کہتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ ازدیؒ ایک ثقہ راوی ہیں ان کی طرف وہم کی نسبت بلا کسی دلیل قوی کے درست نہیں۔

دلیل خامس: دارقطنی ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''قال: طاف رسول الله ﷺ لعمرته و حجته طوافين وسعى سعيين، وابو بكر وعمر وعلي وابن مسعود '' (سنن دارقطنی جلد۲ ص ۲۳ باب المواقیت)

اعتراض وجواب: اس روایت میں بھی ایک راوی پر اعتراض ہے وہ حضرت ابو بردہؓ ہیں جو بقول امام دارقطنی کے ضعیف راوی ہیں۔ ابن عدی ان کے بارے میں کہتے ہیں '' هو ممن يكتب حديثه من الضعفاء '' نیز ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔

دلیل سادس: امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں روایت کیا گیا ہے ''عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال: اذا اهللت بالحج والعمرة فطف لهما طوافين واسع لهما سعيين بالصفا والمروة '' (کتاب الآثار ص ۲۶۔۶۷)

اعتراض: حافظ ابن حجرؒ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں" وفی اسنادہ راو مجهول " (الدرایۃ ج۲ ص۲۵)

جواب: مجہول راوی سے ان کی مراد ابو نصر سلمیؒ ہیں اور ان کو ابن خلدون نے ثقات میں ذکر کیا ہے نیز ان سے ابراہیم نخعی، مالک بن الحارث اور خود ان کے بیٹے روایت کرتے ہیں۔

دلیل سابع: مصنف ابن ابی شیبہ میں زیاد بن مالک سے مروی ہے "أن عليا و ابن مسعود قالا في القارن يطوف طوافين" (جلد ۴ ص ۳۲۴، ۳۲۵)

دلیل ثامن: مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں حسن بن علیؓ کا اثر مروی ہے " قال اقرنت بين الحج والعمرة فطف طوافين واسع سعيين " (حوالہ ایضا)

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ مَكْثَ الْمُهَاجِرِ بِمَكَّةَ بَعْدَ الصَّدَرِ ثَلَاثًا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ حُمَيْدٍ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحَضْرَمِيِّ يَعْنِي مَرْفُوعًا قَالَ يَمْكُثُ الْمُهَاجِرُ بَعْدَ قَضَاءِ نُسُكِهِ بِمَكَّةَ ثَلَاثًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مَرْفُوعًا.

حضرت علاء بن حضرمی سے روایت ہے یعنی مرفوع روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مہاجر ارکان حج ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن ٹھہرے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور تحقیق یہ حدیث بغیر کسی وجہ کے مرفوع روایت کی گئی ہے۔

حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ أَسْلَمَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْرَمَ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ أَجْزَأَهُ طَوَافٌ وَاحِدٌ وَسَعْيٌ وَاحِدٌ مِنْهُمَا حَتّٰى يَحِلَّ مِنْهُمَا جَمِيعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ تَفَرَّدَ بِهِ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَلٰى ذٰلِكَ اللَّفْظِ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَلَمْ يَرْفَعُوهُ وَهُوَ أَصَحُّ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج اور عمرہ کا (اکٹھا) احرام باندھا اسے حلال ہونے کے لئے ایک طواف اور ایک سعی ہی کافی ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ دراوردی اس حدیث کو ان الفاظ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں کئی راوی یہ حدیث ابن عمر سے غیر مرفوع روایت کرتے ہیں اور یہ اصح ہے۔

تشریح: طواف وداع کو طواف صدر بھی کہا جاتا ہے صدر کا معنی یہ ہے کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ سے لوٹنا منیٰ سے لوٹنے کے لئے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ النفر اور دوسرا الصدر۔ نبی کریم ﷺ نے مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ ایام منیٰ کے بعد زیادہ سے زیادہ تین دن ٹھہریں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ یہ خاص طور پر ان مہاجرین کے لئے حکم تھا جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی تھی۔ فطری بات ہے کہ وطن سے محبت ہر ایک کو ہوتی ہے جیسا کہ جملہ آتا ہے" حب الوطن من الایمان" اندیشہ یہ تھا

کہ کوئی شخص مکہ میں رک جائے تو اس کی ہجرت باطل ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ مکہ میں ٹھہرنے سے روک دیا۔ لیکن اب یہ حکم نہیں حج کے بعد کوئی جتنا مکہ میں رکنا چاہے رک سکتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ مَا يَقُولُ عِنْدَ الْقُفُولِ مِنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَفَلَ مِنْ غَزْوَةٍ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ فَعَلَا فَدْفَدًا مِنَ الْأَرْضِ أَوْ شَرَفًا كَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَائِحُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ وَفِي الْبَاب عَنِ الْبَرَاءِ وَأَنَسٍ وجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جہاد، حج یا عمرہ سے واپس تشریف لے جاتے تو جب کسی بلند مقام یا ٹیلے پر چڑھتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے اور پڑھتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے، ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کے لئے پھرنے والے اور اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور مخالف لشکروں کو اکیلے شکست دی) اور باب میں حضرت براء، انس اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: آدمی جب حج یا عمرہ کیلئے جاتا ہے تو وہ جاتے وقت خوب ذکر واذکار کرتا ہے کبھی تسبیح، کبھی تہلیل، کبھی تحمید اور وہاں جا کر خوب اللہ سے مانگتا ہے جب وہاں کچھ عرصہ گزارتا ہے تو اس کو واپس گھر کی یاد آنے لگتی ہے لیکن جب واپس آ رہا ہوتا ہے تو اپنے بیوی بچوں کی خوشی کیلئے خرید وفروخت کرنے لگ جاتا ہے۔ آتے ہوئے ذکر واذکار کو بھول جاتا ہے حالانکہ اللہ کے ذکر سے غفلت محرومی کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب وہ سفر پر جاتے تب بھی ذکر کرتے تھے اور جب واپس لوٹتے تو تب بھی ذکر کرتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپؐ جب واپس تشریف لاتے اور اگر چڑھائی (یعنی اونچائی) کی جانب چلتے تو اللہ اکبر پڑھتے اور جب اترائی میں چلتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے۔ اور وہ پورا ذکر کرتے جو حدیث الباب میں موجود ہے۔

یہ ترجمۃ الباب حجاج اور معتمرین کے لئے ایک اہم سبق دیتا ہے کہ جو شخص وہاں جا کر بھی خالی ہاتھ لوٹ آیا اس کے لئے بدبختی کے سوا اور کیا علامت ہو سکتی ہے۔ جب ہم لوگ واپس لوٹتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں ہر ایک کے لئے کوئی نہ کوئی تحفہ دینے کا خیال ہے اور تحفے خریدنے میں لگ جاتے ہیں ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَمُوتُ فِي إِحْرَامِهِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى رَجُلًا سَقَطَ عَنْ بَعِيرِهِ فَوُقِصَ فَمَاتَ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَكَفِّنُوهُ فِي ثَوْبَيْهِ وَلَا تُخَمِّرُوا رَأْسَهُ فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُهِلُّ أَوْ يُلَبِّي قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا مَاتَ الْمُحْرِمُ انْقَطَعَ إِحْرَامُهُ وَيُصْنَعُ بِهِ كَمَا يُصْنَعُ بِغَيْرِ الْمُحْرِمِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک آدمی اپنے اونٹ سے گرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ مر گیا وہ احرام باندھے ہوئے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے بیری کے پتوں اور پانی سے غسل دو، انہی کپڑوں میں اسے دفن کرو اور اس کا سر مت ڈھانپو۔ قیامت کے دن یہ اسی حالت میں احرام باندھے ہوئے یا تلبیہ کہتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے سفیان ثوری شافعی احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ جب محرم فوت ہو جائے تو اس کا احرام ختم ہو جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ بھی غیر محرم کی طرح معاملہ کیا جائے گا۔

تشریح: **مسئلہ: حالتِ احرام میں مرنے والے کا حکم؟** جو شخص حالتِ احرام میں فوت ہو جائے تو کیا وہ مرنے کے بعد بھی محرم ہی رہتا ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور اہل ظواہر کے نزدیک محرم مرنے کے بعد بھی حالتِ احرام میں باقی رہتا ہے۔ لہٰذا جو شخص حالتِ احرام میں مر جائے تو اس کا سر ڈھانکنا اور اس کو خوشبو لگانا جائز نہیں کیونکہ حدیث الباب میں آپ نے سر ڈھکنے سے منع فرمایا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ وغیرہ کے نزدیک موت سے احرام منقطع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر محرم حالتِ احرام میں مر جائے تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو حلال کے ساتھ کیا جاتا ہے یعنی اس کو خوشبو لگانا اور اس کا سر ڈھانکنا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: انکی دلیل یہی حدیث الباب یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''قال کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فرأی رجلًا سقط عن بعیرہ فوقص فمات وھو محرم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اغسلوہ بماء و سدر و کفنوہ فی ثوبیہ . الخ''۔

جواب: یہ اس صحابی کی خصوصیت ہے ''فانہ یبعث یوم القیامۃ'' بھی اس کی خصوصیت کا قرینہ ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۴۱ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا

مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاثة، الا من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله"۔
دلیل ثانی: موطا امام مالک میں حضرت نافع کی روایت ہے "أن عبدالله بن عمر كفن ابنه واقد بن عبدالله و مات بالجحفة محرما وقال: لولا أنا حرم لطيبناه و خمر رأسه ووجهه"۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَشْتَكِي عَيْنَهُ فَيَضْمِدُهَا بِالصَّبِرِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ نُبَيْهِ بْنِ وَهْبٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ مَعْمَرٍ اشْتَكَى عَيْنَيْهِ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَسَأَلَ أَبَانَ بْنَ عُثْمَانَ فَقَالَ اضْمِدْهَا بِالصَّبِرِ فَإِنِّي سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ يَذْكُرُهَا عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اضْمِدْهَا بِالصَّبِرِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بَأْسًا أَنْ يَتَدَاوَى الْمُحْرِمُ بِدَوَاءٍ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ طِيبٌ

نبیہ بن وہب فرماتے ہیں کہ عمر بن عبید اللہ بن معمر کی احرام کی حالت میں آنکھیں دکھنے لگیں۔ انہوں نے ابان بن عثمان سے پوچھا (کہ کیا کروں) تو انہوں نے فرمایا اس پر صبر کا لیپ کرو، میں نے حضرت عثمان بن عفان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس پر صبر (ایلوے) کا لیپ کرو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ محرم کے دوا استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں خوشبو نہ ہو۔

تشریح: اضمدھا: ہمارے نسخوں میں اسی طرح ہے جبکہ بعض نسخوں میں "اضمدھما" ہے۔ درست "اضمدھما" ہی ہے۔ صبر کہتے ہیں ایلوا کو جو بہت کڑوا ہوتا ہے۔ آنکھوں میں جس کو تکلیف ہو تو وہ اس سے اپنی آنکھوں کو لیپ کرتا ہے۔ اب یہ لیپ کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہوتی لیپ کرنے سے جو چہرہ چھپتا ہے اس کو عرف میں چہرہ چھپانا بھی نہیں کہتے۔ یہی حکم دوسری دواؤں کا ہے۔ لیکن اگر دواؤں میں خوشبو ملی ہو تو ان کو استعمال نہیں کر سکتے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُحْرِمِ يَحْلِقُ رَأْسَهُ فِي إِحْرَامِهِ مَا عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ وَابْنِ أَبِي نَجِيحٍ وَحُمَيْدٍ الْأَعْرَجِ وَعَبْدِ الْكَرِيمِ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِهِ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ يُوقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں مکہ مکرمہ داخل ہونے سے پہلے ان کے پاس سے گزرے جبکہ وہ احرام کی حالت میں ہنڈیا کے نیچے آگ سلگا رہے تھے اور جوئیں گر کر ان کے منہ پر پڑ رہی تھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وَالْقَمْلُ يَتَهَافَتُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَالَ أَتُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ هَذِهِ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ احْلِقْ وَأَطْعِمْ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةِ مَسَاكِينَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ آصُعٍ أَوْ صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَوِ انْسُكْ نَسِيكَةً قَالَ ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ أَوِ اذْبَحْ شَاةً قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمُحْرِمَ إِذَا حَلَقَ أَوْ لَبِسَ مِنَ الثِّيَابِ مَا لَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَلْبَسَ فِي إِحْرَامِهِ أَوْ تَطَيَّبَ فَعَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ بِمِثْلِ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وسلم نے فرمایا کیا یہ جوئیں تمہیں اذیت دیتی ہیں؟ عرض کیا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سرمنڈ الو اور ایک فرق (تین صاع) کھانا چھ مسکینوں کو کھلا دو۔ یا پھر تین دن روزہ رکھو یا ایک جانور ذبح کرو۔ ابن ابی نجیح کہتے ہیں یا ایک بکری ذبح کرو امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر علماء صحابہ وتابعین کا عمل ہے کہ محرم جب سرمنڈوائے یا ایسا کپڑا پہن لے جو احرام میں اس کے لئے پہننا مناسب نہیں یا خوشبو لگائے تو اس پر کفارہ ہوگا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

تشریح: محرم آدمی کو حالت احرام میں حلق کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کیا کرے؟ اس بارے میں تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے جسم کے کسی حصہ کے بالوں کو حلق نہیں کرواسکتے البتہ اگر عذر ہو تو جائز ہے۔

احرام میں عذر کی وجہ سے کوئی چیز جائز ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث الباب میں حضرت کعب بن عجرہؓ کا واقعہ ہے کہ ان کے سر سے جوئیں گر رہی تھیں تو آپ ﷺ نے پوچھا کیا یہ کیڑے تمہیں تنگ کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ مجھے بہت پریشان کر رہے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (فمن کان منکم مریضًا أوبه اذى من راسه ففدية من صيام او صدقة أو نسك) فدیہ تین چیزوں میں ہے تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا جانور ذبح کرے تینوں میں سے جو چاہے کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو عذر ہے تو وہ عذر کی وجہ سے اپنے سر کو منڈواسکتا ہے۔ البتہ اس کے بدلے میں فدیہ دے دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا قَالَ أَبُو عِيسَى هَكَذَا رَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ وَرَوَى مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ

ابوالبداح بن عدی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چرواہوں کو ایک دن کنکریاں مارنے اور ایک دن چھوڑنے کی رخصت دی۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عیینہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے امام مالک بن انس بھی عبداللہ بن ابوبکر سے وہ اپنے والد سے وہ ابوالبداح بن عاصم بن عدی

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ وَرِوَايَةُ مَالِكٍ أَصَحُّ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ لِلرِّعَاءِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمًا وَيَدَعُوا يَوْمًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ.

سے انکے والد کے حوالے سے روایت کرتے ہیں اور مالکؒ کی روایت اصح ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت چرواہوں کو ایک دن کنکریاں مارنے اور ایک دن چھوڑ دینے کی اجازت دیتی ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي الْبَدَّاحِ بْنِ عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِعَاءِ الْإِبِلِ فِي الْبَيْتُوتَةِ أَنْ يَرْمُوا يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ يَجْمَعُوا رَمْيَ يَوْمَيْنِ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ فَيَرْمُونَهُ فِي أَحَدِهِمَا قَالَ مَالِكٌ ظَنَنْتُ أَنَّهُ قَالَ فِي الْأَوَّلِ مِنْهُمَا ثُمَّ يَرْمُونَ يَوْمَ النَّفْرِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ.

حسن بن علی خلال، عبدالرزاق، مالک بن انس، عبداللہ بن ابی بکر، ابوالبداح بن عاصم بن عدی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ چرانے والوں کو منیٰ میں رات نہ رہنے کی اجازت دی وہ اس طرح کہ قربانی کے دن کنکریاں ماریں پھر دو دن کی رمی پہلے دن کرے اور پھر اسی دن رمی کے لیے آجائے جس دن وہاں سے کوچ کیا جاتا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ ابن عیینہ کی عبداللہ بن ابوبکر سے مروی روایت سے اصح ہے۔

تشریح: منیٰ میں رات گزارنے کا حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اصح روایت بھی یہی ہے جبکہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مبیت واجب ہے۔ پھر اگر حاجی مبیت کو ترک کردے تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے اور اس پر کوئی دم بھی نہیں۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک ایک رات بھی مبیت کو ترک کردیا تو دم واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک رات کے مبیت کے ترک کرنے کی صورت میں ایک درہم واجب ہے۔ اور دو راتوں کے مبیت کے ترک کرنے کی صورت میں دو درہم واجب ہیں۔ البتہ تینوں راتوں کے مبیت کے ترک کی صورت میں امام مالکؒ کی طرح ان کے نزدیک بھی دم واجب ہوگا۔

رمی جمار کے وقت مسنون میں تاخیر کرنا: رمی کے ایام یہ ہیں۔ دس ذی الحجہ سے لیکر تیرہ ذی الحجہ تک دوسرا یہ کہ دس تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی ہے گیارہ اور بارہ کو جمرات ثلاثہ کی رمی ہے اور ضروری ہے تیرہ تاریخ کو جمرات ثلاثہ کی رمی میں اختیار ہے۔

دس تاریخ کو یوم النحر، گیارہ تاریخ کو یوم القر، بارہ تاریخ کو یوم النفر الاوّل، اور تیرہ تاریخ کو یوم النفر الثانی کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: رعاۃ دو دن کی اکٹھی رمی ایک دن کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبین کے نزدیک رعاۃ کو اس کی اجازت ہے کہ وہ دو دن کی رمی کو اکٹھا کر کے ایک دن کرلیں۔ اس صورت میں ان حضرات کے نزدیک کسی قسم کی جزا اور فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

قول ثانی: جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تاخیر کی صورت میں جزاء واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ صاحبین کی دلیل: یہی حدیث الباب دلیل ہے کہ اس سے تاخیر کا جواز معلوم ہوتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں۔

جواب: حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ کتب حنفیہ میں اس مسئلہ میں انتشار پایا جاتا ہے۔ اس سے امام صاحب کے مسلک کے مطابق دو قول سامنے آئے ہیں ایک قول کے مطابق دم آئے گا اور دوسرے قول کے مطابق دم نہیں آئے گا۔ اس پر انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ جن کتابوں میں امام صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ رعاۃ کو جمع کا حق نہیں ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ رخصت کا مدار صرف راعی ابل پر نہیں بلکہ اگر کسی کو مال کے ضیاع کا خطرہ ہو تو وہ بھی جمع کر سکتا ہے۔ اب آپ ﷺ نے جو اجازت دی تھی وہ صرف راعی کی بناء پر نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ ضیاع مال کا اندیشہ کی بناء پر بھی تھی اور ضیاع مال کا اندیشہ ہونے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک بھی جمع کی اجازت ہے اس لئے حدیث الباب ان کے مسلک کے خلاف نہیں۔

جواب من جانب احناف: احناف کی جانب سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حدیث الباب جمع صوری پر محمول ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی کر کے یوم النحر کے دن چلا جائے اور یوم القر میں رات کے آخری حصہ میں آئے طلوع صبح سے پہلے یوم القر کی رمی کرلے اور طلوع صبح کے بعد یوم النفر الاوّل کی رمی کرلے۔ امام صاحب کے نزدیک حسن بن زیاد والی روایت کے مطابق اس کا وقت شروع ہو چکا اور یوم النفر الثانی چونکہ اختیاری ہے اس لئے اسے ترک کر سکتا ہے۔

پھر رمی میں جمع تاخیر کو اختیار کیا جائے گا نہ کہ جمع تقدیمی کو۔

حدیث الباب امام ترمذیؒ نے دو طرق سے ذکر کی ہے ایک سفیان بن عیینہ کے طریق سے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: ”ان النبی ﷺ رخص للرعاء ان یرموا یومًا و یدعوا یومًا“ اس روایت میں کسی قسم کی تصریح نہیں کہ پہلے دن میں جمع کرے یا دوسرے دن میں بلکہ جمع ہی کا ذکر نہیں۔

دوسرا طریق امام مالک بن انسؒ کے طریق سے جس کے الفاظ یہ ہیں ”رخص رسول اللہ ﷺ لرعاء الابل فی البیتوتۃ أن یرموا یوم النحر ثم یجمعوا رمی یومین بعد النحر فیرمونہ فی أحدھما“ اب اس روایت میں دو دن کی رمی کو لاعلی التعیین کسی ایک دن میں جمع کرنے کا ذکر ہے جس سے جمع تقدیم اور جمع تاخیر کوئی ایک متعین نہیں ہوتی بلکہ دونوں کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اس دوسرے طریقے کو ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ”قال مالك ظننت أنه قال فی الاوّل منھما“ یوم النحر کے بعد پہلا دن یوم القر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع تقدیم بھی جائز ہے حالانکہ یہ کسی کے نزدیک نہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کا یہ جو مقولہ ہے ظننت انہ قال فی الاوّل منھما کما فی روایۃ مسند احمد۔ اس صورت میں روایت کا مطلب یہ ہوگا کہ رعاۃ پہلے یوم النحر میں رمی کریں گے پھر یوم النحر کے بعد دو دن کی رمی کو جمع کریں گے۔ پس ان دونوں میں سے آخری دن رمی کریں یعنی بارہ ذی الحجہ کو رمی کرے گیارہویں تاریخ کی بھی اور بارہویں تاریخ کو بھی اس کے بعد اگر منیٰ میں قیام کریں تو پھر یوم النفر الثانی یعنی تیرہ تاریخ کو بھی رمی کریں۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ: امام ترمذیؒ

یہاں دونوں طریق میں سے امام مالک بن انسؒ کے طریق کو راجح قرار دے رہے ہیں۔

اس کی وجہ ترجیح کیا ہے؟ امام مالکؒ والے طریق میں ابوالبداح کے والد عاصم بن عدی کا بھی ذکر ہے لہٰذا "عن ابی البداح بن عدی عن ابیہ" کہنا مناسب نہیں۔ اس لئے اس سے ایک وہم تو یہ پیدا ہوا کہ ابوالبداح یہ روایت عدی سے نقل کر رہے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے اسلئے کہ ابوالبداح اس روایت کو اپنے والد عاصم سے نقل کر رہے ہیں اور امام مالک کے طریق میں کوئی ابہام نہیں۔

دوسری وجہ ترجیح یہ بیان کی گئی ہے کہ سفیان کے طریق میں اختلاف ہے اس طریق کی ابن ماجہ والی روایت میں عبداللہ بن ابی بکر اور ابوالبداح کے درمیان عبدالملک بن ابی بکر کا واسطہ موجود ہے۔ جبکہ ترمذی اور ابوداؤد والی روایت میں یہ واسطہ مذکور نہیں۔ سفیان بن عیینہ والے طریق کے مقابلے میں امام مالک کے طریق میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ ان کا طریق بغیر کسی اختلاف کے عبدالملک کے واسطے کے بغیر مروی ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ سَمِعْتُ مَرْوَانَ الْأَصْفَرَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عَلِيًّا قَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ بِمَ أَهْلَلْتَ قَالَ أَهْلَلْتُ بِمَا أَهَلَّ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنَّ مَعِي هَدْيًا لَأَحْلَلْتُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ نے پوچھا تم نے کس نیت سے احرام باندھا ہے انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں نے نیت کی تھی کہ جیسا نبی کریمؐ کا احرام ہے ویسا میرا ہے پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس ہدی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔

تشریح: ترجمۃ الباب سے غرض امام ترمذیؒ کی یہ ہے کہ کسی نے احرام مبہم باندھا ہو کسی چیز کی تعیین نہ کی ہو کہ یہ عمرہ کا احرام ہے یا حج کا احرام ہے اس صورت میں ایسی نیت کرنا بھی جائز ہے مگر ایسے شخص کو طواف شروع کرنے سے پہلے حج یا عمرہ کی تعیین کرنا ہوگی اگر کسی کی تعیین کئے بغیر طواف شروع کر دے گا تو وہ خود بخود عمرہ کا طواف ہو جائے گا، ائمہ اربعہ کا یہی قول ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیت مبہم کی صورت میں افعال حج یا افعال عمرہ کی ادائیگی سے قبل تعیین ضروری ہے اگر اس نے تعیین نہ کی اور طواف کر لیا خواہ ابھی ایک ہی چکر کیا ہو اس کا احرام عمرہ کے لئے متعین ہو جائے گا کما مر۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ عَبْدِ الصَّمَدِ بْنِ عَبْدِ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے

الْوَارِثِ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ يَوْمِ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ فَقَالَ يَوْمُ النَّحْرِ. حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَوْمُ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمُ النَّحْرِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ وَرِوَايَةُ ابْنِ عُيَيْنَةَ مَوْقُوفًا أَصَحُّ مِنْ رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ مَرْفُوعًا قَالَ أَبُو عِيسَى هٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ مَوْقُوفًا

رسول سے حج اکبر کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا وہ قربانی کا دن ہے (یعنی دس ذوالحجہ) ابن ابی عمر، سفیان، ابواسحاق، حارث، حضرت علی غیر مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ حج اکبر کا دن قربانی کا دن ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے یہ پہلی حدیث سے اصح ہے اور ابن عیینہ کی موقوف روایت محمد بن اسحاق کی مرفوع روایت سے اصح ہے کئی حفاظ حدیث ابواسحاق سے وہ حارث سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح موقوفا روایت کرتے ہیں۔

تشریح: حج اکبر کی تفسیر میں ائمہ کے مختلف اقوال: ① فقیل الحج هو الحج الاکبر والعمرة یقال لها الحج الاصغر. حج اکبر سے مراد حج ہے اور حج اصغر سے مراد عمرہ ہے۔

② عند البعض حج اکبر سے مراد مطلق حج ہے اس لئے کہ عمرہ سے حج کو ممتاز کرنا تھا اس لئے یہ کہا گیا۔

③ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ شعبی اور مجاہد کا قول ہے کہ اس کا مصداق یوم النحر ہے حدیث الباب سے اسی قول کی تائید ہوتی ہے۔

④ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرات عبادلہ ثلاثہ کے ہاں اس کا مصداق یوم عرفہ ہے جیسا کہ الحج عرفه ہے۔ یہی روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔

⑤ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حج کے پانچوں دن "یوم الحج الاکبر" کا مصداق ہیں جن میں عرفہ اور یوم النحر دونوں داخل ہیں۔ یوم کو محاورۃً مفرد لائے ہیں۔

⑥ لوگوں میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ عرفہ کے دن جمعہ آجائے تو وہی حج اکبر ہے لیکن اس کی اصل قرآن وسنت میں کہیں بھی نہیں۔ بلکہ ہر سال کا حج، حج اکبر ہے۔ یہاں اتفاقی بات ہے کہ جس دن نبی کریم ﷺ نے حج فرمایا اس میں یوم عرفہ جمعہ کا دن تھا یہ اپنی جگہ فضیلت ضرور ہے مگر یوم الحج الاکبر کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

⑦ بعض نے حجۃ الوداع کو حج اکبر کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن اسلام کو مکمل طور پر شان وشوکت حاصل ہوئی تھی۔

⑧ یا اس کو حج الاکبر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ شامل تھے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ

ابن عبید بن عمیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر دونوں

السَّائِبِ عَنِ ابْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّكَ تُزَاحِمُ عَلَى الرُّكْنَيْنِ زِحَامًا مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُزَاحِمُ عَلَيْهِ فَقَالَ إِنْ أَفْعَلْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مَسْحَهُمَا كَفَّارَةٌ الْخَطَايَا وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ أُسْبُوعًا فَأَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَضَعُ قَدَمًا وَلَا يَرْفَعُ أُخْرٰى إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَكُتِبَتْ لَهُ بِهَا حَسَنَةٌ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَرَوٰى حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنِ ابْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِيهِ وَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

رکنوں (حجر اسود اور رکن یمانی) پر بھیڑ میں پڑتے تھے میں نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن آپ دونوں رکنوں پر بھیڑ میں پڑتے ہیں جب کہ میں نے کسی صحابی کو ایسا بھیڑ میں پڑتے ہوئے نہیں دیکھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں کیوں نہ ایسا کروں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ ان کو چھونے سے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا ہے میں نے یہ بھی سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا سات مرتبہ طواف کیا اور انہیں اچھی طرح شمار کیا تو یہ ایک غلام آزاد کرنے کے مثل ہے میں نے یہ بھی سنا کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص طواف میں ایک قدم رکھتا ہے اور ایک قدم اٹھاتا ہے تو اسکا ایک گناہ معاف اور ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حماد بن زید بھی عطاء بن سائب سے وہ عبید بن عمیر سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں لیکن ابن عبید کے والد کا ذکر نہیں کرتے یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: استلام رکنین یمانیین کا ہوگا یا رکنین شامیین کا بھی ہوگا اس بارے میں دو قول ہیں۔

قول اوّل: حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت جابر بن یزید، حضرت عروہ بن زبیر اور سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ استلام تمام ارکان کا ہوگا۔

قول ثانی: حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ استلام صرف رکن اسود اور رکن یمانی کا ہوگا۔ حضرات حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ استلام صرف رکنین یمانیین کا ہو اسلئے کہ یہی دونوں رکن بناء ابراہیمی کی بنیادوں پر ہیں۔ رکن اسود کی مزید فضیلت یہ ہے کہ اس میں حجر اسود بھی ہے ان دونوں کے مقابلے میں رکنین شامیین میں نہ حجر اسود اور نہ ہی قواعد ابراہیمی ہیں۔ اگر چاروں کونے قواعد ابراہیم پر ہوتے تو چاروں کا استلام ہوتا۔ اس باب کی تفصیل ماقبل شروع کتاب الحج میں گزر گئی۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی

السَّائِبِ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلُ الصَّلَاةِ إِلَّا أَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُونَ فِيهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيهِ فَلَا يَتَكَلَّمْ إِلَّا بِخَيْرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ وَغَيْرِهٖ عَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَوْقُوفًا وَلَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ الرَّجُلُ فِي الطَّوَافِ إِلَّا لِحَاجَةٍ أَوْ يَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْ مِنَ الْعِلْمِ.

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کا طواف نماز ہی کی طرح ہے مگر یہ کہ تم اس میں گفتگو کر لیتے ہو لہٰذا جو اس میں بات کرے وہ نیکی کی ہی بات کرے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابن طاؤس وغیرہ طاؤس سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث موقوفاً روایت کرتے ہیں ہم اس حدیث کو عطاء بن سائب کی روایت کے علاوہ مرفوع نہیں جانتے۔ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ طواف میں باتیں نہ کرنا مستحب ہے لیکن ضرورت کے وقت یا علم کی باتیں یا اللہ کا ذکر کرنے کی اجازت ہے۔

تشریح: آپ ﷺ کا فرمان ''الطواف حول البیت مثل الصلوۃ'' کہ بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیزیں نماز کے لئے شرط ہیں مثلاً طہارت، ستر عورت، طواف میں بھی شرط ہیں۔ مگر بعض شرائط میں فرق ہے کہ نماز میں قبلہ رخ ہونا شرط ہے جبکہ طواف میں ایسا نہیں۔ اسی طرح نماز میں بولنے کی گنجائش نہیں جبکہ طواف میں خیر کی بات کہنے کی گنجائش ہے اور دورانِ طواف کوئی مل جائے تو اس کو دعا سلام بھی کر سکتے ہیں۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ جَرِيرٍ عَنِ ابْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا اللہ کی قسم اللہ قیامت کے دن اسکو اس حالت میں اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بات کرے گا اور جس نے اسے حق کے ساتھ چوما اسکے متعلق گواہی دے گا امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حجر اسود کے بارے میں اس حدیث میں آیا ہے کہ اس کی قیامت کے دن دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا اور اس شخص کے حق میں گواہی دے گا جس نے برحق طور پر اس کو چھوا ہے۔ حجر اسود اگرچہ ایک پتھر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک خصوصیت رکھی ہے وہ اس شخص کو پہچانتا ہے جو تعظیم کی نیت سے اس کا استلام کرتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ بیت اللہ شریف گویا روحانیت سے بھرا ہوا ہے اور حجر اسود اس کا ایک جز ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کو قیامت کے دن وہ چیز دی جائے جو زندوں کی خاصیت ہے یعنی آنکھیں اور زبان دی جائیں۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَدَّهِنُ بِالزَّيْتِ وَهُوَ مُحْرِمٌ غَيْرِ الْمُقَتَّتِ قَالَ أَبُو عِيسَى مُقَتَّتٌ مُطَيَّبٌ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَقَدْ تَكَلَّمَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ فِي فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ وَرَوٰى عَنْهُ النَّاسُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احرام کی حالت میں بغیر خوشبو زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ مقتت کے معنی خوشبودار کے ہیں یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو فرقد سبخی کی سعید بن جبیر سے روایت سے ہی جانتے ہیں یحیٰی بن سعید نے فرقد سبخی میں کلام کیا ہے لیکن لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: غَيْرِ الْمُقَتَّتِ یہ مطیب کے معنی میں ہے یہ "وقت" سے ماخوذ ہے بمعنی خوشبو۔

اس بارے میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ ایسا تیل جو خود طیب ہو یا اس میں خوشبو ملائی گئی ہو اس کا استعمال بالکل جائز نہیں۔ البتہ تداوی کے طور پر کوئی استعمال کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

قول اوّل: بغیر خوشبو والا تیل استعمال کرنے میں اختلاف ہے امام شافعیؒ کے نزدیک سر اور داڑھی کے علاوہ حالتِ احرام میں پورے بدن پر اس کا استعمال جائز ہے سر یا داڑھی میں لگانے کی صورت میں دم واجب ہوگا۔

قول ثانی: امام صاحبؒ کے نزدیک سادہ تیل بغیر خوشبو والا بھی حالتِ احرام میں موجب دم ہے خواہ اس کو جسم کے کسی حصہ پر استعمال کیا جائے۔ **قول ثالث:** صاحبین کے نزدیک ایسا تیل جسم پر لگانا موجب دم نہیں البتہ موجب صدقہ ہے۔

شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے شوافع حضرات اسے غیر رأس اور غیر لحیہ پر محمول کر سکتے ہیں۔

جواب: اس حدیث کا دارومدار فرقد السبخی پر ہے جو کہ ضعیف راوی ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو غریب قرار دیا ہے۔ امام ترمذی کی اصطلاح میں یہ ہے کہ وہ جس حدیث کو غریب کہتے ہیں اس سے ضعیف مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ اصول حدیث کی اصطلاح میں غریب، صحیح، حسن کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے۔

احناف کی دلیل: ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا "یا رسول الله فما الحج" آپ ﷺ نے فرمایا "الشعث التفل" یعنی اصل حاجی وہ ہے جو پراگندہ بال اور میلا کچیلا ہو اور تیل لگانا شعث کے منافی ہے۔

صاحبین کی دلیل: تیل کا تعلق اصلاً اطعمہ سے ہے اس اعتبار سے تو جنابت ہونی ہی نہیں چاہیے لیکن اس سے جوئیں مرتی ہیں اور یہ شعث ہونے کے منافی ہے اس لئے جنایت قاصرہ ہونے کی وجہ سے صدقہ واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ تیل سے چونکہ جوئیں مرتی ہیں یہ بالوں کو نرم کرتا ہے میل کچیل کو دور کرتا ہے اور یہ شعث کے منافی ہے اس لئے اس کی جنایت کامل ہے لہٰذا دم واجب ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّهَا كَانَتْ تَحْمِلُ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَتُخْبِرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْمِلُهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ .

ہشام بن عروہ اپنے والد حضرت عروہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ زم زم کا پانی اپنے ساتھ لے جایا کرتی تھیں اور فرماتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسے لے جایا کرتے تھے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں زم زم کے دوسرے علاقوں میں لے جانے کا ذکر ہے۔

زم زم کا معنی: بعض حضرات نے زمزم کے معنی کثرت سے کئے ہیں کیونکہ اس کنویں میں بے حساب پانی ہے جو کبھی نہ ختم ہوے والا ہے اس لئے اس کو زمزم کہتے ہیں۔

یا زم کے معنی بند باندھنے کے ہیں چونکہ جب یہ چشمہ پھوٹا اس وقت حضرت ہاجرہ % نے پانی کو جمع رکھنے اور محفوظ کرنے کے لئے مٹی کے ڈھیر سے روک دیا اس لئے اس کو زمزم کہتے ہیں۔

ماء زمزم کی فضیلت بہت ساری احادیث میں وارد ہوئی ہے معجم طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ زمین پر سب سے بہتر چیز زمزم ہے اس میں کھانے والوں کے لئے غذا اور پینے والوں کے لئے شفاء ہے۔

زمزم پینے کے آداب: زمزم کے آداب میں سے یہ ہے کہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے دائیں ہاتھ سے تین سانس میں پیئے اور ہر دفعہ کے شروع میں بسم اللہ کہے اور سانس لینے پر الحمد للہ کہے اور خوب پیٹ بھر کر پیے۔

زمزم کھڑے ہو کر پینے کے متعلق روایات: زمزم کھڑے ہو کر پینا چاہیے یا بیٹھ کر؟ بعض حضرات کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ یا ممنوع کہتے ہیں۔

بعض ائمہ کے نزدیک کھڑے ہو کر پیا تو بلا کراہت جائز ہے مگر مستحب نہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''شرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائما من زمزم''۔

جو حضرات کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان جواز، یا ہجوم وغیرہ کے عذر پر محمول ہے۔

زمزم پینے کے بعد کی دعا ہے ''اللهم انی اسئلك علما نافعا ورزقا واسعا وشفاء من كل داء'' زمزم سے وضو یا غسل کرنا مناسب نہیں البتہ اگر جسم پاک ہے بطور برکت کے غسل کرے تو جائز ہے۔ بعض محققین نے لکھا ہے کہ بے وضو کو اس سے وضو کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ البتہ جنبی کو اس سے غسل نہیں کرنا چاہیے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْوَزِيرِ

عبد العزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

الْوَاسِطِيُّ الْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ رُفَيْعٍ قَالَ قُلْتُ لِأَنَسٍ حَدِّثْنِي بِشَيْءٍ عَقَلْتَهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ صَلَّى الظُّهْرَ يَوْمَ التَّرْوِيَةِ قَالَ بِمِنًى قَالَ قُلْتُ فَأَيْنَ صَلَّى الْعَصْرَ يَوْمَ النَّفْرِ قَالَ بِالْأَبْطَحِ ثُمَّ قَالَ افْعَلْ كَمَا يَفْعَلُ أُمَرَاؤُكَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ يُسْتَغْرَبُ مِنْ حَدِيثِ إِسْحٰقَ الْأَزْرَقِ عَنِ الثَّوْرِيِّ.

کہا کہ مجھے ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آٹھویں ذی الحجہ کو ظہر کی نماز کہاں پڑھی؟ حضرت انس ؓ نے فرمایا منیٰ میں۔ میں نے کہا کہ جس دن آپ روانہ ہوئے اس دن عصر کی نماز کہاں پڑھی؟ فرمایا وادی ابطح میں۔ پھر حضرت انس ؓ نے فرمایا تم اسی طرح کرو جس طرح تمہارے امیر کرتے ہیں۔ (یعنی وہاں نماز پڑھو جہاں تمہارے حج کے امیر نماز پڑھتے ہیں)۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد میں امراء کا طریقہ بدل گیا تھا اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''**افعل کما یفعل امراءك**'' کہ امراء جس طرح کرتے ہیں اسی طرح کرو وجہ اس کی یہ ہے کہ ابطح میں اترنا مناسک حج میں سے نہیں ہے۔ ابطح کے متعلق تفصیلی بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔

أَبْوَابُ الْجَنَائِزِ

عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

قولہ جنائز: علامہ نوویؒ نے فرمایا جنائز جنازہ کی جمع ہے۔ جَنازہ (بالفتح) میت کو کہا جاتا ہے اور جِنازہ (بالکسر) میت کی چارپائی کو کہا جاتا ہے وقیل عکسہ۔ کذا فی القاموس۔ ''قال النووی الجنازة بکسر الجیم وفتحها والکسر افصح، ویقال بالفتح للمیت وبالکسر للنعش علیه میت ویقال عکسه''۔ (التعلیق الصبیح ج۲ص۲۵۲)

بَاب مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْمَرَضِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً وَفِي الْبَاب عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ وَأَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَسَدِ بْنِ كُرْزٍ وَجَابِرٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَزْهَرَ وَأَبِي مُوسَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کو کوئی کانٹا نہیں چبھتا یا اس سے بڑی تکلیف نہیں پہنچتی مگر اللہ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی ایک غلطی معاف کرتا ہے۔ اس باب میں حضرت سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، ابوہریرہ، ابوامامہ، ابوسعید، انس، عبداللہ بن عمرو، اسد کرز، جابر، عبدالرحمٰن بن ازہر، ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات مروی ہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا حسن صحیح ہے۔

تشریح: **لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ**: مؤمن کو جو کوئی تکلیف یا مشکل پیش آتی ہے خواہ کانٹا چبھنے کے برابر ہی تکلیف کیوں نہ ہو اس سے بھی مؤمن بندے کے گناہ جھڑتے ہیں۔ ابواب الجنائز میں پہلی حدیث امام ترمذیؒ اسی لئے لائے ہیں کہ عام طور پر انسان پر جب موت کا وقوعہ پیش ہوتا ہے تو لواحقین کو صدمہ پہنچتا ہے اور وہ اس پر صبر کریں گے تو درجات بلند ہوں گے اسی طرح انسان بیماری میں صبر کرے زیادہ واویلا نہ مچائے بلکہ صبر کرے تو اس پر اسکے گناہ بھی معاف ہونگے اور اسکے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔

نیز انسان کے نامہ اعمال میں جب تک گناہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی بیماری کی وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹاتے رہتے ہیں اور جب گناہ مٹ جاتے ہیں تو پھر اس کی بیماری سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔

شَوْكَةٌ: شَوْكَةٌ کہتے ہیں کانٹے کو۔ یعنی جس طرح ایک مرتبہ کانٹا چبھتا ہے تو اس پر وہ صبر کرتا ہے حالانکہ مرۃً فمرۃً نہیں ہوتا۔ اس کو اجر ملتا ہے اس طرح کسی مشکل پیش آنے پر صبر کرنا۔ یہ بھی کانٹا چبھنے کے مترادف ہے۔ الحاصل صابر مسلمان کی معمولی تکلیف بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ واللہ اعلم

فَمَا فَوْقَهَا: یہ فوق کا لفظ کبھی تو بڑا ہونے پر بولا جاتا ہے اور کبھی چھوٹا ہونے پر جیسا کہ قرآن پاک کی آیت ہے "ان اللہ لایستحی ان یضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها" کہ اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی چھوٹی مخلوق کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتے۔ اس آیت میں اور اس حدیث میں فوقیت فی الصغر مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب کانٹے کی تکلیف اور اس سے معمولی تکلیف کفارہ سیئات بنتی ہے تو مرض کی تکلیف جو اس سے بڑی ہے وہ تو بطریق اولیٰ کفارہ بنے گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ بعض مشکلات و آفات من جانب اللہ ایسے ہوتے ہیں جن کا ظاہری سبب کسی کو معلوم نہیں ہوتا یہ اللہ کی طرف سے ایک حکمت ہوتی ہے اور جن مشکلات کا ظاہری سبب ہوتا ہے وہ انسان کی اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے نیز حدیث میں عبد سے مراد ہم جیسے گناہ گار ہیں۔ انبیاء اور گناہوں سے محفوظ حضرات کو جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ رفع درجات کیلئے ہوتی ہیں 'وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ'' اور دوسری آیت ''اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا الآية'' (آل عمران:۱۶۵) نیز بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مصیبت سے خاص مصیبت مراد ہے یعنی غزوہ اُحد میں جو تم کو مصیبت، شکست پہنچی وہ تمہاری اپنی غلطی سے تھی کہ تم نے درہ خالی چھوڑ دیا اس درہ سے تم پر کفار نے حملہ کر دیا اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے کہ اللہ پاک تمہاری بہت سی خطاؤں سے درگذر کا معاملہ کرتا ہے۔ بعض پر معمولی پکڑ کرتا ہے اور اللہ پاک کی یہ پکڑ بھی تم کو متنبہ کرنے اور آئندہ احتیاط کے طور پر ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ شَيْءٍ يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا حَزَنٍ وَلَا وَصَبٍ حَتَّى الْهَمُّ يُهِمُّهُ إِلَّا يُكَفِّرُ اللَّهُ بِهِ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ فِي هَذَا الْبَابِ قَالَ وَ سَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ لَمْ يُسْمَعْ فِي الْهَمِّ أَنَّهُ يَكُونُ كَفَّارَةً إِلَّا فِي هَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کو کوئی زخم، غم، یا رنج حتی کہ اگر کوئی پریشانی بھی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس مؤمن کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس باب میں حسن ہے۔ میں نے جارود سے سنا انہوں نے وکیع کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اس روایت کے علاوہ کسی روایت میں نہیں سنا کہ پریشانی یا فکر سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں۔ بعض راوی یہ حدیث عطاء بن یسار سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

قوله ما يصيب المسلم: میں ''ما'' نافیہ اور ''من نصب'' میں من استغراق کیلئے ہے۔

قوله من نصب ولا وصب: نصب سے تعب والم (تھکاوٹ وتکلیف) مراد ہے۔ جو انسان کے جسم میں زخم یا پھوڑے وغیرہ سے پہنچے۔ ''ولا وصب'' سے مراد ایسی تکلیف جو دائمی ہو۔

ھم اور حزن میں فرق: ''ھم'' کہتے ہیں آنے والی پریشانی سے پہلے کی کیفیت کو گویا اس کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہے اور ''حزن'' کہتے ہیں پریشانی اور تکلیف کے بعد کی حالت کو گویا اس کا تعلق ماضی کے ساتھ ہے (مرقاۃ ایضا)۔ بعض نے کہا کہ غم وہ ہوتا ہے جس کا سبب معلوم ہو اور ''ھم'' وہ ہوتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو۔

غم اور حزن میں فرق: غم اشد ہوتا ہے یعنی اس میں دل بے چین اور مضطرب ہوتا ہے اور حزن اس سے کم ہوتا ہے۔

خوف اور حزن میں فرق: ''حزن'' مافات پر ہوتا ہے اور ''خوف'' مایأتی پر ہوتا ہے مثلاً کسی کا بھائی بیمار ہو اور اس کے مر جانے کا اندیشہ ہو تو یہ خوف ہے اور اگر وہ بھائی وفات پا جائے تو بعد میں حاصل ہونے والا صدمہ ''حزن'' ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جارود سے سنا کہ وکیع فرماتے ہیں بے شک ھم کے بارے میں یہ بات کہ وہ کفارہ سیئات ہوتی ہیں، صرف اس حدیث میں آئی ہے بعض حضرات نے اس حدیث کی سند کو حضرت ابوہریرہؓ تک پہنچایا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِيَادَةِ الْمَرِيضِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ الرَّحَبِيِّ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي مُوسَى وَالْبَرَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ثَوْبَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَرَوَى أَبُو غِفَارٍ وَعَاصِمٌ الْأَحْوَلُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ مَنْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ فَهُوَ أَصَحُّ قَالَ مُحَمَّدٌ

حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ اتنی دیر جنت میں میوے چنتا رہتا ہے۔ اس باب میں حضرت علی، ابوموسیٰ، براء، ابوہریرہ، انس اور جابر سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ ثوبان کی حدیث حسن ہے۔ ابوغفار اور عاصم احول یہ حدیث ابوقلابہ سے وہ ابوالاشعث سے وہ ابواسماء سے وہ ثوبان سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں (ابوالاشعث کا واسطہ ذکر کرتے ہیں) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا جو حضرات یہ حدیث ابواشعث سے اور وہ ابواسماء سے روایت کرتے ہیں اس حدیث کی روایت اصح ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابوقلابہ کی احادیث (براہ راست) ابواسماء سے مروی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ حدیث ابوقلابہ نے بواسطہ ابواشعث،

وَأَحَادِيثُ أَبِي قِلَابَةَ إِنَّمَا هِيَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ فَهُوَ عِنْدِي عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ وَزِيرٍ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَزَادَ فِيهِ قِيلَ مَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ قَالَ جَنَاهَا حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ خَالِدٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

ابو اسماء سے روایت کی ہے۔ محمد بن وزیر، یزید بن ہارون، عاصم، ابوقلابہ ہم سے روایت کی محمد بن وزیر واسطی نے انہوں نے یزید بن ہارون سے انہوں نے عاصم احول سے انہوں نے ابوقلابہ سے انہوں نے ابوالاشعث سے انہوں نے ابواسماء سے انہوں نے ثوبان سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کی مثل اور اس میں یہ الفاظ زیادہ نقل کیے۔ قِيلَ مَا خُرْفَةُ الْجَنَّةِ جنت کیا ہے؟ فرمایا اس کے پھل۔ ہم سے روایت کی احمد بن عبدہ ضبی نے انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ایوب سے انہوں نے ابوقلابہ سے انہوں نے اسماء سے انہوں نے ثوبان سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خالد کی حدیث کی مثل اور اس میں ابوالاشعث کا ذکر نہیں کیا بعض راوی یہ حدیث حماد بن زید سے بھی غیر مرفوع روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ ثُوَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَخَذَ عَلِيٌّ بِيَدِي قَالَ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى الْحُسَيْنِ نَعُودُهُ فَوَجَدْنَا عِنْدَهُ أَبَا مُوسٰى فَقَالَ عَلِيٌّ أَعَائِدًا جِئْتَ يَا أَبَا مُوسٰى أَمْ زَائِرًا فَقَالَ لَا بَلْ عَائِدًا فَقَالَ عَلِيٌّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلَّا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَمِنْهُمْ مَنْ وَقَفَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ اسْمُ أَبِي سَعِيدٍ بْنُ عِلَاقَةَ

حضرت ثویر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت علی نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا چلو حسین کی عیادت کے لئے چلیں ہم نے ان کے پاس حضرت ابوموسی اشعری کو پایا تو حضرت علیؓ نے پوچھا اے ابوموسی! بیمار پرسی کے لئے آئے ہو یا ملاقات کے لیے؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ عیادت کے لیے آیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اگر کوعیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لئے صبح تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے لئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب حسن ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے بعض راوی یہ حدیث موقوفاً روایت کرتے ہیں ابوفاختہ کا نام سعید بن علاقہ ہے۔

تشریح: مریض کی عیادت حقوق العباد میں سے ہے جو حقوق ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہوتے ہیں جن کا ذکر احادیث میں آتا ہے ان میں سے ایک حق مریض کی عیادت کرنا بھی ہے عیادت کے بارے میں یہ آداب بھی ہیں "العیادة فواق الناقة" اونٹنی کا پہلی اور دوسری دفعہ دودھ دھونے کے درمیان کا جو وقفہ ہے اتنی دیر مریض کے پاس بیٹھے رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عیادت مختصر ہونی چاہیے تاکہ مریض کو طویل گفتگو اور طویل جلوس سے ان کو تکلیف نہ ہو۔ البتہ سردیوں کی رات لمبی ہوتی ہے اس لئے عیادت کیلئے مریض کے پاس دیر تک بیٹھا رہنا مناسب ہے اور گرمیوں کی راتوں میں مختصر عیادت ہونی چاہیے تاکہ مریض کو آرام کا موقع بھی مل جائے۔

لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ: باغ میں دیوار پر بیٹھ کر پھل توڑنے اور چننے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی مجازی معنی کے طور پر بھی باغ پر بولا جاتا ہے۔ اس حدیث میں عیادت کرنے والے کی فضیلت کا بیان ہے کہ جب تک وہ عیادت میں ہوتا ہے اس وقت تک جنت کے میوہ کھانے والوں میں سے ہوتا ہے۔ "ای ان العائد فیما یحوزہ من الثواب کانه علی نخیل الجنة" یعنی وہ ثواب میں ہوتا ہے گویا کہ وہ جنت کی کھجوروں کے باغ میں ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ دوران عیادت ہوتا ہے تو اس وقت وہ کھجوروں کے باغ میں ہوتا ہے اور جب واپس جاتا ہے تو گویا وہ کھجوریں چن چن کر واپس لے جا رہا ہوتا ہے۔ یہ کنایہ ہے ثواب ملنے سے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ عیادت کرنے والے نے ایسا فعل سرانجام دیا ہے جو اس کو جنت میں لے جائے گا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ثَوْبَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ: یہ حدیث چند راویوں سے مروی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ جس نے اس حدیث کو ابوالاشعث کے واسطہ سے روایت کیا ہے وہ اصح ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابوقلابہ کی حدیثیں ابواسماء ہی سے ہیں یعنی ابوقلابہ نے تمام حدیثیں براہ راست ابواسماء سے سنی ہیں علاوہ اس حدیث کے۔ باقی رہی عاصم الاحول کی سند اس میں واسطہ ہے اور اس میں یہ مضمون زائد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ "خرفة الجنة" کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے پکے ہوئے میوے۔

اور اس کے بعد ایوب سختیانی کی سند ہے وہ بھی خالد الحذاء کی طرح واسطہ کے بغیر روایت کرتے ہیں اور بعض حضرات نے اس حدیث کو حماد بن زید سے روایت کیا ہے مگر مرفوع ذکر نہیں کیا۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے اور بعض رواۃ نے اس کو موقوف بیان کیا ہے ثُوَیر کے والد کا نام سعید بن علاقہ ہے اور کنیت ابوفاختہ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّمَنِّي لِلْمَوْتِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوٰى فِي بَطْنِهِ فَقَالَ مَا أَعْلَمُ أَحَدًا لَقِيَ مِنَ

حضرت حارثہ بن مضرب سے روایت ہے کہ میں خباب کے پاس حاضر ہوا انہوں نے اپنے پیٹ میں داغ لگوایا تھا۔ وہ فرمانے لگے مجھے معلوم نہیں کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے اتنی تکلیف اٹھائی ہو جتنی میں نے اٹھائی ہے میرے پاس نبی اکرم

الْبَلَاءِ مَا لَقِيتُ لَقَدْ كُنْتُ وَمَا أَجِدُ دِرْهَمًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي نَاحِيَةِ بَيْتِي أَرْبَعُونَ أَلْفًا وَلَوْلَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَوْ نَهَى أَنْ يَتَمَنَّى الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ أَنَسٍ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ خَبَّابٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهِ وَلْيَقُلِ اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِي مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِي وَتَوَفَّنِي إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِي.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک درہم بھی نہ ہوتا تھا۔ اور اب میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہوئے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں موت کی تمنا سے منع نہ کیا ہوتا تو میں موت کی تمنا کرتا۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، انس، اور جابر سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث خباب حسن صحیح ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اس مصیبت کی وجہ سے جو اس پر نازل ہوئی ہے اور چاہئے کہ یہ دعا کرے (اے اللہ اگر میرے لئے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور اگر موت بہتر ہو تو موت دیدے)۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

علی بن حجر، اسماعیل بن ابراہیم سے وہ عبدالعزیز بن صہیب سے وہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: وقد اکتوی: علاج بالکی کی شرعی حیثیت: اس حدیث میں داغنے کے جواز پر استدلال ہو رہا ہے کہ داغنا جائز ہے حالانکہ دوسری بہت ساری احادیث میں ان سے روکا گیا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس ﷠ کی روایت ہے: ''عن النبی ﷺ قال: الشفاء فی ثلاثة، شربة عسل، و شرطة محجم و كيّة نار وانهى عن الكى'' (بخاری شریف جلد ۲ ص ۸۴۸ کتاب الطب، باب الشفاء فی ثلاث)

اسی طرح سنن ابی داؤد میں روایت ہے ''عن عمران بن حصين قال نهى النبى ﷺ عن الكى، فاكتوينا، فما افلحنا ولا أنجحنا'' (سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۵۴۰ کتاب الطب، باب فی الکی)

اسی طرح وہ احادیث جن میں داغ لگانے کا جواز معلوم ہو رہا ہے ایک تو یہی حدیث الباب ہے دوسری حدیث سنن ابی داؤد میں حضرت جابر ﷛ کی روایت ہے ''ان النبى ﷺ كوى سعد بن معاذ من رميته'' (جلد ۲ ص ۵۴۰)

سنن ترمذی میں حضرت انس ﷛ کی روایت ہے ''ان النبى ﷺ كوى سعد بن زرارة من الشوكة'' (جلد ۲ ص ۲۳، ابواب الطب، باب ما جاء فی الرخصة فی ذلك)

ابن ماجہ میں حضرت جابر ﷛ سے روایت ہے ''قال مرض أبي بن كعب مرضاً، فارسل اليه النبى ﷺ طبيباً،

فکواہ علی اکحلہ'' (سنن ابن ماجہ ۲۴۹ باب من اکتوی)

ان احادیث کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

توجیہ اول: نہی والی احادیث اس صورت پر محمول ہیں کہ جب اعتقاد خراب ہونے کا اندیشہ ہو یعنی یہ نہی داغنے کی حرمت ومنافعت کی وجہ سے نہیں دراصل عرب میں یہ عقیدہ زور پکڑ گیا تھا کہ داغنا ایسا علاج ہے جو صحت دے دیتا ہے اور جو نہ داغے وہ یقیناً ہلاک ہو جاتا ہے حالانکہ علاج سنت ہے موت وحیات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے کسی بھی علاج کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا درست نہیں کہ صحت اس میں مضمر ہے۔آپ نے اس سے نہی فرما کر اس غلط عقیدہ کی تردید فرمائی نفس کی داغنے ممانعت مقصود نہ تھی۔

توجیہ ثانی: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ نہی عن الکی کی روایات منسوخ ہیں اور یہ نہی شروع اسلام میں تھی جبکہ لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ شفاء صرف داغنے میں ہے یا اس کو سبب شفاء کے بجائے اسی کو شفاء مانتے تھے۔

توجیہ ثالث: بعض حضرات نے کہا کہ احادیث نہی تحریم پر نہیں بلکہ ارشاد پر محمول ہیں جبکہ احادیث اباحت رخصت پر محمول ہے۔

توجیہ رابع: ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ احادیث نہی اس صورت پر محمول ہیں جب اس کی اشد ضرورت نہ ہو۔ (کما قالہ ابو الطیب دیکھیے کتاب الکوکب الدری جلد ۲ ص ۱۶۴)

حدیث نہی کا جواب اول: آپ ﷺ نے حضرت عمران بن حصینؓ کو داغنے سے اس لئے منع کیا اس لئے ان کا زخم ایسا گہرا اور ناسور تھا جس میں داغنے کی افادیت متوقع نہیں تھی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر داغنے سے فائدہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اجتناب کرنا چاہیے۔

جواب ثانی: یہ نہی اس صورت پر محمول ہے کہ جب تکلیف وزخم ایسی جگہ پر ہو کہ اس کے داغنے سے زیادہ تکلیف ہوگی یا کوئی عضو اپنے محل سے متاثر ہوگا تو ایسے میں بھی نہ داغنا بہتر ہے۔الحاصل نہی والی احادیث نہی تنزیہی پر اور اباحت والی احادیث نفس جواز پر محمول ہیں۔

نبی کریم ﷺ اس داغنے کے عمل کو برا سمجھنے کی وجہ اس کی یہ تھی کہ اس میں مریض کو شدید تکلیف اٹھانی پڑتی ہے زندہ جی جاگتے آگ سے گرم سلاخ جسم پر لگائی جائے اس وجہ سے رحمۃ للعالمین پیغمبر خدا اس کو ناپسند کرتے تھے۔

موجودہ زمانے میں آپریشن کرانا بھی علاج بالکی کی طرح ہے۔لہٰذا کوئی شخص اپنا آپریشن انتہائی شدید مجبوری کے علاوہ نہ کرائے۔

وَلَوْلَا أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَانَا أَوْ نَهَى أَنْ يَتَمَنَّى الْمَوْتَ: ان سے معلوم ہوا کہ موت کی تمنا کرنا جائز نہیں۔ کتب احادیث میں اس مضمون کی اور بہت ساری روایات آتی ہیں۔مثلاً بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے'' ولا یتمنی احدکم الموت أما محسنًا فلعله أن یزداد خیرًا و أما مسیئًا فلعله أن یستعتب (بخاری جلد ۲ ص ۸۴۷ کتاب المرضی، باب نهی تمنی المریض الموت)''۔اسی طرح مسلم شریف (جلد ۲ ص ۳۴۲ کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار) میں یہ الفاظ آئے ہیں'' لا یتمنین احدکم الموت ولا یدع به من قبل أن یأتیه انه اذا مات احدکم انقطع عمله وأنه لا یزید المؤمن عمره الا خیرًا''۔

سوال: مسلم شریف میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ'' أن النبی ﷺ قال: من احب لقاء الله احب الله لقاءه و من کره لقاء الله کره الله لقاءه'' اس روایت سے تمنی موت کا پسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اگر موت کی تمنا دنیاوی مشکلات ومصائب کو دیکھ کر ہو تو ٹھیک نہیں اگر اُخروی ڈر اور خوف کی وجہ سے ہو یا اس کو اپنے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو تمنا موت میں کوئی حرج نہیں۔

اس کی دلیل مشکوٰۃ شریف باب تمنی الموت فصل اوّل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "قال رسول الله ﷺ لا یتمنین احدکم الموت لضر نزل به" اس سے معلوم ہوا کہ نہی عن تمنی الموت اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ وہ دنیوی ضرر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر دین کی حفاظت کے خیال سے موت کی تمنا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمنی عن الموت ایسی صورت میں مندوب ہے۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۴۲)

اس روایت کے بعد یہ الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں" فان کان لابد متمنیا فلیقل: اللّٰھم احینی ما کانت الحیاۃ خیرًا لی و توفنی اذا کانت الوفاۃ خیرًا لی" اگر کسی کو موت کی تمنا کرنی پڑ جائے تو وہ صرف اتنی ہی دعا مانگ سکتا ہے اس سے زائد نہیں۔ یہ حدیث اسی باب کی روایت ثانی ہے۔

و قدروی عن انس بن مالك عن النبی ﷺ انه قال لا یتمنین احدکم الموت: اس حدیث شریف میں دینی و دنیاوی ضرر سے بچنے کیلئے دعا کا طریقہ بتلا دیا۔ اگر زیادہ مصیبت ہو اور برداشت نہ ہو سکے تو یہ دعا مانگے۔ "اللھم احینی ماکانت الحیاۃ خیرًا لی وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرًا لی" اس کا مطلب یہ ہے کہ جب طاعات کے مقابلے میں گناہ کم ہوں اور فتنہ فساد نہ ہو تو پھر جینا ہی بہتر ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ عبادت ہو سکے لیکن جب گناہ عبادت کے مقابلے میں زیادہ ہو جائیں تو پھر زندہ رہنے سے مرجانا بہتر ہے۔ اس حدیث کے ذیل میں ملا علی قاریؒ نے علامہ نوویؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ دینی فتنہ وفساد کے خوف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ نہیں ہے۔ بلکہ مستحب ہے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے امام شافعیؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ اللہ کے راستے میں شہادت کی موت کی تمنا کرنا مستحب ہے اور ان حضرات نے دینی فتنہ فساد کے خوف سے موت کی تمنا کی تھی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے طاعون عمواس میں موت کی آرزو کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ شہادت کی آرزو کرنا اگرچہ طاعون وغیرہ کی وجہ سے ہو تو مستحب ہے۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۳)

مسلم شریف میں روایت ہے جو سچے دل سے شہادت کا طلب گار ہو اللہ اس کو شہادت کی موت (ثواب) دیدیتے ہیں۔ اگرچہ شہادت حاصل نہ ہو سکے (مرقاۃ ج ۴ ص ۲)۔ الحاصل شہادت کی موت کی آرزو کرنا مستحب ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی کہ "اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلك واجعل موتی ببلد رسولك فقالت بنته حفصة انی یکون ھذا فقال یأتی به الله اذا شاء ای وقد فعل" (مرقاۃ ص ۳ ج ۴) اللہ پاک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا قبول کی شہادت سے سرفراز کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دعا قبول کیوں نہ ہوتی یہ اللہ کی مانتے ہیں اللہ ان کی مانتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ شہادت کی موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّعَوُّذِ لِلْمَرِيضِ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الصَّوَّافِ هِلَالٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا اے

بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اشْتَكَيْتَ قَالَ نَعَمْ قَالَ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنِ حَاسِدٍ بِاسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيكَ

محمد کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں جبرائیل نے کہا میں اللہ کے نام سے آپ کو ہر تکلیف دینے والی چیز سے ہر خبیث نفس کی برائی سے اور ہر حسد کرنے والے کی نظر سے دم کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں اور اللہ آپ کو شفا عطا فرمائے۔

تشریح: مریض کے لئے دوائی کا استعمال جائز ہے پھر دوائی کی اقسام ہیں ایک دوائی ظاہری جیسے کیپسول، گولیاں، شربت وغیرہ اور دوسری دوائی روحانی جسے عام الفاظ میں تعویذ، دم کرنا کہا جاتا ہے۔ پہلے باب میں نہی عن الکی کو بیان کیا ساتھ ساتھ مریض کے لئے معوذتین پڑھنے کا باب قائم کیا۔ شاید امام ترمذی اس باب میں ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو علاج بالمعوذتین کو درست نہیں کہتے۔

جہاں تک پہلی قسم سے علاج کا تعلق ہے اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں بلکہ دوائیوں سے علاج معالجہ جائز ہے بشرطیکہ وہ دوائیاں حلال ہوں حرام جانوروں کی یا حرام اشیاء سے تیار نہ کی گئی ہوں۔

دوسری قسم معوذتین یا دوسری قرآنی آیات، یا احادیث میں وارد دعاؤں سے کوئی دم کرے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالے تو یہ جائز ہے اس میں ممانعت نہیں۔

اس بات پر دلیل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو حدیث کے کلمات سکھاتے تھے اور جو بچے نہیں سیکھ سکتے تھے وہ الفاظ لکھ کر تعویذ بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیتے تھے، فتح المجید وغیرہ کتب میں لکھا ہے کہ کئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ جائز ہے البتہ جو الفاظ منقول نہیں ہیں اور شرکیہ الفاظ ہیں ان کا تعویذ بنانا جائز نہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ایسی جھاڑ و منتروں کا رواج تھا جن میں شیطانی طاقتوں سے مدد حاصل کی جاتی تھی۔ پس لوگوں کو ان سے روکنا ضروری تھا اس لئے علاج بالمثل کے طور پر ان ناجائز منتروں کی جگہ بہترین اور مفید دعائیں سکھلائی ہیں تاکہ لوگ ان مشرکانہ حرکات سے باز آجائیں۔

جہاں تک تعویذ اور دم کرنے کی اجازت شریعت نے دی ہے وہاں تک تو جائز کہہ سکتے ہیں لیکن جو لوگ اس کو مسبب الاسباب جانتے ہیں اور اسی پر یقین رکھ لیتے ہیں اور کسی جعلی پیر سے یا تو بازو پر کوئی دھاگہ باندھوا دیتے ہیں یا اور کوئی نشانی لگوا دیتے ہیں یہ سب جاہلیت کی رسومات ہیں صرف دھاگے تانت وغیرہ میں کوئی طاقت نہیں طاقت صرف اللہ پر یقین و ایمان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان جیسی رسومات سے اہل ایمان کی حفاظت فرمائے۔

قوله أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: یعنی حضرت جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت یا زیارت کرنے کیلئے آئے، خود نہیں آئے بلکہ اللہ کے حکم سے آئے۔ ''کما فی القرآن وماننتزل الا بامرربك'' اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا پتہ لگا کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مزاج پرسی جبریل کے ذریعہ کی اور جبریل علیہ السلام کو بھیج کر دم کرایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ بیمار ہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا۔ ''بسم اللہ ارقیك ... الخ''۔

كُلِّ نَفْسٍ وَعَيْنِ حَاسِدٍ: او شك کیلئے ہے یا نوع کیلئے ہے۔ اور نفس سے مراد آدمی کا نفس ہے۔ یا اس سے مراد نظر بد کا لگنا ہے۔ کیونکہ کبھی کبھار نفس کا اطلاق عین پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی نے دم کیا۔ یا فلاں آدمی کی نظر لگی ہے۔ وغیرہ۔ اسی طرح یہاں پر بھی نظر (عین) کا اطلاق آدمی پر کیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَقَالَ ثَابِتٌ يَا أَبَا حَمْزَةَ اشْتَكَيْتُ فَقَالَ أَنَسٌ أَفَلَا أَرْقِيكَ بِرُقْيَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلَى قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُذْهِبَ الْبَاسِ اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَهُ رِوَايَةُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَصَحُّ أَوْ حَدِيثُ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كِلَاهُمَا صَحِيحٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسٍ

عبدالعزیز بن صہیب سے روایت ہے کہ میں اور ثابت بنانی حضرت انس بن مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ثابت بنانی ؒ نے کہا اے ابوحمزہ میں بیمار ہوں حضرت انس ؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ کی دعا سے نہ جھاڑوں؟ (یعنی دم نہ کروں) انہوں نے کہا! کیوں نہیں! حضرت انس ؓ نے یہ پڑھا۔ اے اللہ لوگوں کے پالنے والے اے اے تکلیفوں کو دور کرنے والے تکلیف دور فرما اور شفاء عطا فرما۔ کیونکہ تیرے بغیر کوئی شفا دینے والا نہیں ایسی شفا عطا فرما کہ کوئی بیماری نہ رہے۔ اس باب میں حضرت انس اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابوسعید کی حدیث حسن صحیح ہے میں نے ابوزرعہ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا کہ دونوں میں سے کونسی سند اصح ہے حضرت انس ؓ کی یا حضرت ابوسعید خدریؓ کی؟ ابوزرعہ ؒ نے کہا دونوں صحیح ہیں، عبدالصمد بن عبدالوارث اپنے والد سے وہ عبدالعزیز بن صہیب سے وہ ابونضرہ سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ عبدالعزیز بن صہیب انس سے بھی روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس ﷺ کی حدیث بعض حضرات حضرت ابوسعید ؓ تک پہنچاتے ہیں اور بعض حضرت انس بن مالک ؓ تک پہنچاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ان دونوں سندوں کے بارے میں کلام کیا ہے کہ ان میں سے کونسی سند اصح ہے۔ حضرت انس ؓ کی حدیث اصح ہے یا ابوسعید خدریؓ کی۔ اس کا جواب دیا دونوں سندیں صحیح ہیں۔ عبدالعزیز بن صہیب نے اس دعا کو براہ راست حضرت انس ؓ سے بھی روایت کیا ہے اور ابونضرہ کے واسطے سے حضرت ابوسعید ؓ سے بھی روایت کیا ہے پھر آخر میں ابوزرعہ نے اپنی سند بھی بیان کی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَثِّ عَلَى الْوَصِيَّةِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا حَقُّ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ وَلَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں کہ وہ دو راتیں بھی اس طرح گزارے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کی وصیت کرنی چاہیے لیکن وہ وصیت کتابت کی صورت میں اس کے پاس موجود نہ ہو اس باب میں حضرت ابن ابی اوفیٰؓ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: قول اوّل: حدیث الباب کا مطلب یہ ہے کہ جمہور ائمہ کے نزدیک جس شخص کے پاس کوئی ودیعت ہو یا اس کے ذمہ کوئی دین ہو یا کسی کا حق واجب ہو خواہ وہ حق حقوق العباد میں سے ہو یا حقوق اللہ میں سے ہو یا وہ حق وارث کا ہو یا غیر وارث کا تو اس شخص کے لئے واجب ہے کہ وہ ان کے لئے وصیت کرے۔ اگر اس کے ذمہ کسی قسم کا کسی پر کوئی حق نہیں تو اس کے ذمہ وصیت بھی واجب نہیں۔

قول ثانی: داؤد ظاہری کے نزدیک ہر حال میں وصیت کرنا واجب ہے یہی قول مسروقؒ، طاؤسؒ، ایاسؒ، قتادہؒ اور ابن جریرؒ کا بھی ہے۔

داؤد ظاہری کا استدلال: دلیل اوّل: ان کا استدلال باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترك خيرا ن الوصية للوالدين والاقربين بالمعروف''۔

جواب: جمہور حضرات کے نزدیک یہ آیت میراث سے منسوخ ہے۔ آیت میراث کے حکم کے نزول سے پہلے وصیت واجب تھی جب میراث کا حکم آ گیا تو وصیت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ آیت کے منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں وصیت للوالدین کا بھی ذکر ہے اور والدین کے لئے وصیت بالاجماع جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ ورثاء میں داخل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا وصية لوارث'' اس سے معلوم ہوا کہ ''کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت'' والی آیت، آیت میراث سے منسوخ ہے۔

دلیل ثانی: حدیث الباب بھی ان کا مستدل ہے۔

جواب: یہی روایت مسلم شریف میں بھی آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ما حق امرئ مسلم له شئ یرید ان یوصی فیه یبیت لیلتین الا وصیته مکتوبة عنده'' (جلد ۲ ص ۲۹۳۸ کتاب الوصیة) یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو وصیت کرنا چاہتا ہو۔ اگر وصیت کا حکم واجب ہوتا تو اس کو ارادے کے ساتھ مقید نہ کیا جاتا۔ ارادہ کے ساتھ مقید کیا جانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وصیت کا حکم وجوب کا نہیں۔

باب ما جاء في الوصية بالثلث والربع

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عَادَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَرِيضٌ فَقَالَ أَوْصَيْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِكَمْ قُلْتُ بِمَالِي كُلِّهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ فَمَا تَرَكْتَ لِوَلَدِكَ قَالَ هُمْ أَغْنِيَاءُ بِخَيْرٍ فَقَالَ أَوْصِ بِالْعُشْرِ قَالَ فَمَا زِلْتُ أُنَاقِصُهُ حَتَّى قَالَ أَوْصِ بِالثُّلُثِ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَنَحْنُ نَسْتَحِبُّ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ سَعْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ وَالثُّلُثُ كَبِيرٌ وَيُرْوَى كَثِيرٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ أَنْ يُوصِيَ الرَّجُلُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ وَيَسْتَحِبُّونَ أَنْ يَنْقُصَ مِنَ الثُّلُثِ وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ فِي الْوَصِيَّةِ الْخُمُسَ دُونَ الرُّبُعِ وَالرُّبُعَ دُونَ الثُّلُثِ وَمَنْ أَوْصَى بِالثُّلُثِ فَلَمْ يَتْرُكْ شَيْئًا وَلَا يَجُوزُ لَهُ إِلَّا الثُّلُثُ.

حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے اور میں بیمار تھا پس آپؐ نے فرمایا کیا تم نے وصیت کر دی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کتنے مال کی۔ میں نے عرض کیا اللہ کی راہ میں پورے مال کی۔ فرمایا اپنی اولاد کے لیے کیا چھوڑا۔ عرض کیا وہ سب مالدار ہیں۔ فرمایا اپنے مال کے دسویں حصے کی وصیت کرو۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں متواتر کم سمجھتا رہا یہاں تک کہ آپؐ نے فرمایا تہائی مال کی وصیت کرو اور تہائی حصہ بھی بہت ہے۔ ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ہم مستحب جانتے ہیں کہ تہائی حصے سے بھی کچھ کم میں وصیت کریں۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا تہائی حصہ بھی بہت ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سعدؓ حسن صحیح ہے۔ اور یہ کئی طریقوں سے مروی ہے پھر کئی سندوں میں کبیر اور کئی سندوں میں کثیر کا لفظ آیا ہے۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ کوئی شخص تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہ کرے۔ بلکہ تہائی مال سے بھی کم کی وصیت کرنا مستحب ہے سفیان ثوری کہتے ہیں کہ اہل علم مال کے پانچویں یا چوتھے حصے کی وصیت کو تہائی حصے کی وصیت کی بنسبت مستحب سمجھتے تھے۔ جس نے تہائی حصے کی وصیت کی گویا کہ اس نے کچھ نہیں چھوڑا اور اس کیلئے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں۔

تشریح: انسان کو اپنی زندگی میں اپنے مال کو خرچ وتصرف کرنے کا اختیار ہے لیکن جب مرض الموت کا وقت آپہنچتا ہے تو اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے اس لئے ہر شخص کو اپنے مال میں ایک تہائی کی وصیت کرنے کا اختیار ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وصیت ایک تہائی سے بھی کم مال کی ہو خواہ اس کے ورثاء اغنیاء ہوں یا فقراء۔

قول ثانی: شوافع کے نزدیک اگر اس میت کے ورثاء فقراء ہوں تب تو وصیت کا ایک تہائی سے کم ہونا بہتر ہے اور اگر اس کے ورثاء اغنیاء ہوں تو ایک تہائی کی وصیت بہتر ہے۔

تہائی مال کے بارے میں وصیت کرنے میں بھی ذرا تفصیل ہے کہ وصیت کرنے والے کے ورثاء موجود ہوں تو زیادہ سے زیادہ تہائی مال کی وصیت کی جائے گی اور اگر وارث نہ ہوں نہ ہی ذوی الفروض میں سے اور نہ ہی عصبات میں سے اور نہ ہی ذوی الارحام میں سے تو حنفیہ کے نزدیک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت درست ہے۔ ایک تہائی یا اس سے زائد کی بھی اگر کوئی وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

مسروقؒ، شریکؒ، حسن بصریؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ اور امام اسحاقؒ کا بھی ایک ایک قول اسی کے مطابق ہے۔

وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ: شارحین نے اس جملہ کے تین مطلب بیان کئے ہیں۔

اوّل: ثلث مال کی وصیت کرنا یہ قلیل نہیں ہے کثیر ہے۔

ثانی: ثلث مال کی وصیت کرنا وہ انتہائی درجہ ہے جو جائز ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس سے کم کیا جائے۔

ثالث: وصیت بالثلث یا تصدق بالثلث بھی اکمل ہے۔

احناف کے نزدیک دوسرا مطلب اور شوافع کے نزدیک پہلے مطلب کو ترجیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے حنفیہ کے مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''لو ان الناس غضوا من الثلث الی الربع فان رسول الله ﷺ قال: الثلث، والثلث كثير'' یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک وصیت میں ثلث سے کمی کرنا مستحب ہے۔

فَمَا زِلْتُ أُنَاقِصُهُ: یہ ص کے ساتھ بھی مروی ہے اور ''ض'' کے ساتھ بھی مروی ہے۔ ص کی صورت میں ہو تو اس کا مطلب علامہ طیبیؒ نے یہ بیان کیا ہے ''لم ازل اراجعه فی النقصان أی أعد ماذكرنا قصاً'' اور اگر ض کی صورت ہو تو ابن الملک کے نزدیک یہ معنی ہوں گے'' مازلت انا قض النبی ﷺ من المناقضة ای ينقض عليه الصلوٰة والسلام قولی، وأنقض قوله ارادبه المراجعة حرصاً علی الزيادة'' (مرقاۃ جلد ۶ ص ۱۸۳)

بَاب مَا جَاءَ فِي تَلْقِينِ الْمَرِيضِ عِنْدَ الْمَوْتِ وَالدُّعَاءِ لَهُ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ غَزِيَّةَ عَنْ يَحْيَى بْنِ عُمَارَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَعَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَسُعْدَى الْمُرِّيَّةِ وَهِيَ امْرَأَةُ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے قریب الموت لوگوں کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ کی تلقین کیا کرو۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ام سلمہ، عائشہ، جابر، سعدی المریہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے سعدی مریہؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ کی بیوی ہیں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوسعیدؓ غریب حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی

عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُولُوا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُونَ عَلَى مَا تَقُولُونَ قَالَتْ فَلَمَّا مَاتَ أَبُو سَلَمَةَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَبَا سَلَمَةَ مَاتَ قَالَ فَقُولِي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلَهُ وَأَعْقِبْنِي مِنْهُ عُقْبَى حَسَنَةً قَالَتْ فَقُلْتُ فَأَعْقَبَنِي اللّٰهُ مِنْهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى شَقِيقٌ هُوَ ابْنُ سَلَمَةَ أَبُو وَائِلٍ الْأَسَدِيُّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَانَ يُسْتَحَبُّ أَنْ يُلَقَّنَ الْمَرِيضُ عِنْدَ الْمَوْتِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا قَالَ ذَلِكَ مَرَّةً فَمَا لَمْ يَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُلَقَّنَ وَلَا يُكْثَرَ عَلَيْهِ فِي هَذَا وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ جَعَلَ رَجُلٌ يُلَقِّنُهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَكْثَرَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ إِذَا قُلْتُ مَرَّةً فَأَنَا عَلَى ذَلِكَ مَا لَمْ أَتَكَلَّمْ بِكَلَامٍ وَإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ عَبْدِ اللّٰهِ إِنَّمَا أَرَادَ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ آخِرُ قَوْلِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا جب تم مریض یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی دعا کرو اس لئے کہ فرشتے تمہاری دعا پر آمین کہتے ہیں ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جب ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ابوسلمہ کا انتقال ہوگیا آپ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔ اے اللہ مجھے بھی اور اس کو بھی بخش دے اور اس کے بدلے میں مجھے ان سے بہتر عطا فرما۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہی دعا مانگی تو اللہ نے مجھے ان سے بہتر شوہر دیدیا۔ (یعنی رسول اللہ) امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ شقیق سے مراد شقیق بن سلمہ ابووائل اسدی ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ام سلمہ کی حدیث حسن صحیح ہے موت کے وقت مریض کو لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرنا مستحب ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جب قریب المرگ آدمی ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر خاموش ہوجائے تو بار بار اسے تلقین نہ کی جائے ابن مبارک سے مروی ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو ایک شخص انہیں بار بار کلمہ طیبہ کی تلقین کرنے لگا۔ ابن مبارک نے فرمایا جب میں نے ایک مرتبہ یہ کلمہ پڑھ لیا جب تک دوسری بات نہ کروں اسی پر قائم ہوں عبداللہ بن مبارک کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے کہ آپ نے فرمایا جس کی آخری بات لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ہو وہ جنت میں داخل ہوگیا۔

تشریح: **يُلَقَّنَ الْمَرِيضُ عِنْدَ الْمَوْتِ:** تلقین دو قسم پر ہے۔ ایک تلقین قبل الموت (جب انسان پر نزع کی حالت طاری ہوتی ہے)۔ دوسری تلقین عند القبر ہے۔

تلقین قبل الموت: جب کسی شخص پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگ جائیں تو اس کے سامنے کلمہ شہادت کا ادا کرنا مستحب ہے۔ حدیث الباب میں اسی کا ذکر ہے "لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ" مریض کے پاس جو لوگ بلند آواز سے کلمہ شہادت

پڑھیں جب مریض یہ کلمہ سنے گا تو اس کو یاد آ جائے گا اور مریض لواحقین کی آواز سنتے ہی خود پڑھنا شروع کر دے گا۔ اگر مریض شدت تکلیف وسکرات کی وجہ سے نہ پڑھ رہا ہو تو اسے پڑھنے کے لئے نہ کہا جائے ہوسکتا ہے شدت تکلیف کی وجہ سے وہ کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے تو اس کے لئے نقصان کا باعث بنے گا۔ جب مریض ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لے تو سب کو خاموش ہو جانا چاہیے اس کے بعد اگر وہ کوئی دینی بات کرے یا کوئی ذکر اذکار کرے تو اس کے بعد اس پر دوبارہ تلقین کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مریض نے کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی دنیاوی بات کر لی مثلاً کسی سے ملنے کی تمنا کر لی یا استنجاء وغیرہ کی حاجت کے لئے کہہ دے تو پھر اس کو دوبارہ تلقین کی جائے گی۔

ابن المبارکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ بوقت نزع کسی نے ان سے کلمہ کی تلقین کی آپ نے زور سے کلمہ پڑھا پھر بھی تلقین کرنے والا تلقین کرتا رہا تو ابن المبارکؒ نے فرمایا کہ جب تیرے کلمہ پڑھنے پر میں نے کلمہ پڑھ لیا تو یہ میرا آخری کلام ہے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ابن المبارک نے گویا ایک حدیث کی شرح بیان کی ہے: ''من کان اخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة'' اللہ والوں کی کیا کیفیت ہے کہ نزع کی حالت میں بھی لوگوں کو حدیث کی شرح سمجھا رہے ہیں۔

ابوزرعہؒ کا بھی نزع کے وقت کا واقعہ مشہور ہے کہ جب ان پر نزع کی حالت تھی تو ان کے پاس بڑے بڑے محدثین موجود تھے کسی کو کلمہ کی تلقین کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ ہر ایک یہ سوچ رہا تھا کہ اتنے بڑے محدث کو کلمہ کی تلقین کیسے کریں؟ ایک محدث کو یہ ترکیب آئی انہوں نے حدیث سنائی ''حدثنا فلان، حدثنا فلان أن النبی ﷺ قال من کان اخر کلامه۔'' یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوزرعہؒ نے فرمایا ''لا اله الا الله'' اسی کے ساتھ ان کی روح نکل گئی۔

سوال: ایک حدیث شریف میں ہے کہ مُردوں پر سورۂ یٰسین پڑھا کرو جبکہ اس حدیث میں کلمہ طیبہ کی تلقین کا حکم ہے تو دونوں روایات میں اختلاف پڑ گیا۔

جواب: سورۂ یٰسٓ پڑھنے کا حکم اس لئے ہے کہ تاکہ اس کی روح آسانی سے نکلے اور کلمہ طیبہ کا حکم اس لئے ہے کہ وہ ایمان کی گواہی دیتے ہوئے دنیا سے جائے یا یہ مختلف حالات پر محمول ہے۔

تلقین عند القبر: احناف کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے مطابق تلقین عند القبر نہیں کی جائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں ''ما رأيت أحدًا فعل هٰذا الا اهل الشام'' گویا ان کے نزدیک حدیث باب ''لقنوا موتاكم'' معنی مجازی پر محمول ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے عدم تلقین عند القبر کی یہ دلیل بیان کی گئی ہے کہ اگر وہ مؤمن ہو کر فوت ہوا ہے تو تمہاری اس تلقین کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ کافر ہو کر مرا ہے تو پھر بھی تمہاری تلقین کا کوئی فائدہ نہیں۔

زائد صغار نے ''لقنوا موتاكم'' کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ تلقین عند القبر اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے اور عدم تلقین کو معتزلہ کا مسلک قرار دیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ تلقین کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ قبر میں اللہ تعالیٰ مردے کی روح کو لوٹا دیتے ہیں جبکہ معتزلہ اس اعادہ روح کے قائل نہیں۔ نیز صاحب جوہرہ نے بھی تلقین عند القبر کو اہل سنت کے نزدیک مشروع قرار دیا ہے۔

شیخ ابن ہمامؒ نے بھی تلقین کے حقیقی معنی کو راجح قرار دیتے ہوئے تلقین عند القبر کو درست قرار دیا ہے۔ اکثر شوافع حضرات تلقین عند القبر کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ ابن الصلاحؒ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔

بعض حضرات کے نزدیک تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی تدفین سے فارغ ہو کر ایک شخص سرہانے یا پاؤں کی جانب کھڑا ہوتا ہے اور اس کا نام لے کر کہتا ہے اے فلاں یاد کر تو مسلمان تھا اور ''لا الہ الا اللہ'' کا قائل تھا۔

ان کا استدلال حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے ہے کہ سعید بن عبداللہ ازدی فرماتے ہیں ''شهدت ابا امامة وهو فی النزع، فقال'' کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ وہی معاملہ کرنا جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارے بھائیوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے اور جب تم اس کی قبر پر مٹی برابر کرلو تو تم میں سے ایک کو چاہیے کہ اس کے سر کی جانب کھڑا ہو جائے پھر یہ کہے اے فلاں بن فلاں پس وہ مردہ اس کی بات سنتا تو ہے لیکن جواب نہیں دے سکتا۔ پھر اس کو کہے اے فلاں ابن فلاں، اس وقت مردہ کو بٹھایا جاتا ہے پھر کہتا ہے اے فلاں بن فلاں پھر اس کو کہے ''ارشدنا رحمك الله ولكن لا تشعرون'' (اے قبر والے) پس تو کہہ کہ یاد کر اس بات کو جس کو تو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا وہ کلمہ شہادت ہے ''شَهَادَةُ ان لا اله الا الله و أن محمداً عبده و رسوله، و أنك رضيت بالله ربًّا، و بالاسلام ديناً، و بمحمد نبياً، و بالقرآن امامًا، فان منكرًا و نكيرًا يأخذ كل واحد منهما بيد صاحبه و يقول انطلق بنا، ما نقعد عند من لقن حجته، فيكون الله حجيجه دونهما قال رجل يا رسول الله'' اگر ہم اس کی والدہ کا نام نہ جانتے ہوں تو پھر کیسے کہیں فرمایا ''ينسبه الى حواء'' یا فلاں ابن حواء۔

علامہ نوویؒ نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ حضرت ابوامامہؓ کی روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب کے باب میں وسعت ہوتی ہے۔ بالخصوص جب اس روایت کے شواہد بھی موجود ہوں۔

اعلاء السنن میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے احناف اور جمہور کے مسلک کے مطابق ''لقنوا موتاكم'' کو معنی مجازی پر محمول کیا ہے۔ یعنی اس کو ''لقنوا من قرب موته'' کے معنی میں لیا ہے اس معنی مجازی پر دلیل صحیح ابن حبان میں یہ روایت ہے ''من كان اخر كلامه لا اله الا الله عند الموت دخل الجنة'' ''عند الموت'' کی زیادتی کے ساتھ آئی ہے۔

باقی تلقین علی القبر موجودہ دور میں اہل سنت کا شعار نہیں بلکہ روافض کا شعار ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص دفن کے بعد قبر کے پاس تھوڑی دیر ٹھہر جائے جتنی دیر حدیث میں ٹھہرنے کا ذکر آیا ہے۔ اور اس میت کے لئے دعائے مغفرت کرنے اور قرآن پاک پڑھ کر ثواب پہنچانے کا تعلق ہے یہ سب کام مستحب ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری جلد ۱ ص ۱۶۶ باب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن)

اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات ''المفلحون'' تک اور قبر کے پاؤں کی جانب ''امن الرسول'' سے آخر سورۂ بقرہ پڑھنا مستحب ہے۔ (معارف الحدیث باب دفن کا طریقہ اور اس کے آداب ج ۳ ص ۴۸۵)

باب مَا جَاءَ فِي التَّشْدِيدِ عِنْدَ الْمَوْتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ سَرْجِسٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ. قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات کے وقت دیکھا آپؐ کے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپؐ پیالے میں اپنا ہاتھ ڈالتے اور چہرہ اقدس پر ملتے پھر فرماتے (اللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ) اے اللہ موت کی سختیوں اور تکلیفوں پر میری مدد فرما۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

قوله يَمْسَحُ وَجْهَهُ: بوقت موت بہت گرمی محسوس ہوتی ہے اس لئے عموماً اس وقت مرنے والے کو پسینہ آجاتا ہے اور پیاس کا غلبہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اتنی شدید پیاس ہوتی ہے کہ اگر سمندر پی جائے تو بھی پیاس نہیں بجھے گی۔ اس لئے اس وقت مرنے والے کے منہ میں پانی ٹپکانے کا حکم ہے اگرچہ سردی کا موسم ہو اس لئے آپ ﷺ ٹھنڈے پانی کے ساتھ موت کی حرارت کو کم کر رہے تھے۔ یا بیہوشی کو دفع کرنے کیلئے پانی کے ساتھ مسح کرتے تھے یا اپنے عجز کو ظاہر کر رہے تھے۔

قوله يَقُولُ اللّٰهُمَّ أَعِنِّ الخ: غمرات سے مراد ایسے وساوس اور برے خیالات ہیں جن کی وجہ سے میت کا دھیان اللہ سے ہٹ جائے۔ سکرات الموت سے مراد موت کی سختی ہے یا پھر سکر کہتے ہیں ایسی حالت کو کہ جسمیں شراب کے استعمال کی وجہ سے انسان کی عقل پر پردہ آجاتا ہے اور یہ حالت کبھی غصہ کی وجہ سے اور کبھی دنیا کی محبت کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے اور کبھی یہ سکر والی حالت خوف سے بھی ہو جاتی ہے جیسے قرآن میں ہے "وترى الناس سكارى وما هم بسكارى" یہاں ایسی سخت تکلیف مراد ہے جو عقل کو زائل کردے۔ آپ ﷺ کی دعا کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ مجھے موت کی تکلیف برداشت کرنے کی طاقت دیدے یا موت کی سختیوں کو کم فرمادے۔

سوال: آپ ﷺ کو موت کی سختی کس طرح آئی حالانکہ آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں۔ **جواب:** اس کی شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں۔

توجیہ ①: آپ ﷺ کے لطیف جسم کے ساتھ آپ ﷺ کی روح کا تعلق محبت قوی اور اکمل تھا اسلئے بوقت مفارقت آپ ﷺ کو تکلیف زیادہ ہوئی۔

توجیہ ②: آپ ﷺ کی روح کی حقیقت تمام کون ومکان کو جامع تھی۔ اسلئے آپ ﷺ کے جسم سے روح کا جدا ہونا گویا تمام کون ومکان (اجسام) سے الگ ہونا ہے اسلئے آپ ﷺ کو زیادہ شدت محسوس ہوئی۔

توجیہ ③: آپ ﷺ کی شدت سکرات سے امت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ جب آپ ﷺ کی روح کی مفارقت کا یہ حال ہے تو اسکے مقابلے میں ہر ایک کو اپنی روح ونفس کی حالت معلوم ہونی چاہئے۔

تشریح: قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: اس کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی موسیٰ بن

سرجس مجہول ہے۔اس سے روایت کرنے والا ایک ہی راوی ہے۔امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو غریب بمعنی ضعیف اسی وجہ سے کہا ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمَعِيلَ الْحَلَبِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقُلْتُ لَهُ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْعَلَاءِ فَقَالَ هُوَ ابْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ وَإِنَّمَا أَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے موقع پر موت کی شدت دیکھنے کے بعد میں کسی کی آسانی سے موت کی تمنا نہیں کرتی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا کہ عبدالرحمن بن علاء کون ہیں؟ فرمانے لگے علاء بن الجلاج کے بیٹے ہیں۔ میں اس حدیث کو اس سند کے علاوہ نہیں جانتا۔

تشریح: قولہ مَا أَغْبِطُ أَحَدًا: مطلب یہ ہے کہ پہلے میں کسی کی حالت نزع کی آسانی کو دیکھتی تو رشک کرتی اور خواہش کرتی کہ میری موت بھی ایسی ہی آسان ہو اور میں سمجھتی کہ نزع کی آسانی مرنے والے کی مقبولیت کی علامت ہے مگر جب سے آپ ﷺ کی موت کی تکلیف کی شدت دیکھی تو میں نے اسکے بعد کسی کے متعلق آسان موت کی آرزو نہیں کی، میں سمجھ گئی ہوں کہ حالت نزع کی سختی اچھی چیز ہے بری نہیں جو اللہ کے محبوبوں پر بھی ہو جاتی ہے۔

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ مؤمن کی روح ایسے نکل جاتی ہے کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوتا۔ یعنی اس کو تکلیف ہی نہیں ہوتی جبکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے؟

جواب: مؤمن مرض کی شدت میں مبتلا تو کیا جاتا ہے لیکن اس کی روح آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے حق میں بھی مرض کی شدت تھی نہ کہ موت کی شدت۔

قَالَ وَسَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوزرعہؒ سے اس حدیث کے کے بارے میں پوچھا کہ عبدالرحمٰن بن العلاء کون ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ العلاء بن اللجلاج ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں اس کو صرف اسی سند سے جانتا ہوں۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنِ الْمُثَنَّى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ

حضرت عبداللہ بن بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن جب مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اس باب میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے

حَسَنٌ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ لَا نَعْرِفُ لِقَتَادَةَ سَمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ.

ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے بعض محدثین فرماتے ہیں کہ قتادہ کے عبداللہ بن بریدہ سے سماع کا ہمیں علم نہیں۔

تشریح: قَالَ الْمُؤْمِنُ يَمُوتُ بِعَرَقِ الْجَبِينِ: یعنی پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مومن کا انتقال ہو جاتا ہے۔اس جملے کی تشریحات میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔

اوّل: عندالبعض یہ کنایہ ہے شدت موت سے۔کہ موت کی سختیوں کی وجہ سے مومن کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے اور موت کی سختی سے مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا درجات بلند ہوتے ہیں۔

ثانی: عندالبعض اس کو اپنے معنی میں لو تو مطلب یہ ہوگا کہ ایمان کامل وسعادت کی یہ علامت ہوتی ہے کہ موت کے وقت پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے۔ **ثالث:** عندالبعض یہ مراد ہے کہ مومن اپنے زندگی کے گناہوں پر نادم ہو کر مرتا ہے جس کی وجہ سے اس کی پیشانی پر پسینہ ہوتا ہے **رابع:** عندالبعض یہ موت کی آسانی کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کو موت کے وقت زیادہ تکلیف نہیں پہنچتی ہاں جان نکلنے کی اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ پیشانی پر ذرا سا پسینہ آ جاتا ہے۔

خامس: علامہ توربشتیؒ نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن پوری زندگی طاعات میں لگا رہتا ہے اور حلال رزق کی تلاش میں جب تک جدوجہد کرتا رہتا ہے اس وقت تک اس کی پیشانی پر پسینہ آتا رہتا ہے اور اسی پسینہ کی موجودگی میں موت آجاتی ہے

سادس: عندالبعض اس سے مراد مطلقاً مصائب ومشکلات ہیں کہ ان کو برداشت کرتے کرتے اس کی پیشانی پر پسینہ رہتا ہے اور آخر کار وہ اُسی حالت میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔

سابع: موت کے وقت مؤمن کو اپنی سیئات اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اکرام دیکھ کر جو ندامت کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس کی وجہ سے اُسے پسینہ آجاتا ہے۔ **ثامن:** عرق جبین مؤمنانہ موت کی علامت ہے اگرچہ اس کی وجہ عقل سے نہ سمجھی جاسکے۔

بَابٌ بِلَا تَرجمه

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَزَّازُ الْبَغْدَادِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا سَيَّارُ ابْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ أَنِّي أَرْجُو اللهَ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ مَا يَرْجُو وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ قَالَ أَبُو

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے وہ قریب الموت تھا آپ ؐ نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو کیسے پاتے ہو؟ اس نے کہا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم میں اللہ کی رحمت ومغفرت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف میں مبتلا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس موقع پر اگر مومن کے دل میں یہ دونوں چیزیں (امید اور خوف) جمع ہو جائیں تو اللہ اُسے اس کی

عِیسٰی هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ وَقَدْ رَوٰی بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِیْثَ عَنْ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا.

امید کے مطابق عطا کرتا ہے اور اسے اس چیز سے دور کردیتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بعض راوی یہ حدیث ثابت سے مرسلاً روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ایمان نام ہے خوف ورجاء کی ملی جلی کیفیت کا۔ محض خوف مایوسی پیدا کرتا ہے اور اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے ''انه لاییئس من روح الله الا القوم الکافرون'' (یوسف:۸۷) بعض لوگ جن کو گناہوں سے ڈرایا جائے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ بڑا غفور رحیم ہے وہ ہمیں ضرور بخشے گا تو ان کو یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی تو بہت سخت ہے۔

سورۂ حجر میں آیت ہے: ''نبئ عبادی أنّی انا الغفور الرحیم وأنّ عذابی هو العذاب الالیم'' (حجر:۵۰)

لہٰذا اللہ کی ایک صفت پر تکیہ کرلینا اور دوسری صفت کو بھول جانا یہ کوئی عقل مندی کی بات نہیں۔ علماء فرماتے ہیں تندرستی کے زمانے میں خوف کی کیفیت غالب رہنی چاہیے تاکہ بندہ زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرے اور برائیوں سے بچے۔ خلاصہ یہ کہ امید ورجاء دونوں مطلوب ہیں۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض میدان حشر میں یہ آواز لگائی جائے کہ ایک آدمی کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا تو مجھے امید ہے کہ اس ایک آدمی کا مصداق میں ہی ہوں اور اگر یہ آواز لگائی جائے کہ جہنم میں ایک آدمی کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا تو مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ ایک آدمی میں ہی تو نہیں ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی جنت وجہنم کا ذکر آیا ہے تو دونوں کا اکٹھا ذکر آیا تنہا ایک کا ذکر نہیں کیا تاکہ خوف ورجاء دونوں پیدا ہوں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ موت کے قرب رجاء کا غلبہ مناسب ہے اس سے موت سے خوف نہیں ہوگا بلکہ محبت ہوگی اور مرض الموت سے قبل خوف کا غلبہ مناسب ہے اس لئے کہ اس سے شہوت کی آگ بجھ جاتی ہے اور دل سے دنیا کی محبت ختم ہوجاتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِی كَرَاهِیَةِ النَّعْیِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ بَكْرِ بْنِ خُنَیْسٍ حَدَّثَنَا حَبِیبُ بْنُ سُلَیْمٍ الْعَبْسِیُّ عَنْ بِلَالِ بْنِ یَحْیَی الْعَبْسِیِّ عَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ قَالَ إِذَا مِتُّ فَلَا تُؤْذِنُوا بِی إِنِّی أَخَافُ أَنْ یَكُونَ نَعْیًا فَإِنِّی سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَنْهَی عَنِ النَّعْیِ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ جب میں مرجاؤں تو کسی کو خبر نہ کرنا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یہ نعی (موت کی بانگ دینا) ہے۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ نے موت کی خبر کو مشہور کرنے سے منع فرمایا ہے یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: موت کی خبر دینے کو نعی کہا جاتا ہے اطلاع دینے کے مختلف رواج ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں کسی کے مرنے کی اطلاع دینی ہوتی تو ان کا طریقہ یہ تھا کہ قبر پر اونٹنی باندھ دیتے تھے وہ وہیں بھوکی پیاسی مرجاتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ رونے والیوں کو کرائے پر بلایا جاتا اور وہ معاہدہ کے مطابق روزانہ میت کے گھر آ کر روتی تھیں اور میت کے فضائل بیان کرتی تھیں۔ ہندوؤں میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی مرد یا عورت مرتا ہے تو ایک طرف لوگوں کو دعوت پر بلایا جاتا ہے اور دوسری جانب میت کو آگ میں جلایا

جاتا ہے۔اور بعض جاہلیت کے کام یہ بھی ہیں کہ رونا، پیٹنا، سر اور بھنوؤں کو منڈوا دینا یہ موت کی تشہیر کے طریقے ہیں اور آج کل کے نئے طریقوں میں یہ ہے کہ لوگ اخباروں میں ریڈیو ٹیلی ویژن میں اس کی خبر نشر کر دیتے ہیں جب کہ اس میت کو کوئی جانتا بھی نہیں ہوتا یہ سب طریقے ممنوع ہیں۔ البتہ رشتہ داروں، اصحاب کو یعنی میت سے تعلق رکھنے والوں کو، شاگردوں اور مریدوں کو اور نیک لوگوں کی موت کی خبر دینا تا کہ وہ جنازہ میں شرکت کریں یا میت کے لئے دعا خیر کریں تو یہ جائز ہے البتہ اقارب کے انتظار میں تدفین میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔

جن روایات میں نعی کی ممانعت آئی ہے وہ مذکورہ نعی زمانہ جاہلیت پر محمول ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدٍ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا حَكَّامُ بْنُ سَلْمٍ وَهَارُونُ بْنُ الْمُغِيرَةِ عَنْ عَنْبَسَةَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالنَّعْيَ فَإِنَّ النَّعْيَ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَالنَّعْيُ أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ وَفِي الْبَاب عَنْ حُذَيْفَةَ

محمد بن حمید رازی، حکام بن سلم، ھارون بن مغیرہ، عنبسہ، ابی حمزہ، ابراہیم، علقمہ، حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نعی سے بچو کیونکہ یہ جہالت کے کاموں میں سے ہے۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ نعی کسی کی موت کا اعلان کرنا ہے۔ اس باب میں حضرت حذیفہ سے بھی روایت ہے۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْوَلِيدِ الْعَدَنِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ وَالنَّعْيُ أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ عَنْبَسَةَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ وَأَبُو حَمْزَةَ هُوَ مَيْمُونٌ الْأَعْوَرُ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ النَّعْيَ وَالنَّعْيُ عِنْدَهُمْ أَنْ يُنَادَى فِي النَّاسِ أَنَّ فُلَانًا مَاتَ لِيَشْهَدُوا جَنَازَتَهُ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا بَأْسَ بِأَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ وَإِخْوَانَهُ وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ قَالَ لَا بَأْسَ بِأَنْ يُعْلِمَ الرَّجُلُ قَرَابَتَهُ

سعید بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ولید، سفیان ثوری، ابوحمزہ، ابراہیم، علقمہ، عبداللہ اسی کے مثل غیر مرفوع روایت کرتے ہیں لیکن اس روایت میں (وَالنَّعْيُ أَذَانٌ بِالْمَيِّتِ) کے الفاظ بیان نہیں کرتے۔ یہ حدیث عنبسہ کی ابوحمزہ سے مروی حدیث سے اصح ہے ابوحمزہ کا نام میمون اعور ہے یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عبداللہ کی حدیث غریب ہے بعض علماء نعی کو مکروہ کہتے ہیں ان کے نزدیک نعی کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی موت کا اعلان کیا جائے تا کہ لوگ اس کے جنازے میں شریک ہوں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اپنے رشتہ داروں اور بھائیوں کو اطلاع دینے میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم بھی یہی کہتے ہیں کہ رشتہ داروں کو خبر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ النعی کے معنی ہیں موت کی بانگ دینا یہ اعلام سے اوپر کا درجہ ہے۔ یہاں

حضرت ابن مسعودؓ نے نعی کے ترجمہ میں اعلام کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ لفظ اذان استعمال کیا ہے۔ پس دونوں میں فرق کرنا چاہیے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوحمزہ میمون الاعور کی محدثین نے تضعیف کی ہے۔ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ عنبسہ ابوحمزہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں اور سفیان ثوری موقوف بیان کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے حدیث موقوف کو اصح قرار دیا ہے یعنی یہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے اور کسی کا نہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ النَّعْيَ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

بعض لوگوں نے موت کی تشہیر کو ناپسند کیا ہے اور ان کے نزدیک تشہیر یہ ہے کہ لوگوں میں یہ اعلان کیا جائے کہ فلاں شخص کا انتقال ہو گیا تا کہ لوگ اس کے جنازے میں شرکت کریں۔ بعض لوگوں نے کہ میت کے رشتہ داروں اور اس کے اصحاب کو خبر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ میت کے رشتہ داروں کو خبر کی جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الصَّبْرَ فِي الصَّدْمَةِ الْأُولٰى

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّبْرُ فِي الصَّدْمَةِ الْأُولٰى قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبر وہی ہے جو مصیبت کے شروع میں ہو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صبر وہی ہے جو صدمہ کے نازل ہوتے ہی ہو۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: الصَّبْرُ فِي الصَّدْمَةِ الْأُولٰى: صبر کی اصل فضیلت صدمہ کے شروع میں ہے۔ کیونکہ ابتدا میں صدمہ زیادہ ہوتا ہے ورنہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ صدمہ تو ختم ہو ہی جاتا ہے اس پر صبر کرے تو اس کا اعتبار اگرچہ اتنا نہیں ہوتا جتنا ثواب صدمہ اولیٰ پر صبر کرنے سے ہوتا ہے لیکن اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات حادثاتی موت ایسی ہوتی ہے کہ جب بھی اس کو یاد کیا جائے تو دل میں ایک خلش اٹھتی ہے اور اس سے دل بھر آتا ہے اس وقت بھی اس پر صبر کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

صبر کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک رضا بالقضاء۔ دوسرا جزع اختیاری سے بچنا۔

رضا بالقضاء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے فیصلے پر ہم سر خم تسلیم کر دیں اس میں اعتراضات نہ نکالیں وہ حکیم ہے

اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کیا اس کو کلی اختیار ہے وہ جو چاہے کرے کر سکتا ہے اس میں ہمارے لئے بہتری اور خیر ہے۔

دوسری چیز جزع فزع نہ کرے اگر چہ وقتی طور پر انسان کو دلی صدمہ بہت ہوتا ہے اور یہ تکلیف صبر کے منافی نہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیت ہے '' الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انّا لله وانّا اليه راجعون '' اس لئے دل کی کیفیات سے قطع نظر صرف '' انا لله '' کہنے پر صلوٰۃ رحمت کا وعدہ ہے اسی طرح بکاء غیر اختیاری بھی صبر کے منافی نہیں خواہ آواز کے ساتھ ہو یا بغیر آواز کے۔

شان ورود: ایک دفعہ نبی کریم ﷺ قبرستان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک ایسی عورت کو قبر پر روتے ہوئے دیکھا جس کا نوجوان بیٹا وفات پا گیا تھا۔ آپ نے اس کو صبر کی تلقین کی اس نے آپ کو پہچانے بغیر کہا: جاؤ جو مصیبت مجھ پر آئی ہے اگر تم پر آتی تو میں دیکھتی تم کیسا صبر کرتے ہو۔ آپ ﷺ برا مانے بغیر وہاں سے چلے گئے بعد میں جب اس عورت کو بتلایا کہ جو تمہیں صبر کرنے کی نصیحت کر رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس نے جب یہ سنا تو وہ اپنے بچے کا غم بھول گئی اور بھاگتی ہوئی آپ ﷺ کے گھر پہنچ گئی کیونکہ اس کے دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی کی فکر سوار ہو گئی تھی جس وجہ سے وہ بھاگی جا رہی تھی۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں موجود نہیں تھے وہ وہیں بیٹھ کر رونے لگی گھر کے باقی افراد نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے وجہ نہیں بتائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر لوٹے تو بتایا گیا کہ ایک عورت بیٹھی رو رہی ہے اور ہم اس سے وجہ پوچھتے ہیں تو وجہ بھی نہیں بتاتی۔ آپ نے اس کو دیکھا تو پہچان لیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ ﷺ نے فرمایا '' الصبر عند الصدمة الاولى '' یعنی جس وقت صدمہ پہنچے اس وقت صبر کرنے کا بڑا ثواب ہے ورنہ آہستہ آہستہ سب کو صبر آ ہی جاتا ہے۔

اس باب میں پہلی حدیث کی سند غریب ہے کیونکہ اس میں سعید بن سنان ضعیف راوی ہے اور دوسری سند صحیح ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي تَقْبِيلِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِي أَوْ قَالَ عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ قَالُوا إِنَّ أَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی میت کا بوسہ لیا۔ اس وقت آپ رو رہے تھے۔ یا فرمایا آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس باب میں حضرت ابن عباس، جابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے یہ سب فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق نے نبی کریم کی وفات کے بعد آپ کا بوسہ لیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کو چومنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو بوسہ دیا۔ اسی طرح حدیث الباب میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ نے چوما تھا یہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں یہ زہاد صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں۔ مہاجرین میں سے سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تھا جب ان کی وفات کی آپ ﷺ کو اطلاع ملی تو آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ وفات پا جانے کے بعد اگرچہ میت کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے اسی وجہ سے میت کو غسل دیا جاتا ہے اس کے بغیر نماز جنازہ جائز نہیں مگر یہ نجاست حکمی ہے حقیقی نجاست نہیں میت کا ظاہری جسم پاک ہوتا ہے اس لئے میت کو چوم سکتے ہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى: امام ترمذیؒ نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو حسن صحیح کہا ہے حالانکہ اس سند میں عاصم بن عبید اللہ ہیں یہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عاصم کے پوتے ہیں اور یہ ضعیف ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي غُسْلِ الْمَيِّتِ

مسئلہ اولیٰ: غسل میت کا کیا حکم ہے فرض ہے یا سنت یا واجب: غسل میت کے بارے میں ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ زندوں پر مُردوں کو غسل دینا واجب ہے سنت اور اجماع امت کی وجہ سے۔ **سنت کی دلیل:** آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں ان میں سے ایک میت کو غسل دینا بھی ہے۔ بعض ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اگر کچھ لوگوں نے اس پر عمل کر لیا تو باقی لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اگر سب نے چھوڑ دیا تو سب کے سب گناہگار ہو جائیں گے۔

مسئلہ ثانیہ: میت کو غسل دینے کا سبب کیا ہے: چونکہ انسان کی موت کی وجہ سے اس کی نجاست پورے جسم میں پھیل جاتی ہے اس لئے غسل دینا ضروری ہے تاکہ پورا جسم پاک ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ موت سے استرخاء مفاصل (اعضاء بند کا ڈھیلا ہو جانا) ہو جاتا ہے اور استرخاء مفاصل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور زندگی میں حرج کی وجہ سے اعضاء اربعہ کو دھو لینا کافی تھا لیکن موت کے بعد چونکہ حرج نہیں رہا اس لئے اصل پر عمل کیا گیا اور اصل یہ ہے کہ پورے بدن کو دھویا جائے۔

اوّل قول کی بناء پر میت کو غسل دینا بوجہ نجاست کے ہوگا اور دوسرے قول کی بناء پر میت کو غسل دینا نجاست کے طور پر نہیں ہوگا۔

مسئلہ ثالثہ: میت کو غسل دینے کی اصل اور بنیاد: مسند احمد میں روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وفات پا گئے تو ان کو ملائکہ نے غسل دیا اور ان کو کفن پہنایا اور حنوط لگوائی پھر قبر کھودی جو لحد کی طرح تھی اور پھر ان پر فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی پھر فرشتے قبر میں داخل ہوئے اس قبر میں حضرت آدم علیہ السلام کو رکھا پھر قبر کو کچی اینٹوں سے بند کیا پھر قبر سے فرشتے باہر نکلے اور مٹی ڈالی پھر فرشتوں نے آواز لگائی اے بنو آدم یہ طریقہ ہے مردے دفن کرنے کا لہٰذا یہ طریقہ اختیار کرنا۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۰۱)

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا خَالِدٌ وَمَنْصُورٌ وَهِشَامٌ فَأَمَّا خَالِدٌ وَهِشَامٌ

حضرت ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فوت ہوئیں تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے طاق مرتبہ،

فَقَالَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَحَفْصَةَ وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ تُوُفِّيَتْ إِحْدَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ رَأَيْتُنَّ وَاغْسِلْنَهَا بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُورًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُورٍ فَإِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِي فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقَى إِلَيْنَا حِقْوَهُ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا بِهِ قَالَ هُشَيْمٌ وَفِي حَدِيثِ غَيْرِ هٰؤُلَاءِ وَلَا أَدْرِي وَلَعَلَّ هِشَامًا مِنْهُمْ قَالَتْ وَضَفَّرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ قَالَ هُشَيْمٌ أَظُنُّهُ قَالَ فَأَلْقَيْنَاهُ خَلْفَهَا قَالَ هُشَيْمٌ فَحَدَّثَنَا خَالِدٌ مِنْ بَيْنِ الْقَوْمِ عَنْ حَفْصَةَ وَمُحَمَّدٍ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ وَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سُلَيْمٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أُمِّ عَطِيَّةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ أَنَّهُ قَالَ غُسْلُ الْمَيِّتِ كَالْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ و قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ لَيْسَ لِغُسْلِ الْمَيِّتِ عِنْدَنَا حَدٌّ مُؤَقَّتٌ وَلَيْسَ لِذٰلِكَ صِفَةٌ مَعْلُومَةٌ وَلٰكِنْ يُطَهَّرُ قَالَ الشَّافِعِيُّ إِنَّمَا قَالَ مَالِكٌ قَوْلًا مُجْمَلًا يُغَسَّلُ وَيُنَقَّى وَإِذَا أُنْقِيَ الْمَيِّتُ بِمَاءِ الْقَرَاحِ أَوْ مَاءٍ غَيْرِهِ أَجْزَأَ ذٰلِكَ مِنْ غُسْلِهِ وَلٰكِنْ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُغَسَّلَ ثَلَاثًا فَصَاعِدًا لَا يُنْقَصُ عَنْ ثَلَاثٍ لِمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا وَإِنْ أَنْقَوْا فِي أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ

تین یا پانچ یا ضرورت سمجھو تو اس سے بھی زیادہ مرتبہ غسل دو اور غسل پانی اور بیری کے پتوں سے دو اور آخری مرتبہ اس میں کافور ڈال دو یا فرمایا تھوڑا کافور ڈال دو۔ پھر جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کرنا۔ غسل سے فراغت کے بعد ہم نے آپؐ کو خبر دی تو آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف ڈال دیا فرمایا اسے اس کا شعار بناؤ (یعنی کفن سے نیچے رکھو) ہشیم کہتے ہیں کہ دوسری روایات جن میں مجھے معلوم نہیں شاید ہشام بھی انہی میں سے ہیں ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائیں ہشیم کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ راوی نے مزید یہ کہا کہ ہم نے ان کی چوٹیاں پیچھے کی طرف ڈال دیں۔ ہشیم کہتے ہیں ہم سے خالد نے بواسطہ حفصہ اور محمد، ام عطیہؓ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ دائیں طرف سے اور اعضائے وضو سے شروع کریں۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایات ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ام عطیہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے ابراہیم نخعیؒ سے مروی ہے کہ غسل میت غسل جنابت ہی کی طرح ہے مالک بن انس فرماتے ہیں کہ میت کے غسل کی کوئی مقررہ حد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی خاص کیفیت ہے بلکہ مقصد یہی ہے کہ میت پاک ہو جائے امام شافعی کہتے ہیں کہ امام مالک کا قول مجمل ہے کہ میت کو نہلایا اور صاف کیا جائے خالص پانی یا کسی چیز کی ملاوٹ والے پانی سے میت کو صاف کیا جائے تب بھی کافی ہے لیکن تین مرتبہ یا اس سے زائد غسل دینا میرے نزدیک مستحب ہے۔ تین سے کم نہ کیا جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں تین یا پانچ بار غسل دو۔ اگر تین مرتبہ سے کم ہی میں صفائی ہو جائے تو بھی جائز ہے

مَرَّاتٍ أَجْزَأَ وَلَا يَرٰى أَنَّ قَوْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا هُوَ عَلٰى مَعْنَى الْإِنْقَاءِ ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا وَلَمْ يُوَقِّتْ وَكَذٰلِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ أَعْلَمُ بِمَعَانِي الْحَدِيثِ وَ قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَتَكُونُ الْغَسَلَاتُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَيَكُونُ فِي الْآخِرَةِ شَيْءٌ مِنَ الْكَافُورِ.

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم سے مراد پاک وصاف کرنا ہے خواہ تین بار سے ہو یا پانچ بار سے۔ کوئی تعداد مقرر نہیں۔ فقہاء کرام نے یہی فرمایا ہے اور وہ حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا قول یہ ہے کہ میت کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے اور آخر میں کافور بھی ساتھ ملایا جائے۔

تشریح: بماء وسدر بیری کے پتوں کو ابال کر غسل دینے کی تلقین کی

تُوُفِّيَتْ إِحْدٰى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سے کونسی بیٹی مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: بعض نے کہا یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا زوجہ ابی العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ یہ آپ ﷺ کی بڑی بیٹی تھیں جو آٹھ ہجری کو فوت ہوئیں۔ **قول ثانی:** عند البعض اس سے مراد آپؐ کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ زوجہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور ان کی وفات ہجرت کے نویں سال ہوئی۔ اوّل قول راجح ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آپ ﷺ کی تیسری لخت جگر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں اور چوتھی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

قوله اغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا: یہاں لفظ ''او'' ترتیب کیلئے ہے تخییر کیلئے نہیں ہے اس لئے کہ اگر اوّل غسل میں صفائی حاصل ہو جائے تو تین مرتبہ نہلانا مستحب ہے اور اس سے تجاوز کرنا مکروہ ہے اور اگر صفائی دو یا تین مرتبہ میں حاصل نہ ہو تو پھر پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ تک نہلانا جائز ہے لیکن اس سے زیادہ تجاوز کرنا مکروہ ہے کذا ذکرہ القاضی۔ (مرقاۃ ص ۳۲ ج ۴)

زائد بار دھونے کی وجہ یہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے احتمال ہے کہ میت کا بدن چرکیں ہو گیا ہو اور بدبو پیدا ہو گئی ہو تو اس کو تین بار یا اس سے زائد بار بھی دھو سکتے ہیں۔ باقی بیری کے پتے اسؐ کے جسم سے میل کچیل کو صاف کر دیں گے اگر بیری کے پتے میسر نہ ہوں تو پھر صابن ہی کافی ہے۔

کافور ملا ہوا پانی استعمال کرنے کے چند فوائد ہیں۔

اوّل: جس چیز میں کافور ملا کر استعمال کیا جائے اس چیز میں جلدی سے تغیر نہیں آتا۔

ثانی: کافور لگانے سے موذی جانور، کیڑے وغیرہ پاس نہیں آتے اس لئے عام طور پر لوگ کپڑوں اور کتابوں میں کافور رکھ لیتے ہیں۔

ثالث: کافور ایک سستی خوشبو ہے جس سے انسان کا جسم معطر رہتا ہے۔

رابع: کافور ایک تیز خوشبو ہے اگر نہلانے کے باوجود جسم میں کچھ بدبو باقی رہ گئی ہو تو وہ کافور کی خوشبو سے جاتی رہے۔

مسئلہ: میت پر پانی کتنی بار بہایا جائے؟ احناف کے نزدیک تین مرتبہ پانی بہایا جائے گا پہلی مرتبہ خالص پانی، دوسری مرتبہ بیری کا پانی، تیسری مرتبہ کافور والا پانی، یہی افضل ہے۔

قوله حِقْوَهُ: ''حقو'' کا معنی تہہ بند ہے یعنی آپ ﷺ نے اپنا تہہ بند اپنی صاحبزادی کے کفن میں شامل کرنے کیلئے دیا برکت کے حصول

کیلئے اس سے معلوم ہوا کہ برکت کے حصول کیلئے نیک بندوں کا کپڑا کفن میں شامل کیا جاسکتا ہے لیکن کفن مسنون سے زیادہ نہ ہو۔

قولہ وَابْدَأْنَ: میت کو نہلانا شروع کیا جائے دائیں ہاتھ دائیں پہلو اور دائیں پاؤں سے اور اسی طرح اعضاء وضوء سے ابتداء کی جائے عندالاحناف کلی اور ناک میں پانی ڈالنا مشروع نہیں ہے ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ مستحب ہے کہ نہلانے والا اپنی انگلیوں پر کپڑا لپیٹ کر میت کے دانتوں کو تالو کو اندر سے ملے اور اسی پر لوگوں کا عمل ہے اور مختار یہی ہے کہ ابتدا میت کے سر پر مسح کیا جائے اور اسکے بعد غسل کی ابتداء اسکے چہرے سے کی جائے اور ترتیب سے ہی اعضاء دھوئے جائیں پاؤں کو آخر میں دھونے کیلئے مؤخر نہ کیا جائے۔ (مرقاۃ)

مسئلہ: عورت کی مینڈھیاں کس طرح رکھی جائیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: امام شافعیؒ، امام احمدؒ کے نزدیک تین چوٹیوں میں گوندھنا مسنون ہے۔

دوسرا قول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کے بال اپنے حال پر چھوڑے جائینگے یا دائیں اور بائیں دو حصے کر کے اسکے سینے پر رکھے جائینگے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: مصنف عبدالرزاق میں ایک حدیث ہے "ان النساء کن ضفرن شعارها فقالت عائشة لم لا ترکن علی حالها"۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔

جواب: یہ غسل دینے والیوں کا اپنا فعل تھا اور ان کا اپنا اجتہاد تھا اس میں جواز وعدم جواز کا کوئی مسئلہ نہیں۔ اس پر آپ ﷺ کی تقریر ثابت نہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ: اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کا غسل، جنابت کے غسل کی طرح ہے۔ امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک میت کو نہلانے کی کوئی حد متعین نہیں نہ اس کے لئے کوئی مخصوص طریقہ ہے بلکہ میت کو دھو کر صاف ستھرا کیا جائے۔

قَالَ الشَّافِعِيُّ إِنَّمَا قَالَ مَالِكٌ: امام شافعی، امام مالکؒ کے اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے یہ بات مجملاً کہی ہے کہ مردے کو دھو دیا جائے اور صاف ستھرا کر دیا جائے۔ لہٰذا جب میت کو سادہ پانی سے یا اس کے علاوہ پانی سے صاف کر دیا جائے تو اس کا غسل ہوگیا۔ امام شافعیؒ اپنی رائے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ مردہ کو تین یا اس سے زائد بار دھویا جائے۔ تین مرتبہ سے کم نہ کیا جائے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کو غسل دو تین بار یا پانچ بار۔ اگر میت کا غسل تین بار سے کم میں بھی ہوجائے تو پھر بھی کافی ہے۔

امام شافعیؒ کا خیال یہ ہے کہ ثلاثاً و خمساً سے مقصود انقاء ہی ہے اور انہوں نے کسی عدد کی تعیین نہیں کی اور فقہاء یہی بات کہتے ہیں اور وہ حدیث کی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ میت کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے نہلائیں اور آخری مرتبہ کافور ملے ہوئے پانی سے نہلائیں۔

بَابٌ فِي مَا جَاءَ فِي الْمِسْكِ لِلْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ شُعْبَةَ عَنْ خُلَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْمِسْكِ فَقَالَ هُوَ أَطْيَبُ طِيبِكُمْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشک کے استعمال کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ تمہاری سب خوشبوؤں سے بہتر ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ وَشَبَابَةُ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ خُلَيْدِ بْنِ جَعْفَرٍ نَحْوَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ الْمِسْكَ لِلْمَيِّتِ وَقَدْ رَوَاهُ الْمُسْتَمِرُّ بْنُ الرَّيَّانِ أَيْضًا عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلِيٌّ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْمُسْتَمِرُّ بْنُ الرَّيَّانِ ثِقَةٌ خُلَيْدُ بْنُ جَعْفَرٍ ثِقَةٌ

امام ابوعیسیٰ روایت کی ہم سے محمود بن غیلان نے انہوں نے ابوداؤد اور شبابہ سے ان دونوں نے روایت کی شعبہ سے انہوں نے خلید بن جعفر سے اسی حدیث کے مثل۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بعض اہل علم کے نزدیک یہی عمل ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک میت کو مشک لگانا مکروہ ہے اور روایت کی یہی حدیث مستمر بن ریان نے بھی انہوں نے ابونضرہ سے انہوں نے ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علیؒ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کے نزدیک مستمر بن ریان اور خلید بن جعفر (دونوں) ثقہ ہیں۔

تشریح: مشک ایک نہایت عمدہ اور قیمتی خوشبو ہے یہ ہرن کے ناف سے نکلتی ہے اور یہ ہرن میں نہیں پائی جاتی بلکہ خاص ہرن میں ہوتی ہے جو عام طور پر چین میں پایا جاتا ہے۔ ہرن کے ناف میں پورے جسم کا خون جمع ہوتا ہے اور وہ ناف میں خشک ہو کر جم جاتا ہے تو مشک تیار ہوجاتا ہے پھر اس کی ناف خود بخود گر جاتی ہے اس میں سے مشک نکلتی ہے۔

مشک بالاتفاق پاک ہے احادیث میں نبی کریم ﷺ کے مشک استعمال کرنے کی صراحت آئی ہے۔ لہٰذا جب زندہ آدمی مشک استعمال کرسکتا ہے تو مردہ کو بھی مشک کی خوشبو لگا سکتے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مشک کو استعمال نہیں کرسکتے کیونکہ وہ خون سے بنتی ہے اور خون ناپاک ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی چیز کی ماہیت بدل جائے تو اس کے احکام بھی بدل جاتے ہیں جیسا کہ شراب حرام ہے اگر کسی نے اس کا سرکہ بنا دیا تو ماہیت بدل گئی لہٰذا سرکہ کھانا جائز ہے۔ مشک تو سب سے اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے۔ آپ ﷺ سے مشک کی خوشبو کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا وہ تمہاری خوشبوؤں میں سب سے اعلیٰ قسم کی خوشبو ہے۔ آپؐ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے پہلے لوگوں کو مشک دیا اور فرمایا کہ میری وفات کے بعد مجھے یہ مشک لگانا اور یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو جو خوشبو لگائی گئی تھی یہ اس کا باقی ماندہ ہے۔ (مستدرک حاکم)

بعض علماء مثلاً مستمر بن ریان کے ہاں میت کو مشک لگانا مکروہ ہے کیونکہ مشک سیاہی مائل ہوتا ہے۔ اس لئے تفاؤلاً نہیں

لگانا چاہیے مگر درج بالا احادیث کی موجودگی میں ان کا یہ قول حجت نہیں۔
مستمر بن ریان یہ خالد بن جعفر کے متابع ہیں اور مستمر اور خلید دونوں ثقہ ہیں یحییٰ قطان نے ان کی توثیق کی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغُسْلِ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ غُسْلِهِ الْغُسْلُ وَمِنْ حَمْلِهِ الْوُضُوءُ يَعْنِي الْمَيِّتَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الَّذِي يُغَسِّلُ الْمَيِّتَ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِذَا غَسَّلَ مَيِّتًا فَعَلَيْهِ الْغُسْلُ و قَالَ بَعْضُهُمْ عَلَيْهِ الْوُضُوءُ و قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ أَسْتَحِبُّ الْغُسْلَ مِنْ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَلَا أَرَى ذٰلِكَ وَاجِبًا وَهٰكَذَا قَالَ الشَّافِعِيُّ و قَالَ أَحْمَدُ مَنْ غَسَّلَ مَيِّتًا أَرْجُو أَنْ لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ وَأَمَّا الْوُضُوءُ فَأَقَلُّ مَا قِيلَ فِيهِ و قَالَ إِسْحٰقُ لَا بُدَّ مِنَ الْوُضُوءِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ لَا يَغْتَسِلُ وَلَا يَتَوَضَّأُ مَنْ غَسَّلَ الْمَيِّتَ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو غسل دینے والے کو غسل کرنا چاہیے اور میت کو اٹھانے والے کو وضو کرنا چاہیے۔ اس باب میں حضرت علی اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابو ہریرہؓ حسن ہے اور ان سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض صحابہ کرام اور دوسرے علماء کے نزدیک میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا لازم ہے اور بعض کے نزدیک وضو کر لینا کافی ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے واجب نہیں۔ امام شافعی بھی اس کے قائل ہیں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو میت کو غسل دے میرے خیال میں اس پر غسل واجب نہیں۔ جب کہ وضو کی روایات بہت کم ہیں۔ اسحاقؒ کہتے ہیں کہ وضو کرنا ضروری ہے عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے کہ غسل میت کے بعد نہانا یا غسل کرنا ضروری نہیں۔

تشریح: **مسئلہ:** **میت کو غسل دینے والے پر وضو و غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے چند اقوال ہیں:

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا اور جنازہ اٹھانے والوں پر وضو کرنا فرض ہے۔ یہی قول بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کا ہے حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، سعید بن المسیب، محمد بن سیرین اور زہری کا یہی مسلک ہے۔

قول ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک میت کو غسل دینے والے پر غسل کرنا اور جنازہ اٹھانے والوں پر وضو کرنا واجب نہیں اگر کوئی ایسا کرلے تو یہ اس کے لئے مستحب ہے۔

قول ثالث: شرح مہذب میں امام شافعیؒ کے دو قول نقل کئے گئے ہیں۔ قول قدیم یہ ہے کہ **غسل من غسل المیت واجب**

ہے۔اور قول جدید یہ ہے کہ ''غسل من غسل المیت ''سنت ہے۔یہ دونوں قول تب ہی ثابت ہوں گے جب احادیث کی صحت ثابت ہوگی۔ (شرح مہذب جلد ۵ ص ۱۴۲)

قول رابع: علامہ زرقانیؒ نے امام مالکؒ کی دو روایتیں نقل کی ہیں ایک روایت وجوب کی ہے اور دوسری روایت استحباب کی ہے۔ یہی روایت مشہور ہے۔(اوجز المسالک ج ۴ ص ۲۰۰ باب غسل المیت)

قول خامس: علامہ عینیؒ نے امام احمدؒ، امام اسحاقؒ اور ابراہیم نخعیؒ کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ میت کو غسل دینے کے بعد وضو کرنا چاہیے۔ (عمدۃ القاری جلد ۸ ص ۴۸)

قائلین غسل کے دلائل: **دلیل اوّل:** ''ان النبی ﷺ قال: یغتسل من غسل المیت''۔

دلیل ثانی: مکحول کی روایت ہے ''قال سئل رجل حذیفة کیف اصنع؟ قال: اغسله کیت وکیت فاذا فرغت فاغتسل''۔

دلیل ثالث: حدیث الباب ''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال من غسله الغسل ومن حمله الوضوء یعنی المیت''

قائلین عدم غسل کے دلائل: **دلیل اوّل:** حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں: ''قال رسول اللہ ﷺ لیس علیکم فی غسل میتکم غسل اذا غسلتموہ انه مسلم مؤمن طاهرٌ و ان المسلم لیس بنجس فحسبکم أن تغسلوا ایدیکم'' امام بیہقیؒ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں'' هذا ضعیف و الحمل فیه علی أبی شیبه کما اظن''۔

حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں'' ابو شیبة احتج به النسائی ووقفه الناس فالاسناد حسنٌ'' (تلخیص الحبیر ج۱ ص۱۳۸ کتاب الطہارۃ باب الغسل)

دلیل ثانی: موطا امام مالک میں عبداللہ بن ابی بکر کی روایت ہے:'' ان اسماء بنت عمیس امرأۃ ابی بکر الصدیق غسلت ابابکر الصدیق حین توفی، ثم خرجت فسألت من حضر ها من المهاجرین، فقالت: إنی صائمةٌ، وأن هذا یوم شدید البرد، فهل علیّ من غسل فقالوا: لا''۔

دلیل ثالث: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے : ''قالا لیس علی غاسل المیت غسلٌ'' (جلد۳ ص ۲۶۸)

مسئلہ: میت کو نہلانے کے بعد نہانے میں دو حکمتیں ہیں۔

اوّل: میت کو نہلاتے وقت اس کی چھینٹیں جسم کے مختلف حصوں پر پڑتی ہیں اور وہ چھینٹیں ناپاک ہوتی ہیں۔عام آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چھینٹیں کہاں کہاں پڑی ہیں اس لئے اپنے پورے جسم کو دھولیں تاکہ شکوک وشبہات میں نہ پڑیں۔

ثانی: جو لوگ میت کو نہلانے کے عادی نہیں ہوتے جب وہ کسی میت کو نہلاتے ہیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ طاری ہوتی ہے۔نہا لینے سے یہ حالت بدل جائے گی جیسا کہ جب جانور کو دوسرے جانوروں کے قریب ذبح کیا جائے تو زندہ جانوروں پر خوف طاری ہو جاتا ہے تو اسی طرح جو شخص مردے کو غسل دیتا ہے تو اس پر بھی خوف طاری ہوتا ہے یہ خوف اس کے نہانے سے دور ہو جائے گا۔ جبکہ اٹھانے والوں پر اتنا خوف طاری نہیں ہوتا اس لئے ان پر وضو ہے۔

باب مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الأَكْفَانِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ وَفِي الْبَاب عَنْ سَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ الَّذِي يَسْتَحِبُّهُ أَهْلُ الْعِلْمِ و قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يُكَفَّنَ فِي ثِيَابِهِ الَّذِي كَانَ يُصَلِّي فِيهَا و قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَيْنَا أَنْ يُكَفَّنَ فِيهَا الْبَيَاضُ وَيُسْتَحَبُّ حُسْنُ الْكَفَنِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ تمہارے کپڑوں میں سے بہترین ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دیا کرو۔ اس باب میں حضرت سمرہ، ابن عمر، عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کے نزدیک یہی مستحب ہے ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ جن کپڑوں میں وہ (یعنی مرنے والا) نماز پڑھتا تھا اسی میں کفن دیا جائے امام احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ کفن میں سفید کپڑے کا ہونا ہمیں زیادہ پسند ہے اور اچھا کفن دینا مستحب ہے۔

تشریح: مردے کو کفن دینا ہر قسم کے رنگ کے کپڑے میں دے سکتے ہیں البتہ سفید میں زیادہ بہتر ہے۔ کفن کے سلسلہ میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو کپڑا زندگی میں پہننا جائز ہے اس میں کفن دینا بھی جائز ہے اور جس کپڑے کو پہننا مکروہ ہے اس میں کفن دینا بھی مکروہ ہے اور جس کپڑے کو پہننا حرام ہے اس میں کفن دینا بھی حرام ہے جیسا کہ مرد کو ریشمی کپڑے میں کفن دینا حرام ہے، کیونکہ زندگی میں اس پر ریشمی کپڑا حرام تھا۔ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ جس کپڑے کو پہن کر آدمی نے نمازیں ادا کی ہیں اور عبادتیں کی ہیں ان میں کفن دینا مستحب ہے۔

باب مِنْهُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وَلِيَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ وَفِيهِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ و قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ سَلَّامُ بْنُ مُطِيعٍ فِي

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے فوت ہو جانے والے بھائی کا ولی ہو تو اسے بہترین کفن دے۔ اس باب میں حضرت جابرؓ سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ سلام بن مطیع نے اس روایت کے بارے میں کہ تمہیں اپنے (مردہ) بھائی کو اچھا

قَوْلِهٖ وَلْيُحْسِنْ أَحَدُكُمْ كَفَنَ أَخِيهِ قَالَ هُوَ الصَّفَاءُ وَلَيْسَ بِالْمُرْتَفِعِ

کفن دینا چاہیے، فرمایا کہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ صاف اور سفید کپڑوں کا کفن دیا جائے نہ کہ قیمتی کپڑے کا۔

تشریح: کفن میں اعتدال کی راہ ہونی چاہیے نہ تو اس میں افراط ہو اور نہ تفریط۔

افراط کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تعداد کفن میں مسنون ہے اس سے زائد کپڑوں میں کفن دینا یا ایسا کفن دینا جس کی قیمت بہت زیادہ ہو۔ تفریط یہ ہے کہ استطاعت کے باوجود مسنون تعداد سے بھی کم کپڑوں میں کفن دینا یا پرانے ردی کپڑوں میں کفن دینا جن کی قیمت ہی بہت کم ہو۔ ابن المبارکؒ کہتے ہیں کہ سلام بن مطیع نے حدیث **ولیحسن احدکم کفن اخیہ** کی شرح میں فرمایا کفن صاف ستھرا ہونا چاہیے زیادہ قیمتی ہونا مراد نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَمْ كُفِّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُفِّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ يَمَانِيَةٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ قَالَ فَذَكَرُوا لِعَائِشَةَ قَوْلَهُمْ فِي ثَوْبَيْنِ وَبُرْدِ حِبَرَةٍ فَقَالَتْ قَدْ أُتِيَ بِالْبُرْدِ وَلَكِنَّهُمْ رَدُّوهُ وَلَمْ يُكَفِّنُوهُ فِيهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفن مبارک تین سفید یمنی کپڑوں پر مشتمل تھا ان میں قمیص اور پگڑی نہیں تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن میں دو کپڑے اور ایک حبری (بیل بوٹے والی) چادر تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا چادر دلائی گئی تھی لیکن اسے واپس کر دیا گیا اور اس میں کفن نہیں دیا گیا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَّنَ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فِي نَمِرَةٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ فِي كَفَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِوَايَاتٌ مُخْتَلِفَةٌ وَحَدِيثُ عَائِشَةَ أَصَحُّ الْأَحَادِيثِ الَّتِي رُوِيَتْ فِي كَفَنِ

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمزہ بن عبدالمطلب کو ایک چادر یعنی ایک ہی کپڑے میں کفن دیا۔ اس باب میں حضرت علی ابن عباس، عبداللہ بن مغفل اور ابن عمر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن مبارک کے بارے میں مختلف روایات مذکور ہیں اور ان تمام روایات میں حضرت عائشہ کی روایت زیادہ صحیح ہے اکثر صحابہ کرام اور دیگر اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ يُكَفَّنُ الرَّجُلُ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ إِنْ شِئْتَ فِي قَمِيصٍ وَلِفَافَتَيْنِ وَإِنْ شِئْتَ فِي ثَلَاثِ لَفَائِفَ وَيُجْزِي ثَوْبٌ وَاحِدٌ إِنْ لَمْ يَجِدُوا ثَوْبَيْنِ وَالثَّوْبَانِ يُجْزِيَانِ وَالثَّلَاثَةُ لِمَنْ وَجَدُوا أَحَبُّ إِلَيْهِمْ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالُوا تُكَفَّنُ الْمَرْأَةُ فِي خَمْسَةِ أَثْوَابٍ

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے اگر چاہے تو ایک قمیص اور دو لفافے اگر چاہے تو تین لفافوں میں ہی کفن دے پھر اگر تین کپڑے نہ ہوں تو دو اور دو بھی نہ ہوں تو ایک سے بھی کفن دیا جا سکتا ہے۔ اس شخص کیلئے جسے کپڑے میسر ہوں علماء کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اور یہ امام شافعی احمد، اسحاقؒ کا قول ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے۔

تشریح: مرد کا کفن تین اقسام پر ہے۔

کفن مسنون: مرد کا سنت کفن تین کپڑے ہیں ایک لفافہ، دوسرا ازار اور تیسرا قمیص۔

عورت کے لئے مسنون کفن پانچ کپڑے ہیں ازار، لفافہ، قمیص، سینہ بند اور ایک چادر۔

کفن کفایت: تین کپڑے ہیں عورت کے لئے لفافہ، ازار، قمیص اور مرد کے لئے دو کپڑے ہیں لفافہ اور ازار۔

کفن ضرورت: یہ جتنا بھی میسر ہو جائے مرد اور عورت کے لئے اتنا ہی پہنایا جائے جیسے زیر بحث باب کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چادر میں کفن دیا گیا۔

روایات میں اختلاف اور رفع اختلاف: حدیث الباب میں نبی کریم ﷺ کو تین کپڑوں میں کفنانے کا ذکر ہے لیکن طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں سات کپڑوں کا ذکر ہے ''عن محمد بن علی ابن الحنفیۃ عن ابیه أن النبی ﷺ کفن فی سبعة اثواب'' (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج۲ص۲۸۷)

رفع تعارض: طبقات ابن سعد والی روایت ضعیف ہے اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی وہ اس پر محمول ہے کہ مختلف حضرات نے آپ ﷺ کے کفن کے لئے کپڑے پیش کئے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان میں سے تین کا انتخاب کر لیا اور باقی واپس کر دیے۔ جیسا کہ اسی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں: ''فذکروا لعائشة قولهم فی ثوبین و برد حبرة فقالت: قدأتی بالبرد، ولکنهم ردوه، ولم یکفنوه فیه''۔

کفن مسنون کتنے کپڑے ہیں: جمہور حضرات کے نزدیک مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ کپڑے مسنون ہیں۔

امام مالکؒ کے نزدیک مرد کے حق میں پانچ کپڑے اور عورت کے حق میں سات کپڑے شامل ہیں۔ ان کے نزدیک مرد کا کفن تین لفافوں ایک قمیض اور ایک عمامہ پر مشتمل ہے۔ جمہور حضرات کی دلیل یہی حدیث الباب ہے ''کفن النبی ﷺ فی ثلاثة اثواب، بیض یمانیة، لیس فیها قمیص ولا عمامة''۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کفن کے تین کپڑے قمیص اور عمامہ کے علاوہ تھے قمیص اور عمامہ الگ تھے گویا مجموعہ

پانچ کپڑے ہوئے لیکن ظاہر ہے کہ یہ تاویل خلاف ظاہر ہے۔

تین کپڑوں کی تعیین میں ائمہ کا اختلاف: جمہور حضرات کے نزدیک کفن مسنون میں تین کا عدد تو متعین ہے البتہ ان تین کپڑوں کی تعیین کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک وہ تین کپڑے تین لفافے ہیں۔

قول ثانی: حنفیہ کے نزدیک وہ تین کپڑے یہ ہیں۔ ① لفافہ، ② ازار، ③ قمیص۔

شوافع کے دلائل: **دلیل اوّل:** یہی حدیث الباب ہے جس میں صراحۃً قمیص کی نفی کی گئی ہے۔

جواب: اس میں قمیص میت کا نہیں بلکہ قمیص معتاد کا بیان ہے جس کا انکار کیا گیا اور وہ قمیص مُردوں کو نہیں پہنائی جاتی بلکہ زندوں کو پہنائی جاتی ہے کیونکہ میت کی قمیص میں نہ تو کلیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی وہ سلی ہوئی ہوتی ہے بلکہ وہ گردن سے پاؤں تک کا وہ کپڑا ہے جس کا ایک حصہ میت کی پشت پر اور دوسرا حصہ میت کے سامنے اور بیچ میں اس کو گریبان کے برابر چیر دیا جاتا ہے۔

میت کی قمیص میں کلیاں اور آستین نہ ہونے کی وجہ حضرت علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے بیان کی ہے کہ قمیص میں آستین وغیرہ کی ضرورت زندہ کو ہوتی ہے تا کہ اس کو چلنے پھرنے، اترنے چڑھنے اور دوسری حرکات وسکنات میں کوئی دقت نہ ہو جبکہ میت کو اس طرح کی کوئی حاجت نہیں۔ دوسرا یہ کہ میت کو آستین والی قمیص پہنانا مشکل کام ہے۔ اس لئے میت کے لئے ایسی قمیص کی کوئی حاجت نہیں۔

سوال: اس پر عبداللہ بن ابی کے قصہ سے اشکال ہوتا ہے کہ اس میں نبی کریم ﷺ نے کفن کے لئے اپنی قمیص مبارک عطا کی جو لامحالہ آستین وغیرہ پر مشتمل ہوگی۔

جواب: یہاں پر بحث میت کے لئے قمیص تیار کرنے میں ہے اگر کوئی قمیص پہلے سے موجود ہو تو اس کی سلائی کھول کر آستین وغیرہ ختم کر کے اس کو پہنائی جائے گی۔

دلیل ثانی: سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے **كفن رسول الله ﷺ في ثلاثة رياط بيض سحولية.**

اس میں ریاط، ریطۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ایک پاٹ کی بڑی چادر۔

احناف کے دلائل: **دلیل اوّل:** بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے'' **ان عبدالله بن ابي لما توفي جاء ابنه الى النبي ﷺ فقال: أعطني قميصك أكفنه فيه وصل عليه واستغفر له. فاعطاه قميصه**''۔

دلیل ثانی: سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے'' **قال كفن رسول الله ﷺ في ثلاثة اثواب نجرانية، الحلة ثوبان و قميصه الذي مات فيه**''۔

دلیل ثالث: الکامل لابن عدی میں حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے''**قال كفن النبي ﷺ في ثلاثة اثواب، قميص و ازار و لفافة**''۔

دلیل رابع: مؤطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اثر سے ہے وہ فرماتے ہیں'' **الميت، يقمص و يوزر و يلف بالثوب الثالث فان لم يكن الاثوب واحد كفن فيه**''۔

دلیل خامس: امام محمدؒ کی کتاب الآثار میں ''ابوحنیفہ عن حماد'' کے طریق سے ابراہیم نخعیؒ کی ایک مرسل روایت سے ہے: ''ان

النبی ﷺ کفن فی حلة یمانیة و قمیص ‘‘ یہ مرسل روایت صحیح ہے۔
دلیل سادس: مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں ’’اذا انا مت فاجعلوا فی آخر غسلی کافوراً و کفنونی بردین و قمیص فان النبی ﷺ فعل به ذلك ‘‘ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۷۸)

بَاب مَا جَاءَ فِي الطَّعَامِ يُصْنَعُ لِأَهْلِ الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اصْنَعُوا لِأَهْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ كَانَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُوَجَّهَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ لِشُغْلِهِمْ بِالْمُصِيبَةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَجَعْفَرُ بْنُ خَالِدٍ هُوَ ابْنُ سَارَةَ وَهُوَ ثِقَةٌ رَوَى عَنْهُ ابْنُ جُرَيْجٍ ۔

حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا پکاؤ کیونکہ انہیں ایک آنے والے حادثہ نے (کھانا پکانے سے) روک رکھا ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم اسے مستحب جانتے ہیں کہ میت کے گھر والوں کے پاس کوئی نہ کوئی چیز بھیجی جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مشغول ہوتے ہیں امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے جعفر بن خالدؒ سارہ کے بیٹے ہیں یہ ثقہ ہیں۔ ان سے ابن جریجؒ روایت کرتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کا واقعہ مذکور ہے کہ جب یہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے اس وقت وہ بالکل نوجوان تھے۔ آپ ﷺ کو ان کی شہادت کی خبر وحی کے ذریعے سے ملی۔ آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے بچوں کو بلایا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس سمجھ گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روئے؟ کیا جعفر اور ان کے رفقاء کے متعلق آپ کو کوئی اطلاع ملی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ آج شہید ہو گئے۔ اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں یہ بات سنتے ہی میری چیخ نکل گئی۔ عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں اور آپؐ اپنے گھر تشریف لے گئے اور ازواج مطہرات کو یہ ہدایت کی کہ جعفر کے گھر والوں کے پاس کھانا بنا کر بھیجو۔ آج وہ اپنے صدمہ سے نڈھال ہیں۔ خود آنحضرت ﷺ پر اس صدمہ کا بہت زیادہ اثر تھا آپ اس غم میں تین دن تک مسجد میں تشریف فرما رہے تھے۔ (زرقانی سیرۃ مصطفیٰ: ۲/۷۴)

اس حدیث کی بناء پر مستحب یہ ہے کہ جس گھر میں فوتگی ہوئی ہے اس کے اقارب یا پڑوسی کھانا پکا کر وہاں بھیجیں تاکہ وہ اپنی مصیبت کے وقت کھانے کی فکر میں مبتلا نہ ہوں۔

موجودہ دور میں ایک غلط رواج اور بدعت رائج ہو گئی ہے کہ جس گھر میں فوتگی ہو جائے وہاں میت کے قریب رشتے دار تعزیت کرنے والوں کے لئے گھر میں دیگیں چڑھا دی جاتی ہیں باقاعدگی سے ان کے کھانے کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ یہ بدعت ہے کیونکہ

دعوت تو خوشی کے موقع پر ہوتی ہے جبکہ یہاں گھر والوں پر تو صدمہ کا پہاڑ ٹوٹا ہے پھر دوسرا یہ کہ ان لوگوں کو کھلانے کا بوجھ غریب آدمی کہاں سے پورا کرے گا؟ اسی طرح میت کے لئے تین دن بعد یا سات دن بعد یا گیارہ دن یا چالیسویں دن کی دعوت بھی درست نہیں بلکہ صراحۃً بدعت ہے۔

اس کے بدعت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں عوام نے میت کے گھر والوں کی جانب سے اس دعوت کو واجبات دینیہ میں سے سمجھ لیا ہے اور التزام مالایلزم بدعتٌ ہے۔

بعض اہل بدعت ضیافت من اہل المیت کے اثبات کے لئے مشکوٰۃ شریف میں عاصم بن کلیب کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ایک انصاری صحابی نبی کریم ﷺ کے کسی میت کی تدفین سے فارغ ہو کر واپس آنے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں فلما رجع استقبله داعی امرأته۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ دعوت زوجۂ میت کی جانب سے نہیں تھی بلکہ کسی اور عورت کی جانب سے تھی اور ظاہر ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں مشکوٰۃ کے کسی کاتب سے غلطی واقع ہوئی ہے۔ اس نے اضافت کے ساتھ داعی امرأته لکھ دیا۔ ورنہ اصل روایت داعی امرأة بغیر اضافت کے ہے۔

اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ دعوت اگرچہ زوجہ میت کی جانب سے تھی لیکن یہ صرف نبی کریم ﷺ کے لئے تھی جو برکت حاصل کرنے کے لئے تھی نہ کہ اہل میت ہونے کے اعتبار سے تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ ضَرْبِ الْخُدُودِ وَشَقِّ الْجُيُوبِ عِنْدَ الْمُصِيبَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنِي زُبَيْدٌ الْأَيَامِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوبَ وَضَرَبَ الْخُدُودَ وَدَعَا بِدَعْوَةِ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، سفیان، زبید ایامی، ابراہیم، مسروق، حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص گریبان پھاڑے، رخساروں کو پیٹے یا زمانہ جاہلیت کی پکار پکارے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: موت کے موقع پر ماتم کرنا اونچی آواز سے رونا پیٹنا یہ ہندوانہ طریقہ ہے۔ سینہ پیٹنا، دیوار سے سر پھوڑنا، زمین پر زور زور سے ہاتھ مار کر شور کرنا سر منڈوانا سب ماتم میں شامل ہیں۔

نیز میت پر ماتم کرنا چند وجوہ کی بناء پر ممنوع ہے۔

اوّل: میت کے پسماندگان ایک مریض کی طرح ہوتے ہیں ان کا علاج (صبر دلانا) کرنے کے بجائے ان کے سامنے خوب رونا ان کے دکھ اور درد میں اضافہ کرنا ہے۔ لہٰذا ان کے قریب نوحہ کرنا ماتم کرنا ان کے صدمہ میں اضافہ کا باعث ہے ہونے کی وجہ سے یہ تعزیت تو نہ ہوئی بلکہ تعزیر ہوئی۔

ثانی: بسا اوقات انسان کی بے چینی بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے قضاء الٰہی پر عدم رضا کا سبب بن جاتی ہے جبکہ رضا بالقضاء ضروری ہے اور جو چیز رضا بالقضاء میں خلل ڈالے وہ ممنوع ہوتی ہے۔

ثالث: زمانہ جاہلیت میں لوگ بے تکلف بناوٹی درد و غم کا اظہار کیا کرتے تھے اس لئے شریعت نے نوحہ ماتم کو ممنوع قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّوْحِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا قُرَّانُ بْنُ تَمَّامٍ وَمَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَيَزِيدُ بْنُ هَارُونَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ الطَّائِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ الْأَسَدِيِّ قَالَ مَاتَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ قَرَظَةُ بْنُ كَعْبٍ فَنِيحَ عَلَيْهِ فَجَاءَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ مَا بَالُ النَّوْحِ فِي الْإِسْلَامِ أَمَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ نِيحَ عَلَيْهِ عُذِّبَ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَأَبِي مُوسَى وَقَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَجُنَادَةَ بْنِ مَالِكٍ وَأَنَسٍ وَأُمِّ عَطِيَّةَ وَسَمُرَةَ وَأَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ الْمُغِيرَةِ حَدِيثٌ غَرِيبٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت علی بن ربیعہ اسدی سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص قرظہ بن کعب فوت ہو گئے تو لوگ ان پر نوحہ کرنے لگے پس حضرت مغیرہ بن شعبہؓ تشریف لائے منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کر کے فرمایا نوحہ کی اسلام میں کیا حیثیت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جس پر نوحہ کیا جاتا ہے اسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے اس باب میں حضرت عمر، علی، ابوموسیٰ، قیس بن عاصم، جنادہ بن مالک، انس، ام عطیہ، سمرہ اور ابومالک اشعری رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث مغیرہ بن شعبہؓ غریب حسن صحیح ہے۔

تشریح: کسی رشتہ دار کے فوت ہونے پر انسان کا غمگین ہونا اور اس کے آنسوؤں کا جاری ہونا ایک فطری چیز ہے۔ اس سے بچنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے اس لئے اس سے بالکلیہ نہیں روکا جاتا اور نہ کوئی روک سکتا ہے۔ کیونکہ یہ رقت قلبی کا نتیجہ ہے رحم دلی امر محمود ہے اس کی وجہ سے جاری ہونے والی آہیں سسکیاں مذموم نہیں۔ البتہ میت کے لئے نوحہ کرنا اونچی آواز سے رونا ممنوع ہے۔ یہاں باب میں دو مسائل کا بیان ہے ① پہلا مسئلہ **بکاء علی المیت** کہ میت پر کس حد تک رونا جائز ہے۔ ② **بکاء علی المیت** کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔

مسئلہ اولیٰ: بکاء علی المیت کس حد تک جائز ہے۔ اس بارے میں تو علماء کا اتفاق ہے کہ ہلکا سا رونا جائز ہے اور بکاء شدید جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے وہ جائز نہیں۔ بکاء شدید اور بکاء خفیف میں فرق ہے کہ بکاء خفیف وہ ہے جس میں آواز نہ نکلے اور بکاء شدید وہ ہے جس میں آواز بھی نکلے ہر بکاء بالصوت کو ممنوع نہیں کہہ سکتے کیونکہ بکاء بالصوت تو متعدد روایات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ مسند احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ''فلما مات زینب۔ (و فی روایة رقیة) ابنة رسول الله ﷺ

قال رسول الله ﷺ الحق بسلفنا الصالح الخیر عثمان بن مظعون، فبکت النساء، فجعل عمر یضر بهن بسوطه، فاخذ رسول الله ﷺ بیده، فقال: مهلا یا عمر، ثم قال ابکین و ایاکن و نعیق الشیطان. الفتح الربانی جلد۷ ص۱۳۰ باب الرخصة بالبکاء من غیر نوح"۔

اس حدیث کی بناء پر یوں کہا جائے گا کہ بکاء بالصوت مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ وہ بکاء بالصوت ممنوع ہے جو نوحہ کی حد تک پہنچ جائے یعنی چیخ وپکار کے ساتھ رویا جائے وہ ممنوع اور حرام ہے۔

مسئلہ ثانیہ: کیا میت کو اس کے اہل وعیال کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں:۔

قول اوّل: بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت مغیرہؓ کے نزدیک میت پر رونے کی وجہ سے اسے عذاب دیا جاتا ہے۔

قول ثانی: حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ کا مسلک یہ ہے کہ بکاء اہل سے میت کو عذاب نہیں ہوتا۔ مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَالْمَسْعُودِيُّ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ أَبِي الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَنْ يَدَعَهُنَّ النَّاسُ النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَحْسَابِ وَالْعَدْوَى أَجْرَبَ بَعِيرٌ فَأَجْرَبَ مِائَةَ بَعِيرٍ مَنْ أَجْرَبَ الْبَعِيرَ الْأَوَّلَ وَالْأَنْوَاءُ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زمانہ جاہلیت کی چار چیزیں ایسی ہیں جو میری امت کے چند لوگ نہیں چھوڑیں گے نوحہ کرنا، نسب پر طعن کرنا، مرض کے متعدی ہونے کا اعتقاد رکھنا کہ اونٹ کو خارش ہوئی تو سب کو ہی ہوگئی اگر ایسا ہی ہے تو پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی تھی اور یہ اعتقاد رکھنا کہ بارش ستاروں کے طلوع ہونے سے ہوتی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: لن یدع الناس کا مطلب یہ ہے کہ یہ امور ایسے ہیں جو بالکلیہ متروک نہیں ہوں گے بلکہ ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی ان کا مرتکب ہوتا رہے گا کوئی نہ کوئی ان کا اعتقاد رکھنے والا ضرور ہوگا۔

النِّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَحْسَابِ: احساب، حسب کی جمع ہے یعنی نسب یہاں "طعن فی الحسب" سے مراد طعن فی النسب ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں آیا ہے "شعبتان من امر الجاهلیة لا یترکها الناس ابدًا النیاحة والطعن فی النسب باب مالا یجوز من البکاء علی المیت" (جلد۷، ص۱۱۳)

أَجْرَبَ: اس سے مراد اونٹ کا خارش زدہ ہونا ہے۔

وَالْأَنْوَاءُ: یہ نوء کی جمع ہے ابوعبید کہتے ہیں کہ انواء اٹھائیس مخصوص ستارے ہیں جو معروف مطالع سے سال بھر باری باری طلوع ہوتے ہیں ہر تیرہ راتیں گزرنے پر ان میں سے ایک ستارہ صبح صادق کے وقت مغرب میں غروب ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی وقت مشرق سے اس کے مقابل ایک ستارہ طلوع ہوتا ہے۔ تیرہ راتوں کے بعد یہ ستارہ بھی غروب ہوجاتا ہے۔ اور دوسرا ستارہ نکل آتا ہے اس کا

نام نوء ہے" لانه اذا سقط الساقط ناء الطالع، و ذلك النهوض هو النوء" سال کے پورا ہونے پر یہ اٹھائیس کے اٹھائیس ستارے طلوع ہوکر غروب ہو جاتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب بھی ان اٹھائیس ستاروں میں سے کوئی ایک ستارہ غروب ہو کر طلوع ہوگا اس وقت ضرور بارش ہوگی یا ہوا چلے گی۔ پھر جب بارش ہوتی تھی تو یہ کہتے تھے مطرنا بنوء کذا یعنی بارش ستارے کے طلوع ہونے کی وجہ سے ہوئی گویا اس کا طلوع ہونا ہی مؤثر ہے۔ (بلوغ الامانی من اسرار فتح الربانی جلد ۶ ص ۲۵۲۔۲۵۳)

وَالْعَدْوٰی: اہل عرب میں ایک عقیدہ باطلہ یہ بھی تھا کہ امراض متعدی ہوتے ہیں اور بعض لوگ امراض کے لئے اس کو متعدی بنفسہ سمجھتے تھے بعض کا عقیدہ تو یہاں تک بگڑ گیا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو تاثیر دے کر خود، معاذ اللہ معطل ہو گیا ہے۔ بعض لوگ سمجھتے تھے کہ ان چیزوں کو تاثیر تو اللہ تعالیٰ نے ہی دی ہے لیکن اب تاثیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ انہی اشیاء کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ مؤثر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن عدوی سے مرض مختلف نہیں ہو سکتا۔ ان مذکورہ اعتقادات فاسدہ کی بناء پر عدوی کی تردید کی گئی ہے ورنہ سبب کے درجہ میں انہیں ماننا ممنوع نہیں، جمہور حضرات کا یہی مسلک ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ الْبُكَاءَ عَلَى الْمَيِّتِ وَقَالُوا الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَذَهَبُوا إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ و قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ أَرْجُو إِنْ كَانَ يَنْهَاهُمْ فِي حَيَاتِهِ أَنْ لَا يَكُونَ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ شَيْءٌ.

حضرت سالم بن عبداللہ اپنے والد سے وہ حضرت عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میت کے گھر والوں کے بلند آواز سے رونے پر میت کو عذاب ہوتا ہے اس باب میں حضرت ابن عمر اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم میت پر زور سے رونے کو حرام کہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر میت کے گھر والے روئیں تو ان کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ خود اپنی زندگی میں انہیں اس سے روکتا رہا تو امید ہے کہ اس کو عذاب نہیں ہوگا۔

تشریح: ربط: ماقبل باب میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ کسی کی موت پر غم زدہ ہونا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا نکل آنا یہ فطری بات ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ انسان کے دل میں دردمندی کا جذبہ موجود ہے اور یہ محمود ہے مذموم نہیں البتہ کوئی اس اجازت

سے غلط فائدہ اٹھا کر اونچی اونچی آواز سے چلانا نہ شروع کر دے اس بات کی تردید کے لئے امام ترمذیؒ یہاں دوسرا باب لائے ہیں۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي أَسِيدُ بْنُ أَبِي أَسِيدٍ أَنَّ مُوسَى بْنَ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيَّ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ وَا جَبَلَاهُ وَا سَيِّدَاهُ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ إِلَّا وُكِّلَ بِهِ مَلَكَانِ يَلْهَزَانِهِ أَهَكَذَا كُنْتَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

حضرت موسیٰ بن ابو موسیٰ اشعری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مرنے والا مرتا ہے اور اس پر رونے والا کھڑا ہو اور وہ کہے کہ اے میرے پہاڑ۔ اے میرے سردار یا اسی قسم کے کوئی اور الفاظ کہتا ہے تو میت پر دو فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جو اس کے سینے پر گھونسے مارتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ کیا تو ایسا ہی تھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

پہلی حدیث بخاری شریف میں بھی موجود ہے اور اس میں اضافہ بھی ہے **المیت لیعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ** یعنی میت کو پسماندگان کے کچھ رونے سے عذاب دیا جاتا ہے البتہ جو رونا جائز ہے اس کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جاتا۔ البتہ وہ رونا جس میں چیخ و پکار کی جائے میت کو جھوٹے اور سچے فضائل بیان کئے جائیں اور اس کو آسمان پر چڑھایا جائے تو اس کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ جب نوحہ کرنے والا میت کی کوئی ایسی جھوٹی خوبی بیان کرتا ہے تو فرشتے اس کے سینے پر مکے مارتے ہیں اور یہ وہی عذاب ہے جو اُن کے رونے کی وجہ سے میت کو پڑتے ہیں۔ حدیث میں عذاب سے مراد یہی ہے۔ مزید شرح آنے والے باب میں دیکھیے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الْبُكَاءِ عَلَى الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَنْ مَالِكٍ ح و حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ وَهُوَ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَمْرَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ فَقَالَتْ عَائِشَةُ غَفَرَ اللهُ لِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلَكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يُبْكَى عَلَيْهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میت کو زندہ آدمی کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائے انہوں نے یقیناً جھوٹ نہیں بولا لیکن یا تو وہ بھول گئے ہیں یا ان سے غلطی ہوئی ہے حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی عورت کی میت کے پاس سے گذرے۔ لوگ اس کی موت پر رو رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ عَبَّادٍ الْمُهَلَّبِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَيِّتُ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ قَالَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ وَهِمَ إِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مَاتَ يَهُودِيًّا إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ وَإِنَّ أَهْلَهُ لَيَبْكُونَ عَلَيْهِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ عَائِشَةَ وَقَدْ ذَهَبَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَتَأَوَّلُوا هٰذِهِ الْآيَةَ { وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى } وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میت پر اس کے رشتہ داروں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ ان پر رحم فرمائے انہوں نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ انہیں وہم ہوگیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ایک یہودی کے لیے فرمائی تھی کہ وہ مرگیا تھا پھر آپ نے فرمایا کہ میت پر عذاب ہورہا ہے اور اس کے گھر والے اس پر رورہے ہیں۔ اس باب میں حضرت عباس، قرظہ بن کعب، ابوہریرہ، ابن مسعود اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے اور حدیث حضرت عائشہؓ ہی سے کئی سندوں سے مروی ہے۔ بعض اہل علم کا اس روایت پر عمل ہے اور انہوں نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے۔ (وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى فاطر) کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَانْطَلَقَ بِهِ إِلَى ابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ فَوَجَدَهُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَكٰى فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ أَتَبْكِي أَوَلَمْ تَكُنْ نَهَيْتَ عَنِ الْبُكَاءِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ نَهَيْتُ عَنْ صَوْتَيْنِ أَحْمَقَيْنِ فَاجِرَيْنِ صَوْتٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ خَمْشِ وُجُوهٍ وَشَقِّ جُيُوبٍ وَرَنَّةِ شَيْطَانٍ وَفِي الْحَدِيثِ كَلَامٌ أَكْثَرُ مِنْ هٰذَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کے پاس لے گئے وہ اس وقت نزع کی حالت میں تھے۔ آپؐ نے انہیں اپنی گود میں لیا اور رونے لگے۔ عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا آپ بھی روتے ہیں؟ کیا آپ نے رونے سے منع نہیں کیا؟ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ بیوقوفی اور نافرمانی کی دو آوازوں سے منع کیا ہے ایک تو مصیبت کے وقت چلانے کی آواز جب چہرہ نوچا جائے اور گریبان چاک کیا جائے دوسری شیطان کی طرح آہ و بکا کرنا (یعنی نوحہ) امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: قوله إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ: ''حی'' کے دو معنی آتے ہیں ① قبیلہ یہ معنی دوسری روایت کے موافق ہے جس میں اہل کا لفظ ہے کیونکہ عام طور پر انسان پر رونے والے اس کے گھر والے یا قبیلے کے افراد ہوتے

ہیں ② ''حی'' کا دوسرا معنی زندہ ہونا، اس صورت میں یہ جماعت کے مقابلے میں ہوگا اور ''حی'' کی قید احترازی ہوگی۔ مطلب یہ ہوگا کہ زندہ اور ذی روح چیزوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے لیکن جو چیزیں ذی روح نہیں بلکہ جمادات ہیں ان کے رونے سے عذاب نہیں ہوتا چنانچہ قرآن پاک میں ہے ''فما بکت علیهم السماء والارض''۔ ایسے ہی ایک حدیث پاک میں آیا ہے آسمان کا وہ دروازہ جس سے مومن کے نیک اعمال اوپر جاتے تھے اور وہ دروازہ جس سے اس کا رزق اترتا تھا مومن کی موت پر دونوں آنسو بہاتے ہیں۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰن: نام عمرہ، عبدالرحمٰن بن سعید بن زرارہ کی بیٹی ہیں حضرت عائشہؓ کی زیر پرورش تھیں انہوں نے ہی ان کی تربیت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث میں سے بہت سے حدیثیں انہوں نے روایت کیں۔ دوسرے حضرات سے بھی روایت کرتی ہیں ۱۰۳ھ میں وفات پائی یہ مشہور تابعیات میں سے ہیں۔

سوال: اس حدیث الباب میں اس سے پہلے والی روایت میں ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ، حضرت مغیرہؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ سے بھی روایت ہے۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارے میں قرآن کریم کی آیت **ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ** سے استدلال کیا ہے۔ یعنی کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ گویا اس آیت میں ایک اصول بیان کر دیا کہ ایک آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے آدمی کو نہیں دی جاتی پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ روئیں گھر والے اور سزا پائے مرنے والا؟ تو گویا ایک طرف آیت ہے اور دوسری طرف احادیث ہیں لہٰذا احادیث اور آیت میں بظاہر تعارض نظر آ رہا ہے۔

جواب اوّل: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن کی مغفرت فرمائے انہوں نے بالقصد جھوٹ نہیں بولا بلکہ وہ بھول گئے یا چوک گئے۔ یعنی جس موقع پر وہ حدیث ارشاد فرمائی گئی تھی اس کو بھول گئے یا حدیث سمجھنے میں ان سے غلطی ہو گئی۔

واقعہ یہ ہوا کہ ایک یہودی بڑھیا کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے اس پر ماتم کیا جا رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو فرمایا کہ یہ اس بڑھیا کو رو رہے ہیں اور بڑھیا قبر میں سزا پا رہی ہے یعنی اگر رونا ہی تھا تو کسی اچھے آدمی کو روتے ایسے کو رو رہے ہیں جو قبر میں عذاب میں مبتلا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کا محمل خاص ہے مسلمانوں کے ساتھ اس کا تعلق نہیں اور رہی بات بڑھیا کے عذاب کی اس کو اس کے کفر کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا نہ کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے۔

جواب پر اشکال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف جو وہم کی نسبت کی ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ اس مضمون کی روایات کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں اور کیا ان سب سے بھول ہو گئی ہے یہ بات ناقابل قبول ہے اس لئے صحیح یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ ٹھیک ہے مگر وہ واقعہ الگ ہے اور یہ حدیث مسلمانوں کے متعلق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعتراض کہ یہ حدیث خاص ہے مسلمانوں کے ساتھ اس کا تعلق نہیں تو اس کا جواب ابن المبارک یہ دیتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت کی ہے اور وہ اس کو نوحہ کرنے سے منع کیا کرتا تھا لیکن جب یہ فوت ہوا تو اس کے

گھر والوں نے نوحہ کیا تو اس پر یہ شخص ذمہ دار نہیں ہوگا بلکہ گھر والے ذمہ دار ہیں۔

جواب رابع: علامہ ابن حزمؒ نے یہ مطلب بیان کیا کہ مرنے کے بعد میت والے میت کے جن اوصاف وافعال کو یاد کر کے روتے ہیں اس وجہ سے مردہ کو عذاب دیا جاتا ہے اور فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ واقعی تو ایسا تھا۔ اس پر اس کو اذیت ہوتی ہے۔ **جواب سادس:** اس عذاب سے مراد عذاب اخروی نہیں بلکہ اس کے اہل کی بکاء کی وجہ سے اس کو عذاب واذیت کا ہونا مراد ہے **جواب سابع:** بعض نے کہا یہاں عذاب سے مراد توبیخ الملائکہ ہے **جواب ثامن:** بعض نے کہا کہ اس سے مراد قریب المرگ ہے کہ جس کو موت قریب ہو اس کے پاس رونے سے اس کو عذاب وتکلیف ہوتی ہے **جواب تاسع:** یہ حدیث کفار کے بارے میں ہے اور قرآن مجید کی آیت مسلمانوں کے بارے میں ہے **جواب عاشر:** اُس میت کو عذاب ہوتا ہے جسے معلوم تھا کہ اس کے لواحقین روئیں گے اور اس نے نہ رونے کی وصیت نہیں کی۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۸۷)

عن جابر بن عبدالله قال أخذ النبی ﷺ بید عبدالرحمٰن بن عوف فانطلق الی ابنه ابراهیم

آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جب وفات پانے لگے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے بیٹے حضرت ابراہیمؓ کے پاس لے گئے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے وہ آپ ﷺ کی سُریہ تھیں سُریہ وہ باندی ہیں جس سے اس کا آقا صحبت کرتا ہے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب غلام باندیاں ہوتی تھیں۔ تو جس آقا کے پاس ایک سے زائد باندیاں ہوتیں تو وہ سب باندیوں سے صحبت نہیں کرتا تھا بلکہ جس سے صحبت کرنا چاہتا تھا اس کو صحبت کے لئے خاص کرتا تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہ قبا میں رہتی تھیں۔ آپ ﷺ وہاں کبھی کبھار جایا کرتے تھے۔ آپؐ نے جب اپنے بچہ کو دیکھا تو وہ جان کنی کی حالت میں تھا۔ آپ ﷺ نے بچے کو گود میں لیا اس دوران بچہ نے دم توڑ دیا۔ پس آپ ﷺ روئے اور فرمایا آنکھیں اشکبار اور دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہے اور ہم اے ابراہیمؑ تیری جدائی سے مغموم ہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا" انا لله و انا الیه راجعون"۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ رو رہے ہیں حالانکہ آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے دو احمقانہ آوازوں سے منع کیا ہے جو گناہ میں مبتلا کرنے والی ہیں۔ ایک مصیبت کے وقت چلانا، چہرے کو نوچنا، گریبان پھاڑنا اور شیطان کی طرح آہ و بکاء کرنا۔ دوسری بانسری گانے کی آواز۔ امام ترمذیؒ نے اس دوسری احمقانہ آواز کو جس سے آدمی گناہ کرتا ہے حذف کر دیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَإِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ.

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، اور عمر کو جنازے کے آگے چلتے ہوئے دیکھا۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا کہ وہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ مَنْصُورٍ وَبَكْرٍ الْكُوفِيِّ وَزِيَادٍ وَسُفْيَانَ كُلُّهُمْ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ۔

حسن بن علی الخلال، عمر بن عاصم ھمام، منصور، بکر کوفی، زیاد، سفیان بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے امام زہری سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر، اور عمر جنازے کے آگے چلتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ هٰكَذَا رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ وَزِيَادُ بْنُ سَعْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ وَرَوٰى مَعْمَرٌ وَيُونُسُ بْنُ يَزِيدَ وَمَالِكٌ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَأَهْلُ الْحَدِيثِ كُلُّهُمْ يَرَوْنَ أَنَّ الْحَدِيثَ الْمُرْسَلَ فِي ذٰلِكَ أَصَحُّ قَالَ أَبُو عِيسٰى و سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ مُوسٰى يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّزَّاقِ يَقُولُ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ فِي هٰذَا مُرْسَلٌ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَأَرَى ابْنَ جُرَيْجٍ أَخَذَهُ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَرَوٰى هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ زِيَادٍ هُوَ ابْنُ سَعْدٍ وَمَنْصُورٍ وَبَكْرٍ وَسُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ وَإِنَّمَا هُوَ

عبدابن حمید، عبدالرزاق، معمر امام زہری سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جنازے کے آگے چلتے تھے زہری نے کہا کہ ہمیں سالم نے خبردی کہ ان کے باپ جنازے کے آگے چلتے تھے۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عمر کی مانند ابن جریج اور زیاد بن سعد اور کئی لوگوں نے روایت کی زہری سے انہوں نے سالم سے انہوں نے اپنے باپ سے حدیث ابن عیینہ کی طرح اور روایت کی معمر اور یونس بن یزید اور مالک وغیرہ حفاظ نے زہری سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازے کے آگے چلتے تھے تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ اس باب میں مرسل حدیث زیادہ صحیح ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یحییٰ بن موسیٰ نے عبدالرزاق سے ابن مبارک کے حوالے سے سنا کہ زہری کی مرسل حدیث ابن عیینہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ شاید ابن جریج نے یہ روایت ابن عیینہ سے لی ہو۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمام بن یحییٰ نے یہ حدیث زیاد بن سعد، منصور، ابوبکر، اور سفیان سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے والد سے

سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ رَوٰى عَنْهُ هَمَّامٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَشْيِ أَمَامَ الْجَنَازَةِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمَشْيَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ أَفْضَلُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ

روایت کی ہے اور یہ سفیان بن عیینہ ہیں جنہوں نے ہمام سے روایت کی اس مسئلے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض صحابہ کرام اور دوسرے علماء کے نزدیک جنازے کے آگے چلنا افضل ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ أَخْطَأَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ وَإِنَّمَا يُرْوٰى هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يَمْشُونَ أَمَامَ الْجَنَازَةِ قَالَ الزُّهْرِيُّ وَأَخْبَرَنِي سَالِمٌ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يَمْشِي أَمَامَ الْجَنَازَةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَهٰذَا أَصَحُّ

محمد بن مثنیٰ، محمد بن بکر، یونس بن یزید امام زہری سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر، عمر، عثمان، جنازے کے آگے چلتے تھے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں محمد بن بکر نے غلطی کی ہے اور یہ حدیث بواسطہ یونس، زہری سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر اور عمر سب جنازے کے آگے چلتے تھے زہری فرماتے ہیں کہ مجھے سالم نے بتایا کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی جنازے کے آگے چلا کرتے تھے اور یہ اصح ہے۔

تشریح: مسئلہ: جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے یا پیچھے؟

جنازہ کے آگے چلیں یا پیچھے دائیں طرف چلیں یا بائیں طرف چلیں بالاتفاق سب جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: سفیان ثوریؒ کے نزدیک کسی جانب کی مشی کو دوسری جانب کی مشی پر کوئی فضیلت نہیں۔ امام بخاریؒ کا اسی طرف میلان ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک پیدل چلنے والے کے لئے جنازہ کے آگے چلنا اور سوار کے لئے جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقاً جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔

قول رابع: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے امام اوزاعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل: دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے قال رایت النبی ﷺ و ابابکر و عمر یمشون امام الجنازۃ۔

جواب: یہ بیان جواز پر محمول ہے اور اس روایت کے متصل اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔ اور محدثین کے نزدیک اصح یہ ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اور مرسل تو شوافع کے نزدیک بھی حجت نہیں۔

دلیل ثانی: بیہقی شریف میں حضرت زیاد بن قیس سے روایت ہے قال اتیت المدینۃ فرایت اصحاب النبی ﷺ یمشون

امام الجنازة کہ ہم جب مدینہ آئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ جنازے کے آگے چلتے تھے۔

ابوالاحوص اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کی۔

جواب: میت کو بطور ہدیہ کے اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے لہٰذا اس کو آگے ہی ہونا چاہیے اور پیچھے رکھنے کی صورت میں وہ ایک مجرم کی حیثیت بن جاتی ہے اور میت کو مجرم قرار دینا حدیث "ظنوا المومنين خيرًا" کے پیش درست نہیں۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: پیدل چلنے والے کے لئے تو یہی حدیث الباب مستدل ہے اور راکب کے بارے میں ان کا استدلال حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے "ان النبی قال: الراكب خلف الجنازة و الماشي حيث يشاء منها" (ترمذی فی سننہ جلد ا ص ۱۵۵ باب فی الصلوٰۃ علی الاطفال)۔

جواب: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ افضل تو راکب اور ماشی دونوں ہی کے پیچھے چلنا ہے لیکن اس روایت میں راکب کے حق میں زیادہ تاکید مقصود ہے اس لئے کہ وہ سوار ہونے کی صورت میں ایک طرح کا سوادب میں مبتلا ہے پیچھے چلنے کے ادب کی وجہ سے اس کی ایک درجہ میں تلافی ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہؒ کے دلائل: دلیل اول: وہ روایات ہیں جن میں اتباع الجنائز کا ذکر ہے جیسا کہ بخاری شریف جلد اول ص ۱۶۶ باب الامر باتباع الجنائز میں حضرت براء بن عازبؓ کی روایت ہے "أمر النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بسبع و نهانا عن سبع أمرنا باتباع الجنائز"۔ دلیل ثانی: آگے باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت آرہی ہے "سألنا رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عن المشي خلف الجنازه: قال ما دون الخبب- اس روایت پر اعتراض ہے جو اگلے باب میں امام ترمذیؒ نے اشارہ کیا ہے۔ وابو ماجد، رجلٌ مجهول ------الخ۔

اعتراض: اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک راوی ابو ماجد ہے جو کہ مجہول ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔ جواب: اس کا جواب حضرت گنگوہیؒ نے دیا کہ ابو ماجد طبقہ ثانیہ یعنی کبار تابعین سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے روایت نقل کرنے والے یحییٰ امام بنی تیم اللہ ہیں جو امام ترمذیؒ کی تصریح کے مطابق ثقہ راوی ہیں لہٰذا کسی کی روایات کا کم ہونا اس پر قدح نہیں ہوتا اس وجہ سے ان کی روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

دلیل ثالث: طحاوی شریف میں حضرت عمرو بن حریث کی روایت ہے فرماتے ہیں: "قلت لعلى بن ابي طالب ما تقول في المشي امام الجنازة فقال على بن ابي طالب المشي خلفها افضل من المشي اماما كفضل المكتوبة على التطوع قال قلت: ان رايت ابا بكر و عمر يمشيان أمامها فقال: انما يكرهان أن يحرجا الناس"۔

دلیل رابع: حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جنازہ کے لئے نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا حضرت ابن عمرؓ نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ جنازہ کے ساتھ جا رہی ہیں آپؓ رک گئے پھر کہا اے عورتو! واپس لوٹ جاؤ کیونکہ تم زندہ اور مردہ دونوں کے لئے فتنہ ہو پھر آپؓ چلے گئے اور جنازے کے پیچھے چلنے لگے۔ میں نے کہا اے ابو عبدالرحمن جنازہ میں کیسے چلتے ہیں جنازہ کے آگے چلتے ہیں یا پیچھے تو انہوں نے کہا کہ کیا آپ کو دکھائی نہیں دیا جا رہا کہ میں جنازہ کے پیچھے چل رہا ہوں۔ (طحاوی جلد اول ۲۳۳)

دلیل خامس: مصنف عبدالرزاق میں حضرت طاؤس سے مرسلاً روایت ہے "ما مشى رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في جنازة حتى مات الا خلف الجنازة" (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ ص ۴۴۵ باب المشی امام الجنازة)۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَحْيَى إِمَامِ بَنِي تَيْمِ اللَّهِ عَنْ أَبِي مَاجِدٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَشْيِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ فَقَالَ مَا دُونَ الْخَبَبِ فَإِنْ كَانَ خَيْرًا عَجَّلْتُمُوهُ وَإِنْ كَانَ شَرًّا فَلَا يُبَعَّدُ إِلَّا أَهْلُ النَّارِ الْجَنَازَةُ مَتْبُوعَةٌ وَلَا تَتْبَعُ لَيْسَ مِنْهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَعِيلَ يُضَعِّفُ حَدِيثَ أَبِي مَاجِدٍ هَذَا وَ قَالَ مُحَمَّدٌ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ قِيلَ لِيَحْيَى مَنْ أَبُو مَاجِدٍ هَذَا فَقَالَ طَائِرٌ طَارَ فَحَدَّثَنَا وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هَذَا وَرَأَوْا أَنَّ الْمَشْيَ خَلْفَهَا أَفْضَلُ وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ وَإِسْحَقُ وَأَبُو مَاجِدٍ رَجُلٌ مَجْهُولٌ وَلَهُ حَدِيثَانِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَيَحْيَى إِمَامُ بَنِي تَيْمِ اللَّهِ ثِقَةٌ يُكْنَى أَبَا الْحَارِثِ وَيُقَالُ لَهُ يَحْيَى الْجَابِرُ وَيُقَالُ لَهُ يَحْيَى الْمُجْبِرُ أَيْضًا وَهُوَ كُوفِيٌّ رَوَى لَهُ شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَأَبُو الْأَحْوَصِ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنازے کے پیچھے چلنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جلدی چلو اور اگر وہ نیک ہے تو اسے جلدی قبر میں پہنچا دو گے اور اگر وہ برا ہے تو اہل جہنم ہی کو دور کیا جاتا ہے۔ پس جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے نہ کہ اس کو پیچھے چھوڑنا چاہیے اور جو اس سے آگے چلتا ہے۔ وہ ان کے ساتھ نہیں۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ہم اس سند سے صرف ابن مسعود ہی کی روایت سے جانتے ہیں میں نے امام بخاری سے سنا وہ ابوماجد کی اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام بخاری نے بواسطہ حمید، ابن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ یحیی سے ابوماجد کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مجہول الحال شخص ہیں وہ ہم سے روایت کرتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا یہی مسلک ہے جنازے کے پیچھے چلنا افضل ہے سفیان ثوری اور اسحاق کا یہی قول ہے کہ ابوماجد مجہول ہیں اور ان کے واسطے سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو حدیثیں منقول ہیں یحیی امام بنی تیم اللہ ثقہ ہیں۔ ان کی کنیت ابوحارث ہے انہیں جابر اور یحیی مجبر بھی کہا جاتا ہے یہ کوفی ہیں شعبہ، سفیان ثوری، ابوالاحوص اور سفیان بن عیینہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: یہ حدیث الباب احناف کا مستدل ہے لیکن اس پر ضعف والا اشکال تھا جس کا جواب ماقبل میں گزر چکا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ سے جنازے کے پیچھے چلنے کے بارے میں پوچھا (کہ جنازے کے ساتھ کیسے چلا جائے تیز چلا جائے یا آہستہ چلا جائے آپ ﷺ نے فرمایا ''مادون الخبب'' بلکہ دوڑنے سے کم، تیز چلنا، چلنے کے چند درجات ہیں۔ پہلا درجہ مشی چلنا ہے دوسرا درجہ ھرولۃ تیز چلنا۔ تیسرا درجہ اسراع تیز چلنا، چوتھا درجہ خبب دوڑنا، پانچواں عدْوٌ تیز دوڑنا۔ یہاں حدیث میں خبب سے کم درجہ کا حکم ہے اور وہ اسراع ہے یعنی تیز چلنا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے ''اسرعوا بالجنازۃ''۔ تیز چلنے میں کیا مصلحت ہے اس کی مصلحت حدیث میں موجود ہے مسلم و بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ''قال

رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسرعوا بالجنازة فان تلك صالحة فخير تقدمونها اليه و ان تلك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جنازہ کو جلدی لے کر چلو پس اگر وہ نیک ہے تو بھلائی ہے جس طرف تم اسے بھیج رہے ہو (لہٰذا اس کو جلدی بھیجو تاخیر نہ کرو) اور اگر میت اس کے علاوہ ہے تو برائی ہے جسے تم اپنی گردن سے اتاروگے یعنی بری چیز سے جلدی پیچھا چھوٹ جائے گا۔

الجنازة متبوعة: جنازہ متبوع ہے اور لوگ اس کے تابع ہیں اس لئے لوگوں کو جنازہ کے تابع ہونا چاہیے اور پیچھے چلنا چاہیے اس کا عکس نہیں ہونا چاہیے کہ جنازہ پیروی نہ کرے یعنی جنازے کو پیچھے نہ رہنا چاہیے۔ جو شخص جنازے کے آگے چلا تو وہ جنازے کے ساتھ جانے والوں میں شمار نہ ہوگا۔ البتہ شوافع کے ہاں آگے چل سکتا ہے کیونکہ جنازہ کے ساتھ جانے والے سفارش کرنے کے لئے جاتے ہیں اور سفارش کرنے والا آگے چلتا ہے۔

قال ابو عيسى هذا حديث لا نعرفه: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث سے اسی سند کے علاوہ نہیں جانتے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ ابو ماجد کی اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن قطان سے پوچھا کہ ابو ماجد کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک پرندہ تھا جو ہمیں حدیث سنا کر اڑ گیا۔ اس جملہ میں تقدیم و تاخیر ہے اصل طاہر حدثنا فطار ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔

و ابو ماجد رجل مجهول: ابو ماجد مجہول راوی ہے۔ ابن مسعود سے دو حدیثیں مروی ہیں اور اس حدیث کے راوی یحییٰ امام بنی تیم اللہ ثقہ راوی ہیں ان کی کنیت ابو الحارث ہے ان کو یحییٰ الجابر اور یحییٰ المجبر بھی کہتے ہیں اور وہ کوفہ کے باشندے تھے ان سے چند حضرات نے روایت حدیث کی شعبہ، سفیان ثوری، ابو الاحوص اور سفیان بن عیینہ نے بھی روایت کی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الرُّكُوبِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ رَاشِدِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ أَلَا تَسْتَحْيُونَ إِنَّ مَلَائِكَةَ اللَّهِ عَلَى أَقْدَامِهِمْ وَأَنْتُمْ عَلَى ظُهُورِ الدَّوَابِّ وَفِي الْبَاب عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ثَوْبَانَ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ مَوْقُوفًا.

حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں گئے آپؐ نے کچھ لوگوں کو سواری پر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی اللہ کے فرشتے پیدل چل رہے ہیں اور تم سواریوں پر سوار ہو۔ اس باب میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ثوبانؓ موقوفاً بھی مروی ہے۔

تشریح: سوال: حدیث الباب کے ان الفاظ ''الا تستحيون ان ملائكة الله على اقدامهم و انتم على ظهور الدواب'' سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ کے ساتھ سوار ہو کر جانا مکروہ ہے۔ لیکن سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۴۵۳

باب المشی امام الجنازۃ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے سوار ہو کر جانے کی اجازت معلوم ہو رہی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں ''الراکب یسیر خلف الجنازۃ''۔

جواب اوّل: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت رکوب کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور جواز کے لئے عدم کراہت ضروری نہیں بلکہ جواز مع الکراہت بھی ہو سکتا ہے۔ **جواب ثانی:** رکوب کی ممانعت اس وجہ سے تھی کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ملائکہ بھی چل رہے تھے اور ملائکہ کا ساتھ چلنا ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وجود مسعود کی وجہ سے ہو مطلب یہ ہے کہ ہر جنازہ کے ساتھ ملائکہ کا ہونا ضروری نہیں اس توجیہ سے جنازہ کے ساتھ رکوب بلا کراہت جائز ہوگا۔

جواب ثالث: یا رکوب اگر عذر کی بناء پر ہو تو جائز ہے اور بلا عذر ہو تو مکروہ ہے

یہ ساری بحث سوار ہونے یا نہ ہونے کی جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے ہونے میں ہے البتہ اگر واپس لوٹتے ہوئے سوار ہو جانے میں کراہت نہیں جیسا کہ اگلے باب میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ''أن النبی ﷺ اتبع جنازۃ أبی الدحداح ماشیا ورجع علی فرس'' (سنن ابی داؤد باب الرکوب فی الجنازۃ جلد۲ ص ۴۵۲) میں حضرت ثوبانؓ کی روایت ہے ''أن رسول اللہ ﷺ أتی بدابۃ وهو مع الجنازۃ فأبی أن یرکب فلما انصرف أتی بدابۃ فرکب قیل له فقال ان الملائکۃ کانت تمشی فلم اکن لأرکب وهم یمشون فلما ذهبوا رکبت'' اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوب کی کراہیت اور عدم رکوب کے استحباب کی علت شہود الملائکۃ کا ہونا ہے جب یہ علت نہیں پائی جائے گی تو رکوب میں کراہت بھی نہیں ہوگی۔

وَفِي الْبَابِ: اس باب میں مغیرہ بن شعبہؓ اور جابر بن سمرہؓ کی روایت بھی ہے۔ اس حدیث کی سند میں بکر بن ابی مریم اور راشد بن سعد دو ضعیف راوی ہیں اور یہ حدیث موقوف بھی مروی ہے۔ یعنی حضرت ثوبانؓ کے کا قول کے طور پر بھی مروی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ يَقُولُ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةِ أَبِي الدَّحْدَاحِ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لَهُ يَسْعَى وَنَحْنُ حَوْلَهُ وَهُوَ يَتَوَقَّصُ بِهِ. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو قُتَيْبَةَ عَنِ الْجَرَّاحِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَ

حضرت جابر بن سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابن دحداح کے جنازے میں گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھوڑے پر سوار تھے۔ جو دوڑتا تھا ہم آپؐ کے ارد گرد تھے آپؐ اسے چھوٹے چھوٹے قدموں سے لئے جا رہے تھے۔ عبداللہ بن صباح، ابوقتیبہ، جرح، سماک، حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابن وحداح کے جنازے

جَنَازَةَ ابْنِ الدَّحْدَاحِ مَاشِيًا وَرَجَعَ عَلَى فَرَسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

میں پیدل گئے اور گھوڑے پر واپس تشریف لائے۔ امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: بعض روایات میں حضرت ابوالدحداح کے نماز جنازہ کا ذکر ہے حالانکہ یہ صحابیؓ تو آپ ﷺ کے بعد تک حیات رہے صحیح یہی ہے کہ ابن الدحداح تھے۔

اس باب کی پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جاتے ہوئے سوار ہو کر تشریف لے گئے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ دوسری حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ واپسی میں کسی نے گھوڑا پیش کیا تو آپ سوار ہو کر آئے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان جاتے ہو تو پیدل جانا چاہیے اگر کوئی عذر ہو مثلاً بوڑھا شخص ہے یا مریض ہے یا پیدل جانے میں خطرہ ہے یا کوئی اور عذر ہے تو سواری پر جا سکتا ہے لیکن واپسی پر عذر نہ بھی ہو تو سوار ہو کر آ سکتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِسْرَاعِ بِالْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ فَإِنْ تَكُ خَيْرًا تُقَدِّمُوهَا إِلَيْهِ وَإِنْ تَكُ شَرًّا تَضَعُوهُ عَنْ رِقَابِكُمْ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنازہ جلدی لے جاؤ اس لئے کہ اگر وہ نیک ہے تو اسے جلد بہتر جگہ پہنچا دو اور اگر وہ برا ہے تو اپنی گردنوں سے جلد بوجھ اتار دو۔ اس باب میں حضرت ابوبکرؓ سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: قولہ أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ: کہ جنازہ کو دفن کیلئے جلدی لے جاؤ۔ حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے جنازہ کو جلدی لے جانے سے منع کیا "فقال مادون الخبب"۔ اسکے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ جلدی لے جانے کا مطلب متوسط چال چلنا ہے تاکہ قدم جلد اٹھیں اور پاس پاس رکھے جائیں۔ حاصل یہ ہے کہ جنازہ لیکر چلنے کی چال معمولی چال سے تو بڑھی ہوئی ہو اور دوڑنے سے کم ہو۔ ہاں اگر میت کے پھولنے یا پھٹنے کا اندیشہ ہو تو پھر دوڑ کر لے جانا بھی جائز ہے۔

قولہ فَإِنْ تَكُ خَيْرًا: اگر وہ نیک صالح کا جنازہ ہے تو اللہ کی رحمت اور اس کے انعامات تک جلد پہنچ سکے۔ اور اگر وہ برے شخص کی میت ہے تو تم اس کو جلدی جلدی لے جاؤ اسلئے کہ وہ رحمت سے دور ہے تم سے بھی دور ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ برے آدمی کی صحبت مرنے کے بعد بھی اچھی نہیں چہ جائیکہ اس کی زندگی میں "کما فی القرآن ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین ... الایة۔ صحبت طالع ترا طالح کند"۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں "فان تك صالحة فخير" ہے۔

باب ما جاء في قتلى أحد و ذكر حمزة

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو صَفْوَانَ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَتَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى حَمْزَةَ يَوْمَ أُحُدٍ فَوَقَفَ عَلَيْهِ فَرَآهُ قَدْ مُثِّلَ بِهِ فَقَالَ لَوْلَا أَنْ تَجِدَ صَفِيَّةُ فِي نَفْسِهَا لَتَرَكْتُهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الْعَافِيَةُ حَتَّى يُحْشَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ بُطُونِهَا قَالَ ثُمَّ دَعَا بِنَمِرَةٍ فَكَفَّنَهُ فِيهَا فَكَانَتْ إِذَا مُدَّتْ عَلَى رَأْسِهِ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِذَا مُدَّتْ عَلَى رِجْلَيْهِ بَدَا رَأْسُهُ قَالَ فَكَثُرَ الْقَتْلَى وَقَلَّتِ الثِّيَابُ قَالَ فَكُفِّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلَاثَةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يُدْفَنُونَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُ عَنْهُمْ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ قُرْآنًا فَيُقَدِّمُهُ إِلَى الْقِبْلَةِ قَالَ فَدَفَنَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ان کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے نان کاٹ دیئے گئے ہیں فرمایا اگر صفیہ کے دل پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں انہیں اسی طرح چھوڑ دیتا یہاں تک کہ انہیں جانور کھا جاتے پھر قیامت کے دن انہیں جانوروں کے پیٹوں سے اٹھایا جاتا راوی کہتے ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر منگوائی اور اس میں انہیں کفن دیا۔ وہ چادر بھی ایسی تھی کہ اگر سر پر ڈالی جاتی تو پاؤں ننگے رہ جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر سے ہٹ جاتی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر شہید زیادہ ہو گئے اور کپڑے کم پڑ گئے پس ایک دو اور تین شہیدوں تک کو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا گیا اور پھر ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا اس دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں پوچھتے تھے کہ کسے قرآن زیادہ یاد تھا۔ پس جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا آپ قبر میں قبلہ کی طرف سے آگے کرتے راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو دفن کیا اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی امام عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسن غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے حضرت انس ؓ کی روایت سے جانتے ہیں۔

تشریح: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد میں جب حضرت حمزہ ؓ کی نعش مبارک کے پاس آئے تو آپ ؐ نے دیکھا کہ ان کو بہت بری طرح شہید کر دیا گیا ہے۔ دشمنوں نے ان کے ناک، کان کاٹ دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو آپ ؐ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ ؐ نے فرمایا اگر صفیہ کے غمگین ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو اسی حالت میں پڑا رہنے دیتا تا کہ ان کو چرند پرند نوچ لیں اور جب قیامت کا دن ہو تو ان کا حشر جانوروں کے پیٹ سے ہو۔ لیکن ایسا کرنے سے حضرت صفیہ ؓ کو بہت صدمہ پہنچے گا کہ سب لاشوں کو تو دفن کیا مگر میرے بھائی کو یونہی رہنے دیا اس لئے میں ان کو بھی دفن کر رہا ہوں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونی چادر منگوائی تو اسی سے کفن دیا۔ یہ چادر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سامان میں تھی اس لئے اسی سے ان کو کفن دیا گیا اور وہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ اگر اس کو سر کی جانب کھینچا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی جانب کھینچا جاتا تو سر کھل جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سر ڈھانپ دو اور پاؤں کو اذخر کے پتوں سے ڈھانپ دو۔ راوی کہتے ہیں کہ شہداء کی تعداد

زیادہ تھی اور کفن کم تھے۔ اس لئے دو، دو، تین تین کو ایک کپڑے میں کفن دیا گیا پھر ان کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ پس رسول اللہ ﷺ ان کے بارے میں پوچھتے تھے کہ ان میں سے قرآن کس کو زیادہ یاد ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا آپ ﷺ اس کو قبلہ کی طرف آگے رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شہداء کو دفن کیا اور ان پر جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔ یہ امام شافعیؒ کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک شہداء پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ثُمَّ يُدْفَنُونَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ: جس قبر میں کئی شہداء یا کئی میتوں کو دفن کیا جائے تو اس قبر کے کھودنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے لمبی قبر کھودی جائے۔ تو اس قبر کو بند کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے جہاں لمبی لمبی قبریں ہوتی ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں کوئی وبائی امراض یا کوئی جنگ وغیرہ ہوئی جس وجہ سے اموات زیادہ ہوئیں تو وہاں پر لمبی لمبی قبریں بنا دی جاتی ہیں۔ آج کل کے زمانے میں جو بھی لمبی قبر ہے اس کو فلاں پیر کا نام دیا جاتا ہے حالانکہ اس قبر میں کئی مردے ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب چوڑی قبر کھودی جائے البتہ اس کو بند کرنے میں دشواری ہوگی۔ غزوہ احد میں چوڑی قبریں کھودی گئی تھیں اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

باقی شہید کی نماز جنازہ ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں مستقل باب آگے آ رہا ہے۔

باب آخرُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْأَعْوَرِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ عَلَيْهِ إِكَافُ مِنْ لِيفٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُسْلِمٍ عَنْ أَنَسٍ وَمُسْلِمٌ الْأَعْوَرُ يُضَعَّفُ وَهُوَ مُسْلِمُ بْنُ كَيْسَانَ الْمُلَائِيُّ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مریض کی عیادت کرتے، جنازے میں شریک ہوتے، گدھے پر سوار ہوتے اور غلام کی دعوت قبول کرتے تھے۔ جنگ بنی قریظہ کے دن بھی آپؐ گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی سے بنی ہوئی تھی اور اس پر زین بھی کھجور کی چھال کا تھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو صرف مسلم کی روایت سے جانتے ہیں کہ مسلم، انسؓ سے روایت کرتے ہیں مسلم اعور ضعیف ہیں اور کیسان ملائی کے بیٹے ہیں۔

تشریح: **لِيفٍ:** کھجور کے درخت کی چھال یعنی وہ چھلی جو پتوں کی جڑوں سے علیحدہ ہو کر سوکھ کر نیچے گرتی ہے اس کو لمبی کاٹ کر اسی سے رسی بٹتے ہیں اس کو حبل لیف کہتے ہیں اسی کو کاٹ کوٹ کر گدوں اور پالانوں میں بھرتے ہیں۔ غزوۂ بنو قریظہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جنگ کی خود سرپرستی کی ہے مگر آپ گدھے پر سوار تھے اور اس کی لگام بھی معمولی تھی اور اس کا پالان بھی معمولی تھا جو زین کی طرح گدھے کی پیٹھ پر باندھا جاتا ہے تاکہ بیٹھنے میں آسانی ہو اس میں کھجور کی چھال کا برادہ بھرا ہوا تھا یہ تواضع کا انتہائی درجہ ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تنہا مسلم اعور روایت کرتا ہے یہ ضعیف راوی ہے۔ اور اس کے باپ کا نام کیسان ہے اور نسبت ملائی ہے ملاءۃ کے معنی سوتی چادر ہے چونکہ یہ شخص اس کی تجارت کرتا تھا اس لئے اس کو ملائی کہا جاتا ہے۔

بَاب آخَرُ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ فَدَفَنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُلَيْكِيُّ يُضَعَّفُ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ فَرَوَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہ میں آپؐ کی تدفین کے متعلق اختلاف پیدا ہو گیا پس حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات سنی اور کبھی نہیں بھولا کہ آپؐ نے فرمایا اللہ نبی کی روح اس جگہ قبض فرماتے ہیں کہ جس جگہ اس کی تدفین کو پسند فرماتے ہیں اس پر آپؐ کو آپؐ کے بستر مبارک کی جگہ ہی دفن کیا گیا امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے عبدالرحمن بن ابوبکر ملیکی حافظے کی وجہ سے ضعیف ہیں اور یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے۔

تشریح: اس باب میں نبی کریم ﷺ کے انتقال کے بعد جو مسائل پیش ہوئے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ تدفین کا ذکر ہے۔ آپؐ کی وفات کے بعد یہ مسائل بھی مختلف فیہ رہے ہیں۔ ایک دفن کا مسئلہ کہ کہاں دفن کیا جائے۔ دوسرا یہ کہ آپ ﷺ کو غسل کیسے دیا جائے کپڑوں سمیت یا کپڑے اتار کر نہلایا جائے۔ اسی طرح یہ اختلاف بھی ہوا کہ آپؐ کی نماز جنازہ کہاں پڑھی جائے۔

تدفین کے مسئلہ میں بعض حضرات نے کہا کہ آپ کا وطن اصلی مکہ ہے لہٰذا آپ ﷺ کی قبر مبارک مکہ میں ہونی چاہیے۔ بعض حضرات نے کہا کہ انبیاء علیہم السلام کی سرزمین بیت المقدس ہے آپ کو وہیں دفن کیا جائے۔ اسی طرح کسی کی رائے کچھ تھی اور کسی کی کچھ تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے اور وہ حدیث مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے بھولا نہیں۔ آپ نے یہ حدیث سنائی کہ انبیاء کرام علیہم السلام جہاں وفات پاتے ہیں انہیں وہیں دفن کیا جاتا ہے یہ حدیث سنتے ہی اختلاف ختم ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا اور جس چارپائی پر آپ ﷺ کی روح مبارک قبض کی گئی اس چارپائی کے نیچے والی جگہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر تیار کی گئی۔

واضح رہے گھروں میں قبر بنانے کے بارے میں آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے "صلوا فی بیوتکم ولا تتخذوا

قبورًا'' کہ اپنے گھروں میں نماز پڑھواوران کو قبریں مت بناؤ۔ باقی رہی آپ کی تدفین مکان میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اس سے کوئی دلیل پکڑ کر اپنی قبر گھر میں نہیں بنوا سکتا۔

دوسرا اختلاف یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت نہلایا جائے یا کپڑوں کو اتار کر نہلایا جائے مشورہ ہو رہا تھا کہ سب کو اونگھ آگئی پھر کسی نے گھر کے کونے سے آواز دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت نہلایا جائے۔ یہ آواز سنتے ہی سب کی آنکھ کھل گئی اوراس آواز کو من جانب اللہ رہنمائی سمجھا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت غسل دیا گیا۔

تیسرا اختلاف یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اگر پڑھی جائے تو کہاں پڑھی جائے اس کے بارے میں بھی اختلاف ہوا۔ یہ مسئلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' **ھوا مامکم حیًا و میتًا**'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام ہیں زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی۔ لہٰذا لوگ اکیلے اکیلے حجرہ مبارک میں جائیں اور آپ پر درود پڑھ کر آئیں۔ حضرات صحابہ کرام مختلف ٹولیوں کی شکل میں آتے آپ پر درود پڑھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ اسی وجہ سے آپ کی تدفین میں تاخیر ہوئی۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے غریب بمعنی ضعیف کے ہے۔ اور اس میں ضعیف ہونے کی وجہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی حافظہ کی کمزوری ہے کہ ان کا آخیر زمانے میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ البتہ یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔

باب آخر

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَنَسٍ الْمَكِّيِّ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ عِمْرَانُ بْنُ أَنَسٍ الْمَكِّيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ وَعِمْرَانُ بْنُ أَبِي أَنَسٍ مِصْرِيٌّ أَقْدَمُ وَأَثْبَتُ مِنْ عِمْرَانَ بْنِ أَنَسٍ الْمَكِّيِّ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنے فوت ہو جانے والوں کو خوبیوں کے ساتھ یاد کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے رک جاؤ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ عمران بن انس مکی منکر الحدیث ہیں بعض راوی عطاء سے بھی حضرت عائشہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں عمران بن انس مصری، عمران بن انس مکی سے زیادہ ثابت اور مقدم ہیں۔

تشریح: حدیث کا شان ورود: میت کو غسل دینے والوں کے سامنے کبھی میت کی خوبیاں سامنے آتی ہیں اور کبھی اس کے عیوب ظاہر ہوتے ہیں کبھی میت کو نہلاتے وقت خوشبو آتی ہے اور کبھی نہلاتے وقت اس کا برعکس ہوتا ہے۔ لہٰذا جب میت کی خوبیاں ظاہر ہوں تو ان کا تذکرہ لوگوں کے سامنے کرنا چاہیے ایک تابعی کا واقعہ ذکر کیا جاتا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی ایک تابعی ہیں

انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کو ان کے آخری انجام کا علم نہیں ہوگا وہ کبھی ہنسیں گے نہیں چنانچہ زندگی بھر وہ نہیں ہنسے انتقال کے بعد جب ان کو نہلایا جانے لگا تو کھل کھلا کر ہنسے اور جب ان کو نہلایا جاتا رہا یہ ہنستے رہے جب ان کو کفن پہنایا تب ہنسنا موقوف کیا۔ اس لئے اگر کسی میت کی کوئی خوبی سامنے آجائے تو اس کو لوگوں کے سامنے بیان کر دینا چاہیے۔ بسا اوقات میت کو نہلاتے وقت اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے یا پھر اس کا چہرہ قبلہ رخ سے مڑ جاتا ہے یا اس کے بدن سے بدبو آنے لگتی ہے تو اس پر خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔

یہ حدیث شان ورود کے اعتبار سے خاص ہے مگر علماء کرام نے اس کو عام کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جس کا انتقال ہوا ہے اس کی صرف خوبیاں بیان کی جائیں اور اس کی برائیوں سے بچا جائے اور یہ بات صحیح ہے کہ اگر وہ بدکار تھا تو اس نے اپنی برائی کا بدلہ پالیا اب اس کی برائی کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

ہاں البتہ ایک صورت میں اس کی برائی کا افشاء جائز ہے کہ وہ شخص ایسا تھا جس نے کوئی بدعت ایجاد کی یا اس نے ایسے ایسے مسائل پھیلائے جو شریعت کے خلاف تھے تو اس کا افشا کرنا ضروری ہے تاکہ لوگ بدعات سے بچ جائیں اگر اس کی یہ باتیں بیان نہیں کریں گے تو لوگ گمراہ ہو جائیں گے۔ البتہ بدعات کے علاوہ اس کے دیگر مفاسد کے تذکرے سے بچا جائے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے عربوں کے چھوڑے ہوئے رواج، بت پرستی وغیرہ کے بارے میں خوب وعیدات ذکر کی ہیں۔ ان کے رواج کی خوب تردید کی۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام محمد بخاریؒ سے فرماتے ہوئے سنا کہ عمران بن انس مکی منکر الحدیث راوی ہیں۔ دوسرے راوی جو عمران بن انس مصری راوی ہیں وہ ثقہ ہیں اثبت ہیں اور یہ زمانے کے اعتبار سے مقدم ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْجُلُوسِ قَبْلَ أَنْ تُوضَعَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيسَى عَنْ بِشْرِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ جُنَادَةَ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتَّبَعَ الْجَنَازَةَ لَمْ يَقْعُدْ حَتَّى تُوضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهُ حَبْرٌ فَقَالَ هَكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوهُمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ.

محمد بن بشار، صفوان بن عیسیٰ بن بشر بن رافع، عبداللہ بن سلیمان بن جنادہ بن ابی امیہ سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی جنازہ میں تشریف لے جاتے تو اس کو قبر میں اتارنے تک بیٹھتے نہیں تھے پس یہودیوں کا ایک عالم آیا تو اس نے کہا کہ اے محمد ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں اس پر آپ بیٹھ گئے اور آپ نے فرمایا ان کی مخالفت کرو۔ امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور بشر بن رافع حدیث میں قوی نہیں۔

تشریح: حتی توضع کے دو معانی بیان کئے ہیں۔ ایک مسئلہ جنازہ کندھوں سے نیچے رکھنا۔ دوسرا جنازہ قبر میں اتارنا۔

جنازہ کے ساتھ لوگوں کی تعداد اگر کم ہے تو جنازہ کو زمین پر رکھنے سے پہلے لوگوں کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ جنازہ اگرچہ چار آدمی اٹھاتے ہیں مگر اتارتے وقت اور آدمیوں کی ضرورت تو پڑتی ہے جب جنازہ زمین پر رکھ دیا جائے تو پھر بیٹھنے اور نہ بیٹھنے میں اختیار ہے۔ اگر جنازہ کے ساتھ لوگ کثیر ہیں تو جنازہ کے اردگرد کے لوگ مدد کے لئے کھڑے رہیں البتہ دور کے لوگ بیٹھ سکتے ہیں۔

جنازہ قبر میں اتارنے سے پہلے بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ جب تک جنازہ قبر میں نہیں اتار دیا جاتا تا کوئی نہیں بیٹھتا تھا سب کھڑے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہاں سے ایک یہودی عالم گزرا اس نے کہا کہ ہم بھی ایسا کرتے ہیں کہ جب تک میت کو قبر میں نہ ڈال دیں اس وقت تک نہیں بیٹھتے۔ اس وقت سے آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دے دیا کہ ان کی مخالفت کرو۔ لہٰذا پہلا والا طریقہ منسوخ ہو گیا ہے اب قبر میں اتارنے سے پہلے لوگوں کیلئے زمین پر بیٹھنا جائز ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: اس حدیث میں تین راوی مسلسل ضعیف راوی ہیں۔ بشر بن رافع، عبداللہ بن سلیمان اور اس کا باپ سلیمان، بلکہ سلیمان تو نکما راوی ہے۔ البتہ عبداللہ کے دادا جنادہ تابعی ہیں اور ثقہ ہیں۔

بَاب فَضْلِ الْمُصِيبَةِ إِذَا احْتَسَبَ

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سِنَانٍ قَالَ دَفَنْتُ ابْنِي سِنَانًا وَأَبُو طَلْحَةَ الْخَوْلَانِيُّ جَالِسٌ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ فَلَمَّا أَرَدْتُ الْخُرُوجَ أَخَذَ بِيَدِي فَقَالَ أَلَا أُبَشِّرُكَ يَا أَبَا سِنَانٍ قُلْتُ بَلَى فَقَالَ حَدَّثَنِي الضَّحَّاكُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَرْزَبٍ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيَقُولُ مَاذَا قَالَ عَبْدِي فَيَقُولُونَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُولُ اللّٰهُ ابْنُوا لِعَبْدِي بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوهُ بَيْتَ الْحَمْدِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

حضرت ابوسنان سے روایت ہے کہ میں نے اپنے بیٹے سنان کو دفن کیا تو ابوطلحہ خولانی قبر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔ میں جب باہر آنے لگا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا اے ابوسنان کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں؟ میں نے کہا کیوں نہیں فرمایا ضحاک بن عبدالرحمٰن بن عرزب، ابوموسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی آدمی کا بچہ فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں جی ہاں، اللہ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل (ٹکڑا) قبض کیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا فرشتے عرض کرتے ہیں اس نے تیری تعریف کی اور إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد احمد کا گھر رکھو امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کو مصیبت پہنچے تو اسے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثناء کرنی چاہیے پھر ''انا للہ وانا الیہ راجعون''، عموماً لوگ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھ لیتے ہیں لیکن اللہ کی حمد وثناء

بھول جاتے ہیں۔

بَيْتَ الْحَمْدِ: یہاں بیت کی اضافت حمد کی طرف کر دی۔ اس لئے کہ مذکورہ شخص مصیبت وحادثہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا ہے اور راضی بالقضاء ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حمد کے بدلہ جزا بھی بیت الحمد دیدی۔ ''اللّٰھم اجعلنا منھم'' واضح رہے کہ جنت میں بعض محل اللہ پاک کی طرف سے پہلے ہی بن چکے ہیں اور بعض اہل ایمان کے اعمال کی وجہ سے بنتے ہیں۔ اس حدیث میں دوسری قسم کے محلات کا ذکر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّكْبِيرِ عَلَى الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى النَّجَاشِيِّ فَكَبَّرَ أَرْبَعًا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ أَبِي أَوْفَى وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَيَزِيدَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَيَزِيدُ بْنُ ثَابِتٍ هُوَ أَخُو زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَهُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ شَهِدَ بَدْرًا وَزَيْدٌ لَمْ يَشْهَدْ بَدْرًا قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ التَّكْبِيرَ عَلَى الْجَنَازَةِ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی اور اس میں چار مرتبہ تکبیر کہی۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، ابن ابی اوفی، جابر، انس، یزید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یزید بن ثابت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے بڑے بھائی ہیں۔ اور یہ جنگ بدر میں شریک تھے جب کہ زید اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اکثر علماء، صحابہ، اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جائیں۔ سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے۔ ان بادشاہ کا نام اصحمہ تھا یہ پہلے نصاریٰ کے دین کے پیروکار تھے۔ مگر بعد میں آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ اس باب میں چند مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ مشروع ہے۔

امام شافعیؒ کے دلائل: **دلیل اوّل:** یہی حدیث الباب جس میں نجاشی کے غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر ہے۔ اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہ ہوتی تو آپ ﷺ اس کو ادا نہ کرتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کا نماز جنازہ کے جواز کی دلیل ہے۔

جواب اوّل: ① یہ نجاشی کی خصوصیت ہے کہ جب یہ وفات پاگئے تھے اس وقت ان کے قریب کوئی مسلمان نہیں تھا جو ان کا جنازہ پڑھتا۔ ان کی میت بغیر جنازہ کے دفن کی گئی۔ اس پر آپ ﷺ کو وحی آئی تو آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

جواب ثانی: حاشیہ مغیریہ میں ایک روایت موجود ہے اس میں ہے کہ آپ ﷺ اور نجاشی کی قبر کے درمیان تمام حائل شدہ پردے ہٹادیئے گئے جبکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجاشی کا جنازہ سامنے موجود ہے۔ ''عن عمران بن حصين ان رسول الله ﷺ قال ان اخاكم النجاشي قدمات فصلوا عليه فقام فصففنا خلفه فكبر عليه اربعًا وماتحسب الجنازة الابين. . . الحديث'' نیز اگر غائبانہ نماز جنازہ جائز ہوتا تو آپ ﷺ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جنازہ بھی پڑھتے جو دور دور کے علاقوں مشرق و مغرب تک پھیل گئے تھے اور وہیں وفات پاگئے اور اسی طرح خلفاء اربعہ نے بھی کسی کا نماز جنازہ غائبانہ ادا نہیں کیا اگر جائز ہوتا تو ضرور اس پر عمل کرتے۔ (التعلیق الصبیح ج۲ ص۳۱۰)۔

جواب ثالث: نجاشی کے اسلام اور عدم اسلام کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شبہ ہو رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس کا نماز جنازہ پڑھ کر اس شبہ کو دور کر دیا۔

دلیل ثانی: حضرت معاویہ مزنیؓ کا واقعہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تبوک میں ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی حالانکہ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ **جواب اوّل:** اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ بھی ان کی خصوصیت پر محمول ہے اس کے علاوہ اس واقعہ میں بھی ذکر ہے کہ حضرت معاویہ کے جنازے سے حجابات دور کر دیئے گئے تھے۔ **جواب ثانی:** یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔ جواب ثالث: بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے آپ اس وقت تبوک میں تھے اور حضرت معاویہ مزنی مدینہ میں فوت ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ نے معاویہ مزنی کا جنازہ نہیں پڑھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پڑھنا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے زمین پر پیر مارے تو زمین لپیٹ دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی چارپائی کر دی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھا اور آپ کے پیچھے فرشتوں نے دو صفوں میں جنازہ پڑھا ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ مقام معاویہ کو ملا سورۂ اخلاص سے محبت کرنے اور اس کو پڑھتے رہنے کی وجہ سے ملا۔ (مرقاۃ ج۲ ص۴۶)

احناف کی دلیل اول: بہر حال ان تمام احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف دو واقعات ہیں جو **صلوۃ علی الغائب** (غائبانہ جنازہ) پر دلالت کرتے ہیں ان کی توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہم ان دونوں واقعات کو خصوصیت پر محمول کر لیں۔ وگرنہ اگر اس کی عام اجازت ہوتی تو بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دوسرے ملکوں میں فوت ہوئے یا شہید ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نمازِ جنازہ غائبانہ ادا کی جاتی اس کے بعد جب آپؐ وفات پاگئے تو بہت سارے صحابہؓ نہیں پہنچ سکے لیکن کسی نے بھی آپؐ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی۔ اسی طرح خلفاء راشدین نے بھی کسی کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا نہیں کی۔ یہ احناف کی مضبوط دلیل ہے۔

دلیل ثانی: احناف کی دوسری دلیل ہے کہ علامہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے نجاشی کے علاوہ پر غائبانہ نماز جنازہ کی روایات کو ضعیف کہا ہے۔ چنانچہ ''لمعات التنقیح'' میں فرماتے ہیں

''وفي صلاته على غير النجاشي كمعاوية المزني الذي مات بالمدينة و النبي ﷺ بتبوك وعلى زيد بن حارثة وجعفر بن ابي طالب استشهد بموته: كلام من حيث اسناد الاحاديث التي رويت فيها'' بعض

حضرات نے اس حدیث کوضعیف اور منکر کہا ہے۔لیکن علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ''رواہ الطبرانی فی الکبیر وفیہ صدقة بن ابی سہل ولم اعرفہ وبقیة رجالہ ثقات''۔

مسئلہ ثانیہ: فکبر اربعاً نماز جنازہ میں کتنی تکبیرات ہیں: جنازہ میں کتنی تکبیریں پڑھی جائیں گی؟ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تکبیر علی الجنازۃ کے متعلق آپ کا عمل مختلف رہا ہے۔آپؐ سے چار تکبیرات سے لے کر نو تکبیرات تک منقول ہے۔اس کے بعد صحابہ کرامؓ میں بھی اختلاف رہا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس اختلاف کو بڑھتا ہوا دیکھا تو آپؓ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کو دیکھا جائے گا۔ چنانچہ آپؐ کے عمل کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے آخری جنازہ میں چار تکبیریں کہی ہیں اسی پر تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع ہو گیا کہ چار تکبیریں ہی کہی جائیں گی۔

البتہ امام احمد اور امام اسحاقؒ کے نزدیک اگر کسی امام نے جنازے میں پانچ تکبیرات پڑھیں تو مقتدی بھی اس امام کی اتباع میں پانچ تکبیرات کہے گا۔لیکن جمہور کے ہاں زائد تکبیرات میں اتباع نہیں کرے گا۔کیونکہ چار سے زائد تکبیرات منسوخ ہو گئی ہیں۔

جمہور کے دلائل: دلیل اول: آپ ﷺ کے بعد تمام امت کا تعامل چار پر رہا ہے۔ **دلیل ثانی:** طحاوی شریف میں مذکور ہے۔ ''انہ علیہ السلام صلی العیدین باربع تکبیرات وقال احفظوھن اربع تکبیرات مثل تکبیرات الجنائز''۔ **دلیل ثالث:** خلفاء راشدین اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات پڑھیں اور فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنازے میں بھی چار تکبیرات پڑھیں۔(رواہ الحاکم)۔ **چوتھی دلیل:** ''عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اٰخر جنازة صلی علیہا النبی اکبّر علیہا اربعاً'' **دلیل خامس:** اجماع صحابہ چار تکبیرات پر ہے۔ **دلیل سادس:** عن عبداللہ بن الحارث عن ابی بکر بن سلیمان عن أبی جثمة عن ابیہ قال کان النبی ایکبر علی الجنائز اربعًا وخمسا وثمانیًا حتی جاء موت النجاشی فخرج الی المصلی فصف الناس وراءہ فکبر اربعا ثم ثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعلی اربع حتی توفاہ اللہ عزوجل''۔ **دلیل سابع:** ''عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یکبر علی اہل بدر سبع تکبیرات وعلی بنی ہاشم خمس تکبیرات ثم کان آخر صلاتہ اربع تکبیرات الی ان خرج من الدنیا''۔

نماز جنازہ کی چار تکبیرات میں کیا حکمت ہے ① چونکہ فرائض کی نماز میں چار رکعت سے زیادہ فرض نہیں اس وجہ سے اس کی چار تکبیرات ہیں ② چار تکبیرات میں یہ۔ **اول تکبیر تحریمہ کی حکمت:** اس وجہ سے ہے کہ لوگوں پر یہ بات حرام ہے کہ وہ اس میت کیلئے اللہ کے سوا کسی غیر سے مغفرت مانگیں۔ **الثانی تکبیر کی حکمت:** اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس کو موت کبھی نہیں آئے گی اسکے علاوہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ **تکبیر ثالث کی حکمت:** اس وجہ سے ہے کہ وہ قبول شفاعت ہیں رحم و کرم والا معاملہ فرمائے یا جس چیز کے بارے میں اس میت سے سوال ہوگا اس کو آسان فرمائے۔ **تکبیر رابع کی حکمت:** میت کے متعلق اللہ رب العزت سے حسن ظن کا شکر ادا کرنا کہ اللہ میت کے متعلق کو ضرور آسانی والا معاملہ اپنے فضل سے فرمائیں گے پھر اسکے بعد سلام پھیرے اس وجہ سے کہ اب میت کا رب کے ساتھ ملاقات کا سلام ہو۔(التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۴۱۲)

بَاب مَا يَقُولُ فِي الصَّلاةِ عَلَى الْمَيِّتِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا هِقْلُ بْنُ زِيَادٍ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا قَالَ يَحْيَى وَحَدَّثَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَلِكَ وَزَادَ فِيهِ اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَجَابِرٍ وَعَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ وَالِدِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرَوَى هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَرَوَى عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ عِكْرِمَةَ بْنِ عَمَّارٍ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَعِكْرِمَةُ رُبَّمَا يَهِمُ فِي حَدِيثِ يَحْيَى وَرُوِي عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى وسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ أَصَحُّ الرِّوَايَاتِ فِي هَذَا حَدِيثُ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي إِبْرَاهِيمَ

علی بن حجر، ھقل بن زیاد، اوزاعی، یحیٰی بن ابی کثیر، ابوابراہیم اشہلی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔(اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا) اے اللہ ہمارے زندوں مردوں، حاضر، غائب، چھوٹوں، بڑوں، مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔ یحیٰی بھی ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً اسی کی مانند روایت کرتے ہیں اور یہ الفاظ زیادہ نقل کرتے ہیں۔(اللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ) اے اللہ ہم میں جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے موت دے اسے ایمان پر موت دے۔ اس باب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، ابوقتادہ، عائشہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ہشام دستوائی اور علی بن مبارک بھی یہ حدیث یحیٰی بن ابوکثیر سے اور وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے سے مرسلاً روایت کرتے ہیں عکرمہ بن عمار بھی یحیٰی بن کثیر سے وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں عکرمہ بن عمار کی حدیث غیر محفوظ ہے کیونکہ عکرمہ بسا اوقات یحیٰی بن ابوکثیر کی حدیث میں وہم کرتے ہیں۔ حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں

الْأَشْهَلِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ وَسَأَلْتُهُ عَنِ اسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ الْأَشْهَلِيِّ فَلَمْ يَعْرِفْهُ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى مَيِّتٍ فَفَهِمْتُ مِنْ صَلَاتِهِ عَلَيْهِ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاغْسِلْهُ بِالْبَرَدِ وَاغْسِلْهُ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ. قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ هٰذَا الْحَدِيثُ

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز جنازہ میں دعا پڑھتے ہوئے سنا تو مجھے آپ کی یہ دعا سمجھ آئی۔ (اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاغْسِلْهُ بِالْبَرَدِ وَاغْسِلْهُ كَمَا يُغْسَلُ الثَّوْبُ) اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما اور اس کے گناہوں کو بارش کے اولوں سے اس طرح دھودے جس طرح کپڑا دھویا جاتا ہے۔ امام عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محمد بن اسماعیل بخاری فرماتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: **قوله وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا:** چھوٹے بچوں کیلئے استغفار کا مطلب کیا ہے۔ حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ اس پر علامہ تورپشتیؒ نے کہا کہ امام طحاویؒ سے بچوں کے استغفار کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان کے گناہ تو نہیں ہوتے۔ پھر استغفار کا کیا مطلب ہے امام طحاویؒ نے فرمایا کہ اللہ سے سوال مغفرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ میں ان کے اعمال بلوغت کے بعد جو لکھے گئے ہیں کہ وہ بالغ ہونے کے بعد یہ کام کریں گے ان سے مغفرت مراد ہے۔ وگرنہ غیر مکلف کو استغفار کی حاجت نہیں۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۵۹)

بعض حضرات نے کہا کہ مغفرت اس لئے کی جاتی ہے تاکہ رفع درجات حاصل ہوں۔

قوله مَنْ أَحْيَيْتَهُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ثواب سے محروم نہ کر اور ایمان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال یا مطلب یہ ہے کہ میت پر صبر کے ثواب سے محروم نہ کر اور ہماری حفاظت فرما یا اس سے مراد ہے کہ ہم بے صبری کر کے فتنہ میں نہ پڑ جائیں نیز اسلام میں کلمہ شہادت، اعمال وغیرہ لازمی ہیں اس لئے زندگی اسلام پر مانگی گئی جبکہ ایمان صرف عقائد کا نام ہے اسلئے موت ایمان پر مانگی گئی کیونکہ اس وقت اعمال نہیں ہوتے۔

یہ حدیث تین مزید سندوں سے بھی روایت ہے۔

① ہشام دستوائی اور علی بن المبارک روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابوسلمہ سے وہ نبی کریم ﷺ سے۔

② عکرمہ بن عمار روایت کرتے ہیں یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابوسلمہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے یہ سند صحیح نہیں عکرمہ کبھی یحییٰ کی سندوں میں غلطی کرتے ہیں۔

③ یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں عبداللہ بن ابی قتادہ سے، وہ اپنے والد سے وہ نبی کریم ﷺ سے امام بخاریؒ نے پہلی سند کو یعنی ابوابراہیم الاشہلی کے والد کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔ پس دیگر سندیں صحیح نہیں اور ابوابراہیم کے والد کا نام امام بخاریؒ کو معلوم نہیں تھا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِرَاءَةِ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَفِي الْبَاب عَنْ أُمِّ شَرِيكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِذَاكَ الْقَوِيِّ إِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ هُوَ أَبُو شَيْبَةَ الْوَاسِطِيُّ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ وَالصَّحِيحُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ مِنَ السُّنَّةِ الْقِرَاءَةُ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَوْفٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ إِنَّهُ مِنَ السُّنَّةِ أَوْ مِنْ تَمَامِ السُّنَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَخْتَارُونَ أَنْ يُقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الْأُولَى وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ إِنَّمَا هُوَ الثَّنَاءُ عَلَى اللَّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالدُّعَاءُ لِلْمَيِّتِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی۔ اس باب میں حضرت ام شریک ؓ سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس ؓ کی سند قوی ہے۔ ابراہیم بن عثمان، یعنی ابوشیبہ واسطی منکر الحدیث ہے اور صحیح طور پر ثابت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی ہے کہ انہوں نے کہا یعنی حضرت ابن عباس ؓ نے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف سے روایت ہے کہ ابن عباس نے ایک مرتبہ جنازے کی نماز پڑھی تو اس میں سورۂ فاتحہ بھی پڑھی۔ میں نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ سنت ہے یا فرمایا (مِنْ تَمَامِ السُّنَّةِ) تکمیل سنت سے ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر بعض علماء اور دوسرے علماء کا عمل ہے۔ وہ جنازہ تکبیر اولی کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنا پسند کرتے ہیں امام شافعیؒ احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے کیونکہ نماز جنازہ اللہ کی ثناء، درود شریف اور میت کے لئے دعا پر مشتمل ہے۔ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ (احناف) کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ: نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے یہی قول امام اسحاقؒ کا بھی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قرأت فاتحہ نمازِ جنازہ میں واجب نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے ''أن النبی ﷺ قراء علی الجنازة بفاتحة الكتاب''۔
جواب: اس حدیث میں ایک راوی ہے جوضعیف ہے۔ابوشیبہ الواسطی راوی منکر الحدیث ہے۔لہٰذا اس سے استدلال نہیں کرسکتے۔
دلیل ثانی: اسی باب کی دوسری روایت طلحہ بن عبداللہ بن عوف کی روایت ہے ''أن ابن عباس صلی علی الجنازة فقرأ بفاتحة الكتاب فقلت له فقال انه من السنة''۔
جواب: یہ اثر دووجہ سے ہمارے خلاف حجت نہیں ہوسکتا۔ **پہلی وجہ:** تو یہ کہ خود ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا اثر بھی ہے کہ صلوٰۃ جنازہ دعا ہے لہٰذا اس میں قراءت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **دوسری وجہ:** من السنۃ جو کہا گیا ہے اس سے سنت استنباطی مراد ہوتی ہے حضور ﷺ کی سنت مراد نہیں ہوتی اور اس مسئلہ میں کوئی مرفوع حدیث ثابت نہیں۔اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے قراءت فاتحہ ثابت ہے وہ سب بطور دعا وثناء کے ہے بطور قراءت نہیں۔ **تیسری وجہ:** اس حدیث سے تو فاتحہ کا قراءت تو جوب ثابت نہیں ہوتا جبکہ تم وجوب کے قائل ہو لہٰذا وجوب کے متعلق دلیل دو۔ نیز بخاری کی شرح عینی میں ہے کہ حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابوہریرہ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور عطاء طاؤس، سعید بن مسیب، ابن سیرین ودیگر تابعین جنازہ میں فاتحہ پڑھنے سے منع کرتے تھے۔
احناف کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا صليتم على الميت فأخلصوا له الدعاء'' (جلد۲ص۲۵۶کتاب الجنائز باب الدعاء للمیت) اس میں صرف دعا کا حکم ہے۔
دلیل ثانی: موطا امام مالکؒ میں حضرت نافع کی روایت ہے ''أن عبدالله بن عمر كان لا يقرأ في الصلوة على الجنازة'' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی نماز جنازہ میں قراءت فاتحہ کے قائل نہیں تھے۔
دلیل ثالث: نماز جنازہ تو دعا ہے اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے ثناء پڑھی جائے پھر آپ ﷺ پر درود ہو پھر میت کے لئے دعا مانگی جائے۔ دعا میں فاتحہ کے پڑھنے کے کوئی معنی نہیں بنتے ہاں اگر کوئی سورۂ فاتحہ کو حمد وثناء کے طور پر پڑھے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ جلد ا ص ۱۶۴ ''باب الجنائز الفصل الخامس فی الصلوة علی المیت'' میں یہ تفصیل لکھی ہے کہ اگر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کو دعا کی نیت سے پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں البتہ قراءت کی نیت سے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اس لئے کہ وہ قراءت کا محل نہیں۔

بَابُ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ وَالشَّفَاعَةَ لَهٗ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَيُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ إِذَا صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى

ابوکریب، عبداللہ بن مبارک، یونس بن بکیر، محمد بن اسحاق، یزید بن ابی حبیب، حضرت مرثد بن عبداللہ یزنی سے روایت ہے کہ مالک بن ہبیرہؓ جب نماز جنازہ پڑھتے اور لوگ کم ہوتے تو انہیں تین صفوں میں تقسیم کردیتے۔ پھر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس میت پر تین صفوں نے نماز پڑھی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔اس باب میں حضرت

عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوفٍ فَقَدْ أَوْجَبَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَأُمِّ حَبِيبَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَمَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ وَرَوَى إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَأَدْخَلَ بَيْنَ مَرْثَدٍ وَمَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ رَجُلًا وَرِوَايَةُ هٰؤُلَاءِ أَصَحُّ عِنْدَنَا . حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ عَنْ أَيُّوبَ ح و حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيعٍ كَانَ لِعَائِشَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمُوتُ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَيُصَلِّي عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَبْلُغُوا أَنْ يَكُونُوا مِائَةً فَيَشْفَعُوا لَهُ إِلَّا شُفِّعُوا فِيهِ و قَالَ عَلِيٌّ فِي حَدِيثِهِ مِائَةٌ فَمَا فَوْقَهَا قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ أَوْقَفَهُ بَعْضُهُمْ وَلَمْ يَرْفَعْهُ .

عائشہ، ام حبیبہ، ابوہریرہ، اور میمونہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث مالک بن ہبیرہ ؓ حسن صحیح ہے کئی راوی محمد بن اسحاق سے اسی طرح روایت کرتے ہیں اور ابراہیم بن سعد بھی محمد بن اسحاق سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں اور مرثد اور مالک بن ہبیرہ کے درمیان ایک اور آدمی کا ذکر کرتے ہیں ہمارے نزدیک پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی موت کے بعد نماز جنازہ میں مسلمانوں کی ایک جماعت جس کی تعداد سو تک ہو وہ سب اس کے لئے شفاعت کریں اور ان کی شفاعت قبول نہ کی جائے۔ علی بن حجر اپنی نقل کردہ حدیث میں کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سو یا اس سے زیادہ ہو امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہ ؓ حسن صحیح ہے بعض راوی اسے موقوفاً روایت کرتے ہیں۔

تشریح: امام ترمذیؒ کا مقصد اس باب سے یہ ہے کہ میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ کیا ہونا چاہیے اور اس کے لئے شفاعت کس طرح کرنی چاہیے یا پھر یہ روایت لاکر بتا رہے ہیں کہ یہ فعلی روایت بھی اختیار کرنی چاہیے اور نمازی کم ہوں تو پھر بھی صفیں تین بنانی چاہئیں۔

جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ: اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس میت کی نماز جنازہ میں بڑی جماعت شریک ہو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتے ہیں۔ اب بڑی جماعت سے مراد مصلی الجنائز کی تین صفیں ہیں جن میں تقریباً سو آدمی آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کی نماز جنازہ مسلمانوں کی بڑی جماعت پڑھے جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور وہ سب اس کے لئے سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش قبول فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی جماعت سے مراد سو آدمی ہوتے ہیں۔

مگر مالک بن ہبیرہ لوگوں کی کمی کی صورت میں حیلہ کرتے تھے اور لوگوں کو تین صفوں میں کھڑا کرتے تھے تاکہ لوگوں کی صفوں کی شکل میں کثرت ہو اور اللہ رب العزت اس کی بخشش کر دیں ''جزأھم ثلاثۃ اجزاء'' کا اصل اور عام مفہوم یہی ہے کہ نماز

جنازہ میں تین صفیں بنائی جائیں۔

ملا علی قاریؒ نے اس کے دو مفہوم اور بھی بیان کئے ہیں۔

① لوگوں کے تین طبقات بنائے جائیں پہلی صف میں بوڑھے کھڑے ہوں اور دوسری صف میں کہول کھڑے ہوں اور تیسری صف میں نوجوان کھڑے ہوں۔

② پہلی صف میں علماء کھڑے ہوں دوسری صف میں صلحاء کھڑے ہوں اور تیسری صف میں عام لوگ کھڑے ہوں۔

تین صفوں میں نماز جنازہ کا پڑھنا فعلی شفاعت ہے۔ شفاعتیں بھی دو قسم پر ہیں۔ ① شفاعت قولی ② شفاعت فعلی۔ قولی شفاعت یہ ہے کہ انسان زبان سے میت کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور تین صفیں بنا کر نماز جنازہ پڑھنا فعلی شفاعت ہے۔ اس لئے بعض حضرات نے کہا کہ جنازہ کی نماز میں طاق صفیں بنائی جائیں، تین، پانچ، سات وغیرہ۔ جبکہ حدیث میں تین صفوں کا ذکر ہے اس کے بعد طاق اور جفت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، ثلاثہ کے لفظ کا مطلب یہ نہیں کہ جنازہ میں طاق صفیں ہوں یہ بات صحیح نہیں صفوں کی جو بھی تعداد ہو نماز جنازہ ادا ہو جائے گی۔ اگرچہ تعلیم الاسلام میں حضرت مفتی کفایت اللہؒ نے لکھا ہے کہ اگر آدمی زیادہ ہوں تو تین یا پانچ یا سات صفیں بنانا بہتر ہے کیونکہ حدیث ہے ''ان اللہ وتر یحب الوتر'' اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر کو پسند کرتے ہیں یہ ایک عام ادب ہے جنازہ کی صفوں میں اس کا لحاظ رہنا چاہیے مگر واجب کی طرح اس کا اہتمام درست نہیں۔ جیسا کہ آج کل اس پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مُوسَى بْنِ عُلَيِّ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ ثَلَاثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَانَا أَنْ نُصَلِّيَ فِيهِنَّ أَوْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا حِينَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتَّى تَرْتَفِعَ وَحِينَ يَقُومُ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ حَتَّى تَمِيلَ وَحِينَ تَضَيَّفُ لِلْغُرُوبِ حَتَّى تَغْرُبَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَكْرَهُونَ الصَّلَاةَ عَلَى الْجَنَازَةِ فِي هٰذِهِ السَّاعَاتِ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ مَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنْ نَقْبُرَ فِيهِنَّ مَوْتَانَا يَعْنِي الصَّلَاةَ وَكَرِهَ الصَّلَاةَ عَلَى الْجَنَازَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَعِنْدَ غُرُوبِهَا وَإِذَا انْتَصَفَ

حضرت عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ تین اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں نماز جنازہ پڑھنے اور میت کو دفنانے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ طلوع آفتاب کے وقت یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے۔ دوپہر کے وقت یہاں تک سورج ڈھل جائے اور غروب کے وقت یہاں تک کہ سورج پوری طرح ڈوب جائے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ مردوں کی تدفین سے ان اوقات میں منع کرنے کا مطلب یہی ہے کہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور نماز جنازہ طلوع شمس غروب شمس اور نصف النہار کے وقت سورج ڈھلنے تک

النَّهَارُ حَتّٰى تَزُولَ الشَّمْسُ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا بَأْسَ أَنْ يُّصَلِّيَ عَلَى الْجَنَازَةِ فِي السَّاعَاتِ الَّتِي يُكْرَهُ فِيهِنَّ الصَّلَاةُ.

مکروہ ہے۔ امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا قول ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک ان اوقات میں جن میں دیگر نمازیں مکروہ ہیں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ نہیں۔

تشریح: اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کے بارے میں باب ماقبل کتاب الصلوٰۃ میں گزر چکا ہے کہ اوقات ثلاثہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے حتیٰ کہ سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ بھی مکروہ ہے البتہ اگر انہی اوقات میں جنازہ آجائے یا آیت سجدہ تلاوت کرے تو ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں اور سجدہ تلاوت بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر پہلے سے جنازہ آیا ہو یا دوسرے وقت میں آیت سجدہ تلاوت کی ہو تو ان اوقات ثلاثہ میں نماز جنازہ پڑھنا اور سجدہ تلاوت کرنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔

مسئلہ: اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اوقات مکروہہ میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یہ قول امام شافعیؒ کا ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک ان اوقات میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "ان النبی ﷺ **قال له: یا علی، ثلاث لا تؤخرها الصلوٰۃ اذا اتت، والجنازۃ اذا حضرت، والایم اذا وجدت لها کفوًا"**

(سنن ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل ج۱ ص۴۴)

امام شافعیؒ حدیث الباب کو دفن پر محمول کرتے ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ اوقات مکروہہ میں دفن کرنا درست ہے۔ اور حدیث الباب میں **او نقبر فیهن موتانا** سے نماز جنازہ مراد ہے چنانچہ بعض روایات میں **نقبر فیهن موتانا** کی جگہ **ان نصلی علی موتانا** کے الفاظ آئے ہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے امام ترمذیؒ نے آگے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اصحاب علم میں سے بعض حضرات کا قول ہے کہ ان تین ساعات میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

ابن المبارکؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان اوقات میں جنازہ کی نماز نہ پڑھیں یہی امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جن اوقات میں نمازیں پڑھنا مکروہ ہیں ان اوقات میں جنازہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ ان کے نزدیک ان اوقات میں تدفین مکروہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْأَطْفَالِ

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ آدَمَ ابْنُ بِنْتِ أَزْهَرَ السَّمَّانِ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

بشر بن آدم ابن بنت ازہر سمان، اسماعیل بن سعید بن عبید اللہ اپنے والد سے وہ زیاد بن جبیر بن حیہ سے وہ اپنے والد سے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے

وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ إِسْرَائِيلُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا يُصَلَّى عَلَى الطِّفْلِ وَإِنْ لَمْ يَسْتَهِلَّ بَعْدَ أَنْ يُعْلَمَ أَنَّهُ خُلِقَ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

والا جہاں جی چاہے وہاں چلے اورلڑکے پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسرائیل اور کئی رواۃ یہ حدیث سعید بن عبیداللہ سے روایت کرتے ہیں بعض صحابہ کرام اوردیگر علماء اس حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بچے پرنماز جنازہ پڑھی جائے اگر چہ وہ پیدا ہونے کے بعد رویا بھی نہ ہو صرف اس کی شکل ہی بنی ہو۔ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہ قول ہے۔

تشریح: وَالطِّفْلُ يُصَلَّى عَلَيْهِ : وہ بچہ جو پیدا ہونے کے بعد آواز نکالے یا آثار حیات ظاہر ہوں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ **آٹھواں مسئلہ: چار ماہ کے پیدا ہونے والے بچے پرنماز جنازہ ہے یا نہیں:** اس میں اختلاف ہے۔

قول اول: امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاقؒ کے نزدیک اگر چار ماہ کا بچہ پیدا ہو کر مرجائے تو اس پرنماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس بچے پر آثار حیات ظاہر نہ ہوں اور وہ مرجائے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

امام احمدؒ، امام اسحاق کی دلیل: یہی حدیث الباب حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

جواب: جب مطلق اور مقید میں تعارض آجائے تو مقید مقدم ہوگا یا مطلق کو مقید پرمحمول کیا جائے گا۔ ''قال الراکب خلف الجنازة'' اس کی تشریح اگلی حدیث کے تحت آرہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''انه عليه السلام قال الطفل لا يصلى عليه حتى يستهل'' یہاں ''استھلال'' سے مراد آثار حیات ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب تک آثار حیات معلوم نہ ہوں نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

سوال: بچہ جب گناہوں سے پاک ہوتا ہے تو پھر اس کی نماز جنازہ کیوں ادا کی جاتی ہے؟

جواب: نماز جنازہ کا صرف مقصد استغفار نہیں یہ توضمنی مقصد ہے اصل مقصد میت کی تعظیم ہے چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے حالانکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنِينِ حَتَّى يَسْتَهِلَّ

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْمَكِّيِّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتَّى يَسْتَهِلَّ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ قَدِ اضْطَرَبَ النَّاسُ

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بچہ جب تک پیدا ہونے کے بعد روئے نہیں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اور نہ وہ کسی کا وارث ہے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اضطراب ہے

فِيهِ فَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْفُوعًا وَرَوٰى أَشْعَثُ بْنُ سَوَّارٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوفًا وَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرٍ مَوْقُوفًا وَكَأَنَّ هٰذَا أَصَحُّ مِنَ الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَقَالُوا لَا يُصَلّٰى عَلَى الطِّفْلِ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ

بعض راوی اس حدیث کو ابوزبیر سے وہ جابر سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے موقوفاً روایت کرتے ہیں۔ اشعث بن سوار اور کئی راوی حضرت جابرؓ سے مرفوعاً انہی کا قول روایت کرتے ہیں اور یہ مرفوع حدیث کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ اگر بچہ پیدائش کے بعد روئے نہیں تو اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ امام ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: نومولود بچہ پیدائش کے وقت آواز نکالے یا کسی دوسری صورت میں اس کی حیات متحقق ہو جائے اور پھر وہ مرجائے تو پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اگر اس بچے کی زندگی کے آثار ظاہر نہ ہوں بلکہ مرا ہوا پیدا ہو تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یہ جمہور کی رائے ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ جو حدیث پچھلے باب میں گزری ہے وہ اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت ہے مگر وہ صریح نہیں اس وجہ سے جمہور حضرات نے اس ضعیف روایت کے ذریعے اس صحیح روایت کی تفسیر کی ہے کہ ماقبل باب میں جو "الطفل" آیا ہے اس سے مراد وہ بچہ ہے جو زندہ پیدا ہوا ہو اور اگر زندگی کے آثار محسوس نہ ہوں تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

لَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ: استہلال کے بعد اگر ماں کا انتقال ہو جائے تو بچہ وارث ہوگا اگرچہ بچے کا بعد میں انتقال ہو جائے لیکن اگر استہلال نہ ہو تو وارث نہیں بنے گا۔ اور لایورث کی صورت یہ ہے کہ کسی نے دوران حمل بچے کے لئے صدقہ یا ہبہ کیا اور استہلال کے بعد انتقال ہوا تو وہ چیز بچے کے ورثاء کو ملے گی لیکن قبل استہلال کوئی بھی اس کا وارث نہیں بنے گا۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ قَدِ اضْطَرَبَ النَّاسُ فِيهِ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رواۃ نے اختلاف کیا ہے۔ بعض اس کو ابوالزبیر سے مرفوع روایت کرتے ہیں اور اشعث بن سوار وغیرہ نے ابوالزبیر سے موقوف روایت کی ہے گویا یہ مرفوع حدیث سے اصح ہے بعض علماء کا قول یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی یہاں تک کہ وہ چلائے یہ قول امام ثوریؒ اور امام شافعیؒ کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى

علی بن حجر، عبدالعزیز بن محمد، عبدالواحد بن حمزہ، عباد بن عبداللہ بن زبیر، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى سُهَيْلِ ابْنِ الْبَيْضَاءِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ الشَّافِعِيُّ قَالَ مَالِكٌ لَا يُصَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُصَلّٰى عَلَى الْمَيِّتِ فِي الْمَسْجِدِ وَاحْتَجَّ بِهٰذَا الْحَدِيثِ.

مسجد میں پڑھی۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھی جائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام شافعیؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

تشریح: مسئلہ: مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ مسجد کے ملوث ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ (کما فی المغنی جلد ۲ ص ۴۹۳ فصل ولا بأس بالصلوة علی المیت فی المسجد) یہی قول امام اسحاقؒ، ابوثورؒ، داؤد ظاہریؒ کا بھی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا درست نہیں پھر ایک قول کراہیت تنزیہی کا ہے اور دوسرا قول کراہیت تحریمی کا ہے۔ ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم بن قطلوبغا کا یہی قول ہے صحیح یہ ہے کہ یہ اساءۃ کا درجہ ہے۔

شوافع کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے ''عن عائشة قالت صلی رسول الله ﷺ علی سهیل بن بیضاء فی المسجد'' کہ آپ ﷺ نے سہیل بن بیضاء کا جنازہ مسجد میں پڑھا تھا۔

جواب: یہ نماز جنازہ خاص وجہ سے ہوئی۔ چنانچہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ معتکف تھے اور باہر جانے میں عذر تھا اس وجہ سے مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ اس کی صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ نے میت کو مسجد کے باہر رکھنے کا حکم دیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ میت مسجد کے باہر ہو اور لوگ مسجد میں ہوں یا امام اور بعض لوگ میت کے ساتھ مسجد سے باہر ہوں اور بقیہ لوگ مسجد میں ہوں تو مکروہ نہیں اگرچہ کوئی عذر نہ بھی ہو یا بارش کا عذر تھا اور باہر نکلنا مشکل تھا بہرحال یہ ایک خاص واقعہ عام کلی کے مقابلے میں حجت نہیں ہوسکتا۔ (التعلیق الصبیح ج ۲ ص ۳۱۱)

احناف کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''أن الیهود جاؤا إلی النبی ﷺ برجل منهم و امرأة زنیا فأمر بهما فرجما قریبا من موضع الجنائز عند المسجد'' (بخاری جلد اول ص ۱۷۷ کتاب الجنائز باب الصلوة علی الجنائز بالمصلی والمسجد) اس حدیث سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں نماز جنازہ کے لئے مسجد سے باہر ایک مخصوص جگہ تھی اگر نماز جنازہ مسجد میں جائز ہوتی تو مسجد کے قریب جنازہ کیلئے جگہ کیوں مخصوص کی جاتی؟

دلیل ثانی: سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له'' کہ جس نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی اس کے لئے کوئی چیز نہیں یعنی اس کے لئے ثواب نہیں۔

اعتراض اوّل: اس روایت پر شوافع نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں ایک راوی ضعیف ہے کہ یہ صالح مولی التوأمہ کا تفرد ہے جو

کہ ضعیف راوی ہے۔ نیز امام مالکؒ نے بھی انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

جواب: مولی التوأمہ ثقہ راوی ہیں یحییٰ بن معین وغیرہ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے البتہ وہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ امام مالکؒ نے چونکہ ان سے آخری عمر میں روایات حاصل کی ہیں اس لئے ان کو ضعیف قرار دیا لیکن یہ حدیث ان سے ابن ابی ذئب نے روایت کی ہے جنہوں نے صالح مولی التوأمہ سے اختلاط سے قبل روایات لی ہیں اس لئے یہ روایت بے غبار ہے۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی ذئب بذات خود مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت کے قائل ہیں۔ (کما فی فتح الباری جلد ۳ ص ۱۹۹ باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد)

اعتراض ثانی: امام نوویؒ نے اس پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ ابوداؤد کے مشہور نسخوں میں ''**من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ** کی جگہ **من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء علیہ**'' ذکر کیا ہے اس صورت میں مفہوم بدل جائے گا۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ؒ جلد اوّل ص ۳۱۳)

جواب: فلا شیء لہ والا جملہ صحیح ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر کتابوں سے بھی ہوتی ہے مثلاً سنن ابن ماجہ میں ''باب ما جاء فی الصلوٰۃ علی الجنائز فی المسجد'' ص ۱۰۹ میں، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۰۵ اور طحاوی شریف جلد اوّل صفحہ ۲۳۷ ''باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ ھل ینبغی أن تکون فی المسجد او لا میں فلا شیء لہ'' کے الفاظ ہیں۔ نیز اگر ''فلا شیء علیہ'' والی روایت صحیح ہوتی تو ابن ابی ذئب مسجد میں نماز جنازہ کی کراہیت کے قائل نہ ہوتے۔

دلیل ثالث: مسلم شریف جلد اوّل ص ۳۱۲ ''کتاب الجنائز فصل فی جواز الصلوٰۃ علی المیت فی المسجد'' میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ والی روایت ہے ''**أن عائشۃ امرت أن یمر بجنازۃ سعد بن ابی وقاص فی المسجد فتصلی علیہ فأنکر الناس ذلک علیھا**'' کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں ان کا عراق میں انتقال ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں سے درخواست کی کہ ان کا جنازہ مسجد نبوی میں پڑھا جائے وہ بھی جنازہ پڑھنا چاہتی ہیں۔ مگر صحابہ کرام ان کا جنازہ مسجد نبوی میں نہ لائے اور حضرت عائشہؓ جنازہ نہ پڑھ سکیں اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا لوگ کتنا جلدی بھول گئے کہ نبی کریم ﷺ نے بیضاء کے لڑکے سہیل کا جنازہ مسجد میں پڑھا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت سعدؓ کا جنازہ مسجد میں نہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں۔ باقی سہیلؓ کا جنازہ کسی عذر پر یا خصوصیت کی بناء پر مسجد میں پڑھا گیا تھا۔

اس روایت میں ''فلا شیء لہ'' میں حنفیہ کا اختلاف واقع ہوا ہے جب جنازہ مسجد کے باہر ہو اور مصلی مسجد کے اندر ہو اس صورت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اس اختلاف کی بنیاد اس روایت کے الفاظ پر ہوتی ہے کہ ''من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ'' میں فی المسجد کا تعلق صلی سے ہے یا جنازہ سے۔ اگر صلی سے اس کا تعلق ہو تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ جنازہ کے مسجد سے باہر اور مصلی کے مسجد کے اندر ہونے کی صورت میں بھی نماز کی اجازت نہ ہو اور اگر جنازہ سے اس کا تعلق ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ مذکورہ صورت میں نماز کی اجازت ہے۔ اس سلسلہ میں علماء اصول نے یہ ضابطہ ذکر کیا ہے کہ اگر

فعل ایسا ہو کہ جس کا اثر مفعول تک پہنچ رہا ہو تو اس صورت میں ظرف کا تعلق فعل ومفعول دونوں سے ہوگا اور اگر فعل ایسا ہو کہ اس کا ظاہری اثر مفعول تک نہ پہنچ رہا ہو تو ظرف کا تعلق صرف فعل سے ہوگا۔ اب ان حضرات کا قول راجح ہے جو ''صلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد'' کے بارے میں عموم کراہت کے قائل ہیں خواہ جنازہ مسجد میں ہو یا باہر ہو۔

دلیل رابع: نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسجد نبوی سے متصل مصلی الجنائز بنا ہوا تھا۔ جنازے وہاں پڑھے جاتے تھے۔ مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی تھی نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درخواست سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ جنازے مسجد میں نہیں پڑھے جاتے تھے کسی اور جگہ پڑھے جاتے تھے۔

البتہ اعذار کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا درست ہے مثلاً بارش ہو رہی ہو، کرفیو نافذ ہو اور باہر جمع ہونے کی اجازت نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اسی طرح حرمین شریفین میں بھی عذر ہے وہاں لاکھوں آدمی ہوتے ہیں اگر دوسری جگہ نماز جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا۔ مسجد میں نماز جنازہ کی صورتیں مختلف ہیں کہ جنازہ باہر ہو اور اس کے ساتھ امام اور چند مقتدی باہر ہوں اور باقی مسجد میں موجود ہوں یہ صورت بعض احناف کے نزدیک بغیر عذر کے بھی جائز ہے۔

بَاب مَا جَاءَ أَيْنَ يَقُومُ الْإِمَامُ مِنَ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ أَبِي غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلَى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهِ ثُمَّ جَاءُوا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوا يَا أَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا فَقَامَ حِيَالَ وَسَطِ السَّرِيرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ هَكَذَا رَأَيْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجَنَازَةِ مُقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مُقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ احْفَظُوا وَفِي الْبَاب عَنْ سَمُرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ هَمَّامٍ مِثْلَ هَذَا وَرَوَى وَكِيعٌ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ هَمَّامٍ فَوَهِمَ فِيهِ فَقَالَ عَنْ غَالِبٍ عَنْ أَنَسٍ وَالصَّحِيحُ عَنْ أَبِي غَالِبٍ وَقَدْ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ عَبْدُ

ابو غالب سے روایت ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھی وہ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے اور ان سے کہا گیا اے ابوحمزہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ چارپائی کے درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے اس پر حضرت علاء بن زید نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرد اور عورت کا نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے اس جگہ کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے فرمایا ہاں۔ پھر جب جنازہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اسے یاد رکھو۔ اس باب میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ حسن ہے کئی راوی ہمام سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔ وکیع یہ حدیث ہمام سے روایت کرتے ہوئے وہم کرتے ہیں۔

الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي غَالِبٍ مِثْلَ رِوَايَةِ هَمَّامٍ وَاخْتَلَفُوا فِي اسْمِ أَبِي غَالِبٍ هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ اسْمُهُ نَافِعٌ وَيُقَالُ رَافِعٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ. حَدَّثَنَا عَلِيُّ ابْنُ حُجْرٍ

وکیع اپنی روایت میں کہتے ہیں کہ غالب سے روایت ہے کہ جب کہ صحیح ابوغالب ہے۔ عبدالوارث بن سعید اور کئی حضرات ابو غالب سے ہمام ہی کے مثل روایت کرتے ہیں ابوغالب کے نام میں اختلاف ہے بعض نافع اور بعض رافع کہتے ہیں بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ امام احمدؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ وَالْفَضْلُ بْنُ مُوسٰى عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلَى امْرَأَةٍ فَقَامَ وَسَطَهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عَنِ الْحُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ نَحْوَهُ

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کی نماز جنازہ پڑھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کے وسط میں کھڑے ہوئے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ نے حسین معلم سے اسے روایت کیا ہے۔

تشریح: مسئلہ: **نماز جنازہ کیلئے امام میت کی کس جانب کھڑا ہو:** اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک میت مرد ہو تو امام کو سر کے برابر کھڑا ہو اور اگر میت عورت ہو تو پھر امام کو اس کے وسط کے برابر میں کھڑا ہونا چاہیے۔ کیونکہ سینہ میں دل ہے اور دل میں ایمان ہے اس کے علاوہ ائمہ کے اور بھی اقوال ہیں بعض نے کہا کہ امام جہاں چاہے کھڑا ہو کوئی قید نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت شوافع کے مطابق ہے اور امام طحاویؒ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ امام میت کے سینے کے مقابل کھڑا ہو خواہ میت مرد ہو یا عورت۔ امام ابویوسف کی مشہور روایت بھی یہی ہے ابن ہمام وغیرہ نے امام ابوحنیفہؒ کی اسی روایت کو راجح قرار دیا۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**انه قام عند رأس الرجل ... ثم جاءت المرأة الانصارية فقام النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **عند عجیزتها**"۔

جواب: یہی روایت مسند احمد میں ہے اس میں "**حیال صدره**" کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا راوی سے جب دو طرح کے الفاظ منقول ہوں تو پہلے والی روایت منسوخ سمجھی جاتی ہے اور دوسری ناسخ وگرنہ صحابی پر جرح لازم آئے گی جو کہ حدیث "**الصحابة کلهم عدول**" کے پیش نظر درست نہیں۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب ہے اس میں "**فقام وسطها**" کے الفاظ ہیں۔

جواب: صدر بھی وسط ہے کیونکہ اس کے اوپر سر اور دونوں ہاتھ اور اس کے نیچے پیٹ اور دو رانیں ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: مسند احمد میں حضرت نافع کی روایت ہے "**قال صلیت مع انس بن مالك علی جنازة رجل، مقام حیال صدره الخ**" کے الفاظ ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت ابراہیم نخعیؒ کی روایت ہے "قال یقوم الرجل یصلی علی الجنازۃ عند صدرھا"۔ (طحاوی)

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ حدیث صحیح ہے اور وکیع ﷫ نے بھی یہ حدیث ہمام سے روایت کی ہے اور اس میں غلطی کی ہے انہوں نے عن غالب ذکر کیا اور صحیح عن ابی غالب ہے اور اس حدیث کو عبدالوارث وغیرہ نے ابو غالب سے ہمام کی روایت کی طرح روایت کیا ہے۔ ابو غالب کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا نام نافع ہے اور رافع بھی کہا گیا ہے بعض اہل علم اس حدیث کی طرف گئے ہیں اور یہی احمد و امام اسحاق کا قول ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ثُمَّ يَقُولُ أَيُّهُمَا أَكْثَرُ حِفْظًا لِلْقُرْآنِ فَإِذَا أُشِيرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ فَقَالَ أَنَا شَهِيدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ فِي دِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْهُمْ مَنْ ذَكَرَهُ عَنْ جَابِرٍ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الشَّهِيدِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يُصَلَّى عَلَى الشَّهِيدِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ و قَالَ بَعْضُهُمْ يُصَلَّى عَلَى الشَّهِيدِ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى عَلَى حَمْزَةَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ

حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے مجھے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہدائے احد میں سے دو دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں کفن دینے کے بعد پوچھتے کہ ان میں سے کون زیادہ قرآن کا حافظ ہے جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپؐ اسے قبر میں آگے کرتے اور فرماتے میں قیامت کے دن ان سب پر گواہ ہوں گا۔ آپؐ نے ان سب کو ان کے خون سمیت دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھی اور نہ ہی انہیں غسل دیا گیا۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جابرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور زہری سے بحوالہ انس مرفوعاً مروی ہے۔ زہری عبداللہ بن ثعلبہ بن ابو صعیر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی روایت کرتے ہیں جب کہ کچھ راوی حضرت جابرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ اہل علم کا شہید کی نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ شہداء کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اہل مدینہ، امام شافعیؒ اور احمدؒ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہ کی نماز

وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ إِسْحٰقُ. جنازہ پڑھی۔ سفیان ثوری، اہل کوفہ اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ شہداء کو غسل نہیں دیا جائے گا بشرطیکہ شہید کی شہادت حالت جنابت میں نہ ہوئی ہو۔

مسئلہ: شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی مختلف آراء ہیں۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاق بن راھویہؒ کا قول یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ، سفیان ثوریؒ امام اوزاعیؒ اور ابن ابی لیلیٰؒ کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی ایک ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "**كان يجمع بين الرجلين من قتلى احد في الثوب الواحد ثم يقول ايهما اكثر حفظاً للقرآن فاذا اشير له الى احدهما قدمه في اللحد۔۔۔۔ ولم يصل عليهم ولم يغسلوا**" کہ آپ ﷺ نے نہ ان پر نماز پڑھی اور نہ ہی ان کو غسل دیا گیا۔

جواب اوّل: امام طحاویؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی ہو اس لئے کہ آپؐ زخمی تھے لیکن آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ان کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دے دیا ہو۔ لہٰذا جن روایات میں نماز جنازہ کی نفی کا ذکر ہے وہ اسی پر محمول ہیں اس توجیہ پر تمام روایات منطبق نہیں ہو جائیں گی۔

جواب ثانی: حدیث الباب میں "**لم يصل عليهم**" سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر مستقلاً اکیلے نماز نہیں پڑھی بلکہ متعدد صحابہ کرامؓ پر ایک ساتھ نماز پڑھی۔

جواب ثالث: نفی اور اثبات میں تعارض آجائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے

جواب رابع: حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے علم کی بناء پر نفی فرما رہے ہیں جو اس دن بہت پریشان تھے ماموں، والد کی شہادت کی وجہ سے ان کی میتوں کو مدینہ منورہ منتقل کرنے کیلئے لے گئے تھے رسول کریم ﷺ شہدا پر کے جنازہ پڑھنے پر مطلع نہیں ہو سکے تھے جبکہ باقی احادیث کلی ہیں جو اثبات پر دال ہیں۔ **جواب خامس:** صلوٰۃ علی الشہید نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ معرکہ میں نہیں پڑھی بلکہ معرکہ کے بعد پڑھی یا مطلب یہ ہے کہ خاص اُحد کے دن شہداء کی نماز نہیں پڑھی بعد میں پڑھی کیونکہ اس دن آپ زخمی تھے دندان مبارک شہید ہو گئے تھے سر مبارک میں خود گھس گیا تھا۔

دلیل ثانی: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میت کی مغفرت کیلئے ہوتی ہے جبکہ شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

جواب: صلوٰۃ جنازہ صرف مغفرت کیلئے ہی نہیں پڑھی جاتی بلکہ رفع درجات کیلئے بھی پڑھی جاتی ہے جیسا کہ بچوں کا نماز جنازہ پڑھا جاتا ہے ان کے گناہ تو ہوتے نہیں تو لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہ جنازہ رفع درجات کیلئے ہوتا ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۵۵۔ نسائی جلد ۱ ص ۲۱۴ اور طحاوی شریف جلد ۱ ص ۲۲۴ میں حضرت شداد بن الہاد اللیثی سے روایت ہے "**ان رجلاً من الاعراب جآء الى النبي ﷺ فامن به۔۔۔۔ فاستشهد فصلى عليه النبي ﷺ و قال انا شهيد عليه**" اس مضمون کی روایت مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹۶ میں بھی ہے۔

اعتراض: علامہ شوکانیؒ نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ "**واما حديث شداد بن الهاد فهو مرسل لان شداد**

تابعی" (نیل الاوطار جلد ۴ ص ۴۷ باب ترك الصلوة علی الشهید)

جواب: شداد بن الهاد بلا شبہ صحابی رسول ہیں امام بخاریؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں "له صحبة" اور حافظ ابن حجرؒ تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں "صحابي شهد الخندق وما بعدها"۔

دلیل ثانی: مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "فقد رسول الله ﷺ حمزه حين جاء الناس من القتال...... ثم جيء بحمزة فصلى عليه"۔

اعتراض: اس دلیل پر علامہ شوکانی اور تحفۃ الاحوذی والے نے اعتراض کیا ہے کہ اس کا مدار ابوحماد الحنفی پر ہے جو متروک راوی ہے۔

جواب: وہ ایک مختلف فیہ راوی ہیں ان کے بارے میں صحیح یہ ہے کہ ان کی روایت مقبول ہے۔

دلیل ثالث: مسند احمد میں شعبیؒ سے مروی ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ احد والے دن عورتیں مسلمانوں کے پیچھے پیچھے تھیں "يجهزن على جرحى المشركين. اى أن قال ... فوضع النبي ﷺ حمزة وجئ برجل من الانصار فوضع الى جنبه فصلى عليه فرفع الانصاري وترك حمزة، ثم جئي بأخر فوضع الى جنبه حمزة، فصلى عليه، ثم رفع وترك حمزة حتى صلى عليه يومئذٍ سبعين صلاةً"۔

اعتراض: اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ شعبی کا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

جواب: شعبی ثقہ ہی سے مرسل نقل کر رہے ہیں لہٰذا ان کی حدیث صحیح ہے۔

دلیل رابع: بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۷۹ "باب الصلوة على الشهيد" میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے "أن النبي ﷺ خرج يومًا فصلى على أهل أحد صلاته على الميت"۔ یہ آنحضرت ﷺ کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے کا واقعہ ہے۔

اعتراض: امام نوویؒ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس سے مراد تو دعا ہے نہ کہ صلوۃ۔

جواب: علامہ عینی عمدۃ القاری جلد ۸ ص ۱۵۶ میں لکھتے ہیں کہ "صلوة على الميت" جنازہ کی نماز کے لئے صریح ہے۔ چنانچہ نیل الاوطار جلد ۴ ص ۴۸ میں ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شہداء کا جنازہ ترک نہیں کرنا چاہیے۔

دلیل خامس: طحاوی شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "أن رسول الله ﷺ امر يوم احد بحمزة فسجي ببردة ثم صلى عليه فكبر تسع تكبيرات ثم أتي بالقتلى يصفون ويصلي عليهم وعليه معهم"۔

اعتراض: اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ غزوہ احد کے وقت صرف دو سال کے تھے اس لئے کہ ہجرت کے وقت ان کی ولادت ہوئی جبکہ غزوہ احد ۳ ہجری میں ہوا۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۲۱۱ باب الصلوة على الشهيد)

جواب: یہ مرسل صحابی ہے جو بالاتفاق مقبول ہے "والمختار في التفصيل قبول مرسل الصحابي اجماعًا"

(قواعد في علوم الحديث ص ۱۳۸ الفصل الخامس)

دلیل سادس: امام ابوداؤدؒ کی مرسل روایت حضرت عطاءؒ سے مروی ہے قال: صلى النبي ﷺ على قتلى احد (ص ۱۸۱ باب في الصلوة على الشهيد)

دلیل سابع: سنن کبریٰ بیہقی جلد ۴ ص ۱۲ "باب من زعم أن النبي ﷺ على شهداء احد" میں اور سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹ "باب ما جاء في الصلوة على الشهداء" میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "قال أتي بهم رسول

الله ﷺ یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة ، و حمزه هو کما هو یرفعون و هو کما هو موضوع''

(یہ ابن ماجہ کے لفظ ہیں۔)

اعتراض: اس حدیث میں ایک راوی ہے یزید بن ابی زیاد جو کہ ضعیف ہے لہٰذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ ان کا ضعف مضر نہیں کیونکہ یہ مسلم کے راوی ہیں جہاں ان کو ضعیف کہا گیا ہے وہاں ان کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اگر ان روایات میں کسی جگہ ضعف آ بھی گیا تو کثرت رواۃ کی وجہ سے وہ ضعف قابل برداشت ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْقَبْرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَخْبَرَنَا الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا الشَّعْبِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَأَى قَبْرًا مُنْتَبِذًا فَصَفَّ أَصْحَابَهُ خَلْفَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ فَقِيلَ لَهُ مَنْ أَخْبَرَكَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَبُرَيْدَةَ وَيَزِيدَ بْنِ ثَابِتٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ وَأَبِي قَتَادَةَ وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يُصَلَّى عَلَى الْقَبْرِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ و قَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ إِذَا دُفِنَ الْمَيِّتُ وَلَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ صُلِّيَ عَلَى الْقَبْرِ وَرَأَى ابْنُ الْمُبَارَكِ الصَّلَاةَ عَلَى الْقَبْرِ و قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحَقُ يُصَلَّى عَلَى الْقَبْرِ إِلَى شَهْرٍ وَقَالَا أَكْثَرُ مَا سَمِعْنَا عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَى قَبْرِ أُمِّ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ بَعْدَ شَهْرٍ.

شعبی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس آدمی نے بیان کیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور اس نے ایک اکیلی قبر دیکھی جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی فرمائی اور نماز جنازہ پڑھائی۔ شعبی سے پوچھا گیا کہ وہ کون ہے جس نے آپ کو یہ واقعہ سنایا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس۔ اس باب میں حضرت انس، بریدہ، یزید بن ثابت، ابوہریرہ، عامر بن ربیعہ، ابوقتادہ، اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ابن عباس ؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اکثر صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے امام شافعیؒ، احمد اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ قبر پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے ابن مبارک فرماتے ہیں کہ اگر میت کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کیا جائے تو قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے ابن مبارکؒ کے نزدیک قبر پر نماز جنازہ جائز ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ قبر پر ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سعید بن مسیب سے اکثر سنا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سعد بن عبادہ کی قبر پر ایک ماہ بعد نماز جنازہ پڑھی۔

تشریح: مسئلہ: قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم؟ اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور داؤد ظاہری کا مسلک یہی ہے کہ قبر پر میت کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں خواہ میت جنازہ پڑھ کر دفن کی گئی ہو یا جنازہ پڑھے بغیر دفن کی گئی ہو۔

ان دونوں ائمہ میں تھوڑا سا اختلاف ہو گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد نہیں پڑھ سکتے اور امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی قید نہیں ہمیشہ پڑھ سکتے ہیں۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک "صلوٰۃ علی القبر" علی الاطلاق ناجائز ہے خواہ اس میت پر پہلے نماز جنازہ پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک "صلوٰۃ علی القبر" صرف میت کے ولی کے لئے جائز ہے جبکہ وہ دفن سے پہلے نماز میں شامل نہ ہو سکا ہو یا اس صورت میں جائز ہے جب میت کو بغیر نماز جنازہ کے دفن کیا گیا ہو اس کے سوا حنفیہ کے نزدیک جواز کی کوئی صورت نہیں۔ امام مالکؒ کی ایک روایت شاذہ بھی صلوٰۃ علی القبر کے جواز کی ہے (اوجز المسالك ج۲ص ۲۲۳ باب التکبیر علی الجنائز)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو جواز صلوٰۃ القبر علی ہے اس کی ایک میعاد مقرر ہے جب تک میت کے اعضاء قبر میں منتشر نہ ہوئے ہوں منتشر نہ ہونے کی حد عموماً تین دن ہے۔ چونکہ لیکن اس پر بھی کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اس کی کوئی مدت متعین نہیں بلکہ اماکن کے اختلاف سے حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ اس لئے تین دن کی مدت حتمی نہیں بہر حال یہ ضروری ہے کہ میت کے اعضاء منتشر نہ ہوئے ہوں۔

امام احمدؒ کی دلیل: جب حضور اقدس ﷺ تبوک میں تشریف لے گئے تو پیچھے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا ایک ماہ کے بعد جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے ان کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ تک قبر پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اول: ایک اور واقعہ ہے کہ ایک حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی اس کا انتقال ہو گیا لوگوں نے جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع نہ کی۔ آپؐ نے جب مسجد نبوی میں تنکے پڑے ہوئے دیکھے تو لوگوں سے پوچھا وہ بڑھیا کہاں ہے جو جھاڑو دیا کرتی تھی؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے خبر کیوں نہ کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا رات کا وقت تھا ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا، ہم نے خود جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جبکہ ترمذی میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قبر دیکھی جو بالکل علیحدہ تھی۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ نئی قبر کس کی ہے؟ عرض کیا گیا کہ یہ قبر اس حبشی عورت کی ہے جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کی صفیں بنائیں اور اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ قبریں مُردوں پر تاریکی سے بھری ہوتی ہیں میرے ان پر نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو روشن کرتے ہیں۔

دلیل ثانی: یہی حدیث الباب ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "من رأى النبی ﷺ ورأى قبرًا منتبذًا فصف اصحابه فصلى عليه فقيل له: من اخبرك فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما"۔

جہاں تک حدیث الباب کا تعلق ہے یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مؤمنین کے ولی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: "النبی اولی بالمؤمنين من انفسهم" (احزاب:۶)

اس پر دلیل مسلم شریف جلد اوّل ص ۳۰۹-۳۱۰ کتاب الجنائز میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے اس کے آخری جملہ متدل ہے "ثم قال ان هذا القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله ينورها لهم بصلاتی

علیهم'' یہ جملہ آپ کی خصوصیت پر مستدل ہے نیز ممکن ہے کہ وحی کے ذریعہ معلوم ہوگیا کہ میت کا بدن محفوظ ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهى ان يصلى على الجنائز بين القبور'' (مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۳۹ باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ بین القبور)
دلیل ثانی: دوسری دلیل تعامل امت بھی ہے کہ سلف وخلف میں سے کسی نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر نماز نہیں پڑھی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارک بعینہٖ محفوظ رہتے ہیں اور زمین ان کو ذرّہ برابر نقصان نہیں پہنچاتی۔ 'کما فی الحدیث ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الأنبياءَ''۔
اسی طرح اگر مطلقاً قبر پر نماز جنازہ درست ہوتی تو بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کی نماز جنازہ آپ نے نہیں پڑھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان صحابہ کرامؓ کی قبروں پر نماز جنازہ پڑھتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ دو واقعات خصوصیت پر محمول ہیں۔ عام حکم نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي صَلَاةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى النَّجَاشِيِّ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَا حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِيَّ قَدْ مَاتَ فَقُومُوا فَصَلُّوا عَلَيْهِ قَالَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا كَمَا يُصَفُّ عَلَى الْمَيِّتِ وَصَلَّيْنَا عَلَيْهِ كَمَا يُصَلَّى عَلَى الْمَيِّتِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي سَعِيدٍ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَجَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو قِلَابَةَ عَنْ عَمِّهِ أَبِي الْمُهَلَّبِ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَبُو الْمُهَلَّبِ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَمْرٍو وَيُقَالُ لَهُ مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو.

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا تمہارے بھائی نجاشی کا انتقال ہوگیا ہے چلو اٹھو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو، حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ ہم کھڑے ہوئے اور اسی طرح صفیں بنائیں جس طرح نماز جنازہ میں صفیں بنائی جاتی ہیں اور نماز جنازہ پڑھی جس طرح میت پر پڑھی جاتی ہے۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، جابر بن عبد اللہ، ابوسعید، حذیفہ بن اسید اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔ ابوقلابہ بھی یہی حدیث اپنے چچا ابومہلب سے اور وہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں ابومہلب کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے انہیں معاویہ بن عمرو بھی کہتے ہیں۔

تشریح: یہاں غائبانہ نماز جنازہ کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ماقبل باب ما جاء فی التکبیر علی الجنازۃ کے تحت گزر چکا ہے۔
امام ترمذیؒ اس حدیث الباب کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے مگر غریب ہے ابوالمہلب سے اوپر تک سند ایک ہی طرح ہے ابوقلابہ نے اس حدیث کو اپنے چچا ابوالمہلب سے روایت کیا ہے ابومہلب کا نام عبدالرحمٰن بن عمرو ہے بعض نے کہا کہ ان کا نام معاویہ بن عمرو ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَى جَنَازَةٍ فَلَهُ قِيرَاطٌ وَمَنْ تَبِعَهَا حَتَّى يُقْضَى دَفْنُهَا فَلَهُ قِيرَاطَانِ أَحَدُهُمَا أَوْ أَصْغَرُهُمَا مِثْلُ أُحُدٍ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِابْنِ عُمَرَ فَأَرْسَلَ إِلَى عَائِشَةَ فَسَأَلَهَا عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَتْ صَدَقَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَقَدْ فَرَّطْنَا فِي قَرَارِيطَ كَثِيرَةٍ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنِ الْبَرَاءِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَابْنِ عُمَرَ وَثَوْبَانَ. قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز جنازہ پڑھے اس کے لیے ایک قیراط ثواب ہے اور جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے یہاں تک کہ دفن سے فارغ ہو جائے تو اس کے لئے دو قیراط ہیں۔ اُن میں سے ایک یا فرمایا ان دونوں میں سے چھوٹا قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ابن عمرؓ سے تذکرہ کیا تو انہوں نے اس کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے حضرت عائشہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت سے قیراطوں کا نقصان کر دیا۔ اس باب میں حضرت براء، عبداللہ بن مغفل، عبداللہ بن مسعود، ابوسعید، ابی بن کعب، ابن عمر اور عثان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے کئی سندوں سے مروی ہے۔

تشریح: اس حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے صرف جنازہ کی نماز پڑھی اس کو ایک ثواب قیراط ملے گا۔ اور جو جنازہ کے ساتھ رہا اس حال میں کہ اس کی تدفین ہوگئی تو اس کے لئے دو قیراط ثواب ہے ان میں سے ایک یا آپؐ نے ارشاد فرمایا ان میں سے چھوٹا قیراط احد کے پہاڑ کے برابر ہے۔ یہاں (او) شک راوی کے لئے ہے۔ قیراط درہم کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں۔ یہاں دنیاوی قیراط مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اخروی قیراط ہے۔ اور اُخروی قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے اور تدفین میں لوگوں کو شریک ہونے پر دوسرا قیراط اس وقت ملتا ہے جب وہ دفن کے آخر تک وہاں موجود رہیں یہ نہیں کہ تین مٹھی مٹی ڈال کر واپسی آنے کی کردی۔

اگر اس طرح کریں گے تو میت کی قبر پر مٹی ڈالنے والے صرف میت کے ورثاء ہی رہ جائیں گے اور ان کو اکیلا چھوڑنا ان کے غم میں مزید اضافہ کرنا ہے لہٰذا جب تک قبر کو سیدھا کر کے کوہان نما شکل نہ بنادی جائے اس وقت تک وہیں رکے رہنا چاہیے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ قبر پر اتنی دیر رکے رہو جتنی دیر اونٹ کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو تیار نہیں کیا جاتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میت کو اس کی وجہ سے انس رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دو قیراط ملنے کا ثواب آخر تک رہنے میں ہے۔

حدیث پر اشکال: ابوسلمہ فرماتے ہیں کہ یہ مذکورہ حدیث میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کی تصدیق کے لئے ایک شخص کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحیح بیان کیا سوال یہ ہے کہ ایک صحابی رسول نے دوسرے صحابی رسول کی حدیث پر

بے اطمینانی ظاہر کی ہے اور حضرت عائشہؓ سے تصدیق چاہی ہے یہ بات تو الصحابة كلهم عدول کے قاعدہ کے خلاف ہے۔

جواب: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بے اطمینانی اس وجہ سے نہیں تھی کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے بلکہ یہ بات پہلی مرتبہ ان کے سامنے آئی تھی اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کی تصدیق کے لئے حضرت عائشہؓ کے پاس کسی کو بھیجا تو یہ اپنے علم میں اضافہ کے لئے بھیجا ہوگا۔

بَاب آخَرُ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْمُهَزِّمِ يَقُولُ صَحِبْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَشْرَ سِنِينَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَأَبُو الْمُهَزِّمِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ سُفْيَانَ وَضَعَّفَهُ شُعْبَةُ

ابومہزم کہتے ہیں کہ میں دس سال تک حضرت ابوہریرہؓ کی صحبت میں رہا میں نے ان سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو جنازے کے ساتھ چلا اور اسے تین مرتبہ اٹھایا، اس نے اس کا حق ادا کر دیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے بعض راوی یہ حدیث اسی سند سے غیر مرفوع روایت کرتے ہیں ابومہزم کا نام یزید بن سفیان ہے شعبہ انہیں ضعیف کہتے ہیں۔

تشریح: وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا: جس شخص نے تین مرتبہ جنازہ سے کندھا دیا اس نے جنازے کا حق ادا کر دیا۔ کندھا دینے کا کوئی خاص طریقہ نہیں۔ موطا امام محمدؒ میں جو طریقہ لکھا ہے کہ پہلے دائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر بائیں طرف کے اگلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے پھر بائیں طرف کے پچھلے پایہ کو پکڑ کر دس قدم چلے۔ یہ طریقہ لوگوں کی آسانی کے لئے تجویز کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں نہ پایوں کی تعیین ہے اور نہ قدموں کی حسب سہولت جس طرح موقع ہو کندھا دے سکتا ہے اور یہ بات حضرت علامہ مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ نے الکوکب الدری میں بیان کی ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى: یہ حدیث غریب ہے یہاں غریب بمعنی ضعیف کے ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ابوالمہزم متروک راوی ہے اور بعض حضرات اس حدیث کو اسی سند سے موقوف روایت کرتے ہیں یعنی یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے آپ ﷺ کی حدیث نہیں۔ ابوالمہزم کا نام یزید بن سفیان ہے شعبہ نے ان کی تضعیف کی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْقِيَامِ لِلْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَامِرِ بْنِ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، سالم بن عبداللہ وہ اپنے والد سے حضرت عامر بن ربیعہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

رَبِيعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ح وَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا حَتّٰى تُخَلِّفَكُمْ أَوْ تُوضَعَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَجَابِرٍ وَسَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَقَيْسِ بْنِ سَعْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

کرتے ہیں، بیان کیا قتیبہ نے، لیث، نافع سے وہ ابن عمر سے وہ عامر بن ربیعہ۔ یہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھوتو کھڑے ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ گزر جائے یا رکھ دیا جائے۔اس باب میں حضرت ابوسعید، جابر، اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عامر بن ربیعہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدَنَّ حَتّٰى تُوضَعَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ فِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَقَ قَالَا مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ عَنْ أَعْنَاقِ الرِّجَالِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَتَقَدَّمُونَ الْجَنَازَةَ فَيَقْعُدُونَ قَبْلَ أَنْ تَنْتَهِيَ إِلَيْهِمُ الْجَنَازَةُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

نصر بن علی جہضمی، حسن بن علی، یحیی بن ابی کثیر، ابی سلمہ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم جنازہ دیکھوتو کھڑے ہو جایا کرو تم میں سے جو آدمی جنازے کے ساتھ ہوتو جب تک جنازہ رکھ نہ دیا جائے ہرگز نہ بیٹھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوسعید اس باب میں حسن صحیح ہے امام احمد، اور اسحاق کا یہی قول ہے جنازے کے ساتھ آنے والا شخص اس کے، نیچے رکھے جانے تک نہ بیٹھے۔بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم سے مروی ہے کہ وہ جنازے کے آگے آگے چلتے تھے اور جنازہ پہنچنے سے پہلے بیٹھ جاتے۔امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: قیام للجنازۃ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ، امام اسحاق بن ابراہیمؒ، ابن حبیب مالکیؒ، ابن ماجشون مالکیؒ کے نزدیک جنازہ کے لئے قیام اور عدم قیام دونوں کا اختیار ہے ابن حزم قیام کے استحباب کے قائل ہیں۔ (العرف الشذی)

قول ثانی: امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ جنازہ کیلئے قیام کو منسوخ مانتے ہیں اگر کوئی کھڑا بھی ہو جائے تو اس کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔

قول ثالث: امام اوزاعیؒ، ابن سیرینؒ کے نزدیک جنازہ دیکھنے کے بعد اس کے گزر جانے تک کھڑا رہنا واجب ہے اور جو جنازہ کے ساتھ ہیں وہ جنازہ رکھنے سے پہلے تک کھڑے رہیں۔

امام اوزاعیؒ وابن سیرینؒ کی دلیل اوّل: حدیث الباب حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہے: ’’اذا رأیتم الجنازة فقوموا فمن تبعها فلا یقعدن حتی توضع‘‘۔ دلیل ثانی: پہلی حدیث الباب ہے ’’عن عامر بن ربیعة عن رسول اللہ ﷺ قال: اذا رأیتم الجنازة فقوموا لها حتی تخلفکم او توضع‘‘۔

دلیل ثالث: ابن ماجہ میں روایت ہے ’’عن ابی هريرة قال مر علی النبی ﷺ علیه بجنازة فقام و قال قوموا فان للموت فزعًا‘‘۔

مشترکہ جواب: وہ روایات جن میں قیام للجنازہ کا حکم ہے وہ ساری منسوخ ہیں یا ان دونوں طرح کی احادیث میں تطبیق دی جائے گی کہ جہاں قیام کا حکم ہے استحباب پر محمول ہے اور جہاں پر قیام سے نہی آئی ہے وہاں وجوب کی نفی ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: مسلم شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ’’انه علیه السلام کان یقوم للجنازة ثم جلس‘‘ بعد آپ ﷺ کا پہلے طریقہ تھا کہ آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے پھر جب جنازہ رکھ دیا جاتا یا آگے بڑھ جاتا تو آپ بیٹھ جاتے۔ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی حکم دیا تھا بعد میں آپ کا حکم بدل گیا جنازہ دیکھ کر آپ کھڑے نہیں ہوتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس سے منع کر دیا پس پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔

دلیل ثانی: صحیح ابن حبان میں روایت ہے ’’کان النبی ﷺ یامرنا بالقیام فی الجنائز ثم جلس بعد ذلک و امر بالجلوس‘‘۔ آپ ﷺ تو جب جنازہ دیکھتے تھے ہمیں کھڑا ہونے کا حکم کرتے تھے پھر بعد میں بیٹھ جاتے اور آپ بیٹھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ دلیل ثالث: ’’عن ابی معمر قالت مرّت بنا جنازة فقمت فقال علی من افتاك هذا قلت ابو موسیٰ الاشعری فقال علی رضی اللہ عنہ ما فعله النبی ﷺ الامرة فلا نسخ ذلك نهی عنه‘‘ یعنی جب آپ ﷺ نے اس سے روکا تو ہم رک گئے ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ جائز ہے۔

آپ ﷺ کے قیام کی وجوہات: اوّل: آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر اس لئے کھڑے ہوئے تا کہ وہ آپ کے سر سے بلند ہو کر نہ گزرے اور وہ جنازہ یہودیہ عورت کا تھا اس لئے آپ ﷺ کھڑے ہوئے۔

ثانی: اور بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر کیونکہ جنازے کے ساتھ فرشتے بھی ہوتے تھے۔

ثالث: طحاوی شریف جلد اوّل ص ۲۸۳ میں لکھا ہے کہ آپ ﷺ کا قیام تورات پر عمل کرنے کی وجہ سے تھا۔ (کمافی العرف الشذی)

قیام کی حکمت: جنازہ دیکھ کر کھڑا ہونا اس لئے مشروع تھا کہ موت کو یاد کرنا جو زندگی کو مٹانے والی ہے اور اس موت سے عبرت پکڑنا امر مطلوب ہے مگر چونکہ یہ امر مخفی تھا یعنی کس نے اس موت سے عبرت پکڑی اور کس نے عبرت نہیں پکڑی۔ اس کا پتہ چلانا مشکل تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے جنازہ کے لئے کھڑا ہونے کو متعین کیا تا کہ موت سے لوگوں کی عبرت پذیری کا اندازہ ہوجائے۔

نیز زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا لیکن شریعت میں ایسا قیام ممنوع ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے: ’’لا تقوموا کما یقوم الاعاجم: یعظم بعضها بعضًا‘‘ یعنی عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہو وہ اس طرح کھڑے ہو کر ایک دوسرے کی تعظیم کرتے ہیں اور جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا تعظیم کے لئے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کے لئے ہے آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں لوگ جنازے کے لئے کھڑے ہونے کے جواز کو غیر محل میں استعمال نہ کرنے لگیں ممکن ہے کہ وہ یہ خیال کرنے لگ جائیں کہ جب

مردے کے لئے کھڑے ہونے کا حکم ہے تو زندہ کے لئے بطریق اولیٰ کھڑا ہونا درست ہے۔اس طرح ایک ناجائز کام کا رواج چل پڑے گا اس لئے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے جنازہ کے لئے قیام کو ختم کر دیا گیا۔

بَاب فِي الرُّخْصَةِ فِي تَرْكِ الْقِيَامِ لَهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ وَاقِدٍ وَهُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ مَسْعُودِ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ ذُكِرَ الْقِيَامُ فِي الْجَنَائِزِ حَتَّى تُوضَعَ فَقَالَ عَلِيٌّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَعَدَ وَفِي الْبَاب عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِيهِ رِوَايَةُ أَرْبَعَةٍ مِنَ التَّابِعِينَ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَهَذَا أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هَذَا الْبَابِ وَهَذَا الْحَدِيثُ نَاسِخٌ لِلْحَدِيثِ الْأَوَّلِ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا وَقَالَ أَحْمَدُ إِنْ شَاءَ قَامَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقُمْ وَاحْتَجَّ بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَامَ ثُمَّ قَعَدَ وَهَكَذَا قَالَ إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمَعْنَى قَوْلِ عَلِيٍّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ ثُمَّ تَرَكَ ذَلِكَ بَعْدُ فَكَانَ لَا يَقُومُ إِذَا رَأَى الْجَنَازَةَ.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے جنازہ کی آمد پر اس کے رکھے جانے تک کھڑے رہنے کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع میں کھڑے ہوئے تھے پھر بیٹھنے لگے۔اس باب میں حضرت حسن بن علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں تابعین کرام سے چار روایتیں ہیں جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔اسی پر بعض اہل علم کا عمل ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں اصح ہے اور پہلی حدیث کو منسوخ کرتی ہے جس میں یہ فرمایا گیا کہ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ۔امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو کھڑا ہو ورنہ بیٹھا رہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع میں کھڑے ہوا کرتے تھے لیکن بعد میں بیٹھے رہتے۔امام اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے حضرت علی کی حدیث کا مطلب یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع شروع میں جنازہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن بعد میں آپؐ نے کھڑا ہونا ترک کر دیا اور جب آپ جنازہ دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے۔

تشریح: یہاں پر امام ترمذیؒ ان دونوں ابواب کے متعلق بحث کا خلاصہ ذکر کر رہے ہیں۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں چار تابعین ہیں بعض، بعض سے روایت کرتے ہیں پہلے تابعی یحییٰ بن سعید انصاری ہیں اور اسی حدیث پر بعض اہل علم کا عمل ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس باب کی سب سے اچھی روایت ہے اور یہ حدیث پہلی حدیث ''جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے

ہو جاؤ کے لئے ناسخ ہے''۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر چاہو تو کھڑے نہ ہو اور انہوں نے دلیل پکڑی کہ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے پھر بیٹھے اور یہی اسحاق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں۔ باقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ بیان کر دیا گیا کہ آپ ﷺ جنازہ دیکھ کر پہلے کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَنَصْرُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْكُوفِيُّ وَيُوسُفُ بْنُ مُوسَى الْقَطَّانُ الْبَغْدَادِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا حَكَّامُ بْنُ سَلْمٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا وَفِي الْبَاب عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.

ابو کریب، نصر بن عبدالرحمن کوفی، یوسف بن موسیٰ قطان بغدادی، حکام بن سلم، علی بن عبدالاعلیٰ سے وہ اپنے والد سے وہ سعید بن جبیر سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لئے ہے اور شق دوسرے لوگوں کے لئے ۔اس باب میں حضرت جریر بن عبداللہ، عائشہ، ابن عمر، جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابن عباس اس سند سے غریب ہے۔

تشریح: اللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا: اس روایت کے دو مطلب بیان کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ لحد مسلمانوں کے لئے ہے اور شق یہود و نصاریٰ دوسرے کفار کے لئے ہے اس صورت میں یہ روایت شق پر لحد کی فضیلت پر دال ہوگی۔

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ لحد اہل مدینہ کے لئے ہے اور شق اہل مکہ کے لئے، اس صورت میں کسی ایک کی فضیلت کا بیان نہیں ہوگا بلکہ بیان واقع کے لئے ہوگا کہ مدینہ کی زمین سخت ہونے کی بناء پر لحد کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس لئے اہل مدینہ لحد بناتے تھے اور مکہ کی سر زمین چونکہ ریتلی ہونے کی بناء پر لحد کی صلاحیت نہیں رکھتی اس لئے وہاں شق کو اختیار کیا جاتا ہے ان دونوں میں پہلا مطلب راجح ہے۔

قوله اللَّحْدُ: ''الشق الذی یعمل فی جانب القبر لوضع المیت'' ۔لحد اس کو کہا جاتا ہے جو قبر میں قبلہ کی جانب بنائی جائے۔ اس کو بغلی قبر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں شق ہے۔ کہ قبر کو سیدھا نیچے کی طرف کھودنا اسے صندوق نما قبر بھی کہا جاتا ہے۔

اِن دونوں قبروں میں سے کونسی افضل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دونوں قسم کی قبر جائز ہے۔ اگر زمین سخت ہو تو لحد افضل ہے اور زمین نرم ہو تو شق افضل ہے۔

راجح یہی ہے کہ لحد افضل ہے ''لقوله علیه السلام اللحد لنا والشق لغیرنا'' کہ لحد ہمارے لئے ہے اور شق دوسروں کیلئے ہے۔ آپ ﷺ کی قبر کھودتے وقت صحابہ میں اختلاف ہوا کہ لحد بنائی جائے یا شق۔ پھر مشورہ ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو لحد بنانے میں ماہر تھے اگر پہلے آئے تو لحد بنائی جائے گی اگر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جو شق بنانے میں ماہر تھے پہلے آئے تو شق بنائی جائے گی چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آئے تو آپ ﷺ کیلئے قبر لحد بنائی گئی آپ ﷺ کی لحد قبر کو نو (۹) کچی اینٹوں سے

بند کیا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہی وصیت فرمائی تھی۔ لحد کی فضیلت دو وجہ سے ہے۔

اوّل: لحد بغلی قبر میں میت کا زیادہ اکرام ہے کیونکہ بے ضرورت میت کے چہرے پر مٹی ڈالنا بے ادبی ہے۔

ثانی: اس قبر میں میت مردہ خور جانوروں سے محفوظ رہتی ہے کیونکہ جانور نرم مٹی کھودتا رہتا ہے اور میت ایک جانب ہوتی ہے اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ثالث: بغلی قبر کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں میت کو کروٹ دینے میں آسانی ہو جاتی ہے اور شق میں کروٹ دینے میں مشکل ہوتی ہے۔

بَاب مَا يَقُولُ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ وَقَالَ أَبُو خَالِدٍ مَرَّةً إِذَا وُضِعَ الْمَيِّتُ فِي لَحْدِهِ قَالَ مَرَّةً بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَقَالَ مَرَّةً بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ أَبُو الصِّدِّيقِ النَّاجِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا أَيْضًا.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میت قبر میں رکھتے راوی کہتے ہیں کہ ابوخالد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں جب میت لحد میں رکھی جاتی تو یہ دعا پڑھتے بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ (ترجمہ) ہم اس میت کو اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ کی شریعت پر قبر میں اتارتے ہیں۔ ابوخالد نے دوسری بار یہ دعا روایت کی بِسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور اس کے علاوہ بھی کئی سندوں سے حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے ابوصدیق ناجی نے بھی یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اور ابوبکر ناجی کے واسطے سے بھی حدیث ابن عمر موقوفاً مروی ہے۔

تشریح: میت کو جب قبر میں اتارا جائے تو یہ دعا پڑھی جائے گی ''بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ'' اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ''بسم اللہ وباللہ وعلی سنۃ رسول اللہ'' دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ہر چیز کا تسمیہ جدا ہے۔ وضو کے لئے تسمیہ ''بسم اللہ والحمد للہ'' اور کھانے کا تسمیہ ''بسم اللہ وعلی برکۃ اللہ'' ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے مگر اس سند سے غریب ہے اس لئے کہ اس کو حجاج بن ارطاۃ سے صرف ابوخالد احمر روایت کرتے ہیں اور حجاج صدوق، کثیر الخطأ اور مدلس ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ يُلْقَى تَحْتَ الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ

حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ الطَّائِيُّ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ فَرْقَدٍ قَالَ سَمِعْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ الَّذِي أَلْحَدَ قَبْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبُو طَلْحَةَ وَالَّذِي أَلْقَى الْقَطِيفَةَ تَحْتَهُ شُقْرَانُ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَعْفَرٌ وَأَخْبَرَنِي إِبْنُ أَبِي رَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ شُقْرَانَ يَقُولُ أَنَا وَاللهِ طَرَحْتُ الْقَطِيفَةَ تَحْتَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقَبْرِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ شُقْرَانَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ فَرْقَدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ.

جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ابوطلحہ نے لحد کھودی اور آنحضرت کے غلام شقران نے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے چادر بچھائی جعفر کہتے ہیں مجھے ابن ابی رافع نے بتایا کہ میں نے شقران کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ کی قسم میں نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے چادر بچھائی تھی اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے علی بن مدینی نے بھی یہ حدیث عثمان بن مرقد سے روایت کی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِي قَبْرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيفَةٌ حَمْرَاءُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الْقَصَّابِ وَاسْمُهُ عِمْرَانُ بْنُ أَبِي عَطَاءٍ وَرُوِيَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ الضُّبَعِيِّ وَاسْمُهُ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ وَكِلَاهُمَا مِنْ أَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَرِهَ أَنْ يُلْقَى تَحْتَ الْمَيِّتِ فِي الْقَبْرِ شَيْءٌ وَإِلَى هٰذَا ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ و قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَيَحْيَى عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهٰذَا أَصَحُّ

محمد بن بشار، یحیی بن سعید، شعبہ، ابوجمرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک میں سرخ چادر بچھائی گئی۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ نے اس حدیث کو ابوجمرہ قصاب سے روایت کیا ان کا نام عمران بن ابوعطاء ہے اور ابوحمزہ سے بھی روایت ہے ان کا نام نصر بن عمران ہے۔ یہ دونوں حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ میت کے نیچے قبر میں کچھ بچھانا مکروہ ہے بعض اہل علم کا یہی مذہب ہے۔

تشریح: اس حدیث کی بناء پر شوافع کا یہ قول ہے کہ قبر میں میت کے نیچے چادر وغیرہ بچھانے کی گنجائش ہے لیکن امام شافعیؒ سمیت

جمہور اس کی کراہت کے قائل ہیں اس لئے کہ صحیح روایات کے مطابق نبی کریم ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ عمل ثابت نہیں۔

قوله قَطِيفَةٌ حَمْرَاءُ: یہ وہ چادر تھی جس کو آپ ﷺ اٹھتے بیٹھتے بچھاتے اور پہنتے تھے۔ آپ کے موالی میں سے ایک مولی شقران نے آپ ﷺ کی قبر میں بچھادی تھی۔ لیکن بعض ائمہ کرام کے نزدیک چادر بچھانا مکروہ ہے۔ جیسا کہ ترمذی میں ہے "مکروہ ان يلقى تحت الميت فى القبر شئ" کیونکہ اس میں مال کا اسراف بھی ہے اور ضیاع بھی جبکہ حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا "لا تجعلوا بيني وبين الارض شيئا" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے چادر بچھانا ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں۔ باقی آپ ﷺ کی قبر میں جو چادر بچھائی گئی اُس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جواب اوّل: یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔ ایسا ہی دارقطنی نے بھی ذکر کیا۔

جواب ثانی: علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ جیسا کہ بعض احکام دنیا میں آپ ﷺ ممتاز تھے اسی طرح بعض احکام موت میں بھی ممتاز ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے "ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء" زمین نہ انبیاء کا جسم کھاتی ہے نہ کفن کو لہٰذا اس میں مال کی بربادی نہیں جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد ایک سال یا چھ ماہ تک عصا کے سہارے کھڑے رہے دیمک نے عصاء کو کھایا لیکن زمین نے آپ کے قدم کو نہیں کھایا نہ آپ کا لباس خراب ہوا لیکن بعض حضرات نے کہا کہ اس چادر کے بچھانے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے شقران کیساتھ سخت معارضہ کیا کہ انہوں نے وہ چادر قبر مبارک میں کیوں رکھی ③ بعض حضرات حضرت ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا کہ وہ چادر دفن سے پہلے نکال لی گئی تھی اسکی طرف حافظ عراقی نے اشارہ کیا۔

وفرشت فى قبره قطيفة   وقيل اخرجت و هذا اثبت

شعر کا ترجمہ: آپ ﷺ کی قبر میں چادر بچھائی گئی۔ اور کہا گیا کہ (آپ ﷺ کے دفن سے) پہلے نکال لی گئی اور یہی صحیح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَسْوِيَةِ الْقُبُورِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ أَنَّ عَلِيًّا قَالَ لِأَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ وَلَا تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ أَنْ يُرْفَعَ الْقَبْرُ فَوْقَ الْأَرْضِ قَالَ الشَّافِعِيُّ أَكْرَهُ أَنْ يُرْفَعَ الْقَبْرُ إِلَّا بِقَدْرِ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مهدی، سفیان، حبیب بن ابی ثابت ابی وائل سے روایت ہے کہ حضرت علی نے ابوہیاج اسدی سے فرمایا میں تمہیں، اس کام کے لئے بھیج رہا ہوں جس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا کہ تم کسی اونچی قبر کو زمین کے برابر کئے بغیر نہ چھوڑو اور نہ کسی تصویر کو مٹائے بغیر چھوڑو۔ اس باب میں حضرت جابر سے بھی روایت ہے امام ابوعیسی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کی حدیث حسن ہے اور بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ قبر کو زمین سے بلند کرنا حرام ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ قبر کو زمین سے اونچا کرنا حرام ہے البتہ اتنی اونچی کی جائے جس سے اس کا قبر ہونا معلوم

مَا يُعْرَفُ أَنَّهُ قَبْرٌ لِكَيْلَا يُوطَأَ وَلَا يُجْلَسَ عَلَيْهِ. ہوتا کہ لوگ اس پر چلیں یا بیٹھیں نہیں۔

تشریح: **قَبْرًا مُشْرِفًا**: سے مراد وہ قبر ہے جو مقدار مسنون سے قدرے اونچی ہو زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ قبروں پر با قاعدہ عمارت بنالیتے تھے اور انہیں بہت زیادہ اونچا کر دیتے تھے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ لہٰذا اس روایت میں تسویہ سے مراد بالکل زمین کے برابر کر دینا مراد نہیں جیسا کہ بعض اہل ظواہر نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اس کو قاعدے کے مطابق لایا جائے۔

اس پر چند احادیث بطور استدلال کے پیش کی جاتی ہیں۔

اوّل: سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۴۵۹ ''باب تسوية القبر'' میں حضرت قاسم محمد بن ابی بکر کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت ﷺ اور شیخین کی قبریں دیکھنے کی فرمائش کی اس کے بارے میں وہ فرماتے ہیں ''فكشف لي عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطئة'' یعنی وہ قبریں نہ اونچی تھیں اور نہ زمین کے برابر تھیں۔

ثانی: صحیح ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''أنه الحد لرسول الله ﷺ لحدًا و نصب عليه اللبن نصبا ورفع قبره عن الارض قدر شبره'' (التلخیص الحبیر جلد ۲ ص ۱۳۲)

ثالث: ابوداؤد شریف میں صالح بن ابی صالح سے روایت ہے ''رأيت قبر النبي ﷺ شبرًا او نحوا من شبر يعنى فى الارتفاع'' (باب الدفن ص۱۸)

بخاری شریف جلد اوّل ص ۸۶ میں سفیان تمار کی روایت ہے ''أنه رأى قبر النبي ﷺ مسنمًا''۔

ان روایات میں قبر کو ایک حد تک بلند کرنے کی اجازت معلوم ہوئی البتہ ایک بالشت سے زیادہ قبر کو بلند کرنا مکروہ ہے۔ جو قبر ایک شبر سے زائد بلند ہو تو اس کو ایک بالشت تک لے آنا مستحب ہے حدیث باب میں ''لا تدع قبرًا مشرفا الا سويته'' اسی پر محمول ہے۔

قبروں کو ایک بالشت اونچا کرنے کی ہیئت کیا ہوگی؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ، اور سفیان ثوریؒ کا مسلک یہ ہے کہ قبر کو کوہان نما بنایا جائے گا۔

قول ثانی: جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کو مسطح اور مربع بنایا جائے گا۔ (المغنی جلد ۲ ص ۵۰۵ فصل و تسنيم القبر أفضل من تسطيه بدائع الصنائع جلد ا ص ۳۰۲ فصل و اما سنن الدفن)

امام شافعیؒ کی دلیل: ''بلغنا أن رسول الله ﷺ سطح قبر ابنه ابراهيم'' نیز حدیث میں ''الا سويته'' کو بھی مسطح بنانے پر محمول کرتے ہیں۔ (نصب الرایۃ جلد ۲ ص ۳۰۵)

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ماقبل بخاری شریف میں سفیان تمار کی روایت ہے ''انه رأى قبر النبي ﷺ مسنماً'' (جلد ا ص ۸۶ باب ما جاء فى قبر النبى ﷺ و ابى بكر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ)

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں سفیان تمار ہی کی روایت ہے فرماتے ہیں 'دخلت البيت الذى فيه قبر النبى ﷺ فرأيت قبر النبى ﷺ و قبر ابى بكر و عمر مسنمة'' اس حدیث کی سند صحیح ہے جیسا کہ اعلاء السنن جلد ۸ ص ۲۷۱ ''باب النهى عن تربيع القبور و اختيار تسنيمها'' میں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْمَشْيِ عَلَى الْقُبُورِ وَالْجُلُوسِ عَلَيْهَا وَالصَّلَاةِ إِلَيْهَا

تشریح: بعض نسخوں میں کراھیۃ المشی کی جگہ کراھیۃ الوطی کے الفاظ آتے ہیں۔ وطی کے معنی ہیں روندنا اور چلنا قبروں میں ایسا نہیں چلنا چاہیے جس کی بناء پر قبروں کو روندا جائے یا ان کی توہین کی جائے اور نہ ہی ان کی اتنی تعظیم کی جائے۔ الحاصل افراط اور تفریط دونوں سے بچا جائے۔ نہ تو ان کی توہین کی جائے اور نہ ہی ان کی اتنی تعظیم کہ ان کو پوجنا شروع کر دیا جائے۔ یا افراط کا مطلب یہ ہے کہ قبروں کی اتنی تعظیم کی جائے کہ ان پر گنبد نما بنایا جائے ان کو پختہ بنایا جائے ان کے اوپر کتبہ لگایا جائے ان پر پھول ڈالے جائیں چادریں چڑھائی جائیں اور ان پر اگربتیاں جلائی جائیں اور ان پر روشنی کی جائے۔ یہ تمام افعال شرکیہ اور افراط میں شامل ہیں۔

تفریط یہ ہے کہ ان کو روندا جائے اور ان پر چلا جائے اور ان پر بیٹھا جائے اور قبروں پر گندگی پھینکی جائے۔

ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر تیسرا راستہ اعتدال کا ہے کہ دل میں قبور کی قدر و منزلت ہو اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو سنت سے ثابت ہے۔ یعنی قبروں کی زیارت کے لئے جانا تا کہ آخرت یاد آئے اور ایصال ثواب کرنا اور قبرستان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرنا۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا. وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَبَشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ عَنْ أَبِي مَرْثَدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَيْسَ فِيهِ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ وَهٰذَا الصَّحِيحُ قَالَ أَبُو عِيسَى قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ ابْنِ الْمُبَارَكِ خَطَأٌ أَخْطَأَ فِيهِ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَزَادَ فِيهِ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ وَإِنَّمَا هُوَ

حضرت ابو مرثد غنوی ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھو۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، عمرو بن حزم، بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے محمد بن بشار نے بواسطہ عبدالرحمٰن بن مہدی، عبداللہ بن مبارک ؒ سے اسی سند کے ساتھ اسی کے مثل روایت کی ہے۔

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی عبداللہ بن مبارک سے اسی سند سے نقل کرتے ہیں علی بن حجر نے ابو عمار سے انہوں نے والید بن مسلم سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر سے انہوں نے بسر بن عبیداللہ سے انہوں نے بواسطہ واثلہ بن اسقع ابو مرثد غنوی سے اس کی مثل مرفوع حدیث روایت کی ہے اور اس میں ابو ادریس کا واسطہ مذکور نہیں اور یہی صحیح ہے۔ امام ابو عیسٰی ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے فرمایا کہ ابن مبارک کی اس حدیث میں ان سے خطاء ہوئی انہوں نے اس میں ابو ادریس خولانی کا نام زیادہ ذکر کیا ہے

بُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ هٰكَذَا رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ وَلَيْسَ فِيهِ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ وَبُسْرُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ قَدْ سَمِعَ مِنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ

حالانکہ بسر بن عبید اللہ بلاواسطہ واثلہ بن اسقع سے روایت کرتے ہیں کئی راوی عبدالرحمٰن بن جابر سے اسی طرح روایت کرتے ہیں اور وہ ابوادریس خولانی کا نام ذکر نہیں کرتے۔ بسر بن عبید اللہ نے واثلہ بن اسقع سے احادیث سنی ہیں۔

تشریح: لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ: قبروں پر بیٹھنے کی ممانعت کے دومطلب ہیں۔

① ایک یہ کہ مجاور بن کر بیٹھنا یا مراقبہ کرنا اس صورت میں یہ افراط کے حکم میں ہوگا

② قبروں پر آرام کے لئے یا استنجاء کے لئے بیٹھنا اس صورت میں یہ تفریط کے حکم میں ہوگا۔

قَالَ أَبُو عِيسٰى قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ ابْنِ الْمُبَارَكِ خَطَأٌ: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ابن المبارک کی حدیث میں خطا ہے انہوں نے ابوادریس خولانی کا واسطہ بڑھا کر غلطی کی ہے۔ صحیح سند بسر بن عبید اللہ عن واثلہ بن الاسقع ہے۔ بہت سارے حضرات نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابرؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے ان کی سندوں میں عن ابی ادریس الخولانی نہیں ہے۔ بسر بن عبید اللہ نے واثلہ بن الاسقع سے حدیث سنی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَجْصِيصِ الْقُبُورِ وَالْكِتَابَةِ عَلَيْهَا

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ أَبُو عَمْرٍو الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهَا وَأَنْ تُوطَأَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ فِي تَطْيِينِ الْقُبُورِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا بَأْسَ أَنْ يُطَيَّنَ الْقَبْرُ.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر لکھنے ان پر تعمیر کرنے اور ان پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابرؓ سے مروی ہے بعض اہل علم جن میں حضرت حسن بصریؒ بھی شامل ہیں قبروں کو گارے سے لیپنے کی اجازت دیتے ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ: قبر پر گچ کرنے کی دوصورتیں ہیں ① قبر کی چنائی گچ سے کی جائے ② یا قبروں پر گچ کیا جائے دونوں مکروہ تحریمی اور ممنوع ہیں۔

قولہ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهَا: علامہ تورپشتیؒ نے کہا کہ قبروں پر تعمیر دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ ① اینٹ وغیرہ سے عمارت وغیرہ تعمیر کی جائے ② قبر پر خیمہ وغیرہ کھڑا کیا جائے۔ دونوں ہی صورتیں ممنوع ہیں۔ اس منع کا سبب یہ ذکر کیا گیا کہ یہ جاہلیت کا فعل ہے کہ کفار میت پر دس دس دن تک سے لے کر ایک سال تک سایہ کرتے تھے۔ کفار کی مشابہت سے بچنے کیلئے منع فرمادیا۔

وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا: قبروں میں اللہ اور رسول کا نام اور قرآن کی آیات لکھنا مکروہ ہے تاکہ پاؤں کے نیچے آنے سے ان کی بے حرمتی نہ ہو۔ البتہ کسی تختی وغیرہ پر صرف میت کا نام کندہ کرا کر اس کی قبر پر شناخت کے لئے لگانا درست ہے۔

بَاب مَا يَقُولُ الرَّجُلُ إِذَا دَخَلَ الْمَقَابِرَ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّلْتِ عَنْ أَبِي كُدَيْنَةَ عَنْ قَابُوسَ بْنِ أَبِي ظَبْيَانَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمَدِينَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ وَفِي الْبَاب عَنْ بُرَيْدَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو كُدَيْنَةَ اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ الْمُهَلَّبِ وَأَبُو ظَبْيَانَ اسْمُهُ حُصَيْنُ بْنُ جُنْدُبٍ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ کے قبرستان سے گزرے تو قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا (السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ يَغْفِرُ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ) (ترجمہ) اے قبر والو تم پر سلام ہو اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم سے پہلے پہنچے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ اس باب میں حضرت بریدہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن غریب ہے ابوکدینہ کا نام یحییٰ بن مہلب ہے اور ابوظبیان کا نام حصین بن جندب ہے۔

تشریح: زیارت قبور کے وقت اولاً قبور کی طرف رخ کیا جائے پھر سلام کیا جائے اس کے بعد قبرستان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کی جائے اور اپنے لئے بھی دعائے مغفرت کی جائے۔ لوگ عام طور پر قبر والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں اور خود کو بھول جاتے ہیں باقی زیارت قبور کا مقصد موت کو یاد کرنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبرستان داخل ہونے پر یہ دعا پڑھی ''السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا و نحن بالاثر'' دوسری احادیث میں یہ الفاظ مذکور ہیں'' السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین و یرحم الله المستقد مین منّا والمستاخرین وإنا ان شاء الله بکم لاحقون'' اسی طرح اور دعائیں بھی منقول ہیں یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے کتاب الاستذکار اور تمہید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے اگر وہ دنیا میں اس کو جانتا تھا تو وہ اس کے سلام کا جواب دے گا۔ اسی طرح ابن ابی الدنیا نے ایک روایت نقل کی ہے جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے قریب سے گزرتا ہے اور صاحب قبر کو جانتا بھی ہے اور وہ اس کو سلام کہتا ہے تو اس کے سلام کا جواب دیا جاتا ہے اور اگر وہ ایسی قبر کے پاس سے گزرے جس کو وہ نہیں جانتا لیکن پھر بھی اس نے صاحب قبر کو سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دیا جاتا ہے اگرچہ وہ اس کو نہ پہچانتا ہو۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۴)

وَأَبُو كُدَيْنَةَ: کا نام یحییٰ بن المهلب ہے اور قابوس کے والد ابوظبیان کا نام حصین بن جندب ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ النَّبِيلُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَقَدْ أُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ بُرَيْدَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ بِزِيَارَةِ الْقُبُورِ بَأْسًا وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا بلاشبہ اب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی پس تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، ابن مسعود، انس، ابوہریرہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث بریدہ حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابن مبارک، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: ابتداء اسلام میں زیارت قبور کے لئے قبرستان جانا مطلقاً ممنوع تھا اور یہ ممانعت حضور اقدس ﷺ کے لئے بھی تھی آپ کی اپنی والدہ کی قبر پر حاضری کی بڑی خواہش تھی مگر اللہ کی طرف سے اجازت نہیں تھی کچھ عرصہ کے بعد آپؐ کو والدہ ماجدہ کی قبر پر حاضری کی اجازت مل گئی اس سے آپؐ نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ جب ایک قبر پر جانے کی اجازت مل گئی تو امت کیلئے بھی ممانعت مرتفع ہوگئی۔ لہٰذا اب ہر شخص قبر کی زیارت کرسکتا ہے۔

آپ ﷺ جب مکہ فتح کر کے واپس آرہے تھے تو آپ ﷺ نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اجازت دیدی۔ پھر آپ ﷺ نے والدین کیلئے استغفار کیا۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی... الایۃ"۔ عدم استغفار کی حکمت کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ استغفار کے عدم اذن کی حکمت یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اتمام نعمت کی حجت کو پورا کرنے کیلئے اللہ پاک آپ کے والدین کو زندہ کریں گے تاکہ وہ اکابر مومنین میں شامل ہو جائیں۔ آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے والدین کے زندہ کرنے تک استغفار سے منع کیا ہے۔ کہ جب وہ ایمان لے آئیں گے تو پھر آپ ﷺ ان کیلئے کامل استغفار کریں گے۔ منع کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپؐ کو دیکھ کر اور لوگ اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار نہ شروع کردیں۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۳) اسی وجہ سے بعض حضرات نے آپ ﷺ کے والدین کیلئے اسلام کو ثابت کیا ہے چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ کی اس پر تصنیف بھی ہے۔ الحاصل راجح یہی ہے کہ آپ ﷺ کے والدین کو زندہ کیا جائے گا اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے بعد وہ جنت میں داخل ہونگے)۔

نیز ابتداءً زیارت قبور سے ممانعت اس وجہ سے تھی کہ لوگوں کے دلوں میں ابھی توحید اچھی طرح راسخ نہیں ہوئی تھی اس لئے اس بات کا اندیشہ تھا کہ لوگوں میں قبر پرستی کا سلسلہ شروع نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب امت محمدیہ میں توحید اچھی طرح راسخ ہوگئی ایمان متزلزل ہونے کا اندیشہ ختم ہو گیا تو لوگوں کو قبرستان جانے کی اجازت دے دی گئی۔ قبرستان میں جانے کا جواز اس لئے بھی ہے کہ اس سے آدمی کو اپنی موت یاد آتی ہے اور انسان اس سے عبرت حاصل کرتا ہے اور دُنیا کی زندگی سے تھوڑا سا کٹ جاتا ہے اور اس کو آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

موجودہ زمانہ میں لوگوں کے اندر زیارت قبور کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ لوگ سال کے بعد محرم کے مہینے میں جا کر قبر پر پھول وغیرہ ڈال کر سمجھتے ہیں کہ پورے سال کا حق ادا کر دیا ہے۔ بعض اوقات لوگ دوسرے لوگوں کی ضد میں آ کر قبرستان جانا ہی ترک کر دیتے ہیں یہ بھی نہیں ہونا چاہیے۔ زیارت قبور مامور بہ ہے اس میں اموات کا بڑا فائدہ ہے۔ اور زندوں کا بھی بڑا فائدہ ہے۔

حدیث الباب میں جو فزوروھا کا صیغہ ہے وہ امر ہے لیکن اباحت اور ندب کے لئے ہے چنانچہ جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کے لئے زیارت قبور مسنون و مستحب ہے واجب نہیں۔ اس بارے میں مختصر سا اختلافی مسئلہ دیکھ لیں۔

مسئلہ: زیارت قبور کی شرعی حیثیت: اس کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک ایک مرتبہ زیارت قبور واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک زیارت قبور مستحب ہے۔

ابن حزم کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ ''نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا'' یہاں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ **جمہورؒ کی دلیل:** یہی حدیث ہے استدلال اس طرح ہے کہ فقہ کا اصول ہے کہ نہی کے بعد جو امر آتا ہے اس سے اباحت یا زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوتا ہے۔ وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيْ كَرَاهِيَةِ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ أَنْ يُرَخِّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِي رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی زیارت کے لئے بکثرت جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم کے نزدیک یہ اس وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت نہیں دی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دیدی تو یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عورتوں کے لئے قبروں

كُرِهَ زِيَارَةُ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَاءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ. کی زیارت اس لئے مکروہ ہے کہ ان میں صبر کم اور رونا پیٹنا، چیخنا، چلانا زیادہ ہوتا ہے۔

تشریح: مسئلہ: عورتوں کے لئے زیارت قبور کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے۔ اسی وجہ سے امام نوویؒ نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے جانا مکروہ ہے۔ چونکہ عورتوں میں جزع فزع کرنے کی وجہ سے صبر نہیں ہوتا اس لئے ان کا قبروں پر جانا درست نہیں بعض نے علی الاطلاق اس کو مکروہ کہا ہے۔

قول ثانی: حنفیہ کے نزدیک اس میں دو روایتیں ہیں ایک عدم جواز کی اور دوسری جواز کی۔ عدم جواز کی دلیل تو یہی حدیث الباب ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ زیارت قبور عورتوں کے لئے بھی بغیر کراہت کے جائز ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے "الاصح أنه لا بأس به" (كتاب الاشربة باب الرخصة في زيارة القبور)۔

دلائل جواز: دلیل اول: اس قول کی تائید پچھلے باب میں حضرت بریدہؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں ممانعت کے بعد "فزروها" کا حکم دیا گیا جو مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ عورتیں تمام احکام میں مردوں کے تابع ہوتی ہیں۔

دلیل ثانی: مستدرک حاکم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "أنّ فاطمة بنت النبي ﷺ كانت تزور قبر عمها حمزة كل جمعة فتصلي و تبكي عنده" لیکن اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی سلیمان ہے جو کہ منکر راوی ہے۔ (مستدرک جلد ۱ ص ۳۷۷ کتاب الجنائز)

دلیل ثالث: مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: "كيف اقول لهم يا رسول الله؟ قال: قولي: السلام على اهل الديار من المؤمنين والمسلمين ويرحم الله المستقدمين والمستأخرين وانا ان شاء الله بكم لاحقون" (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۱۴ کتاب الزکوۃ)

دلیل رابع: بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال: مر النبي ﷺ بامرأة تبكي عند قبر، فقال: اتق الله واصبري، قالت: إليك عني فانك لم تصب بمصيبتي ولم تعرفه فقيل لها انه النبي ﷺ فأتت باب النبي ﷺ فلم تجد عنده بوابين فقالت: لم اعرفك فقال: انما الصبر عند الصدمة الاولى" اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس عورت کو صبر کی تلقین تو کی لیکن زیارت قبر کی وجہ سے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

دلیل عدم جواز: حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت ہے کہ "ان رسول الله ﷺ لعن زوارات القبور"۔ اس میں آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ قاضی ابو زید سے کسی نے عورتوں کا قبروں پر جانے کیلئے پوچھا کہ ان کا قبروں پر جانا جائز ہے کہ نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ تم جواز و عدم جواز کو چھوڑو یہ پوچھو کہ قبرستان میں جانے والی عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح شاہ محمد اسحاق فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ عورتوں کا قبروں پر جانا مکروہ تحریمی ہے۔

جواب اوّل: یہ نہی رخصت سے پہلے تھی۔ لیکن جب رخصت آ گئی تو یہ نہی منسوخ ہو گئی بہر حال عورتوں کا کثرت سے قبور پر جانا تو

منع ہے لیکن ایک دو دفعہ کی اجازت ہے لیکن مرد کیلئے کثرت سے جانا مشروع ہے یہ حکم عام قبور کا ہے باقی عورتوں و مردوں کیلئے روضۂ رسول ﷺ پر جانا جائز ہے۔ زیارت قبور کی بھی کئی صورتیں ہیں بعض صورتیں جائز ہیں بعض جائز نہیں۔ ① آخرت کی یاد دہانی کیلئے زیارت قبول کیلئے جانا جائز ہے ② ایصال ثواب کیلئے بھی جانا جائز ہے ③ حصول برکت وسعادت کیلئے یہ بھی جائز ہے لیکن اس میں ان سے نہ مدد طلب کی جائے اور نہ ہی غیر شرعی امور کئے جائیں ④ مزارات اور قبور پر جا کر منت ماننا، چادریں چڑھانا یہ بالاتفاق ناجائز ہے۔

جواب ثانی: حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ احوال کے مختلف ہونے سے حکم بھی بدل جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر عورتوں میں کثرت جزع فزع، بے پردگی، مردوں سے اختلاط یا بدعات کے ارتکاب یا کسی اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر ممانعت راجح ہے اور اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔ اگلے باب میں اس کی تائید آرہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الزِّيَارَةِ لِلْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِالْحُبْشِيِّ قَالَ فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ فِيهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَالِكًا لِطُولِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ.

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ حبشہ میں فوت ہوگئے تو ان کو مکہ مکرمہ لا کر دفن کیا گیا، پھر جب حضرت عائشہؓ عبدالرحمٰنؓ کی قبر پر آئیں تو فرمایا "ہم دونوں اس طرح تھے جس طرح بادشاہ جزیمہ کے دو ہم نشین جو ایک مدت تک اکٹھے رہے ہوں یہاں تک کہ کہا جانے لگا یہ کبھی جدا نہ ہوں گے لیکن جب ہم جدا ہوئے تو ایسا محسوس ہوا گویا کہ مدت دراز تک اکٹھا رہنے کے باوجود میں نے اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے نہیں گزاری" پھر فرمایا اللہ کی قسم اگر میں وہاں ہوتی تو تمہیں تمہاری وفات کی جگہ ہی دفن کراتی اور اگر تمہاری موت کے وقت میں موجود ہوتی تو تمہاری قبر پر نہ آتی۔

تشریح: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے مراد ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ حبشی یہ مکہ کے نشیبی علاقوں میں نعمان اراک کے پاس ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ کے اطراف میں کسی جانب واقع ہے۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حج کیلئے سفر کیا تو راستہ میں بھائی کی قبر نظر آئی اتریں اور مذکورہ اشعار پڑھے۔ یہ اشعار اصل میں تمیم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے تھے اس کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رسول کریم ﷺ کی توہین کی وجہ سے قتل کردیا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ عراق میں ایک بادشاہ جزیمہ نام کا گزرا ہے۔ اس بادشاہ کے دو ہم نشین تھے جو دونوں بھائی تھے۔ ان دونوں بھائیوں میں ایک کا نام مالک دوسرے کا نام عُقیل تھا۔ یہ دونوں بھائی چالیس سال کی طویل مدت تک جزیمہ بادشاہ کے ہم نشین رہے۔ چنانچہ ان دونوں بھائیوں کو نعمان نے مار ڈالا۔ ان

کے قتل کا بھی عجیب واقعہ ہے جو مقامات میں موجود ہے۔

اسی طرح مالک بن نویرہ کے قتل ہونے کے بعد اس کے بھائی تمیم نے یہ مرثیہ پڑھا۔ حدیث کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کی قبر پر آنے کا عذر بیان کر رہی ہیں کہ عورتوں کیلئے چونکہ زیارت قبور جائز نہیں اس لئے میں بھی مستقلاً نہیں آئی بلکہ قبر راستہ میں نظر آ گئی اس لئے میں بھی سواری سے اُتر پڑی کہ میں تیری آخری ملاقات پر نہیں آ سکی اور ساتھ یہ فرما رہی ہیں کہ اگر میں تیری وفات کے وقت موجود ہوتی تو تم کو وہیں دفن کراتی جہاں تم فوت ہوئے نقل کی اجازت نہ دیتی۔

مسئلہ: میت کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کرنے کا حکم: اس بارے میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: بعض حضرات کے نزدیک یہ مکروہ ہے۔ **قول ثانی:** بعض حضرات کے نزدیک یہ جائز ہے۔

قول ثالث: ایک دو میل شہر سے باہر لے جانے میں حرج نہیں اس سے زائد مکروہ ہے۔

قول رابع: ایک قول یہ ہے کہ مادون السفر لے جانے کی گنجائش ہے۔

قول خامس: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پسندیدہ نہیں الا یہ کہ مکہ و مدینہ اور بیت المقدس میں سے کسی سے قریب ہو تو اس صورت میں منتقل کر دینا درست ہے۔

قول سادس: امام محمدؒ کے نزدیک میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا گناہ اور معصیت ہے۔

بہر حال احناف کے نزدیک ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل کر دینا جائز نہیں الا یہ کہ وہ مقام ایک یا دو میل کے فاصلے پر ہو۔ دفن کے بعد میت کو نکال کر لے جانا ہر حالت میں نا جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو السَّوَّاقُ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْيَمَانِ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ خَلِيفَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ أَرْطَاةَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا فَأُسْرِجَ لَهُ سِرَاجٌ فَأَخَذَهُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْآنِ وَكَبَّرَ عَلَيْهِ أَرْبَعًا وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَيَزِيدَ بْنِ ثَابِتٍ وَهُوَ أَخُو زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَكْبَرُ مِنْهُ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَقَالَ يُدْخَلُ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ مِنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبر میں (تدفین کے لئے) رات کے وقت اترے تو آپؐ کے لئے چراغ سے روشنی کی گئی آپؐ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تم بہت نرم دل اور قرآن کی کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے آپؐ نے اس کے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔ اس باب میں حضرت جابر اور یزید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے یزید، زید بن ثابت کے بڑے بھائی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابن عباسؓ حسن ہے بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے فرماتے ہیں کہ میت کو قبلے کی طرف سے قبر میں اتارا جائے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ (سر کی

قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ بَعْضُهُمْ يُسَلُّ سَلًّا وَرَخَّصَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الدَّفْنِ بِاللَّيْلِ . طرف سے قبر میں) کھینچ لیں اکثر اہل علم نے رات کو دفن کرنے کی جازت دی ہے۔

تشریح: مسئلہ: میت کو رات کے وقت دفن کرنا جائز ہے؟ یہاں پر مختصر طور پر اختلافی مسئلہ سمجھ لیں۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک میت کو رات کے وقت دفنانا جائز ہے۔

قول ثانی: حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ اور قتادہؒ کے نزدیک رات کو دفنانا مکروہ ہے امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

قول ثالث: ابن حزم ظاہریؒ کے نزدیک رات کو دفنانا جائز ہی نہیں الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو۔

حسن بصریؒ اور ابن حزمؒ کی دلیل اوّل: طحاوی شریف میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے ''ان رجلا من بنی عذرة دفن ليلًا و لم يصل عليه النبی ﷺ فنهی عن الدفن ليلًا''۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے ''ان النبی ﷺ قال لا تدفنوا موتاكم بالليل'' (جلد ۱ص ۲۴۷)

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل: جمہور حضرات کی دلیل یہی حدیث الباب ہے۔

دلیل ثانی: بخاری شریف (ج ۱ص ۱۷۸ باب الدفن بالليل) میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے'' قال صلی النبی ﷺ علی رجل بعد ما دفن بليلة قام هو و اصحابه وكان سأل عنه ، فقال: من هٰذا؟ قالوا: فلان، دفن البارحة، فصلوا عليه'' اگر میت کو رات میں دفن کرنے میں کوئی کراہت ہوتی تو آپؐ اس موقع پر ضرور نکیر فرماتے۔

دلیل ثالث: رات کو دفن کرنا خود آنحضرت ﷺ کے عمل سے ثابت ہے چنانچہ سنن ابی دوٗد ج ۲ ص ۱۵۴ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے'' رأى ناس نارًا فی المقبرة، فأتوها، فاذا رسول الله ﷺ فی القبر، و اذا هو يقول ناولونی صاحبكم''

اس کے علاوہ رات کے وقت نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو دفن کیا گیا۔

حسن بصریؒ اور ابن حزمؒ ظاہری کی دلیل کا جواب: جن روایات میں رات کو دفنانے سے ممانعت یا کراہت کا ذکر ہے تو ان کا جواب یہ ہے کہ وہ ممانعت رات کے وقت دفنانے کی کراہت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ آپ ﷺ اپنے زمانے میں فوت ہونے والے تمام مؤمنین کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد تھا: ''لا أعرفن ما مات منكم ميت ما كنت بين اظهركم الا أذنتمونی به فان صلاتی عليه رحمة'' اور رات کو دفنانے میں چونکہ خطرہ تھا کہ آپؐ کے آرام میں خلل کے باعث صحابہؓ حضورؐ کو اطلاع نہ کریں۔ اس لئے آپؐ نے ممانعت کردی کہ رات کو کوئی کسی کو دفن نہ کرے۔

فَأُسْرِجَ لَهُ سِرَاجٌ : جب میت کو رات کے وقت دفن کریں گے تو ظاہر بات ہے کہ روشنی کا انتظام کرنا پڑے گا۔ اس میں ممانعت نہیں البتہ زینت کے لئے چراغاں کرنا یہ درست نہیں۔

باقی حدیث میں میت کے ساتھ جو آگ لے جانے کی ممانعت آئی ہے وہ اس کا مصداق نہیں بلکہ اس سے مراد وہ آگ ہے جو ہندو میت کو جلانے کے لئے ساتھ لے جاتے ہیں۔ ایسی آگ کی ممانعت ہے۔ اور چراغاں والی آگ سے بھی ممانعت ہے۔ باقی جو روشنی کسی مقصد سے کی جائے اس میں کوئی حرج نہیں۔

فَأَخَذَهُ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ : مسئلہ: میت کو قبر میں کس جانب سے اتارا جائے گا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک میت کو قبلہ کی جانب سے قبر میں داخل کرنا افضل ہے جس کی صورت یہ ہے کہ جنازہ کو قبر سے قبلہ کی جانب میں رکھا جائے اور پھر اس کو اسی جانب سے عرضاً قبر میں اتارا جائے۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۸ فصل وأماسنۃ الدفن)

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سل افضل ہے اس کی صورت یہ ہے کہ میت کو قبر کی پائنتی کی جانب اس طریقہ سے رکھا جائے کہ میت کا سر قبر کی پائنتی کے ساتھ ہو پھر اس کو قبر میں کھینچا جائے اس طور پر کہ سر پہلے قبر میں داخل ہو اور پاؤں بعد میں۔

امام شافعیؒ کی دلیل اول: سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۴۵۸ "باب کیف یدخل المیت قبرہ" میں ابو اسحاق کی روایت ہے "قال اوصی الحارث أن یصلی علیہ عبداللہ بن یزید فصلی علیہ، ثم ادخلہ القبر من قبل رجلی القبر وقال: ھٰذا من السنۃ"

دلیل ثانی: امام شافعیؒ کا استدلال مسند شافعی ہی کی ایک روایت سے ہے عن ابن عباس قال: سل رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من قبل رأسہ۔

جواب اوّل: مسند شافعیؒ کی روایت کا جواب: اوّل تو اس کی سند ضعیف ہے اگر اس کی سند درست بھی ہو تب بھی یہ خود آنحضرت ﷺ کے فعل کے مقابلے میں حجت نہیں، اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ ﷺ کو دفناتے وقت سل پر عمل کرنا ضرورت کی وجہ سے تھا۔

جواب ثانی: حجرہ شریف میں اتنی وسعت نہ تھی کہ آپ ﷺ کو قبلہ کی طرف سے قبر میں اتارا جاتا۔ کیونکہ آپ ﷺ کی قبر مبارک حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا مبارکہ کی دیوار سے ملی ہوئی ہے

جواب ثالث: آپ ﷺ کو قبر میں اتارنے کی کیفیات میں اضطراب ہے جیسے مسند شافعی کی روایت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ کو سر مبارک کی طرف سے قبر میں اتارا گیا۔ جبکہ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارا گیا تھا سر کی طرف سے نہیں اتارا گیا تھا لہٰذا دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے تو اصول ہے "اذا تعارضا تساقطا"۔ بہرحال راجح یہی ہے کہ قبلہ کی طرف سے میت کو قبر میں داخل کیا جائے۔

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "فأخذہ من قبل القبلۃ"۔

اعتراض: اس میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے جو مدلس راوی ہے یہاں اس نے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ عنعنہ ذکر کیا ہے۔

جواب: اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن قرار دیا ہے جو کہ اس حدیث کے استدلال کے لئے کافی ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ حجاج بن ارطاۃ ان کے نزدیک ثقہ ہیں اور اگر راوی تدلیس کرے تو یہ روایت کے حسن ہونے کے منافی نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا کوئی متابع موجود ہو۔

دلیل ثانی: مصنف عبدالرزاق میں روایت ہے "ان علیا أخذ یزید بن المکفف من قبل القبلۃ" (ج ۳ ص ۴۹۹ باب من حیث یدخل المیت القبر)

دلیل ثالث: طبرانی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے "کان النبی ﷺ وابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ یدخلون المیت من قبل القبلۃ"۔

باب ما جاء في الثناء الحسن على الميت

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مُرَّ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ قَالَ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا صحابہ کرام نے اس کی اچھی تعریف کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے جنت واجب ہوگئی پھر فرمایا تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ اس باب میں حضرت عمر، کعب بن عجرہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انس حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى وَهَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَزَّازُ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الطَّيَالِسِيُّ حَدَّثَنَا دَاوُد بْنُ أَبِي الْفُرَاتِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَجَلَسْتُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَمَرُّوا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ عُمَرُ وَجَبَتْ فَقُلْتُ لِعُمَرَ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ أَقُولُ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ لَهُ ثَلَاثَةٌ إِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ قَالَ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ قَالَ وَلَمْ نَسْأَلْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوَاحِدِ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْأَسْوَدِ الدِّيلِيُّ اسْمُهُ ظَالِمُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سُفْيَانَ

یحیی بن موسیٰ ہارون بن عبداللہ البزاز فرماتے ہیں کہ بیان کیا ابوداود طیالسی، داود بن ابی الفرات، عبداللہ بن بریدۃ روایت کرتے ہیں حضرت ابواسود دیلی سے فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں ایک روز حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک جنازہ گزرا لوگوں نے اس کی تعریف کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ واجب ہوگئی، میں نے کہا کیا واجب ہوگئی، آپؓ نے فرمایا میں نے اسی طرح کہا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان کے حق میں تین آدمی گواہی دے دیں اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، ابواسود فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا اگر دو شخص گواہی دیں تب بھی آپؐ نے فرمایا ہاں دو بھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے آپ سے ایک شخص کے بارے میں نہیں پوچھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوالاسود دیلی کا نام ظالم بن عمرو بن سفیان ہے۔

تشریح: دونوں احادیث کا حاصل یہ ہے کہ جس مسلمان کے لئے صالحین کی ایک جماعت اچھا ہونے کی گواہی دے بشرطیکہ وہ گواہی دل سے ہو صرف زبان سے نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا دکھلاوا نہ ہو تو وہ جنتی ہے عام طور پر جس طرح مرنے والے کے گھر والوں کو تسلی دینے کے لئے میت کی اچھائیاں بیان کی جاتی ہیں یہ بھی مراد نہیں لہٰذا جس مسلمان کے لئے صالحین کی ایک جماعت اس بات کی گواہی دے کہ وہ نیک تھا تو یہ جنتی شخص ہے یہ قطعی بات نہیں۔ البتہ یہ اس کے نیک ہونے کی علامت ضرور ہے۔

اسی طرح جب صالحین کی ایک جماعت میت کی برائی کرے تو وہ اس کے تباہ ہونے کی علامت ہے۔

أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ: تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو، اس کا یہی مطلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ باتیں مؤمنین صالحین کو الہام کی جاتی ہیں اور ان کی زبانیں غیب کی ترجمانی کرتی ہیں۔ پس ان کا کہنا اللہ کا کہنا ہے۔

شہداء سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ① بعض حضرات کے نزدیک شہداء اللہ سے صحابہؓ اور وہ حضرات مراد ہیں جو ایمان میں انکے مشابہ ہوں ② عند البعض یہ متقین کے ساتھ مخصوص ہے ③ امام نوویؒ نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اہل تقویٰ نے تعریف کی ہو۔ اگر یہ تعریف میت کے عمل کے مطابق ہو تو وہ جنتی ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ اپنے عموم و اطلاق پر ہے کہ مرنے والے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اسکی تعریف کا جذبہ القاء کیا تو یہ اسکے جنتی ہونے کی دلیل ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساویھم''۔ نیز واضح رہے کہ اس گواہی سے مؤمنین صالحین کی گواہی مراد ہے جو قدرتی طور پر انسان کی زبان پر جاری ہوتی ہے اس میں نفسانی بغض اور کینہ کا دخل نہیں ہوتا لہٰذا روافض کا صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنا اسی طرح خوارج کا اہل بیت کو برا کہنا اس گواہی میں داخل نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ مَنْ قَدَّمَ وَلَدًا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَمُعَاذٍ وَكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَعُتْبَةَ بْنِ عَبْدٍ وَأُمِّ سُلَيْمٍ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي ذَرٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي ثَعْلَبَةَ الْأَشْجَعِيِّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَقُرَّةَ بْنِ إِيَاسٍ الْمُزَنِيِّ وَأَبُو ثَعْلَبَةَ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ وَاحِدٌ هٰذَا الْحَدِيثُ وَلَيْسَ هُوَ بِالْخُشَنِيِّ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

بیان کیا قتیبہ نے مالک بن انس سے، بیان کیا انصاری سے، معن سے، مالک بن انس، ابن شہاب، سعید بن المسیب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے اگر کسی کے تین بیٹے فوت ہوجائیں تو اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف قسم پوری کرنے کے بقدر۔ اس باب میں حضرت عمر، معاذ، کعب، عتبہ بن عبد، ام سلیم، جابر، انس، ابوذر، ابن مسعود، ابوثعلبہ، ابن عباس، عقبہ بن عامر، ابوسعید اور قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایت ہے اور ابوثعلبہؓ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک ہی حدیث مروی ہے اور یہ ابوثعلبہ خشنی نہیں ہیں امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: جس شخص کی نابالغ اولاد وفات پا جائے اور اس پر وہ صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے تو اس کے لئے کیا ثواب

ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کے تین بچے نہیں مرتے پھر وہ جہنم میں داخل ہو۔ (یعنی ایسا نہیں ہو سکتا) مگر قسم کو پورا کرنے کے طور پر یہ سورۂ مریم کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ''وان منکم الا واردها کان علی ربك حتما مقضیاً'' یعنی جنت میں جانے کے لئے ہر شخص کو جہنم سے گزرنا پڑے گا۔ پس جس کے تین بچے فوت ہو گئے وہ بھی اس کے اوپر سے گزرے گا اس کے علاوہ جہنم کی آگ اسے چھو بھی نہیں سکتی۔ اور جس کے ایک یا دو بچے فوت ہو جائیں ان کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ اور جس نے تین بچے آگے بھیجے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے تو وہ بچے اس کے لئے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گے۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْعَوَّامُ بْنُ حَوْشَبٍ عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلَاثَةً لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ كَانُوا لَهُ حِصْنًا حَصِينًا قَالَ أَبُو ذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ فَقَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَوَاحِدًا وَلٰكِنْ إِنَّمَا ذَاكَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَأَبُو عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيهِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کے تین نابالغ بچے فوت ہوئے وہ اسے دوزخ سے بچانے کے لئے مضبوط قلعے کی مانند ہوں گے۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں دو بھیج چکا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو بھی اسی طرح ہیں۔ سید القراء ابی بن کعب نے عرض کیا میرا بھی ایک بیٹا فوت ہوا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک بھی لیکن یہ (ثواب) پہلے صدمہ کے وقت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ وَأَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقٍ الْحَنَفِيُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي أَبَا أُمِّي سِمَاكَ بْنَ الْوَلِيدِ الْحَنَفِيَّ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ قَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِي لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ بَارِقٍ وَقَدْ رَوٰى عَنْهُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ

نصر بن علی جھضمی، ابوخطاب زیادہ بن یحیی بصری، عبدرب بن بارق حنفی، سماک بن ولید حنفی، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ میری امت میں سے جس کے دو بیٹے فوت ہوئے اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں جس کا ایک بیٹا فوت ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک بھی کافی ہے اے نیک عورت پھر عرض کیا میں اپنی امت کا فرط ہوں میری امت کے لئے کسی کی جدائی کی تکلیف میری

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْمُرَابِطِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ رَبِّهِ بْنُ بَارِقٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَسِمَاكُ بْنُ الْوَلِيدِ الْحَنَفِيُّ هُوَ أَبُو زُمَيْلٍ الْحَنَفِيُّ

جدائی کی تکلیف سے زیادہ نہیں۔امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عبدربہ بن بارق کی روایت سے جانتے ہیں ان سے کئی ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

قولہ فَرَطَانِ: ''ای ولد ان لم یبلغا او ان الحلم'' وہ بچے جو بلوغت تک نہ پہنچے ہوں اس سے پہلے پہلے مر گئے ہوں فرطا سے مراد ایسا بچہ جو بلوغ سے پہلے فوت ہو جائے۔اس کو فرط اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آخرت میں پہلے پہنچ کر اپنے صابر والدین کے لئے جنت میں انتظار کرتا ہے وہ بچہ اللہ تعالی سے سفارش کر کے اپنے والدین کو جنت میں داخل کرالے گا۔واضح رہے کہ اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ایسے صابر والدین کا فرط میں نہیں ہوں گے صرف بچے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسے صابر والدین کا فرط میں بھی ہوں اور بچے بھی ہیں اور ایسے لوگ جن کی چھوٹی اولاد فوت نہیں ہوئی ان کا فرط صرف میں ہی ہوں جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

قولہ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ: ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہ بچے جنت کے دروازے میں کھڑے ہو جائیں گے۔''حتی یقول الله خذ بیدی ابویلث وادخلهما الجنة''۔یہ اپنے والدین کو جنت میں داخل کر کے چھوڑے گا۔

قولہ قَالَ فَأَنَا فَرَطٌ: اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جس کا بچہ مرا ہی نہ ہو تو پھر اس کا کیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں اپنی امت کی طرف سے آگے شفاعت کرنے والا ہوں۔کیونکہ میری امت پر بڑی آزمائش اور مصیبت میری وفات سے بڑھ کر اور کچھ نہیں۔اور حقیقت بھی یہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ جب وفات پا گئے تو حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے یہ اشعار پڑھے تھے۔

ماذا علی من شم تربة احمد ان لایشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لوانها صبت علی الایام صرن لیالیا

آپ ﷺ کی وفات کی وجہ سے ہر شخص اپنے محبوب کو تسلی دے رہا تھا اور ہر شخص کو جو مطلوب تھا وہ گم پا رہا تھا۔اسی وجہ سے کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

ولو کان فی الدنیا بقاء لساکن لکان رسول الله فیها مخلدًا

وما احد ینجو من الموت سالما وسهم المنایا قد اصاب محمدًا

اشعار کا ترجمہ: اگر دنیا میں کسی رہنے والے کیلئے بقا ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں ہمیشہ رہتے۔اور کسی ایک نے موت سے صحیح سالم نجات نہیں پائی۔اور موت کا کچھ حصہ تحقیق محمد ﷺ کو بھی پہنچا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشُّهَدَاءِ مَنْ هُمْ

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح وحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ سُمَيٍّ عَنْ أَبِي صَالِحٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الشُّهَدَاءُ خَمْسٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِيقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَصَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ وَجَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ وَخَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ وَسُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ وَأَبِي مُوسَى وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ . حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ أَسْبَاطِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي حَدَّثَنَا أَبُو سِنَانٍ الشَّيْبَانِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ السَّبِيعِيِّ قَالَ قَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ لِخَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ أَوْ خَالِدٌ لِسُلَيْمَانَ أَمَا سَمِعْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ يُعَذَّبْ فِي قَبْرِهِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ نَعَمْ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ فِي هٰذَا الْبَابِ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ .

طاعون سے مرنے والا، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا، ڈوب کر مرنے والا، دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا اور اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا۔ اس باب میں حضرت انس، صفوان بن امیہ، جابر، ابن عتیک، خالد بن عرفطہ، سلیمان بن صرد، ابوموسی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے۔ ابو اسحاق سے روایت ہے کہ سلیمان بن صرد نے خالد بن عرفہ سے یا خالد نے سلیمان سے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو پیٹ کی بیماری کی وجہ سے مرگیا اسے عذاب قبر نہیں ہوگا۔ یہ سن کر دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ہاں۔ میں نے سنا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں حسن غریب ہے اور یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

تشریح: **شہید کی اقسام:** ایک وہ شہید جو عند اللہ اور عند الناس شہید ہو یہ وہ شہید ہے جو بغیر کسی ریا اور بغیر کسی دنیاوی مقصد کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلا اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے شہید ہوگیا۔

جو عند الناس تو شہید کہلاتا ہے لیکن عند اللہ شہید نہیں۔ وہ شخص جو ناموری یا مال غنیمت یا خاندانی حمیت یا کسی دنیاوی غرض سے لڑا اور مرگیا تو دنیاوی اعتبار سے تو شہید کہلایا گیا باقی دلوں کی نیت کو اللہ بہتر جانتے ہیں۔

جو عند اللہ تو شہید ہوا لیکن عند الناس شہید نہ کہلائے یہ وہ پانچ اقسام ہیں جو حدیث میں مذکور ہیں۔ بعض روایات میں چھ یا سات افراد کا ذکر ہے وہ ان اقسام میں شامل ہیں۔

طاعون وہ موذی مرض ہے جو انسان کی بغلوں یا انگلیوں کے درمیان پھوڑے اور زخموں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کے اردگرد سبز اور سرخ رنگ ہوتا ہے۔ طاعون عند البعض عام وباء کا نام ہے۔ اور یہ طاعون طعن سے بنا ہے بمعنی نیزے مارنا چونکہ طاعون کے مریض کو زخم سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے کوئی نیزے مار رہا ہے، سوئیاں چبھو رہا ہے اس لئے اس کو طاعون کہا جاتا ہے نیز اس مرض میں جنات در حقیقت اس طاعون زدہ کو نیزے مارتے ہیں اس لئے اس میں شہادت کا اجر ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی فنا طاعون سے ہوگی۔ (مرقاۃ)

طاعون کی چند اقسام: ① طاعون شیرویہ ② طاعون عمواس۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آیا تھا ③ طاعون جازف یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں آیا تھا ④ طاعون فتیات۔ اس کو فتیات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ابتداء جوان لڑکیوں سے ہوئی۔

قولہ اَلْمَطْعُوْنُ: طاعون میں مرنے والا۔ **وَالْمَبْطُوْنُ:** پیٹ کی بیماری مثلاً استسقاء بطن عند البعض۔ جو پیٹ کی بیماری سے مرے خواہ جو بیماری بھی ہو۔ **وَالْغَرِيْقُ:** جو پانی میں ڈوب کر مرے۔ بعض نے کشتی پر سفر کرنے کو بھی مقید کیا ہے۔ **وَصَاحِبُ الْهَدْمِ:** جو کھدائی کے دوران کنویں میں گر کر مر جائے۔ یا جس پر دیوار گر جائے۔ **وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ:** اللہ کے راستے میں شہید ہونے والا۔

شہید کو شہید کہنے کی وجہ: اس کے پاس فرشتے حاضر ہوتے ہیں " **لقوله تعالى تتنزل عليهم الملائكة ان لا تخافوا** " یا انکی ارواح اللہ کے پاس حاضر ہوتی ہیں اسلئے انکو شہید کہا جاتا ہے یا اسکو شہید اسلئے بھی کہتے ہیں کہ شہادت کے وقت اللہ کا دیدار ہوتا ہے یا اسلئے کہ قیامت کے دن شہداء سرکاری گواہ ہونگے۔ شہید کی دو قسمیں ہیں جو ظلماً قتل ہو یا کفار کے مقابلے میں قتل ہو یہ شہید حقیقی ہے اور دنیاوی و اُخروی شہید ہے اور شہید حکمی وہ ہے جس کو شہادت کا ثواب دیا جائے اسکو اُخروی شہید کہتے ہیں۔ شہید حکمی تقریباً اسّی ہیں، ان میں سے پانچ کا اس حدیث میں بیان ہے۔

شہید حکمی کی بعض اقسام یہ ہیں: ① باکرہ عورت کا حالت بکر میں مرنا ② حاملہ عورت کا مر جانا ③ بچہ جنتے وقت مر جانا ④ آگ میں جل جانا ⑤ پانی میں بہہ جانا ⑥ جس کو جانور روند ڈالے ⑦ جس کو درندہ کھالے ⑧ جو ظلماً قتل کر دیا گیا ہو ⑨ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کو بادشاہ ظلماً قید کر لے اور وہ جیل میں مر جائے تو شہید ہے ⑩ جس کو ضرب ماری وہ مر گیا تو شہید ہے (۱۱) ہر مومن شہید ہے (۱۲) بخار والا مر جائے تو شہید ہے (۱۳) سنت کے احیاء میں مارا جانے والا شہید ہے (۱۴) دوران طالب علمی مرنے والا شہید ہے۔ (مرقاۃ جلد ۳ ص ۳۵۹)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفِرَارِ مِنَ الطَّاعُوْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الطَّاعُوْنَ فَقَالَ بَقِيَّةُ رِجْزٍ أَوْ عَذَابٍ أُرْسِلَ عَلَى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ سَعْدٍ وَخُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طاعون کا ذکر کیا تو فرمایا یہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی طرف بھیجے جانے والے عذاب کا بچا ہوا حصہ ہے پس اگر کسی جگہ میں یہ وبا پھیلی ہوئی ہو اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے فرار نہ اختیار کرو اگر تم اس جگہ نہیں ہو جہاں طاعون پھیلا تو وہاں نہ جاؤ۔ اس باب میں حضرت سعد، خزیمہ، ثابت، عبدالرحمٰن، جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: طَائِفَةٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد بنی اسرائیل کے وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا'' وادخلوا الباب سجدًا'' ان لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلط کیا۔ طاعون کی اس ذباء سے ایک وقت میں ان کے چوبیس ہزار آدمی مر گئے۔

طاعون کیا ہے؟ اس بارے میں چند آراء ہیں۔ ① یہ ایک خاص قسم کی بیماری ہے جو زخموں اور پھنسیوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہے۔ خاص طور پر بغل میں انگلیوں کے بیچ اور جوڑوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ان کا اردگرد کالا، سبز یا سرخ رنگ پڑ جاتا ہے۔

② ہر وہ بیماری جو وباء کی شکل اختیار کرلے طاعون کہلاتی ہے۔ مثلاً ہیضہ وغیرہ۔

فَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا: درمختار میں ہے کہ طاعون زدہ علاقے میں جانا یا اس علاقے سے نکلنا اس شخص کے لئے جائز ہے جس کا اعتقاد پختہ ہو کہ نفع نقصان جو کچھ لاحق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہوتا ہے لیکن اگر کسی کے اعتقاد میں کمزوری ہو اور وہ یہ سمجھتا ہو کہ اگر شہر سے نکل جائے گا تو نجات پائے گا اور اگر اس میں داخل ہوگا تو مرض میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسے شخص کے لئے دخول وخروج مکروہ ہے۔ باقی حدیث الباب میں بھاگنے کی جو ممانعت آئی ہے اس کی چند وجوہ ہیں۔

اوّل: اسلامی تعلیم یہ ہے کہ کوئی بیماری بالذات دوسرے کو نہیں لگتی اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو لگے گی ورنہ نہیں پس طاعون زدہ علاقے سے بھاگنا اس عقیدہ کے منافی ہے۔ **ثانی:** تقدیر پر یقین نہ ہونے کی علامت ہے جبکہ تقدیر پر راضی رہنا ایمان کا جزو ہے بھاگنے والے کا گمان یہ ہوتا ہے کہ بیماری والے علاقہ میں رہنے کی صورت میں مر جائے گا اور یہاں سے نکل جائے گا تو بچ جائے گا حالانکہ اگر تقدیر میں موت لکھی ہے تو وہ ہر جگہ سے آئے گی اور اگر نہیں لکھی تو کسی بھی صورت میں موت نہیں آئے گی۔

ثالث: اگر تندرست لوگ سب بھاگ جائیں تو بیماروں کا کیا بنے گا ان کی دیکھ بھال کون کرے گا اور جو مر جائیں گے ان کو کون دفنائے گا۔ دوسرا یہ کہ جو شخص اپنے آپ کو تندرست کہہ رہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ بھی طاعون سے متاثر ہو چکا ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا اپنا اعتقاد درست ہو لیکن اس کے دخول وخروج کی صورت میں دوسروں کے اعتقاد کے فساد کا خطرہ ہو تو اس صورت میں بھی دخول وخروج درست نہیں۔ (حاشیہ الکوکب الدری ج ۲ ص ۲۰۴)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مِقْدَامٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَشْعَثِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي مُوسَى وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے اور جو اللہ سے ملنے کو ناپسند کرے اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند نہیں کرتے۔ اس باب میں حضرت ابوموسی، ابوہریرہ اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث عبادہ بن صامتؓ حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ ح وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَبِي أَوْفَى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ أَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ كُلُّنَا يَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ كَذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا بُشِّرَ بِرَحْمَةِ اللهِ وَرِضْوَانِهِ وَجَنَّتِهِ أَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ وَأَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا بُشِّرَ بِعَذَابِ اللهِ وَسَخَطِهِ كَرِهَ لِقَاءَ اللهِ وَكَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے کی چاہت رکھتے ہیں اور جو اللہ سے ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اسے ملنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ جب مومن کو اللہ کی رحمت، اس کی رضا، اور جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کے دل مین اللہ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملاقات کے مشتاق ہوتے ہیں لیکن جب کافر کو اللہ کے عذاب اور اس کے غصے کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ اللہ سے ملنے سے گریز کرتا ہے پس اللہ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس حدیث میں مؤمن کے اللہ سے ملنے کو پسند کرنے میں عقلی شوق لقاء مراد ہے جو مؤمن میں ہمیشہ کے لئے موجود رہتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ وہ سنبھل کر من چاہی زندگی کی بجائے رب چاہی زندگی گزارتا ہے ایسے کام نہیں کرتا جو اللہ کو ناراض کرنے والے ہوں یہی آخرت کی زندگی کا استحسان عقلی ہے اور یہی اللہ سے ملنے کی محبت کا شوق ہے۔

باقی رہی موت کی طبعی ناگواری وہ ایک فطری امر ہے اور عام حالات میں فطری باتیں غالب نظر آتی ہیں مگر جب موت کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور فرشتے نظر آتے ہیں اور وہ جنت کی خوشخبری سناتے ہیں تو وہ فطری خوف مغلوب ہوجاتا ہے اور لقاء کا شوق مزید پیدا ہوجاتا ہے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ موت کے وقت وہ فطری ناگواری ختم ہوجاتی ہے۔ آپ ﷺ جان کنی کی حالت میں مسلسل یہ دعا فرماتے تھے۔ الٰہی سکرات اور موت کی سختیوں میں میری مدد فرما۔ اور اسی طرح صحت کی حالت میں جو موت کی کراہیت معلوم ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مؤمن میں اللہ سے ملنے کا شوق نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ محتاط زندگی نہ گزارتا۔ الحاصل یہ کہ طبعی خوف اور عقلی محبت دونوں ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں۔

باقی جب کافر مرنے کے قریب ہوتا ہے تو وہ اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا ہے۔ پس اللہ بھی اس سے ملنے کو پسند نہیں کرتے۔ اس وقت اس کی روح اس کے جسم میں گھس جاتی ہے فرشتے اس کو زبردستی کھینچ کر نکالتے ہیں جس سے اس شخص کے ہر ایک عضو اور بال کو تکلیف پہنچی ہے۔ آگے اس کے لئے عذاب قبر تیار ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا۔ باقی اللہ تعالیٰ کا بندے سے ملنے کو پسند کرنا اور ناپسند کرنا مشاکلۃً ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ نے مؤمن کامل کے لئے آخرت میں نعمتیں تیار کررکھی ہیں۔ مؤمن

موت کا گھونٹ پیتے ہی ان سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے اور کافر کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے اور جہنم اس کے انتظار میں ہے کہ کب آئے تو میں اس کو عذاب کا مزا چکھاؤں۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ لَمْ يُصَلَّ عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ وَشَرِيكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ أَنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هَذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ يُصَلَّى عَلَى كُلِّ مَنْ صَلَّى إِلَى الْقِبْلَةِ وَعَلَى قَاتِلِ النَّفْسِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَإِسْحَقَ وَقَالَ أَحْمَدُ لَا يُصَلِّي الْإِمَامُ عَلَى قَاتِلِ النَّفْسِ وَيُصَلِّي عَلَيْهِ غَيْرُ الْإِمَامِ.

حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے خودکشی کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بھی قبلہ رخ نماز پڑھی ہو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے خواہ اس نے خودکشی ہی کیوں نہ کی ہو۔ سفیان ثوریؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ امام نہ پڑھے۔ دوسرے لوگ پڑھ لیں۔

تشریح: **مسئلہ: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، داؤد ظاہری کے نزدیک خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ جبکہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ خلیفہ وقت اس کی نماز نہ پڑھے البتہ باقی لوگ اس کی نماز پڑھیں گے۔

قول ثانی: امام اوزاعیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک خودکشی کرنے والے کی کسی حال میں نماز جنازہ نہیں پڑھے جائے گی۔

امام اوزاعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے ”عن جابر بن سمرة أن رجلا قتل نفسه فلم يصل عليه النبی ﷺ“.

جواب: یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے تاکہ اس کے فعل کی شناعت خوب واضح ہو جائے اگر آپ ﷺ نے اس شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو پڑھی ہوگی۔ جیسا کہ اس طرح کا عمل نبی کریم ﷺ سے مدیون کے بارے میں بھی ثابت ہے جس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔ آپ ﷺ کا ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھنا زجراً تھا۔ لہٰذا جو شخص خودکشی کرے تو اس کے جنازہ میں بڑا آدمی شریک نہ ہو تاکہ ایک درجہ میں اس فعل قبیح پر زجر ہو سکے۔

جمہور ائمہ کی دلیل اوّل: مصنف عبدالرزاق میں حضرت قتادہ کا اثر ہے: ”صلی علی من قال: لا اله الا الله وان کان رجل سوء جدا قل: اللهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات، قال: ولا اعلم احدا من اهل العلم اجتنبت الصلوة على من قال: لا اله الا الله“:

دلیل ثانی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے جس میں جمہور کے مذہب کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ”صل علی من قال لا اله الا الله“ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۵۰)

دلیل ثالث: علامہ ابن قدامہؒ نے جمہور کی تائید میں یہ روایت پیش کی ہے "صلوا علی من قال لا الہ الا اللہ" (المغنی ج۲ص ۵۵۶)
دلیل رابع: سنن دارقطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "صلوا خلف کل بر و فاجر و صلوا علی کل بر و فاجر" اس روایت میں ایک راوی مکحول ہیں اگر چہ یہ ثقہ ہیں لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت نہیں۔ امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں "مکحول لم یسمع من ابی ہریرۃ و من دونہ ثقات" (سنن دارقطنی ج۲ ص۵۷)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَدْيُونِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِي قَتَادَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِرَجُلٍ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَإِنَّ عَلَيْهِ دَيْنًا قَالَ أَبُو قَتَادَةَ هُوَ عَلَيَّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوَفَاءِ قَالَ بِالْوَفَاءِ فَصَلَّى عَلَيْهِ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ وَأَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ کو اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا تا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو یہ مقروض تھا۔ ابوقتادہ نے عرض کیا وہ قرض میرے ذمہ ہے میں ہی اسے ادا کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا پورا قرضہ؟ انہوں نے عرض کیا ہاں پورا۔ پس آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اس باب میں حضرت جابر، سلمہ بن اکوع اور اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوقتادہ حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْفَضْلِ مَكْتُومُ بْنُ الْعَبَّاسِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفَّى عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَيَقُولُ هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً صَلَّى عَلَيْهِ وَإِلَّا قَالَ لِلْمُسْلِمِينَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَلَمَّا فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَامَ فَقَالَ أَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فَمَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی مقروض شخص کی میت نماز جنازہ کے لئے لائی جاتی تو آپؐ پوچھتے کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ اگر کہا جاتا کہ چھوڑا ہے تو اس کی نماز جنازہ آپؐ پڑھاتے ورنہ مسلمانوں سے فرماتے اپنے ساتھی کی نماز پڑھ لو لیکن جب اللہ تعالیٰ نے بہت سی فتوحات عنایت فرمائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا میں مومنوں کے لئے اپنی ذات سے زیادہ بہتر ہوں لہٰذا جو مسلمان قرض چھوڑ کر مرجائے اس کی

تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَتَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ قَالَ أَبُو عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ۔

ادائیگی میرے ذمے ہے اور جو کچھ وہ وراثت میں چھوڑے گا وہ اس کے وارثوں کے لئے ہوگا۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یحییٰ بن بکیر اور متعدد حضرات یہ حدیث لیث بن سعد سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: کسی شخص کا انتقال ہو جائے اور اس پر قرض ہو اور اس نے اتنا ترکہ بھی نہ چھوڑا ہو جس سے اس کے قرض کی ادائیگی کی جا سکے اور نہ ہی اس کے ورثاء اس کے قرض کو ادا کرنے کے لئے تیار ہوں تو یہ بری موت ہے۔ نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگوں کی نماز جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے تاکہ لوگ قرض لینے اور دینے میں احتیاط کریں اگر کسی نے قرضہ لیا ہے تو وہ جلدی ادا کرے۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ مؤمن کا نفس قرض میں پھنسا رہتا ہے تا آنکہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے۔

لیکن بعد میں آپ ﷺ نے مدیون کی نماز جنازہ بھی پڑھانی شروع کر دی تھی جیسا کہ دوسری حدیث الباب میں وضاحت ہے۔

مسئلہ: قرض کی ادائیگی میں میت کی جانب سے اس کی کفالت کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ، صاحبین حضرات کا مسلک یہ ہے کہ میت کی جانب سے کفالت درست ہے خواہ اس نے اتنا مال چھوڑا ہو جس سے اس کا دین ادا کیا جا سکے یا اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا دین ادا کیا جا سکے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر میت نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جس سے اس کا قرض ادا کیا جا سکے تو اس میت کی جانب سے کفالت درست نہیں مگر ایک صورت یہ ہے کہ میت کی زندگی ہی میں کوئی آدمی اس کی جانب سے کفیل بن گیا ہو کیونکہ کفالت نام ہے ''ضم ذمة الى ذمة فى المطالبة مطلقًا'' جبکہ میت کے مرنے کے بعد مطالبہ ساقط ہو گیا۔ لہٰذا یہ ''ضم ذمة الى ذمة'' ممکن نہ رہا کہ کفالت عن المیت درست ہو سکے لیکن اگر وہ زندگی ہی میں کفیل بن گیا تو پھر اصیل کے مرنے کے بعد یہ اس کا ضامن ہوگا لہٰذا وہ کفالت معتبر رہے گی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے۔

جواب: اس حدیث میں حضرت ابوقتادہؓ کا قول ''هو علی'' کفالت کے لئے نہیں بلکہ وعدہ ہے جس کا قرینہ نبی کریم ﷺ کا یہ کلمہ ہے ''بالوفاء'' اگر یہ کفالت ہوتی تو بالوفاء کہہ کر استفسار کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ ابوقتادہ کا ''هو علیّ'' کہنا کافی تھا۔ کیونکہ لفظ علیّ الزام کے لئے کافی تھا اور یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ حضرت ابوقتادہؓ کے قول کو وعدہ سمجھا گیا جس میں قضاءً الزام نہیں ہوتا اس لئے بالوفا کہہ کر وعدہ میں پختگی طلب کی گئی۔ (الکوکب الدری ج ۲ ص ۲۰۷)

دلیل ثانی: اس باب کی دوسری روایت ''عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ كان يؤتى بالرجل المتوفى عليه الدين فيقول هل ترك لدينه من قضاء''۔

جواب: یہ وعدہ پر محمول ہے اور اس میں کفالت مقصود نہیں بلکہ اس کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ ایسے آدمی کا قرضہ بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ أَرْجِعُ إِلَى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ الْتَئِمِي عَلَيْهِ فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلَاعُهُ فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَنَسٍ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ كُلُّهُمْ رَوَوْا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ أَبُو عِيسٰى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کسی میت یا فرمایا تم میں سے کسی ایک کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں ایک کو منکر دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے وہ دونوں اس میت سے پوچھتے ہیں تو اس شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ شخص وہی جواب دیتا ہے جو دنیا میں کہتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ پھر وہ فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے تو یہی جواب دے گا پھر اس کی قبر ستر گز وسیع کر دی جاتی ہے اور اسے منور کر دیا جاتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے کہ سو جا۔ وہ کہتا ہے میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو بتا دوں وہ کہتے ہیں دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے محبوب ترین شخص کے علاوہ کوئی نہیں جگاتا۔ اللہ اسے قیامت کے دن اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر وہ منافق ہو تو یہ جواب دے گا میں لوگوں سے کچھ سنا کرتا تھا اور اسی طرح کہا کرتا تھا مجھے نہیں معلوم۔ فرشتے کہیں گے ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی جواب دے گا پھر زمین کو حکم دیا جاتا ہے کہ اسے دبوچ لے۔ وہ اسے اس طرح دبوچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں پھر اسے اسی طرح عذاب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اسی جگہ سے اٹھایا جائے گا۔ اس باب میں حضرت علی، زید بن ثابت، ابن عباس، براء بن عازب، ابوایوب، انس، جابر، عائشہ، ابوسعید رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عذاب قبر کے متعلق روایت کرتے ہیں امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ فَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ہناد، عبدہ، عبیدہ، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص مرتا ہے تو اسے اس کے رہنے کی جگہ دکھائی جاتی ہے اگر وہ جنت والوں میں سے ہوتا ہے تو جنت اور اگر وہ دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو دوزخ دکھائی جاتی ہے پھر اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تجھے اٹھائے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: عذاب قبر چاروں دلائل سے ثابت ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس سے پہلے ایک بات سمجھ لیں۔

أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ: اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ بعض روایات میں ان کے نام منکر نکیر آتے ہیں۔

سوال: ایک وقت میں کئی مردے دفن ہوتے ہیں تو یہ دو فرشتے سب لوگوں سے بیک وقت کیسے سوال کر لیتے ہیں؟

جواب اوّل: یہاں ''ملکان'' سے مراد ''انواع الملائکۃ'' ہیں **جواب ثانی:** یا ان کے انواع نہیں لیکن تمام زمین ان کیلئے مکشوف کردی گئی ہے جیسے ملک الموت کیلئے تمام زمین مکشوف کردی گئی ہے۔

سوال: مردے سے سوالات کیلئے ان فرشتوں کو کیوں خاص کیا؟

جواب اوّل: اس لئے کہ یہ دو فرشتے دو گواہوں کی مانند ہیں۔ اسلئے دو کا ذکر کیا **جواب ثانی:** یا اس وجہ سے کہ کراماً کاتبین دو ہیں اس لئے یہاں بھی دو کو خاص کیا۔

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ: سوال: ''ھذا'' سے اشارہ حاضر اور محسوس کیلئے ہوتا ہے اور فرشتوں کا سوال قبر میں ایک وقت میں لاکھوں انسانوں سے ہوتا ہے اور آپ ﷺ بھی وہاں حاضر ہوتے ہونگے لہٰذا آپ ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہوگئے اس جملہ سے بریلوی حضرات استدلال کرتے ہیں اور حاضر ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں۔

جواب اول: مردے کی قبر اور روضہ اقدس کے درمیان سے تمام حجابات دور کردیئے جاتے ہیں یہ اشارہ محسوسہ ہوگا

جواب ثانی: آپ ﷺ کی صورت مثالیہ میت کے سامنے پیش کی جاتی ہے قاضی عیاضؒ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کی یہی رائے ہے لیکن کسی صحیح حدیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

جواب ثالث: آپ ﷺ کے مشہود اور موجود فی الذہن ہونے کے اعتبار سے اشارہ کیا جاتا ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے فرمایا'' واللام للعھد الذھنی... الخ'' معہود ذہنی کیلئے اسم اشارہ اور بھی مقامات کیلئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ ماقبل میں حدیث وفد عبدالقیس گزر چکی ہے اس میں قافلہ والوں نے قبیلہ مضر کا واقع ہونا ان الفاظ سے بیان کیا۔ ''ھذا الحی من کفار مضر'' حالانکہ اس وقت کوئی قبیلہ حاضر نہ تھا۔ اسی طرح رسول کریم ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام کے بارے میں انکے جانے کے بعد فرمایا ''ھذا جبریل اتاکم یعلمکم دینکم'' یہی تیسرا جواب راجح ہے

جواب رابع: ''هذا الرجل'' میں کچھ تفصیل ہے یعنی ''الذی بعث فیکم'' یعنی جو شخص تم میں رسول بنا کر بھیجے گئے تھے انکے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ **اَلْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ النَّكِيْرُ:** چونکہ یہ میت کے اعتبار سے اجنبی اوپرے اور غیر مانوس ہوتے ہیں اس اعتبار سے ان کو منکر نکیر کہا جاتا ہے۔

عند البعض کافروں سے سوال کرنے والوں کو منکر نکیر اور مؤمنین سے سوال کرنے والوں کو مبشر بشیر کہتے ہیں۔ راجح اوّل قول ہے۔

سوال: بعض میتیں کئی دنوں کے بعد دفن کی جاتی ہیں ان سے سوالات کا سلسلہ کیا تدفین تک موقوف رہتا ہے؟

جواب: اس میں دو قول ہیں عند البعض تدفین تک موقوف رہتا ہے وعند البعض موقوف نہیں بلکہ جیسے ہی یہ آدمی لوگوں کی نظر سے دور ہوتا ہے (فوت ہوتا ہے) تو اس سے فوراً سوال و جواب ہو جاتا ہے راجح یہی قول ہے۔

قوله قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ: یا تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو پہلے سے ہی علم عطا فرما دیتے ہوں گے یا وہ فرشتے میت کی پیشانی کے آثار سعادت و شقاوت اور نور ایمان و ظلمت کفر اور قبر کی وسعت و وحشت سے معلوم کر لیتے ہونگے۔

قوله هُوَ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهٗ: چونکہ ایمان بالرسالت ایمان باللہ کے بغیر قبول نہیں اس لئے دونوں کو حدیث میں مستقلاً ذکر کر دیا آگے چند ما بین الاحادیث متعارضہ اور اس کا ازالہ ذکر کیا جاتا ہے۔

① **احادیث میں تعارض:** اس حدیث میں ''سبعون ذراعًا'' ہے جبکہ ایک حدیث میں ''مد بصره'' وارد ہوا ہے۔

جواب اوّل: ''سبعون ذرعًا'' سے کثرت مراد ہے نہ کہ تحدید۔ **جواب ثانی:** اشخاص کے درجات کے بقدر فراخ کر دی جائے گی۔ اوّل صورت ''سبعون ذراعاً'' متحقق ہے عوام اور مرید کے حق میں اور خواص اور پیر کے حق میں دوسری صورت ''مد بصره'' متحقق ہے۔ (مرقاۃ) لہٰذا دونوں احادیث میں تعارض نہ ہوا۔

جواب ثالث: عدد اقل اکثر کے منافی نہیں۔ اوّلاً آپ ﷺ کو ''سبعون ذراعاً'' کی اطلاع کی گئی پھر ''مد بصره'' کی اطلاع کی گئی یعنی آپ علیہ السلام کو اس کا علم تدریجاً ہوا۔

② **احادیث میں تعارض:** اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر حق ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے ''قالت ان یهودیة دخلت علیها فذکرت عذاب القبر'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس یہودیہ عورت کی بات کو برقرار رکھتے ہوئے کہا کہ عذاب قبر برحق ہے لیکن مسلم شریف اور مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عذاب قبر سے انکار کر دیا اور کہا ''کذب یهود ولا عذاب دون عذاب یوم القیامة''۔

جواب اوّل: علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ دو واقعے الگ الگ ہیں کہ پہلی مرتبہ یہودیہ عورت آئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عدم علم کی بناء پر عذاب قبر کا انکار کر دیا پھر یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو اطلاع دی آپ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے لیکن اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا موجود نہیں تھیں۔ پھر جب دوسری دفعہ یہودیہ عورت آئی تو اس نے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ اثبات عذاب قبر کے بارے میں وحی نازل ہو گئی ہے لہٰذا اقرار و انکار الگ الگ واقعہ کے فلا تعارض متعلق ہے

جواب ثانی: حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اولاً عذاب قبر سے انکار نہیں فرمایا بلکہ مؤمنین پر عذاب قبر کا انکار فرمایا پھر جب اطلاع آ گئی کہ اللہ جس کو چاہے گا عذاب دیگا خواہ موحد ہی کیوں نہ ہو آپ ﷺ کو جزم آ گیا اور آپ ﷺ استغفار فرماتے

تھے اس حدیث میں ایک اہم مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ سماع موتی: اس مسئلے میں تین مذاہب ہیں۔ مذاہب جاننے سے پہلے تمہیدی بات ملاحظہ ہو۔

موتی کی دو قسمیں ہیں۔ ① انبیاء ② غیر انبیاء۔

انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں سننا اہل سنت کے تمام ائمہ کے نزدیک متفق علیہ مسئلہ ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ غیر انبیاء علیہم السلام کے سماع کا مسئلہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے لہٰذا کوئی شخص کسی کے بارے میں قطعاً فیصلہ نہیں کرسکتا (واللہ اعلم)

قول اوّل: سماع موتٰی ثابت ہے، یہ قول حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو، ابوطلحہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور امت میں سے جمہور ائمہ دین اور اکابر علماء احناف کا ہے۔ **قول ثانی:** مطلقاً سماع موتٰی ثابت نہیں ہے یعنی مردے نہیں سنتے۔ یہ قول صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ائمہ احناف میں سے ابن ہمامؒ کا ہے۔

قول ثالث: سماع فی الجملہ ثابت ہے۔ سماع کلی ثابت نہیں یعنی جس مردے کو جو بات جس وقت اللہ تعالی سنانا چاہیں وہ سنتا ہے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں " والحق ان الموتی یسمعون فی الجملة فتح الملهم " (ج ۲ ص ۴۷۹) یہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ محمود آلوسیؒ کا قول ہے۔

قائلین سماع کی دلیل اوّل: مذکورہ حدیث الباب جس میں " انه لیسمع قرع نعالهم " کے الفاظ ہیں۔

دلیل ثانی: مشکوٰۃ شریف کی حدیث میں ہے کہ مردہ سلام کرنیوالے کو جواب دیتا ہے اور اسے پہچانتا ہے۔

دلیل ثالث: حدیث قلیب بدر۔ جنگ بدر کے موقع پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار مقتولین کے بارے میں فرمایا " ما انتم باسمع لما اقول منهم وفی روایة ماانتم باسمع منهم ولکن لایجیبون " اگرچہ بعض حضرات نے اسکو آپ ﷺ کا معجزہ قرار دیا ہے کہ اس وقت ان مردوں میں سننے کی صلاحیت پیدا کردی گئی۔ (مشکوٰۃ باب حکم الاسراء ج۲ ص ۳۴)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردہ اس بات کو جانتا ہے کہ کون اس کو غسل دے رہا ہے اور کون اس کو کفن پہنا رہا ہے، کون نماز جنازہ پڑھا رہا ہے، اور کون دفن کررہا ہے اور مردہ لوگوں کے واپس جانے کی آواز بھی سنتا ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قبر میں مردہ زندہ ہے کیونکہ ایسی اشیاء کا ادراک کرنا زندگی کے بغیر ممکن نہیں۔ (مرقاۃ ج ا ص ۱۹۸)

منکرین سماع موتٰی کی دلیل: قرآن پاک کی آیت " انك لا تسمع الموتی " (پ ۲۰ سورۃ النمل آیت ۸۰)، اسی طرح سورۃ روم کی آیت ۵۲ ہے، " وما انت بمسمع من فی القبور " (پ ۲۲ سورۃ فاطر آیت ۲۲)۔

جواب اوّل: یہاں سماع سے مراد سماع نافع ہے کہ میت نفع ولا سماع نہیں سن سکتا چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں " وآیة النفی معناها سماع هدی " حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں " ای لا تسمعهم سماعاً ینفعهم " یعنی (اے نبی) آپ ان کو ایسا نہیں سنا سکتے جو ان کو فائدہ دے۔ **جواب ثانی:** سماع کی نفی نہیں بلکہ اسماع کی نفی ہے اور اسماع کی نفی سے سماع کی نفی لازم نہیں آتی۔

جواب ثالث: موتٰی سے مراد کفار ہیں نہ کہ حقیقی مردے اس پر قرینہ " انك لاتسمع الموتی " والی آیت میں " اذا ولوا مدبرین " آرہا ہے۔

قول ثالث والوں کی دلیل: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امور کی دو قسمیں ہیں۔
① ماتحت الاسباب: جیسے ایک دوسرے کو دیکھنا اور درمیان میں کوئی مسافت بھی نہیں یہ اسباب کے تحت ہے۔
② مافوق الاسباب: جیسے سامع اور مسموع کے درمیان کچھ مسافت ہو یعنی کوئی یہ کہے کہ دیوار کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہے میں اُسے دیکھ رہا ہوں اور دونوں ایک دوسرے کی باتیں سن رہے ہیں یہ مافوق الاسباب ہیں جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ میں ہیں اور ساریۃ الجبل مدینہ سے کتنا دور ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دکھائی دے رہا ہے اور آپؓ فرما رہے ہیں یا ساریۃ الجبل .... ضابطہ یہ ہے کہ جو امور ماتحت الاسباب ہیں وہ دلائل کے محتاج نہیں اور جو امور مافوق الاسباب ہیں ان میں دلائل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور میت کا اس عالم سے چلے جانا یہ مافوق الاسباب ہے ماتحت الاسباب نہیں لہٰذا جن دلائل نصوص سے سماع کی تصریح ہو چکی ہے ان مواقع میں سماع کا قول کیا جائے گا اور جن مواقع میں سماع کی تصریح نہیں وہاں توقف کیا جائے گا۔

سماع موتٰی کے مسئلہ میں ائمہ کرام کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے اگر یوں کہا جائے کہ فی الجملہ سماع ثابت ہے اور فی الجملہ سماع ثابت نہیں تو اس صورت میں تمام روایات اور آیات میں تطبیق ممکن ہو جائے گی۔ آج کل بعض لوگوں نے اس مسئلہ کو اتنا الجھایا ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ اس سے بڑا اختلافی مسئلہ کوئی اور ہے ہی نہیں۔ آخر میں چند علماء کرام کے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو اس سے فائدہ حاصل ہو سکے۔ ① سماع موتٰی کے متعلق حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علماء کرام کی دو رائے ہیں، کچھ علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ مردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء کرام کہتے ہیں کہ نہیں سنتے۔ ان دونوں جماعتوں کے پاس اپنے مسلک پر دلائل موجود ہیں البتہ جو علماء کرام سماع موتٰی کی نفی کرتے ہیں وہ ظاہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں جبکہ قائلین سماع بھی احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں (جواہر القرآن ج ۲ ص ۹۰۲)۔

حضرت غلام اللہ خان صاحبؒ کا فتویٰ ملاحظہ ہو (خیر الفتاویٰ ج ا ص ۱۲۷)

② شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سورہ روم کی تفسیر میں لکھتے ہیں اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آرہا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن وحدیث پیش کی گئی ہیں، پھر آخر میں لکھتے ہیں اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائیگا اسی حد تک ہم کو سماع موتٰی کا قائل ہونا چاہیے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے بہرحال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی (تفسیر عثمانی سورۃ الروم آیت ۵۳ ص ۵۳۳)

③ ''انك لا تسمع الموتٰی'' کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام نہیں سن سکتے سماع موتٰی کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے (معارف القرآن)۔

④ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں ''قلت اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الموتٰی تسمع كلام الحی فمعنی قوله تعالٰی (انك لا تسمع الموتٰی) باختيارك وقدرتك كما انت تسمع الحی علی ماجری به عادة الله تعالٰی لكنّ الله تعالٰی يسمع الموتٰی كلام الاحياء اذا شاء'' (تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)۔

⑤ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ''وسماع الميت للاصوات من السلام والقراءة حق . لاقتضاء الصراط المستقيم'' (ص ۸۱)۔

⑨ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ''فان سائر الاموات ایضا یسمعون السلام والکلام'' (مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۰)۔
باقی رہا یہ مسئلہ کہ جوتے پہن کر قبرستان میں جانا کیسا ہے تو معتزلہ کے نزدیک جوتے پہن کر چلنا درست نہیں۔
جبکہ جمہور کے نزدیک جائز ہے، دلیل یہی حدیث الباب ہے۔
باقی جن احادیث میں جوتے پہن کر چلنے کی ممانعت آئی ہے وہ کسی امر آخر یا امر عارض کی وجہ سے ہے مثلاً متکبرانہ انداز سے چلنا یا جوتے میں گندگی لگی ہوئی تھی لہٰذا اور وجوہات کی بناء پر منع فرمایا ہوگا۔
(فائدہ) ''غیر انبیاء'' کے سماع موتٰی وعدم سماع موتٰی کا مسئلہ عقیدہ ایمانیات سے نہیں کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ اس میں بحث مباحثہ جدل وجدال میں پڑنا وقت کا ضیاع ہے۔ ہر شخص کو مرنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا ایسی بحث میں پڑنا جس کا تعلق مرنے کے بعد سے ہے عبث ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَجْرِ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا وَاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ وَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوقَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ مَوْقُوفًا وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَيُقَالُ أَكْثَرُ مَا ابْتُلِيَ بِهِ عَلِيُّ بْنُ عَاصِمٍ بِهٰذَا الْحَدِيثِ نَقَمُوا عَلَيْهِ.

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتا ہے اسے بھی اسی طرح ثواب ہوتا ہے امام ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف علی بن عاصم کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں بعض راوی اس حدیث کو محمد بن سوقہ سے بھی اس سند سے اسی کی مثل موقوفاً روایت کرتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اکثر علی بن عاصم پر اسی حدیث کی وجہ سے طعن کیا گیا۔

تشریح: کسی مصیبت زدہ شخص کو تسلی دینا اتنا ہی اجر کا باعث ہے جتنا مصیبت زدہ کو ثواب ملتا ہے۔ مصیبت عام ہے خواہ کسی کے مرنے کی مصیبت ہو یا کوئی مالی آفت آپڑی ہو۔ اسی طرح تسلی دینا بھی عام ہے خواہ اس کے قریب جا کر اس کو تسلی دے یا خط وغیرہ لکھ کر اس کو تسلی دے یا فون کر کے اس کو تسلی دے دے۔ تسلی دینے والے کو اتنا اجر ملے گا جتنا مصیبت زدہ کو ملتا ہے اس کی تین وجوہ ہیں۔
① تسلی دینے والا مصیبت زدہ کے صبر کا باعث بنتا ہے اور اس کے تسلی دینے سے مصیبت زدہ کو صبر آجاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''الدال علی الخیر کفاعله''۔
② جو مصیبت زدہ کے پاس حاضر ہوتا ہے وہ بھی مصیبت زدہ شخص کی طرح بے قرار ہوتا ہے اور وہ بھی صبر کرتا ہے پس ہر ایک کو اس کے اجر کا ثواب ملتا ہے۔
③ جو شخص تسلی دے رہا ہے اس کی طبیعت اور جس کو تسلی دی جا رہی ہو غم کے اعتبار سے ایک جیسی ہوتی ہے کیونکہ تسلی دینے والا

اس کے صدمہ کو اپنا صدمہ سمجھتا ہے اور عالم مثال کا دارومدار مماثلت پر ہے یعنی عمل کی جزا اس عمل کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے جو ثواب میت کے اہل وعیال کو ملے گا وہی ثواب تسلی دینے والے کو ملے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَأَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ قَالَ وَهٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ رَبِيعَةُ بْنُ سَيْفٍ إِنَّمَا يَرْوِي عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَلَا نَعْرِفُ لِرَبِيعَةَ بْنِ سَيْفٍ سَمَاعًا مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند متصل نہیں کیونکہ ربیعہ بن سیف اسے عبدالرحمٰن حبلی سے عبداللہ بن عمر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ربیعہ بن سیف نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے کوئی حدیث سنی ہو۔

تشریح: اس ترجمۃ الباب میں یہ مذکور ہے کہ جو بھی مسلمان جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات مرتا ہے تو وہ قبر کی آزمائش سے محفوظ رہتا ہے۔ عرف الشذی میں ہے کہ جمعہ کے دن مرنے کے متعلق جو فضیلت آئی ہے اور اس کے متعلق جتنی روایات آئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قبر کے فتنہ سے مراد سوال وجواب کے وقت پیش آنے والی خوفناک صورتحال ہے۔

اس باب کی روایت میں انقطاع ہے کہ اس میں ایک راوی ربیعہ کا حضرت عبداللہ بن عمرو سے سماع ثابت نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعْجِيلِ الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا الصَّلَاةُ إِذَا آنَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَمَا أَرٰى إِسْنَادَهُ بِمُتَّصِلٍ

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی تین چیزوں میں دیر نہ کرو۔ نماز جب کہ اس کا وقت ہو جائے جنازہ جب کہ حاضر ہو اور بیوہ عورت کے لئے جب کفو (مناسب رشتہ) مل جائے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور میں اس کی سند کو متصل نہیں سمجھتا۔

تشریح: یہ حدیث کتاب الصلوۃ میں گزر چکی ہے اور یہی حدیث آگے ابواب النکاح میں بھی آئے گی، وہاں امام ترمذیؒ

نے کوئی جرح نہیں کی جبکہ یہاں پر جرح کی ہے۔
فرماتے ہیں کہ میرے گمان میں اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ عمر کا اپنے والد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں کیونکہ ان کے بچپن میں ہی حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا تھا۔

بَاب آخَرُ فِي فَضْلِ التَّعْزِيَةِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ الْمُؤَدِّبُ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أُمُّ الْأَسْوَدِ عَنْ مُنْيَةَ ابْنَةِ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي بَرْزَةَ عَنْ جَدِّهَا أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَّى ثَكْلَى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی عورت سے اس کے بیٹےؓ کے فوت ہو جانے پر تعزیت کی اسے جنت میں ایک چادر پہنائی جائے گی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی سند قوی نہیں۔

تشریح: مَنْ عَزَّى ثَكْلَى: ''اى من عزى المرأة التى مات ولدها'' جس عورت کا چھوٹا بچہ مرجائے اس عورت سے جو تعزیت کرے اور تسلی دے اسکو جنت میں بڑا لباس پہنایا جائیگا جب تسلی دینے والوں کو ثواب عظیم ملے گا تو صبر کرنیوالے کا اجر کس قدر زیادہ ہوگا۔

كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ: ''اى البس ثوباً عظیماً'' یعنی جنت کا نہایت اعلیٰ اور وسیع جوڑا اس تعزیت کے عوض دیا جائیگا جو تمام جوڑوں سے ممتاز ہوگا۔ (مرقاۃ)

راوی حدیث کے حالات: ابو برزہ: یہ ابو برزہ فضلہ بن عبید اسلمی ہیں شروع زمانہ میں اسلام قبول کر لیا تھا اور یہ وہی ہیں جنہوں نے عبداللہ بن خطل کو قتل کیا تھا اور حضور ﷺ کی وفات تک تمام غزوات میں آپؐ کے ساتھ رہے پھر بصرہ آ کر اقامت پذیر ہوئے پھر خراسان کا غزوہ کیا اور مرو میں ۶۰ھ میں وفات ہوئی۔

اس حدیث کی سند میں ام الاسود اور منیہ دونوں مجہول ہیں اور مؤدب کے معنی ہیں مکتب کا استاد یا کسی بڑے آدمی کے لڑکے کو پڑھانے والا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي رَفْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الْجَنَازَةِ

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ أَبَانَ الْوَرَّاقُ عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْلَى عَنْ أَبِي فَرْوَةَ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

قاسم بن دینار کوفی، اسماعیل بن ابان وراق، یحییٰ بن یعلی، ابی فروہ یزید بن سنان، زید ابن ابی انیسہ، زہری، سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنازہ پر تکبیر کہی اور صرف پہلی تکبیر

وَسَلَّمَ كَبَّرَ عَلَى جَنَازَةٍ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ هٰذَا الْوَجْهِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيتَكْبِيرَةٍ وَوَضْعَ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرٰى قَالَ أَبُو هٰذَا.قَرَاعِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ ىٰ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنْ يَرْفَعَ الرَّجُلُ يَدَيْهِ فِي كُلِّ تَكْبِيرَةٍ عَلَى الْجَنَازَةِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَذُكِرَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ لَا يَقْبِضُ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ وَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يَقْبِضَ بِيَمِينِهِ عَلَى شِمَالِهِ كَمَا يَفْعَلُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ أَبُو عِيسٰى يَقْبِضُ أَحَبُّ إِلَيَّ

میں ہاتھ اٹھائے اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کرام اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ جنازہ کی تمام تکبیروں میں ہاتھ اٹھائے جائیں ابن مبارکؒ شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف پہلی مرتبہ ہاتھ اٹھائے سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے ابن مبارک سے مروی ہے کہ نماز جنازہ میں ہاتھ نہ باندھے لیکن بعض اہل علم کے نزدیک نماز جنازہ میں بھی دوسری نمازوں کی طرح ہاتھ باندھنے چاہییں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ مجھے ہاتھ باندھنا زیادہ پسند ہے۔

تشریح: مسئلہ: **نماز جنازہ کی تکبیرات پر ہاتھ اٹھانے کا حکم؟** اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ البتہ بقیہ تکبیرات کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ، امام اوزاعیؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قول یہ ہے کہ ہر تکبیر کے موقعہ پر ہاتھ اٹھائے جائیں گے۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ وغیرہ کے نزدیک بقیہ تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کیونکہ بقیہ تمام تکبیرات رکعات کے قائم مقام ہیں اور تمام رکعات میں ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے یہ اختلاف فرض نمازوں کی طرح ہے جو حضرات فرائض میں رفع یدین کے قائل ہیں وہ جنازہ میں بھی قائل ہیں اور جو فرائض میں رفع کے قائل نہیں وہ جنازہ کی تکبیرات میں بھی قائل نہیں۔

شوافع کی دلیل: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے "أن النبی ﷺ کان اذا صلی علی الجنازة رفع یدیه فی کل تکبیرة و اذا انصرف سَلَّمَ"۔

احناف کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کیا۔

اعتراض: یحییٰ بن یعلی اسلمی اور ابوفروہ یزید بن سنان دو راوی ضعیف ہیں۔ **جواب:** لیکن علامہ عثمانیؒ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث درجہ حسن سے کم نہیں۔ (اعلاء السنن ج ۸ ص ۲۲۰۔۲۲۱)

دلیل ثانی: یہ پہلی روایت کی تائید ہے "ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیه علی الجنازة فی اول تکبیرة ثم لا یعود" (سنن دار قطنی ج ۲ ص ۷۵)۔ بہر حال دونوں فریقین کے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں اور اختلاف صرف فضلیت میں ہے جواز میں نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ نَفْسَ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتَّى يُقْضَى عَنْهُ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْأَوَّلِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی روح اس کے قرضے کی وجہ سے پھنسی رہتی ہے۔ جب تک اس کی طرف سے قرضہ ادا نہ کیا جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی جان اس کے قرضے کی وجہ سے پھنسی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی طرف سے ادا نہ کر دیا جائے۔ امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور پہلی حدیث سے اصح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جس شخص کا کسی پر قرضہ ہو اور اس کا قرضہ ادا نہ کیا جائے تو اس کی روح معلق ہوتی ہے جب اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا تو اس کی روح آزاد ہو جائے گی۔ اگر متوفی مقروض کی روح کو آزاد کرانا ہے تو اس کا فوری طور پر قرضہ ادا کیا جائے یا اس کا قرضہ معاف کر دیا جائے۔

امام ترمذیؒ نے دوسری سند میں سعد بن ابراہیم بواسطہ عمر روایت کرتے ہیں جو حضرت اُم سلمہ کے بیٹے ہیں۔ یہ واسطہ والی سند اصح ہے۔ یہ عمر صدوق ہیں مگر ان سے کبھی غلطی ہو جاتی ہے اس لئے اس حدیث کو صرف حسن کہا ہے۔

امام ترمذیؒ کتاب الجنائز کے آخر میں یہ بات لا کر اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر انسان نے مرنا ہے اور مرنے سے پہلے اس کی تیاری ضروری ہے۔ اس تیاری میں حقوق العباد کو پہلے ہی ادا کر لو تا کہ مرنے کے بعد روح قید نہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اَبْوَابُ النِّكَاحِ

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

نکاح کے لغوی معنی: ① نکاح نکح سے ہے بمعنی ملنا چونکہ نکاح کی وجہ سے زوجین باہمی طور پر مل کر زندگی گزارتے ہیں اس لئے اُسے نکاح کہتے ہیں اور سوراخ کو بھی کہتے ہیں نکاح میں دونوں معنی موجود ہیں جیسا کہ ابوطیب شاعر کہتا ہے۔

انساعہا ممغوطۃ وخفافہا منکوحۃ وطریقہا عذراء

② وطی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ ''حتّٰی تنکح زوجا غیرہ'' یہاں پر بھی نکاح بمعنی وطی کے استعمال ہوا ہے۔ ③ عقد نکاح کے معنی میں ہے جیسے عرف میں کوئی شخص کہتا ہے کہ میں فلاں کے نکاح میں شریک ہوا اس سے مراد عقد نکاح ہے نہ کہ وطی۔

آخری دو معنوں میں حقیقت کون سا ہے اور مجاز کونسا۔ اس میں تین اقوال ہیں۔ ① عند البعض عقد نکاح کے حقیقی معنی اور وطی مجازی معنی میں ہے یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ ② عند البعض وطی نکاح میں حقیقت اور عقد نکاح میں مجاز ہے۔ یہ قول احناف کا ہے ③ عند البعض نکاح وطی اور عقد کے درمیان مشترک ہے۔ کہ نکاح ان دونوں معنوں کے درمیان مشترک ہے۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۱۸۶)

نکاح کی تعریف: ① ''ہو عقد یتحقق بالایجاب والقبول علی ملك البضع قصدا بلفظ الماضی'' ② عند البعض اس کی تعریف یوں ہے ''النکاح ہو عقد وضع لتملیك المتعة بالانثی قصدا'' دونوں تعریفوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

مشروعیت نکاح کی حکمت: ''تعلق بقاء النسل المقدر فی العلم الازلی علی الوجه الاکمل''۔

نکاح کا حکم: نکاح کے پانچ احکام ہیں حالات کے بدلنے سے نکاح کے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

فرض: غلبہ شہوت کی بناء پر زنا میں مبتلا ہونے کا یقین ہو اور عورت کے مہر اور نان ونفقہ پر قدرت بھی ہو تو بالاتفاق نکاح کرنا فرض ہے اور نکاح نہ کرنے سے گناہ گار ہوگا۔ ''وفی النہایة ان کان له خوف وقوع الزنا بحیث لا یتمکن من التحرز الا به کان فرضا''۔ (مرقاۃ ایضا)

واجب: غلبہ شہوت اور زنا میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہو اور نکاح پر قدرت بھی ہو تو ایسے آدمی پر نکاح کرنا واجب ہے بشرطیکہ نان ونفقہ پر قادر ہو۔ نیز نکاح اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ انسان میں دو قوتیں ہیں جن میں باہمی اعتدال ضروری ہے ان قوتوں کے افراط وتفریط سے انسان تباہ وبرباد ہو جاتا ہے وہ دو قوتیں یہ ہیں۔ ① قوۃ شہویہ ② قوت غضبیہ۔ قوۃ شہویہ میں افراط وزیادتی، فسق وفجور، زنا اور بدکاری ہے اور اس میں تفریط، خمود وجمود ونامردی ہے اس کا اعتدال پاکدامنی ہے اور یہی مطلوب ومقصود ہے۔ قوۃ غضبیہ میں افراط، زیادتی اور ظلم ہے اور اس میں تفریط بزدلی اور جبن ہے اس میں اعتدال شجاعت ہے اور یہی مطلوب ومقصود ہے۔

نکاح سے انسان کی یہی دونوں قوتیں کنٹرول میں آجاتی ہیں جس کی وجہ سے انسان میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ نکاح سے تعلقات وسیع ہوتے ہیں کئی نئے رشتے وجود میں آجاتے ہیں۔ آدمی کو سہارا مل جاتا ہے اسی طرح نکاح سے کمزور آدمی کو افرادی قوت حاصل ہوجاتی ہے نئے رشتہ داروں سے تعاون حاصل ہوجاتا ہے تو قوۃ غضبیہ میں اعتدال آجاتا ہے۔ اسی طرح نکاح سے جنسی تسکین کیلئے جائز اور صحیح محل میسر آجانے کی وجہ سے زنا، بدکاری، فسق وفجور سے تحفظ حاصل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے قوت شہویہ میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔

سنت مؤکدہ: اور اگر حالت اعتدال ہے یعنی زنا میں مبتلا ہونے کا یقین بھی نہیں ہے اور غلبہ ظن بھی نہیں ہے تو ایسی حالت میں نکاح کے حکم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** عندالاحناف ایسے آدمی کیلئے نکاح کرنا سنت مؤکدہ ہے۔

قولِ ثانی: عندالشوافع ایسے آدمی کیلئے نکاح کرنا مستحب ہے۔ **قولِ ثالث:** عنداصحاب الظواہر ایسے آدمی پر نکاح کرنا فرض ہے۔

اصحاب ظواہر کی دلیل: قرآن کریم کی آیت ہے ''فانکحوا ما طاب لکم'' اس میں ''فانکحوا'' امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حالت اعتدال میں نکاح کرنا فرض ہے۔ اس دلیل کے احناف نے دو جواب دیئے ہیں۔ ① یہ امر اس حالت میں ہے جب غلبہ شہوت ہو۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ ② یہ آیت قرآنی نکاح کا حکم بیان کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ اس میں عدد زوجات کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ③ **مکروہ:** اگر عورت پر ظلم اور زیادتی کا گمان ہو تو اس صورت میں نکاح کرنا مکروہ ہے۔

حرام: اگر نکاح کے بعد بیوی پر ظلم وجور کا یقین ہو اور اس کا نان ونفقہ پورا نہ کرسکتا ہو یا جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسی صورت میں نکاح کرنا حرام ہے۔

نکاح کے ارکان: نکاح کے دو رکن ہیں۔ ① ایجاب ② قبول بشرطیکہ دونوں ماضی کے صیغے ہوں یا ان میں سے ایک مستقبل کا ہو اور ایک ماضی کا ہو۔

جن الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے: وہ الفاظ یہ ہیں۔ ① تزوج ② تزویج ③ نکاح ④ ہبہ ⑤ بیع ⑥ صدقہ ⑦ تملیک عین۔ ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔ یہاں تملیک سے مراد تملیک عین فی الحال ہے۔ مثلاً بیع شراء صدقہ وغیرہ اور وہ لفظ جو تملیک عین فی الحال پر دلالت نہ کرے تو اس سے نکاح منعقد نہیں ہوگا جیسے اجارہ وغیرہ۔

نکاح کی شرائط: چار شرائط ہیں۔ ① عاقدین میں سے ہر ایک اصالۃً یا وکالۃً یا دلالۃً دوسرے کے الفاظ سنے۔ اصالۃً کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے کلام کو خود سنیں۔ اور وکالۃً کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی کا وکیل ایک دوسرے کا کلام سنیں۔ اور دلالۃً کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک کا ولی دوسرے کے ولی کے کلام کو سنے۔ ② ایسے دو گواہوں کا موجود ہونا جو آزاد، مسلمان، عاقل اور بالغ ہوں۔ ③ گواہوں میں سے ہر ایک کا عاقدین میں سے ہر ایک کے کلام کو اکٹھے سننا اگر ایک گواہ نے ایک کا کلام سنا اور دوسرے گواہ نے دوسرے کا کلام سنا یا دو گواہوں نے ایک ہی کا کلام سنا تو اس صورت میں نکاح درست نہیں ہوگا۔

④ محل نکاح درست ہو یعنی وہ انسان ہو، عورت ہو نیز مرد کا نکاح صرف عورت سے ہوسکتا ہے جن وغیرہ سے نہیں ہوسکتا۔ محرمات میں سے نہ ہو مشرکہ نہ ہو۔

نکاح کے مستحبات: چھ مستحبات ہیں۔ ① اعلان وتشہیر ② نکاح کا خطبہ ③ مسجد میں ہونا ④ جمعہ کا دن ہونا ⑤ گواہوں کا عادل

ہونا ⑥ مخطوبہ کی رویت بشرطیکہ شہوت سے امن ہو اور بدنظری مقصود نہ ہو ⑦ بیوی عمر میں، مال و دولت میں، مقام و مرتبہ میں کم ہو تا کہ شوہر کو اپنے سے کمتر نہ سمجھے۔

نکاح کی مصالح: نکاح کی مصالح کئی ہیں یہاں پر خاص خاص ذکر کی جاتی ہیں۔ ① نکاح کے ذریعے صنف نازک یعنی بیوی کی ضروریات زندگی کا انتظام کیا جاتا ہے ② مرد و عورت کی عزت کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ ③ اقارب سے صلہ رحمی ہو جاتی ہے ④ اولاد صالح عطا ہوتی ہے ⑤ انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق مل جاتی ہے۔

منکوحہ کے اوصاف: آٹھ اوصاف ہونے چاہئیں۔ ① دینداری ② حسن صورت ③ حسن سیرت و اخلاق ④ قلت مہر والی ہو ⑥ خاوند سے زیادہ محبت کرنے والی ہو ⑦ نسبی شرافت ⑧ صحت مند اور کم عمر ہو۔ ان ابحاث کے اختتام پر ایک مشہور اختلافی مسئلہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ اختلافی: تخلی بالنوافل افضل ہے یا نکاح؟ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک تخلی بالنوافل افضل ہے نکاح کرنے سے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک تخلی بالنوافل سے نکاح کرنا افضل ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم میں نکاح کو مباح قرار دیا گیا ہے لہٰذا یہ بیع و شراء کی طرح ہے اور ظاہر بات ہے کہ بیع و شراء سے تخلی بالنوافل افضل ہے۔

جواب: نکاح فی نفسہ مباح ہونے کے ہم بھی قائل ہیں لیکن دوسرے مصالح کے پیش نظر ہم نکاح کو افضل کہتے ہیں جیسا کہ بیع و شراء فی نفسہ مباح ہے لیکن بال بچوں کی خاطر یہ فرض واجب ہو جاتا ہے۔

دلیل ثانی: حضرت یحییٰ علیہ السلام نے نکاح نہیں کیا تو قرآن نے ان کی یہ صفت بطور مدح کے اس طرح بیان فرمائی کہ "سیدا وحصورا ونبیا من الصالحین" حصور اس کو کہتے ہیں جو باوجود قدرت کے عورتوں سے جدا رہے اور عبادت میں مشغول رہے۔

جواب اوّل: حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شریعت میں عدم نکاح افضل تھا جبکہ ہماری شریعت میں "لا رہبانیۃ فی الاسلام" سے اس کو منسوخ قرار دیا گیا ہے۔

جواب ثانی: یہ حکم عام نہیں تھا بلکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خاص احوال تھے مثلاً نفس کے مجاہدہ کے ساتھ شہوت نفس کو مغلوب کرنا یا طلب رزق حلال کے لئے فارغ نہ ہونا وغیر ذلک اس لئے ان کے حق میں حصور رہنا ہی افضل تھا۔

احنافؒ کی دلیل اوّل: حضرت یحییٰ علیہ السلام کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام نے نکاح کئے ہیں جیسا کہ آئندہ باب میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "اربع من سنن المرسلین الحیاء والتعطر والسواک والنکاح"۔ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ج ا ص ۴۴) جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول کے بعد نکاح کریں گے۔

دلیل ثانی: خاتم النبیین اشرف الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد نکاح کئے اور شادی نہ کرنے والے کے لئے سخت وعید فرمائی ہے کہ "من رغب عن سنتی فلیس منی" تو یہ وعید سنت سے اعراض کی بناء پر ہے۔

دلیل ثالث: نکاح کرنے کو خیر الدنیا والآخرۃ فرمایا گیا۔

دلیل رابع: آپ ﷺ نے نکاح کی بہت ترغیب دی ہے اور فرمایا "تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم" نیز فرمایا "من اراد ان یلقی الله طاهرا ومطهرا فلیتزوج الحرائر" اور ایک اور حدیث میں ہے "تزوجوا فان خیر هذه الامة نساء" نکاح کو نصف دین کہا گیا ہے اور تبتل سے منع فرمایا گیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ التَّزْوِيجِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي الشِّمَالِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِينَ الْحَيَاءُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَالنِّكَاحُ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عُثْمَانَ وَثَوْبَانَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي نَجِيحٍ وَجَابِرٍ وَعَكَّافٍ حَدِيثُ أَبِي أَيُّوبَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

حضرت ابوایوب ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں، حیاء کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ اس باب میں حضرت عثمان، ثوبان، ابن مسعود، عائشہ، عبداللہ بن عمرو، جابر، اور عکاف رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث ابی ایوب ؓ حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خِدَاشٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي الشِّمَالِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَفْصٍ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثَ هُشَيْمٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ الْوَاسِطِيُّ وَأَبُو مُعَاوِيَةَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ أَبِي الشِّمَالِ وَحَدِيثُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ وَعَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ أَصَحُّ.

ہم سے روایت کی محمود بن خداش نے انہوں نے عباد بن عوام سے انہوں نے حجاج سے انہوں نے مکحول سے انہوں نے ابوشمال سے انہوں نے ابوایوب سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حفص کی حدیث کی مثل روایت کرتے ہیں پھر یہی حدیث ہشیم، محمد بن یزید واسطی، معاویہ، اور کئی راوی بھی حجاج سے وہ مکحول سے اور وہ حضرت ابوایوب ؓ سے روایت کرتے ہیں لیکن وہ ابوشمال کا ذکر نہیں کرتے حفص بن غیاث اور عباد بن عوام کی حدیث اصح ہے۔

تشریح: الْحَيَاءُ: حیاء کرنا یہ بھی انبیاء ﷺ کی سنتوں میں سے ہے حیاء محمود بھی ہے اور مذموم بھی ہے۔ جہاں شرم نہ کرنے کا حکم ہے وہاں شرم کرنا مذموم ہے مثلاً کوئی شرعی مسئلہ پوچھنا ہو تو اس کو پوچھ لینا ضروری ہے وہاں پر شرم نہیں کرنی چاہیے۔ تاکہ اس پر عمل کر سکے اگر شرعی مسئلہ پوچھنے میں حیاء کی تو یہ مذموم ہے۔ جیسا کہ حضرت ام سلیم ؓ کا آپ ﷺ سے ایک مسئلہ پوچھنے کا واقعہ ہے۔ اور جہاں پر شرم کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا اس فعل سے منع کیا گیا ہے وہاں شرم کرنا محمود ہے۔

وَالتَّعَطُّرُ: خوشبو لگانا بھی انبیاء مرسلین ﷺ کی سنت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں میں خوشبو لگانے کا رواج ہے۔ غیر اقوام خوشبو کا استعمال نہیں کرتے بلکہ وہ پرفیوم استعمال کرتے ہیں جو پتلون کی بدبو کو دبانے کے لئے ہوتی ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ استنجاء پانی سے نہیں کرتے بلکہ ٹائلٹ پیپر استعمال کرتے ہیں اس لئے ان کی پتلونوں میں بدبو رہتی ہے۔ اور ہنود استنجاء میں پانی استعمال کرتے

ہیں اس لئے وہ پرفیوم استعمال نہیں کرتے۔البتہ بعض ہنود جو ماڈرن طبیعت کے ہیں وہ پرفیوم استعمال کرتے ہیں۔

وَالسِّوَاكُ: یہ بھی امور فطرت میں سے ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سنن میں سے ہے اس کی تفصیل ابواب الطہارت میں گزر چکی ہے۔

وَالنِّكَاحُ: اس سے انسانی ضرورت پوری ہوتی ہے اس لئے سب ہی انسان نکاح کرتے ہیں مسلمانوں میں نکاح کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت بھی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ خِدَاشٍ: اعتراض: اوپر امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس روایت میں ابوالشمال راوی مجہول ہے۔لہٰذا امام ترمذیؒ کا اس کو حسن قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

جواب: امام ترمذیؒ کا اس روایت کو حسن قرار دینا اس کی علامت ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک مجہول نہیں یا امام ترمذیؒ نے اس روایت کو حسن اس لئے قرار دیا ہو کہ اس کے شواہد اور بھی ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَابٌ لَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّ الصَّوْمَ لَهُ وِجَاءٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے ہم جوان تھے لیکن نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے تھے آپؐ نے فرمایا اے نوجوانو تم ضرور نکاح کرو کیونکہ یہ آنکھوں کو نیچا رکھتا ہے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرتا ہے جسے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے کیوں کہ روزہ اس کے حق میں گویا خصی کرنا ہے (یعنی شہوت ختم ہوجاتی ہے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ نَحْوَهُ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الْأَعْمَشِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَ هٰذَا وَرَوَى أَبُو مُعَاوِيَةَ وَالْمُحَارِبِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ

ہم سے روایت کی حسن بن علی خلال نے انہوں نے عبداللہ بن نمیر سے انہوں نے اعمش سے انہوں نے عمارہ سے اسی حدیث کی مثل اور کئی راوی اعمش سے بھی اسی کے مثل روایت کرتے ہیں ابومعاویہ اور محاربی بھی اعمش سے وہ ابراہیم وہ علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قوله يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ: معشر کسی خاص وصف پر مشتمل جماعت کو کہتے ہیں جیسے ''یامعشر الجن'' (جنوں کی جماعت) اور معشر الرجال (مردوں کی جماعت) اور شباب جمع ہے شاب کی بمعنی جوانی۔بلوغ کے وقت سے جوانی شروع ہوجاتی ہے۔ جوانی کی حد کہاں تک ہے۔عندالشوافع وہ بالغ جس کی عمر تیس سال سے متجاوز نہ ہو اور عندالاحناف چالیس سال سے متجاوز نہ ہو۔

لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ: الباءۃ کو چار طرح ضبط کیا گیا ہے۔ ① مد اور ہاء کے ساتھ ② بغیر مد کے ③ مد کے ساتھ اور بغیر ھاء کے ④ مد کے بغیر اور دو ''ہا'' کے ساتھ ''الباہۃ''، اسکا معنی جماع ہے اور یہ مشتق ہے ''المباءۃ'' بمعنی منزل سے اور

پناہ گاہ پھر مجازاً عقد نکاح کو باہ کہا جانے لگا اس لئے کہ جو عورت سے نکاح کرتا ہے اسے اپنی منزل یا پناہ گاہ میں اتارتا ہے کیونکہ انسان جس طرح اپنے مکان کی طرف پناہ لے کر اطمینان حاصل کرتا ہے اسی طرح اپنی بیوی کی طرف پناہ لے کر (شیطان سے) اطمینان حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے ''لتسکنوا الیھا'' (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۶)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ''الباءۃ'' سے مراد جماع نہیں ہے بلکہ اس سے مراد حقوق نکاح ہیں اس سے پہلے مضاف محذوف ہے جو کہ ''مؤونۃ'' ہے اصل میں تھا'' مؤنۃ الباءۃ ''یعنی نکاح کی قدرت اور طاقت۔ یہاں جماع اس وجہ سے مراد نہیں کہ اس وقت ''لم یستطع'' کا عطف ''من استطاع'' پر صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس وقت معنی ہوگا کہ جو شخص جماع کی طاقت رکھے وہ تو نکاح کرے اور جو طاقت نہ رکھے وہ روزے رکھے حالانکہ اس میں تو جماع کی طاقت ہی نہیں ہے تو اس کو شہوت کنٹرول کرنے کیلئے روزے رکھنے کا حکم کیوں دیا جائے بلکہ روزے رکھنے کا حکم تو اس کو ہے جو جماع کی طاقت رکھے لیکن لوازمات نکاح کی طاقت نہ رکھے اور لفظ شباب بھی قرینہ ہے کہ ''الباءۃ'' سے مراد جماع نہیں ہے کیونکہ خطاب نوجوانوں کو ہے اور ان میں جماع کی طاقت ہوتی ہی ہے۔ ''فلیتزوج'' یہ امر وجوب کیلئے ہے یا یہ غلبہ شہوت پر محمول ہوگا لیکن اگر حالت اعتدال ہو تو پھر یہ امر استحباب پر محمول ہوگا۔

قوله فانه اغض للبصر: ''ای اخفض'' نکاح کرنے سے انسان کی نظر کی حفاظت ہوتی ہے بایں معنی کہ غیر کی طرف شہوت کی نظر سے نہیں دیکھتا اگر نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹا لیتا ہے تو یہ نکاح کا ایک فائدہ ہوا۔

قوله واحصن للفرج: ''ای عن الوقوع فی الحرام'' حرام کے ارتکاب میں پڑنے سے بچ جاتا ہے۔ پہلے حرام میں پڑنے کے سبب سے روک دیا جو مفضی الی الحرام ہے۔ اس جملہ میں نکاح کا دوسرا فائدہ بتلا دیا۔

قوله فمن لم یستطع: مطلب یہ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہے لیکن لوازمات نکاح نان ونفقہ، سکنیٰ (رہائش) نہیں دے سکتا تو اس کیلئے ''فعلیه بالصوم'' کا حکم ہے۔ **وجاء:** واؤ کے کسرہ اور مد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس کے معنی توڑنا، خصیتین کا کچلنا یعنی اس قدر روزے رکھے اس کی شہوت مغلوب ہو جائے گویا کہ وہ خصی ہو جائے یہ استعارہ مصرحہ ہے یعنی مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد لیا ہے اور مشبہ خصی ہونا ہے اور اس کے ساتھ کسر شہوت کو تشبیہ دی ہے۔

قوله فعلیه بالصوم: سوال: فعلیه بالجوع کہنا چاہیے تھا، صوم کی طرف عدول کیوں کیا؟ جواب: چونکہ یہ عبادت کے معنی میں آیا ہے جو یہاں مقصود ہے یا یہ بتلانے کیلئے کہ روزے سے مقصود جوع اور کسر شہوت ہے حالانکہ بہت سارے روزے داروں کی انتڑیاں تو بھری ہوتی ہیں۔ (مرقاۃ) یہاں پر علی لزوم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک دو روزوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا بلکہ مسلسل روزے رکھنے سے ہوگا جیسا کہ حدیث میں ہے ''الصوم جنۃ'' کہ روزہ شیطان کیلئے ڈھال ہے کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان شیطانی حملہ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے تو روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان کی رگیں سکڑ جاتی ہیں خون کا دوڑنا متاثر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شیطان کی آمد ورفت کی راہ مسدود ہو جاتی ہے۔

نیز روزہ رکھنے کی وجہ سے انسان کی شہوت کنٹرول ہوتی ہے انسان خصی نہیں ہوتا۔

الحاصل حدیث شریف میں نکاح کی ترغیب کے ساتھ ساتھ دو فائدے بھی بیان کیے ہیں اور نکاح پر قدرت نہ رکھنے والے کیلئے

گناہ سے بچنے کا علاج بھی بتلا دیا گیا۔ یہ حدیث نکاح کے سنت مؤکدہ ہونے میں احناف کی دلیل ہے۔

حدثنا الحسن بن علی الخلال: اعمش سے اوپر دو سندیں ہیں۔

① اعمش بن عمارہ بن عمیر، عن عبدالرحمن بن یزید، عن ابن مسعود۔ یہ سفیان ثوری اور عبداللہ نمیر کی سند ہے۔

② اعمش، عن ابراہیم، عن علقمہ، عن ابن مسعود، عن النبی ﷺ یہ ابو معاویہ اور محاربی کی سند ہے۔

امام ترمذیؒ نے پہلی سند کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور اس دوسری سند کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ التَّبَتُّلِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ وَزَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْبَصْرِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ التَّبَتُّلِ وَزَادَ زَيْدُ بْنُ أَخْزَمَ فِي حَدِيثِهِ وَقَرَأَ قَتَادَةُ { وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً } وَفِي الْبَاب عَنْ سَعْدٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَرَوَى الْأَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَيُقَالُ كِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ

حضرت سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون سے تبتل کے ارادے کو رد کر دیا اگر آپ ان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔ حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ترک نکاح کی ممانعت فرمائی۔ زید بن اخزم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت قتادہ نے یہ آیت پڑھی " وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً " 13۔ الرعد: 38) ترجمہ (یعنی ہم نے آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور انہیں بیویاں اور اولاد عطا فرمائی) اس باب میں حضرت سعد، انس بن مالک، عائشہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث سمرہؓ حسن غریب ہے۔ اشعث بن عبدالملک نے یہ حدیث بواسطہ حسن اور سعد بن ہشام، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے ہم معنی مرفوع حدیث روایت کی کہا جاتا ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

تشریح: قولہ التبتل: "ای الانقطاع عن النساء کان ذلک فی شریعۃ النصاری" عورتوں سے انقطاع اور جدائی اختیار کرنا اور نکاح ترک کرنا یہ حکم نصاریٰ کی شریعت میں تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سے نہی فرمائی ہے تاکہ امت میں کثرت ہو اور جہاد دائمی رہے وگرنہ مسلمان شہید ہوتے رہتے تو ایک نہ ایک دن مسلمان ختم ہو جائینگے اور جہاد ختم ہو جائیگا اس لئے

آپ ﷺ نے تبتل سے نہی کی ہے۔ جس کی طرف ملا علی قاریؒ نے اشارہ کیا ہے "فنھی النبی ﷺ عنه امته لیکثر النسل ویدوم الجهاد" (مرقاۃ ج۶ ص۱۸۷)

(فائدہ) حضرت مریم % کو بتول نکاح نہ کرنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور اس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بتول اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دنیا کو ترک کر دیا تھا یا پھر اس لئے کہ وہ اس امت کی عورتوں سے حسب ونسب اور دین کے اعتبار سے ممتاز اور الگ تھلگ تھیں۔ (التعلیق الصبیح ج۴ ص۶)

قوله لاختصینا: "کیلا یحتاج الی النساء" اپنے آپ کو خصی کرا دینا تا کہ عورتوں کی طرف رغبت نہ رہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مناسب یہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ کہتے کہ اگر آپ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم بھی تبتل اختیار کرتے لیکن انہوں نے "تبتل" کہنے کے بجائے بطور مبالغۃ "لاختصینا" فرمایا کہ ہم خصی ہو جاتے گویا ہم تبتل میں اتنا مبالغہ کرتے کہ خصی ہو جاتے۔ اگرچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مراد حقیقۃً خصی ہونا نہیں کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا اس طرح کہنا اس وجہ سے تھا کہ ان کے نزدیک گویا خصی ہونا جائز تھا حالانکہ ان کا یہ گمان حقیقت واقعہ کے خلاف ہے۔

سوال: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تبتل کی اجازت نہیں دی جبکہ قرآن کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واذکر اسم ربك وتبتل الیه تبتیلا"۔ تو قرآن اور حدیث میں بظاہر تعارض ہے۔

جواب: دونوں کا مصداق الگ الگ ہے قرآن میں تبتل سے مراد بستر سے علیحدہ ہو جانا ہے یعنی ساری رات نہ سوؤ بلکہ اللہ کی طرف رجوع کرو جبکہ حدیث مبارکہ میں تبتل سے مراد نکاح نہ کرنا ہے تو مطلب مختلف ہوئے لہٰذا تعارض نہ ہوا۔

سوال: سیاق کلام کا تقاضا یہ تھا کہ یوں کہا جاتا "ولو اذن له لتبتلنا" تو "لاختصینا" کیوں کہا؟

جواب: تبتل کا اصل مقصد محض "انقطاع عن النساء" کافی نہیں کیونکہ اصل مقصد تو انقطاع شہوت ہے اور محل شہوت کا انقطاع خصی ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے اس لئے "لاختصینا" کہا۔

مسئلہ: مرد کا خصی کرانا جائز نہیں خواہ عمر چھوٹی ہو یا بڑی۔ اسی طرح حرام جانوروں کا خصی کرانا جائز نہیں البتہ حلال جانوروں کو صغر کی حالت میں خصی کرانا جائز ہے بڑی عمر میں جائز نہیں نیز یہ حدیث بھی احناف کا مستدل ہے کہ نکاح کرنا نفلی عبادت سے بہتر ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ فَزَوِّجُوهُ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنِ ابْنِ وَثِيمَةَ النَّصْرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ إِلَيْكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ

قتیبہ، عبدالحمید بن سلیمان، ابن عجلان، ابن وثیمہ نصری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کروا گر ایسا نہ کیا تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بہت

عَرِيضٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ وَعَائِشَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ قَدْ خُولِفَ عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ سُلَيْمَانَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرَوَاهُ اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا قَالَ مُحَمَّدٌ وَحَدِيثُ اللَّيْثِ أَشْبَهُ وَلَمْ يَعُدَّ حَدِيثَ عَبْدِ الْحَمِيدِ مَحْفُوظًا.

فساد ہوگا۔ اس باب میں ابوحاتم مزنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے حدیث ابوہریرہ میں عبدالحمید بن سلیمان سے اختلاف کیا گیا ہے۔ لیث بن سعد، ابن عجلان، اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً روایت کرتے ہیں۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث لیث، اشبہ ہے اور حدیث عبدالحمید محفوظ نہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ هُرْمُزَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَسَعِيدٍ ابْنَيْ عُبَيْدٍ عَنْ أَبِي حَاتِمٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ قَالَ إِذَا جَاءَكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِينَهُ وَخُلُقَهُ فَأَنْكِحُوهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَأَبُو حَاتِمٍ الْمُزَنِيُّ لَهُ صُحْبَةٌ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ

حضرت ابوحاتم مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کرو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور فساد ہوگا صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ وہ مفلس ہی کیوں نہ ہو۔ فرمایا اگر اس کی دینداری اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو اسی سے نکاح کرو۔ یہی الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ابوحاتم کی صحابیت ثابت ہے لیکن ان کی اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث کا ہمیں علم نہیں۔

تشریح: تم سے اگر کسی نے رشتہ مانگا اور تم اس کے دین سے راضی ہو یعنی لڑکا اچھا ہے با اخلاق ہے تو اس سے لڑکی کا نکاح کر دینا چاہیے۔ لڑکا غریب ہو، خستہ حال ہو بے روزگار ہو یا بدصورت ہو یا اس طرح کی کوئی اور بات ہو تو اس کو مدنظر نہ رکھو کیونکہ گھر کے نظام میں دو چیزیں مطلوب ہیں۔ ① اچھے اخلاق میں معیت وصحبت یعنی با اخلاق رفیق حیات۔ ② وہ معیت وصحبت جو دین کی اصلاح کا ذریعہ بنے اگر لڑکا با اخلاق اور دیندار ہے تو پھر بہترین رفیق ہے وہ لڑکی کے دین کو سنوارے گا۔

اگر ایسے شخص کا رشتہ ملنے کے باوجود نکاح نہیں کرو گے بلکہ حسب و مال کو دیکھو گے تو زمین میں فساد پھیلے گا کیونکہ مال اور حسب یہ دونوں سرکشی اور فساد کا موجب ہیں یا اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تم دین دار سے شادی کرنے پر راضی نہیں ہو گے بلکہ مال و دولت کو دیکھو گے جیسا کہ اہل دنیا کا طرز وطریقہ ہے تو دنیا میں اکثر عورتیں بغیر شادی کے رہ جائیں گی تو نتیجۃً وہ بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گی۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۹)

مسئلہ: کفو میں کس چیز کا اعتبار کیا جائے گا حرفت ونسب کا یا دینی حالت کا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک کفو صرف دین میں معتبر ہے حرفت اور نسب میں معتبر نہیں۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک حرفت اور نسب میں بھی اعتبار کیا جائے گا ان کے نزدیک اسی حدیث میں "وخلقہ" کے الفاظ حرفت اور نسب کی کفاءت پر دلالت کرتے ہیں اس لئے کہ نسب وحرفت کا انسان کے اخلاق پر بہت اثر پڑتا ہے۔

حدیث الباب امام مالکؒ کا مستدل ہے دیگر ائمہ حضرات کہتے ہیں کہ حدیث کا مقصود صرف اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ دیندار رشتہ مل جائے تو تاخیر نہیں کرنی چاہیے لڑکی کا اس سے جلد نکاح کر دینا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ أَنَّ الْمَرْأَةَ يُنْكَحُ عَلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُوسٰى حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُنْكَحُ عَلٰى دِينِهَا وَمَالِهَا وَجَمَالِهَا فَعَلَيْكَ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ وَعَائِشَةَ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيدٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سے اس کے دین اس کے مال اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے پس تم دیندار عورت کو نکاح کے لئے لازم پکڑو۔ پھر فرمایا کہ تمہارے دونوں ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔ اس باب میں حضرت عوف بن مالک، عائشہ، عبداللہ بن عمرو اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث جابر حسن صحیح ہے۔

تشریح: قولہ وجمالها: "ای لصورتها" یعنی اچھی صورت والی ہو۔ "علی دینها" سے خوب سیرت ہونا مراد ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم میں ان سب خصائل کو لام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن بخاری شریف میں "جمالها" کے ساتھ لام کا ذکر نہیں کیا گیا۔

قولہ علی دینها: ماقبل میں مذکورہ دو خصلتوں والی عورت کو بعض حضرات پسند کرتے ہیں جبکہ کچھ نیک بندے ان دونوں کے علاوہ دین داری دیکھتے ہیں جبکہ آگے حدیث کے الفاظ "فاظفر بذات الدین" آپ ﷺ کے ارشاد سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اصل دین ہی ہے کیونکہ بقیہ تین صفات کے متعلق ملا علی قاریؒ نے ابن ہمامؒ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے ان دو صفات پر رد مقصود ہے "قال من تزوج امرأة لعزها لم یزده الله الا ذلا ومن تزوجها لمالها لم یزده الا فقرا ومن تزوجها لحسبها لم یزده الا دناءة ومن تزوج امرأة لم یرد بها الا ان یغض بصره ویحصن فرجه اویصل رحمه بارك الله له فیها وبارك لها فیه . . . الخ" کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے عورت کے ساتھ شادی محض عزت کی بناء پر کی تو اللہ اس کو ذلت ہی دے گا اور جس نے مال کی وجہ سے شادی کی تو اللہ تعالیٰ اس کو فقر ہی دے گا اور جس شخص نے حسب ونسب کی بناء پر شادی کی تو اللہ اس کو دناءة (گھٹیا پن) ہی دے گا اور جس شخص نے کسی عورت سے محض اس وجہ سے شادی کی تاکہ اسکی نظر کی حفاظت ہوگی اور حرام کے ارتکاب سے بچے گا یا صلہ رحمی کریگا تو اللہ ان دونوں میں برکت عطا کریگا۔ لہٰذا دین کی ترجیح اولین ہے۔ (مرقاة ج ۶ ص ۱۸۸)

اور ابن ماجہ میں ایک روایت ہے "لا تزوجوا النساء لحسنهن فعسی حسنهن ان یردیهن ولا تتزوجوهن لمالهن فعسی اموالهن ان تطغیهن ولکن تزوجوهن علی الدین"۔ (ایضاً) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دین داری کو اولین ترجیح حاصل ہے۔

قولہ فعليك اى الزم نكاح بذات الدين: کہ دین والی عورت کے نکاح کو لازم پکڑو اس سے دونوں جہاں میں بھلائیاں حاصل ہوں گی، جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا: ''الدنيا كلها متاع و خير متاع الدنيا المرأة الصالحة'' کہ سب سے بہترین متاع نیک بیوی ہے۔

قولہ تربت يداك: اسکا معنی یہ ہے کہ تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں بظاہر تو یہ بددعا ہے ذلت کی لیکن آپ ﷺ کا مقصود اس سے بددعا دینا نہیں بلکہ آپ ﷺ نے بطور محاورۃ فرمایا اسکو ترغیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ عند البعض یہ جملہ جزا ہے اور شرط محذوف ہے ''اى وقع لك ذلك ان لم تفعل تربت يداك'' (مرقاۃ ج۶ ص۱۸۸)۔ علامہ ابن حجرؒ نے ''تربت يداك'' کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

① عند البعض اس کا معنی ہے ''استغنت'' کہ اللہ تجھے ہر چیز سے مستغنی کردے ② عند البعض اس کا معنی ہے ''ضعف عقلك''۔ کہ تمہاری سمجھ کمزور ہو ③ عند البعض اس کا معنی ہے ''افتقرت خابت'' کہ جدا ہو اور محتاج ہو ④ ''وقيل معناه صرت محروما من الخير ان لم تفعل ما امرتك به''۔ کہ خیر سے محرومی ہوا گر تو نے میرے حکم کے مطابق اس پر عمل نہیں کیا۔

سوال: بعض اوقات کسی عورت کے اندر ان تینوں میں سے کوئی خوبی بھی نہیں ہوتی۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے کہ اکثر لوگ ان چار وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے نکاح کرتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے شرح السنۃ کے حوالے سے ایک آدمی کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیٹی ہے اور اس سے میں بہت محبت کرتا ہوں اور بہت سارے لوگوں نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ آپ بتائیں کہ میں اس کی شادی کیسے شخص سے کروں۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس کی شادی ایسے آدمی سے کرو جو اللہ سے ڈرتا ہو کیونکہ اگر ایسے شخص کو آپ کی بیٹی سے محبت ہوگئی تو اسکی عزت واکرام کرے گا اور اگر اس کو آپ کی بیٹی پسند نہ آئی یعنی محبت نہ ہوئی تو اس پر ظلم نہیں کرے گا۔ (مرقاۃ ص۱۶۸ ج۶)

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُوبَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ خَطَبَ امْرَأَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا وَفِي الْبَابِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي حُمَيْدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالُوا لَا بَأْسَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَيْهَا مَا لَمْ يَرَ مِنْهَا مُحَرَّمًا وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا قَالَ أَحْرَى أَنْ تَدُومَ الْمَوَدَّةُ بَيْنَكُمَا.

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسے دیکھ لو۔ یہ تمہاری محبت کو قائم رکھنے کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ اس باب میں حضرت محمد بن مسلمہ، جابر، انس، ابوحمید، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کے مطابق فرمایا کہ جس عورت کو آدمی نکاح کا پیغام بھیجے اس کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا کوئی ایسا عضو نہ دیکھے جس کو دیکھنا حرام ہو۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد احری ان یؤدم بینکما کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے درمیان محبت کے ہمیشہ رہنے کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

تشریح: مسئلہ: جس عورت کو نکاح کا پیغام دیا جائے اس کو دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اول: اصحاب ظواہر کے نزدیک کسی اجنبیہ کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے خواہ اس کی طرف نکاح کا پیغام دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک مخطوبہ کی اجازت کے ساتھ دیکھنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

قول ثالث: جمہور ائمہ کے نزدیک بھی مطلقاً جائز نہیں اور دوسری روایت ہے کہ مخطوبہ کو مطلقاً دیکھنا جائز ہے خواہ اس کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ اور یہ نظر الی الاجنبیۃ سے مستثنیٰ ہے۔

اصحاب ظواہر کی دلیل: فصل ثانی میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی یا علی لا تتبع النظرة النظرة فان لك الاولى وليست لك الآخرة" کہ اے علی ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈال تو یہاں مطلقاً ممانعت ہے مخطوبہ وغیر مخطوبہ کی کوئی قید نہیں ہے۔

جواب: اس حدیث میں غیر مخطوبہ مراد ہے جیسا کہ ظاہر الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے جبکہ رؤیت کا جواز مخطوبہ کے حق میں ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: وہ احادیث ہیں کہ جن میں نظر الی الاجنبیۃ کو حرام قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اللہ کی لعنت ہو اس آدمی پر جو عورت کو دیکھتا ہے اور دکھانے والی پر بھی اللہ کی لعنت ہو جبکہ دوسری روایت امام مالکؒ سے یہ تھی کہ مخطوبہ کی اجازت کے ساتھ جائز ہے اور یہ دیکھنا دکھانا عورت کا حق ہے۔ جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس سے نکاح کا ارادہ نہ ہو اس کو مت دیکھو اور اس کے تو ہم بھی قائل ہیں

تطبیق: تطبیق والی صورت یہ ہے کہ مرد خود نہ دیکھے بلکہ اپنی کسی با اعتماد عورت مثلاً والدہ، بہن وغیرہ کو دکھا دے۔

جمہور ائمہ کی دلیل: دلیل اول: یہی حدیث باب ہے۔ "اُنْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرَى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا"

دلیل ثانی: "عن جابر قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدكم المرأة فان استطاع ان ينظر الى ما يدعوه الى نكاحها فليفعل"۔ (رواہ ابوداؤد)

دلیل ثالث: حدیث مغیرہ بن شعبہؓ کی ہے اس میں ہے "هل نظرت اليها قلت لا قال فانظر اليها فانه احرى ان يودم بينكما"۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ مخطوبہ عورت کو دیکھنا جائز بلکہ اولیٰ ہے۔

اختلافی مسئلہ: مخطوبہ کے کتنے حصہ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

قول اول: جمہور حضرات کے نزدیک وجہ اور کفین کو دیکھا جا سکتا ہے کیونکہ وجہ سے اس کی خوبصورتی کا اور کفین سے اس کے جسم کی نفاست کا اندازہ ہوگا۔ قول ثانی: امام اوزاعیؒ کے نزدیک شرم گاہ کے علاوہ جو حصہ بھی دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے۔

جمہور کی دلیل: بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأيتك في المنام... فكشف عن وجهك الثوب فاذا هي انت"۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مخطوبہ کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔

اعتراض: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کی تصویر دکھائی تھی جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ جواب: حضرت جبرائیل علیہ السلام کا دکھانا اصلی صورت کا دکھانا نہیں ہو سکتا بلکہ شبیہ اور مثال ہی کہہ سکتے ہیں دوسرا یہ کہ حضرت عائشہؓ اس وقت چھوٹی بچی تھیں اور "لا عورة للصبية" کے پیش نظر اس کے دیکھنے پر قیاس نہیں کر سکتے اور اس حدیث سے استدلال تام بھی نہیں ہو سکتا۔

امام اوزاعیؒ کی دلیل: بخاری شریف میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "یقول انی لقی القوم عند رسول الله ... فقام رجل فقال یا رسول الله انکحنیها: قال هل عندك شیء قال لا" اور بعض روایات میں "رداء فقط" آتا ہے کہ میرے پاس چادر ہی ہے اور اس کا نصف اس کیلئے ہے تو آپ نے اس کو نصف نصف کر دیا۔ ان میں سے جو بھی پہنتا اس کا ستر مکمل طور پر نہ ڈھانپ پاتا جیسا کہ ابن حجرؒ نے کہا "ای ان لبسته کاملا والا فمن المعلوم من ضیق حالهم وقلة الثیاب عندهم انها لو لبسته بعد ان تشقه لم یسترها"۔ اب ظاہر ہے انہوں نے ایک دوسرے کے جسم کو بھی دیکھا ہوگا سوائے شرم گاہ کے۔

جواب: یہ قلت ثیاب پر محمول ہے کہ اس وقت کپڑے نہ ہونے کی وجہ سے دیکھا اور اگر کپڑے ہوتے تو اس طرح نہ دیکھتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي إِعْلَانِ النِّكَاحِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَلْجٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ الْجُمَحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَرَامِ وَالْحَلَالِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَالرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ حَدِيثُ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَأَبُو بَلْجٍ اسْمُهُ يَحْيَى بْنُ أَبِي سُلَيْمٍ وَيُقَالُ ابْنُ سُلَيْمٍ أَيْضًا وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاطِبٍ قَدْ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غُلَامٌ صَغِيرٌ.

حضرت محمد بن حاطبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حرام اور حلال کے درمیان فرق صرف دف بجانے اور آواز کا ہے۔ اس باب میں حضرت عائشہ، جابر، اور ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ ابو بلج کا نام یحییٰ بن ابو سلیم ہے انہیں ابن سلیم بھی کہتے ہیں۔ محمد بن حاطبؓ نے اپنے بچپن کے زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے۔

تشریح: نکاح کے اعلان کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں نکاح کئی طریقوں سے رائج تھا۔ ان تمام طریقوں میں ایک طریقہ صحیح تھا باقی طریقے گندے اور شرمناک تھے۔ جب ایک طریقہ نکاح کو باقی رکھا تو اس کی تشہیر کا بھی حکم دیا کیونکہ اس کے علاوہ جو نکاح کئے جاتے تھے وہ خفیہ ہوتے تھے ان کی تشہیر نہیں کی جاتی تھی۔ لہٰذا ان کی تردید کرنے کے لئے اس نکاح کی شہرت کا حکم دیا۔ زمانہ جاہلیت میں رائج کردہ نکاح چار طرح کے تھے۔

اوّل: ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کے زیر ولایت کسی لڑکی کا نکاح کا پیغام دیا جاتا تو وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کر دیتا نکاح کا صحیح طریقہ یہی ہے۔ اور اس طریقہ کو اسلام نے باقی رکھا اور اسی پر آج تک عمل ہے۔

ثانی: چند لوگ ایک عورت کے پاس جاتے اور اس کی رضامندی سے اس سے صحبت کرتے پھر اگر عورت حاملہ ہو جاتی اور پھر بچہ پیدا کرتی تو وہ ان سب آدمیوں کو بلاتی جن آدمیوں نے اس کے ساتھ صحبت کی تھی اور ان میں سے کسی ایک شخص کو کہہ دیتی کہ یہ تیرا بچہ ہے پھر وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

ثالث: یا پیشہ ور عورت سے بہت سارے لوگ جنسی تعلق قائم کرتے پھر اگر اس کو حمل رہ جاتا اور وہ بچہ جنتی تو قیافہ شناس کو بلایا جاتا تو

وہ علامات دیکھ کر یہ فیصلہ کرتا کہ یہ بچہ فلاں کا ہے اور اس کو وہ ماننا پڑتا۔

رابع: جب کسی آدمی کی بیوی حیض سے پاک ہوتی اس وقت رحم میں حمل ٹھہرانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ فلاں شخص سے جنسی تعلق قائم کر پھر حمل ظاہر ہونے تک شوہر اپنی بیوی سے الگ رہتا پھر جب حمل کے آثار ظاہر ہوتے تو شوہر اپنی بیوی سے صحبت کرتا یہ اس لئے کیا جاتا تھا تا کہ لڑکا شان والا پیدا ہو۔ عرب کے بعض پست قبیلوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔

اسلام نے ان تین طریقوں کو ختم کر دیا کیونکہ یہ تینوں شرمناک طریقے ہیں اور پاکیزہ طریقہ صرف پہلا طریقہ تھا جس کو باقی رکھا۔

قوله فصل ما بين الحلال والحرام: حلال اور حرام کے درمیان فرق کرنے والی چیز وہ آواز اور دف ہے حلال سے مراد نکاح ہے اور حرام سے مراد زنا ہے تو جب نکاح ہوگا تو دف بجے گا اور خوشی کا اظہار ہوگا جبکہ زنا خفیہ طور پر ہوتا ہے۔

و فی الباب: محمد بن حاطب کی حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو بلج کا نام یحییٰ بن ابی سلیم ہے ان کو ابن سلیم بھی کہا جاتا ہے محمد بن حاطب نے آپؐ کی زیارت کی ہے جبکہ یہ چھوٹے تھے، یہ صحابی صغیر ہیں۔

محمد بن حاطب: یہ محمد ہیں حاطب کے بیٹے قرشی اور جمحی ہیں وہ اور ان کے والد، والدہ، بھائی حارث اور چچا خطاب۔ سب صحابی ہیں اور ملک حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ۷۴ھ میں بمقام مکہ یا کوفہ وفات پائی ان کا شمار اہل کوفہ میں ہے ان سے ان کے بیٹے ابراہیم اور سماک بن حرب نے روایت کی، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جن کا نام آنحضرت ﷺ کے نام پر رکھا گیا۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ فِي هَذَا الْبَابِ وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الْأَنْصَارِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَعِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ الَّذِي يَرْوِي عَنِ ابْنِ نَجِيحٍ التَّفْسِيرَ هُوَ ثِقَةٌ

احمد بن منیع، یزید بن ہارون، عیسیٰ بن میمون، قاسم بن محمد، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ نکاح کی تشہیر کرو اسے مسجدوں میں کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ عیسیٰ بن میمون انصاری کو حدیث میں ضعیف کہا گیا عیسیٰ بن میمون جو ابن ابی نجیح سے تفسیر روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔

تشریح: قوله اعلنوا هذا النكاح: "ای بالبینة فالامر للوجوب او بالاظهار والاشتهار" اعلان کا حکم یا تو وجوب کیلئے ہے جب یہ گواہوں کے سامنے ہو۔ اور اگر اعلان سے مراد تشہیر ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ نکاح کی مجلس اعلانیہ منعقد کرو تو یہ حکم بطریق استحباب ہوگا۔

اب یہاں تشہیر کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ محلوں اور شہروں میں شہنائی، نوبت اور باجوں کے شور و شغب کے ذریعہ نکاح کا اعلان کیا جائے جیسا کہ آج کل شہروں میں رواج چل رہا ہے۔ یہ شرعاً جائز نہیں بلکہ ایسی شادی اہل محلہ کے سکون کی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔

قوله واجعلوه فی المساجد: مسجد میں نکاح کرنا مستحب ہے اور جمعہ کے دن نکاح کرنے سے برکت ہوتی ہے یا اعلان کے حصول کی وجہ سے مسجد میں نکاح کرنا درست ہے کیونکہ مسجد عبادت کی جگہ ہے اور نکاح بھی عبادت ہے۔

واضربوا علیہ بالدفوف: ''ای خارج المسجد''۔ یعنی دف بجانے کا حکم مسجد سے باہر ہے نہ کہ مسجد کے اندر۔ جیسا کہ ابن الملک نے مسجد کے اندر دف بجانے کو جائز قرار دیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے ابن الملک اس بات کی تردید فرمائی ہے کہ حدیث سے اس بات کا جواز معلوم نہیں ہوتا۔ (مرقاۃ ج٦ ص ٢١٧)

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ ذَكْوَانَ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ عَلَيَّ غَدَاةَ بُنِيَ بِي فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي وَجُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِدُفُوفِهِنَّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِلَى أَنْ قَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْكُتِي عَنْ هَذِهِ وَقُولِي الَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ قَبْلَهَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہاگ کے بعد صبح میرے ہاں تشریف لائے اور بستر پر بیٹھے جہاں (خالد بن ذکوان) تم بیٹھے ہو ہماری لونڈیاں دف بجا رہی تھیں اور ہمارے آباء و اجداد اجداد میں سے جو لوگ جنگ بدر میں شہید ہو گئے تھے ان کے متعلق مرثیہ گا رہی تھیں یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے یہ شعر پڑھا فِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ (اور ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے) آپ نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ اور اس طرح کے اشعار نہ پڑھو بلکہ جس طرح پہلے پڑھ رہی تھیں اسی طرح پڑھو اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں بھائی تھے ان دونوں بھائیوں نے ابو جہل کو قتل کیا تھا۔ معوذ بن عفراء کی بیٹی کہتی ہیں کہ جب میری شادی ہوئی تو آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور جب میری رخصتی ہوئی تو میرے لئے خیمہ لگایا گیا کیونکہ عرب کے لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جس کی نئی شادی ہوتی تو اس کے لئے نیا خیمہ لگاتے تھے تو آپ ﷺ میرے بستر پر بیٹھ گئے جیسے تم میرے بستر پر بیٹھے ہو یعنی خالد بن ذکوان کو خطاب تھا۔

سوال: حضرت ربیع رضی اللہ عنہا تو آپ ﷺ کیلئے اجنبیہ تھیں تو یہ خلوۃ الی الاجنبیہ ہوئی یہ تو جائز نہیں اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

جوابات: ① علامہ عینیؒ نے یہ جواب دیا کہ حضور ﷺ کیلئے اس کی طرف دیکھنا جائز تھا کیونکہ آپ ﷺ ہر قسم کے فتنوں سے مامون تھے اور آپ ﷺ امت کے مردوں اور عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے ② یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے ③ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ درمیان میں پردہ حائل ہو یعنی پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی ہوں ④ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اصل مسئلہ چہرہ اور کفین کی طرف دیکھنا ہے جو کہ جائز ہے اگرچہ احتیاط نہ دیکھنے میں ہے لہٰذا کوئی اشکال نہیں ہے۔

قولہ جویریات لنا: عند البعض اس سے انصار کی چھوٹی بچیاں مراد ہیں نہ کہ باندیاں۔

قولہ یضربن بدفوفھن: دف ایک طرف سے خالی ہوتا ہے یہ بچیاں دف بجانے کے ساتھ ساتھ کچھ اشعار پڑھنے لگیں ان اشعار میں آباء و اجداد کے بہادرانہ کارناموں اور بدر میں شہید ہونے والوں کے بارے میں ذکر تھا اسی اثناء میں ایک بچی ان اشعار سے ہٹ کر یہ شعر کہنے لگی ''وفینا نبی یعلم ما فی غد'' کہ ہمارے درمیان ایسا نبی ہے جو غیب کی خبریں جانتا ہے اس میں آپ کیلئے غیب کا اثبات تھا تو آپ ﷺ نے فوراً ان کو روک دیا اور فرمایا جو تم پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو وہ درست ہے۔ اس

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اشعار پڑھنا جن میں شرکیہ باتیں ہوں جائز نہیں۔ شرکیہ اور کفریہ باتوں کے علاوہ اللہ کی حمد و ثنا اور آپ ﷺ کے اوصاف کے ذکر پر مشتمل اشعار پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ: دف اور موسیقی کا شرعی حکم: اس قسم کے آلات کی تین قسمیں ہیں۔

اوّل: وہ آلات جو اصلاً اعلان وغیرہ کے لئے وضع کئے گئے ہوں اور ان کا مقصد لہو ولہب نہ ہو یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کو لذت محسوس ہونے لگے۔ مثلاً ''دف'' نقارہ اور گھنٹیاں ان کا استعمال بالاتفاق جائز ہے۔

ثانی: وہ قسم کے آلات جو لہو وطرب وغیرہ کے لئے وضع کیے گئے ہوں اور فساق کا شعار ہوں جیسے ہارمونیم، ستار وغیرہ ان کی حرمت میں بھی اتفاق ہے۔ **ثالث:** اس قسم کے آلات جو اگرچہ لہو ولہب وطرب کے لئے وضع تو کئے گئے ہوں لیکن وہ فساق کا شعار نہ ہوں۔ امام غزالیؒ نے اس کی مثال طبل سے دی ہے۔

ائمہ کرام کے اقوال: قول اوّل: بعض صوفیاء اور بعض متجددین زمانہ نے کہا کہ غناء اور موسیقی جائز ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ اگر وہ شرائط نہ پائی جاتیں تو دف بجانا جائز نہ ہوگا۔

پہلی شرط: دف صرف بچیاں بجائیں کیونکہ حدیث میں دف بجانے کا حکم بچیوں کے لئے آیا ہے اگر مرد بجائیں گے تو جائز نہیں ہوگا۔

دوسری شرط: اس دف میں جھانجھ نہ ہو اور بجانے میں کوئی تصنع نہ کیا جائے اور اس میں خوش آوازی بھی نہ ہو بلکہ سادگی کے ساتھ ہاتھوں سے پیٹا جائے۔ **تیسری شرط:** وقت نکاح یا وقت زفاف یا اس کے تھوڑی دیر بعد شرائط کے ساتھ دف بجایا جائے۔'' والمعہود عرفا انہ یضرب بہ وقت العقد ووقت الزفاف او بعدہ بقلیل۔ کما فی اللمعات دل الحدیث علی اباحۃ مقدار الیسیر۔

قول ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک موسیقی کے تمام آلات طرب کے لئے جو وضع کیے گئے ہیں بغیر کسی استثناء کے جائز ہیں۔

مجوزین کے دلائل: دلیل اوّل: یہ حدیث الباب حضرت ربیع بنت معوذؓ کی ہے۔

جواب: اعلان نکاح دف بجا کر اور غنا کے ساتھ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے حدود کے اندر ہو اور اس کے اندر گانے بجانے کے دوسرے آلات اور ساز کا استعمال نہ ہو۔ لیکن یہ حدیث کسی بھی طرح موسیقی کے جواز پر دلیل نہیں بن سکتی۔

دلیل ثانی: صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے: قالت دخل ابو بکرؓ و عندی جاریتان من جواری الانصار تغنیان بما تقاولت الانصار یوم بعاث قالت ولیستا بمغنیتین، قال ابو بکر: أبمزامیر الشیطن فی بیت رسول اللہ ﷺ وذٰلک فی یوم عید فقال رسول اللہ یا ابابکر إن لکل قوم عیدًا وھٰذا عیدنا۔ **جواب:** یہ غنا بغیر آلات یا محض دف کے ساتھ تھا جس کا مواضع سرور میں جواز ہے۔

دلیل ثالث: عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰ کتاب فضائل القرآن ''باب من لم یتغن بالقرآن'' میں عبید بن عمیر کی روایت ہے: ''قال: کان لداود علیہ السلام معزفۃ یتغنی علیھا ویبکی ویبکی''۔

جواب: یہ روایت حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں نقل کی ہے لیکن اس میں معزفۃ کا کوئی ذکر نہیں اگر بالفرض علامہ عینیؒ ہی کی روایت

کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ عبید بن عمیر کا قول سمجھا جائے گا اگرچہ وہ تابعی اور ثقہ ہیں لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے" کان قاص اهل مكة"۔

دلیل رابع: بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۵ کتاب النکاح" باب النسوة اللاتي يهدين المرأة الى زوجها" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: "انها زفت امرأة الى رجل من الانصار فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم يا عائشة اما كان معكم لهو فان الانصار يعجبهم اللهو"۔ اس میں لفظ لہو مطلق ہے جو تمام آلات طرب کو شامل ہے۔

یہاں لہو سے مراد غنا بغیر آلات ہے اس کی تائید سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

أرسلتم معها من يغني! قالت لا فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان الانصار قوم فيهم غزل فلو بعثتم معها من يقول أتيناكم أتيناكم فحيانا وحياكم. زیادہ سے زیادہ غناء بالدف مراد ہے۔

جمہور کے دلائل: دلیل اوّل: ارشادِ باری تعالیٰ ہے" ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم" اس آیت میں "لهو الحديث" سے مراد غنا اور مزامیر ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

دلیل ثانی: أفمن هذا الحديث تعجبون و تضحكون ولا تبكون وانتم سامدون. (النجم: ۵۹ تا ۶۱) دلیل ثالث: واستفزز من استطعت منهم بصوتك. (اسراء ۶۴)۔

دلیل رابع: بخاری شریف ج ۲ ص ۸۳۷ میں حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے لیکن" من امتي اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف"۔

دلیل خامس: سنن ابن ماجہ ص ۱۳۷ ابواب النکاح، باب الغناء والدف میں حضرت مجاہد سے مروی ہے:" قال كنت مع ابن عمر فسمع صوت طبل فأدخل اصبعيه في اذنيه ثم تنحى حتى فعل ذلك ثلاث مرات ثم قال هكذا فعل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم"۔ اعتراض: امام ابوداؤد نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص میں یہ روایت نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے جو روایت کے قابل استدلال ہونے کی دلیل ہے۔ اس لئے امام ابوداؤد کا منکر قرار دینا کسی خاص طریقے کی بناء پر ہے یا منکر سے ان کی مراد غریب ہے۔

دلیل سادس: سنن ترمذی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت ہے" أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: في هذه الامة خسف ومسخ وقذف فقال رجل من المسلمين يا رسول الله ومتى ذلك؟ قال اذا ظهرت القيان والمعازف وشربت الخمور"۔

ان احادیث کے علاوہ بہت ساری احادیث موجود ہیں جو معازف اور مزامیر کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی تفصیل جاننے کے لئے "كشف الغناء عن وصف الغناء" از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ ہے۔ اور یہ رسالہ "احکام القرآن" کا ایک جز بھی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

مسئلہ: غناء بغیر آلات، موسیقی کا حکم: اگر کسی انسان کو خوشی کا موقع ہو یا انسان کو کسی قسم کی وحشت کو دور کرنے کے لئے گائے اور اس میں کسی قسم کی موسیقی اور غیر شرعی کام نہ ہوں اور اشعار کا مفہوم بھی شرکیہ نہ ہو اور نہ ہی وہ شریعت کے خلاف ہو تو وہ بالاتفاق جائز ہے اور اس میں کسی معین عورت کا نام بھی نہ لیا جائے۔

بہر حال راجح یہ ہے کہ اگر طبعی سادگی ہو اور اس کو عادت یا پیشہ نہ بنایا جائے تو اس کی گنجائش ہے لیکن اس کا جواز بھی اس صورت میں ہے کہ سماع من الاجنبیہ نہ ہو اجنبیہ سے سماع بالاتفاق حرام ہے۔

امام غزالیؒ نے اس جیسے غناء "سماء من الاجنبیہ" والی صورت کو ناجائز قرار دیا ہے۔

سوال: مسند احمد اور طبرانی میں ایک روایت ہے جو حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی، آپ ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تو اس عورت کو جانتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس عورت کو نہیں جانتی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بنی فلاں کی گانے والی عورت ہے (اے عائشہ) کیا تم پسند کرتی ہو کہ یہ تمہارے لئے گائے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: جی ہاں، آپؐ نے ارشاد فرمایا، پھر اس کے لئے ایک طبق (ڈھولکی) دف منگوایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے اس کے منخر میں پھونک ماری ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۹) اس روایت میں نبی کریم ﷺ کا اجنبیہ سے سماع غناء ثابت ہو رہا ہے۔ علامہ ہیثمی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ و رجال احمد رجال الصحیح

جواب: آپ ﷺ تمام امت کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپؐ کی بیویاں امت کے لئے مائیں ہیں تو یہ عورت آپ ﷺ کے حق میں اجنبیہ نہ ہوئی۔

نیز آپ ﷺ فتنہ سے مامون تھے اس لئے آپؐ کے لئے اس قسم کے سماع میں کوئی حرج نہیں لیکن عام لوگوں کے حق میں فتنہ سے امن نہیں۔ لہٰذا اس روایت سے جواز کے عموم پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک واقعہ ہے جو عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف بہت ساری روایات ہیں جو ممانعت پر دلالت کرتی ہیں اور وہ حد شہرت تک پہنچی ہوئی ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَا يُقَالُ لِلْمُتَزَوِّجِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَفَّأَ الْإِنْسَانَ إِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی نکاح کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو مبارک باد دیتے تو اس کے لئے یوں دعا فرماتے (بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ) اللہ تمہیں مبارک کرے اور تمہیں برکت دے اور تم دونوں کو بھلائی میں جمع کرے) اس باب میں عقیل بن ابی طالب سے بھی روایت ہے حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: رفأ ترفئۃً "تفعیل" سے شادی کی مبارک باد دینا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ شادی شدہ کو ان الفاظ کے ساتھ مبارک باد دیتے تھے بالرفاء والبنین یعنی تم دونوں میں اتفاق و اتحاد رہے اور تمہارے بیٹے پیدا ہوں۔ یہ جملہ زمانہ جاہلیت کے مذہب کی ترجمانی کرتا ہے چونکہ جاہلیت کے لوگ لڑکوں کو مرغوب رکھتے تھے اور لڑکیوں سے متنفر ہوتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے اس طریقہ کو ختم کر کے وہ دعا اور برکت سکھلائی ہے جو حدیث الباب میں موجود ہے "بارك الله لك و بارك عليك و

جمع بینکما فی خیر" اللہ مبارک کرے تم پر برکت نازل کرے اور خیر و بھلائی میں تم دونوں کو جمع کرے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے جس کا ذکر روایت فی فتح الباری جلد ۹ ص ۲۲۲ باب کیف للمتزوج کی سند میں ہے "عن الحسن عن رجل من بنی تمیم"۔

لیکن اس کی تائید حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کے اثر سے ہوتی ہے جس کی طرف امام ترمذیؒ نے وفی الباب عن عقیل بن ابی طالب سے اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے بالرفاء والبنین کہنے والے پر نکیر کی اور نبی کریم ﷺ کے طریقہ کے مطابق دعا دینے کی تلقین فرمائی۔ (نسائی شریف ج ۲ ص ۹۰)

باب ما جاء ما یقول إذا دخل علی أهله

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَإِنْ قَضَى اللَّهُ بَيْنَهُمَا وَلَدًا لَمْ يَضُرُّهُ الشَّيْطَانُ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو یہ دعا پڑھے۔ (بِسْمِ اللهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا) اے اللہ ہمیں شیطان سے دور رکھ اور ہمیں جو اولاد بھی عطا فرما اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔ پس اگر اللہ نے ان کے درمیان اولاد مقدر کی ہوگی تو اسے شیطان نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ جماع کے بارے میں دعا کا ذکر کر رہے ہیں کہ جس طرح ہر کام کے متعلق حدیث میں کوئی نہ کوئی ذکر ضرور موجود ہے جیسا کہ بیت الخلا میں جانے اور نکلنے کا ذکر ہے سونے جاگنے کا ذکر ہے اسی طرح انسان جب بیوی کے پاس جاتا ہے تو اس کے لئے بھی ذکر مسنون ہے تا کہ انسان شیطان کے شرور سے بچ سکے۔ جماع کی دعا یہ ہے" بسم الله اللهم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا" اگر کسی کو یہ دعا نہیں آتی تو صرف بسم اللہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اگر کسی کو عربی میں نہیں آتی تو اس کا مفہوم اردو میں پڑھ لے تو پھر بھی کافی ہے۔

آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ کے ساتھ اور عطف کے ذریعے دوسرا جملہ بھی لاتے تھے جیسے کھانے کے ساتھ بسم الله و علی برکة الله اور وضو کرتے وقت یہ دعا بھی پڑھتے تھے بسم الله والحمد لله۔

باب ما جاء فی الأوقات التی یستحب فیها النکاح

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَزَوَّجَنِي رَسُولُ

بندار، یحییٰ بن سعید، سفیان، اسماعیل بن امیہ، عبداللہ بن عروہ، عروہ، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا پھر رخصتی بھی شوال میں کی،

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَوَّالٍ وَبَنَى بِي فِي شَوَّالٍ وَكَانَتْ عَائِشَةُ تَسْتَحِبُّ أَنْ يُبْنَى بِنِسَائِهَا فِي شَوَّالٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ إِسْمٰعِيلَ.

حضرت عائشہ اپنی سہیلیوں کی سہاگ رات شوال میں ہونا پسند کرتی تھیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف ثوری کی روایت اسماعیل کے ذریعہ جانتے ہیں۔

تشریح: چند امور ایسے ہیں جن کے متعلق شریعت نے کوئی وقت متعین نہیں کیا ان امور میں سے ایک نکاح بھی ہے اس کے لئے کوئی خاص وقت، مہینہ، دن متعین نہیں جب چاہیں نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ عمومی امور میں سے ہے اگر اس میں کسی قسم کی کوئی تحدید اور تعیین کر لیتے تو لوگوں کو حرج ہوتا ''والحرج مدفوع عن الناس''۔ کیونکہ نکاح بھی انسان کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ آگ، پانی، ہوا کی ضرورت ہے۔

زمانہ جاہلیت میں شوال کے مہینے میں نکاح کو منحوس سمجھتے تھے۔ اس غلط عقیدہ کی تردید کرنے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شوال میں نکاح کیا اور رخصتی بھی شوال میں ہوئی۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اپنی خاندان کی لڑکیوں کی رخصتی شوال میں کرتی تھیں تا کہ اس جاہلیت کی رسم کی تردید اچھی طرح سے ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْوَلِيمَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَعَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَزُهَيْرِ بْنِ عُثْمَانَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَزْنُ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ وَزْنُ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ وَثُلُثٍ وَقَالَ إِسْحٰقُ هُوَ وَزْنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بدن یا کپڑوں پر زرد رنگ کا اثر دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت عبدالرحمٰن نے عرض کیا میں نے گٹھلی بھر سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے۔ دعوت ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سے ہو۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ، جابر، زہیر بن عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث انسؓ حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایک گٹھلی کے برابر سونا تین درہم اور درہم کے تہائی حصے کے برابر ہوتا ہے۔ امام اسحاقؒ کہتے ہیں کہ پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے۔

تشریح: مسئلہ: ولیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک ولیمہ کرنا واجب ہے۔ یہی قول امام شافعی، امام احمد اور امام مالک رحمہم اللہ کا قول ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک ولیمہ کرنا سنت ہے۔

اہل ظواہرؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کی دلیل: اس باب کی پہلی حدیث میں یہ الفاظ ہیں ''اولم ولو بشاة'' امر کا صیغہ ہے جو

معجوب کیلئے ہے نیز طبرانی کی روایت میں ''الولیمة حق'' کا لفظ ہے جس کے معنی واجب کے ہیں۔
جواب: وہ استحباب پر محمول ہے اور ''الولیمة حق'' کا جواب یہ ہے کہ اسکے معنی واجب کے نہیں بلکہ یہ باطل کے مقابلہ میں ہے کہ ولیمہ درست ومستحب ہے اور ''ولوبشاة'' سے تسہیل کی طرف اشارہ کیا کہ ولیمہ میں زیادہ شان وشوکت کی ضرورت نہیں بلکہ سہولت سے جو میسر ہو چاہے کم ہو یا زیادہ ہو اور یہی قرینہ ہے کہ امر وجوب کیلئے نہیں کیونکہ کسی کے نزدیک بھی بکری سے ولیمہ واجب نہیں۔
احناف کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کسی کو ولیمہ کا حکم نہیں دیا اگر ولیمہ واجب ہوتا تو دوسروں کو بھی حکم فرماتے نیز ولیمہ دوسری دعوات کی طرح نہیں بلکہ نئی خوشی کے موقع پر کیا جاتا ہے۔
قوله اثر صفرة: آپ ﷺ نے ان کے اوپر زعفران کا نشان دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے؟ اس پوچھنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔
① کہ عام طور پر ایسی نشانی شادی کی ہوتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ کیا تم نے شادی کی ہے حالانکہ مجھے اطلاع ہی نہیں دی۔ یہ شادیوں میں عدم تکلفات کی طرف اشارہ ہے۔
② کہ یہ زعفران تم نے کیوں لگایا حالانکہ ایسا تو مردوں کے لئے درست نہیں اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میری شادی ہوئی ہے اور شادی میں بیوی کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے یہ زعفران لگی ہے میں نے خود نہیں لگائی۔
قوله تزوجت امرأة علی وزن نواة: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا نواۃ پانچ درہم کے بقدر پونے سولہ ماشہ کے برابر ہوتا ہے گویا مہر میں اتنا سونا مقرر کیا ہے۔
عند البعض نواۃ سے نواۃ تمر یعنی کھجور کی گٹھلی مراد ہے اس صورت میں ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کھجور کی گٹھلی کے بقدر سونے کا مہر مقرر کیا ہے۔
سوال: صفرۃ تو آپ ﷺ کو نظر آرہی تھی پھر اس کے متعلق ''ماهذا'' سے سوال تو مناسب نہیں۔
جواب: مقصود اس عبارت سے سوال عن الصفرۃ نہیں بلکہ اس کا سبب پوچھنا تھا۔
سوال: زعفرانی رنگ لگے ہوئے کپڑے پہننا مرد کیلئے جائز نہیں پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے معلوم ہونے کے باوجود اسکو باقی کیوں رکھا۔
جواب: اصل میں یہ صفرہ قلیل تھی اور اختلاط زوجہ کی وجہ سے لگی تھی اور القلیل کالمعدوم کے پیش نظر معاف ہے۔
سوال: آپ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کیلئے بھی یہی الفاظ ارشاد فرمائے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کیلئے بھی یہی الفاظ فرمائے تو ان دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟
جواب اوّل: عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ برکت کی دعا خاص ہے ان کی زوجہ کے لئے جبکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کیلئے برکت کی دعا خاص ہے ان کی عقل مندی پر کہ انہوں نے اپنی بہنوں کی دیکھ بھال وجہ سے باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔
جواب ثانی: ''فبارك الله'' میں ''فا سببیه'' ہے کہ حضرت جابر کو برکت کی دعا ثیبہ کے ساتھ شادی کرنے کی وجہ سے دی ہے۔ (التعلیق الصبیح ج۴ ص۶۲)
وقال احمد بن حنبل: وزن نواة کی شرح میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ مقدار تین درہم اور تہائی درہم ہے۔
امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک پانچ درہم ہے۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ عَنِ ابْنِهِ نَوْفٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَمَ عَلَى صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيٍّ بِسَوِيقٍ وَتَمْرٍ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَنْ سُفْيَانَ نَحْوَ هَذَا وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَنَسٍ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِهِ نَوْفٍ وَكَانَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ يُدَلِّسُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا لَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ وَائِلٍ عَنِ ابْنِهِ وَرُبَّمَا ذَكَرَهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے عنہ روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ بنت حی سے نکاح پر ستو اور کھجور سے ولیمہ کیا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ محمد بن یحییٰ، حمیدی، سفیان کی سند سے اسی کے مثل روایت کی گئی ہے لوگوں نے یہ حدیث ابن عیینہ سے انہوں نے زہری انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کی اور اس میں وائل کا ذکر نہیں کیا۔ وائل اپنے بیٹے نوف سے روایت کرتے ہیں سفیان بن عیینہ اس حدیث میں تدلیس کرتے ہیں کیونکہ کبھی وائل کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے۔

تشریح: حدثنا محمد بن یحییٰ حدثنا الحمیدی عن سفیان نحو هذا: یہاں سے امام ترمذیؒ دوسری سند کو بیان کر رہے ہیں کہ یہ حدیث ابن عیینہ عن الزہری عن انس ہے لیکن اس سند میں حضرت وائل کا ذکر نہیں ہے۔ "عن ابنه نوف" اپنے بیٹے نوف سے روایت کیا۔ ان کے بیٹے کے نام میں مختلف اقوال ہیں، یہاں "نوف" کا ذکر آیا ہے اور ابوداؤد میں بکر بن وائل آیا ہے جبکہ تقریب، تہذیب اور خلاصہ میں نوف بن وائل کا کوئی تذکرہ نہیں اور بکر بن وائل کو حافظ ابن حجرؒ نے صدوق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ بکر بن وائل زہری وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث میں سفیان بن عیینہ تدلیس کیا کرتے تھے۔ یعنی کبھی یہ وائل عن ابنہ کا تذکرہ کرتے تھے اور کبھی تذکرہ نہیں کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ أَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ زِيَادِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ وَزِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ كَثِيرُ الْغَرَائِبِ وَالْمَنَاكِيرِ قَالَ و سَمِعْت مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَعِيلَ يَذْكُرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ قَالَ وَكِيعٌ زِيَادُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ مَعَ شَرَفِهِ يَكْذِبُ فِي الْحَدِيثِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پہلے دن کا کھانا واجب ہے دوسرے دن کا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا ریا کاری ہے۔ لہذا جو کوئی شہرت تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے کام لوگوں کو سنائے گا (آخرت میں کوئی بدلہ نہیں) ہم حدیث ابن مسعودؓ کو مرفوعاً صرف زیاد بن عبداللہ کی روایت سے پہچانتے ہیں زیاد بن عبداللہ بہت غریب اور منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے سنا وہ محمد بن عقبہ کے واسطے سے وکیع کا قول نقل کرتے ہیں کہ زیاد بن عبداللہ باعزت ہونے کے باوجود حدیث میں جھوٹ بولتے ہیں۔

تشریح: ولیمہ کے پہلے دن کی دعوت سنت موکدہ ہے۔ اور جن علماء کے نزدیک واجب ہے تو انہوں نے ''اول یوم حق'' سے واجب مراد لیا ہے اور دوسرے دن دعوت کرنا سنت ہے اور اگر کسی شخص نے تیسرے دن بھی ولیمہ کی دعوت کی تو سمجھ لو کہ یہ نام ونمود اور شہرت کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے یعنی اس شخص کا خیال ہوگا کہ لوگ آئیں گے میری تعریف کریں گے مجھے سخی کہا جائے گا تو ایسے شخص کے لئے وعید آئی ہے کہ میدان حشر میں اللہ تعالی اس کے لئے فرمائیں گے کہ دیکھو یہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جس نے محض نام ونمود کی وجہ سے لوگوں کو کھانا کھلایا چنانچہ اس وقت یہ شخص سب کے سامنے ذلیل ورسوا ہوگا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا نکاح ہو جائے تو اس پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو بلا کر دعوت ولیمہ کرے اگر پہلے دن نہیں کر سکا تو دوسرے دن اس سنت کو پورا کرے۔ تا کہ پہلے دن کی کوتاہی دور ہو جائے اور تیسرے دن دعوت کرنے کا سوائے نام ونمود کے کوئی فائدہ نہیں۔ اس وجہ سے علماء کرام نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ پہلے دن کی دعوت قبول کرنا واجب ہے اور دوسرے دن کی دعوت قبول کرنا مستحب ہے اور تیسرے دن کی دعوت قبول کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ اختلافی: ولیمہ کتنے دن تک جائز ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک ولیمہ دو دن تک جائز ہے اس سے زائد مکروہ ہے۔

دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ جس میں پہلے دن کے کھانے کو حق کہا ہے اور دوسرے دن کے کھانے کو سنت کہا ہے اور اس سے زائد کھانے کو ریاء اور دکھلاوا کہا ہے۔

اعتراض: یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی زیاد بن عبداللہ ہے جو کہ ضعیف ہے اس لئے اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔

جواب: حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مضمون کے متعلق متعدد روایات ذکر کی ہیں اور ان متعدد روایات کی بناء پر اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۴۳ باب حق اجابۃ الولیمۃ)

قول ثانی: امام مالکؒ سات دن تک ولیمہ کے استحباب کے قائل ہیں۔

دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے عن حفصة قالت: لما تزوج ابن سيرين دعا اصحاب رسول اللہ ﷺ سبعة ايام فلما كان يوم الانصار دعاهم ودعا ابي بن كعب وزيد بن ثابت. (۳۲۳/۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سیرینؒ نے صحابہ کرام ؓ کو سات دن تک ولیمہ کی دعوت کیگئی۔

جواب یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ ہر روز کے مدعوین جدا جدا ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بعض صحابہ کرام ؓ کا اجتہاد ہو جو کہ روایت کے مقابلے میں حجت نہیں۔

باب ما جاء في إجابة الداعي

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوا الدَّعْوَةَ إِذَا دُعِيتُمْ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَالْبَرَاءِ وَأَبِي أَيُّوبَ وَأَنَسٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں دعوت دی جائے تو دعوت میں جاؤ اس باب میں حضرت علی، ابوہریرہ، براء، انس اور ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایت ہے حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: اجابت دعوت کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: جمہور حضرات کے نزدیک ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا واجب ہے اور دوسری دعوتوں میں جانا مسنون و مستحب ہے۔

قول ثانی: مشائخ حنفیہ میں روایات میں تردد ہے راجح قول یہ ہے کہ دعوتِ ولیمہ میں جانا سنت مؤکدہ ہے۔ حنفیہ حضرات آپ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں "لقوله ﷺ من لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله وان كان صائما أجاب ودعا، وان لم يكن صائمًا اكل ودعا، ان لم ياكل ولم يجب أثم وجفا"۔ کیونکہ اس میں میزبان کا استہزاء ہے۔ وقال ﷺ لو دعيت الى كراع لأجبت۔

یہ دلائل تقاضا کرتے ہیں کہ ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے واجب نہیں۔ اگر واجب ہوتا تو روزہ دار کو دعوت کھانا ضروری ہوتا۔

شراح ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ واجب کے قریب قریب ہے اسی طرح فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی کو دعوت دی جائے تو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ دعوت کو قبول کرے اگر وہاں کسی معصیت یا بدعت کا رواج نہ ہو۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۴۵ کتاب الحظر والاباحۃ) فی زمانہ شادی کی دعوت بدعت و رسومات سے خالی نہیں ہوتی اگر ایسا ہو تو وہاں نہ جانا بہتر ہے۔

قوله اذا دعى احدكم الى الوليمة: جاہلیت میں دعوت کی کئی اقسام رائج تھیں۔ ① **ولیمہ:** جو نکاح و شادی کے موقع پر کی جائے یہ سنت ہے ② **خرس:** وہ دعوت جو بچے کی پیدائش کے وقت کی جائے۔ ③ **اعذار:** وہ دعوت جو بچے کے ختنہ کے موقع پر کی جائے۔ ④ **وکیرہ:** وہ دعوت جو مکان تیار ہو جانے کے بعد کی جائے۔ تاکہ مکان فساد وغیرہ سے بچ جائے۔ ⑤ **نقیعہ:** وہ دعوت جو مسافر کیلئے تیار کی جائے۔ ⑥ **عقیقہ:** وہ دعوت جو بچہ کا نام رکھتے وقت کی جائے اسلام میں مسنون ہے۔ ⑦ **مادبہ:** ہر اس دعوت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو بغیر کسی خاص تقریب کے کی جائے۔ ⑧ **ضیمہ:** وہ کھانا جو کسی میت کے مرنے کے بعد کھایا جائے۔ یہ اہل بدعت میں رائج ہے۔ یا میت کے گھر والوں کو جو پڑوسی کھانا لا کر دیتے ہیں وہ مراد ہے۔ اسلام میں اس کی تاکید ہے "کما فی قوله علیه السلام اصنعوا طعاما لآل ابی جعفر"۔ ⑨ **عتیرہ:** ماہ رجب کا چاند دیکھنے کے موقع پر جو دعوت کھائی جائے۔ ⑩ **ذوالحذاق:** بچہ کے کسی فن میں مہارت حاصل کر لینے کے موقع پر کھلائی جانے والی دعوت۔ (۱۱) **ملاک:** منگنی کے موقع پر کھلائی

جانے والی دعوت۔ (۱۲) قری: عام مہمانوں کیلئے پکائی جانے والی دعوت۔ (۱۳) نقری: خاص دعوتی کارڈ پر کھلائی جانے والی دعوت۔ (۱۴) شندخ: گمشدہ چیز کے مل جانے پر کھلائی جانے والی دعوت۔ (۱۵) جفلی: عام خیرات میں کھلائی جانے والی دعوت۔

ولیمہ کی شرعی حیثیت کے متعلق اختلافی مسئلہ شروع باب میں گزر چکا ہے۔ البتہ اس میں یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ ولیمہ کی دعوت کب کرنی چاہئے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ① عند البعض شب زفاف سے پہلے ② عند البعض شب زفاف کے بعد، یہی راجح ہے ③ عند البعض عقد نکاح کے وقت ④ عند البعض ابتداء عقد سے لے کر بعد الدخول تک کسی بھی وقت کر لی جائے درست ہے۔

اب دعوت کو قبول نہ کرنے کی کچھ صورتیں یہ ہیں۔ ① شبہ ہو کہ دعوت میں کھلایا جانے والا مال حلال نہیں ہے یا اس دعوت میں صرف امیرزادوں کو بلایا گیا ہو اور غریبوں کو دعوت نہ دی گئی ہو۔ ② یا اس دعوت میں کوئی ایسا شخص شریک ہو جو نقصان پہنچا سکتا ہو ③ یا اس دعوت میں غیر شرعی امور ہوں مثلاً شراب ناچ گانے وغیرہ ہوں۔ ایسی دعوتوں سے گوشہ نشینی بہتر ہے ہاں اگر مذکورہ باتیں نہ ہوں تو پھر دعوت ولیمہ میں جانا ضروری ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَجِيءُ إِلَى الْوَلِيمَةِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ أَبُو شُعَيْبٍ إِلَى غُلَامٍ لَهُ لَحَّامٍ فَقَالَ اصْنَعْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً فَإِنِّي رَأَيْتُ فِي وَجْهِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ قَالَ فَصَنَعَ طَعَامًا ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَاهُ وَجُلَسَاءَهُ الَّذِينَ مَعَهُ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّبَعَهُمْ رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ حِينَ دُعُوا فَلَمَّا انْتَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْبَابِ قَالَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ إِنَّهُ اتَّبَعَنَا رَجُلٌ لَمْ يَكُنْ مَعَنَا حِينَ دَعَوْتَنَا فَإِنْ أَذِنْتَ لَهُ دَخَلَ قَالَ فَقَدْ أَذِنَّا لَهُ فَلْيَدْخُلْ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

حضرت ابی مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص ابوشعیب اپنے غلام لحام کے پاس آیا اور اسے کہا کہ پانچ آدمیوں کا کھانا پکاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ غلام نے کھانا پکایا تو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمنشینوں سمیت بلوایا پس آپ کے ساتھ ایک ایسا شخص بھی چل دیا جو دعوت دینے کے وقت موجود نہیں تھا آپ جب دعوت دینے والے کے دروازے پر پہنچے تو اس سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو دعوت دیتے وقت موجود نہیں تھا آپؐ جب دعوت دینے والے کے دروازے پر پہنچے تو اس سے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو دعوت دیتے وقت موجود نہیں تھا اگر تم اجازت دے دو تو وہ بھی آ جائے ابوشعیب نے عرض کیا ہم نے اجازت دی وہ بھی آ جائے یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے۔

تشریح: قوله اباشعیب: مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ''خامس خمسة'' یہ ''النبی'' سے حال ہے۔

قوله کان له غلام لحام: ''ای بائع اللحم'' گوشت بیچنے والا غلام۔ ابوشعیب نے غلام سے کہا کہ میرے لیے

کھانا تیار کر جو پانچ آدمیوں کو پورا ہو جائے میں چاہتا ہوں کہ میں حضور ﷺ اور آپؐ کے چار دوستوں کی دعوت کروں تو اس غلام نے تھوڑا سا کھانا پکایا ادھر ابوشعیب نے آپ ﷺ کو دعوت دی آپ ﷺ نے دعوت کو قبول کیا اور چل پڑے آپؐ کے پیچھے ایک آدمی بھی چل پڑا جب ان کے گھر گئے تو فرمایا اے ابوشعیب یہ آدمی میرے پیچھے آیا ہے اگر تو چاہے تو اس کو اجازت دے دے ورنہ اس کو روانہ کر دے تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کو بھی کھانے کی اجازت دیتا ہوں۔ اس حدیث سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
① کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کی دعوت میں بن بلائے چلا جائے۔ اور اسی طرح کسی مہمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بن بلائے شخص کو اپنے ساتھ دعوت میں لے جائے۔ ہاں اگر دعوت میں اذن عام ہو تو پھر لے جانا جائز ہے۔ ② صاحب خانہ کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں۔ ③ اگر کوئی شخص چند مخصوص آدمیوں کی دعوت کرے اور ان کے ساتھ کوئی غیر مدعو شخص بھی چلا آئے تو مہمانوں کو چاہیے کہ وہ اس غیر مدعو شخص کے لئے اجازت طلب کریں۔ ④ میزبان کے لئے بہتر یہ ہے کہ غیر مدعو کو دستر خوان میں بیٹھنے سے نہ روکے الا یہ کہ اس کی وجہ سے مہمانوں کو کوئی تکلیف وغیرہ پہنچے۔ ⑤ میزبان غیر مدعو شخص کو اگر کھانے میں شریک کیے بغیر واپس کرنا چاہے تو نرمی والا معاملہ کرے ⑥ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی میزبان مہمان کو دستر خوان پر بٹھا کر اس کو کھانے کا مالک بنا دے تو مہمان کو اختیار ہے کہ وہ وہیں بیٹھ کر کھائے یا ساتھ گھر لے جائے۔ ہاں اگر مالک نہیں بنایا تو وہ اسی دستر خوان پر بیٹھ کر جتنا کھا سکتا ہے کھالے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ ⑦ اسی طرح ایک دستر خوان میں مختلف اشیاء ہوں تو مہمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے رہیں لیکن اگر دو دستر خوان ہوں تو مہمان ایک دستر خوان کی چیز دوسرے دستر خوان پر نہیں دے سکتے
اشکال: حدیث الباب پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے اشکال وارد ہوتا ہے جو غزوہ احزاب کے موقع پر پیش آیا تھا۔ نیز حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایک ایسا ہی واقعہ مروی ہے ان دونوں واقعات میں آپؐ دعوت میں غیر مدعوین کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ **جواب:** جس میزبان کے بارے میں مہمان کو یہ یقین ہو کہ داعی کو تکلیف یا تنگدلی نہیں ہوگی وہ محسوس نہیں کرے گا تو مہمان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ ان واقعات میں بھی ایسا ہی تھا اور دوسرا یہ کہ اس واقعہ میں آپؐ کے معجزہ کا اظہار بھی تھا کہ کھانا تھوڑا سا تھا لیکن پورے لشکر نے کھا لیا اس صورت میں داعی کے لئے بھی تو کچھ پریشانی کا باعث نہیں ہوا۔ لہٰذا اس قسم کے واقعات حدیث الباب کے متعارض نہیں ہو سکتے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَزْوِيجِ الْأَبْكَارِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَزَوَّجْتَ يَا جَابِرُ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ بِكْرًا أَمْ ثَيِّبًا فَقُلْتُ لَا بَلْ ثَيِّبًا فَقَالَ هَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَقُلْتُ يَا

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے۔ فرمایا کسی کنواری سے نکاح کیوں نہیں کیا وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد (عبداللہ) فوت ہو گئے اور

رَسُولَ اللهِ إِنَّ عَبْدَ اللهِ مَاتَ وَتَرَكَ سَبْعَ بَنَاتٍ أَوْ تِسْعًا فَجِئْتُ بِمَنْ يَقُومُ عَلَيْهِنَّ قَالَ فَدَعَا لِي وَفِي الْبَابِ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَكَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ حَدِيثُ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

سات یا نو لڑکیاں چھوڑ گئے (راوی کو شک ہے) پس میں ایک ایسی عورت کو نکاح کے ذریعہ لایا ہوں جو ان کی نگرانی کر سکے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے دعا فرمائی۔اس باب میں حضرت ابی بن کعبؓ اور کعب بن عجرہؓ سے بھی روایت ہے ابوعیسیٰ کہتے ہیں حدیث جابر بن عبداللہ حسن ہے۔

تشریح: یہاں یہ واقعہ مختصر ہے بخاری ومسلم میں واقعہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔پورا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابرؓ اپنی اونٹنی کو ہنکا کر لے جا رہے تھے لیکن اونٹنی دبلی تھی وہ اتنا تیز تو چل نہیں سکتی تھی۔آپ ﷺ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری تو وہ برق رفتار ہوگئی پھر آپؐ نے دریافت کیا کہ جلدی کیوں ہے تو حضرت جابرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے شادی کی ہے میں چاہتا ہوں رات سے پہلے مدینہ پہنچ جاؤں۔پھر آگے وہی حدیث ہے جو باب میں مذکور ہے۔

نیز کنواری لڑکی سے شادی کرنے میں مصلحت یہ ہوتی ہے کہ اس میں رغبت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ اس کو جو طریقہ اور سلیقہ سکھانا ہے وہ جلدی سیکھ جائے گی چوں چراں نہیں کرے گی اور اچھی طرح سے اپنے اوپر آنے والی ذمہ داریاں اٹھائے گی۔یہ صاف تختی کی مانند ہوتی ہے۔دوسرا یہ کہ اس میں بچے جننے کی صلاحیت بھی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ نوجوان ہوتی ہے اس کے برخلاف ثیبہ وہ چالاک اور عیار بھی ہوسکتی ہے اس کی طبیعت میں درشتی ہوتی ہے اور قوت تولید بھی اس میں کم ہوتی ہے اور وہ لکھی تختی کی مانند ہوتی ہے جس سے سابقہ نقوش کو مٹانا اور نئے سلیقے سکھانا آسان نہیں ہوتا۔اگر خانہ داری کے نظام کے تقاضے کو پورا کرنا مقصد ہو تو پھر تجربہ کار عورت سے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس صورت میں بیوہ عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

قولہ تلاعبہا و تلاعبك: باکرہ عورت سے شادی کرنا اولیٰ ہے اور زوج کے ساتھ زوجہ کا ملاعبت کرنا مستحب ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں یہ الفت تامہ سے کنایہ ہے کیونکہ ثیبہ عورت کا دل کبھی شوہر اوّل اور پہلے سسرال والوں کے ساتھ معلق ہوتا ہے ذرا سی تکلیف میں ان کو یاد کرتی ہے اسکی محبت کامل نہیں ہوتی بخلاف باکرہ عورت کے کہ یہ محبت بہت زیادہ کرتی ہے اور اس سے ناچاقی کم ہوتی ہے نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے باکرہ سے نکاح نہ کرنے کی معقول وجہ یہ بتلائی کہ اگر میں کنواری باکرہ سے شادی کرتا تو وہ بھی میری بہنوں کے ساتھ لڑکی بن کر رہتی میں نے سوچا کہ ایک بیوہ ثیبہ تجربہ کار عورت سے شادی کرلوں تاکہ میری بہنوں کی تربیت اچھی طرح ہوسکے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ و حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ ح و حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ ح و حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا

علی بن حجر، شریک بن عبداللہ، ابی اسحاق سے، قتیبہ، ابو عوانہ، ابی اسحاق سے، بندار، عبدالرحمن بن مہدی، اسرائیل سے وہ ابی اسحاق سے روایت کرتے ہیں عبداللہ بن ابی زیاد، زید بن خباب یونس بن ابی اسحاق سے وہ ابی اسحاق سے وہ ابی بردہ سے وہ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت کرتے

زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَنَسٍ.

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسٰى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوٰى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ نَحْوَ هٰذَا وَحَدِيثُ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوٰى يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيُّ وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْحُفَّاظِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ نَحْوَ هٰذَا قَالَ أَبُو أَبِي مُوسٰى حَدِيثٌ فِيهِ اخْتِلَافٌ رَوَاهُ إِسْرَائِيلُ وَشَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبُو عَوَانَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ وَقَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوٰى أَسْبَاطُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَزَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، ابوہریرہ، ابن عباس، عمران بن حصین، اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی روایت ہے۔

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ، ابن جریج، سلیمان، زہری، عروہ کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے، باطل ہے، پھر اگر خاوند نے اس سے جماع کیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا۔ کیونکہ مرد نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا اگر ان کے درمیان کوئی جھگڑا ہو جائے تو بادشاہ وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے۔ یحییٰ بن سعید انصاری، یحییٰ بن ایوب، سفیان ثوری اور کئی حفاظ حدیث ابن جریج سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں۔ ابوموسیٰؓ کی حدیث میں اختلاف ہے اسرائیل، شریک بن عبداللہ، ابوعوانہ، زہیر بن معاویہ اور قیس بن ربیع، ابواسحاق سے وہ ابوبردہؓ سے وہ ابوموسیٰؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں اسی طرح اسباط بن محمد اور زید بن حباب، یونس بن ابی اسحاق سے وہ ابوبردہ سے وہ حضرت ابوموسیٰؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں ابوعبیدہ، یونس سے وہ ابواسحاق سے وہ ابوبردہ سے وہ حضرت ابوموسیٰؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مانند روایت کرتے

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ يُونُسَ بْنِ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَقَدْ ذَكَرَ بَعْضُ أَصْحَابِ سُفْيَانَ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى وَلَا يَصِحُّ وَرِوَايَةُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ رَوَوْا عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ عِنْدِي أَصَحُّ لِأَنَّ سَمَاعَهُمْ مِنْ أَبِي إِسْحَقَ فِي أَوْقَاتٍ مُخْتَلِفَةٍ وَإِنْ كَانَ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ أَحْفَظَ وَأَثْبَتَ مِنْ جَمِيعِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ رَوَوْا عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ هَذَا الْحَدِيثَ فَإِنَّ رِوَايَةَ هَؤُلَاءِ عِنْدِي أَشْبَهُ وَأَصَحُّ لِأَنَّ شُعْبَةَ وَالثَّوْرِيَّ سَمِعَا هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي إِسْحَقَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى ذَلِكَ مَا حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ سَمِعْتُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيَّ يَسْأَلُ أَبَا إِسْحَقَ أَسَمِعْتَ أَبَا بُرْدَةَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ فَقَالَ نَعَمْ فَدَلَّ هَذَا الْحَدِيثُ عَلَى أَنَّ سَمَاعَ شُعْبَةَ وَالثَّوْرِيِّ هَذَا الْحَدِيثَ فِي وَقْتٍ وَاحِدٍ وَإِسْرَائِيلُ هُوَ ثَبْتٌ فِي أَبِي إِسْحَقَ سَمِعْتُ

ہیں اور اس میں ابواسحاق کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ حدیث یونس بن ابی عن ابی اسحاق سے بھی ابو بردہ کے حوالے سے مرفوعاً مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی حدیث روایت کرتے ہیں۔ شعبہ اور ثوری نے ابواسحاق سے وہ ابو بردہ سے وہ ابوموسیٰ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لا نکاح الا بولی روایت کرتے ہیں۔ سفیان کے بعض ساتھی بھی سفیان سے وہ ابواسحاق سے وہ ابو بردہ سے اور وہ ابوموسیٰؓ سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے میرے نزدیک ابواسحاق کی ابو بردہ سے اور ان کی ابوموسیٰ کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی حدیث کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ ان تمام راویوں کا جو ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں ابواسحاق سے حدیث سننا مختلف اوقات میں تھا اگر چہ سفیان اور شعبہ ان سب سے زیادہ اثبت اور احفظ ہیں۔ پس ان راویوں کی روایت میرے نزدیک اصح واشبہ ہے اس لئے کہ ثوری اور شعبہ دونوں نے یہ حدیث اس ابواسحاق سے ایک ہی وقت میں سنی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ محمود بن غیلان ابوداؤد سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے شعبہ نے کہا میں نے سفیان ثوری کو ابواسحاق سے یہ پوچھتے ہوئے سنا کہ کیا آپ نے ابو بردہ سے یہ حدیث سنی ہے تو انہوں نے فرمایا ہاں پس یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان دونوں نے یہ حدیث ایک ہی وقت میں سنی جب کہ دوسرے راویوں نے مختلف اوقات میں سنی پھر اسرائیل ابواسحاق کی روایتوں کو اچھی طرح یاد رکھنے والے ہیں۔ محمد بن مثنی، عبدالرحمن بن مہدی

مُحَمَّدَ بْنَ الْمُثَنَّى يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ مَهْدِيٍّ يَقُولُ مَا فَاتَنِي مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ الَّذِي فَاتَنِي إِلَّا لَمَّا اتَّكَلْتُ بِهِ عَلَى إِسْرَائِيلَ لِأَنَّهُ كَانَ يَأْتِي بِهِ أَتَمَّ وَحَدِيثُ عَائِشَةَ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ هُوَ حَدِيثٌ عِنْدِي حَسَنٌ رَوَاهُ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسَى عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ وَجَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ فِي حَدِيثِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ ثُمَّ لَقِيتُ الزُّهْرِيَّ فَسَأَلْتُهُ فَأَنْكَرَهُ فَضَعَّفُوا هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَجْلِ هٰذَا وَذُكِرَ عَنْ يَحْيَى بْنِ مَعِينٍ أَنَّهُ قَالَ لَمْ يَذْكُرْ هٰذَا الْحَرْفَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ إِلَّا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ وَسَمَاعُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ لَيْسَ بِذَاكَ إِنَّمَا صَحَّحَ كُتُبَهُ عَلَى كُتُبِ عَبْدِ الْمَجِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ مَا سَمِعَ مِنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَضَعَّفَ يَحْيَى رِوَايَةَ إِسْمٰعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ وَالْعَمَلُ فِي هٰذَا الْبَابِ عَلَى حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ

کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انہوں نے ثوری کی جو احادیث مجھ سے چھوٹ گئی ہیں وہ اسرائیل ہی پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے چھوٹی ہیں کیونکہ وہ انہیں اچھی طرح یاد رکھتے تھے پھر حضرت عائشہؓ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ حسن ہے۔ اس حدیث کو ابن جریج سلیمان بن موسیٰ سے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں پھر حجاج بن ارطاۃ اور جعفر بن ربیعہ بھی زہری سے وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے مثل مرفوعاً روایت کرتے ہیں ہشام بھی اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کرتے ہیں بعض محدثین زہری کی بحوالہ عائشہ، عروہ سے مروی حدیث میں کلام کرتے ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے زہری سے ملاقات کی اور اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی۔ لہذا اسی وجہ سے اس حدیث کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین کے بارے میں مذکور ہے کہ انہوں نے کہا کہ حدیث کے یہ الفاظ صرف اسماعیل بن ابراہیم ہی ابن جریج سے روایت کرتے ہیں اور ان کا ابن جریج سے سماع قوی نہیں ہے ان کے نزدیک بھی یہ ضعیف ہیں۔ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں پر بعض صحابہ کرام کا عمل ہے جن میں حضرت عمر بن خطاب،

أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو هُرَيْرَةَ وَغَيْرُهُمْ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ بَعْضِ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ أَنَّهُمْ قَالُوا لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مِنْهُمْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَشُرَيْحٌ وَإِبْرَاهِيمُ النَّخَعِيُّ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَغَيْرُهُمْ وَبِهٰذَا يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَمَالِكٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ

علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ بعض فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ سعید بن مسیب، حسن بصری، شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ وغیرھم ان تابعین میں شامل ہیں سفیان ثوری، اوزاعی، مالک، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد، اور اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے ایک اختلافی مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ یہاں دو مسائل ایک جیسے ہیں ان میں اکثر خلط ہو جاتا ہے۔ ان میں سے پہلا مسئلہ! عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ یعنی عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں۔

امام ترمذیؒ یہاں اسی مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں۔

نیز دوسرا مسئلہ اولیاء نکاح کو کن عورتوں پر ولایت اجبار حاصل ہے اس مسئلہ کے لئے امام ترمذی آگے مستقل باب قائم کر رہے ہیں "باب ما جاء فی استیمار البکر والثیب" وہاں اس مسئلہ کو دیکھ لیا جائے۔

مسئلہ: عبارات النساء سے نکاح منعقد ہوتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک عبارات النساء سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا بلکہ اس میں ولی کی اجازت ضروری ہے۔ عورت خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، باکرہ ہو یا ثیبہ، عاقلہ ہو یا مجنونہ اس کا نکاح باطل ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام احمد بن حنبلؒ کی اس میں مختلف روایات ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں "علی الاطلاق نکاح" جائز ہے خواہ عورت نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں البتہ ولی کے بغیر خلاف استحباب ہے۔ یہ ظاہر الروایۃ ہے۔

دوسری روایت حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ اگر عورت نے اپنا نکاح بغیر اذن ولی کے کیا لیکن کفو میں کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا بشرطیکہ عورت آزاد عاقلہ و بالغہ ہو اس صورت میں ولی کو فسخ کرانے کا اختیار بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر غیر کفو میں کیا یا مہر مثلی سے کم میں کیا تو یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے تین روایتیں ہیں۔ ① پہلی روایت جمہور کے مطابق تھی کہ عبارات النساء سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ لیکن بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور امام صاحب کی دوسری روایت کو اختیار کر لیا۔ گویا امام ابو یوسف کی دوسری روایت امام صاحبؒ کی دوسری روایت کی طرح ہے۔ آخر میں امام ابو یوسف نے امام صاحب کی پہلی روایت کی طرف رجوع کر لیا تھا گویا یہ امام ابو یوسفؒ کی تیسری روایت ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت عورت کا نکاح کرنا بغیر ولی کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے۔ خواہ نکاح کفو میں ہو یا غیر کفو میں۔ البتہ اگر کفو میں ہو اور ولی اس نکاح کی اجازت نہ دے رہا ہو تو قاضی کو چاہیے کہ تجدید عقد کرے اور ولی کی بات کی طرف توجہ نہ دے۔

دوسری روایت، امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی پہلی روایت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبارت مکلفہ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے خواہ وہ کفو میں ہو یا کفو میں نہ ہو۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھیے مبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۱۰ اباب النکاح بغیر ولی فتح القدیر ج ۳ ص ۱۴۷)

جمہور حضرات کی دلیل اول: قرآن پاک کی آیت "فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن" یہ خطاب اولیاء کو ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کا نکاح میں دخل ہے ورنہ عضل سے منع کرنا بے معنی ہوگا۔

جواب: یہ آیت تو ہمارا مستدل ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

دلیل ثانی: سورۂ نور میں آیت ہے: "وانكحوا الايامى منكم"۔

جواب: یہ حصر نہیں بلکہ عرف وعادت کے لحاظ سے ہے کہ عموماً نکاح مردوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

دلیل ثالث: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت الباب ہے "لا نكاح الا بولى"۔

جواب اوّل: اس روایت کے وصل اور انقطاع میں اضطراب ہے۔ جیسا کہ امام ترمذیؒ نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مذکورہ صحیح حدیث کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

وحديث ابي موسىٰ حديث فيه اختلاف، رواه اسرائيل وشريك بن عبدالله

اضطراب کی تفصیل: اختلاف سے قبل یہ سمجھیں کہ اس حدیث میں مدار سند ابواسحاق ہیں۔

اس حدیث کو بعض حضرات مرسل نقل کرتے ہیں اور بعض حضرات منقطع ذکر کرتے ہیں، اس حدیث کی اسناد مندرجہ ذیل ہیں۔

① رواه اسرائيل، وشريك بن عبدالله، وابو عوانة، وزهير بن معاويه، وقيس بن ربيع، عن ابي اسحاق، عن ابي بردة، عن ابي موسىٰ، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

② ورواه اسباط بن محمد، وزيد بن حباب، عن يونس بن ابي اسحاق، عن ابي اسحاق، عن ابي بردة، عن ابي موسىٰ، عن النبي صلى الله عليه وسلم.

دوسری سند میں یونس بن ابی اسحاق کے تلامذہ میں اختلاف ہے۔

اس روایت میں یونس کے تلامذہ اسباط بن محمد اور زید بن حباب کا ذکر ہے۔ اور اگلی سند میں ابوعبیدۃ الحدّاد شاگرد ہیں۔ ان تینوں شاگردوں میں سے پہلے دو شاگرد اسباط بن محمد اور زید بن حباب، ابواسحاق اور ابوموسیٰ دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں یعنی ان کی سند اسرائیل وغیرہ کی سند کی طرح ہے۔

③ ورواه ابو عبيده الحداد، عن يونس بن ابي اسحاق، عن ابي بردة، عن ابي موسىٰ عن النبي صلى الله عليه وسلم نحوه ولم يذكر فيه: عن ابي اسحاق۔ یہ راوی عن ابی اسحاق کا ذکر نہیں کرتے بلکہ براہ راست ابوبردہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یونس کے بعض تلامذہ اپنی اسناد میں ابواسحاق اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ دونوں کا ذکر نہیں کرتے۔

④ وروی شعبه والثوری عن ابی اسحاق، عن ابی بردة عن النبی ﷺ.
یہ دونوں راوی ابواسحاق سے مرسل روایت کرتے ہیں یعنی آخر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کا ذکر نہیں کرتے۔ البتہ سفیان ثوری کے بعض تلانذہ سند میں ابوموسیٰ کا ذکر کرتے ہیں یعنی وہ حدیث کو موصولاً ذکر کرتے ہیں مگر وہ سند غلط ہے البتہ محدثین کا اس بات میں اتفاق ہے کہ سفیان اور شعبہ کی سند میں حضرت ابوموسیٰ کا ذکر نہیں ہے۔
وروایة هولاء الذین رووا عن ابی اسحاق: امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اصح وہ سند ہے جس کو رواۃ کی کثیر تعداد بیان کرتی ہے۔ جو ابواسحاق اور حضرت ابوموسیٰ اشعری دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اور یہی سند امام ترمذیؒ نے باب کے شروع میں لکھی ہے۔ باقی سفیان اور شعبہ اگرچہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں مگر ان دونوں نے ایک ہی مجلس میں یہ حدیث سنی ہے۔ یہ ایک حدیث ہے، اور وہ دونوں ایک دوسرے کے متابع بھی نہیں ہیں۔ البتہ جو حضرات حدیث کو موصولاً ذکر کرتے ہیں یعنی ابوموسیٰ کا ذکر کرتے ہیں ایسی روایات بہت ہیں اور انہوں نے مختلف سالوں میں حضرت ابواسحاق سے یہ حدیث سنی ہے اور یہ ایک دوسرے کے متابع بھی ہیں اور ان کی حدیث اصح بھی ہے۔
جواب ثانی: اگر ہم اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو کہیں گے کہ یہ صغیرہ، مجنونہ اور لونڈی پر محمول ہے۔
جواب ثالث: یہاں لانفی کمال کے لئے ہے ولی کو اعتراض وفسخ کا حق حاصل ہے۔
دلیل رابع: اس باب کی دوسری روایت مستدل ہے "عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل، فنکاحها باطل، فنکاحها باطل"۔
جواب اوّل: وقد تکلم بعض اهل الحدیث فی حدیث الزهری۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔ وہ سلیمان بن موسیٰ عن الزہری ہے۔ خود ابن جریج فرماتے ہیں "ثم لقیت الزهری فسألته فأنکره، کما نقل الترمذی فی الباب. قال البخاری عنده مناکیر. وقال النسائی لیس بالقوی فی الحدیث"۔
اس حدیث کو بغیر سند کے پیش کیا ہے اس حدیث سے اوپر والی حدیث کی سند جو آئی ہے وہ سند ایک ہے اس لئے دھوکہ ہوتا ہے۔ اب حجاج بن ارطاۃ اور جعفر بن ربیعہ نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے۔ یعنی وہ سلیمان بن موسیٰ کے متابع ہیں اور ہشام نے عروہ سے روایت کیا یعنی وہ زہری کے متابع ہیں۔ بعض محدثین نے امام زہری کی اس سند میں کلام کیا ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ میری ابن شہاب زہری سے ملاقات ہوئی میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو روایت کرتے ہیں انہوں نے انکار کیا ابن جریج کے اس قول کی وجہ سے بعض حضرات نے اس حدیث کی صحت پر اعتراض کیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ قول ہی ثابت نہیں کیونکہ اس قول کو اسماعیل بن ابراہیم کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور اسماعیل نے ابن جریج سے ڈھنگ سے نہیں پڑھا۔ بلکہ اس نے عبدالمجید نامی طالب علم کی کاپی سے اپنی کاپی درست کی جو روایتیں ابن جریج نے نقل کی ہیں ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث بھی حسن ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث بھی حسن ہے۔
جواب ثانی: باطل کا معنیٰ علی شرف البطلان ہے کہ غیر کفو میں ہو تو ولی اس نکاح پر معترض بن سکتا ہے اور عدالت کے ذریعے اس نکاح کو کالعدم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرے سے نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

جواب ثالث: باطل کا معنی بے کار ہے اور یہ صبیہ، مجنونہ پر محمول ہے۔
جواب رابع: باطل کا معنی ہے اچھا نہیں چونکہ جو نکاح اولیاء کے بغیر ہوتے ہیں عام طور پر ان میں خیر و برکت نہیں ہوتی اور جو اولیاء کی مداخلت سے ہوتے ہیں ان میں خیر و برکت ہوتی ہے۔
جواب خامس: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بھتیجی حفصہ کا خود نکاح کر دیا تھا جب صحابی اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ روایت منسوخ یا مؤول ہوتی ہے، تاویل یہ ہے کہ اس کا نکاح قریب البطلان ہے ولی کو اعتراض و فسخ کا حق حاصل ہے۔
جواب سادس: تطبیق یہ ہے کہ یہ صغیرہ مجنونہ لونڈی پر محمول ہے۔
احناف کی دلیل اوّل: اس مسئلہ میں احناف کے بہت سارے دلائل ہیں۔ قرآن پاک میں اولیاء کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''واذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن'' اس آیت سے احناف نے دو طرح سے استدلال کیا ہے کہ ایک تو اس میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس میں اولیاء کو منع کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اپنے سابقہ ازواج سے نکاح کرنے سے نہ روکیں اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کو بالغہ عورت کے معاملہ نکاح میں مداخلت کا حق نہیں۔ اس میں پہلا استدلال اشارۃ النص کے طور پر ہے اور دوسرا استدلال عبارۃ النص کے طور پر ہے۔
اعتراض: اس پر شوافع حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ آیت تو ہمارے مسلک کی دلیل ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ نہی تو اس وقت درست ہو سکتی ہے جبکہ اولیاء کو منع نکاح پر قدرت ہو اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کے منعقد ہو سکتا ہے تو پھر اولیاء کو منع کرنے کی قدرت ہی نہ رہی اس صورت میں نہی بے فائدہ ہے۔
جواب: یہاں آیت میں قانونی اور شرعی رکاوٹ مراد نہیں بلکہ اخلاقی اور معاشرتی دباؤ مراد ہے جو عورتوں کے حق میں عموماً مؤثر ہوتا ہے۔ یہ آیت حضرت معقل بن یسار کے واقعہ میں نازل ہوئی۔ جو اپنی بہن کو سابقہ شوہر سے نکاح کرنے سے روک رہے تھے۔ نیز آیت کا یہ مطلب تب بنے گا جب ينكحن میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی جائے۔
دلیل ثانی: فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف اس کا مطلب یہ ہے کہ عدت گزرنے کے بعد عورتیں نکاح کے معاملے میں مکمل مختار ہیں اور ''فعلن في انفسهن'' کے الفاظ صراحۃً بتا رہے ہیں کہ نکاح عورت کا فعل ہے اور اس کی عبارت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔
دلیل ثالث: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجًا غيرهٗ اس میں بھی نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے جو اشارۃ النص کے طور پر عبارات النساء سے نکاح کے منعقد ہونے کی دلیل ہے۔
دلیل رابع: موطا امام مالک میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کو شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد بچہ پیدا ہوا تو ان کو دو شخصوں نے نکاح کا پیغام بھجوایا ان میں ایک شخص جوان تھا اور دوسرا شخص بوڑھا تھا۔ اس عورت نے جوان کو ترجیح دی اس بوڑھے نے کہا کہ تو ابھی اس جوان کے لئے حلال نہیں اور دوسرا اس کے اولیاء تو موجود نہیں ہیں۔ جب اولیاء آئیں گے تو اس کو جائز یا ناجائز قرار دیں گے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو حلال

ہے جس کے ساتھ چاہے نکاح کرلے یہاں اولیاء کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔

دلیل خامس مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الایم احق بنفسها من ولیه، والبکر تستاذن فی نفسها، واذنها صماتها'' اس روایت میں ''الایم'' کے معنی بے شوہر عورت کے ہیں احناف کے ہاں یہ لفظ باکرہ اور ثیبہ دونوں کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ شوافع کے ہاں اس سے مراد صرف ثیبہ ہے۔ (جلد ا ص ۴۵۵ باب استیذان الثیب فی النکاح والبکر بالسکوت)

دلیل سادس: کنز العمال میں علامہ شعبیؒ کا قول ہے ''ما کان احدٌ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اشد فی النکاح بغیر ولی من علی بن ابی طالب حتیٰ کان یضرب فیه'' (ج ۱۶ ص ۵۳۱ رقم ۴۵۷۷۰) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بغیر ولی نکاح کرنے سے بتاکید جتنا منع کرتے تھے اتنا دوسرے صحابہؓ سختی نہ کرتے تھے لیکن ایسا نکاح ہو جانے یک صورت تو اس کو نافذ کر دیتے تھے۔

دلیل سابع: بخاری شریف ج ۲ ص ۷۶۷ ''باب عرض المرأة نفسها علی الرجل الصالح'' میں روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنے نفس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور ایک صحابیؓ کی درخواست پر ان سے نکاح کر دیا اس واقعہ میں عورت کا کوئی ولی موجود نہ تھا اس سے بھی معلوم ہوا کہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی کے منعقد ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ الْمَعْنِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا اللَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ قَالَ يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ رَفَعَ عَبْدُ الْأَعْلَى هٰذَا الْحَدِيثَ فِي التَّفْسِيرِ وَأَوْقَفَهُ فِي كِتَابِ الطَّلَاقِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

یوسف بن حماد، عبدالاعلیٰ، سعید سے وہ قتادہ سے وہ جابر بن زید سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زانی عورتیں وہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کرتی ہیں۔ یوسف بن حماد کہتے ہیں کہ عبدالاعلیٰ نے یہ حدیث تفسیر کے باب میں مرفوع اور کتاب الطلاق میں موقوف نقل کی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ سَعِيدٍ نَحْوَهُ وَلَمْ يَرْفَعْهُ وَهٰذَا أَصَحُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ لَا نَعْلَمُ أَحَدًا رَفَعَهُ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ مَرْفُوعًا وَرُوِيَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ هٰذَا الْحَدِيثُ مَوْقُوفًا وَالصَّحِيحُ مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَوْلُهُ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ وَهٰكَذَا رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ سَعِيدٍ

قتیبہ، غندر سے وہ سعید سے اسی کے مثل روایت کرتے ہیں اور اسے مرفوع نہیں کرتے اور یہی صحیح ہے یہ حدیث غیر محفوظ ہے ہمیں علم نہیں کہ اسے عبدالاعلیٰ کے علاوہ کسی اور نے مرفوعاً روایت کیا ہو، عبدالاعلیٰ اسے سعید سے اور وہ قتادہ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں پھر عبدالاعلیٰ ہی اسے سعید سے مرفوعاً بھی روایت کرتے ہیں صحیح یہی ہے کہ یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ انہوں نے فرمایا گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں کئی راوی

بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ نَحْوَ هٰذَا مَوْقُوفًا وَفِي هٰذَا الْبَاب عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا لَا نِكَاحَ إِلَّا بِشُهُودٍ لَمْ يَخْتَلِفُوا فِي ذٰلِكَ مَنْ مَضَى مِنْهُمْ إِلَّا قَوْمًا مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ وَإِنَّمَا اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي هٰذَا إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ لَا يَجُوزُ النِّكَاحُ حَتّٰى يَشْهَدَ الشَّاهِدَانِ مَعًا عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ وَقَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ إِذَا أُشْهِدَ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ أَنَّهُ جَائِزٌ إِذَا أَعْلَنُوا ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَغَيْرِهِ وَهٰكَذَا قَالَ إِسْحٰقُ فِيمَا حَكَى عَنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ تَجُوزُ فِي النِّكَاحِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

سعید بن عروبہ سے بھی اسی کے مثل موقوفاً روایت کرتے ہیں اس باب میں حضرت عمران بن حصین، انس، اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے علماء، صحابہ، تابعین، اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہوتا سلف میں سے کسی کا اس مسئلے میں اختلاف نہیں، البتہ علماء متاخرین کی ایک جماعت کا اس میں اختلاف ہے پھر علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر ایک گواہ دوسرے کے بعد گواہی دے تو کیا توحکم ہے چنانچہ اکثر علماء کوفہ اور دیگر علماء کا قول ہے کہ اگر دونوں گواہ بیک وقت نکاح کے وقت موجود نہ ہوں تو ایسا نکاح جائز نہیں بعض اہل مدینہ کہتے ہیں کہ اگر دونوں بیک وقت موجود نہ ہوں اور یکے بعد دیگرے گواہی دیں تو نکاح صحیح ہے بشرطیکہ نکاح کا اعلان کیا جائے، امام مالک بن انسؒ کا یہی قول ہے اور اسحاق بن ابراہیم کی بھی یہی رائے ہے بعض اہل علم کے نزدیک نکاح میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے۔ امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: قوله البغايا: مبتدأ ہے اور ''اللاتی ينكحن'' اس کی خبر ہے ''البغايا'' یہ جمع ہے بغية کی۔ زانی عورت کو کہتے ہیں یعنی بغیر بینہ کے جو نکاح کرے وہ زنا ہے ''عند الشافعی وعند ابی حنيفة''۔ اور شرح السنۃ میں ہے کہ بالغہ عورت کے بغیر نکاح کرنے پر خاوند نے وطی بھی کر لی تو اس پر مہر لازم ہوگا کیونکہ یہ وطی بالشبہ کے حکم میں ہے اور وطی بالشبہ مہر کو واجب کرتی ہے لیکن اس پر حد نہیں ہوگی اور نسب ثابت ہو جائے گا جس نے جان بوجھ کر ایسا کر لیا تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔

مسئلہ اولیٰ: نکاح میں گواہوں کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام ابن ابی لیلیٰ، ابوثور اور اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ نکاح کے اندر گواہ شرط نہیں ہیں اعلان شرط ہے۔ امام احمدؒ کی ایک روایت اسی طرح ہے اور امام مالکؒ کے ہاں اعلان شرط ہے اور فقہ مالکی کی کتب میں بھی یہی لکھا ہوا ہے کہ گواہ شرط نہیں بلکہ اعلان ہی شرط ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کے اندر گواہ شرط ہیں گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔

امام ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور وغیرہ کی دلیل: آپ ﷺ کی حدیث شریف ہے ''اعلنوا النكاح'' کہ نکاح کا اعلان کرو اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے اندر اعلان شرط ہے نہ کہ بینہ۔

جواب اوّل: اس میں اعلان کا ذکر ہے اور اعلان سے مراد گواہ ہیں۔ نیز اعلان مستحب ہے اور نکاح کے گواہ واجب ہیں۔

جوابِ ثانی: روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ شرط ہیں جبکہ فریق مخالف کی روایات اس سے ساکت ہیں اور قاعدہ ہے کہ ناطق و ساکت احادیث میں سے ترجیح ناطق حدیث کو ہوتی ہے۔

احناف وشوافع کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ جو عورتیں بغیر بینہ کے نکاح کرتی ہیں وہ گویا کہ زنا کرتی ہیں۔

مسئلہ ثانیہ: گواہوں کا بیک وقت ایجاب وقبول سننا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب و قبول سننا ضروری نہیں اگر دونوں گواہ الگ الگ مجلسوں میں ایجاب وقبول سنیں اور نکاح کی تشہیر ہوجائے تو بھی نکاح ہوجائے گا۔

قول ثانی: باقی فقہاء کے نزدیک دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر دو مجلسوں میں ایجاب وقبول کیا گیا اور پہلے ایجاب وقبول سے نکاح ہوگیا تو دوسرا ایجاب وقبول فضول ہے۔ اور اگر پہلے ایجاب وقبول سے نکاح نہیں ہوا اس وجہ سے کہ گواہ ایک تھا تو دوسرے ایجاب وقبول سے بھی نکاح نہیں ہوگا کیونکہ گواہ ایک ہی ہے۔ غرض جمہور فقہا کے نزدیک دونوں گواہوں کا بیک وقت ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔

مسئلہ ثالثہ: نکاح میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے عورتیں گواہ نہیں بن سکتیں۔

قول ثانی: دیگر فقہاء کے نزدیک ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں تو نکاح درست ہوجائے گا۔

مسئلہ رابعہ: نکاح میں فاسق کی گواہی کا کیا حکم ہے؟

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک گواہ کا عادل ہونا اور دین دار ہونا شرط ہے فاسق کی گواہی کا اعتبار نہیں ہے۔

قول ثانی: جبکہ جمہور حضرات کے نزدیک ہر شخص گواہ بن سکتا ہے خواہ دین دار ہو یا فاسق۔

بَابِ مَا جَاءَ فِي خُطْبَةِ النِّكَاحِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْثَرُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ عَلَّمَنَا حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا بْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْأَعْمَشِ أَبِي إِسْحَقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ أَشْهَدُ

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں نماز کے لئے تشہد سکھانے کے ساتھ ساتھ حاجت کے لئے بھی تشہد سکھایا۔ آپ نے فرمایا نماز میں اس طرح تشہد پڑھ۔ ترجمہ "تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں" اور حاجات جیسے کہ نکاح وغیرہ کا تشہد

أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِي اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ قَالَ عَبْثَرٌ فَفَسَّرَهَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ { اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ } { وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا } { اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا الاية } وَفِي الْبَابِ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ حَدِيْثُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ الْأَعْمَشُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَاهُ شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكِلَا الْحَدِيْثَيْنِ صَحِيْحٌ لِأَنَّ إِسْرَائِيْلَ جَمَعَهُمَا فَقَالَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ وَأَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ قَالَ أَهْلُ الْعِلْمِ إِنَّ النِّكَاحَ جَائِزٌ بِغَيْرِ خُطْبَةٍ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَغَيْرِهٖ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ .

یہ ہے۔تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ہم اس سے مدد مانگتے ہیں اور بخشش چاہتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین آیات پڑھتے تھے۔عبثر بن قاسم کہتے ہیں کہ سفیان ثوری نے ان کی تفصیل یوں بیان کی۔اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں حالت اسلام میں ہی موت آئے۔اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم سوال کرتے ہو اور رشتے داروں کا خیال رکھو اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو" اس باب میں حضرت عدی بن حاتمؓ سے بھی روایت ہے۔ حدیث عبداللہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں شعبہ بھی ابواسحاق سے اور وہ ابوعبیدہ سے اور وہ عبداللہ حسن ہے اسے اعمش نے ابواسحق سے انہوں نے ابوالاحوص سے وہ حضرت عبداللہؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔اس لئے کہ اسرائیل نے دونوں سندوں کو جمع کر دیا ہے اسرائیل ابواسحاق سے وہ ابوالاحوص اور ابوعبیدہ سے وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ نکاح خطبے کے بغیر بھی جائز ہے سفیان ثوری اور کئی اہل علم کا یہی قول ہے۔

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں تشہد فی الصلوۃ بھی سکھائی اور تشہد فی الحاجۃ بھی سکھائی یعنی نکاح کا خطبہ بھی سکھایا۔اور تشہد فی الصلوۃ یہ ہے کہ ''التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته الخ'' اور تشہد فی الحاجۃ یہ ہے کہ ''ان الحمد للہ نستعینه ونستغفره ونعوذ باللہ من شرور انفسنا...'' اور تشہد فی الحاجۃ کے اندر قرآن پاک تین کی آیات ہیں ① ''یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔'' ② ''یا ایها الذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا

سدیدا یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما" ③ "یا ایھاالذین اٰمنوا اتقو اللہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا"۔

سوال: تیسری آیت قرآن پاک میں جیسے مذکور ہے ویسے تو یہاں پر نہیں ہے بلکہ اس سے مختلف ہے۔

جواب اوّل: جامع ترمذی میں ہے کہ ان تینوں آیات کی تفسیر حضرت سفیان ثوریؒ سے مروی ہے اور ان کو غلطی لگ گئی۔

جواب ثانی: انہوں نے صحیح بیان فرمایا کیونکہ مقصود یہ ہے کہ الناس کا الف لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے مراد اہل ایمان ہیں اس لئے انہوں نے کہا "یا ایھاالذین آمنوا"۔

جواب ثالث: صحیح جواب یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور ان کے مصحف میں اسی طرح ہے۔

جواب رابع: یہ روایت بالمعنی ہے اور روایت بالمعنی حدیث میں ہوتی ہے قرآن میں نہیں ہوتی۔

(**فائدہ**) مسند دارمی میں ہے کہ پہلے خطبہ نکاح پڑھیں پھر ایجاب وقبول کریں لیکن اگر اس کے برعکس بھی کر دیا تو بھی حرج نہیں۔

پہلی آیت: اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن الّا وانتم مسلمون. (ال عمران ۱۰۲)

تفسیر: اس آیت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ مسلمان کو ہر حال میں احکام شرعیہ کا مطیع ہونا چاہیے کسی بھی معاملے میں اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے اور یہ حالت اس کی پوری زندگی کو محیط ہونی چاہیے۔لہٰذا یہ آیت ہر معاملہ کے شروع میں پڑھی جاسکتی ہے۔

دوسری آیت: واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیباً (سورۃ النساء:۱)

تفسیر: اس آیت میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ سب انسان خواہ مرد ہوں یا عورتیں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔اور اللہ تعالیٰ ہی سب کے خالق ہیں پس اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت واجب ہے اور وجوب کا ایک قرینہ یہ ہے کہ تم آپس میں اس کی قسمیں دیتے ہو اور اس کے نام سے اپنے حقوق وفوائد طلب کرتے ہو۔اللہ تعالیٰ کا ایک حکم خاص ہے کہ اہل قرابت والوں کے حقوق ادا کرتے رہو اور قطع رحمی اور بدسلوکی سے بچو۔پس نکاح کے بعد جو مصاہرت کا رشتہ وجود میں آئے مرد وزن اس رشتہ کا خیال کریں۔

تیسری آیت: اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیدًا. (الاحزاب:۷۰-۷۱)

تفسیر: اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ بسا اوقات خانہ داری میں زوجین کے اندر اور کبھی دو خاندانوں میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں تو اس بارے میں آیت میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اگر تم نے احکام الٰہی کی اطاعت کی اور سیدھی بات کہی تو ان شاء اللہ سب معاملات درست ہو جائیں گے اور صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت بھی سنور جائے گی کیونکہ نادرست بات ہی جھگڑے کا موجب ہے جس کا علاج درست بات کہنا ہے۔لہٰذا دونوں میاں بیوی کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ درست اور سچی بات کریں۔

سوال: ان تین آیات میں تو کہیں نکاح کا ذکر نہیں ہے۔حالانکہ قرآن پاک میں بہت ساری ایسی آیات موجود ہیں جو نکاح سے متعلق ہیں لیکن انہیں چھوڑ کر مذکورہ تین آیات کو اختیار کیا گیا۔

جواب: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان تین آیات کے لانے کی حکمت یہ ہے کہ ان تینوں آیات میں تقویٰ کا حکم مشترک ہے۔اور نکاح ایک ایسا معاملہ ہے کہ اس میں زوجین کے تعلقات کی خوشگواری اور باہمی حقوق کی ادائیگی بغیر تقویٰ کے ممکن نہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ابوہشام رفاعی، محمد بن فضیل سے عاصم بن کلیب سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس خطبہ میں تشہد نہ ہو وہ ایسا ہے جیسے کوڑھی کا ہاتھ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: مسئلہ: نکاح میں خطبہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: اہل ظواہر کے نزدیک نکاح میں خطبہ پڑھنا شرط ہے اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

قول ثانی: جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خطبہ پڑھنا شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے خطبہ کے بغیر نکاح میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

اہل ظواہر کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے بغیر خطبہ والے نکاح کو ''کالید الجذماء'' فرمایا ہے۔

جواب: حدیث الباب سے استحباب مراد ہے کیونکہ حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو وجوب و شرط پر دال ہو بلکہ حدیث میں بے برکتی کہا گیا ہے جسکے قائل جمہور بھی ہیں۔

جمہور ائمہ کی دلیل: ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے کہ ''ان رجلا من بنی سلیم خطب الی النبی ﷺ امامة بنت عبد المطلب فانکحه من غیر ان یتشهد'' اس سے معلوم ہوا کہ نکاح بغیر خطبہ کے درست ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اسْتِئْمَارِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ وَإِذْنُهَا الصُّمُوتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ وَالْعُرْسِ بْنِ عَمِيرَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الثَّيِّبَ لَا تُزَوَّجُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَإِنْ زَوَّجَهَا الْأَبُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَأْمِرَهَا فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَالنِّكَاحُ مَفْسُوخٌ عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي تَزْوِيجِ الْأَبْكَارِ إِذَا زَوَّجَهُنَّ الْآبَاءُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کنواری اور بیوہ (دونوں) کا نکاح ان کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ اس باب میں حضرت عمر، ابن عباس، عائشہ، عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اسی پر اہل علم کا عمل ہے کہ بیوہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اگر چہ اس کا والد ہی اس کا نکاح کرنا چاہے اور اگر اس کے والد نے اس کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک نکاح ٹوٹ جائے گا جب کہ کنواری لڑکی کے نکاح کے متعلق علماء کا اختلاف ہے اکثر علماء کوفہ اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اگر بالغہ

فَرَأَى أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْأَبَ إِذَا زَوَّجَ الْبِكْرَ وَهِيَ بَالِغَةٌ بِغَيْرِ أَمْرِهَا فَلَمْ تَرْضَ بِتَزْوِيجِ الْأَبِ فَالنِّكَاحُ مَفْسُوخٌ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ تَزْوِيجُ الْأَبِ عَلَى الْبِكْرِ جَائِزٌ وَإِنْ كَرِهَتْ ذَلِكَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْفَضْلِ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ احْتَجَّ بَعْضُ النَّاسِ فِي إِجَازَةِ النِّكَاحِ بِغَيْرِ وَلِيٍّ بِهَذَا الْحَدِيثِ وَلَيْسَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَا احْتَجُّوا بِهِ لِأَنَّهُ قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَهَكَذَا أَفْتَى بِهِ ابْنُ عَبَّاسٍ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَإِنَّمَا مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْوَلِيَّ لَا يُزَوِّجُهَا إِلَّا بِرِضَاهَا وَأَمْرِهَا فَإِنْ زَوَّجَهَا فَالنِّكَاحُ مَفْسُوخٌ عَلَى حَدِيثِ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ حَيْثُ زَوَّجَهَا أَبُوهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذَلِكَ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِكَاحَهُ

کنواری لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی رضامندی کے بغیر کیا تو یہ نکاح ٹوٹ جائے گا بعض علماء مدینہ کہتے ہیں کنواری لڑکی کا والد اگر اس کا نکاح اس کی عدم رضا کے باوجود کر دے تو یہ نکاح جائز ہے امام مالک بن انسؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بالغہ عورت اپنے نفس کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور کنواری لڑکی سے بھی نکاح کی اجازت لی جائے اور اس کی اجازت خاموش رہنا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے شعبہ اور سفیان ثوری نے اسے امام مالک بن انسؒ سے روایت کیا ہے بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ولی کے بغیر نکاح ہو سکتا ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اسی پر فتوی بھی دیا ہے اور فرمایا کہ ولی کے بغیر نکاح نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ بالغہ اپنے نفس کی وُلی سے زیادہ حقدار ہے کا مطلب اکثر علماء کے نزدیک یہ ہے کہ ولی اس کی رضامندی اور اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہ کرے۔ اگر ایسا کرے گا تو نکاح ٹوٹ جائے گا جیسا کہ خنساء بنت خدام کی حدیث میں ہے کہ وہ بیوہ تھیں اور ان کے والد نے ان کی مرضی کے بغیر ان کا نکاح کر دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کو فسخ کر دیا۔

تشریح: الایم احق بنفسها من ولیها: ''امرأة لا زوج لها صغيرة او كبيرة'' یعنی ''ایم'' اس

عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ عورت چھوٹی ہو یا بڑی۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسی باکرہ جس کی بکارت زائل ہوگئی خواہ نکاح ہے یا زنا سے یا چھلانگ لگانے سے یا کسی اور وجہ سے تو اس کی اجازت میں بھی نطق (بولنا) شرط ہے کیونکہ یہ بھی ثیبہ ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ یہ باکرہ کے حکم میں ہی ہوگی۔ اس حدیث میں ''الایم'' سے مراد ثیبہ ہے۔

جواب: یہ عام مخصوص منہ البعض کے قبیل سے ہے اس سے مجنونہ، لونڈی، نابالغہ کو خاص کر دیا گیا۔ اس سے وہ عورت بھی خاص ہوگئی جس کی بکارت نکاح کے بغیر زائل ہوگئی ہو اسی وجہ سے بعض نے کہا کہ یہ حدیث شوافع پر حجت ہے۔ (مرقاۃ ج۶ ص ۲۰۴)

اس حدیث میں ''الایم'' کے ساتھ ''تستامر'' کا لفظ ہے یعنی امر سے اس کا مطلب یہ ہے کہ ثیبہ میں چونکہ اپنی نسوانی حیا باقی نہیں رہتی اس لئے اس سے نکاح کا معاملہ واضح کر دیا جاتا ہے جہاں وہ حکم کرتی ہے وہیں اس کی شادی کر دی جاتی ہے۔

اور باکرہ کے ساتھ یستأذن کا ذکر ہے یہ دوشیزہ ہوتی ہے اس میں حیاء کامل ہوتا ہے اس لئے ولی یا ولی کے وکیل کی اجازت نکاح کے وقت باکرہ کا چپ رہنا یا آنسو بہانا اس کی رضامندی کی دلیل ہے اس کے تحت ایک اختلافی مسئلہ دیکھئے۔

مسئلہ: ولایت اجبار کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ کے نزدیک ولایت اجبار کا دارو مدار عورت کے باکرہ اور ثیبہ ہونے پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورت اگر باکرہ ہے تو اس پر ولی کو ولایت اجبار حاصل ہے خواہ وہ باکرہ عورت چھوٹی ہو یا بڑی۔ البتہ ثیبہ پر ولایت اجبار حاصل نہیں خواہ وہ ثیبہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت اجبار کا دارو مدار عورت کے صغر اور کبر پر ہے یعنی صغیرہ عورت پر ولایت اجبار حاصل ہے اور کبیرہ عورت پر ولایت اجبار حاصل نہیں۔ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو۔ یہاں پر چار صورتیں ہوئیں دو صورتیں اتفاقی اور دو صورتیں اختلافی۔

① باکرہ صغیرہ کیلئے احناف و شوافع کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہے۔

② ثیبہ کبیرہ کے لئے بالاتفاق ولایت اجبار حاصل نہیں شوافع کے ہاں علت بکارت نہ پانے کی وجہ سے اور احناف کے ہاں علت صغر نہ پائی جانے کی وجہ سے لہٰذا احناف کے شوافع کے ہاں ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی۔

اختلافی دو صورتیں: ① ثیبہ صغیرہ کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ولایت اجبار حاصل ہوگی کیونکہ علت صغر پائی جا رہی ہے جبکہ شوافع کے نزدیک ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی کیونکہ ان کے ہاں علت بکارت ہے جو کہ یہاں نہیں پائی جا رہی۔

② باکرہ کبیرہ شوافع کے ہاں اس پر ولایت اجبار حاصل ہوگی کیونکہ ان کے ہاں علت بکارت پائی جا رہی ہے جبکہ احناف کے ہاں ولایت اجبار حاصل نہیں ہوگی کیونکہ ان کے ہاں علت صغر ہے جو کہ نہیں پائی جا رہی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: اسی باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشہور روایت ہے ''ان رسول اللہ ﷺ قال: الایم احق بنفسہا من ولیہا'' یہ روایت سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۶ باب فی الثیب میں بھی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الایم سے مراد ثیبہ ہے کیونکہ باکرہ کا ذکر اس روایت میں آگے مستقلاً آ رہا ہے ''والبکر تستأذن فی نفسہا واذنہا صماتہا'' اور جب الایم سے مراد ثیبہ ہوئی تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے ''البکر لیست أحق بنفسہا من ولیہا'' مفہوم مخالف ان کے نزدیک حجت ہے۔

جواب اول: الایم سے مراد بے شوہر عورت ہے جس کا اطلاق باکرہ اور ثیبہ دونوں پر ہوتا ہے۔

جواب ثانی: البتہ بکر کا ذکر الگ سے اس لئے فرمایا کہ اس کا طریقہ اجازت دوسرا تھا اگر بالفرض والحال الایم سے ثیبہ ہی مراد لی

جائے تو اس کے مفہوم مخالف سے استدلال ہمارے نزدیک درست نہیں جبکہ وہ منطوق کے خلاف ہو اور منطوق یہ ہے "البکر تستاذن فی نفسھا"۔

احناف کی دلیل اول: یہی حدیث الباب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "قال قال رسول اللہ ﷺ: لا تنکح الثیب حتی تستامر، ولا تنکح البکر حتی تستاذن، واذنھا الصموت" اس میں ثیبہ اور باکرہ دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے فرق صرف طریق اجازت میں ہے۔

دلیل ثانی: سنن ابی داؤد شریف میں جریر بن حازم عن ایوب عن عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت مروی ہے: "ان جاریة بکرا أتت النبی ﷺ فذکرت أن أباھا زوجھا وھی کارھة فخیرھا النبی ﷺ" - یہ روایت حنفیہ کے مسلک پر صریح ہونے کے ساتھ صحیح بھی ہے۔

دلیل ثالث: نسائی شریف میں حضرت خنساء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں "انکحنی ابی وأنا کارھة و أنا بکر فشکوت ذلك للنبی ﷺ فقال لا تنکحھا وھی کارھة" خنساء پہلے انیس بن قتادہ کے نکاح میں تھیں جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے تو ان کا نکاح ان کے والد نے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے کر دیا تھا جبکہ وہ بیوہ تھیں۔ پس انہوں نے اس نکاح کو ناپسند کیا تو رسول اللہ ﷺ نے باپ کے نکاح کو ختم کر دیا۔ پھر ان کا نکاح ابولبابہ بن المنذر سے ہوا ان سے سائب پیدا ہوئے۔

خدام: ذال اور دال دونوں کے ساتھ ضبط کیا جاتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِكْرَاهِ الْيَتِيمَةِ عَلَى التَّزْوِيجِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا وَإِنْ أَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَيْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي مُوسَى وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي تَزْوِيجِ الْيَتِيمَةِ فَرَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْيَتِيمَةَ إِذَا زُوِّجَتْ فَالنِّكَاحُ مَوْقُوفٌ حَتَّى تَبْلُغَ فَإِذَا بَلَغَتْ فَلَهَا الْخِيَارُ فِي إِجَازَةِ النِّكَاحِ أَوْ فَسْخِهِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ التَّابِعِينَ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا يَجُوزُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یتیم لڑکی سے بھی نکاح کے لئے اس کی اجازت لی جائے اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی رضامندی ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر کوئی جبر نہیں۔ اس باب میں حضرت ابوموسی، اور ابن عمر سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث ابوہریرہ حسن ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر دیا تو یہ موقوف ہے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے پھر اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو قبول کرے اور اگر چاہے تو ختم کر دے بعض تابعین وغیرہم کا بھی یہی قول ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یتیم لڑکی کا بلوغت سے پہلے نکاح کرنا جائز نہیں اور نہ ہی نکاح میں

نِكَاحُ الْيَتِيمَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ وَلَا يَجُوْزُ الْخِيَارُ فِي النِّكَاحِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ و قَالَ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ إِذَا بَلَغَتِ الْيَتِيمَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَزُوِّجَتْ فَرَضِيَتْ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَا خِيَارَ لَهَا إِذَا أَدْرَكَتْ وَاحْتَجَّا بِحَدِيثِ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنٰى بِهَا وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ وَقَدْ قَالَتْ عَائِشَةُ إِذَا بَلَغَتِ الْجَارِيَةُ تِسْعَ سِنِينَ فَهِيَ امْرَأَةٌ.

اختیار دینا جائز ہے۔ سفیان ثوریؒ، شافعیؒ اور دوسرے علماء کا یہی قول ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کہتے ہیں کہ اگر یتیم لڑکی کا نوسال کی عمر میں اس کی رضامندی سے نکاح کیا گیا تو جوان ہونے کے بعد اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ نوسال کی عمر میں شب زفاف گذاری، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر لڑکی کی عمر نوسال ہو تو وہ عورت ہوگئی یعنی بالغ ہوگئی۔

تشریح: اس باب میں یتیمہ کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ یتیمہ کا اطلاق صغیرہ اور کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ اگر حدیث الباب میں کبیرہ مراد ہو تو تب تو حدیث کا مفہوم واضح ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ اگر یتیمہ سے مراد صغیرہ ہو تو یہ اشکال ہوگا کہ اس کا استیمار تو شرعاً کالعدم ہے۔ اس کے جواب میں احناف یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد خیار بلوغ ہے۔ یعنی اس کا استیمار بلوغ کے وقت ہوگا۔

جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یتیمہ صغیرہ کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو جائے۔ شوافع حضرات یہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ ہونے کی بناء پر یتیمہ کی اجازت معتبر نہیں اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی کو اس پر ولایت اجبار بھی حاصل نہیں۔ حاصل یہ کہ شوافع کے نزدیک اس روایت کو کبیرہ پر محمول کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی زیر غور ہے۔

مسئلہ: نابالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

اس بات میں تو سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے البتہ خیار بلوغ کے بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح باپ دادا نے کیا تو پھر خیار بلوغ حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر کسی اور ولی نے نکاح کیا تو پھر ان دونوں کو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔

قول ثانی: امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی کا نوسال کی عمر میں نکاح کیا گیا تو مذکورہ لڑکی کو خیار بلوغ حاصل نہیں اور اگر نوسال سے پہلے کیا گیا تو خیار بلوغ حاصل ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک لڑکی نوسال میں بالغ ہو جاتی ہے۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک نابالغ یتیم بچی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور بچی کو خیار بلوغ بھی نہیں حاصل ہوگا۔ نابالغ ہونے کی بناء پر یتیم بچی کی اجازت معتبر نہیں اور باپ دادا کی غیر موجودگی میں کسی اور کو اس پر ولایت اجبار بھی حاصل نہیں۔ (فتح القدیر: ۱۷۲/۳)

سوال: لڑکی کو خیار بلوغ دینا عقل میں سمجھ آنے والی بات ہے مگر لڑکے کو خیار دینے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے پاس تو طلاق کا اختیار ہے اگر اسے شادی پسند نہیں تو بعد میں طلاق دے سکتا ہے۔

جواب: فرق ہے اگر لڑکا خیار بلوغ کی وجہ سے نکاح ختم کرے گا تو اس پر کوئی جرمانہ نہیں (کوئی مہر نہیں دینا پڑے گا) لیکن اگر وہ

طلاق دے کر نکاح ختم کرے گا تو اس کو نصف مہر دینا پڑے گا کیونکہ قبل الدخول طلاق دینا جب کہ بیوی کی جانب سے کوئی نشوز بھی نہ ہو تو نصف مہر دینا پڑتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکے کو بھی خیار بلوغ حاصل ہونا چاہیے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْوَلِيَّيْنِ يُزَوِّجَانِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذَلِكَ اخْتِلَافًا إِذَا زَوَّجَ أَحَدُ الْوَلِيَّيْنِ قَبْلَ الْآخَرِ فَنِكَاحُ الْأَوَّلِ جَائِزٌ وَنِكَاحُ الْآخَرِ مَفْسُوخٌ وَإِذَا زَوَّجَا جَمِيعًا فَنِكَاحُهُمَا جَمِيعًا مَفْسُوخٌ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ.

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس عورت کے دو ولیوں نے اس کا دو جگہ پر نکاح کر دیا تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کی بیوی ہوگی اور اسی طرح اگر کوئی شخص ایک چیز کو دو آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو وہ ان دونوں میں سے پہلے کی ہوگی۔ یہ حدیث حسن ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے اہل علم کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کسی عورت کے دو ولی ہوں اور ایک دوسرے سے پہلے اس کا نکاح کر دے تو وہ پہلے والے کی بیوی ہے اور دوسرا نکاح باطل ہے اور اگر دونوں ایک ہی وقت میں نکاح کریں تو دونوں کا ہی نکاح باطل ہوگا سفیان ثوری اور احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے۔

تشریح: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت کا نکاح دو ولیوں نے کروا دیا ہو تو جس نے پہلے کروایا ہے اس کا نکاح معتبر ہوگا لیکن اگر دونوں نکاح اکٹھے ہوئے تو پھر دونوں نکاح باطل ہیں۔ یہ امام محمدؒ کا قول ہے یہ اس وقت ہے جب دونوں ایک درجہ کے ہوں اور بعض نے کہا کہ یہ دونوں عقد موقوف رہیں گے جب تک کہ وہ ایک عقد کو اپنے قول و فعل سے جائز نہ قرار دے اگر دونوں ولی ایک درجہ کے نہ ہوں تو ولی اقرب کا نکاح معتبر ہوگا۔ **ومن باع بیعاً من رجلین:** اسی طرح اگر کسی آدمی کا مکان دو وکیلوں نے فروخت کر دیا تو جس وکیل نے پہلے فروخت کیا ہوگا اس کا عقد معتبر ہوگا بعد والے کا عقد معتبر نہیں ہوگا۔

هذا حدیث حسن: امام ترمذیؒ اس حدیث کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی حدیث پر اہل علم کا عمل ہے اور اس میں کسی کا آپس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب دو آدمی کسی لڑکی کا نکاح کریں تو پہلے ولی کا نکاح ٹھیک ہوگا دوسرے کا نہیں اور اگر دونوں ولی اکٹھے ایک لڑکی کا دو مختلف جگہ نکاح کرائیں تو دونوں کا نکاح منسوخ ہوگا یہی قول امام ثوریؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا ہے۔

باب ما جاء في نكاح العبد بغير إذن سيده

حدثنا علي بن حجر حدثنا الوليد بن مسلم عن زهير بن محمد عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال أيما عبد تزوج بغير إذن سيده فهو عاهر وفي الباب عن ابن عمر حديث جابر حديث حسن وروى بعضهم هذا الحديث عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا يصح والصحيح عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن جابر بن عبد الله والعمل على هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم أن نكاح العبد بغير إذن سيده لا يجوز وهو قول أحمد وإسحق وغيرهما.

علی بن حجر، ولید بن مسلم سے وہ زہیر بن محمد سے وہ عبداللہ بن محمد بن عقیل سے وہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو وہ زانی ہے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے حدیث جابرؓ حسن ہے بعض راوی یہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عقیل سے اور وہ ابن عمرؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں، صحیح یہی ہے کہ عبداللہ بن محمد بن عقیل حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا نکاح جائز نہیں۔ امام احمد، اسحاق، اور دوسرے حضرات کا بھی یہی قول ہے۔

حدثنا سعيد بن يحيى بن سعيد الأموي حدثنا أبي حدثنا ابن جريج عن عبد الله بن محمد بن عقيل عن جابر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال أيما عبد تزوج بغير إذن سيده فهو عاهر هذا حديث حسن صحيح.

سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی، ابن جریج سے وہ عبداللہ بن محمد بن عقیل سے وہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: غلام کے نکاح کا کیا حکم ہے؟

قول اول: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو نکاح نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غلام کا نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہوجائیگا۔

امام ابوحنیفہؒ وامام مالکؒ کی دلیل: مرد نکاح کا اہل ہے اور عورت نکاح کا محل ہے تو جب کوئی عقل مند تصرف کرے تو حتی الامکان اسکے تصرف کو لغو ہونے سے بچایا جائیگا اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ اس نے مولیٰ سے اجازت نہیں لی اگر اجازت مل گئی تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔

امام شافعیؒ وامام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث جابرؓ ہے "قال ایما عبد تزوج بغیر اذن سیدہ فہو عاہر"۔

جواب اول: آپ ﷺ نے یہ بطور ڈرانے کے فرمایا تھا تا کہ غلام حدت تک زنا کرنے لگیں۔

جواب ثانی: یہ حدیث ہمارے خلاف ہی نہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ غلام کا نکاح مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب مولیٰ اجازت دے گا تو نکاح درست ہوجائیگا۔

باب ما جاء في مهور النساء

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالُوا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلَى نَعْلَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَضِيتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَأَجَازَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَسَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَجَابِرٍ وَأَبِي حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيِّ حَدِيثُ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَهْرِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ الْمَهْرُ عَلَى مَا تَرَاضَوْا عَلَيْهِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ و قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ رُبْعِ دِينَارٍ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْكُوفَةِ لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ.

محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، عبدالرحمن بن مہدی، محمد بن جعفر سے وہ شعبہ بن عاصم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے ان کے والد کے حوالے سے سنا کہ قبیلہ بنوفزارہ کی ایک عورت نے دو جوتیاں مہر مقرر کر کے نکاح کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تم جوتیوں کے بدلے میں اپنی جان و مال دینے پر راضی ہو، اس نے عرض کیا ہاں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ اس باب میں حضرت عمر، ابوہریرہ، سہل بن سعد، ابوسعید، انس، عائشہ، جابر اور ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے عامر بن ربیعہ کی حدیث حسن صحیح ہے مہر کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں لہذا زوجین جس پر متفق ہوجائیں وہی مہر ہے۔ سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مہر چار دینار سے کم نہیں۔ بعض اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔

تشریح: اس حدیث کے تحت دو مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: کیا غیر مال مہر بن سکتا ہے یا نہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غیر مال کو مہر بنانا درست ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک غیر مال کو مہر بنانا درست نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل اوّل: حضرت سعد بن سہلؓ کی حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر بنایا اور تعلیم قرآن مال نہیں تو غیر مال کو مہر بنانا درست ہے۔

جواب اوّل: حدیث میں جو ''بما معك'' میں باء ہے یہ بدلیت کے لئے نہیں بلکہ ''سببیت'' کیلئے ہے یعنی تمہارا نکاح اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ تم فلاں فلاں سورتوں کے حافظ ہو۔ **جواب ثانی:** یا یہ اس صحابی کی خصوصیت تھی **جواب ثالث:** یا یہ خبر واحد ہے۔

دلیل ثانی: وَعَنْ أَنَسٍ، قَالَ: تَزَوَّجَ أَبُو طَلْحَةَ أُمَّ سُلَيْمٍ، فَكَانَ صِدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا الْإِسْلَامَ، أَسْلَمَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ أَبِي طَلْحَةَ، فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ، فَإِنْ أَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَأَسْلَمَ، فَكَانَ صِدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا۔ رَوَاهُ النَّسَائِيُّ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا اور مہر ابوطلحہ کا اسلام لانا مقرر ہوا اور اسلام غیر مال ہے تو معلوم ہوا کہ غیر مال بھی مہر بن سکتا ہے۔

جواب: یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے اور ام سلیم رضی اللہ عنہا ان سے پہلے مسلمان ہو چکی تھیں۔

دلیل ثالث: وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صِدَاقَهَا وَأَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ۔ بخاری مسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور شادی کر لی اور عتق کو ہی مہر بنا دیا۔

جواب اوّل: یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے عتق کو مہر بنایا و گرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر مہر کے بھی نکاح کر سکتے تھے۔ **جواب ثانی:** ممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو عوض مقرر کر کے آزاد کیا ہو اور پھر عوض کو مہر بنا دیا ہو اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: قرآن پاک میں ہے ”واحل لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم“ کہ ان محرمات کے علاوہ باقی سب تمہارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم ان سے اپنے مال کے ذریعے سے نکاح کرو۔

مسئلہ ثانیہ: **مہر کی مقدار معین کتنی ہے؟** اس مسئلہ میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک مہر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو مال بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اور بیع میں ثمن بن سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بھی بن سکتی ہے۔

قول ثانی: علامہ ابن حزم کے نزدیک تقریباً ہر چیز مہر بن سکتی ہے حتیٰ کہ بلی، پانی وغیرہ بھی۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک مہر میں کم سے کم مقدار چوتھائی دینار یا تین درہم ہے وہ اس کو ”اقل ما یقطع بہ ید السارق“ پر قیاس کرتے ہیں۔ **قول رابع:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مہر دس درہم ہے۔

شوافع اور حنابلہ کا استدلال: یہی حدیث الباب ہے، ”أن امرأة من بنی فزارة تزوجت علی نعلین فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أرضیت من نفسك ومالك بنعلین قالت نعم: قال فأجازه“۔ دوسری حدیث بھی ان کا مستدل ہے۔ جس میں ارشاد فرمایا: ”التمس ولو خاتما من حدید“ اور اس کے علاوہ ایک اور روایت مستدل ہے کہ ”عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من اعطی فی الصداق امرأة ملأ کفیه سویقاً او تمراً فقد استحل“۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ بھی ان کی دلیل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نکاح کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہر کیا رکھا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”وزن نواة من ذهب“۔

جواب: نعلین والی روایت میں ایک راوی عاصم بن عبید اللہ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں کر سکتے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت جس میں ایک مٹھی ستو کا ذکر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی دو راوی اسحاق بن جبرائیل اور مسلم بن رومان

ضعیف ہیں۔ اسی طرح اگلی روایت بھی ضعیف ہے۔

البتہ شوافع کے دلائل میں دو روایتیں سنداً قوی ہیں۔ ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ اور دوسرا سہل بن سعد کا واقعہ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے واقعہ میں کھجور کی گٹھلی کے برابر سونے کا ذکر ہے۔ ہو سکتا ہے اس وقت سونے کی اتنی مقدار کی قیمت دس درہم کے برابر ہو۔ باقی رہا سہل بن سعد کا واقعہ وہ اگرچہ سنداً قوی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں خاتم حدید کا مطالبہ بطور مہر کامل نہیں بلکہ بطور مہر معجل کیا تھا۔

احناف کے دلائل: دلیل اوّل: سنن دارقطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "قال قال رسول الله ﷺ: لا ینکح النساء الا الاکفوا ولا یزوجهن الا الاولیاء ولا مهر دون عشرة دراهم" (کتاب الصداق ۶/۲۴۰)

اعتراض: اس روایت میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ ضعیف راوی ہیں لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب: محقق ابن ہمام فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "انه بهذا الاسناد حسن ولا اقل منه"۔

دلیل اوّل کی تائید: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کی تائید حضرت علی کے اثر سے بھی ہو رہی ہے کہ "لا مهر اقل من عشرة دراهم" (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷) اس کے علاوہ حضرت جابر کی روایت کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے "قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم"۔

دلیل ثانی: قرآن پاک میں آیت کریمہ ہے "قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم" کہ ہم نے جو چیز مردوں پر مقرر کی اس کو ہم نے جان لیا۔ اس آیت سے مراد مہر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر مقرر کر دیا کہ وہ کتنا ہے اس کی تفصیل آپ ﷺ نے فرمائی کہ "لا مهر اقل من عشرة دراهم"۔

دلیل ثالث: دارقطنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "لا تقطع الید فی اقل من عشرة دراهم ولا یکون المهر اقل من عشرة دراهم" کہ چور کا ہاتھ دس درہم سے کم میں نہیں کاٹا جاتا۔ لہٰذا عورت کا بضع بھی کم از کم دس درہم کے بدلے میں ہونا چاہیے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عِيسَى وَعَبْدُ اللهِ بْنُ نَافِعٍ قَالَا حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيلًا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكَ بِهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا فَقَالَ مَا عِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هٰذَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں نے خود کو آپ کے حوالے کر دیا پھر کافی دیر کھڑی رہی تو ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں تو اس کا نکاح مجھ سے کر دیجیے آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر کے لئے کچھ ہے؟ اس نے عرض کیا میرے پاس صرف یہی تہبند ہے آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنا تہبند اسے دو گے تو خود خالی بیٹھے رہو گے پس تم کوئی اور چیز تلاش کرو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں آپ نے فرمایا کہ تلاش کرو اگرچہ وہ

وَسَلَّمَ إِزَارُكَ إِنْ أَعْطَيْتَهَا جَلَسْتَ وَلَا إِزَارَ لَكَ فَالْتَمِسْ شَيْئًا فَقَالَ مَا أَجِدُ قَالَ الْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ قَالَ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا بِسُوَرٍ سَمَّاهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ يُصْدِقُهَا فَتَزَوَّجَهَا عَلَى سُورَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَالنِّكَاحُ جَائِزٌ وَيُعَلِّمُهَا سُورَةً مِنَ الْقُرْآنِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ النِّكَاحُ جَائِزٌ وَيَجْعَلُ لَهَا صَدَاقَ مِثْلِهَا وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو راوی کہتے ہیں کہ اس نے تلاش کیا لیکن کچھ نہ پا کر وہ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے پوچھا تم نے قرآن میں سے کچھ حفظ کیا ہے اس نے عرض کیا جی ہاں فلاں، فلاں، سورتیں یاد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ان سورتوں کے عوض جو تجھے یاد ہیں اس کے ساتھ تیرا نکاح کر دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مہر کے لئے مال کچھ نہ پایا اور قرآن پاک کی سورت پر ہی نکاح کر لیا جائز ہے عورت کو قرآن کی سورتیں سکھا دے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور مہر مثل واجب ہو جائے گا اہل کوفہ احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے ذیل میں دو مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: تعلیم قرآن مہر بن سکتی ہے یا نہیں؟ **قول اوّل:** امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک تعلیم قرآن مہر بن سکتی ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک تعلیم قرآن مہر نہیں بن سکتی یہی امام احمدؒ سے ایک روایت ہے بلکہ اس طرح نکاح کرنے سے مہر مثلی لازم آئے گا۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں تعلیم قرآن اور سورتوں کو مہر بنایا گیا ہے۔

جواب اوّل: یہ باء سببیت کے لئے ہے کما مر۔ **جواب ثانی:** عند البعض ابتداء اسلام میں تعلیم قرآن کی انتہائی ضرورت تھی اور چونکہ قرآن نازل ہو رہا تھا اور لوگوں کو یاد کرایا جاتا تھا اور مردوں میں قرآن جس کو زیادہ یاد ہوتا اس کو جنازہ اور قبر میں مقدم رکھتے تھے۔ اس اہمیت کی وجہ سے ابتداء اسلام میں تعلیم قرآن کو مہر معجّل کی حیثیت دی جاتی تھی نہ کہ مطلق مہر۔ پھر یہ بھی منسوخ کر دیا گیا تھا "کما فی قولہ علیہ السلام ... ثم لا یکون لاحد بعدك مهرا"۔

جواب ثالث: عند البعض یہ اس صحابی کے لئے خاص تھا اور اس کی تائید سعید بن منصور کی تخریج سے ہوتی ہے کہ انہوں نے نعمان ازدی سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے قرآن کی ایک سورت کے بدلے میں ان کا نکاح کیا اور فرمایا "لا یکون لاحد بعدك مهرا"۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۵۸)

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: قرآن کریم کی آیت "ان تبتغوا باموالكم" ہے کہ مہر مال متقوم ہونا چاہیے اور تعلیم قرآن مال نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مہر نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ ثانیہ: لوہے کی انگوٹھی کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: بعض شوافع کے نزدیک لوہے کی انگوٹھی کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ اس پر چاندی چڑھی ہوئی ہو۔ شوافع حضرات حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں۔ جواب اوّل: اس حدیث سے انگوٹھی پہننے کی اجازت معلوم نہیں ہو رہی لیکن یہ جواب خلاف ظاہر معلوم ہو رہا ہے۔ جواب ثانی: اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ جب ''حلية أهل النار'' والی روایت سے اس کا تعارض ہو گیا اور تاریخ کا علم نہیں تو احتیاط اسی میں ہے کہ حرمت والی روایت کو ترجیح دی جائے۔

قول ثانی: حنفیہ حضرات کے نزدیک لوہے، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی حرام ہے خواہ اس میں چاندی بھی ملی ہوئی ہو۔ حنفیہ کا استدلال ابوداؤد میں حضرت بریدہؓ کی روایت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص لوہے کی انگوٹھی پہن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپؐ نے اس سے فرمایا ''مالی اری علیك حلية اهل النار'' اس پر اس شخص نے وہ انگوٹھی اتاردی اور نبی کریمؐ سے دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بنواؤں، آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالًا''۔

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي الْعَجْفَاءِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَلَا لَا تُغَالُوا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَى عِنْدَ اللهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا أَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو الْعَجْفَاءِ السُّلَمِيُّ اسْمُهُ هَرِمٌ وَالْأُوقِيَّةُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَرْبَعُونَ دِرْهَمًا وَثِنْتَا عَشْرَةَ أُوقِيَّةً هُوَ أَرْبَعُ مِائَةٍ وَثَمَانُونَ دِرْهَمًا

ابن ابی عمر، سفیان بن عیینہ سے وہ ابن سیرین سے وہ ابوعجفاء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا خبردار عورتوں کا مہر زیادہ نہ بڑھاؤ اگر یہ دنیا میں باعث عزت اور اللہ کے ہاں تقویٰ ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے زیادہ اس کے حقدار تھے مجھے علم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ یا اپنی بیٹیوں کے نکاحوں میں بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر رکھا ہو، یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوعجفاء کا نام ہرم ہے اہل علم کے نزدیک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور بارہ اوقیہ چار سو اسی درہم ہوئے۔

تشریح: قوله لا تغالوا صدقة النساء: ''اى لا تكثروا مهورهن'' یعنی عورتوں کا مہر زیادہ نہ رکھو۔ کیونکہ اگر مہر کی زیادتی عزت کا سبب ہوتی تو آپ ﷺ اپنی بیویوں کا مہر زیادہ رکھتے۔ مہر کی زیادتی سے نہ دنیا میں برکت وعظمت حاصل ہوتی ہے اور نہ آخرت میں اسکی وجہ سے فضیلت اور امتیازی حیثیت حاصل ہوگی جب اس کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں تو ایسی لا حاصل چیز کو کیونکر اختیار کیا جائے۔

مہر کے متعلق روایات میں تضاد لازم آرہا ہے۔ ایک تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اور دوسری روایت یہ ہے جس میں بارہ اوقیہ یعنی چار سو اسی درہم کی مقدار ذکر کی گئی ہے۔ اور ایک روایت آگے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی آرہی ہے۔ ان کے مہر کی مقدار چار ہزار درہم ذکر کی گئی ہے۔ اب تینوں روایتوں میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا والی روایت کو مستثنیٰ سمجھا جائے کیونکہ ان کا مہر آپ ﷺ نے

مقرر نہیں کیا تھا بلکہ حبشہ کے نجاشی بادشاہ نے مقرر کیا تھا۔ اور بادشاہ نے اتنا مہر محض آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے پیش نظر مقرر کیا تھا۔ باقی رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت تو ان دونوں کے درمیان بھی درحقیقت کوئی تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصل عدد کے ساتھ کسر کا بھی ذکر کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصل عدد اوقیہ کا ذکر کیا کسر کو چھوڑ دیا جیسا کہ اہل عرب کی عادت ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صرف بارہ اوقیہ کا علم ہوگا اور زیادہ کی نفی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے علم کی بنیاد پر کی ہے۔

وابو العجفاء السلمی: اس کا نام ھرم ہے۔ **والوقیة:** اہل علم کے نزدیک اس کی مقدار چالیس درہم ہے اور بارہ اوقیہ، وہ چار سو اسی درہم بنتے ہیں۔ گویا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مہر میں مختلف روایات ہیں۔ ابوداؤد کی روایت میں چار ہزار درہم اور دوسری روایت میں چار سو اوقیہ تھی۔ دور نبوی میں دینار کی قیمت دس درہم تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَعْتِقُ الْأَمَةَ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَعَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ صَفِيَّةَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ يُجْعَلَ عِتْقُهَا صَدَاقَهَا حَتّٰى يُجْعَلَ لَهَا مَهْرًا سِوَى الْعِتْقِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

قتیبہ، ابوعوانہ سے وہ قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ہی ان کا مہر مقرر کیا۔ اس باب میں حضرت صفیہؓ سے بھی روایت ہے حضرت انسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے، بعض صحابہ کرام اور دوسرے حضرات کا اس پر عمل ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ، کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک آزادی کو مہر مقرر کرنا مکروہ ہے ان کے نزدیک آزادی کے علاوہ مہر مقرر کرنا چاہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: مسئلہ: عتق مہر بن سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک عتق کو مہر قرار دینا جائز ہے یہی قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک عتق کو مہر قرار دینا درست نہیں یہی امام شافعیؒ کا مفتی بہ قول ہے۔

امام احمدؒ امام اسحاقؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر عتق ہی قرار دیا ہے۔

جواب اوّل: عتق کا مہر بنانا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اپنے ظن اور تخمین سے ہے کیونکہ اس نکاح میں کوئی مہر مقرر نہیں ہوا تھا۔

جواب ثانی: امام طحاویؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ جس طرح نکاح کے مسائل میں حضور ﷺ کی کچھ خصوصیات ہیں مثلاً چار سے زائد شادیاں کرنا بلا مہر نکاح کرنا اسی طرح عتق کو مہر قرار دینا آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

جواب ثالث: عند البعض آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پہلے آزاد کیا تھا پھر بعد میں شادی کی اور یہ دونوں الگ الگ معاملے

تھے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مقترن ہونے کی وجہ سے راوی نے اس طرح تعبیر کر دیا۔
جواب رابع: عند البعض "جعل عتقها صداقها" کا مطلب یہ ہے کہ عتق مہر کی جگہ میں واقع ہوا جیسا کہ کہا جاتا ہے "الجوع زاد من لا زاد له"۔ تو یہاں بھوک کو توشہ کہا گیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بھوک کو زاد کے قائمقام کر دیا گیا۔
جواب خامس: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر مستقلاً طے ہوا لیکن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے معاف کر دیا تھا۔
امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت "واتوا النساء صدقاتهن نحلة فان طبن لكم عن شيء منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا" یہاں پر مہر دینے کا حکم ہے دوسرا یہ کہ ایتاء امر حسی میں ہوتا ہے اور عتق امر حسی نہیں ہے بلکہ وہ اسقاط الملک ہے پھر اس میں "کلوه" کا لفظ ہے جو عتق میں ممکن نہیں لہٰذا عتق مہر نہیں بن سکتا۔
دلیل ثانی: آیت مبارکہ "ان تبتغوا باموالكم" ہے اور عتق مال نہیں ہے۔
قوله اولم عليها بحيس: "حیس" ایک کھانے کا نام ہے جو کھجور، پنیر، گھی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْفَضْلِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ عَبْدٌ أَدّٰى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ فَذَاكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ جَارِيَةٌ وَضِيئَةٌ فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ أَدَبَهَا ثُمَّ أَعْتَقَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ فَذٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ وَرَجُلٌ آمَنَ بِالْكِتَابِ الْأَوَّلِ ثُمَّ جَاءَهُ الْكِتَابُ الْآخَرُ فَآمَنَ بِهِ فَذٰلِكَ يُؤْتَى أَجْرَهُ مَرَّتَيْنِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحٍ وَهُوَ ابْنُ حَيٍّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ حَدِيثُ أَبِي مُوسَى حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو بُرْدَةَ بْنُ أَبِي مُوسَى اسْمُهُ عَامِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَيْسٍ وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ الثَّوْرِيُّ عَنْ صَالِحِ بْنِ صَالِحِ بْنِ حَيٍّ هٰذَا الْحَدِيثَ۔

ہناد، علی بن مسہر سے وہ فضل بن یزید سے وہ شعبی سے وہ حضرت ابوبردہؓ سے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کو دوہرا اجر دیا جائے گا، وہ غلام جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنے مالک کا حق ادا کیا یہ شخص دوگنا اجر دیا جائے گا۔ ایسا شخص جس کی ملکیت میں خوبصورت لونڈی ہو وہ اس کی اچھی تربیت کرے پھر اسے آزاد کر کے محض اللہ کی خوشنودی کے لئے نکاح کرے تو یہ بھی دوگنا اجر دیا جائے گا اور تیسرا وہ شخص جو پہلی کتاب پر بھی ایمان لایا اور پھر دوسری کتاب نازل ہوئی تو اس پر بھی ایمان لایا پس یہ شخص دوگنا اجر دیا جائے گا۔ ابن ابی عمر، سفیان سے وہ صالح بن صالح بن حی سے وہ شعبی، ابی بردہ سے وہ ابوموسیٰؓ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی حدیث کے مثل روایت کی حدیث ابوموسیٰ حسن صحیح ہے۔ ابوبردہ بن موسیٰ کا نام عامر بن عبداللہ بن قیس ہے۔ شعبہ اور ثوری نے یہ حدیث صالح بن صالح بن حی سے روایت کی ہے۔

تشریح: حدیث الباب میں تین اشخاص کے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان تینوں کو دہرا اجر ملتا ہے۔ حدیث کی شرح آسان ہے چند سوالات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں۔

سوال: جن لوگوں کے دہرے اجر کا ذکر ہے تو ان کے عمل بھی تو دو ہیں تو دوہرے عمل کی خصوصیت نہیں کیونکہ ہر عمل کا الگ الگ اجر ہے۔ مثلاً غلام کے لئے مولا کے حق کا الگ اجر ہے اور اللہ کے حق کا الگ اجر ہے اسی طرح باقی دو شخص ہیں۔

جواب: حضرت رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ الکوکب الدری میں اس کا جواب موجود ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر عمل پر دو دو اجر ملیں گے مولا کے حق کی ادائیگی میں دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں بھی دو اجر ملیں گے۔ اسی طرح باندی کے تین عمل ہیں تو اس کو چھ اجر ملیں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ لوگوں کو ہر نیک عمل پر دوگنا ثواب ملتا ہے۔ مثلاً کوئی دوسرا شخص کوئی بھی نیک عمل کرے تو اس کو عمومی بشارت کے تحت دس گنا ثواب ملے گا۔ لیکن ان تینوں اشخاص کو اسی عمل پر بیس گنا ثواب ملے گا۔

سوال: جب اہل کتاب صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر عمل پر دہرا ثواب ملے گا اور وہ صحابی جو اہل کتاب نہیں ان کو اکہرا ثواب ملے گا تو اہل کتاب صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ جائیں گے۔ پس وہ افضل قرار پائیں گے حالانکہ صدیق اکبرؓ کا مقام و مرتبہ سب صحابہؓ سے بلند ہے۔

جواب: ایک ہے ثواب اصلی اور ایک ہے ثواب فضلی۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک نماز پڑھنے پر ثواب اصلی ملے گا وہی نماز حضرت عبداللہ بن سلامؓ پڑھیں گے تو ان کو دوہرا ثواب ملے گا مگر اس نماز کا جو ثواب فضلی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ملے گا وہ حضرت عبداللہ بن سلام کے ثواب فضلی سے کہیں زیادہ ہوگا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن سلام ثواب اصلی و فضلی دونوں کو ملا کر بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ثواب کو نہیں پہنچ سکیں گے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ ثُمَّ يُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا هَلْ يَتَزَوَّجُ ابْنَتَهَا أَمْ لَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَخَلَ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَأَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا أَوْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی عورت سے نکاح کرے اس سے صحبت بھی کرے اس کے لئے اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز نہیں لیکن اگر صحبت نہ کی تو اس صورت میں اس کی بیٹی اس کے لئے حلال ہے اور اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرلے تو اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ اس نے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ امام ترمذیؒ

مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ. وَإِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيعَةَ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا حَلَّ لَهُ أَنْ يَنْكِحَ ابْنَتَهَا وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الاِبْنَةَ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا لَمْ يَحِلَّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى { وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ } وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح نہیں، ابن لہیعہ اور مثنی بن صباح یہ حدیث اور وہ عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں اور ابن لہیعہ اور مثنی دونوں حدیث میں ضعیف ہیں۔ اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کر کے اس سے صحبت کئے بغیر طلاق دے دے تو اس کی بیٹی اس کے لئے حلال ہے لیکن بیوی کی ماں اس پر ہر صورت میں حرام ہے چاہے وہ اس کے ساتھ صحبت کر کے طلاق دے یا اس سے پہلے۔ اس کی دلیل اللہ کا ارشاد ہے **وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ** (ترجمہ) اور تمہاری بیویوں کی مائیں تمہارے لئے حرام ہیں۔ امام شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: اس حدیث کے تحت دو مسائل کا بیان ہوگا۔

الاولیٰ: ربیبہ سوتیلی لڑکی کو کہتے ہیں منکوحہ کی وہ لڑکی جو پہلے شوہر سے ہے اگر اس دوسرے شوہر نے اپنی اس منکوحہ سے وطی کر لی تو ربیبہ اس کے لئے حرام ہو جائے گی۔ وطی کرنے سے پہلے ربیبہ اس پر حلال تھی۔ لہٰذا اگر یہ شخص اپنی منکوحہ سے صحبت کئے بغیر طلاق دے دے تو اس کا ربیبہ سے نکاح حلال ہے۔

الثانیہ: ساس کا مسئلہ ہے کہ جس لڑکی سے نکاح کیا جائے اس کی ماں اس پر حرام ہو جاتی ہے خواہ اس نے بیوی سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، خواہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا نکاح میں رکھے۔ ہر ایک صورت میں ساس حرام ہو جاتی ہے۔

ان دونوں مسائل کی دلیل قرآن پاک کی آیت ہے: ’’**و امهات نسائكم وربائبكم الّتی فی حجوركم من نسائكم التی دخلتم بهن فإن لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح عليكم**‘‘ یعنی تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی پہلے شوہر سے لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں۔ تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے اور اگر تم نے صحبت نہیں کی تو تم پر ان سے نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت میں ساس کی حرمت بغیر قید دخول کے بیان ہوئی ہے۔ پس ساس سے تو نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ مرد نے بیوی سے صحبت یا خلوت کی ہو یا نہ کی ہو اور ربیبہ کی حرمت دخول کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ پس صحبت کرنے کے بعد خلوت صحیحہ کے بعد ربیبہ حرام ہو گئی اگر کوئی صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے بیوی کو طلاق دے دے یا وہ وفات پا جائے تو منکوحہ کی اس لڑکی (ربیبہ) سے جو دوسرے شوہر سے ہے نکاح جائز ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَيَتَزَوَّجُهَا آخَرُ فَيُطَلِّقُهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَإِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِي فَبَتَّ طَلَاقِي فَتَزَوَّجْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيرِ وَمَا مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ أَتُرِيدِينَ أَنْ تَرْجِعِي إِلَى رِفَاعَةَ لَا حَتّٰى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَالرُّمَيْصَاءِ أَوِ الْغُمَيْصَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا أَنَّهَا لَا تَحِلُّ لِلزَّوْجِ الْأَوَّلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ جَامَعَهَا الزَّوْجُ الْآخَرُ.

ابن ابی عمر اور اسحاق بن منصور، سفیان بن عیینہ سے وہ زہری سے وہ عروہ سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رفاعہ قرظی کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں رفاعہ کے نکاح میں تھی کہ انہوں نے مجھے تین طلاقیں دیں پھر میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کرلیا لیکن اس کے پاس کچھ نہیں تھا مگر جیسے کپڑے کا کنارہ ہوتا ہے آپؐ نے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ دوبارہ رفاعہ کے نکاح میں آجاؤ؟ نہیں جب تک کہ تم دونوں ایک دوسرے کا مزہ نہ چکھ لو۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، انس، رمیصاء یا غمیصاء اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت عائشہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے تمام صحابہ کرام اور دوسرے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے پھر وہ عورت کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے اور وہ آدمی جماع سے پہلے طلاق دیدے تو وہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع نہ کرلے۔

تشریح: اگر کسی عورت کو اس کا شوہر تین طلاقیں دے دے تو قرآن کریم میں اس کی صراحت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں "فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره" اس آیت میں لفظ نکاح شرعی معنی میں ہے یا لغوی معنی میں ہے۔ لغت میں نکاح کے معنی ہیں وطی لیکن زنا کے ذریعے سے جو وطی کی جاتی ہے اس کو نکاح نہیں کہیں گے۔ بلکہ نکاح صحیح کے بعد جو وطی ہوتی ہے اس کو نکاح کہیں گے اور شریعت میں نکاح بمعنی ایجاب وقبول ہے اور حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی وضاحت فرمائی ہے کہ آیت میں نکاح شرعی اور نکاح لغوی دونوں مراد ہیں۔ لہٰذا صرف نکاح شرعی سے مطلقہ مغلظہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ نکاح ثانی کی شرط لگانے کا مقصد پہلے شوہر کو عار دلانا ہے تاکہ لوگ تیسری طلاق دینے سے رکیں اور مرد کو عار اس صورت میں ہوگی جب اس کی عورت سے دوسرا شوہر وطی کرے محض ایجاب وقبول سے سابقہ شوہر کو کوئی عار نہیں ہوگی۔

مسئلہ اختلافی: زوج اوّل کے لئے بیوی کے حلال ہونے کے لئے صرف عقد نکاح کافی ہے یا وطی بھی ضروری ہے۔
قول اوّل: حضرت سعید بن المسیبؒ کے نزدیک صرف زوج ثانی سے عقد شرط ہے وطی شرط نہیں۔
قول ثانی: جمہور ائمہ کے نزدیک زوج اول کے حلال ہونے کے لئے زوج ثانی کا وطی کرنا ضروری ہے۔
سعید بن المسیبؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت ہے ''حتی تنکح زوجاً غیرہ'' یہاں پر صرف نکاح کا ذکر ہے وطی کا ذکر نہیں۔ اگر وطی شرط ہوتی تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔
جواب اوّل: ''حتی تنکح زوجاً غیرہ'' یہاں پر عقد نکاح تو زوج کے لفظ سے سمجھ میں آ رہا ہے (کیونکہ زوج تب ہی بنے گا جب عقد نکاح ہو) اور اگر ''تنکح'' سے بھی عقد نکاح مراد لیں تو پھر آیت میں تکرار لازم آئے گا جو فصاحت وبلاغت کے خلاف ہے لہٰذا یہاں ''تنکح'' بمعنی ہے۔
جواب ثانی: عند البعض حضرت سعید بن المسیبؒ کو یہ حدیث اس وقت تک نہیں پہنچی تھی جب یہ حدیث پہنچی تو رجوع کر لیا تھا۔
جواب ثالث: ٹھیک ہے آپ نے آیت پیش کی لیکن حدیث مشہور سے آیت کو مقید کرنا جائز ہے لہٰذا حدیث الباب سے صحبت کا شرط ہونا ثابت ہے۔
نیز حدیث الباب میں عسیلۃ تصغیر کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا کہ صحبت میں انزال ہونا ضروری نہیں بلکہ غیبوبت حشفہ سے بھی صحبت کفایت کر جائے گی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ کی صحبت حلالہ کے لئے کفایت نہیں کرے گی بلکہ بالغ یا قریب البلوغ کی صحبت ضروری ہے نیز حلالہ میں صحبت کی قید اس لئے لگائی گئی تا کہ لوگ طلاق ثلاثہ پر دلیری نہ کریں کیونکہ زوج ثانی صحبت کے بعد مشکل سے ہی طلاق دیتا ہے۔
جمہور ائمہؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے ''حتی تذوقی عسیلتہ'' کہ ذوق عسیلہ کو شرط قرار دیا ہے اور عسیلہ لذت جماع کو کہتے ہیں لہٰذا صرف عقد کافی نہیں وطی ضروری ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُحِلِّ وَالْمُحَلَّلِ لَهُ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زُبَيْدٍ الْأَيَامِيُّ حَدَّثَنَا مُجَالِدٌ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَعَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَا إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَلِيٍّ وَجَابِرٍ حَدِيثٌ مَعْلُولٌ وَهٰكَذَا رَوَى أَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ

ابوسعید اشج، اشعث بن عبدالرحمن بن زبید ایامی، مجالد سے وہ شعبی سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، عقبہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ اور حضرت علیؓ کی حدیث معلول ہے اشعث بن عبدالرحمن بھی مجالد سے وہ عامر

الرَّحْمٰنِ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ وَعَامِرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَائِمِ لِأَنَّ مُجَالِدَ بْنَ سَعِيدٍ قَدْ ضَعَّفَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَرَوَى عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ عَامِرٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ عَلِيٍّ وَهٰذَا قَدْ وَهِمَ فِيهِ ابْنُ نُمَيْرٍ وَالْحَدِيثُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَقَدْ رَوَاهُ مُغِيرَةُ وَابْنُ أَبِي خَالِدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ الْحَارِثِ عَنْ عَلِيٍّ.

سے وہ حارث سے وہ علی اور عامر سے وہ جابر سے وہ عبداللہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مجالد بن سعید بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں جن میں امام احمد بن حنبلؒ بھی شامل ہیں عبداللہ بن نمیر بھی یہی حدیث مجالد سے وہ عامر سے وہ جابرؓ سے اور وہ علیؓ سے نقل کرتے ہیں اس روایت میں ابن نمیر وہم کرتے ہیں اور پہلی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ مغیرہ ابن ابوخالد سے اور کئی راوی بھی شعبی سے وہ حارث سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي قَيْسٍ عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيلَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحِلَّ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ هٰذَا حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَبُو قَيْسٍ الْأَوْدِيُّ اسْمُهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ ثَرْوَانَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو وَغَيْرُهُمْ وَهُوَ قَوْلُ الْفُقَهَاءِ مِنَ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَابْنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَسَمِعْتُ الْجَارُودَ يَذْكُرُ عَنْ وَكِيعٍ أَنَّهُ قَالَ بِهٰذَا وَقَالَ يَنْبَغِي أَنْ يُرْمٰى بِهٰذَا الْبَابِ مِنْ قَوْلِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلالہ کرنے اور کروانے والے پر لعنت بھیجی ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے ابوالقیس کا نام عبدالرحمٰن بن ثروان ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث مختلف سندوں سے منقول ہے بعض صحابہ کرام جن میں حضرت عمر بن خطاب، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو اور کئی دوسرے صحابہ شامل ہیں کا اس پر عمل ہے، فقہاء تابعین کا بھی یہی قول ہے، سفیان ثوریؒ، ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے میں نے جارود سے سنا کہ وکیع فرماتے ہیں کہ اس باب میں اہل رائے کی رائے پھینک دینے کے قابل ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ سفیان کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت سے اسی نیت سے نکاح

أَصْحَابِ الرَّأْيِ قَالَ وَكِيعٌ وَقَالَ سُفْيَانُ إِذَا تَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ لِيُحَلِّلَهَا ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يُمْسِكَهَا فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُمْسِكَهَا حَتَّى يَتَزَوَّجَهَا بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ.

کرے کہ اسے پہلے شوہر کے لئے حلال کر دے اور پھر اس کی چاہت ہو کہ وہ اسے اپنے ہی پاس رکھے تو دوسرا نکاح کئے بغیر اسے رکھنا حل نہیں۔

تشریح: **محل:** حلالہ کرنے والا دوسرا شوہر۔ **محلل لہ:** اسم مفعول جس کے لئے حلال کی گئی۔ یعنی پہلا شوہر۔ حلالہ کی چند صورتیں ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

الاوّل: کوئی شخص مطلقہ مغلظہ عورت کو یا اس کے شوہر کو یا دونوں کو پریشان دیکھ کر اپنے ذہن میں اپنے طور پر منصوبہ بنائے جس سے نہ تو پہلا شوہر واقف ہے اور نہ ہی اس کی بیوی، اور وہ شخص اس عورت سے نکاح کرے اور وطی کر کے طلاق دے دے تا کہ وہ عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ علامہ شامیؒ نے اس صورت کو مستحسن بھی لکھا ہے۔

الثانی: صورت یہ ہے کہ سب مل کر یہ منصوبہ بنائیں کہ اس عورت کا فلاں رد سے نکاح کروا ؤ صحبت کے بعد طلاق دلوادو تا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے اس صورت کا حدیث میں ذکر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس صورت میں دونوں شوہروں پر لعنت بھیجی ہے اور دوسری حدیث میں دوسرے شوہر کو مستعار بکرا کہا ہے پس یہ نہایت مکروہ عمل ہے اور گناہ کبیرہ ہے۔

اس صورت میں اور پہلی صورت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پہلی صورت میں یہ منصوبہ صرف ایک ہی شخص کے ذہن میں تھا اس کو اور اس کے خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس شخص نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کہ منافی شریعت ہو۔ جبکہ دوسری صورت میں سب نے مل کر منصوبہ بنایا کہ متعین دنوں کے لئے نکاح کروایا جائے پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہ صورت ناپسندیدہ بلکہ گناہ کبیرہ ہے متعہ کی طرح ہے۔

الثالث: کسی مرد نے بغیر کسی منصوبہ کے خالی الذہن ہو کر مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کیا پھر اتفاق سے زوجین میں موافقت نہ ہوئی اور مرد نے صحبت کرنے کے بعد طلاق دے دی یا اس کا انتقال ہو گیا تو عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے لئے حلال ہے۔ اس صورت میں بھی کوئی قباحت نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں تحلیل کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کیونکہ دوسرے شوہر نے ہمیشہ کے لئے نکاح کیا تھا۔

دوسری صورت میں عورت شوہر اوّل کے لئے حلال ہوگی یا نہیں: اس بارے میں دو رائے ہیں۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ ایسے کام پر نبی پاک ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ لعنت والے کام سے شرعی احکام کیسے مرتب ہو سکتے ہیں۔ اس کے برخلاف ائمہ اربعہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں مگر عورت شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شوہروں کو محل اور محلل لہ کہا ہے ان لفظوں میں اشارہ ہے کہ اس لعنت والے کام سے بھی عورت شوہر اوّل کے لئے حلال ہو جائے گی۔

الرابع: تحلیل کی شرط کے ساتھ ایجاب وقبول کیا جائے مثال کے طور پر یوں کہا جائے کہ یہ عورت تحلیل کے لئے تمہارے نکاح میں دی جاتی ہے یا یہ عورت تمہارے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دی جاتی ہے کہ تم ایک مرتبہ صحبت کر کے اس کو طلاق دے دو مرد نے اس کو قبول کر لیا۔

اس صورت کے جواز وعدم جواز میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نکاح متحقق ہی نہیں ہوتا اور نہ عورت زوج اوّل کے لئے حلال ہوتی ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح درست ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے ہو گیا البتہ جو شرط لگائی وہ شرط باطل ہے جی چاہے تو وہ اس عورت کو طلاق دے اور نہ چاہے تو طلاق نہ دے اگر اس نے صحبت کرنے کے بعد طلاق دے دی تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہو گئی اور یہ صورت حدیث کا اعلیٰ مصداق ہے۔ اس لئے یہ صورت مکروہ تحریمی اور گناہ کبیرہ ہے۔ اس صورت میں بھی دونوں شوہروں اور عورت پر اور شرکاء مجلس پر بطریق اولیٰ لعنت ہو گی۔

اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ افعال شرعیہ کی نہی میں احناف کے نزدیک مشروعیت کا پہلو باقی رہتا ہے۔ کیونکہ نہی کی دو قسمیں ہیں ایک افعال حسیہ کی نہی، دوسری افعال شرعیہ کی نہی۔

افعال حسیہ کی نہی میں اجماع ہے کہ اس میں مشروعیت باقی نہیں رہتی۔

البتہ افعال شرعیہ کی نہی میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک افعال شرعیہ سے نہی میں مشروعیت باقی رہتی ہے۔ جیسا کہ جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت سے نہی آئی ہے لیکن اگر کسی نے خرید و فروخت کر لی تو اس نہی کے ساتھ اس کی بیع منعقد ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری مثال یہ ہے کہ ارض مغصوبہ میں نماز پڑھنے سے نہی آئی ہے اگر کسی نے ارض مغصوبہ پر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو جائے گی البتہ نماز پڑھنے والا گنہگار ہو گا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے نکاح شغار سے منع کیا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسا نکاح کر لے تو نکاح ہو جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی تحلیل کی شرط کے ساتھ کیا ہوا نکاح ہو گیا اور شرط باطل ہو جائے گی اور صحبت کے بعد طلاق دینے سے عورت شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

دیگر ائمہ کے نزدیک افعال حسیہ کی طرح افعال شرعیہ میں بھی نہی کی وجہ سے مشروعیت کا پہلو باقی نہیں رہتا۔ اس لئے مذکورہ صورت میں حلالہ بھی باقی نہیں رہتا۔

شوافع حضرات کا استدلال: حدیث الباب سے ہے ''لعن اللہ المحلل والمحلل لہ''۔

جواب: اس روایت میں نہی عن التحلیل ہے نفی نکاح نہیں، اور نہی عن الافعال الشرعیۃ اصل فعل کی مشروعیت کا تقاضا کرتی ہے۔

اعتراض: بعض فرقہ باطلہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احناف اس بات کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں جس کی حدیث میں لعنت آئی ہے جس مفتی سے تین طلاق کا مسئلہ پوچھا جائے وہ حلالہ کی بات ضرور کرتا ہے چاہے سائل نے اس کے متعلق پوچھا ہو یا نہ پوچھا ہو؟

جواب: اس کی تبلیغ احناف نہیں کرتے بلکہ قرآن کرتا ہے ''فان طلقها فلا تحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجاً غیرہ'' (بقرۃ:۲۳۰) اگر شوہر عورت کو تیسری طلاق دے تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ شوہر سے نکاح نہ کرے، اسی کو حلالہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جو چیز قرآن میں ہے اگر وہ بات بتلائی جائے تو کیوں کر غلط ہو سکتی ہے۔ پھر اگر مفتی یہ مسئلہ صاف بتا دیتا ہے کہ اگر یہ عورت پہلے شوہر کے پاس جانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دوسری جگہ نکاح کر لے پھر شوہر کے پاس آئے۔ اگر یہ بات بتلانا غلط ہے تو اس کے خلاف جن لوگوں نے حل نکالا ہے وہ اس سے بھی برا ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں یہ مسئلہ کا حل نہیں ہے بلکہ گمراہی ہے ان کی یہ بات قرآن و حدیث اور اجماع امت کے خلاف ہے اس سے بہتر تو حلالہ والی بات ہے۔

باب ما جاء في نكاح المتعة

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ وَالْحَسَنِ ابْنَيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِمَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ وَفِي الْبَاب عَنْ سَبْرَةَ الْجُهَنِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ عَلِيٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَإِنَّمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ شَيْءٌ مِنَ الرُّخْصَةِ فِي الْمُتْعَةِ ثُمَّ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ حَيْثُ أُخْبِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْرُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى تَحْرِيمِ الْمُتْعَةِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ. حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُقْبَةَ أَخُو قَبِيصَةَ بْنِ عُقْبَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَا يَرَى أَنَّهُ يُقِيمُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْئَهُ حَتَّى إِذَا نَزَلَتِ الْآيَةُ { إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ } قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَى هُمَا فَهُوَ حَرَامٌ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اس باب میں حضرت سبرہ جہنی، اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے متعہ کے بارے میں کسی قدر اجازت منقول ہے لیکن بعد میں جب انہیں بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اکثر اہل علم متعہ کو حرام کہتے ہیں سفیان ثوریؒ، ابن مبارک، شافعیؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ (دوسری روایت) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں تھا جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی تو جتنے دن اسے وہاں رہنا ہوتا اتنے دن کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت اور اس کے اموال کی اصلاح کرے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی (**إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ**) 23۔ **المؤمنون**: 6) (ترجمہ) مگر صرف اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے جماع کر سکتے ہو۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان دونوں کے علاوہ ہر شرمگاہ حرام ہے۔

تشریح: ① نکاح متعہ دراصل نکاح موقت ہی ہے صرف نام میں فرق ہے اگر ایجاب وقبول میں لفظ متعہ استعمال کیا گیا تو وہ نکاح متعہ ہے اور اگر وقت کی تحدید کی گئی کہ اتنے دن، اتنے مہینے یا اتنے سالوں کے لئے نکاح کرتا ہے تو وہ نکاح موقت ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح موقت بالاجماع حرام ہیں۔

۲ نکاح متعہ میں نہ لفظ نکاح استعمال ہوتا ہے اور نہ ہی دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہوتی ہے۔ برخلاف نکاح موقت کے کہ اس میں لفظ نکاح بھی ہوتا ہے اور دو گواہ بھی ہوتے ہیں البتہ مدت متعین ہوتی ہے۔ نکاح متعہ نہ تو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا اور نہ ہی اس کے بعد۔

روافض کے نزدیک متعہ کا مفہوم یہ ہے کہ مرد و عورت کچھ مال کے عوض وقت مقررہ تک کے لئے جنسی ضرورت کو پورا کریں۔ جس میں اذن ولی، نکاح خواں، گواہ، نان نفقہ، سکنی، وراثت، اولاد کا نسب ثابت ہونا ان میں کوئی چیز ضروری نہیں حتیٰ کہ ماں باپ کو اطلاع ہونا بھی ضروری نہیں اگر والدین کو معلوم ہو جائے تو پھر بھی وہ اس سے منع نہیں کر سکتے۔ جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک متعہ کا مفہوم نکاح موقت کا ہے یہ نکاح موقت بوقت مجبوری حفظ مال اور حوائج ضروریہ کی بجا آوری کے لئے مجبوری کے وقت باقاعدہ گواہوں کی موجودگی اور دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں ہوتا تھا۔ یہ نکاح موقت زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ ۷ ہجری تک اس کا رواج رہا پھر غزوہ خیبر کے موقع پر اس کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا پھر ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد جنگ اوطاس میں تین روز کے لئے متعہ کی رخصت دے دی گئی، پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا چنانچہ سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "کنت أذنت لکم فی الاستمتاع عن النکاح فقد حرم اللہ ذلک الی یوم القیامۃ"۔

مسئلہ: حرمت متعہ میں ائمہ کرام کے اقوال؟ متعہ کی حرمت پر تمام امت کا اجماع ہے البتہ ابتداء اسلام میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حرمت متعہ سے عدم واقفیت کی بناء پر اس کے جواز کے قائل تھے جیسے جیسے حرمت کا علم ہوتا گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے رجوع کرتے گئے۔

متعہ کے جواز پر صرف روافض کا یہ قول ہے کہ متعہ جائز ہے بلکہ یہ عمل افضل ترین عبادت اور اہم نیکی ہے۔

جواز متعہ کے قائلین کے دلائل: پہلی دلیل: قرآن کریم کی آیت ہے "فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن" اس سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں استمتاع کا ذکر کیا گیا نکاح کا ذکر نہیں کیا گیا اور استمتاع ہی متعہ ہے پھر اجرت کا ذکر کیا گیا اور یہ اجرت متعہ ہی میں ہوتی ہے جبکہ نکاح میں مہر ہوتا ہے۔

جواب اوّل: آیت کے ماقبل اور مابعد میں نکاح کا ذکر ہے لہٰذا استمتاع سے استمتاع بالنکاح مراد ہوگا اور لفظ اجر کا اطلاق مہر پر ہوتا ہے جیسے "فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن"

جواب ثانی: متعہ سے لغوی معنی مراد نہیں کیونکہ لغوی معنی نکاح میں بھی پائے جاتے ہیں بلکہ اصطلاحی متعہ مراد ہے اس پر قرینہ دلائل مذکورہ کے علاوہ بھی ہے کہ اس آیت سے پہلے "محصنین غیر مسافحین" کے الفاظ آئے ہیں کہ نکاح سے مقصود پاکدامنی ہو شہوت پورا کرنا مقصود نہ ہو۔

دوسری دلیل: یہی حدیث الباب ہے "وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: إِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي أَوَّلِ الْإِسْلَامِ، كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ، فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَا يَرَى أَنَّهُ يُقِيمُ، فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ، وَتُصْلِحُ لَهُ شَيْئَهُ، حَتَّى إِذَا نَزَلَتِ الْآيَةُ "إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کا جواز منقول ہے۔

جواب اوّل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حرمت متعہ کے اعلان کے وقت صرف گیارہ سال کے تھے، ممکن ہے کم عمر ہونے کی وجہ سے ان کو نسخ

متعہ کے بارے میں علم ہی نہ ہو۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے ان کو حرمت متعہ (نکاح مؤقت) کا علم ہوا۔
جواب ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجبور کیلئے جواز متعہ کے قائل تھے پھر انہوں نے اس سے بھی رجوع کر لیا (نصب الرایہ ج۳ ص۱۸۱)۔
جواب ثالث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو متعہ کے نسخ کا علم نہیں تھا لیکن جب بعد میں نسخ کا علم ہوا تو اس سے رجوع فرمالیا تھا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت ''الا علی ازواجهم او ماملکت ایمانهم'' کے نزول کے بعد فرمایا ''فکل فرج سواهما فهو حرام'' ابتداء میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اطلاع نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بچوں اور مستورات کے ساتھ مدینہ بھیج دیا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت متعہ کا اعلان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عدم موجودگی میں فرمایا اور جب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حرمت متعہ کی اطلاع ہوگئی تو وہ خود متعہ کی حرمت بیان کرنے والوں میں سے ہوگئے اور فرمایا ''سبحان الله ما بهذا افتيت وما هي الا كالميتة والدم والخمر ولحم الخنزير''۔
دلیل ثالث: بعض روایات میں آتا ہے کہ متعہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حرام کیا ہے۔
جواب اوّل: متعہ کی حرمت نصوص مذکورہ سے ہوئی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حرمت کی تشہیر کی تھی
جواب ثانی: سنن ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ (نکاح مؤقت) کی ممانعت حدیث نبوی کی وجہ سے کی تھی نہ کہ اپنے اجتہاد سے
دلیل رابع: مشکوۃ شریف میں حدیث ہے ''عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: كُنَّا نَغْزُوا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا: أَلَا نَخْتَصِي؟ فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ، ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ، فَكَانَ أَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلَى أَجَلٍ، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ'' یہ روایت جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے۔
جواب اوّل: یہ روایت غزوہ اور جہاد کے ساتھ مقید ہے اور متعہ (نکاح مؤقت) کی گنجائش بھی مجبوری کے وقت تھی جبکہ روافض مطلقاً ہر حال میں متعہ کے قائل ہیں اور وہ اس کو عبادت اور اہم ترین نیکی قرار دیتے ہیں۔
جواب ثانی: یہ روایت حرمت متعہ سے قبل کے زمانہ پر محمول ہے۔
جواب ثالث: حافظ ابن حجرؒ بروایت اسماعیلی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں ''ففعله ثم ترك ذلك'' لہٰذا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی متعہ حرام ہے۔ دلیل خامس: صاحب ہدایہ نے جواز متعہ کو امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا ہے۔
جواب اوّل: یہ صاحب ہدایہ کا تسامح ہے کیونکہ خود امام مالکؒ نے موطا امام مالک میں حرمت متعہ کی روایات ذکر کی ہیں اور فقہ مالکی کی کتابوں میں اب بھی حرمت متعہ کی واضح تشریحات موجود ہیں۔
جواب ثانی: یہ مضمون کسی روافض کی طرف سے مدرج ہے صاحب ہدایہ اس سے بری ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اختلاف بھی اُس وقت ہوگا جب متعہ سے مراد نکاح مؤقت لیا جائے اور اگر اس سے مراد اہل تشیع کا متعہ ہو جو خالصتاً زنا، حرام کاری ہے تو پھر اسکی حرمت پر کسی کا اختلاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برِاعظم پاک و ہند میں انگریز کے دورِ حکومت سے بازارِ حسن کے قائم ہونیوالے اڈے اسی متعہ (زنا) کے لائسنس پر بنائے جاتے ہیں اسی سے متعہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، جس پر کسی شاعر نے کہا۔ ''مذہب بھی وہ چاہیے ..... جس میں زنا بھی حلال ہو''

حرمت متعہ کے قائلین کے دلائل: **دلیل اوّل:** قرآن پاک کی آیت ہے: ''والذین هم لفروجهم حافظون الاعلی ازواجهم أو ما ملکت أیمانهم فانهم غیر ملومین '' (مؤمنون:۵٦) یہ آیت حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ کا اس آیت میں ذکر نہیں اگر متعہ جائز ہوتا تو اس کا ذکر کیا جاتا۔

اشکال: اس آیت پر اشکال یہ ہے کہ یہ آیت مکی ہے اس لئے کہ قرآن کریم میں یہ آیت دو مقام پر آئی ہے۔ ایک سورۂ مؤمنون میں اور دوسری جگہ سورۂ معارج میں، یہ دونوں سورتیں مکی ہیں جبکہ متعہ کی حلت وحرمت کی تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ متعہ ہجرت کے بعد حرام ہوا اور وہ ایک سے زائد غزوات میں حلال تھا تو پھر یہ آیت متعہ کے حق میں کیسے محرم ہوسکتی ہے؟

جواب اوّل: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فتاوٰی عزیزیہ میں فرمایا متعہ بالمعنی المعروف اسلام میں کبھی حلال نہیں ہوا اس کو مذکورہ آیت نے شروع ہی میں حرام کردیا تھا البتہ مختلف غزوات کے موقع پر جس متعہ کی اجازت احادیث میں مروی ہے اس سے مراد نکاح مؤقت ہے۔ لہٰذا یہ آیت شروع ہی سے حرمت متعہ پر دلالت کررہی ہے۔

جواب ثانی: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ متعہ بالمعنی المعروف کو مذکورہ آیت قرآنی نے مکہ مکرمہ ہی میں حرام کردیا تھا اور وہ بدستور حرام ہی رہا۔ البتہ بعض غزوات کے موقع پر ضرورت شدیدہ کی وجہ سے ایک محدود مدت کے لئے اس کی اجازت دی گئی جو رخصت تھی وہ حلت نہیں تھی جیسے لحم خنزیر حرام ہے۔ لیکن اضطرار کی وجہ سے اس کا کھانا جائز ہوجاتا ہے نہ اس لئے کہ وہ حلال ہوگیا بلکہ اس لئے کہ خاص حالات کی وجہ سے شریعت نے ایک محدود رخصت عطا فرمادی۔ حاصل یہ کہ ایسی رخصت حرمت کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے اور اس رخصت کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ حرمت منسوخ ہوگئی۔

جواب ثالث: والذین هم لفروجهم حافظون میں ازواج سے مراد وہ عورتیں ہیں جو عقد مشروع کے ذریعے حلال کی گئی ہوں اور ابتداء اسلام میں عقد مشروع چونکہ صرف نکاح تھا اس لئے آیت حرمت متعہ پر بھی دلالت کررہی تھی پھر بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصے کے لئے نکاح مؤقت کی اجازت دے دی تو وہ بھی عقد مشروع کے ساتھ آگیا۔ اور یہ تمام عورتیں جن کے ساتھ متعہ کیا گیا ازواج کے تحت داخل ہوگئیں۔ اس لئے نہ آیت کی مخالفت ہوئی نہ آیت کو منسوخ کیا گیا پھر بعد میں جب دوبارہ متعہ کو ممنوع کردیا گیا تو وہ عقد مشروع نہ رہا تو ایسی عورتیں ازواج کے مفہوم سے فارغ ہوگئیں۔ اس لئے یہ آیت ہمیشہ کے لئے حرمت متعہ پر دلالت کرتی ہے۔

نیز: ''الاعلی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم فانهم غیر ملومین''۔ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعہ والی عورت زوجہ نہیں ہے کیونکہ اس پر شریعت کے احکام نکاح میراث وغیرہ ثابت نہیں ہوتے اور متعہ والی عورت نہ مملوکہ ہے لہٰذا یہ ''فمن ابتغی وراء ذلك'' میں داخل ہے۔ **دلیل ثانی:** حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث باب ہے ''نهی عن متعة النساء''۔

دلیل ثالث: عن سلمة بن الاکوع قال رخص رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عام اوطاس فی المتعة ثلاثا ثم نهی عنها۔

دلیل رابع: حرمت متعہ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

دلیل خامس: روافض کی مشہور کتاب الاستبصار میں ہے ''عن علی قال حرم رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لحوم الحمر الاهلیة ونکاح المتعة''

تحریم متعہ کب ہوئی؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

① حدیث الباب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''ان النبی ﷺ نھی عن متعۃ النساء و عن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر'' اس سے معلوم ہوا کہ متعہ غزوہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا۔

② حضرت سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حرام ہوا ''ان رسول اللہ ﷺ نھی عن متعۃ النساء یوم الفتح'' (کنز العمال: ۴۵۷۲۷)۔

③ نسائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق سے ایک روایت مروی ہے: ''قال ابن المثنی یوم حنین وقال ھکذا، حدثنا عبد الوہاب من کتابہ'' (سنن النسائی ج ۲ ص ۸۹) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ حنین میں اس کو حرام کیا گیا۔

④ صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ''رخص رسول اللہ ﷺ عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھی عنھا'' (ج ۱ ص ۴۵۱ باب نکاح المتعۃ) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی حرمت غزوہ اوطاس کے موقع پر ہوئی۔

⑤ اور ایک روایت میں ہے کہ متعہ کی حرمت غزوہ تبوک کے موقع پر ہوئی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرتے ہیں کہ ''خرجنا مع رسول اللہ ﷺ الی غزوۃ تبوک حتی اذا کنا عند العقبۃ مما یلی الشام جاءت نسوۃ فذکرنا تمتعنا و ھن تطفن فی رحالنا فجاءنا رسول اللہ ﷺ فنظر الیھن وقال: من ھولاء النسوۃ فقلنا یا رسول اللہ نسوۃ تمتعنا منھن قال: فغضب رسول اللہ ﷺ حتی احمرت وجنتاہ و تمعّر وجھہ و قام فینا خطیبا فحمد اللہ وأثنی علیہ ثم نھی عن المتعۃ فتوادعنا یومئذ الرجال والنساء ولم نعد ولا نعود لھا أبداً، فبھا سمیت یومئذ ثنیۃ الوداع'' (نصب الرایۃ ج ۳ ص ۱۷۹ فصل فی بیان المحرمات)

⑥ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت متعہ عمرۃ القضاء کے موقع پر ہوئی۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی روایت ہے ''ما حلت المتعۃ قط الا فی عمرۃ القضاء ثلاثۃ ایام ما حلت قبلھا ولا بعدھا'' (کنز العمال ۴۵۷۴۹ رمز (عب)

⑦ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر متعہ حرام ہوا۔ حضرت سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں: ''سمعت النبی ﷺ ینھی عن متعۃ النساء فی حجۃ الوداع'' (کنز العمال ج ۱۶ ص ۵۱۵ حدیث ۴۵۷۳۸)

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حرمت متعہ کے بارے میں مختلف اقوال میں تعارض ہے۔ مثلاً خیبر، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ اوطاس، غزوہ تبوک، عمرۃ القضاء، حجۃ الوداع۔

رفع تعارض: جواب: کوئی تعارض نہیں۔ حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ جس روایت میں غزوہ تبوک کا ذکر ہے۔ اس میں کسی راوی سے وہم ہوا ہے جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے غزوہ تبوک کی طرف نسبت کو غلط قرار دیا ہے (شرح نووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ''نھی عن متعۃ النساء و عن لحوم الحمر الاھلیۃ زمن خیبر'' والی روایت میں زمن خیبر کے الفاظ کا تعلق صرف لحوم الحمر الاھلیۃ کے ساتھ ہے یعنی لحوم حمر کو غزوہ خیبر میں حرام قرار دیا گیا اور نھی عن متعۃ النساء یہ ایک جملہ ہے جس کا زمن خیبر سے کوئی تعلق نہیں۔ خلاصہ یہ کہ زمن خیبر ظرف کا تعلق دونوں کے ساتھ نہیں بلکہ ''و عن لحوم الحمر الاھلیۃ'' کے ساتھ ہے۔

باقی فتح مکہ، غزوہ اوطاس، غزوہ حنین یہ ایک ہی سفر میں پیش آئے۔ اس لئے کسی نے اس کی نسبت فتح مکہ کی طرف کر دی کسی نے حنین کی طرف اور کسی نے اوطاس کی طرف کر دی۔ دراصل معاملہ یہ ہوا تھا کہ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی اجازت دی گئی تھی

پھر اسے حرام کر دیا گیا تھا۔

جواب ثانی: علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غزوہ خیبر کے موقع پر متعہ حرام ہو گیا تھا پھر فتح مکہ کے موقع پر ایک محدود مدت کے لئے دوبارہ اس کی رخصت دی گئی اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس کی حرمت کا اعلان کر دیا گیا۔

جواب ثالث: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حرمت بھی دو دفعہ ہوئی اور اباحت بھی دو مرتبہ ہوئی۔ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر یوم خیبر کو حرام ہوا پھر فتح مکہ کے دن مباح کیا گیا یہ یوم اوطاس کو ہوا جو فتح مکہ کے متصل تھا پھر تین دن کے بعد مکمل حرمت نازل ہو گئی اب یہ حرمت قیامت تک باقی رہیگی۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۳۱)

جواب رابع: خیبر کے موقع پر مطلق حرام ہو گیا تھا پھر ہر سال جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوتے تو پھر اعلان دہرایا جاتا تو جس نے اس وقت سنا اس نے یہ سمجھا کہ اب حرام ہوا ہے حالانکہ حرام تو پہلے تھا۔ اس لئے روایات میں اختلاف ہو گیا۔

متعہ کے متعلق حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کی رائے: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں کبھی بھی متعہ حلال نہیں ہوا بلکہ زمانہ جاہلیت میں جس طرح نکاح مختلف طریقوں سے ہوتے تھے اس طرح متعہ بھی نکاح مؤقت تھا ابتداء اسلام میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا سب سے پہلے جنگ خیبر میں اسکی حرمت نازل ہوئی لیکن سب لوگوں تک یہ حکم نہیں پہنچا تھا اس لئے بعض لوگ اس پر عمل کرتے رہے اور انہوں نے اسکو حلت سے تعبیر کر دیا بعد میں فتح مکہ کے سال اس حرمت کی مزید تاکید ہو گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسکی مزید تشہیر کروائی اس تطبیق متعہ کے متعلق جو اختلاف ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

وعن ابن عباس قال: انما كانت المتعة فى اوّل الاسلام.... الخ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ متعہ خانگی مصالح کے طور پر کیا جاتا تھا تا کہ عورت اس شخص کے مال، وغیرہ کی حفاظت کرے یہ شرم گاہ کو کرائے پر لینا نہیں تھا کیونکہ یہ بات انسانی قدر کے خلاف ہے اور ایسی بات فطرت سلیمہ کے خلاف ہے۔ مزید اس کی چند وجوہات ہیں جن کی وجہ سے متعہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

اوّل: اگر متعہ کا رواج چل پڑے تو لوگ نکاح صحیح کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ عام طور پر لوگ نکاح قضائے شہوت کے لئے کرتے تھے جب لوگوں کی ضرورت متعہ سے پوری ہو جائے تو نکاح کیوں کریں گے۔

ثانی: متعہ کرنے سے نسب میں اختلاط واقع ہوتا تھا کیونکہ متعہ کی مدت گزرنے کے بعد عورت مرد کے قابو سے نکل جاتی ہے اب اس کو اختیار ہے اس کے بعد وہ کیا کرے گی اس کی اس کو کچھ خبر نہیں اور اس کو عدت گزارنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ نکاح صحیح میں جو ہمیشہ کے لئے کیا جاتا ہے عدت کا انضباط دشوار ہے لہٰذا متعہ میں عدت کی تعیین کیسے کی جائے گی۔

ثالث: نکاح اور زنا میں مابہ الامتیاز دو چیزیں ہیں کہ زنا عارضی معاملہ ہوتا ہے اور نکاح دائمی رفاقت و معاونت ہوتی ہے۔ دوم زنا میں عورت کا کسی مرد کے ساتھ اختصاص نہیں ہوتا جبکہ نکاح میں تمام لوگوں کے روبرو عورت عورت کی رد کے لئے خاص کر دی جاتی ہے اور متعہ میں زنا والی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی ایک عارضی معاملہ ہوتا ہے اور اس میں بھی عورت کسی کے لئے خاص نہیں ہوتی اس لئے اس کی ممانعت کر دی گئی۔

سوال: حنفیہ کا اصول ہے کہ ایمان میں شرط باطل ہوتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے لہٰذا مدت کی تعیین باطل ہو جانی چاہیے اور اصل نکاح

باب میں اور دوسرا گھڑ دوڑ میں۔

لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ: زکوٰۃ کے باب میں ہوتو اس وقت جلب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مصدق ہر شخص کے پاس جا کر زکوٰۃ وصول کرنے کے بجائے کسی ایک جگہ بیٹھ جائے اور لوگوں کو کہے کہ یہاں آکر مجھے زکوٰۃ دو اس صورت میں زکوٰۃ دینے والوں کے لیے دشواری ہے کہ زکوٰۃ کا مال کہاں اٹھا کر پھرتے رہیں۔ جنب کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے والا اپنا مال لے کر کہیں دور چلا جائے جہاں زکوٰۃ لینے والے کو پریشانی ہو تو یہ دونوں ممنوع ہیں۔

لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ: سباق (گھڑ دوڑ) میں ہو تو پھر اس وقت جلب کا معنی ہوگا کہ ایک شاہ سوار اپنے پیچھے کسی آدمی کو مقرر کردے تاکہ وہ شور مچائے اور گھوڑا تیز بھاگے یہ صورت ممنوع ہے اس لئے کہ اس میں دوسرے مسابقین کا ضرر ہے اور جنب کا مطلب یہ ہے کہ دوڑ کے وقت ایک خالی گھوڑا ساتھ رکھے تاکہ مرکوب کے تھک جانے کی صورت میں اس پر سوار ہو سکے یہ صورت بھی منع ہے۔

دوسرا جملہ: **ولا شغار فی الاسلام** **شغار کی لغوی تعریف:** شغار شغر سے بنا ہے بمعنی شہر کا خالی ہو جانا یا کسی کو کسی جگہ سے ہٹانا دور ہو جانا۔ یہ شغر البلد من السلطان سے ماخوذ ہے کہ جب شہر خالی ہو جائے سلطان سے چونکہ یہ نکاح مہر سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کو شغار کہتے ہیں۔ عند البعض یہ شغر الکلب سے ماخوذ ہے کتے کا پیشاب کے وقت ایک ٹانگ کا اوپر اٹھانا اور نکاح میں بھی جانبین سے یہ شرط ہوتی ہے کہ وہ دونوں اپنی اپنی بیٹیوں یا بہنوں کا نکاح کر دیں گے اور درمیان سے مہر کو اٹھا دیں گے گویا ہر ایک دوسرے کی بہن کی ٹانگ اٹھانے پر عقد کرتا ہے گویا لڑکی کا تبادلہ لڑکی کے ساتھ ہو گیا۔ اس لئے اس کو نکاح شغار کہتے ہیں۔

عند البعض شغار کا معنی ہے دور ہونا اور زوجین مہر کی نفی کر کے حق سے دور ہو گئے اس لئے اسے شغار کہا جاتا ہے۔

اصطلاح میں شغار کی تعریف: کوئی شخص اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح دوسرے آدمی سے اس شرط پر کرے کہ وہ دوسرا آدمی اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس کے ساتھ کردے اور احد العقدین دوسرے کا عوض اور مہر ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے بیٹے کا نکاح دوسرے کی لڑکی سے کردے اس شرط پر کہ دوسرا اپنے لڑکے کا نکاح اس کی بیٹی سے کردے اور احد العقدین کو دوسرے کا مہر بنایا جائے۔

مسئلہ: نکاح شغار کا کیا حکم ہے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک یہ نکاح سرے سے باطل ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائیگی اور ہر ایک کو مہر مثلی ملے گا۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث باب ہے "نہی عن الشغار"۔

جواب اوّل: کہ یہ نہی نکاح کو تسمیہ مہر سے خالی کرنے کی وجہ سے ہے (کیونکہ یہاں بضع کو مہر بنایا جاتا ہے جو بالاتفاق حرام ہے حالانکہ ہم مہر مثلی واجب کرتے ہیں) اور عین نکاح سے نہیں ہے اور تسمیہ مہر سے خالی کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا جیسا کہ جمعہ کے وقت بیع وشراء کرنے سے بیع وشراء باطل نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی ہے۔

جواب ثانی: دلائل مذکورہ کے قرینے سے معلوم ہوا یہ نہی تنزیہی ہے جو بمعنی خلاف اولیٰ ہے اور لا شغار میں لا نفی کمال کیلئے ہے۔

دلیل ثانی: ہر ایک کا نصف بضع مہر ہوا اور نصف بضع منکوحہ ہوا اور منافع بضع میں اشتراک نہیں ہوتا جیسا کہ ایک عورت کے ساتھ دو آدمی اکٹھے شادی نہیں کر سکتے اسی طرح اس میں بھی یہی ہے۔ لہٰذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

جواب: جب بضع مہر ہی نہیں ہوا تو اشتراک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو یہ شرط فاسد ہوئی جس سے نکاح فاسد نہیں ہوگا بلکہ خود شرط باطل ہوگی جبکہ نکاح صحیح ہو جائے گا لیکن مہر مثلی واجب ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی دلیل اوّل: یہ نکاح اس نکاح کے مثل ہے جس میں حرام چیز کو مہر بنایا جائے مثلاً شراب وغیرہ پر نکاح کرنا اور ایسی صورت میں بالاتفاق نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور مہر مثلی واجب ہو جاتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی ہے۔

دلیل ثانی: حضرت عطاءؒ، ابن شہاب زہریؒ، مکحولؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے "عقد النکاح علی الشغار جائز ولکل واحد منھما صداق مثلھا"

تیسرا جملہ: وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا: انتہاب اچک لینے کو کہا جاتا ہے اگر کسی نے ڈاکہ ڈالا یا ظلماً کسی سے کوئی چیز لی تو اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لیس منّا" یعنی اس شخص کا ہم سے کچھ لینا دینا نہیں وہ ہمارا اہم مزاج نہیں وہ بہتر مسلمان نہیں۔

باب ما جاء لا تنکح المرأۃ علی عمّتھا ولا علی خالتھا

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ أَبِي حَرِيزٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُزَوَّجَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ عَلَى خَالَتِهَا وَأَبُو حَرِيزٍ اسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ حُسَيْنٍ حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي أُمَامَةَ وَجَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي مُوسَى وَسَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ.

نصر بن علی الجہضمی، عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ، سعید بن ابی عروبہ سے وہ ابی حریز سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھوپھی کی نکاح میں موجودگی میں اس کی بھتیجی اور خالہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا۔ اس باب میں حضرت علی، ابن عمر، ابوسعید، ابوامامہ، جابر، عائشہ، ابوموسیٰ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نکاح میں عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع نہ کیا جائے یعنی ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع نہ کیا جائے جن کے درمیان پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کا رشتہ ہو۔

سوال: کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے جب کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پھوپھی، بھتیجی اور خالہ، بھانجی کو جمع کرنا حرام ہے یہ تو کتاب اللہ پر زیادتی ہوئی۔

جواب: یہ خبر مشہور ہے اور کتاب اللہ پر زیادتی خبر مشہور کے ذریعہ جائز ہے اس حدیث میں ایک ضابطہ کا بیان ہے جس کی چند جزئیات یہ ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ ہر دو ایسی عورتیں کہ جن میں سے کسی بھی ایک کو مرد فرض کر لیں اور دوسری کو عورت تو ان کا

آپس میں نکاح حرام ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ حَدَّثَنَا عَامِرٌ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوِ الْعَمَّةُ عَلَى ابْنَةِ أَخِيهَا أَوِ الْمَرْأَةُ عَلَى خَالَتِهَا أَوِ الْخَالَةُ عَلَى بِنْتِ أُخْتِهَا وَلَا تُنْكَحُ الصُّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى وَلَا الْكُبْرَى عَلَى الصُّغْرَى. حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ اخْتِلَافًا أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فَإِنْ نَكَحَ امْرَأَةً عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا أَوِ الْعَمَّةَ عَلَى بِنْتِ أَخِيهَا فَنِكَاحُ الْأُخْرَى مِنْهُمَا مَفْسُوخٌ وَبِهِ يَقُولُ عَامَّةُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ أَبُو عِيسَى أَدْرَكَ الشَّعْبِيُّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَرَوَى عَنْهُ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا فَقَالَ صَحِيحٌ قَالَ أَبُو عِيسَى وَرَوَى الشَّعْبِيُّ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

حسن بن علی، یزید بن ھارون، داؤد بن ابی ھند، عامر سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھوپھی کی موجودگی میں اس کی بھتیجی اور بھتیجی کی موجودگی میں اس کی پھوپھی اور پھر خالہ کی موجودگی میں اس کی بھانجی اور بھانجی کی موجودگی میں اس کی خالہ سے نکاح کرنے سے منع فرمایا۔ حضرت ابن عباس، اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی حدیثیں حسن صحیح ہیں۔ عام علماء کا اس پر عمل ہے اس میں ہمیں کوئی اختلاف معلوم نہیں کہ کسی مرد کے لئے خالہ اور بھانجی یا پھوپھی اور بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حلال نہیں۔ اگر کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ پر نکاح میں لایا جائے تو دوسرا نکاح فسخ ہو جائے گا۔ عام علماء یہی فرماتے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شعبہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قوله لاتنكح الصغرى على الكبرى: یہ جملہ دراصل پہلے جملہ کی تاکید ہے اور پہلا جملہ ''ان تنكح المرأة على عمتها''۔ یعنی بڑے رشتہ والی سے پھوپھی اور خالہ مراد ہیں اور چھوٹے رشتے والی سے بھتیجی اور بھانجی مراد ہیں۔

الحاصل جس شخص کے نکاح میں پہلے خالہ موجود ہو تو اس کی بھانجی سے ایسا شخص نکاح نہیں کرسکتا یا اس کا برعکس ہو کہ جس کے نکاح میں بھانجی ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی خالہ سے یا اسی طرح پہلے سے پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی سے یا اس کا عکس ہو تو نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

البتہ مذکورہ دو میں سے ایک کو طلاق دینے اور اس کی عدت گزر جانے کے بعد اس کی بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرسکتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الشَّرْطِ عِنْدَ عُقْدَةِ النِّكَاحِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْيَزَنِيِّ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوفَى بِهَا مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ

یوسف بن عیسیٰ، وکیع، عبدالحمید بن جعفر سے وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ مرثد بن عبداللہ الیزنی ابی خیر سے وہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شرائط میں سے وفا کے سب سے زیادہ لائق وہ شرط ہے جس کے بدلے تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ إِذَا تَزَوَّجَ رَجُلٌ امْرَأَةً وَشَرَطَ لَهَا أَنْ لَا يُخْرِجَهَا مِنْ مِصْرِهَا فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُخْرِجَهَا وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّهُ قَالَ شَرْطُ اللهِ قَبْلَ شَرْطِهَا كَأَنَّهُ رَأَى لِلزَّوْجِ أَنْ يُخْرِجَهَا وَإِنْ كَانَتْ اشْتَرَطَتْ عَلَى زَوْجِهَا أَنْ لَا يُخْرِجَهَا وَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَبَعْضِ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

ابوموسی، محمد بن مثنی سے وہ یحییٰ بن سعید، عبدالحمید بن جعفر سے اس کی مثل حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض اہل علم صحابہ کا اسی پر عمل ہے۔ جن میں عمر بن خطاب بھی شامل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو اسے اس شرط کو پورا کرنا چاہیے۔ بعض علماء، امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی شرط ہر شرط پر مقدم ہے گویا کہ ان کے نزدیک شوہر کا اپنی بیوی کو اس شرط کے باوجود شہر سے دوسرے شہر لے جانا صحیح ہے اگرچہ عورت نے شوہر سے شہر سے نہ نکالنے کی شرط لگائی ہو اور بعض اہل علم کا بھی یہی قول ہے سفیان ثوریؒ اور بعض اہل کوفہ کا بھی یہ قول ہے۔

تشریح: **قوله ما استحللتم به الفروج:** علمانے اس کی مختلف شرحیں کی ہیں:

اول: قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہاں شروط سے مراد مہر ہے کیونکہ یہی بضع کے مقابلہ میں آتا ہے۔

ثانی: عند البعض اس میں وہ تمام اشیاء مراد ہیں جن کی عورت مستحق ہوتی ہے یعنی مہر، نان ونفقہ اور حسن معاشرت وغیرہ۔

ثالث: عند البعض اس سے مراد وہ تمام شرائط ہیں جو خاوند نے رغبت کے طور پر لگائی تھیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ اور اکثر علماء کہتے ہیں یہ سب اس بات پر محمول ہیں کہ ایسی شرائط لگانا جو مقتضاء عقد کے خلاف نہ ہوں۔ پھر شرطیں تین قسم کی ہیں۔

اوّل: وہ شرائط جو عقد نکاح کی مقتضی ہیں جیسے مہر کی شرط، نان ونفقہ کی شرط یہ شرطیں ثابت ہوں گی خواہ وہ شرطیں لگائی جائیں یا نہ

لگائی جائیں اس لئے کہ جو عقد کا مقتضی ہے وہ شرطیں بھی اگر ثابت نہیں ہوں گی تو نکاح کا کیا فائدہ ہے۔

ثانی: وہ شرائط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں مثلاً عورت نے شرط لگائی کہ وہ صحبت نہیں کرنے دے گی یا مرد نے شرط لگائی کہ وہ نان ونفقہ نہیں دے گا یہ شرطیں مقتضاء عقد کے خلاف ہیں لہٰذا یہ شرطیں کالعدم ہیں۔ اگر ایسی شرائط نکاح میں لگائی گئیں تو وہ شرطیں باطل ہوجائیں گی اور نکاح صحیح ہوجائے گا۔

ثالث: وہ شرائط نہ تو مقتضاء عقد ہوں اور نہ ہی اس کے خلاف ہوں۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ لڑکی رخصت ہوکر شوہر کے گھر نہیں جائے گی بلکہ لڑکا لڑکی کے گھر رہے گا۔ یا یہ شرط لگانا کہ شوہر دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔ ان شرطوں کو قبول کرنے کی وجہ سے نکاح ہوا، اگر یہ شرطیں قبول نہ کی جاتیں تو نکاح نہ ہوتا۔ ایسی شرطیں دیانۃً تو لازم ہیں قضاءً لازم نہیں۔ دیانۃً کا مطلب ہے کہ دینداری کے پیش نظر اور قضاءً کا مطلب ہے عدالت کے ذریعے سے جس پر عمل کروانا ضروری ہو۔ بہرحال ایسی شرطوں کو دینداری سے پورا کرنا چاہیے قضاء حکم نہیں لگایا جائے گا وہ شرط کے باوجود بیوی کو رخصت کرکے میکے سے سسرال لے جاسکتا ہے۔

قسم ثالث میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ، امام اوزاعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے اگر ان شروط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک شروط کی اس تیسری قسم کو پورا کرنا قضاءً ضروری نہیں البتہ دیانۃً پورا کرنا ضروری ہے۔ کمامر

امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کا مسلک امام احمدؒ کے مطابق ذکر کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ساتھ ہیں۔ اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی امام شافعیؒ کا مسلک، امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ذکر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کی دلیل اوّل: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب ہے "قال رسول الله ﷺ ان احق الشروط أن يوفى بها ما استحللتم بها الفروج"۔

جواب اوّل: اس حدیث الباب میں محض ایفاء کی تاکید ہے عدم ایفاء کی صورت میں نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟ یہ حدیث اس بارے میں ساکت ہے ناطق ساکت سے راجح ہے۔

جواب ثانی: مذکورہ حدیث میں قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط کی پہلی قسم پر محمول ہے۔

دلیل ثانی: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو کہ یہاں ترمذی میں موجود ہے "منهم عمر بن الخطاب قال: اذا تزوج رجل امرأة وشرط لها أن لا يخرجها من مصرها، فليس له أن يخرجها"۔

جواب: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مختلف روایات ہیں اس مذکورہ روایت کے خلاف بھی روایت موجود ہے "روى ابن وهب عن عبيد بن لسباق بسند جيد ان رجلا تزوج امرأة فشرط لها أن لا يخرجها من دارها فارتفعوا الى عمر رضی اللہ عنہ فوضع الشرط وقال المرأة مع زوجها" (فتح الملهم ج۲ ص۳۶۰)

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: "عن عائشة رضی اللہ عنہا مرفوعاً كل شرط ليس في كتاب الله فهو باطل"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

سے مرفوع روایت ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں موجود نہ ہو وہ باطل ہے۔

دلیل ثانی: "عن جابر ان النبی ﷺ خطب ام مبشر رضی اللہ عنہا بنت البراء رضی اللہ عنہما فقالت أنی شرطت لزوجی أن لا اتزوج بعده فقال النبی ﷺ ان هذا لا یصلح"۔

دلیل ثالث: "عن عباد قال رفع الی علی رضی اللہ عنہ رجل تزوج امرأة وشرط لها دارها فقال علی رضی اللہ عنہ شرط اللہ قبل شرطها او قبل شرطه ولم یر لها شیئا وشرط اللہ تعالی اسکنوهن من حیث سکنتم"۔

دلیل رابع: "وقال النبی ﷺ المسلمون عند شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا"۔

احناف کہتے ہیں کہ آپ کے نزدیک بھی جو شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہو اس کو پورا کرنا ضروری نہیں اور جن شروط کا عقد تقاضا کرتا ہو وہ سب کے نزدیک لازم ہیں۔ البتہ ان کے علاوہ جو شروط ہیں ان کا پورا کرنا دیانۃً ہمارے نزدیک بھی ضروری ہے کیونکہ مؤمن کی شان یہی ہے کہ وہ وعدہ کو پورا کرے اور فرمان باری تعالیٰ "واوفوا بالعهد ان العهد کان مسئولا" کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن اگر ان شروط کو پورا نہ کرے تو نکاح کے لئے مضر ہوگا یا نہیں۔؟ حدیث الباب اس سے ساکت ہے لہٰذا یہ روایت ہمارے خلاف حجت نہیں جیسا کہ اوپر امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل کی جواب میں گزر چکا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ و سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيلَ يَقُولُ هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالصَّحِيحُ مَا رَوٰى شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ وَغَيْرُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حُدِّثْتُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَإِنَّمَا حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ

ھناد، عبدہ سے وہ سعید بن ابی عروبہ سے وہ معمر سے وہ زہری سے وہ سالم بن عبداللہ سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ، مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ ہی مسلمان ہوگئیں نبی صلی کریم اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ان میں سے چار کا انتخاب کرلیں۔ معمر بھی زہری سے وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے اسی طرح روایت کرتے ہیں میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور وہ صحیح ہے جو شعیب بن حمزہ وغیرہ زہری سے اور وہ محمد بن سوید ثقفی سے نقل کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ زہری کی سالم اور ان کی ان کے والد سے منقول حدیث اور ہے اور وہ یہ کہ بنو ثقیف کے ایک

أَنَّ رَجُلًا مِنْ ثَقِيفٍ طَلَّقَ نِسَاءَهُ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ لَتُرَاجِعَنَّ نِسَاءَكَ أَوْ لَأَرْجُمَنَّ قَبْرَكَ كَمَا رُجِمَ قَبْرُ أَبِي رِغَالٍ وَالْعَمَلُ عَلَى حَدِيثِ غَيْلَانَ بْنِ سَلَمَةَ عِنْدَ أَصْحَابِنَا مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ.

شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دی تو حضرت عمر نے اسے حکم دیا کہ تم ان سے رجوع کرو و گرنہ میں تمہاری قبر کو بھی ابو رغال کی قبر کی طرح رجم کروں گا۔ اس باب میں حضرت غیلان ؓ ہی کی حدیث پر اہل علم کا عمل ہے۔ جن میں امام شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحاقؒ بھی شامل ہیں۔

تشریح: الحاصل جس شخص نے حالت کفر میں کسی عورت سے شادی کی پھر میاں بیوی اکٹھے اسلام لے آئیں تو انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا البتہ چار سے زائد بیویوں کو طلاق ہو جائے گی۔

اختلافی مسئلہ: چار سے زائد کو چھوڑنے کی صورت کیا ہوگی؟

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شوہر کو اختیار ہے جن کو چاہے رکھے اور جن کو چاہے چھوڑ دے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جن عورتوں سے شادی پہلے ہوئی ان میں سے چار کو منتخب کر سکتا ہے اور بعد والیوں کو منتخب نہیں کر سکتا۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے کہ آپ ؐ نے دس میں سے چار کو اختیار کرنے کا حکم دیا پہلے اور بعد کی تخصیص نہیں فرمائی۔

جواب اوّل: حدیث الباب میں تخییر سے مراد اختیار نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کے پاس کل چار عورتیں باقی رہیں گی۔

جواب ثانی: یہ حکم چار سے زائد کی حرمت کے نزول سے پہلے کا ہے پہلے تو جائز تھا لیکن جب حکم نازل ہو گیا تو جائز نہیں۔

دلیل ثانی: اس سے اگلی حدیث ہے کہ نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسلام لانے کے بعد پانچ عورتوں میں سے چار کو رکھنے کا حکم دیا کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل: کفار نکاح وغیرہ کے معاملات میں فروع کے مخاطب ہیں لہٰذا ہم کہیں گے کہ چار کے بعد جو شادیاں ہوئیں وہ منعقد ہی نہیں ہوئیں۔ لہٰذا بعد والی بیویوں کو رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وسمعت محمد بن اسماعیل یقول ھذا حدیث غیر محفوظ والصحیح ما روی شعیب بن ابی حمزۃ وغیرہ عن الزہری.

اس عبارت سے امام بخاریؒ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ غیلان بن سلمہؓ کی مذکورہ روایت جو زہری عن سالم بن عبداللہ عن ابن عمر کی سند سے مذکور ہے یہ روایت اس سند سے نہیں بلکہ اس کی دوسری سند ہے ''شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ عن الزھری، قال: حدثت عن محمد بن سدید الثقفی أن غیلان بن سلمۃ'' اس طریق سے مروی ہے۔ معمر نے مذکورہ روایت کی جو سند ذکر کی ہے وہ دراصل غیلان بن سلمہ کے دوسرے واقعہ کی ہے۔

وہ یہ ہے کہ حضرت غیلانؓ نے اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کا ارادہ کیا تا کہ سارا وقت اللہ کی عبادت میں گزاریں اس بناء پر انہوں نے سب بیویوں کو طلاق دے دی یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو انہوں نے انہیں حکم دیا کہ سب بیویوں کو اپنے نکاح میں واپس لے لیں اور فرمایا اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں مسلمانوں کو حکم دوں گا کہ جس طرح ابو رغال کی قبر پر پتھر ... تمہاری قبر پر بھی پتھر مارے جائیں چنانچہ انہوں نے بیویوں کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا۔

ابوغال کون تھا: اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ابورغال قوم ثمود کا ایک شخص تھا جو عذاب سے بچ گیا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ہاتھی والوں کا رہنما تھا اس لئے اس سے عرب شدید نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ اس کی قبر پر پتھر مارتے تھے یہ روایت ابوداؤد شریف کتاب الخراج ''باب نبش القبور العادیة'' میں آئی ہے۔ فتح مکہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ طائف کا محاصرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو آپؐ نے صحابہ کرام ؓ کو اس کی قبر دکھائی اور یہ علامت بتائی کہ اس کے ساتھ سونے کی ایک چھڑی دفن کی گئی ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اس کی قبر کھودی اور وہ چھڑی نکال لی۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا غلام تھا اور عشر وغیرہ لینے پر مقرر تھا اور اس کی وصولی میں لوگوں پر ظلم کیا کرتا تھا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ ابورغال اس کا نام زید بن مخلف تھا یہ حضرت صالح علیہ السلام کا غلام تھا انہوں نے اس کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے بھیجا یہ صدقات وغیرہ وصول کرنے کے لئے ایک ایسی قوم کے پاس پہنچا جن کے پاس دودھ دینے والی صرف ایک ہی بکری تھی اس قوم والوں میں ایک بچہ ایسا تھا جس کی ماں مرچکی تھی لوگ اس بکری کے دودھ سے اس بچے کی پرورش کررہے تھے۔ ابورغال نے اس بکری کو لینے کا خوب اصرار کیا جبکہ لوگ اس بچے کی وجہ سے اس بکری کو دینے پر راضی نہیں تھے۔

اس پر بعض حضرات نے کہا کہ اس وقت ابورغال پر آسمان سے عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہوگیا۔ ایک قول یہ ہے کہ خود بکری کے مالک نے اسے قتل کردیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو جب اس کے بارے میں پتہ چلا تو آپؑ نے اس (ابورغال) پر لعنت بھیجی۔ (لسان العرب ج ۱۱ ص ۲۹۱ تحت کلمۃ الرغل)

امام بخاریؒ نے اس حدیث کے ضعف کی جو وجہ بیان کی ہے وہ اتنی اہم نہیں ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ زہری عن سالم کی سند سے یہ حدیث مروی نہیں ہے بلکہ اس کی دوسری سند ہے کہ زہری کو یہ حدیث محمد بن سوید ثقفی سے بالواسطہ پہنچی ہے اور زہری کی مراسیل ضعیف ہیں لیکن اس کی دلیل امام بخاریؒ نے نہیں دی۔ ممکن ہے کہ دو مختلف سندوں سے ایک ہی واقعہ مروی ہو۔ اور امام بخاریؒ کا یہ فرمانا کہ زہری عن سالم کی سند سے حضرت غیلان کا طلاق دینے کا واقعہ مروی ہے یہ وجہ بھی کوئی اہم نہیں ہے کیونکہ ایک ہی سند سے دو واقعے مروی ہوسکتے ہیں۔

اس سند پر اصل اعتراض معمر بن راشد بصری کی وجہ سے آیا ہے یہ بصرہ میں قیام پذیر تھے پھر بعد میں انہوں نے یمن میں بود و باش اختیار کرلی جب یہ یمن میں حدیث بیان کرتے تو اپنی کتابیں سامنے رکھ کر بیان کرتے اور جب سفر میں نکلتے تھے تو حافظہ سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔ اس وجہ سے وہم ہوجاتا تھا پس جن لوگوں نے ان سے یمن میں پڑھا ہے جیسے عبدالرزاق صنعانی ہیں ان کی کثیر روایات ہیں تو ایسی روایات معتبر ہیں اور جن طالب علموں نے یمن کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھا ہے ان کی روایات محل نظر ہیں۔ حدیث الباب میں سعید بن ابی عروبہ کی روایت ہے اور وہ بصری ہیں۔ پس ان کی روایت محل نظر ہے یہ ایک معمولی خرابی ہے مگر اس روایت کی شاہد ایک اور روایت ہے کہ ان کے نکاح میں آٹھ بیویاں تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے چار بیویوں کے علاوہ باقی کو علیحدہ رکھنے کا حکم دیا اس کی سند میں اگرچہ ابن ابی لیلی صغیر ہیں مگر ان کا ضعف حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے تھا ان میں اور کوئی خرابی نہیں تھی اس وجہ سے ان کی حدیث شاہد بن سکتی ہے۔

باقی اگر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے تو اس بارے میں اصول یہ ہے کہ جب ضعیف روایت پر اجماع ہوجائے تو مسئلہ قطعی ہو

جاتا ہے جیسا کہ بیس رکعات تراویح کی ضعیف روایت پر امت کا اجماع ہے اس اجماع کی وجہ سے وہ قطعی ہوگئی۔ لہٰذا حدیث کے ضعف کا اس پر اثر نہیں پڑے گا۔ اسی طرح یہاں بھی حدیث الباب کے ضعف کا مسئلہ ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے جو کہ مسئلہ قطعی بن گیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أُخْتَانِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ أَبِي وَهْبٍ الْجَيْشَانِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ. هٰذَا حديثٌ حسنٌ غريبٌ، وأبو وَهْبٍ الْجَيْشَانِيُّ: اسْمُهُ الدَّيْلَمُ بْنُ هُوشَعٍ.

قتیبہ، ابن لہیعہ سے وہ ابی وہب جیشانی سے انہوں نے ابن فیروز دیلمی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپؐ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کو چاہو اپنے لئے منتخب کرلو، یہ حدیث حسن غریب ہے ابو وہب جیشانی، کا نام دیلم بن ہوشع ہے۔

تشریح: اگر کسی نے حالت کفر میں دو بہنوں کے ساتھ نکاح کیا تو اس کے لئے اسلام لانے کے بعد کیا حکم ہے اس میں ائمہ کا وہی اختلاف ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس کو چاہے وہ اپنے پاس رکھے اور جس کو چاہے چھوڑ دے۔

قول ثانی: امام صاحبؒ کے نزدیک اگر اس نے بیک وقت دونوں سے عقد کیا تو اسلام لانے کے بعد کسی ایک کو بھی اپنے نکاح میں برقرار رکھنا جائز نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر آگے پیچھے نکاح کیا تو پہلے والی کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے اور دوسری کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَشْتَرِي الْجَارِيَةَ وَهِيَ حَامِلٌ

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ بُسْرِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَسْقِ مَاءَهُ وَلَدَ غَيْرِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ لِلرَّجُلِ إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً وَهِيَ

عمر بن حفص شیبانی بصری، عبداللہ بن وہب، یحییٰ بن ایوب سے وہ ربیعہ بن سلیم سے وہ بسر بن عبید اللہ سے وہ حضرت رویفع بن ثابتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنا پانی، دوسرے کی اولاد کو نہ پلائے۔ یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے رویفع بن ثابتؓ ہی سے منقول ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی باندی کو حاملہ ہوتے ہوئے خریدے تو بچہ

حَامِلٌ أَنْ يَطَأَهَا حَتّٰى تَضَعَ وَفِي الْبَابِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَبِي الدَّرْدَاءِ وَالْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ.

پیدا ہونے تک اس سے جماع نہ کرے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، ابودرداء، عرباض بن ساریہ اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔

تشریح: کسی شخص نے باندی خریدی وہ باندی حاملہ نکلی تو مشتری کے لئے اس کے ساتھ مباشرت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کا وضع حمل نہ ہو جائے۔ اور یہی حکم اس باندی کا بھی ہے جو زنا سے حاملہ ہوئی ہو اس کے ساتھ نکاح تو جائز ہے مگر اس کا شوہر اس کے ساتھ اس وقت تک وطی نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ وہ بچہ پیدا نہ کرلے اگر اس کے ساتھ زنا کرنے والے کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو وہ وطی کرسکتا ہے۔ یعنی ملکیت تو بدل جائے گی البتہ استبراء رحم ضروری ہے یہ سارے احکام اس لئے لاگو ہوتے ہیں تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو کسی کا بچہ دوسرے کی طرف منسوب نہ ہو جائے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْبِي الْأَمَةَ وَلَهَا زَوْجٌ هَلْ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَطَأَهَا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ الْبَتِّيُّ عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ وَلَهُنَّ أَزْوَاجٌ فِي قَوْمِهِنَّ فَذَكَرُوا ذٰلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ {وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ} هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهٰكَذَا رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ عَنْ عُثْمَانَ الْبَتِّيِّ عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبُو الْخَلِيلِ اسْمُهُ صَالِحُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ وَرَوَى هَمَّامٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ أَبِي عَلْقَمَةَ الْهَاشِمِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ هِلَالٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ.

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جنگ اوطاس کے موقع پر کچھ ایسی عورتیں قید کیں جو شادی شدہ تھیں اور ان کے شوہر بھی اپنی اپنی قوم میں موجود تھے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی (**وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** النساء) یہ حدیث حسن ہے۔ انہوں نے ثوری، عثمان بتی سے وہ ابوخلیل سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی حدیث کی مثل بیان کرتے ہیں ابوخلیل کا نام صالح بن ابی مریم ہے۔ ہمام سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے صالح، ابی خلیل، ابی علقمہ سے انہوں نے ابوسعید سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ ہم سے روایت کی عبد بن حمید نے انہوں نے حبان بن ہلال سے انہوں نے ہمام سے۔

تشریح: اگر جنگ میں شادی شدہ عورت قید کرلی جائے اور اس کا شوہر قتل ہو جائے تو پھر مسئلہ واضح ہے لیکن اگر شوہر زندہ ہو اور وہ عورت کسی فوجی کو دے دی جائے اور اس نے باندی بنالی تو نکاح ختم ہو گیا۔ اس کے استبراء رحم کے بعد آقا کے لئے اس سے صحبت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: عورتیں اپنے شوہر سے جب جدا ہو جائیں گی تو سبب فرقت کیا چیز ہوگی؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اورامام مالکؒ کے نزدیک اگر کافرہ عورت کو مسلمان قید کر کے لے آئیں تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوجاتی ہے مسلمان غازی کے لئے حلال ہوجائے گی۔ شوہر خواہ ان کے ساتھ ہو یا نہ ہو گویا ان کے نزدیک سبب فرقت قید ہونا ہے اور یہی امام احمدؒ کا مشہور قول ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سبب فرقت تباین دارین ہے فقط قید کرنا نہیں لہٰذا زوجہ کے ساتھ اگر اس کا شوہر بھی آجائے تو فرقت نہیں ہوگی اور ایسی عورت غازی کے لئے حلال نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین کی عورتیں قید کر کے لائے تھے اور ان سے وطی کرنے میں شک کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "والمحصنات من النساء" آپ ﷺ نے اس کی تفسیر کردی "فهن لهم حلال اذا انقضت عدتهن" اس میں شوہر کیساتھ ہونے یا نہ ہونے کی قید نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً قید ہونا سبب فرقت ہے۔

جواب: آپ کی پیش کردہ دلیل میں فرقت کا سبب قید ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ دوسرے طریق سے معلوم ہوتا ہے کہ تباین دارین سبب فرقت ہوا جیسا کہ غزوہ اوطاس میں ان عورتوں کے مرد پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے تھے ان کی عورتوں کو پکڑ لیا گیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی تو یہ آیت تباین دارین والی عورتوں کے متعلق ہے مطلقاً قید ہوکر آنے والی عورتوں کے متعلق نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: اگر کوئی عورت دار الحرب سے دار الاسلام میں مسلمان ہوکر آجائے یا ذمی بن کر آجائے اور اس کا شوہر ساتھ نہ ہو تو سب حضرات کے نزدیک فرقت واقع ہوجاتی ہے جیسا کہ مہاجرات کے بارے میں آیا ہے "لا جناح عليكم ان تنكحوهن الآية" جبکہ یہاں قید ہونے کا کوئی ذکر نہیں تو معلوم ہوا کہ تباین دارین سبب فرقت ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ مَهْرِ الْبَغِيِّ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ وَفِي الْبَابِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ أَبِي مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

قتیبہ، لیث سے وہ ابن شہاب سے وہ ابی بکر بن عبد الرحمن سے وہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت، کاہن کی مٹھائی کھانے سے منع فرمایا ہے اس باب میں حضرت رافع بن خدیج، ابو جحیفہ، ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے، حضرت ابو مسعودؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مهر البغی غین کے کسرہ کے ساتھ زانیہ کے معنی میں ہے اس کی جمع بغایا آتی ہے۔ اور "البغی بسکون الغین و تخفیف الیاء" زنا کے معنی میں آتا ہے۔ مہر البغی سے مراد زنا کی اجرت ہے اس پر مہر کا اطلاق مجازاً ہے مہر بغی کا حرام ہونا ظاہر اور متفق علیہ ہے۔

وحلوان الکاهن اس سے مراد کاہن کی اجرت ہے حلوان کا لفظ اگر مطلق بھی بولا جائے تو اس سے اجرت الکاہن مراد ہوتی ہے۔

عرب والے ہر اس شخص کو کاہن کہتے تھے جو غیب کی خبریں جاننے کا دعویٰ کرتا ہو۔

کاہن اور عراف میں فرق: کاہن مستقبل سے متعلق خبریں دیتا ہے اور عرّاف ''موجود'' کے بارے میں بتلاتا ہے جیسا کہ گمشدہ سامان اور چوری شدہ مال کے بارے میں بتلانا کبھی عراف کو بھی کاہن کہہ دیا جاتا ہے۔ حدیث الباب کی رو سے کہانت کی اجرت بھی حرام ہے۔ جو متفق علیہ ہے'' وعن ثمن الکلب '' اس کے متعلق بحث کتاب البیوع میں آئے گا۔

بَاب مَا جَاءَ أَنْ لَا يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَقُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ أَحْمَدُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَلَا يَخْطُبُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ وَفِي الْبَاب عَنْ سَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ إِنَّمَا مَعْنَى كَرَاهِيَةِ أَنْ يَخْطُبَ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَرَضِيَتْ بِهِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَتِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ هَذَا عِنْدَنَا إِذَا خَطَبَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَرَضِيَتْ بِهِ وَرَكَنَتْ إِلَيْهِ فَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَخْطُبَ عَلَى خِطْبَتِهِ فَأَمَّا قَبْلَ أَنْ يَعْلَمَ رِضَاهَا أَوْ رُكُونَهَا إِلَيْهِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَخْطُبَهَا وَالْحُجَّةُ فِي ذَلِكَ حَدِيثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ حَيْثُ جَاءَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّ أَبَا جَهْمِ بْنَ حُذَيْفَةَ وَمُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ خَطَبَاهَا فَقَالَ أَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ لَا يَرْفَعُ عَصَاهُ عَنِ النِّسَاءِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لَا مَالَ لَهُ وَلَكِنِ انْكِحِي أُسَامَةَ فَمَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَنَا وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے قتیبہ نے کہا ابوہریرہؓ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے تھے اور احمد نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ ہی اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام بھیجے۔ اس باب میں حضرت سمرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ پیغام نکاح پر پیغام دینے کی ممانعت سے یہ مراد ہے کہ اگر کسی نے نکاح کا پیغام دیا اور عورت اس پر راضی بھی ہوگئی تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کے پاس پیغام بھیجے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغام سے وہ راضی ہوئی اور اس کی طرف مائل ہوگئی تو اب کوئی دوسرا اس کی طرف نکاح کا پیغام نہ بھیجے لیکن اس کی رضامندی اور میلان سے پہلے پیغام نکاح بھیجنے میں کوئی حرج نہیں اس کی دلیل حضرت فاطمہ بنت قیسؓ والی روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ ابوجہم بن حذیفہ اور معاویہ بن سفیان نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے آپؐ نے فرمایا ابوجہم تو ایسا شخص ہے کہ عورتوں کو بہت مارتا ہے اور معاویہ مفلس ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں لہذا تم اسامہ سے نکاح کرلو ہمارے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ نے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ رضامندی کا اظہار نہیں کیا

فَاطِمَةَ لَمْ تُخْبِرْهُ بِرِضَاهَا بِوَاحِدٍ مِنْهُمَا وَلَوْ أَخْبَرَتْهُ لَمْ يُشِرْ عَلَيْهَا بِغَيْرِ الَّذِي ذَكَرْتُهُ.

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي الْجَهْمِ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَحَدَّثَتْنَا أَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةً قَالَتْ وَوَضَعَ لِي عَشَرَةَ أَقْفِزَةٍ عِنْدَ ابْنِ عَمٍّ لَهُ خَمْسَةً شَعِيرًا وَخَمْسَةً بُرًّا قَالَتْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ قَالَتْ فَقَالَ صَدَقَ فَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ ثُمَّ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بَيْتَ أُمِّ شَرِيكٍ بَيْتٌ يَغْشَاهُ الْمُهَاجِرُونَ وَلٰكِنِ اعْتَدِّي فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ فَعَسٰى أَنْ تُلْقِي ثِيَابَكِ وَلَا يَرَاكِ فَإِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُكِ فَجَاءَ أَحَدٌ يَخْطُبُكِ فَآتِينِي فَلَمَّا انْقَضَتْ عِدَّتِي خَطَبَنِي أَبُو جَهْمٍ وَمُعَاوِيَةُ قَالَتْ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ أَمَّا مُعَاوِيَةُ فَرَجُلٌ لَا مَالَ لَهُ وَأَمَّا أَبُو جَهْمٍ فَرَجُلٌ شَدِيدٌ عَلَى النِّسَاءِ قَالَتْ فَخَطَبَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ فَتَزَوَّجَنِي فَبَارَكَ اللّٰهُ لِي فِي أُسَامَةَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ حَسَنٌ وَقَدْ رَوَاهُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ نَحْوَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَزَادَ فِيهِ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْكِحِي أُسَامَةَ حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ نَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي الْجَهْمِ بِهٰذَا.

کیونکہ اگر انہوں نے آپ کو بتایا ہوتا کہ وہ کسی ایک کے ساتھ راضی ہیں تو آپ کبھی انہیں اسامہ سے شادی کا مشورہ نہ دیتے۔

ابوبکر بن ابوجہم نقل کرتے ہیں کہ میں اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، فاطمہ بنت قیسؓ کے پاس گئے تو انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر نے انہیں تین طلاقیں دے دیں اور ان کے لئے نہ رہائش کا بندوبست کیا نہ نان نفقہ کا۔ البتہ اس نے اپنے چچازاد بھائی کے پاس دس قفیز غلہ رکھوایا جس میں سے پانچ جو کے اور پانچ گیہوں کے ہیں فاطمہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا ماجرا سنایا آپؐ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ام شریک کے ہاں عدت گزاروں لیکن پھر آپؐ نے فرمایا ام شریک کے ہاں تو مہاجرین کا آنا جانا ہے تم ابن ام مکتومؓ کے گھر عدت گزارو۔ کیونکہ اگر وہاں تمہیں کپڑے وغیرہ اتارنے پڑ جائیں تو تمہیں دیکھنے والا کوئی نہیں پھر جب تمہاری عدت پوری ہو جائے اور کوئی نکاح کا پیغام بھیجے تو میرے پاس آنا فاطمہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہوئی تو ابوجہم، اور معاویہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا معاویہ کے پاس تو مال نہیں ہے اور ابوجہم عورتوں کے معاملے میں بہت سخت ہے فاطمہ بنت قیسؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد مجھے اسامہ بن زید نے پیغام نکاح بھیجا اور اس کے بعد مجھ سے نکاح کیا اللہ نے مجھے حضرت اسامہ کے سبب سے برکت عطاء فرمائی۔ یہ حدیث حسن ہے سفیان ثوری بھی ابوبکر بن جہم سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اسامہ سے نکاح کرلو۔ بیان کی یہ بات محمود بن غیلان نے وکیع سے انہوں نے سفیان سے انہوں نے ابوبکر بن ابی جہم سے۔

تشریح: لا یبیع الرجل علی بیع اخیه: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی سامان خریدے اور اپنے لئے خیار رکھ لے پھر کوئی آدمی اس مشتری سے کہے کہ شراء کے اس معاملہ کو ختم کردو میں تمہیں یہی چیز اس سے کم پیسوں میں دوں گا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری صورت ہے شراء علی شراء اخیه کی۔ اس کی صورت ہے کہ خیار شرط بائع کو حاصل ہو اب کوئی دوسرا آدمی بائع سے کہے کہ اس بیع کو ختم کردو میں یہی چیز اس سے زائد ثمن دے کر خرید لیتا ہوں یہ دونوں صورتیں حدیث باب کی رو سے ممنوع ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور صورت ہے "سوم علی سوم اخیه" یعنی بائع اور مشتری کسی ثمن پر متفق ہو جائیں اور بیع کی طرف مائل ہو جائیں اتنے میں تیسرا آدمی آکر بائع سے کہے کہ تم سے یہ چیز میں خرید لیتا ہوں یہ صورت ایک اور حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کی رو سے ممنوع ہے "ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی أن یستام الرجل علی سوم أخیه" (صحیح مسلم ۲ ص ۳ کتاب البیوع باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیه)۔

اسی وجہ سے بعض حضرات نے بیع علی بیع اخیه سے "سوم علی سوم أخیه" مراد لیا ہے۔

ولا یخطب علی خطبة اخیه: نکاح کا پیغام بھیجنے کے سلسلہ میں تین صورتیں بنتی ہیں ① اگر عورت نے کسی کے نکاح کے خطبہ کو خود قبول کیا یا کسی کو ولی نے قبول کرنے کی اجازت دی تو اس صورت میں بالاتفاق کسی دوسرے شخص کا پیغام نکاح بھیجنا حرام ہے ② اگر عورت نے کسی کے نکاح کے پیغام کو مسترد کردیا تو اس صورت میں بالاتفاق دوسرا شخص پیغام نکاح بھیج سکتا ہے ③ کسی عورت نے کسی کے خطبہ نکاح کی طرف صرف میلان کیا ہے تو اس صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق کسی خطبہ کی طرف کے میلان کی صورت میں کسی اور کیلئے نکاح کا پیغام بھیجنا جائز نہیں ہے۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ اور مالکیہ کے نزدیک اس صورت میں پیغام نکاح دینا جائز ہے۔ شوافعؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

اختلافی مسئلہ: کسی اور کی منسوبہ کو پیغام بھیج کر نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں۔

قول اوّل: داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا دخول ہو جائے یا نہ۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے ہاں تین قول ہیں۔ ① ایک احناف کے قول کی طرح ② شوافع کے قول کی طرح ③ قبل الدخول فسخ ہو جائے گا اور بعد الدخول فسخ نہیں ہوگا۔ **قول ثالث:** جمہور حضرات کے نزدیک اس کا یہ نکاح معتبر ہوگا لیکن وہ گناہ گار ہوگا۔

داؤد ظاہریؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے۔

جواب: یہاں نہی بطور تادیب کے ہے جو جمہور علماء کے نزدیک نہی تحریمی ہے۔

سوال: حدیث میں ہے "حتی ینکح او یترك" کہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ بھائی نکاح کرلے یا چھوڑ دے، جب اس بھائی نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا تو اس کی منکوحہ بن گئی اب منکوحہ کو پیغام نکاح کیسے دیا جاسکتا ہے؟

جواب اوّل: یہ کلام تعلیق بالمحال کے طور پر ہے کہ بالفرض والمحال اگر یہ شخص پیغام نکاح دے سکتا ہوتا تو دے دیتا لیکن چونکہ نکاح پر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں لہٰذا پیغام نہ دے۔

جواب ثانی: اس عبارت میں ذرا پیچیدگی ہے یہاں حتی بمعنی "کی" کے ہے اور "او" بمعنی "الی ان" کے ہے،

''ینکح'' کی ضمیر نئے انسان کی طرف راجح ہے اور ''یترك'' کی ضمیر اس مسلمان بھائی کی طرف راجح ہے تو اس کا مطلب یوں ہوگا کہ کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے تا کہ اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرنے یہاں تک کہ اس کا مسلمان بھائی اس عورت کو چھوڑ دے اس صورت میں نہی کا غایہ ''ترك'' بنے گا ''ینکح'' نہیں۔ فلا اعتراض

والحجة فی ذلك: امام شافعیؒ کی دلیل فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت ہے ان کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر نے پہلے ان کو ایک طلاق دی تھی لوگوں نے صلح کروا کر رجوع کرا دیا تھا کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ ان کے شوہر نے دوسری طلاق دے دی پھر لوگوں نے رجوع کروا دیا۔ لیکن پھر بھی کچھ عرصہ گزرا ان دونوں کے درمیان گزارہ نہیں ہو سکا ان کو بھی معلوم تھا کہ اگر اب میں نے طلاق دی تو لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے اور ادھر فاطمہ بنت قیس اونچے خاندان کی تھیں۔ ان کے شوہر نے ایک منصوبہ بنایا کہ اپنے چچا زاد بھائی کے پاس دس قفیز غلہ رکھا (ایک قفیز انتالیس کلو کا ہوتا ہے) پانچ قفیز جو کے اور پانچ قفیز گیہوں کے اس زمانہ میں گیہوں ہر کسی کو میسر نہیں تھے۔ ان کے شوہر نے پانچ قفیز جو کے ساتھ پانچ قفیز گیہوں بھی رکھے۔ اور بھائی کو سمجھا کر سفر میں نکل گئے اور وہاں سے چچا زاد بھائی کے نام خط لکھا جس میں انہوں نے تیسری طلاق لکھ دی چچا زاد بھائی نے وہ خط اور غلہ ان کو پہنچایا وہ آگ بگولہ ہو گئیں۔ مگر لڑتیں کس سے شوہر تو سفر پر ہے۔ غصہ کی حالت میں آپ ﷺ کے پاس پہنچیں اور سارا ماجرہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا صَدَقَ یعنی تمہارے شوہر نے تمہارے لئے جو نفقہ رکھا ہے وہ تمہارا حق ہے انہوں نے وہ نفقہ قبول نہیں کیا اور حضورؐ نے بھی زیادہ نہیں دلوایا چونکہ شوہر گھر پر موجود نہیں تھا اس لئے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی نندوں اور ساس وغیرہ سے لڑتیں اس لئے آپؐ نے فرمایا تم اپنی عدت ام شریک کے گھر میں گزارو۔ یہ ایک انصاری خاتون تھیں اور بوڑھی تھیں اور بہت سخت تھیں مہاجرین کی کثرت سے دعوت کرتی تھیں جب حضرت فاطمہؓ جانے لگیں تو آنحضور ﷺ نے ان کو بلایا اور فرمایا ام شریک مہاجرین کی بکثرت دعوت کرتی ہیں ان کے گھر پر مہاجرین کا ہجوم رہتا ہے اس لئے تم ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارو کیونکہ کسی دن اگر تم نے کپڑے کم پہنے ہوں گے تو وہ تمہیں نہیں دیکھیں گے وہ نابینا ہیں (لیکن یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے) اور اس پر آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ عدت کے بعد اگر کوئی نکاح کا پیغام آئے تو مجھ سے مشورہ کئے بغیر جواب نہ دینا۔

جب ان کی عدت پوری ہوئی تو دو شخصوں کی جانب سے نکاح کا پیغام آیا۔ ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اور دوسرا حضرت ابوالجہم رضی اللہ عنہ کی طرف سے انہوں نے کسی کو جواب نہیں دیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا معاویہ تو تنگ دست ہیں وہ تمہارا خرچہ برداشت نہیں کریں گے اور ابوالجہم عورتوں کے سر سے ڈنڈا نہیں ہٹاتے اور تم اونچے خاندان کی ہو مار برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اسامہ سے شادی کر لو۔ حضرت اسامہؓ آپؐ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کے لڑکے تھے ان کا رنگ تھوڑا سیاہی مائل تھا۔ اور حضرت فاطمہؓ گوری تھیں اس لئے پہلے تو انہوں نے رشتہ سے انکار کیا جب نبی کریم ﷺ نے اصرار فرمایا تو وہ راضی ہو گئیں تو حضرت اسامہؓ سے نکاح ہو گیا پھر اس کے بعد ان دونوں کے تعلقات پر مدینہ منورہ کی عورتیں رشک کرتی تھیں۔

یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب تک لڑکی صرف خطبہ میں ہو تو ہر کوئی اس کو نکاح کا پیغام بھیج سکتا ہے امام شافعیؒ اور حنفیہ کا یہ مستدل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَزْلِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا نَعْزِلُ فَزَعَمَتِ الْيَهُودُ أَنَّهَا الْمَوْءُودَةُ الصُّغْرٰى فَقَالَ كَذَبَتِ الْيَهُودُ إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْلُقَهُ فَلَمْ يَمْنَعْهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَالْبَرَاءِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ.

محمد بن عبدالملک بن ابی شوارب، یزید بن زریع، معمر سے وہ یحیٰی بن ابی کثیر سے وہ محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم عزل کیا کرتے تھے لیکن یہود کے خیال میں یہ زندہ درگور کرنے کی چھوٹی قسم ہے آپؐ نے فرمایا یہود جھوٹ بولتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے کوئی چیز بھی روک نہیں سکتی۔ اس باب میں حضرت عمر، براء، ابوہریرہ، ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي الْعَزْلِ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ تُسْتَأْمَرُ الْحُرَّةُ فِي الْعَزْلِ وَلَا تُسْتَأْمَرُ الْأَمَةُ.

قتیبہ اور ابن ابی عمر نے کہا سفیان بن عیینہ سے وہ عمرو بن دینار سے وہ عطاء سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم قرآن کے نازل ہونے کے زمانے میں عزل کیا کرتے تھے۔ حدیث جابرؓ حسن صحیح ہے۔ یہ حدیث حضرت جابرؓ ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض صحابہ کرام اور علماء نے عزل کی اجازت دی ہے امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں کہ آزاد عورت سے اجازت لے کر عزل کیا جائے اور لونڈی سے عزل کے لئے اجازت ضروری نہیں۔ (امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے)۔

تشریح: عزل کے معنی: اس کے لغوی معنی ہیں جدا کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں جماع کے وقت فرج کے بجائے باہر منی نکالنا تاکہ حمل نہ ٹھہرے۔ امام ترمذیؒ نے عزل کے بارے میں دو باب قائم کئے ہیں پہلا باب مبہم ہے یا مطلق جبکہ دوسرے باب میں کراہت کا لفظ بڑھایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک عزل ناپسندیدہ ہے۔

حمل سے روکنے کی چند صورتیں:

الاوّل: مرد یا عورت میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ کچھ عرصہ تک تولید رک جائے مگر اس کے بعد تولید شروع ہو سکتی ہے ایسا طریقہ عورت میں ہو سکتا ہے مثلاً موجودہ دور میں ایک آلہ ہے جس کو بچہ دانی کے منہ پر رکھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے بچہ دانی کا منہ تو بند نہیں ہوتا لیکن حمل نہیں ٹھہرتا پھر جب بچہ کی خواہش ہوتی ہے تو اس آلہ کو نکال دیتے ہیں پھر اس سے اس کی تولید شروع ہو جاتی ہے۔

الثانی: ایسا عمل جراحی کرنا جس سے ہمیشہ کے لئے قوت تولید ختم ہو جائے مثلاً عورت کی بچہ دانی نکال دی جائے یا مرد کی نس بندی

کر دیتے ہیں اس کی وجہ سے شہوت تو بحال رہتی ہے البتہ جرثومے آنے بند ہو جاتے ہیں۔

الثالث: مرد و عورت دونوں مل کر ایسا عارضی طریقہ اختیار کریں جس کا اثر ایک صحبت تک یا ایک رات تک رہے ایسا طریقہ مرد میں استعمال ہوتا ہے کوئی ربڑ وغیرہ استعمال کی جاتی ہے یا عورت کی اندام نہانی میں کوئی گولی رکھ دی جاتی ہے جس سے جرثومے مر جاتے ہیں اور حمل قرار نہیں پکڑتا۔

منع حمل کی نیتیں: **الاول:** روزی کا مسئلہ انسان یہ سوچ کر حمل کو روک لے کہ اگر بچے پیدا ہوں گے تو ان کو کہاں سے کھلاؤں گا ان کا پیٹ کہاں سے بھروں گا گویا یہ مخلوق کا رزاق ہے۔

الثانی: یا اس وجہ سے حمل سے روکنا تاکہ خوش عیشی سے پریشان نہیں ہوں گے اگر بچہ ہو لیا تو آرام سے سو نہیں سکیں گے ادھر ادھر گھومنے پھرنے آنے جانے میں پریشانی ہوگی۔

الثالث: یا اس میں عورت کی مصلحت یا پیدا شدہ بچوں کی مصلحت ہو مثلاً عورت کمزور ہو یا آپریشن سے بچہ پیدا ہوا ہو اور اب ولادت سے اس کی جان کو خطرہ ہے یا یہ اندیشہ ہے کہ اگر حمل جلدی ٹھہر جائے گا تو دودھ پینے والے بچے کی صحت متاثر ہوگی یا اس کی تربیت نہیں ہو سکے گی تو دیندار ماہر حکیم ڈاکٹر کہہ دے تو پھر اجازت ہے۔

احکامات: قوت تولیدی کو عمل جراحی کے ذریعے سے ختم کر لینا شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ تو خصی ہونا ہے اس کی سخت ممانعت ہے۔ ارشاد پاک ہے "**ولآمرنهم فليغيرن خلق الله**" شیطان نے کہا میں ضرور لوگوں کو تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ کی بناوٹ کو بگاڑیں گے اور احادیث میں خصی ہونے کی ممانعت آئی ہے۔ اس طرح عورتوں میں بچہ دانی نکلوانے کا رواج عام ہو چکا ہے بغیر عذر کے اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر گزرا ہے۔

منع حمل سے دوسرا طریقہ بھی عزل کے حکم میں ہے اگرچہ یہ لمبے وقت کے لئے عزل ہے اور منع حمل کا تیسرا طریقہ تو اصل عزل ہی کی صورت ہے۔ ناقی روزی دینے کے ڈر سے ایسا کرنا ایمان کی کمزوری ہے کیا کوئی مؤمن یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ رزق رساں ہے اللہ تعالیٰ جس نفس کو دنیا میں بھیجتے ہیں اس کو کھانے کے لئے ایک منہ دیتے ہیں تو دو ہاتھ کمانے کے لئے بھی دیتے ہیں۔

خوش عیشی کے لئے منع حمل کا کوئی طریقہ اپنانا مقصد نکاح کے خلاف ہے اسلام میں نکاح کا اہم مقصد عفت اور پاک دامنی ہے۔ اور دوسرا مقصد افزائش نسل ہے۔ بس تین اقسام کو تین سے ضرب دیں گے تو کل نو صورتیں ہوئیں۔

قوت تولید کو ختم کرنا	رزق کے ڈر کی وجہ سے	یہ حرام اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے
قوت تولید کو ختم کرنا	خوش عیشی کی وجہ سے	یہ بھی حرام ہے اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی ہے
قوت تولید کو ختم کرنا	عورت یا بچہ کی مصلحت کی وجہ سے	یہ بھی حرام ہے مگر عذر کی حالت میں گنجائش ہے
وقتی طور پر حمل روک دینا	رزق کے ڈر کی وجہ سے	یہ مکروہ اور ایمان کی کمزوری ہے
وقتی طور پر حمل کو روک دینا	خوش عیشی کے مقصد کے لئے	برا اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی ہے
وقتی طور پر حمل کو روک دینا	عورت یا بچے کی مصلحت کی وجہ سے	[illegible] میں گنجائش ہے
[illegible] روک دینا	رزق کے ڈر کی وجہ سے	[illegible] ایمان کی کمزوری

لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	خوش عیشی کے مقصد سے	مکروہ تحریمی اور مقصد نکاح کی خلاف ورزی
لمبی مدت کے لئے تولید روک دینا	عورت یا بچے کی مصلحت کی بناء پر	برا ہے لیکن مجبوری میں گنجائش ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْعَزْلِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ وَقُتَيْبَةُ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ قَزَعَةَ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ ذُكِرَ الْعَزْلُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ أَحَدُكُمْ زَادَ ابْنُ أَبِي عُمَرَ فِي حَدِيثِهِ وَلَمْ يَقُلْ لَا يَفْعَلْ ذَاكَ أَحَدُكُمْ قَالَا فِي حَدِيثِهِمَا فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَفْسٌ مَخْلُوقَةٌ إِلَّا اللهُ خَالِقُهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَقَدْ كَرِهَ الْعَزْلَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ.

ابن ابی عمر وقتیبہ نے کہا سفیان بن عیینہ سے وہ ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے وہ قزعہ سے وہ ابی سعید سے وہ سفیان بن حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عزل کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا کیوں کرتا ہے ابی ابن عمر اپنی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے دونوں راوی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نفس نے پیدا ہونا ہے اللہ اسے ضرور پیدا کرے گا۔ اس باب میں حضرت جابرؓ سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوسعید، حسن صحیح ہے اور ابوسعید ہی سے کئی سندوں سے منقول ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے علماء کی ایک جماعت نے عزل کو ناپسند کیا ہے۔

تشریح: امام ترمذیؒ کے پہلے استاد ابن ابی عمر کی حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے **لا یفعل ذاك احد کم** نہیں فرمایا پھر دونوں اساتذہ کی حدیث متفق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک نہیں ہے کوئی پیدا ہونے والی جان مگر اللہ اس کو پیدا کرنے والے ہیں یعنی جس کا بچہ پیدا ہونے والا ہے وہ ضرور پیدا ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقِسْمَةِ لِلْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَقُولَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیکن انسؓ نے یہی فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص پہلی بیوی پر کنواری لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات راتیں گزارے اور اگر بیوی کے ہوتے ہوئے کسی بیوہ پر نکاح کرے تو اس کے پاس تین راتیں

امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَفَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَنَسٍ وَلَمْ يَرْفَعْهُ بَعْضُهُمْ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً بِكْرًا عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا ثُمَّ قَسَمَ بَيْنَهُمَا بَعْدُ بِالْعَدْلِ وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ عَلَى امْرَأَتِهِ أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا.

گزارے۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے حدیث انسؓ حسن صحیح ہے یہ حدیث محمد بن اسحاق عن ایوب عن ابی ابوقلابہ انس مرفوعاً بھی روایت ہے۔ بعض حضرات نے اسے غیر مرفوع روایت کیا ہے۔ بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کنواری لڑکی سے نکاح کرے تو اس کے پاس سات راتیں گزارے اور اگر بیوی کے ہوتے ہوئے کسی بیوہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین دن گزارے۔

تشریح: مسئلہ: باکرہ اور ثیبہ کے درمیان تقسیم لیالی کا حکم؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ، امام اسحاق، امام ابوثور وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرا نکاح کرے اگر اس کی بیوی باکرہ ہے تو اس کے ساتھ سات دن گزارے اور اگر ثیبہ ہو تو تین دن گزارے یہ مدت باری سے خارج ہوگی۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور حمادؒ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ ایام قسم سے خارج نہیں بلکہ یہ بھی باری میں شمار ہوں گے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حدیث الباب ائمہ ثلاثہ کا مستدل ہے۔

جواب: اس حدیث میں باکرہ کے پاس سات دن اور ثیبہ کے پاس تین دن گزارنے کا ذکر ہے لیکن اس کے بعد کا ذکر نہیں۔ اس لئے یہ حدیث ساکت اور مجمل ہے جبکہ حضرت ام سلمہؓ اور دوسری احادیث میں اس کی تفصیل ہے لہٰذا مجمل کو مفصل پر محمول کیا جائے گا۔

احناف کے دلائل: دلیل اوّل: ان کا استدلال ان آیات سے ہے جن میں تقسیم بین الزوجات کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ''فان خفتم الا تعدلوا فواحدةً او ما ملکت ایمانکم'' ''ولن تستطیعوا أن تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة''۔ ان آیات میں زوجات کے درمیان عدل کو واجب قرار دیا گیا ہے اس میں ابتدائی ایام یا انتہائی ایام کی کوئی تفریق نہیں کی گئی۔

دلیل ثانی: اگلے باب ''باب ماجاء فی التسویة بین الضرائر'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آرہی ہے ''عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کان عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیامة وشقه ساقط''۔

دلیل ثالث: عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائه فیعدل ویقول اللّٰهم هٰذا قسمی فیما املك فلا تلمنی فیما تملك ولا املك۔

سوال: دارقطنی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں ''لیس بك هوان علی اهلك ان شئت اقمت معك ثلاثاً خالصةً لك وان شئت سبعت لك ثم سبعت لنسائی فقالت تقیم معی ثلاثاً خالصةً'' یہاں پر تو صرف تین راتیں گزارنے کا ذکر ہے۔

جواب اوّل: یہ روایت واقدی کے طریق سے ہے اس لئے یہ ضعیف ہے۔

جواب ثانی: خود واقدی سے سنن دار قطنی ہی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت ہے ''البکر اذا نکحھا رجل و لہ نساء لھا ثلاث لیال و للثیب لیلتان'' اس طرح اس روایت میں اور پچھلی روایت میں تعارض ہو گیا لہٰذا یہ ساقط ہو جائیں گی۔

اس کے برخلاف ابن ابی حاتم نے علل میں ''ابو قتیبۃ عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن عن ام سلمۃ'' کے طریق سے روایت ذکر کی ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما خطبھا قال لھا ان شئت سبعت لك، وان سبعت لك، سبعت لنسائی، وان شئت زدت فی مھرك وزدت فی مھورھن''

اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ اس حدیث کے الفاظ ''لما خطبھا قال لھا'' اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبل التزوج بھی ازواج کے سلسلہ میں برابری کی رعایت رکھتے تھے یہاں تک کہ مہر میں بھی برابری کا اہتمام فرماتے تھے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس شروع میں اس طرح تین دن رہے ہوں کہ وہ تین ایام انہی کے ساتھ خاص ہوں اور باری میں محسوب نہ ہوں۔

اگر تین دن خالص حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حق تھا تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ اگر آپ تسبیع پر عمل کرتے اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس سات دن رہتے تو تین دن ان کے حق میں محسوب نہ ہوتے اور تمام ازواج کے لئے چار چار دن کی باری ہوتی۔

باقی جن روایات میں تین دن یا سات دن کا ذکر ہے تو ان میں یہ نہیں کہ باقی ازواج کے پاس بھی سات دن یا تین دن نہ ٹھہرے اگر ثیبہ کے پاس تین دن رہے گا تو بقیہ کے حق میں تثلیث نہیں کرے گا احادیث اس میں ساکت ہیں۔ لہٰذا ز دایات میں حنفیہ کے بیان کردہ مطلب کا بھی امکان ہے جو حنفیہ کے مذکورہ بالا دلائل کی بناء پر قوی ہو جاتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُولُ اللّٰهُمَّ هٰذِهِ قِسْمَتِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ حَدِيثُ عَائِشَةَ هٰكَذَا رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ وَرَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ

ابن ابی عمر، بشر بن سری، حماد بن سلمہ سے وہ ایوب سے وہ ابی قلابہ سے وہ عبداللہ بن یزید سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیویوں کے درمیان راتیں برابر تقسیم کرتے اور فرماتے اے اللہ یہ تقسیم تو میرے اختیار میں ہے پس تو جس چیز پر قدرت رکھتا ہے میں اس پر قادر نہیں تو مجھے ایسی چیز پر ملامت نہ کر۔ اس چیز میں جو آپ کے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔ حدیث عائشہؓ کئی راویوں نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے ایوب سے انہوں نے ابوقلابہ سے انہوں نے عبداللہ بن یزید سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح مرفوعاً نقل کی ہے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں برابر تقسیم

أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ وَمَعْنَى قَوْلِهِ لَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ إِنَّمَا يَعْنِي بِهِ الْحُبَّ وَالْمَوَدَّةَ كَذَا فَسَّرَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ.

کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کو حماد بن سلمہ نے مسند اور حماد بن زید سے مرسل روایت کیا ہے۔ یہ حدیث حماد بن سلمہ کی حدیث سے اصح ہے۔ آپ کا یہ قول کہ مجھے ملامت نہ کر، اس چیز میں جس میں تو مالک ہے اور میں مالک نہیں بعض اہل علم اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد محبت والفت ہے۔

تشریح: ضرائر ضَرَّةٌ کی جمع ہے اس کے معنی ہیں سوکن۔ ایک خاوند کی دو یا دو سے زائد بیویاں آپس میں سوکنیں کہلاتی ہیں۔ سوکن کو ضَرَّة اس لئے کہا چونکہ آپس میں ایک دوسرے کو ضرر پہنچاتی ہیں اس لئے ان کے لئے ضرائر کا لفظ استعمال ہوا باقی بہت کم ایسا ہوتا ہے جو ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاتی ہوں۔

سوکنوں کے درمیان انصاف کے بارے میں یہ سمجھ لیں اور جن میں انصاف کرنا واجب ہے وہ اختیاری معاملات ہیں۔ البتہ معاملات غیر اختیاری میں جیسے محبت ومودت میں دل کے مائل ہونے میں برابری ضروری نہیں۔ کیونکہ دل پر کسی کا اختیار نہیں چل سکتا۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبت تھی۔ آپ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ جو باتیں میرے اختیار میں ہیں ان میں تو برابری کرتا ہوں مگر جو بات میرے بس میں نہیں بلکہ وہ آپ کے بس میں ہے اس پر میرا مواخذہ نہ فرمانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں برابری ضروری نہیں۔ اسی طرح اگر بیوی کے متعلقات کم و بیش ہوں مثلاً ایک بیوی سے ایک بچہ ہے اور دوسری بیوی سے پانچ بچے ہیں تو ان کے خرچ میں تفاوت ضرور ہوگا۔ لہٰذا خرچہ میں برابری نہیں ہوگی بلکہ پانچ بچوں والی کو زیادہ ملے گا اور ایک بچہ والی کو کم ملے گا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ بَشِيرِ بْنِ نَهِيكٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ وَإِنَّمَا أَسْنَدَ هٰذَا الْحَدِيثَ هَمَّامُ بْنُ يَحْيَى عَنْ قَتَادَةَ وَرَوَاهُ هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ يُقَالُ وَلَا نَعْرِفُ هٰذَا الْحَدِيثَ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ هَمَّامٍ

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، ہمام سے وہ قتادہ سے وہ نضر بن انس سے وہ بشیر بن نہیک سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان انصاف اور عدل نہ کرتا ہو تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے بدن کا آدھا حصہ مفلوج ہوگا یہ حدیث ہمام بن یحییٰ، قتادہ سے مرفوعاً اور ہشام قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایسا کہا جاتا تھا، ہمیں یہ حدیث مرفوعاً صرف ہمام کی روایت سے معلوم ہے۔

تشریح: ماقبل احادیث میں بیویوں کے درمیان کس طرح مساوات وبرابری کرنی ہے اس کا بیان تھا اب یہاں سے اس شخص کے لئے وعید ذکر کر رہے ہیں جو مساوات اختیار نہیں کرتا کہ قیامت کے دن وہ میدان حشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک حصہ شل ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے ساتھ خواہ باکرہ ہوں ثیبہ ہو قدیم ہوں یا جدید سب کے ساتھ برابری ضروری

ہے۔البتہ آزاد عورت کی بنسبت لونڈی، مکاتبہ، مدبرہ اور ام ولد کیلئے آدھی باری ہے۔یعنی لونڈی کے پاس ایک رات بشرطیکہ جب اس سے نکاح کرلے اور آزاد کے پاس دو راتیں گزارے یہ حکم صرف دو عورتوں کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ دو بیویوں سے زائد کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الزَّوْجَيْنِ الْمُشْرِكَيْنِ يُسْلِمُ أَحَدُهُمَا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ هٰذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَفِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ أَيْضًا مَقَالٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَسْلَمَتْ قَبْلَ زَوْجِهَا ثُمَّ أَسْلَمَ زَوْجُهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ أَنَّ زَوْجَهَا أَحَقُّ بِهَا مَا كَانَتْ فِي الْعِدَّةِ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ قَالَ حَدَّثَنِي دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بَأْسٌ وَلٰكِنْ لَا نَعْرِفُ وَجْهَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَلَعَلَّهُ قَدْ جَاءَ هٰذَا مِنْ قِبَلِ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسٰى حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ مُسْلِمًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ جَاءَتِ امْرَأَتُهُ مُسْلِمَةً فَقَالَ يَا

احمد بن منیع وھناد نے کہا وہ معاویہ سے وہ حجاج سے وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو دوبارہ ابوالعاص بن ربیع کے نکاح میں دیا اور نیا مہر مقرر کیا۔اس حدیث کی سند میں کلام ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ اگر بیوی شوہر سے پہلے اسلام لے آئے اور اس کے بعد عورت کی عدت کے دوران شوہر بھی مسلمان ہو جائے تو اس مدت میں وہی شوہر اپنی بیوی کا زیادہ مستحق ہے امام مالک بن انس، اوزاعی، شافعی، احمد، اسحاق، کا یہی قول ہے۔ ضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب کو چھ سال بعد پہلے نکاح کے ساتھ ابوالعاص کی طرف لوٹایا اور دوبارہ نکاح نہیں کیا، اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں لیکن حدیث کی توجیہ ہم نہیں پہچانتے۔شاید یہ داؤد بن حصین کے حفظ کی وجہ سے ہے۔یوسف بن عیسی، وکیع، اسرائیل، سماک بن حرب، عکرمہ کی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص مسلمان ہو کر آیا پھر اس کی بیوی بھی اسلام لے آئی تو اس نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی ہے، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو اسی شخص کو دیدیا،

رَسُولَ اللهِ إِنَّهَا كَانَتْ أَسْلَمَتْ مَعِي فَرَدَّهَا عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ سَمِعْتُ عَبْدَ بْنَ حُمَيْدٍ يَقُولُ سَمِعْتُ يَزِيدَ بْنَ هَارُونَ يَذْكُرُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَحَدِيثُ الْحَجَّاجِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بِمَهْرٍ جَدِيدٍ وَنِكَاحٍ جَدِيدٍ قَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا وَالْعَمَلُ عَلٰى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

یہ حدیث صحیح ہے میں نے عبد بن حمید سے انہوں نے یزید بن ہارون سے سنا کہ وہ یہی حدیث محمد بن اسحاق سے نقل کرتے تھے اور حجاج کی روایت جو مروی ہے بسند عمرو بن شعیب اپنے والد سے، عن جدہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو نئے مہر اور نکاح کے ساتھ ابوالعاص بن ربیع کی طرف لوٹا دیا۔ یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ بہتر ہے اور عمل عمرو بن شعیب کی حدیث پر ہے۔

تشریح: **مسئلہ: اگر زوجین میں سے دارالحرب کے اندر ایک اسلام لے آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟** اس میں تفصیل ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کسی کی بیوی اسلام لے آئی خواہ وہ دارالاسلام میں اسلام لائے یا دارالحرب میں اسلام لائے شوافع کے ہاں اسلام لانے کے ساتھ ہی نکاح فسخ ہو جائے گا البتہ اگر اس کا سابقہ شوہر اس کی عدت کے دوران اسلام قبول کر لیتا ہے تو نکاح بدستور باقی رہے گا۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک محض اسلام لانے سے ان دونوں میں فرقت نہیں ہوگی بلکہ اس کے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بیوی اسی کی ہے اور اگر اسلام لانے سے انکار کر دے تو اس کے انکار کے سبب نکاح فسخ ہو جائے گا۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال: یہی دوسری حدیث الباب ہے "عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنته زینب علی ابی العاص بن الربیع بعد ست سنین بالنکاح الاوّل ولم یحدث نکاحًا"۔

جواب اوّل: یہ حدیث منسوخ اور متروک ہے کیونکہ پانچ چھ سال تک عدت کا باقی رہنا عادۃً محال ہے اور عدت کے بعد تو رجوع کا کوئی قائل نہیں۔ **جواب ثانی:** یہ حکم فتح مکہ کے بعد لاگو ہوا اس سے قبل تباین دارین کا وجود نہیں تھا۔ یہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

جواب ثالث: مذکورہ روایت کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نکاح کی برکت اور حضرت ابوالعاص کے حسن معاشرت کی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ابوالعاص کی طرف لوٹا دیا گیا اور دوسری جگہ نکاح نہیں کیا۔

احناف کے دلائل: **دلیل اوّل:** قرآن پاک کی آیت ہے "فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الی الکفار"۔

دوسری آیت: لا هن حل لهم ولا هم یحلون لهن. تیسری آیت" و آتوهم ما انفقوا" چوتھی آیت" ولا جناح علیکم ان تنکحوهن" یہ موجب فرقت ہونے کی چار وجوہات ہیں۔

دلیل ثانی: حدیث الباب ہے "عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رد ابنته زینب رضی اللہ عنہا علی ابی العاص رضی اللہ عنہ بمهر جدید و نکاح جدید" ابن ماجہ میں یہی روایت موجود ہے۔

حدیث الباب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر اشکال: اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت

زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس چھ سال کے بعد لوٹایا جبکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سال کے بعد لوٹایا اور بعض روایات سے معلوم ہوا کہ دوسال کے بعد لوٹایا یہ روایت سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۴ اور سنن ابن ماجہ میں ص ۱۴۴ پر ہے۔

اس طرح ان روایات میں تعارض آ گیا۔

جواب بصورت تطبیق: حضرت انور شاہ کشمیریؒ ان آیات کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دراصل ابوالعاص غزوہ بدر کے موقع پر گرفتار کر کے لائے گئے ہجرت کے دوسال بعد پھر ان کو اس وعدہ پر چھوڑ دیا گیا تا کہ یہ جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ مکرمہ سے بھیج دیں۔ جب یہ وہاں گئے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حسب وعدہ بھیج دیا پھر یہ چار سال بعد ہجرت کر کے آئے تو گرفتار ہو گئے اس کا واقعہ یہ ہوا کہ وہ قریش کے اموال تجارت لے کر شام گئے تجارتی قافلہ کا واپسی پر آتے ہوئے آپ ﷺ کے ایک سریہ کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا جس سے ان کا سامان تجارت قبضہ میں لے لیا گیا۔ پھر انہوں نے رات کے وقت بھاگ کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پناہ لے لی۔ آپ ﷺ نے ان کی اس امان کو باقی رکھا پھر آپ ﷺ کے فرمان پر ان کو سارا مال واپس کر دیا گیا۔ پھر مکہ مکرمہ چلے آئے قریش کو ان کی امانتیں لوٹا دیں پھر مکہ ہی میں اسلام قبول کر لیا اور ۶ ہجری میں ہجرت کی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی بیٹی ان کے حوالے کر دی تھی۔

اب روایات میں تطبیق اسی طرح سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں چھ سال کی مدت سے مراد ہجرت کے بعد ابوالعاص کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے تک کا زمانہ ہے اور جس روایت میں چار سال کا ذکر ہے اس میں بدر سے ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے اور جس روایت میں دوسال کا ذکر ہے اس میں ابوالعاص کی دوسری مرتبہ گرفتاری سے لے کر ان کی ہجرت تک کا زمانہ مراد ہے۔

عمرو بن شعیب کی روایت پر اشکال: حدیث الباب حدیث حضرت عمرو بن شعیب میں مہر جدید اور نکاح جدید کے ساتھ لوٹائے جانے کا ذکر ہے جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو باب کی دوسری حدیث ہے اس میں نکاح سابق کے ساتھ لوٹائے جانے کا ذکر ہے تو ان دونوں میں بھی تعارض ہے۔

جواب: اکثر محدثین نے اس تعارض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ عمرو بن شعیب والی حدیث حجاج بن ارطاۃ کی وجہ سے ضعیف ہے اور روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ صحیح ہے۔

سوال: چھ سال بعد نکاح اول کے ساتھ لوٹانا کیسے ممکن ہے جبکہ ظاہر یہی ہے کہ اس عرصہ میں ان کی عدت پوری ہو چکی ہوگی تو فرقت کے بعد لوٹائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب اول: حضرت زینب رضی اللہ عنہا ''ممتدۃ الطہر'' تھیں اس لئے اس مدت میں ان کی عدت نہیں گزری تھی لہٰذا حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا جانا اثناء عدت میں اس وقت متحقق ہوا جب حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اسلام لا چکے تھے اس لئے نکاح ثانی کی بھی حاجت پیش نہیں آئی۔

جواب ثانی: احناف کے نزدیک ایک کے اسلام لانے سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ فرقت اسلام پیش کیے جانے پر انکار سے ہوتی ہے۔ اور ابوالعاص پر عرض اسلام ۶ ہجری میں ہوا اور وہ اسلام لے آئے اس لئے نکاح فسخ نہیں ہوا۔

جواب ثالث: بعض حضرات نے یہ جواب دیا کہ مسلمان عورتوں کے مشرکین کے ساتھ نکاح کی حرمت اس آیت سے ہوئی ''لاھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن'' اور یہ آیت مدنی ہے جو ۶ ہجری میں نازل ہوئی۔ گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا جانا اس آیت کے نزول سے پہلے تھا یا نزول کے متصل تھا لیکن دوران عدت تھا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ فَيَمُوتُ عَنْهَا قَبْلَ أَنْ يَفْرِضَ لَهَا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ الْحُبَابِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتَّى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْجَرَّاحِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو نکاح کرنے کے بعد مہر مقرر کرنے اور صحبت کرنے سے پہلے فوت ہو جائے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ایسی عورت کا مہر اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر ہوگا نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ، وہ عورت عدت گزارے گی اور اسے خاوند کے مال سے وراثت بھی ملے گی، اس پر حضرت معقل بن سنانؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشقؓ کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا ہے اس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بن بہت خوش ہوئے اس باب میں حضرت جراحؓ سے بھی روایت ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَبِهِ يَقُولُ الثَّوْرِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَابْنُ عُمَرَ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا حَتَّى مَاتَ قَالُوا لَهَا الْمِيرَاثُ وَلَا صَدَاقَ لَهَا وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ قَالَ لَوْ ثَبَتَ حَدِيثُ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ لَكَانَتِ الْحُجَّةُ فِيمَا

حسن بن علی، یزید بن ہارون سے وہ عبدالرزاق سے وہ سفیان سے وہ منصور سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں۔ حدیث ابن مسعود حسن صحیح ہے اور انہی سے کئی سندوں سے مروی ہے بعض صحابہ اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے سفیان ثوریؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم نے کہا انہی میں سے علی بن ابی طالب زید بن ثابت، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم ہیں۔ کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر مقرر نہ کیا جائے تو جماع سے پہلے فوت ہونے کی صورت میں اس عورت کا میراث میں تو حصہ ہے لیکن مہر نہیں البتہ عدت گزارے گی۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بروع بنت واشق والی حدیث ثابت بھی ہو جائے تو بھی حجت وہی بات ہوگی، جو نبی کریم سے مروی ہے

رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرُوِيَ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ رَجَعَ بِمِصْرَ بَعْدُ عَنْ هٰذَا الْقَوْلِ وَقَالَ بِحَدِيثِ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ.

امام شافعیؒ سے مروی ہے کہ وہ مصر میں گئے تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کرلیا تھا اور بروع بنت واشقؓ کی حدیث پر عمل کرنے لگے تھے۔

تشریح: جس طرح جماع سے نکاح پختہ ہوجاتا ہے اسی طرح احد الزوجین میں سے کسی کے مرنے سے بھی نکاح مؤکد ہو جاتا ہے پس اگر رخصتی سے پہلے خاوند کا انتقال ہو جائے تو عورت کو اس کی میراث ملے گی یا نہیں؟ جبکہ مہر بھی مقرر نہ کیا ہوا اور نہ ہی اس نے صحبت کی ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے۔

قول اول: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایسی صورت میں پورا مہر مثل دیا جائے گا یہی قول امام سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کا بھی ہے۔ امام شافعیؒ کا قول جدید بھی یہی ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک ایسی صورت میں اس پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

امام صاحب کا مستدل: یہی حدیث الباب یعنی حدیث بروع بنت واشقؓ ہے ان کے شوہر کا رخصتی سے پہلے انتقال ہوگیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے پورے مہر کا فیصلہ کیا اور ان کو پورا مہر دلوایا۔

مالکیہ کی طرف سے اعتراض: اس روایت میں اضطراب ہے بعض روایات میں بروع بنت واشقؓ کے واقعہ کو نقل کرنے والے صحابیؓ کا نام معقل بن سنان آیا ہے اور بعض روایات میں "معقل بن یسارؓ" اور بعض روایات میں "رجل من اشجع" اور بعض روایات میں "ناس من اشجع" آیا ہے لہذا روایت سے استدلال درست نہیں۔

جواب اول: معقل بن سنان والی روایت کو امام ترمذیؒ نے حسن صحیح قرار دیا ہے اس طرح اضطراب دور ہوجاتا ہے۔

جواب ثانی: اس کے علاوہ اگر اضطراب مانا بھی جائے تب بھی یہ اضطراب صحابی کی تعیین میں ہے اور یہ بات روایت کی صحت سے مانع نہیں ہے کیونکہ "الصحابۃ کلھم عدول" مسلمہ اصول ہے شاید اسی وجہ سے امام شافعیؒ نے قول قدیم سے قول جدید کی طرف رجوع کرلیا تھا۔ باقی حدیث کی وضاحت ترجمہ سے واضح ہے۔

أَبْوَابُ الرَّضَاعِ

عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ

بَابُ مَا جَاءَ يُحَرَّمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يُحَرَّمُ مِنَ النَّسَبِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ حَبِيبَةَ هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ.

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم علی بن یزید سے وہ سعید بن مسیب سے وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب سے حرام کئے ہیں وہ رشتے دودھ پینے سے بھی حرام کیے ہیں اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس، ام حبیبہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

تشریح: جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے انکی دو قسمیں ہیں

(اول) حرمت مؤبدۃ: یعنی جن سے ہمیشہ کیلئے نکاح حرام ہے کبھی حلال نہیں جیسے ماں، بیٹی وغیرہ

(ثانی) حرمت غیر مؤبدۃ: جن سے کسی عارضے کی بناء پر نکاح حرام ہے اگر وہ عارضہ دور ہو جائے تو ان سے نکاح حلال ہو جائے گا جیسے بیوی کی بہن۔ پھر حرمت مؤبدہ کے تین اسباب ہیں۔

(اول) نسب کہ اپنے فروع حرام ہیں۔ جیسے بیٹیاں، بیٹی کی لڑکیاں وان سفل اسی طرح اصول بھی حرام ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں والدہ، والدہ کی ماں اسی طرح اوپر تک اور اسی طرح والدین کے فروع نیچے تک بھائیوں کی بیٹیاں اور بیٹوں کی بیٹیاں۔

(ثانی) مصاہرت کہ بیوی کے اصول وفروع حرام ہیں مثلاً بیوی کی ماں، بیوی کی دادی، نانی اور بیوی کی دوسرے خاوند سے بیٹی اپنے بیٹے کی بیوی اور سوتیلی ماں ان سب سے نکاح وجماع ہر صورت میں حرام ہے۔ **(ثالث)** رضاعت اور اس کا حکم نسب کی مانند ہے۔

حرمت غیر مؤبدہ کے سات اسباب ہیں ① الجمع بین المحرمات۔ یعنی ایسی دو عورتوں کے ساتھ شادی کرنا کہ ان میں سے کسی سے بھی ایک کو مرد اور دوسری کو عورت شمار کیا جائے تو ان دونوں کی آپس میں شادی جائز نہ ہو جیسے دو بہنیں، پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی۔ ② غیر کی منکوحہ سے جب تک وہ اسے طلاق نہ دے۔ ③ طلاق کے بعد حلالہ شرعیہ۔ یعنی کسی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تو وہ بیوی اس کے لئے حلال نہیں جب تک دوسرا شخص اس سے نکاح کر کے جماع کرنے کے بعد طلاق نہ دیدے۔ ④ مالکن اپنے غلام سے نکاح نہیں کر سکتی۔ ⑤ اختلاف دین کی وجہ سے بھی شادی نہیں کر سکتے۔ ⑥ مملوکہ ہونا یعنی آزاد بیوی کے ہوتے

ہوئے باندی سے نکاح نہیں ہوسکتا ⑤ یا عورت زنا کا کسب کرنے والی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ وہ اس سے توبہ کرلے اور اس فعل سے باز آجائے البتہ اگر نکاح کرلیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ ح و حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ الْوِلَادَةِ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي ذٰلِكَ اخْتِلَافًا.

بندار محمد بن بشار، یحییٰ بن سعید، مالک بن انس سے وہ اسحٰق ابن موسیٰ انصاری سے وہ معن سے وہ مالک سے وہ عبداللہ بن دینار سے وہ سلیمان بن یسار سے وہ عروہ بن زبیر سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام کئے ہیں جو ولادت سے حرام کئے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے اس مسئلہ میں علماء کا اتفاق ہے۔

تشریح: **رضاع کی لغوی تعریف:** "مص اللبن من الثدی" یعنی پستان سے بچے کا دودھ پینا۔

رضاع کی اصطلاحی تعریف: "مص الرضیع اللبن من ثدی الادمیة فی وقت مخصوص" یعنی بچے کا عورت کے پستان سے وقت مخصوص (مدت رضاعت) میں دودھ پینا۔

قولہ مَا حَرَّمَ مِنَ الْوِلَادَةِ: واؤ کے کسرہ کے ساتھ نسب کو کہتے ہیں یعنی جس طرح نسب سے حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے لیکن بعض حضرات نے چند استثنائی صورتیں ذکر کی ہیں۔ جن کو ملا علی قاریؒ نے ان اشعار میں بند کیا ہے۔

یفارق النسب الرضاع فی صور کأم نافلة وجدة الولد
وام عم واخت ابن وام أخ وأم خال عمة ابن اعتمد

ترجمہ: چند صورتوں میں نسب رضاع سے الگ ہے جیسے پوتے کی ماں، رضاعی بچے کی دادی، رضاعی چچا کی والدہ، رضاعی بیٹے کی بہن، رضاعی بھائی کی ماں، رضاعی ماموں کی ماں اور بیٹے کی پھوپھی اعتماد کر۔

یہاں پر خاص طور پر تین صورتیں ذکر کی جاتی ہیں کہ جن میں رضاعت کی وجہ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے الا ام اختہ من الرضاع ذکر کر کے تین صورتیں ذکر کی ہیں ① من الرضاع کا تعلق ام اور اخت دونوں کے ساتھ ہو ② یا من الرضاع کا تعلق صرف اخت کیساتھ ہو ③ یا من الرضاع کا تعلق ام کے ساتھ ہو ان تینوں صورتوں کو مثالوں سے سمجھیں۔

(اوّل) رضاعی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح درست ہے اس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد اور زینب دونوں نے ہندہ کا دودھ پیا اور

فقط زینب نے سلمہ کا دودھ پیا تو اب خالد کا نکاح سلمہ کے ساتھ جائز ہے۔ جبکہ سلمہ خالد کی رضاعی بہن زینب کی رضاعی ماں ہے۔
(ثانی) رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اس کی صورت یہ ہے کہ زید اور ساجدہ نے ایک اجنبی عورت کا دودھ پیا مگر زید نے ساجدہ کی نسبی ماں کا دودھ نہیں پیا تو زید کے لئے اس کی رضاعی بہن ساجدہ کی نسبی ماں حلال ہے۔
(ثالث) نسبی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح جائز ہے صورت یہ ہوگی کہ زید کی نسبی بہن ہے اور اس بہن کی رضاعی ماں ہے جس نے زید کو دودھ نہیں پلایا تو اس نسبی بہن کی رضاعی ماں سے نکاح ہوسکتا ہے۔ آگے صاحب ہدایہ نے "ویجوز تزوج اخت ابنه من الرضاع" سے تین صورتیں ذکر کی ہیں کہ جن میں نکاح کرنا جائز ہے۔ ① من الرضاع کا تعلق اخت اور ابن دونوں کے ساتھ ہو رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح درست ہے۔ ② من الرضاع کا تعلق صرف اخت کے ساتھ ہو نسبی بیٹے کی رضاعی بہن سے نکاح درست ہے۔ ③ من الرضاع کا تعلق صرف ابن کے ساتھ ہو رضاعی بیٹے کی نسبی بہن سے نکاح درست ہے۔
مثالیں: (اوّل) زید کی بیوی کا کسی بچے (بکر) نے دودھ پیا اب یہ بچہ زید کا رضاعی بیٹا ہوا اس بچہ نے اور دوسری بچی (ساجدہ) نے کسی تیسری عورت کا دودھ پیا اب زید اپنے رضاعی بیٹے بکر کی رضاعی بہن ساجدہ سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ زید اور ساجدہ کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں بنتا۔
الثانی: نسبی بیٹے کی رضاعی بہن سے جیسا کہ بکر، زید کا نسبی بیٹا ہے اور ہندہ، بکر کی رضاعی بہن ہے تو زید ہندہ سے نکاح کر سکتا ہے۔
(ثالث) رضاعی بیٹے کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے اس کی صورت یہی ہے کہ زید کا رضاعی بیٹا بکر ہے اب بکر کی نسبی بہن کے ساتھ زید نکاح کرسکتا ہے۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ رضاعت سے نکاح حرام ہوتا ہے اور نظر اور خلوت اور مسافرت حلال ہو جاتی ہے لیکن رضاعی رشتہ میں نہ تو ایک دوسرے کا وارث ہوتا ہے نہ ایک دوسرے پر نان ونفقہ واجب ہوتا ہے اسلئے انکے احکام مختلف ہیں۔ **سوال:** یہ حدیث مطلق ہے رشتوں کی کس طرح کردی؟
جواب اوّل: ان کی تخصیص عقل سے ہے کہ عقل تقاضا کرتی ہے کہ یہ رشتہ حرام نہ ہو اس لئے ان کو حرام قرار نہیں دیا
جواب ثانی: یہ چند رشتے اس میں داخل ہی نہیں ہیں کیونکہ "حرمت علیکم امھا تکم" میں سات رشتوں کا ذکر ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ عَمِّي مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتَّى أَسْتَأْمِرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ فَإِنَّهُ عَمُّكِ قَالَتْ

حسن بن علی خلال، ابن نمیر سے وہ ھشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ میرے پاس میرے رضاعی چچا تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے بغیر انہیں اجازت دینے سے انکار کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ تمہارے پاس داخل ہوسکتے ہیں کیونکہ وہ تو تمہارے چچا ہیں

إِنَّمَا أَرْضَعَتْنِي الْمَرْأَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ قَالَ فَإِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا لَبَنَ الْفَحْلِ وَالْأَصْلُ فِي هٰذَا حَدِيثُ عَائِشَةَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي لَبَنِ الْفَحْلِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ وہ تمہارے پاس آسکتے ہیں اس لئے کہ وہ تمہارے چچا ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرامؓ اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے کہ انہوں نے رضاعی رشتہ والے مرد کے سامنے ہونے کو مکروہ کہا ہے اور اس باب میں اصل حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ ح و حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ لَهُ جَارِيَتَانِ أَرْضَعَتْ إِحْدَاهُمَا جَارِيَةً وَالْأُخْرٰى غُلَامًا أَيَحِلُّ لِلْغُلَامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِالْجَارِيَةِ فَقَالَ لَا اللِّقَاحُ وَاحِدٌ وَهٰذَا تَفْسِيرُ لَبَنِ الْفَحْلِ وَهٰذَا الْأَصْلُ فِي هٰذَا الْبَابِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

قتیبہ، مالک، انصاری، معن، مالک بن انس سے وہ ابن شہاب سے وہ عمرو بن شرید سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص کے پاس دو لونڈیاں ہیں ان میں سے ایک نے لڑکی کو اور دوسری نے ایک لڑکے کو دودھ پلایا کیا اس لڑکے کے لئے وہ لڑکی حلال ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ منی تو ایک ہی ہے (یعنی وہ شخص دونوں باندیوں کے ساتھ صحبت کرتا ہے) یہ مرد کے دودھ کی تفسیر ہے۔ اس باب میں یہی اصل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: الحاصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جن رضاعی چچا کا ذکر کیا گیا ہے انکا نام افلح تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس عورت کا دودھ پیا تھا اسکے خاوند ابوالقعیس تھے اور افلح ابوالقعیس کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابوالجعد تھی۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے یہ وہم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رضاعی دادی نے افلح کو دودھ پلایا یا افلح کی والدہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کو دودھ پلایا تھا اس وجہ سے ان کو چچا کہا بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو گھر آنے سے روک دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ آپ کے رضاعی چچا ہیں ان کو آنے دو اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا ہے نہ کہ مرد نے۔ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سمجھتی تھیں کہ عورت کا دودھ پلانا اسکے خاوند کے قرابت داروں سے رضاعت کا تعلق قائم نہیں کرتا۔

اس حدیث سے لبن فحل کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اصل میں فحل مذکر کو کہتے ہیں اور لبن بمعنی دودھ کے ہے وہ دودھ جو کسی آدمی کی وطی کی وجہ سے عورت کی چھاتیوں میں پیدا ہوا ہو وہ دودھ اس مرد کی طرف منسوب ہوتا ہے اس حدیث میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ دودھ پلانے والی عورت دودھ پینے والے بچے پر حرام ہو جاتی ہے البتہ ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف ہے۔

مسئلہ: دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والی بچی کیلئے حرام ہوگا یا نہیں۔

قول اوّل: ابراہیم نخعی اور اہل ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی وجہ سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ مرضعہ کی جانب سے ہوتی

ہے نہ کہ مرد کی جانب سے لہٰذا دودھ پینے والی بچی مرضعہ کے خاوند اور والد پر حرام نہ ہوگی۔
قول ثانی: جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے نزدیک حرمت رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر دونوں کی جانب میں ثابت ہو گی لہٰذا دودھ پینے والی لڑکی مرضعہ کے شوہر اور اس کے آباء وابناء پر حرام ہوگی۔
ابراھیم نخعیؒ وغیرہ دلیل اول: قرآن کریم میں ہے ''**وامهاتكم اللاتی ارضعنكم**'' کہ جن عورتوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وہ حرام ہیں۔ طریقہ استدلال یہ ہے کہ یہاں محرمات کی فہرست میں صرف امہات کا ذکر کیا لہٰذا حرمت صرف ام کی جانب سے ہوگی نہ کہ زوج کی جانب سے **جواب:** قاعدہ ہے کہ ''**تخصیص الشیء بالذکر لا یدل علی نفی ما عداہ**'' کہ قرآن میں صرف ماؤں کا ذکر ہوا تو اس سے ان کے ماسوا کی نفی لازم نہیں آتی کہ وہ حرام نہیں ہے۔
دلیل ثانی: دودھ صرف مرضعہ سے نکلتا ہے مرد کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر مرد کی جانب میں حرمت کیسے ہوگی کیونکہ دودھ تو عورت کا جزء ہے مرد کا جزء نہیں ہے۔ **جواب:** یہ قیاس بمقابلہ نص ہے لہٰذا یہ قیاس معتبر نہیں ہوگا اور یہ قیاس درست بھی نہیں کیونکہ دودھ کا تعلق مرد سے بھی ہوتا ہے اگر یہ عورت شادی نہ کرتی اور مرد اس سے وطی نہ کرتا تو اس کی چھاتی میں دودھ نہ آتا لہٰذا لبن دونوں کا ہوا اور جزئیت دونوں طرف سے پائی گئی۔ لہٰذا حرمت کا تعلق دونوں جانب سے ہوگا۔
ائمہ اربعہ وغیرہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''**فليلج عليك فانه عمك من الرضاعة**'' اس سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ رضاعت سے مرد کی جانب میں بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔
دلیل ثانی: حرمت رضاعت کے متعلق جتنی احادیث آئی ہیں ان سب کے متعلق عام الفاظ میں ارشاد فرمایا ''**یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة اور ان الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب**'' اس میں مرد اور عورت کی جانب میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ **دلیل ثالث:** دودھ خاوند اور بیوی کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا اجزئیت دونوں طرف سے ثابت ہوتی ہے اور یہی حرمت کی علت ہے لہٰذا حرمت دونوں طرف میں ہوگی۔

بَاب مَا جَاءَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الصَّنْعَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ أَيُّوبَ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَفِي الْبَاب عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَالزُّبَيْرِ وَابْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَرَوَى

محمد بن علی صنعانی، معتمر بن سلیمان کہتے ہیں سنا میں نے ایوب سے وہ عبداللہ بن ابی ملیکہ سے وہ عبداللہ بن زبیر سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک یا دو گھونٹ دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس باب میں حضرت ام فضل، ابو ہریرہ، زبیر، ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ ابن زبیر، حضرت عائشہ، اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ ایک یا دو گھونٹ دودھ پینے

مُحَمَّدُ بْنُ دِينَارٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنِ الزُّبَيْرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَادَ فِيهِ مُحَمَّدُ بْنُ دِينَارٍ عَنِ الزُّبَيْرِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالصَّحِيحُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ حَدِيثُ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ .قَالَتْ عَائِشَةُ أُنْزِلَ فِي الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَنُسِخَ مِنْ ذَلِكَ خَمْسًا وَصَارَ إِلَى خَمْسِ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ

سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ محمد بن دینار، ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ عبداللہ بن زبیر سے وہ زبیر سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ زیادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زبیرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے لیکن یہ غیر محفوظ ہے محدثین کے نزدیک صحیح حدیث ابن ابی ملیکہ ہے ابن ابی ملیکہ عبداللہ بن زبیر سے وہ حضرت عائشہؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسی پر بعض علماء صحابہ کا عمل ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن میں دس مرتبہ دودھ چوسنے پر رضاعت کے حکم کے متعلق آیت نازل ہوئی جو واضح ہے پھر پانچ کا حکم منسوخ ہو گیا اور پانچ دفعہ کا باقی رہ گیا جو معلوم ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اور یہ حکم برقرار رہا کہ پانچ مرتبہ دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

حَدَّثَنَا بِذَلِكَ إِسْحَقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِهَذَا وَبِهَذَا كَانَتْ عَائِشَةُ تُفْتِي وَبَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَإِسْحَقَ وَقَالَ أَحْمَدُ بِحَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ وَقَالَ إِنْ ذَهَبَ ذَاهِبٌ إِلَى قَوْلِ عَائِشَةَ فِي خَمْسِ رَضَعَاتٍ فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ وَجَبُنَ عَنْهُ أَنْ يَقُولَ فِيهِ شَيْئًا وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يُحَرِّمُ قَلِيلُ الرَّضَاعِ وَكَثِيرُهُ إِذَا وَصَلَ الْجَوْفَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَعَبْدِ اللَّهِ

اسحاق بن موسی نے مالک سے انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے انہوں نے عمر حضرت عائشہ سےؓ ایسے ہی نقل کیا ہے حضرت عائشہؓ اور بعض ازواج مطہرات کا فتوی بھی اسی پر ہے امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے امام احمد قائل ہیں اس حدیث کے جو مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ ایک دوبار (دودھ) چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا اگر کوئی حضرت عائشہؓ کے قول (پانچ بار دودھ چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی) کو اپنائے تو یہ بھی قوی ہے امام احمد اس مسئلے میں حکم دینے سے ڈرتے تھے بعض صحابہ کرام اور تابعین فرماتے ہیں کہ کم اور زیادہ دونوں ہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے بشرطیکہ دودھ پیٹ میں گیا ہو سفیان ثوری، مالک، اوزاعی،

بْنِ الْمُبَارَكِ وَوَكِيعٍ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ عبداللہ بن مبارک، وکیع رحمہم اللہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: احادیث کی مشترکہ تشریح میں یہ مسئلہ ہے۔ **مسئلہ: دودھ کی کتنی مقدار سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔** اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہرؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تین رضعات سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک خمس رضعات یعنی پیٹ بھر کر پانچ وقت پئے تو اس سے حرمت ثابت ہوگی۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام اوزاعی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک مطلق رضاعت کم ہو یا زیادہ حرمت ثابت کرتی ہے جبکہ یقین ہو کہ پیٹ میں دودھ داخل ہوا ہے۔

اہل ظواہر کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں ''لا تحرم الرضعة ولا الرضعتان'' اور اسی طرح ''لا تحرم المصة ولا المصتان'' ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو دفعہ رضاعت یا دو دفعہ مَص سے حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ کم از کم تین مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت ہوگی۔

جواب اوّل: یہ سب حدیثیں منسوخ ہیں ناسخ حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت ہے ''یحرم من الرضاع مایحرم من النسب قلیلہ وکثیرہ'' جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس میں کسی نے اس کا ذکر کیا کہ ''لا تحرم الرضعة ولا الرضعتان'' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا اب منسوخ ہوگیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔

جواب ثانی: یا پھر اس کو محمول کریں گے معدہ میں دودھ کے یقینی داخل ہونے پر کیونکہ عام طور پر ایک دو دفعہ چوسنے سے دودھ اندر نہیں جاتا اگر یقین ہو جائے کہ ایک قطرہ بھی پیٹ کے اندر چلا گیا ہے تب بھی حرمت ثابت ہو جائے گی **جواب ثالث:** یا یہ ابتداء اسلام پر محمول ہے

نسخ کی دلیل: صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۶۹ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''کان فی ما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات یحرمن، ثم نسخن بخمس معلومات فتوفی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی فی ما یقرا من القرآن'' حالانکہ مصاحف عثمانیہ میں کہیں بھی خمس رضاعت کے الفاظ موجود نہیں جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الفاظ بھی بعد میں منسوخ ہوگئے تھے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: اسی باب کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جس میں ہے ''انزل من القرآن عشر رضعات معلومات'' پہلے دس رضعات کا حکم تھا اب منسوخ ہو کر پانچ رہ گئیں لہٰذا پانچ سے کم پر رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

جواب: ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ پانچ رضعات والی آیت کہاں ہے اس پر وہ کہتے ہیں کہ وہ مصحف عائشہ میں ہے جس کو ان کی بکری کھا گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن محفوظ نہیں ہے حالانکہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے لہٰذا یہ واضح ہوگیا کہ حضورؐ کے زمانہ میں یہ آیت منسوخ ہو چکی تھی اور حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ تھا یا ہم کہیں گے کہ حدیث عائشہ اخبار آحاد میں سے ہے جبکہ مطلق رضاعات والی آیات متواتر ہیں ان کا مقابلہ خبر واحد نہیں کر سکتی لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

احناف کی دلیل اوّل: حرمت رضاعت کے متعلق جتنی احادیث آئی ہیں وہ سب مطلق ہیں ان میں کسی مقدار کا ذکر نہیں اور قرآن پاک میں بھی مطلق ہے ''وامهاتكم اللاتی ارضعنكم واخواتكم من الرضاعة''۔ لہٰذا مطلق کو مقید نہیں کیا جائے گا۔

دلیل ثانی: حدیث شریف میں ہے" انما یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب"۔
دلیل ثالث: اصل علت جزئیت ہے اور یہ ایک قطرہ سے بھی ثابت ہوجاتی ہے لہٰذا مطلق رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی۔
دلیل رابع: نسائی شریف میں ہے" یحرم من الرضاعة قلیله وکثیره"۔
دلیل خامس: موطا امام محمدؒ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے " ما کان من الحولین و ان کانت مصة واحدة فھی تحرم"۔
دلیل سادس: مصنف عبدالرزاق میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ایسی مروی ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رضاعت کی تھوڑی ہو یا زیادہ ہر مقدار محرم ہے۔
دلیل سابع: اگلے باب" باب فی شهادة المرأة الواحدة فی الرضاع "میں حضرت عقبہ بن حارثؓ کی حدیث آرہی ہے۔ جو صحیح بخاری میں بھی ہے جس میں آپ ﷺ نے صرف" انی قد ارضعتکما" سن کر" دعها عنك" کا حکم دے دیا اور یہ سوال نہیں فرمایا کہ رضاعت کتنی مرتبہ ہوئی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي شَهَادَةِ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الرَّضَاعِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ بْنُ أَبِي مَرْيَمَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ وَسَمِعْتُهُ مِنْ عُقْبَةَ وَلٰكِنِّي لِحَدِيثِ عُبَيْدٍ أَحْفَظُ قَالَ تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ تَزَوَّجْتُ فُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ فَجَاءَتْنَا امْرَأَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا وَهِيَ كَاذِبَةٌ قَالَ فَأَعْرَضَ عَنِّي قَالَ فَأَتَيْتُهُ مِنْ قِبَلِ وَجْهِهِ فَأَعْرَضَ عَنِّي بِوَجْهِهِ فَقُلْتُ إِنَّهَا كَاذِبَةٌ قَالَ وَكَيْفَ بِهَا وَقَدْ زَعَمَتْ أَنَّهَا قَدْ أَرْضَعَتْكُمَا دَعْهَا عَنْكَ حَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوٰى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عُبَيْدِ

عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبید بن ابی مریم سے اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عقبہ سے بھی سنی ہے لیکن عبید کی حدیث مجھے زیادہ یاد ہے کہ حضرت عقبہ نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اور اس نے کہا میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تھا ایک سیاہ فام عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹی ہے۔ عقبہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے مجھ پر چہرہ پھیر لیا میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اور آیا اور عرض کیا وہ جھوٹی ہے آپؐ نے فرمایا کیسے؟ جب کہ اس کا دعوی ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تم اس عورت کو چھوڑ دو۔ حدیث عقبہ بن حارثؓ حسن صحیح ہے کئی راوی یہ حدیث ابن ابی ملیکہ سے اور وہ عقبہ بن حارث سے نقل کرتے ہیں اور اس میں عبید بن ابی مریم کا ذکر نہیں کرتے پھر اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نہیں ہیں کہ تم اس کو چھوڑ دو۔ بعض علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ رضاعت

بْنِ أَبِي مَرْيَمَ وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ دَعْهَا عَنْكَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَجَازُوا شَهَادَةَ الْمَرْأَةِ الْوَاحِدَةِ فِي الرَّضَاعِ وَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرَّضَاعِ وَيُؤْخَذُ يَمِينُهَا وَبِهٖ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرِّضَاعِ حَتّٰى يَكُونَ أَكْثَرَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ سَمِعْتُ الْجَارُودَ يَقُولُ سَمِعْتُ وَكِيعًا يَقُولُ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ فِي الرَّضَاعِ فِي الْحُكْمِ وَيُفَارِقُهَا فِي الْوَرَعِ.

کے ثبوت کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ اس صورت میں کافی ہے کہ اس عورت سے قسم لی جائے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ایک عورت کی گواہی کافی نہیں بلکہ زیادہ ہونی چاہئیں۔ امام شافعیؒ کا یہی قول ہے۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ، یہ عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہیں ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے انہیں طائف میں قاضی مقرر کیا تھا ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیس صحابہ کو پایا ہے میں نے جارود بن معاذ سے سنا ہے کہ وکیع کے نزدیک بھی رضاعت کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی نہیں لیکن اگر ایک عورت کی گواہی سے اپنی بیوی کو چھوڑ دے تو یہ عین تقویٰ ہے۔

تشریح: اختلافی مسئلہ: شہادت مرضعہ سے حرمت ثابت ہوگی یا نہیں۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق کے نزدیک حرمت ثابت ہوجائے گی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔

قول ثانی: جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک عورت کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہوگیا کہ مدت رضاعت میں کتنی عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چار عورتوں کی شہادت رضاعت میں قبول کی جائے گی۔

قول ثانی: امام مالکؒ کے نزدیک ایک عورت کی شہادت سے رضاعت ثابت ہوجائے گی بشرطیکہ وہ عورت متصف بالعدالت ہو۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شریعت کا مشہور ضابطہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو ان کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: رضاعت کا تعلق عورت کے پستان کے ساتھ ہے اور چونکہ عورت کے پستان کی طرف مرد کا دیکھنا حرام ہے اس لئے رضاعت پر کوئی مرد مطلع نہیں ہوسکتا اور جن اشیاء پر مرد مطلع نہیں ہوسکتا ان چیزوں میں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی شرط ہے تاکہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوجائیں۔

جواب: رضاعت ان چیزوں میں سے نہیں ہے کہ جن پر مرد مطلع نہیں ہوسکتا بلکہ مرد مطلع ہوسکتا ہے۔ مثلاً عورت کے ذوی الارحام کا اس کے پستان کی طرف دیکھنا حلال ہے لہٰذا یہ دلیل قابل قبول نہیں ہوگی۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ آپؐ نے ایک عورت کی گواہی کو قبول کیا۔

جواب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا تھا کہ یہ ان دونوں کی والدہ ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احتیاط اور تقویٰ فرمایا تھا کہ تم اسے چھوڑ دو یہ کوئی عدالتی، شرعی فیصلہ اور فتویٰ نہ تھا کیونکہ اگر یہ عدالتی فیصلہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو طلب فرماتے حالانکہ

آپ ﷺ نے اس عورت کو طلب نہیں کیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: صرف رضاعت کی وجہ سے حرمت نکاح ثابت ہو جائے گی اور ملک نکاح باقی رہے گی کیونکہ حرمت مؤبدہ کے ساتھ نکاح ممکن نہیں پس جب رضاعت کی وجہ سے حرمت ثابت ہوگی تو نکاح باطل ہو جائے گا اور بطلان نکاح کو ثابت کرنے کے لئے شہادت کاملہ کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم نے کہا کہ دو مرد گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔

بَاب مَا جَاءَ مَا ذُكِرَ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ إِلَّا فِي الصِّغَرِ دُونَ الْحَوْلَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْمُنْذِرِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ إِلَّا مَا كَانَ دُونَ الْحَوْلَيْنِ وَمَا كَانَ بَعْدَ الْحَوْلَيْنِ الْكَامِلَيْنِ فَإِنَّهُ لَا يُحَرِّمُ شَيْئًا وَفَاطِمَةُ بِنْتُ الْمُنْذِرِ بْنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ وَهِيَ امْرَأَةُ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ.

قتیبہ، ابوعوانہ سے وہ ھشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ فاطمہ بنت منذر سے وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا رضاعت کی حرمت اس صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ دودھ بچے کی آنتوں میں پہنچ کر غذا کے قائم مقام ہو اور یہ دودھ چھڑانے سے پہلے ہو یعنی دودھ پلانے کی مدت میں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی پر صحابہ اور اہل علم کا عمل ہے کہ رضاعت دو سال کے اندر اندر دودھ پینے سے ہی ثابت ہوتی ہے اور جو دو سال کے بعد پیا جائے اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ فاطمہ بنت منذر بن زبیر بن عوام، ہشام بن عروہ کی بیوی ہیں۔

تشریح: قوله إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ: یعنی اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو معدہ میں جا کر مکمل غذا کا کام دے ایسا دودھ مدت رضاعت کے اندر اندر ہوتا ہے اگر مدت رضاعت ختم ہونے کے بعد پلایا جائے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ الحاصل وہ دودھ جو انتڑیوں کی غذا بن سکے اس سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

قوله وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ: یہ عطف تفسیری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دودھ پلانے کی شرعی مدت ختم ہونے سے پہلے دودھ پلایا جائے لہٰذا اگر مدت رضاعت ختم ہونے سے پہلے دودھ چھڑا دیا جائے اور اس کے بعد مدت رضاعت کے اندر اندر کسی نے اس کو دودھ پلا دیا تو ظاہر روایت کے مطابق حرمت ثابت ہو جائے گی اور فی الثدی میں مضاف محذوف ہے ''ای فی ایام الثدی''۔ ایام ثدی سے مراد بھی دودھ پینے کے دن ہیں ثبوت حرمت کے لئے ضروری نہیں کہ صرف پستان کو منہ میں لیا جائے بلکہ برتن میں ڈال کر بھی اگر بچے کو پلایا جائے تو پھر بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۲۲۸)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حرمت رضاعت اس دودھ سے ثابت ہوتی ہے جو بچہ کے لئے باقاعدہ غذا ہو کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری غذا کی حاجت نہ ہو۔

یہ حدیث اس بات پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ حرمت رضاعت مدت رضاعت میں ثابت ہوتی ہے نہ کہ بعد میں۔

قول اوّل: البتہ ابن حزمؒ کا مسلک یہ ہے کہ رضاعت کی کوئی مدت متعین نہیں ہے بلکہ رضاعت صغر میں ہو یا بڑے ہونے کے بعد ہو۔ ہر حال میں محرِّم ہے اور ان کے نزدیک راضع کے لئے ضروری ہے کہ وہ براہ راست منہ سے چوسے۔ چنانچہ برتن وغیرہ میں نکالے ہوئے دودھ سے ان کے نزدیک حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

قول ثانی: ائمہ اربعہ کے نزدیک حالت کبر میں دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ابن حزم ظاہری کا استدلال: سہلہ بنت سہیل اور سالم کا واقعہ ہے کہ حضرت سہلہ بنت سہیل یہ ابو حذیفہ کی بیوی تھیں یہ آپ ﷺ کے پاس تشریف لائیں اور کہنے لگیں اے اللہ کے رسول! میرے شوہر نے سالم کو منہ بولا بیٹا بنایا ہوا ہے اور شادی بھی اپنی بھتیجی کے ساتھ کردی ہے اور اس کا ہمارے گھر آنا جانا بھی ہے اب قرآن کریم میں آیا ہے "**ادعوهم لا بائهم هو اقسط عند الله**" تو اب میں کیا کروں تو آپ ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ تو اس کو اپنا دودھ پلا دے تو وہ تیرا رضاعی بیٹا بن جائے گا لہٰذا آنا جانا جائز ہوگا تو انہوں نے اپنا دودھ ان کو پلا دیا اب اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ بڑی عمر میں دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اس مسئلہ میں حضرت عائشہ ؓ صرف جواز نظر کی قائل تھیں کہ اس کا دیکھنا جائز ہے حضرت عائشہ ؓ حرمت نکاح کی قائل نہیں تھیں۔

جواب اوّل: یہ ابتدائی زمانہ پر محمول ہے پھر منسوخ ہو گیا۔

جواب ثانی: یہ ایک واقعہ جزئیہ ہے جو صرف ان دونوں کے لیے خاص تھا جیسا کہ حضرت ام سلمہ ؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔

"قالت ما نری الا رخصة ارخصها النبی ﷺ خاصة دون الناس"۔

ائمہ اربعہ کے دلائل: **دلیل اوّل:** "**والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين**" کہ مائیں اپنے بچوں کو دو سال تک دودھ پلائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔

دلیل ثانی: "**وحمله وفصاله ثلاثون شهرا**" اور "**وفصاله فی عامین**" اس سے بھی معلوم ہوا کہ مدت رضاعت دو سال ہے۔ **دلیل ثالث:** حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث ہے "**لا يحرم من الرضاعة الا ما كان فی الحولين**"۔

دلیل رابع: حدیث پاک میں ہے "**لا رضاع بعد الحولين**" کہ دو سال کے بعد حرمت رضاعت ثابت نہیں۔

دلیل خامس: حدیث الباب ہے "**انما الرضاعة من المجاعة**" ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "**وذلك ان يكون فی الصغر فدل علی انها لا توثر فی الكبر بعد بلوغ الصبی**"۔

اختلافی مسئلہ: مدت رضاعت کتنی ہے۔ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ و صاحبین کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدت رضاعت اڑھائی سال ہے لیکن فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے "**والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين**"۔

جواب: ان آیتوں میں جو ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد مدت رضاعت نہیں بلکہ استحقاق اجرت کا بیان ہے اور وہ دو سال ہے اور اس پر قرینہ "**وعلی المولود له رزقهن**" ہے۔ یعنی وہ عورتیں جو بچے کو دودھ پلاتی ہیں ان کو اجرت دو سال تک دی جائیگی ظاہر ہے اس سے مراد بیویاں نہیں ہیں کیونکہ ماں تو اپنے بیٹے کو ویسے ہی دودھ پلائے گی لہٰذا "**والوالدات**" سے مراد مطلقہ ہیں۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "لا یحرم الرضاع الا فی حولین" یعنی رضاعت محرم نہیں مگر جو دو سال میں ہو۔
جواب: یہی ہے کہ دو سال کی رضاعت سے مستحق اجرت ہوگی کیونکہ صحیح روایت میں "لا یحرم" کی بجائے "لا رضاع" کا لفظ ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اول: قرآن پاک کی آیت ہے "وحمله وفصاله ثلاثون شهرًا" ۔تو یہاں حمل وفصال کی مدت تیس مہینے بیان کی گئی تو اصول یہ ہے کہ جب دو چیزوں کی مدت ایک بیان ہو تو وہ ہر ایک کیلئے علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے تو گویا کہ حمل کی مدت بھی اڑھائی سال اور رضاعت کی مدت بھی اڑھائی سال لیکن حمل کے سلسلہ میں چونکہ ایک حدیث موجود ہے وہ حدیث عائشہؓ ہے "قالت لا یبقی الولد فی بطن امه اکثر من سنتین" کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد نہیں رہ سکتا اس لئے حمل کی مدت تو دو سال رہی لیکن رضاعت کی مدت اڑھائی سال ہی ہے۔
دلیل ثانی: یہ دلیل عقلی ہے کہ بچے کیلئے تغیر غذا ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعہ نشوونما منقطع ہو کر دوسری چیز سے حاصل ہو سکے پس اس تغیر غذا کیلئے اتنی مدت درکار ہوگی جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری چیز کا عادی ہو جائے کیونکہ دودھ چھڑانے کے بعد بیک وقت روٹی تو نہیں کھا سکتا اب امام ابوحنیفہؒ نے اس کو ادنیٰ مدت حمل کے ساتھ مقدر کیا ہے اس لئے کہ یہ مدت غذا کو بدل دینے والی ہے اور مدت غذا کی تبدیلی کے لئے چھ ماہ کی مدت درکار ہے اس لئے چھ ماہ کو دو سال اصل مدت رضاعت کے ساتھ ملانے سے اڑھائی سال بنتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ مَا يُذْهِبُ مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ هٰكَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ وَحَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ أَبِي حَجَّاجٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدِيثُ ابْنِ عُيَيْنَةَ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَالصَّحِيحُ مَا رَوَى هٰؤُلَاءِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ وَهِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ يُكْنٰى أَبَا الْمُنْذِرِ وَقَدْ أَدْرَكَ

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل سے وہ ہشام بن عروہ سے وہ حجاج بن حجاج اسلمی سے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ذمے سے دودھ پینے کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا ایک غلام یا لونڈی (یعنی ایک غلام یا لونڈی دودھ پلانے والی کو دے دو تو حق ادا ہو گیا) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔یحییٰ بن سعید قطان، حاتم بن اسماعیل اور کئی راوی ہشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حجاج بن حجاج سے اور وہ اپنے والد سے یہ حدیث اسی طرح مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔سفیان بن عیینہ ہشام سے وہ اپنے والد سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں حدیث ابن عیینہ غیر محفوظ ہے صحیح وہی ہے جو کئی راوی ہشام سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہشام بن عروہ کی کنیت ابومنذر ہے اور ان کی حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ملاقات ہوئی ہے ان کے قول مایذہب عنی مذمۃ

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ وَابْنَ عُمَرَ وَقَالَ مَعْنٰى قَوْلِهٖ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ يَقُولُ إِنَّمَا يَعْنِي ذِمَامَ الرَّضَاعَةِ وَحَقَّهَا يَقُولُ إِذَا أَعْطَيْتَ الْمُرْضِعَةَ عَبْدًا أَوْ أَمَةً فَقَدْ قَضَيْتَ ذِمَامَهَا وَيُرْوٰى عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءَهٗ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيلَ هِيَ كَانَتْ أَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

الرضاع کا مطلب یہ ہے کہ کون سی چیز ایسی ہے جو دودھ پلانے کے حق کو ادا کر دیتی ہے پس آپ نے فرمایا اگر تم اپنی دودھ پلانے والی کو غلام یا باندی دیدو تو اس کا حق ادا ہو جاتا ہے ابو طفیل سے منقول ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت آئی آپ نے ان کے لئے اپنی چادر بچھادی تو وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ چلی گئیں تو لوگ کہنے لگے کہ یہی وہ خاتون ہیں جو آپ ﷺ کی رضاعی ماں ہیں (یعنی حضرت حلیمہ)۔

تشریح: مذمۃ کے معنی ہیں حق وحرمت دودھ پلانے والی ماں کے بعد رضاعی ماں کا بھی حق ہے حقیقی ماں کا حق تو کبھی بھی ادا نہیں ہوسکتا البتہ رضاعی ماں کا حق ادا ہوسکتا ہے کہ وہ شیر خوار بچہ بڑا ہو کر اپنی رضاعی والدہ کو غلام یا باندی تحفہ میں دے دے تو اس کا حق ادا ہو جائے گا۔ حجاج اسلمیؓ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا رضاعی ماں کا حق کس طرح ادا ہوسکتا ہے تو آپؐ نے فرمایا غرہ سے یعنی غلام یا باندی دینے سے۔ اس سے اس کا حق اس طرح پورا ہوگا کہ رضاعی ماں نے اس کے بچپن میں دودھ پلانے میں اور اس کی پرورش کرنے میں بڑی تکالیف اٹھائی ہیں۔ پس غلام یا باندی اس کے قائم مقام ہو کر رضاعی ماں کے کاموں میں تکالیف کو برداشت کرے گا اور غرہ دینا مستحب ہے واجب نہیں واجب تو وہ اجرت تھی جو شیر خوار کے ولی نے ادا کر دی۔

هٰكَذَا رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ: اس باب میں حدیث اوّل کے راوی کا نام حجاج ہے یا ابو الحجاج ہے یحییٰ قطان اور حاتم بن اسماعیل وغیرہ حجاج کہتے ہیں یعنی باپ اور بیٹے کا نام ایک ہے اور سفیان بن عیینہ ابو الحجاج نام لیتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے سفیان بن عیینہ کی حدیث کو غیر محفوظ بتایا ہے یعنی صحیح نام حجاج ہے اور ہشام کی کنیت ابو المنذر ہے اور ان کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے پس وہ تابعی ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تُعْتَقُ وَلَهَا زَوْجٌ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا. حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ

علی بن حجر، جریر بن عبد الحمید سے وہ ھشام بن عروہ سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دے دیا تو انہوں نے خاوند سے علیحدگی اختیار کر لی اگر ان کے شوہر آزاد ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اختیار نہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ حُرًّا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ هَكَذَا رَوَى هِشَامٌ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا وَرَوَى عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُ زَوْجَ بَرِيرَةَ وَكَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالُوا إِذَا كَانَتِ الْأَمَةُ تَحْتَ الْحُرِّ فَأُعْتِقَتْ فَلَا خِيَارَ لَهَا وَإِنَّمَا يَكُونُ لَهَا الْخِيَارُ إِذَا أُعْتِقَتْ وَكَانَتْ تَحْتَ عَبْدٍ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَرَوَى الْأَعْمَشُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ حُرًّا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى أَبُو عَوَانَةَ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ فِي قِصَّةِ بَرِيرَةَ قَالَ الْأَسْوَدُ وَكَانَ زَوْجُهَا حُرًّا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ

دیتے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضرت بریرہؓ کا شوہر آزاد تھا اور آپ نے حضرت بریرہؓ کو اختیار دیا حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے۔ ہشام بن عروہ بھی اپنے والد سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اسی طرح نقل کرتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر غلام تھا عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ انہوں نے بریرہ کے شوہر کو دیکھا وہ غلام تھا اور اسے مغیث کہتے تھے۔ ابن عمرؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر باندی کو آزاد کیا جائے اور وہ کسی آزاد شخص کے نکاح میں ہو تو اسے اختیار نہیں لیکن اگر غلام کے نکاح میں ہو تو اسے اختیار ہے۔ امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے کئی راوی اعمش سے وہ ابراہیم سے، وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی نقل کرتے ہیں کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا اور آپ ﷺ نے اسے اختیار دیا تھا ابوعوانہ یہ حدیث اعمش سے، وہ ابراہیم سے، وہ اسود سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بریرہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ نقل کرتے ہیں اسود کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر آزاد تھا بعض علماء تابعین اور ان کے بعد کے علماء کا اسی پر عمل ہے۔ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ عَنْ أَيُّوبَ وَقَتَادَةُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا أَسْوَدَ لِبَنِي الْمُغِيرَةِ يَوْمَ أُعْتِقَتْ بَرِيرَةُ وَاللهِ لَكَأَنِّي بِهِ فِي طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَنَوَاحِيهَا وَإِنَّ دُمُوعَهُ لَتَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ يَتَرَضَّاهَا لِتَخْتَارَهُ فَلَمْ تَفْعَلْ

ھناد، عبدہ سے وہ سعید بن ابی عروبہ سے وہ ایوب اور قتادہ سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ بریرہ جب آزاد کی گئیں تو ان کا خاوند بنو مغیرہ کا سیاہ فام غلام تھا، اللہ کی قسم ایسے لگتا ہے کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں میرے سامنے پھر رہا ہے اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے اور وہ بریرہؓ کو راضی کر رہا

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ هُوَ سَعِيدُ بْنُ مِهْرَانَ وَيُكْنَى أَبَا النَّضْرِ

ہے تا کہ وہ اسے اختیار کرے لیکن بریرہ نے ایسا نہیں کیا یہ حدیث صحیح ہے سعید بن ابی عروبہ سے مراد سعید بن مہران ہیں ان کی کنیت ابو النضر ہے۔

تشریح: مسئلہ: خیار عتق کا کیا حکم ہے؟ زوجہ کے آزاد ہو جانے کے بعد خیار عتق حاصل ہوگا یا نہیں۔ مسئلہ سے پہلے خیار عتق کی تعریف سمجھ لیں اگر کوئی باندی کسی کے نکاح میں ہو اور وہ آزاد ہو جائے تو اسے اپنے نکاح کو باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ملتا ہے اس کو خیار عتق کہتے ہیں۔ اس بات میں اتفاق ہے کہ اگر عتق کے وقت خاوند غلام ہو تو آزاد ہونے والی باندی کو خیار عتق ملے گا۔ اگر باندی کی آزادی کے وقت اس کا شوہر آزاد ہو تو اس کو خیار عتق ملے گا یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

اس اختلاف کا منشا ایک اور اختلاف ہے کہ خیار عتق کی علت کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خیار عتق کی علت یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کر غلام کے گھر رہنے کو عار سمجھے گی۔ گویا دونوں میں کفاءت نہ ہوئی اور خاوند آزاد ہونے کی صورت میں یہ علت نہیں جبکہ احناف ؒ کے نزدیک علت ازدیاد ملک ہے یعنی عورت پر مرد کی ملک بڑھ گئی نیز (پہلے جب وہ لونڈی تھی تو اس کی دو طلاقیں تھیں اور جب وہ آزاد ہو گئی تو اس پر تین طلاقیں واقع ہو سکتی ہیں) لہٰذا جب ملک بڑھ گئی تو اس کو اختیار ہے چاہے تو وہ نکاح قائم رکھے چاہے وہ فسخ کرے۔

مسئلہ: اگر شوہر آزاد ہے تو اس کو اختیار ملے گا یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک اس کو خیار عتق حاصل ہوگا۔

دونوں فریقوں کا استدلال حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ اس بات میں اتفاق ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزادی کے بعد اختیار ملا تھا اور انہوں نے اپنے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے پاس نہ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی آزادی کے وقت ان کے شوہر حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے بارے میں دو قسم کی روایات ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے، یہی حضرات حنفیہ کا مستدل ہے اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ اس وقت غلام تھے یہ روایت ائمہ ثلاثہ کی مستدل ہے۔

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے غلام ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ایک روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اور دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی ہے جو کہ حدیث الباب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ ان کی روایت میں حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے غلام ہونے کی تصریح ہے۔ البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اختلاف ہے ان سے روایات کرنے والے تین راوی ہیں۔ عروہ، قاسم بن محمد، اسود۔ ان تینوں میں سے عروہ اور قاسم دونوں کی روایات میں تعارض ہے جبکہ اسود کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس میں تصریح ہے کہ حضرت مغیث رضی اللہ عنہ آزاد تھے۔ ائمہ ثلاثہ کا مستدل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں ان الفاظ ''وکان عبدًا'' کی صراحت ہے حضرات حنفیہ نے اسود والی روایت کو ترجیح دی جس میں ہے ''وکان زوجھا حرا''۔

یہ حروالی روایت نقلاً بھی راجح ہے اور عقلاً بھی راجح ہے۔ نقلاً اس طرح کہ عروہ جہاں ''کان زوجھا عبدا'' نقل کرتے ہیں وہیں ''کان زوجھا حرا'' بھی نقل کرتے ہیں جبکہ اسود صرف ''کان زوجھا حرا'' کے الفاظ ہی نقل کرتے ہیں

۔لہٰذا حضرت عروہ کی روایتیں ''اذا تعارضا تساقطا'' والے کلیہ کے تحت ساقط ہو جائیں گی اور حضرت اسود کی روایت باقی رہ جائیگی کہ انکے خاوند آزاد تھے۔اور اسود والی حدیث درایۃً بھی راجح ہے کیونکہ یہ مثبت ہے اور عروہ والی حدیث نافی ہے اور مثبت اور نافی میں تعارض آجائے تو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے لہٰذا ہم حضرت عروہ کی حدیث میں یہ تاویل کریں گے کہ وہ پہلے غلام تھے۔اب دونوں روایتوں میں تطبیق ہوجائیگی۔

سوال: آپ کا یہ کہنا کہ عروہ والی حدیث میں ہے کہ ان کے خاوند غلام تھے۔یہ نافی ہونے کی وجہ سے مرجوع ہے تو یہ بات درست نہیں۔کیونکہ آگے ''ولو کان زوجها حرا لم یخیرها'' ہے۔ جواب: یہ حدیث کا جملہ نہیں ہے بلکہ یہ راوی کا ظن ہے کیونکہ صاحب مشکوۃ کی عادت ہے وہ صرف صحابی کو ذکر کرتے ہیں جب کہ یہاں انہوں نے اس کے بعد والے راوی کو بھی ذکر کردیا۔

باب مَا جَاءَ أَنَّ الْوَلَدَ لِلْفِرَاشِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَائِشَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ وَعَمْرِو بْنِ خَارِجَةَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

احمد بن منیع ،سفیان سے وہ زہری سے وہ سعید بن میسب سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اولاد صاحب فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں اس باب میں حضرت عمر، عثمان ، عائشہ، ابوامامہ، عمرو بن خارجہ، عبداللہ بن عمرو، براء حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے زہری یہ حدیث سعید بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔بن میسب اور ابوسلمہ اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اور اسی پر اہل علم کا عمل ہے۔

تشریح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی عورت بچہ جنے اور اس کا شوہر ہو اور وہ بچہ کا انکار نہ کرے تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہوگا اگر کوئی غیر اس بچہ کا دعوی کرے یا نسب پر اعتراض کرے تو وہ دعوی یا اعتراض ثبوت نسب میں خلل انداز نہیں ہوگا۔

بعض قاعدے اور کلیات ایسے ہوتے ہیں جن کو ہر حال میں تسلیم کرنا پڑتا ہے مثلاً کورٹ یا عدالت کا قاعدہ ہے ''البینة علی المدعی والیمین علی من انکر'' یعنی مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا اور منکر پر قسم ہے۔اگر کوئی شخص عدالت اسلامی میں دعوی پیش کرتا ہے تو سب سے پہلے قاضی گواہ طلب کرے گا اگر اس نے گواہ پیش کردیے تو قاضی ان کا تزکیہ کرے گا اگر گواہ ٹھیک ثابت ہوئے تو ان کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔اگر وہ گواہ پیش نہ کرسکے تو منکر سے قسم لی جائے گی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے جبکہ گواہ جھوٹے بھی ہوسکتے ہیں۔اور منکر بھی تو جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔مگر ان احتمالات کی بناء پر بھی فیصلہ کا یہی طریقہ ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔اسی

طرح بچہ شوہر کا ہے اس میں بھی احتمالات ہیں کہ بچہ شوہر کا نہ ہو زنا کا ہو مگر ان احتمالات کا اعتبار نہیں جب بچہ جننے والی عورت کا شوہر موجود ہے اور بچہ کا انکار نہیں کرتا تو نسب اس سے ثابت ہوگا اور اگر بچہ شوہر کا نہیں تو اس کے لئے راستہ کھلا ہے وہ انکار کردے اور لعان کرے۔

وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ: یہ بات آپ ﷺ نے ایک خاص واقعہ میں ارشاد فرمائی ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا ایک بڑا بھائی تھا جس کا کفر کی حالت میں انتقال ہو گیا تھا اس نے مرتے وقت حضرت سعد ؓ کو وصیت کی تھی کہ زمعہ کی فلاں باندی کا لڑکا میرا ہے۔ جب بھی تمہیں موقع ملے اس کو اپنے خاندان میں لے لینا زمعہ آنحضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت سوداء ؓ کے والد ہیں فتح مکہ کے موقع پر حضرت سعد ؓ کو وہ لڑکا مل گیا وہ جوان ہو چکا تھا۔ حضرت سعد ؓ نے اس کو لے لیا اور ساتھ مدینہ لے جانے کا ارادہ کیا تو زمعہ کے ایک دوسرے لڑکے عبد نے مزاحمت کی، اور یہ مقدمہ آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ؐ نے دونوں کی بات سن کر عبد کے حق میں فیصلہ دیا اور ارشاد فرمایا بچہ فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

حجر سے کیا مراد ہے۔ بعض حضرات نے حجر سے حرمان ولد کے معنی لئے ہیں اور بعض نے حجر سے رجم کے معنی لئے ہیں حافظ ابن حجر ؒ نے پہلے معنی کو راجح قرار دیا ہے۔

اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ: احناف کے ہاں فراش کی تین قسمیں ہیں۔

① **فراش قوی**: منکوحہ کا فراش جس میں نسب بغیر دعوی کے ثابت ہو جائے اور وہ انکار سے منتفی نہیں ہوتا مگر یہ کہ شوہر لعان کرے۔

② **فراش متوسط**: جو ام ولد کا فراش ہے اس کے دوسرے بچہ سے نسب بغیر دعوی کے ثابت ہو جاتا ہے۔ یعنی مولی کا سکوت ثبوت نسب کے لئے کافی ہے البتہ نسب کی نفی سے نسب منتفی ہو جاتا ہے لعان کی ضرورت نہیں ہوتی۔

③ **فراش ضعیف**: جو عام باندیوں کا فراش ہے جس میں ثبوت نسب کے لئے دعوی ضروری ہے البتہ مولی پر دیانۃً دعوی نسب لازم ہے۔

حدیث الباب کو اگر دقیق نظر سے دیکھا جائے تو پھر بھی یہ احناف کے مسلک کو ثابت کر رہی ہے۔ حدیث میں الولد للفراش کے بعد وللعاھر الحجر کا اضافہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ حدیث اس صورت سے بحث کر رہی ہے جب ظاہر حالات سے زنا کا ارتکاب نظر آتا ہو کہ اس صورت میں بھی ولد کی نسبت فراش کی طرف ہوگی حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے ثبوت نسب کے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے اور حتی الامکان انساب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ غیر ثابت النسب ہونے سے ایک شخص کی زندگی اس کے کسی جرم کے بغیر برباد ہو جاتی ہے اگرچہ شریعت نے اپنے احکام میں ولد الزنا کے ساتھ کوئی خاص امتیاز نہیں برتا لیکن ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ ولد الزنا کو معاشرے میں وہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا جو ایک ثابت النسب شخص کو حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ نسب کا ثبوت نفس الامر میں ایک ایسا معاملہ ہے جس کی تحقیق سوائے ماں کے اور کسی کو نہیں سکتی۔ باپ کو بھی اس بات کا پتہ نہیں چل سکتا اس لئے اس مسئلہ کا مدار اس کی ظاہری علامت یعنی فراش کو بنایا گیا ہے اب جہاں فراش پایا جائے گا وہاں ثبوت نسب ہو جائے گا۔ بشرطیکہ کوئی عقلی استحالہ یا شرعی محظور لازم نہ آئے۔ اس لئے اس صورت میں نہ عقلی استحالہ ہے اور نہ ہی شرعی محظور لہٰذا بچہ کی زندگی درست کرنے کے لئے اسے ثابت النسب قرار دینا ضروری ہے۔

باب ما جاء في الرجل يرى المرأة فتعجبه

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ وَهُوَ الدَّسْتُوَائِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى امْرَأَةً فَدَخَلَ عَلَى زَيْنَبَ فَقَضَى حَاجَتَهُ وَخَرَجَ وَقَالَ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا أَقْبَلَتْ أَقْبَلَتْ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَأَعْجَبَتْهُ فَلْيَأْتِ أَهْلَهُ فَإِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِي مَعَهَا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَهِشَامُ بْنُ أَبِي عَبْدِ اللهِ هُوَ صَاحِبُ الدَّسْتُوَائِيِّ هُوَ هِشَامُ بْنُ سَنْبَرٍ.

محمد بن بشار، عبدالاعلیٰ، ہشام بن ابی عبداللہ اور وہ دستوائی سے وہ ابی زبیر سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تو اپنی بیوی زینبؓ کے پاس داخل ہوئے اور اپنی حاجت پوری کی (یعنی صحبت کی) پھر باہر نکلے اور فرمایا عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے پس اگر تم میں سے کوئی عورت کو دیکھے اور اسے اچھی لگے تو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آجائے کیونکہ اس کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس کے پاس ہے۔اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت ہے حضرت جابر کی حدیث حسن صحیح غریب ہے ہشام بن ابی عبداللہ، دستوائی کے دوست اور سنبر کے بیٹے ہیں۔

تشریح: اگر کسی کی اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے اور وہ اچھی لگے تو یہ غیر اختیاری بات ہے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، مگر اس کا علاج ضروری ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ فوراً گھر جا کر بیوی سے مل لے اور اپنی خواہش پوری کر لے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کے جب آبخورے بھر جاتے ہیں تو یہ دماغ کی طرف چڑھتے ہیں اور دماغ سے جنسی خواہش پیدا ہوتی ہے پھر استفراغ مادہ ہی اس کا علاج ہے۔

سوال: نبی کریم ﷺ معصوم تھے پھر نظر پڑنے سے یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی۔

جب انسان اس حاجت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

① انسان محل حرام میں اپنی شہوت کو پورا کرے یہ صورت بالاتفاق ناجائز اور حرام ہے۔

② انسان اپنی شہوت کو محل حلال میں پورا کرے یہ بالاتفاق جائز ہے۔

③ انسان کو اپنی شہوت پورا کرنے کا ارادہ ہو محل حلال میں اور حرام کی تقیید نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

آپ کو جو صورت پیش آئی تھی وہ پہلی صورت نہیں تھی۔ بلکہ محل حلال اپنی حاجت پوری کرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی اور یہ مقام نبوت کے منافی نہیں۔

باب ما جاء في حق الزوج على المرأة

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ

محمود بن غیلان، نضر بن شمیل، محمد بن عمرو سے وہ ابی سلمہ سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَسُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ وَعَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى وَطَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو کسی دوسرے کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ اس باب میں حضرت معاذ بن جبل، سراقہ بن مالک، عائشہ، ابن عباس، عبداللہ بن ابی اوفی، طلق بن علی، ام سلمہ، انس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سند سے حسن غریب ہے۔ یعنی محمد بن عمرو کی ابوسلمہ سے اور ان کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے۔

تشریح: **شانِ ورود:** چند صحابہ کرام + ملک شام میں گئے وہاں انہوں نے شاہوں کے منظر کو دیکھا کہ جب بڑا دربار میں آتا ہے تو سب لوگ دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب اس کو سجدہ کرتے ہیں اور جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے سب لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ حقیقی تعظیم کے لائق تو آپ ہیں ہمارا جی چاہتا ہے کہ جب آپ مجلس میں جلوہ افروز ہوں تو ہم آپ کو سجدہ کریں اور آپ کے سامنے کھڑا رہا کریں۔ آپؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور سجدہ کے حوالہ سے وہ بات فرمائی جو اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے۔ اور قیام کے بارے میں فرمایا ''لاتقوموا کما یقوم الاعاجم'' یعنی جس طرح عجمی دربار میں کھڑے رہتے ہیں تم اس طرح دربار میں کھڑے نہ ہو۔ ہمارے بعض علماء کرام نے اس حدیث کو مزید آگے بڑھایا اور فرمایا کسی کے استقبال کے لئے کھڑا ہونا پھر بیٹھ جانا بھی اس حدیث کا مصداق ہے کیونکہ ممانعت کی علت تعظیم ہے۔ عجمی اپنے بڑوں کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کے سامنے بیٹھنے کو توہین سمجھتے تھے پس اگر استقبال کے لئے کھڑے ہونے کی اجازت دی جائے گی تو یہ قیام بڑھتا بڑھتا عجمیوں کے قیام تک پہنچ جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ جب مجلس میں تشریف لاتے تھے تو آپؐ کے احترام میں کوئی کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آپؐ سے زیادہ محترم کوئی نہیں تھا لیکن پھر بھی جب آپ ﷺ تشریف لاتے تو کوئی صحابیؓ بھی آپ ﷺ کے لئے کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ بات پسند نہیں۔

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر جب وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے اور لشکر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''قوموا الی سیدکم'' تم اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان کو جا کر سواری سے اتارو اس لئے کہ وہ سردار تھے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا ''قوموا الی سیدکم'' کا حکم بنو قریظہ کے لوگوں کے لئے تھا جو فیصلہ کے لئے آپ ﷺ کے پاس تھے آپ ﷺ نے بطور تذلیل کے ان کو حکم دیا کہ تم بھی اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جیسا کہ اعاجم کھڑے ہوتے ہیں۔

حدیث میں سجدہ کے بارے میں ارشاد فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں اور اس میں کوئی گنجائش بھی نہیں اگر گنجائش ہوتی تو عورتوں کو حکم دیا جاتا کہ جب ان کے شوہر آئیں تو عورتیں ان کو سجدہ کر کے ان کی تعظیم بجالائیں۔

اس حدیث سے یہ بات نکلتی ہے کہ عورت پر شوہر کا پہلا حق ہے کہ وہ جائز حدود میں رہ کر شوہر کی ہر طرح کی تعظیم بجالائے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا مُلَازِمُ بْنُ عَمْرٍو قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقٍ عَنْ أَبِيهِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّورِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

ھناد، ملازم بن عمرو، عبداللہ بن بدر سے وہ حضرت قیس بن طلق سے وہ اپنے والد طلق بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب شوہر بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو اسے اس کے پاس جانا چاہیے اگرچہ وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَبِي نَصْرٍ عَنْ مُسَاوِرٍ الْحِمْيَرِيِّ عَنْ أُمِّهِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ قَالَ أَبُو عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

واصل بن عبدالاعلیٰ کوفی، محمد بن فضیل سے وہ عبداللہ بن عبدالرحمن سے وہ ابی نصر سے وہ مساور حمیری سے وہ اپنی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّورِ: اس جملہ کی دو شرحیں کی ہیں۔

① الکوکب الدری میں ہے کہ جب عورت تنور پر روٹی پکا رہی ہو اور اس وقت اس کا شوہر اس کو بلا رہا ہو۔ اگر یہ عورت شوہر کی اطاعت کرتی ہے تو تنور پر لگی ہوئی روٹیاں ضائع ہوں گی اور اگر شوہر کے بلانے پر نہ جائے تو شوہر کا حق ضائع ہوگا تو اب شریعت میں ''اھون البلیتین'' کا حکم ہے کہ عورت کو روٹی کے ضائع ہونے کا خیال نہیں رکھنا چاہیے بلکہ شوہر کے بلانے پر جانا چاہیے۔

② بعض حضرات نے کہا کہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ عورت کو شوہر کے بلانے پر جانا چاہیے اگرچہ عورت پر اتنی مشقت ہو جتنا کہ تنور کے پاس روٹی پکانے کے وقت ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں ابن الملک کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شوہر کے بلانے پر جانے کا حکم اس وقت ہے جبکہ شوہر کا مال ہو اگر شوہر کا مال نہ ہو تو اس کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ ہے جو اخلاق

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ. وَفِي الْبَاب عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

میں سب سے بہتر ہے اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہیں۔ اس باب میں حضرت عائشہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے حدیث ابو ہریرہ حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْجُعْفِيُّ عَنْ زَائِدَةَ عَنْ شَبِيبِ بْنِ غَرْقَدَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْأَحْوَصِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّهُ شَهِدَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَذَكَّرَ وَوَعَظَ فَذَكَرَ فِي الْحَدِيثِ قِصَّةً فَقَالَ أَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَإِنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ. هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى قَوْلِهِ عَوَانٌ عِنْدَكُمْ يَعْنِي أَسْرَى فِي أَيْدِيكُمْ

حسن بن علی خلال، حسین بن علی جعفی سے وہ زاءدہ سے وہ شبیب بن غرقدہ سے وہ سلمان بن عمرو بن احوص سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں بتایا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور وعظ ونصیحت فرمائی راوی نے یہ حدیث بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خبردار میں تمہیں عورتوں کے حق میں بھلائی کی نصیحت کرتا ہوں اس لئے کہ وہ تمہارے پاس قید ہیں اور تم ان پر اس کے علاوہ کوئی اختیار نہیں رکھتے کہ ان سے صحبت کرو البتہ یہ کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کی مرتکب ہوں تو انہیں اپنے بستر سے الگ کر دو اور ان کی معمولی پٹائی کرو پھر اگر وہ تمہاری بات ماننے لگیں تو انہیں تکلیف پہنچانے کے راستے تلاش نہ کرو جان لو کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر اور ان کا تم پر حق ہے تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو نہ بٹھائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ عوان عندکم کے معنی ہیں کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔

تشریح: بیویوں کے ساتھ اچھا اخلاقی برتاؤ ان کا مردوں پر ایک حق ہے۔ آدمی ازواج کے ساتھ اچھے اخلاقی برتاؤ کے بغیر ایمان میں باکمال نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث میں ایک معاشرتی کمزوری کو دور کیا گیا ہے لوگ عام طور پر اجانب کے ساتھ تو اچھے اخلاق کا برتاؤ کرتے ہیں مگر اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ بیویوں کے ساتھ اور نوکروں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ اچھا نہیں کرتے۔ باہر دوستوں کے ساتھ اخلاق اچھا ہوگا ان کے ساتھ بات اور گفتگو بڑے مہذب انداز سے کریں گے اور اپنے متعلقین سے ایسے گفتگو کریں

گے جیسا کہ ابھی ان کی پٹائی لگنے والی ہے۔ جبکہ اہل خانہ سے اخلاق زیادہ عمدہ ہونے چاہئیں۔ حدیث الباب میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا کامل اخلاق والا ہے کیونکہ دوسروں کے ساتھ ہر شخص عموماً اچھے اخلاق کا برتاؤ کرتا ہی ہے۔

مردوں پر عورتوں کے حقوق: ① **احتباس:** عورتوں کو اپنے گھر میں روک کر رکھنا یہ مردوں کا حق ہے اور یہ حق اس لئے ہے کہ نسب محفوظ رہے اگر وہ عورت باہر ادھر ادھر مٹکتی پھرے گی تو اس میں بہت سارے نقصانات ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی اور کا بچہ لے آئے اور وہ شوہر کا کہلائے۔ اس لئے عورت کو چاہیے کہ مرد کا حق قبول کرے اگر وہ اس حق کو قبول نہ کرے اور علانیہ نافرمانی کرے تو شوہر اس کو تین سزائیں دے سکتا ہے۔

اوّل: اس کی چارپائی علیحدہ کرلے اور اسے اپنے ساتھ نہ لٹائے۔ علماء کہتے ہیں کہ صرف چارپائی علیحدہ کرے کمرہ تبدیل نہ کرے بلکہ بیوی کے کمرے میں ہی سوئے تا کہ بیوی کو غلطی کا احساس ہو تو وہ معافی مانگ کر اپنی اصلاح کرلے۔ اگر شوہر کسی دوسرے کمرے میں سوئے گا تو اس کی بیوی اس سے کیسے معافی مانگے گی اور اپنی غلطی کی اصلاح کیسے کرے گی۔

ثانی: اگر عورت اس رویہ سے اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کی پٹائی کرے بشرطیکہ مار سخت نہ ہو ایسی مار جس سے نشان پڑ جائیں تو اس کی اجازت نہیں۔ **ثالث:** اس سے بھی اگر کام نہ چلے تو سورہ نساء میں یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ پنچایت بٹھائے اور اپنے اور بیوی کے خاندان کے چند افراد کو بٹھائے اور ان کے سامنے مسئلہ رکھے اگر وہ اخلاص سے کوشش کریں گے تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا ورنہ آخری راستہ طلاق ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر عورت کی طرف سے نشوز پایا جاتا ہے تو اس کو کنٹرول کرنے کے لئے تین طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اگر عورت کسی بھی مسئلہ میں معذرت کرلے یا نافرمانی سے باز آجائے تو پھر اس کو خواہ مخواہ پریشان کرنا جائز نہیں۔

② عورت پر مرد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ جن لوگوں کو اپنے گھر آنے سے ناپسند کرتا ہے بیوی ان کو گھر میں نہ آنے دے۔ حتیٰ کہ اگر ساس سسر کے آنے پر بھی شوہر ناراض ہوتا ہے تو ان کو بھی اپنے گھر نہ آنے دے البتہ بیوی اگر اپنے والدین سے ملنے کے لئے جائے تو اس کو شوہر نہیں روک سکتا ورنہ قطع رحمی لازم آئے گی جو حرام ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ النِّسَاءِ فِي أَدْبَارِهِنَّ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَهَنَّادٌ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ عِيسَى بْنِ حِطَّانَ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَلَّامٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ قَالَ أَتَى أَعْرَابِيٌّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَكُونُ فِي الْفَلَاةِ فَتَكُونُ مِنْهُ الرُّوَيْحَةُ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قِلَّةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ

حضرت علی بن طلق ؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی کسی وقت جنگل میں ہوتا ہے جہاں پانی کی قلت ہوتی ہے وہاں اس کی ہوا خارج ہو جاتی ہے تو وہ کیا کرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی ہوا خارج ہو جائے تو وہ وضو کرے اور عورتوں کے پیچھے یعنی دبر میں جماع نہ کرو اللہ حق بات کہنے سے حیاء نہیں کرتا اس باب

وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَخُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ. حَدِيثُ عَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَا أَعْرِفُ لِعَلِيِّ بْنِ طَلْقٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ الْوَاحِدِ وَلَا أَعْرِفُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ حَدِيثِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ السُّحَيْمِيِّ وَكَأَنَّهُ رَأَى أَنَّ هَذَا رَجُلٌ آخَرُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى وَكِيعٌ هَذَا الْحَدِيثَ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مُسْلِمٍ وَهُوَ ابْنُ سَلَّامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ وَلَا تَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَعْجَازِهِنَّ قَالَ أَبُو عِيسَى وَعَلِيٌّ هَذَا هُوَ عَلِيُّ بْنُ طَلْقٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ الْأَحْمَرُ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ أَتَى رَجُلًا أَوِ امْرَأَةً فِي الدُّبُرِ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

میں حضرت عمر، خزیمہ، ابن عباس، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت علی بن طلق کی حدیث حسن ہے میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں میں علی بن طلق کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں جانتا اور میں طلق بن علی سے یہ روایت نہیں پہچانتا۔ گویا امام بخاری کے خیال میں یہ کوئی دوسرے صحابی ہیں وکیع نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ قتیبہ، وکیع، عبداللہ بن مسلم، ابن سلام کی سند حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کسی کی ہوا خارج ہو تو وضو کرے اور عورتوں کے پیچھے سے بدفعلی نہ کرو یہ علی، حضرت علی بن طلقؓ ہیں۔ ابوسعید، ابوخالد، ضحاک بن عثمان، مخرمہ بن سلیمان، کریب، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جو کسی مرد یا عورت سے غیر فطری عمل کرے یعنی پیچھے سے جماع کرے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں خروج ریح سے وضو کے ٹوٹ جانے کا ذکر ہے۔ آگے آپ ﷺ نے دوسرا مسئلہ بتایا کہ اپنی بیویوں سے پچھلی راہ میں صحبت نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتے۔ یعنی یہ بات اگرچہ شرم کی ہے مگر بیان کرنا ضروری ہے۔

اس حدیث کے راوی علی بن طلقؓ ہیں اور دوسرے راوی طلق بن علیؓ ہیں ان کی روایت مس ذکر کے باب میں آتی ہے۔ یہ دونوں راوی ایک ہیں یا علیحدہ علیحدہ ہیں۔ امام بخاریؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ آدمی ہیں اور علی بن طلقؓ کی یہی ایک روایت ہے اکثر محدثین کے نزدیک یہ طلق بن علیؓ ہی ہیں نام میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ باقی حدیث میں اغلام کی ممانعت ہے کہ یہ مطلقاً حرام ہے خواہ مرد کے ساتھ ہو یا عورت کے ساتھ خواہ وہ عورت اجنبی ہو یا اپنی منکوحہ ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ النِّسَاءِ فِي الزِّينَةِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ أَيُّوبَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ مَيْمُونَةَ ابْنَةِ سَعْدٍ وَكَانَتْ خَادِمًا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِي الزِّينَةِ فِي غَيْرِ أَهْلِهَا كَمَثَلِ ظُلْمَةِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا نُورَ لَهَا قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ وَمُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَهُوَ صَدُوقٌ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ شُعْبَةُ وَالثَّوْرِيُّ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ وَلَمْ يَرْفَعْهُ

علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ ایوب بن خالد سے وہ میمونہ بنت سعدؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ حضرت میمونہ بنت سعد سے روایت کرتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خاوند کے سوا دوسروں کے لئے زینت کے ساتھ ناز نخرے سے چلنے والی عورت اس طرح ہے جیسے قیامت کی تاریکی جس میں کوئی روشنی نہ ہو۔ اس حدیث کو ہم صرف موسیٰ بن عبیدہ کی روایت سے پہچانتے ہیں اور موسیٰ بن عبیدہ کو حفظ کے اعتبار سے ضعیف قرار دیا گیا ہے لیکن وہ سچے ہیں، شعبہ اور ثوری ان سے روایت کرتے ہیں بعض راوی یہ حدیث موسیٰ بن عبیدہ سے غیر مرفوع بھی نقل کرتے ہیں۔

تشریح: مَثَلُ الرَّافِلَةِ: اس کے معنی ہیں دامن گھسیٹتے ہوئے ناز سے چلنا، ہاتھ ہلاتے ہوئے چلنا۔

عورت کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے بناؤ سنگھار کرے اور اسے ناز و انداز اور نخرے دکھائے کسی اور کے لئے عورت کا سجنا دھجنا اس کے سامنے مٹک کر چلنا حرام ہے۔ اس حدیث کی راویہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی خادمہ تھیں یعنی آپؐ کے گھر کے کاموں میں بیویوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْغَيْرَةِ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيبٍ عَنِ الْحَجَّاجِ الصَّوَّافِ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ يَغَارُ وَالْمُؤْمِنُ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللَّهِ أَنْ يَأْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا الْحَدِيثُ

حمید بن مسعدہ، سفیان بن حبیب سے وہ حجاج صواف سے وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے وہ ابی سلمہ سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت غیرت والا ہے اسی طرح مومن بھی غیرت مند ہوتا ہے اللہ کو اس وقت غیرت آتی ہے جب مومن وہ کام کرے جو اس پر حرام ہے اس باب میں حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن غریب ہے یحییٰ بن کثیر بھی یہ حدیث ابوسلمہ سے وہ عروہ سے وہ اسماء بنت ابوبکر سے

وَكِلَا الْحَدِيثَيْنِ صَحِيحٌ وَالْحَجَّاجُ الصَّوَّافُ هُوَ الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ وَأَبُو عُثْمَانَ اسْمُهُ مَيْسَرَةُ وَحَجَّاجٌ يُكْنَى أَبَا الصَّلْتِ وَثَّقَهُ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْعَطَّارُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ قَالَ سَأَلْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ الْقَطَّانَ عَنْ حَجَّاجٍ الصَّوَّافِ فَقَالَ هُوَ فَطِنٌ كَيِّسٌ.

اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتی ہیں یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، حجاج صواف، حجاج بن ابو عثمان ہیں، ان کا نام میسرہ ہے، حجاج کی کنیت ابوصلت ہے یحییٰ بن سعید قطان نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ علی بن عبداللہ فرماتے ہیں اس نے یحییٰ بن سعید قطان سے حجاج صواف کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا وہ سمجھدار ذہین ہیں۔

تشریح: غیرت کہتے ہیں کہ اپنے گھر والوں میں ایسی ویسی بات دیکھے تو اسے غصہ آئے یہ اچھی صفت ہے اس لئے کہ یہ صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اچھی ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ حرام کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو غصہ آتا ہے یہ اللہ کا غیرت کھانا ہے۔

الحاصل یہ کہ غیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور صفات محمودہ میں سے ہے۔ پس یہ صفت مؤمنین میں بھی ہونی چاہیے اور اس کی ضد دیوث پن ہے یعنی گھر والوں کی غلطی سے دیدہ ودانستہ چشم پوشی کرنا یہ صفت مذمومہ ہے۔

وہ قلدروی عن یحییٰ بن ابی کثیر: یہ حدیث دوسندوں سے مروی ہے۔

① ابوسلمہ اس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

② اسی طرح ابوسلمہ، اسماء بنت ابی بکر سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہما کے واسطے سے بھی روایت کرتے ہیں **و کلا الحدیثین صحیح** حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں حجاج الصواف آئے ہیں ان کے والد کی کنیت ابو عثمان اور نام میسرہ ہے اور حجاج کی کنیت ابوالصلت ہے یہ ثقہ راوی ہے۔ یحییٰ بن سعید قطان نے ان کی توثیق کی ہے یحییٰ بن سعید قطان نے اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ زیرک ہوشیار تھا۔ فطن اور کیس مترادف الفاظ ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَنْ تُسَافِرَ الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَيَكُونُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا إِلَّا وَمَعَهَا أَبُوهَا أَوْ أَخُوهَا أَوْ زَوْجُهَا أَوِ ابْنُهَا أَوْ ذُو مَحْرَمٍ مِنْهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ

احمد بن منیع، ابو معاویہ سے وہ اعمش سے وہ ابی صالح سے وہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی ایسی عورت کے لئے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں کہ وہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر اپنے والد بھائی شوہر، بیٹے، یا کسی محرم کو ساتھ لئے بغیر کرے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے، یہ حدیث حسن صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ کوئی عورت ایک دن رات کا سفر محرم کے

لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَكْرَهُونَ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تُسَافِرَ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ مُوسِرَةً وَلَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ هَلْ تَحُجُّ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَجِبُ عَلَيْهَا الْحَجُّ لِأَنَّ الْمَحْرَمَ مِنَ السَّبِيلِ لِقَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ { مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا } فَقَالُوا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا مَحْرَمٌ فَلَا تَسْتَطِيعُ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا كَانَ الطَّرِيقُ آمِنًا فَإِنَّهَا تَخْرُجُ مَعَ النَّاسِ فِي الْحَجِّ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ.

بغیر نہ کرے، اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ محرم کے بغیر سفر کو مکروہ سمجھتے ہیں لیکن اگر کوئی عورت حج کی استطاعت رکھتی ہو اور اس کا کوئی محرم نہ ہو تو اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس پر حج فرض نہیں کیونکہ محرم کا ہونا ضروری ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یعنی حج اس پر فرض ہے جس میں جانے کی استطاعت ہو اور یہ عورت استطاعت نہیں رکھتی کیونکہ اس کا کوئی محرم نہیں سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر راستے میں امن ہو تو وہ حج کے قافلے کے ساتھ جائے امام شافعیؒ اور مالکؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ إِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حسن بن علی خلال، بشر بن عمر، مالک بن انس سے وہ سعید بن ابی سعید سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی عورت محرم کے بغیر ایک رات و دن کا (بھی) سفر نہ کرے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ عورت کے لئے اکیلے سفر کرنے کے متعلق ارشاد فرمارہے ہیں کہ عورت کے لئے تنہا سفر کرنے میں ممانعت خوف فتنہ کی وجہ سے ہے۔ پس اگر ایک دن رات سے کم سفر میں اندیشہ ہو تو عورت کے لئے وہ سفر بھی محرم کے بغیر جائز نہیں بلکہ اگر مسجد میں جانے میں فتنہ ہو تو اس کی بھی اجازت نہیں۔

امام مالکؒ نے جو قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر حج کی اجازت دی ہے وہ جزیرہ عرب کے حالات کے پیش نظر رکھ کر اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہونے کی بنیاد پر دی ہے۔

مگر حج کا سفر عورت شوہر کے بغیر نہیں کرسکتی کیونکہ وہ سفر لمبا ہوتا ہے تقریباً ایک ماہ چالیس دن لگ جاتے ہیں اور اتنے ایام میں اکیلا رہنا مشکل ہے انسان کے ساتھ بیماری اور دوسرے اعذار بھی ہوتے ہیں اور بہت ساری جگہوں میں عورت مرد کے سہارے کی محتاج ہوتی ہے پس اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہوگا تو عورت کا کیا بنے گا۔

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْمَرْأَةِ إِذَا كَانَتْ مُوسِرَةً: امام ترمذیؒ نے اس باب میں اس مسئلہ پر بحث کو چھیڑا ہے کہ

عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے۔ حج کی فرضیت کے لئے استطاعت بدنی اور مالی کے ساتھ محرم شرط ہے کہ نہیں جن علماء کے نزدیک محرم شرط ہے ان کے نزدیک عورت پر حج اس وقت فرض ہوتا ہے جب کوئی محرم لے جانے والا ہو اگر عورت کو پوری زندگی کوئی ایسا محرم نہ ملے جو ساتھ لے جائے تو عورت پر حج فرض نہیں ہوگا اگرچہ وہ مالدار ہو۔ امام ترمذیؒ نے یہ قول احناف کی طرف منسوب کیا ہے مگر یہ بات صحیح نہیں کیونکہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ استطاعت بدنی و مالی سے نفس وجوب آتا ہے۔ اور حج ادا کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی محرم لے جانے والا ملے یا عورت کے پاس دو آدمیوں کا نفقہ موجود ہوتا کہ محرم کو خرچ دے کر ساتھ لے جائے اگر ایسا نہیں تو مرتے وقت حج بدل کی وصیت کرنا فرض ہے۔ کیونکہ نفس وجوب اس پر آچکا ہے۔ بس تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج ہو سکتا ہو ورثاء حج بدل کرائیں گے۔ وطن سے آدمی بھیجنا ضروری نہیں۔ جبکہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک اگر راستہ میں امن ہے کوئی خطرہ نہیں تو عورت محرم کے بغیر بھی قابل اعتماد عورتوں کے قافلہ میں سفر حج کر سکتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى الْمُغِيبَاتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ أَبِي الْخَيْرِ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَا رَسُولَ اللهِ أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدِيثُ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَإِنَّمَا مَعْنَى كَرَاهِيَةِ الدُّخُولِ عَلَى النِّسَاءِ عَلَى نَحْوِ مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ وَمَعْنَى قَوْلِهِ الْحَمْوُ يُقَالُ هُوَ أَخُو الزَّوْجِ كَأَنَّهُ كَرِهَ لَهُ أَنْ يَخْلُوَ بِهَا

قتیبہ، لیث سے وہ یزید بن ابی حبیب سے وہ ابی الخیر سے وہ حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے پاس داخل ہونے سے پرہیز کرو ایک انصاری شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ حمو (یعنی شوہر کا بھائی) کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ حمو تو موت ہے۔ اس باب میں حضرت عمر، جابر، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے عورتوں کے پاس داخل ہونے سے ممانعت کا مطلب اسی طرح ہے جیسے کہ آپ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی تنہا عورت کے پاس ہو تو تیسرا شیطان ہوتا ہے حمو کے معنی خاوند کے بھائی کے ہیں گویا کہ آپؐ نے دیور کو اپنی بھاوج کے پاس تنہا ٹھہرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: مغیبات: مغیبۃ کی جمع ہے غائب کرنے والی عورت۔ جس کا شوہر عرصہ دراز سے سفر میں گیا ہو ایسی عورت کے پاس تنہائی میں نہیں جانا چاہیے۔ جب شوہر گھر پر نہیں تو عورت کی طبیعت پُر جوش ہوگی اور جب کوئی مرد کسی عورت کے پاس تنہائی میں ہوتا ہے تو وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں اکٹھا نہ ہو ورنہ وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

الحَمْوُ المَوْتُ: شوہر کی طرف سے عورت کے رشتہ داران کو حمو کہتے ہیں اور اردو میں جیٹھ دیور کہتے ہیں۔ شوہر کا بڑا بھائی جیٹھ کہلاتا ہے اور چھوٹا بھائی دیور کہلاتا ہے اور عورت کی طرف سے شوہر کے رشتہ دار ختن کہلاتے ہیں جس کی جمع اختان آتی ہے اور ان کا دوسرا نام سالے اور سالیاں بھی ہے۔ آپ ﷺ نے دیور اور جیٹھ کو بڑا فتنہ قرار دیا ہے کیونکہ جیٹھ بھابھی میں بے تکلفی ہوتی ہے اس لئے فتنہ آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور یہی حکم سالیوں کا ہے ان کے ساتھ بہنوئی کے تکلفات نہیں ہوتے اس لئے بے تکلف فتنہ پیش آتا ہے۔

باب بلا ترجمہ

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ قَالَ وَمِنِّي وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ. هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُهُمْ فِي مُجَالِدِ بْنِ سَعِيدٍ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ خَشْرَمٍ يَقُولُ قَالَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ يَعْنِي أَسْلَمُ أَنَا مِنْهُ قَالَ سُفْيَانُ وَالشَّيْطَانُ لَا يُسْلِمُ وَلَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ وَالْمُغِيبَةُ الْمَرْأَةُ الَّتِي يَكُونُ زَوْجُهَا غَائِبًا وَالْمُغِيبَاتُ جَمَاعَةُ الْمُغِيبَةِ.

نصر بن علی، عیسیٰ بن یونس سے وہ مجالد سے وہ شعبی سے وہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جن عورتوں کے شوہر گھروں میں موجود نہ ہوں ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ شیطان تمہاری رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کے لئے بھی ایسا ہے فرمایا ہاں لیکن اللہ نے میری اس پر مدد فرمائی ہے اور میں اس سے محفوظ ہوں۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے بعض علماء مجالد بن سعید کے حافظے میں کلام کرتے ہیں۔ علی بن خشرم، سفیان بن عیینہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کہ اللہ نے میری مدد کی کا مقصد یہ ہے کہ میں اس کے شر سے محفوظ ہو گیا ہوں سفیان کہتے ہیں کہ شیطان تو اسلام نہیں لاتا۔ مغیبات مغیبہ کی جمع ہے اور مغیبہ اس عورت کو کہتے ہیں کہ جس کا خاوند گھر میں موجود نہ ہو۔

تشریح: اس حدیث میں شیطان کی سرعت تاثیر کی تمثیل کا بیان ہے حقیقت کا بیان نہیں ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ انسان کے بدن میں داخل ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یتخبطہ الشیطان من المس شیطان انسان کو مس کے ذریعہ خبطی بناتا ہے یعنی باہر سے اثر انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آسیب چھڑنا کہا جاتا ہے آسیب گھسنا نہیں کہا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ شیطان چٹکی بجا کر انسان کو فتنہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں عصمت انبیاء علیہم السلام کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اس لئے وہ شیطان کے شر میں نہیں آتے۔ ان پر شیطان کا حیلہ نہیں چل سکتا۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُوَرِّقٍ عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

محمد بن بشار، عمر بن عاصم، ہمام، قتادہ، مورق، ابی الاحوص، حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے کیونکہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے بہکانے کے لئے موقع تلاش کرتا رہتا ہے یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ عورت کو بے ضرورت گھر سے نہیں نکلنا چاہیے مجبوری سے نکل سکتی ہے حدیث میں شیطان سے مراد شیطان الجن والانس ہے۔ اصل تاکنے والے تو شیطان الانس ہیں۔ شیطان الجن تو گھر میں بھی تاک سکتے ہیں۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَرَفَةَ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ بَحِيرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُرَّةَ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ لَا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيلٌ يُوشِكُ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَرِوَايَةُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنِ الشَّامِيِّينَ أَصْلَحُ وَلَهُ عَنْ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ مَنَاكِيرُ.

حسن بن عرفہ، اسماعیل بن عیاش سے وہ بحیر بن سعد سے وہ خالد بن معدان سے وہ کثیر بن مرہ حضرمی سے وہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت دنیا میں اپنے خاوند کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی جنت والی بیوی (حور) کہتی ہے اللہ تجھے غارت کرے اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ دنیا میں تیرا مہمان ہے اور عنقریب تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔ یہ حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں اور اسماعیل بن عیاش کی اہل شام سے منقول احادیث زیادہ درست ہیں لیکن حجاز اور عراق والوں سے وہ منکر احادیث روایت کرتے ہیں۔

تشریح: الحور جمع ہے اس کا مفرد الحوراء گوری عورت۔ العین جمع ہے اس کا مفرد العیناء ہے یعنی بڑی آنکھوں والی عورت یہ جنت کی مخصوص عورتوں کی صفت ہے۔ دنیا میں کوئی عورت، گوری، بڑی آنکھوں والی ہو تو اس کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کریں گے۔

دنیا اور آخرت میں ایک پردہ ہے جس سے ایک طرف نظر آتا ہے جیسے کسی گھر میں کالا شیشہ لگا ہو تو باہر سے اندر نظر نہیں آتا البتہ اندر سے باہر نظر آتا ہے۔ اسی طرح دنیا سے آخرت نظر نہیں آتی البتہ آخرت سے دنیا میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ جنت کی حور کو دنیا کی بیوی کے معاملات نظر آتے ہیں۔ اور وہ خاوند کو کوستی ہیں اور اس سے لڑتی جھگڑتی ہیں تو اس پر حوریں دنیا کی بیوی کو بدعائیں دیتی ہیں۔ ان کی بد[illegible] سے بچنا چاہیے۔

سوال: دنیا کی عورت جب حور کی بات سنتی نہیں تو اس کا کیا فائدہ۔
جواب: یہ غیب کی خبریں ہیں جو آپ ﷺ نے بتلائی ہیں پس جس طرح امور غیبیہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور وہی ایمان مفید ہے اس طرح اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر بیوی بلاوجہ شوہر کو پریشان کرے گی۔ تو وہ پیچھے رہ جائے گی تو مرد کا پہلے انتقال ہو جائے گا۔ اور پھر یہی بیوی ٹھوکریں کھائے گی۔ اور اس کے برعکس یہ ہوگا یعنی اگر شوہر بلاوجہ بیوی کو پریشان کرے گا تو وہ پیچھے رہ جائے گا۔ اور خواہ مخواہ دھکے کھائے گا مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اس حدیث کی سند میں بحیر بن سعد ہیں جو شامی ہیں وہ حمص کے رہنے والے تھے اسماعیل بھی اسی گاؤں کے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت معتبر ہے۔

اَبْوَابُ الطَّلَاقِ وَاللِّعَانِ

عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ

طلاق کے لغوی معنی: چھوڑنے کے ہیں۔ اصطلاحی معنی: رشتہ نکاح کو ختم کرنے کے معنی میں ہے۔

طلاق کی اقسام: طلاق کی تین قسمیں ہیں۔ طلاق احسن، طلاق حسن، طلاق بدعت۔

طلاق احسن: ایسے طہر میں صریح طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو اس کے بعد مزید طلاق نہ دے بلکہ ایک حیض گزرنے دے تا کہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے تو کرلے اس لئے طلاق دینے کا افضل طریقہ یہی ہے۔

طلاق حسن: جس طہر میں صحبت نہ کی ہو اس میں ایک رجعی طلاق دے دے پھر دوسرے طہر میں دوسری صریح طلاق دے، پھر تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس صورت میں صرف دو طلاقوں تک غور وفکر کرنے کا موقع رہتا ہے پھر معاملہ تنگ ہو جاتا ہے اس لئے اس کا نمبر دوسرا ہے۔

سنت کا مطلب یہ نہیں کہ اس طرح طلاق دینا پسندیدہ ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ یہ طریقہ بھی شریعت میں جائز ہے اور ایسا کرنا موجب مؤاخذہ نہیں۔

طلاق بدعت: دونوں طریقوں کے علاوہ جس طریقے سے طلاق دے وہ طلاق بدعی کہلائے گی یعنی ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کی ہو یا حیض کی حالت میں طلاق دینا یا ایک سے زائد طلاقیں اکٹھی دینا بدعی ہے۔ اس لئے کہ جب طہر میں صحبت کی گئی تو احتمال ہے کہ حمل ٹھہر گیا ہو تو عورت اگلا حیض آنے تک شش وپنج میں رہے گی کہ اسے عدت حیض کی صورت میں گزارنا ہے یا وضع حمل سے عورت کو اس الجھن سے بچانے کے لئے ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ السُّنَّةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَقَالَ هَلْ تَعْرِفُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ فَإِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا قَالَ قُلْتُ فَيُعْتَدُّ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ

حضرت یونس بن جبیر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیویوں کو ایام حیض میں طلاق دیتا ہے فرمایا تم عبداللہ بن عمر کو جانتے ہو؟ انہوں نے بھی اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا آپؐ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ نے پوچھا کیا وہ طلاق بھی گنی جائے گی؟ فرمایا خاموش رہو، اگر وہ عاجز ہو

قَالَ فَمَهْ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ.

اور پاگل ہو جائیں تو کیا ان کی طلاق نہیں گنی جائے گی۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ فِي الْحَيْضِ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا حَدِيثُ يُونُسَ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَكَذٰلِكَ حَدِيثُ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ طَلَاقَ السُّنَّةِ أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهِيَ طَاهِرٌ فَإِنَّهُ يَكُونُ لِلسُّنَّةِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَكُونُ ثَلَاثًا لِلسُّنَّةِ إِلَّا أَنْ يُطَلِّقَهَا وَاحِدَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَإِسْحٰقَ وَقَالُوا فِي طَلَاقِ الْحَامِلِ يُطَلِّقُهَا مَتَى شَاءَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ يُطَلِّقُهَا عِنْدَ كُلِّ شَهْرٍ تَطْلِيقَةً

ھناد، وکیع سے وہ سفیان سے وہ محمد بن عبدالرحمن موسیٰ آل طلحہ سے وہ حضرت سالمؒ سے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں طلاق دی جس پر حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا انہیں رجوع کرنے کا حکم دو۔ پھر حاملہ ہونے یا حیض سے پاک ہونے کی صورت میں طلاق دیں۔ حضرت یونس بن جبیر کی ابن عمر اور سالم کی اپنے والد سے مروی دونوں حدیثیں حسن صحیح ہیں یہ دوسری حدیث حضرت ابن عمرؓ سے کئی سندوں سے مروی ہے اسی پر علماء صحابہ اور دیگر علماء کا عمل ہے۔ کہ طلاق سنت یہی ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ایک طہر میں ایک طلاق دینا بھی سنت ہے امام شافعیؒ، احمدؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق سنت اسی صورت میں ہوگی کہ ایک ہی طلاق دے ثوری ؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے حاملہ عورت کو جس وقت چاہے طلاق دے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض علماء کے نزدیک اسے ہر ماہ میں ایک طلاق دی جائے۔

تشریح: طلاق حسن: مدخول بہا زوجہ کو تین طہر میں متفرق طور پر تین طلاقیں دی جائیں تو اس کو طلاق سنت بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے جائز و ناجائز ہونے میں اختلاف ہے۔

قول اول: امام مالکؒ کے نزدیک یہ صورت ناجائز ہے امام مالکؒ اس صورت کو بھی بدعت کہتے ہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ و جمہور کے نزدیک یہ صورت جائز و بہتر ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: طلاق "ابغض المباحات" ہونے کی وجہ سے بغیر ضرورت شدیدہ کے ممنوع ہے جب عورت ایک طلاق سے بائنہ ہو جاتی ہے اور مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو تین کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: جب حدیث سے اسکا جواز بلکہ سنیت ثابت ہوگئی تو پھر قیاس کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے ''انہ علیہ السلام قال ان السنۃ ان یستقبل الطھر استقبالا فطلقھا لکل قرء تطلیقۃ''۔

مسئلہ: حالت حیض میں طلاق کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور غیر مقلدین کا مسلک یہ ہے کہ حالت حیض میں دی گئی طلاق نہیں ہوتی۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک حالت حیض میں طلاق دینا بالاجماع حرام اور گناہ ہے ورنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ناراض نہ ہوتے لیکن اگر کسی نے یہ غلطی کر لی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

ائمہ اربعہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فلیراجعھا'' کے الفاظ ہیں اور رجعت طلاق کے بعد ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

دلیل ثانی: طلاق کے متعلق یہ حدیث ہے ''ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ'' جب ہنسی مذاق میں دی گئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے تو دیدہ ودانستہ دی ہوئی طلاق تو بدرجہ اولیٰ واقع ہو جائے گی یہ الگ بات ہے حالت حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حیض میں طلاق سے رجوع کرنے اور حالت طہر میں طلاق دینے کا حکم فرمایا اس کی علماء نے مختلف وجوہات لکھی ہیں۔ **پہلی وجہ:** یہ بیان کی ہے کہ رجوع کرنا صرف دوبارہ طلاق دینے کی غرض سے نہ ہو بلکہ اس غرض سے ہو کہ نظر ثانی کا موقع مل سکے۔ **دوسری وجہ:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طلاق دینے کو مؤخر کرنا دراصل بطور سزا کے تھا۔

تیسری وجہ: ہوسکتا ہے کہ ناراضگی دور ہو جائے اور طلاق کی نوبت نہ آئے کیونکہ اسلام تو جوڑنے کیلئے آیا ہے نہ کہ توڑنے کے لئے۔

اس کے ذیل میں ایک اور مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ مطلقہ کی عدت کا اعتبار کس سے ہوگا حیض سے یا طہر سے۔

مسئلہ: مطلقہ کی عدت طہر سے ہوگی یا حیض سے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقہ کی عدت طہر سے ہوگی نہ کہ حیض سے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی عدت حیض سے ہوگی۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے'' فتلک العدۃ'' کے الفاظ ذکر کئے ہیں طریقہ استدلال یہ ہے کہ جس طہر میں عورت کو طلاق دینے کا حکم ہے اس کو عدت کہا گیا تو معلوم ہوا طہر سے عدت ہوگی۔ اور قرآن میں ''ثلثۃ قروء'' سے مراد بھی طہر ہے۔

جواب: اس عدت سے عدت مطلقہ مراد نہیں بلکہ اس میں وقت طلاق مراد ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ اس کے مخاطب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور خود ان کے نزدیک عدت حیض سے ہوتی ہے نہ کہ طہر سے اور قروء کے معنی حیض ہیں لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی دوسری آیت ''والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر'' تو یہاں حیض نہ آنے کی صورت میں تین ماہ کی عدت قرار دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیض کے حساب سے عدت ہوگی۔

دلیل ثانی: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی سبایا اوطاس ولا حائل حتی تستبرئ بحیضة'' تو یہاں استبراء رحم حیض کے ذریعے قرار دیا گیا ہے اور عدت کا اصل مقصد بھی استبراء رحم ہوتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ عدت حیض سے ہوگی نہ کہ طہر سے۔

دلیل ثالث: اکثر احادیث میں حیض کو قروء سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ باب الحیض کی احادیث میں ہے نیز ترمذی کی روایت ہے ''طلاق الامة ثنتان وعدتها حیضتان'' اس سے بھی واضح ہوگیا ہے کہ عدت حیض سے ہوگی۔

أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ: اس عبارت کے دو مطلب ہیں۔ ① اگر ابن عمرؓ صحیح طریقے سے طلاق دینے پر راضی ہوگیا اور اس نے حالت حیض میں طلاق دے کر حماقت کا ارتکاب کرلیا تو یہ بات طلاق کے واقع ہونے سے کیسے مانع ہوسکتی ہے۔ یقیناً طلاق تو واقع ہو ہی گئی۔ اس صورت میں جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ''ان عجز عن ایقاع الطلاق علی وجهه وفعل فعل الاحمق فی التطلیق فی حالة الحیض، الایقع الطلاق''۔

دوسرا مطلب یہ کہ اگر ابن عمرؓ اپنی بیوی سے رجوع کرنے سے عاجز ہوجاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل نہ کر کے حماقت کا ارتکاب کرتے تو بھی ظاہر ہے کہ طلاق واقع ہو ہی جاتی۔ اس صورت میں جملہ کا مطلب یہ ہوگا ''إن عجز ابن عمر عن الرجعة وفعل فعل الاحمق بعدم امتثال امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولا یقع الطلاق مرةً فلیرا جعها ثم لیطلقها طاهرًا او حاملًا'' یہ اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت کا ٹکڑا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ عَنْ جَرِيرِ بْنِ حَازِمٍ عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِي الْبَتَّةَ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا قُلْتُ وَاحِدَةً قَالَ وَاللهِ قُلْتُ وَاللهِ قَالَ فَهُوَ مَا أَرَدْتَ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي طَلَاقِ الْبَتَّةِ فَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ جَعَلَ الْبَتَّةَ وَاحِدَةً وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ جَعَلَهَا ثَلَاثًا و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيهِ نِيَّةُ

حضرت عبداللہ بن یزید بن رکانہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو بتہ طلاق دی آپ نے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد ہے کتنی طلاقیں مراد ہیں میں نے کہا کہ ایک۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم میں نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ پس آپ نے فرمایا وہی ہوگی جو تم نے نیت کی۔ اس حدیث کو ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں علماء، صحابہ، اور دوسرے علماء کا لفظ ''البتہ'' کے استعمال میں اختلاف ہے کہ اس سے کتنی طلاقیں مراد ہوتی ہیں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ یہ ایک ہی طلاق ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے اگر

الرَّجُلِ إِنْ نَوٰى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ وَإِنْ نَوٰى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ وَإِنْ نَوٰى ثِنْتَيْنِ لَمْ تَكُنْ إِلَّا وَاحِدَةً وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فِي الْبَتَّةِ إِنْ كَانَ قَدْ دَخَلَ بِهَا فَهِيَ ثَلَاثُ تَطْلِيقَاتٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنْ نَوٰى وَاحِدَةً فَوَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ وَإِنْ نَوٰى ثِنْتَيْنِ فَثِنْتَانِ وَإِنْ نَوٰى ثَلَاثًا فَثَلَاثٌ۔

ایک طلاق کی نیت کی ہوتو ایک اگر تین کی نیت کی ہوتو تین واقع ہوتی ہیں لیکن اگر دو کی نیت کی ہوتو ایک ہی واقع ہوگی۔ سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں اگر لفظ البتہ کے ساتھ طلاق دے اور عورت سے صحبت کر چکا تو تین طلاقیں واقع ہوں گی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک طلاق کی نیت ہوتو ایک واقع ہوگی اور رجوع کا اختیار ہوگا اگر دو کی نیت کی ہوتو دو اگر تین کی نیت کی ہوتو تین واقع ہوں گی۔

تشریح: الْبَتَّةِ: بتّ، بتًّا کے معنی میں ہے کاٹنا اسی سے ''الْبَتَّةِ'' ہے "بت" کے آخر میں "ۃ" وصفی بڑھائی ہے اور شروع میں الف لام تعریف کا بڑھایا ہوا ہے یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے مگر اردو میں اس کے معنی ہیں بے شک ضرور بالیقین اور عربی میں اس کے معنی ہیں کاٹا ہوا یعنی ایسی طلاق جو شوہر کو کاٹ دے۔ اس حدیث میں دو مسائل کا بیان ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: طلاق البتہ کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ ایک طلاق رجعی ہوگی اور اگر مرد نے دو یا تین کی نیت کی تو دو یا تین واقع ہوں گی۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک ان الفاظ سے طلاق بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی البتہ دو کی نیت نہیں کرسکتا کیونکہ ''بتة'' مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق دو پر نہیں ہوسکتا کیونکہ دو عدد محض ہے اور مصدر کا اطلاق قلیل وکثیر پر تو ہوتا ہے عدد محض پر نہیں ہوتا لہٰذا دو کی نیت کی تب بھی ایک طلاق بائن ہوگی۔ جب کہ امام مالکؒ کے ہاں نیت کا اعتبار نہیں ہوگا لہٰذا تین واقع ہوں گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ اس میں طلاق رجعی ہوئی تھی ایک کی نیت کی وجہ سے اس کو لوٹا دیا تھا۔

جواب: اس کو نئے نکاح کیساتھ لوٹایا گیا تھا اور اسکے مختلف جوابات ماقبل احادیث کے ذیل میں گزر چکے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے اس میں ''البتة'' کا لفظ ہے اور اس کا معنی ہے پکی طلاق اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے ایسی طلاق واقع ہو کہ جس سے نکاح ختم ہو جائے اور وہ طلاق بائنہ ہے نیز "البتة" کے الفاظ کنائی ہیں اور کنائی الفاظ سے طلاق بائنہ ہی واقع ہوتی ہے۔ طلاق رجعی کی صورت میں یہ تقاضا پورا نہیں ہوگا۔

جد کا لغوی معنی: ''ما یراد به ما وضع له او ما صلح له اللفظ مجازا'' کوئی لفظ بولا جائے اور بولتے وقت اسی لفظ سے مرتب ہونے والا حکم واقع کرنا مقصود ہو۔ یا مجازی معنی مراد لینے کی صلاحیت نہ ہو۔

ہزل کا لغوی معنی: ''الھزل ان یراد بالشی غیر ما وضع له بغیر مناسبة بینھما'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو لفظ بولے اس کو واقع کرنا مقصود نہ ہو۔

مسئلہ اختلافی: حالت ہزل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام احمدؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ہازل کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک وقوع طلاق کے لئے طلاق کا لفظ بولتے ہوئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق بطور جد کے ہو یا ہزل کے دونوں صورتوں میں واقع ہوجائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت میں ہے "وان عزموا الطلاق" الآیۃ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں قرآن کریم نے وقوع طلاق کے لئے عزم طلاق کو شرط قرار دیا ہے اور ہزل کی صورت میں طلاق کا عزم نہیں ہوتا۔

جواب: اس آیت کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ زیر بحث طلاق کا مسئلہ ہے اور یہ آیت ایلاء کے بارے میں ہے۔ اور ایلاء میں تو سب حضرات عزم طلاق کا اعتبار کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے "ثلاث جدھن جد وھزلھن جد"

باقی اس حدیث شریف میں تین چیزوں (نکاح، طلاق اور رجوع) کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان میں جد اور ہزل برابر ہیں۔ احناف کے نزدیک ان تین کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں جد اور ہزل کا حکم ایک ہے۔ حدیث میں ان تین کی تخصیص انکی اہمیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔

مسئلہ ثانیہ: بحث طلاق ثلاثہ: اس کے تحت بھی دو مسائل ہیں۔ اوّل: کیا ایک ساتھ تین طلاقیں دینا جائز ہے؟

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ کے نزدیک یہ حرام اور بدعت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی ایک روایت یہی ہے۔ یہی مسلک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک اس طرح طلاق دینا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی دوسری روایت یہی ہے۔ ابوثور اور داؤد ظاہری کا بھی یہی مسلک ہے۔ حضرت حسن بن علیؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے بھی یہی مروی ہے۔

احناف کے دلائل: دلیل اوّل: حنفیہ کی دلیل نسائی شریف میں محمود بن لبید کی روایت سے ہے فرماتے ہیں "اخبر رسول اللہ ﷺ عن رجل طلق امرأتہ ثلاث تطلیقات جمیعًا فقام غضبانًا ایلعب بکتاب اللہ وأنا بین اظھرکم حتیٰ قام رجل وقال: یا رسول اللہ ألا اقتلہ"۔

دلیل ثانی: حضرت عمرؓ کا عمل ہے "إن عمر کان اذا أتی برجل طلق امرأتہ ثلاثاً اوجع ظھرہ اخرجہ سعید بن منصور"۔

امام شافعیؒ کا استدلال: عویمر عجلانی کے قصہ لعان سے ہے جو بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۱ کتاب الطلاق "باب من اجاز الطلاق الثلاث" میں حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کی روایت سے مروی ہے جس میں ذکر ہے "فلما فرغ من اللعان قال: عویمر کذبت علیھا یا رسول اللہ إن امسکتھا فطلقھا ثلاثًا" اور مسند احمد میں ج ۵ ص ۳۳۴ حدیث ابی مالک عن سہل بن سعد الساعدیؓ میں یہ الفاظ آئے ہیں "قال: یا رسول اللہ ﷺ ظلمتھا إن امسکتھا ھی الطلاق، وھی الطلاق، وھی الطلاق"۔

جواب: اس حدیث سے تین طلاق کے جواز پر استدلال درست نہیں اس لئے کہ ان کے مسلک کے مطابق عورت کے لعان سے قبل صرف

مرد کے لعان سے فرقت واقع ہوجاتی ہے اور طلاق کا محل باقی نہیں رہتا لہٰذا تین طلاق دینے کے بارے میں نکیر کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی۔

1۔ **مسئلہ: طلاق ثلاث کے وقوع کا کیا حکم ہے؟** اگر کسی نے ایک کلمہ کیساتھ تین طلاقیں دیدیں یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے دیں تو کتنی طلاقیں واقع ہوں گی۔ **قول اوّل:** اہل ظواہر وغیر مقلدین کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

قول ثانی: جمہور ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک تین طلاقیں بائنہ مغلظہ ہوں گی اگرچہ وہ سخت گنہگار ہوگا۔

اہل ظواہر اور غیر مقلدین کی دلیل اول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں ہے۔ ''ان ابا الصحباء قال لا بن عباس تعلم انما کانت الثلاث تجعل واحدۃ فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وثلاثا من امارۃ عمر فقال ابن عباس رضی اللہ عنهم نعم''

جواب اوّل: امام نوویؒ نے اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب کہ کوئی خاوند اپنی بیوی کو تین مرتبہ کہتا ہے **انت طالق، انت طالق، انت طالق۔** تو پہلی مرتبہ جو طلاق کا لفظ کہا ہے تو اس سے بہر حال ایک طلاق واقع ہو جائے گی۔ دوسری اور تیسری مرتبہ جو اسی کلام کا اعادہ کیا ہے اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ وہ طلاق رجعی ہی دینا چاہتا ہے اور دوسری اور تیسری مرتبہ جو الفاظ کہے ہیں وہ بطور تاکید کے لئے ہوں دوسرا احتمال یہ ہے کہ دوسری اور تیسری مرتبہ جو الفاظ کہے ہیں وہ استیناف کے لئے ہوں یعنی دوسرے لفظ سے دوسری اور تیسرے لفظ سے تیسری طلاق مقصود ہو اس صورت میں تین طلاقیں ہونی چاہئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاقوں کے الفاظ سے دوسری اور تیسری کو تاکید قرار دیتے تھے لہٰذا جس شخص نے تین طلاقوں کے الفاظ سے نہ تاکید کی نیت ہوتی اور نہ استیناف کی تو اس زمانہ کی غالب عادت کے اعتبار سے اس کو تاکید پر محمول کیا جاتا اور ایک ہی طلاق شمار کی جاتی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگوں کا عرف اور عادت بدلنے لگ گیا تو غالب یہی ہے کہ وہ لوگ استیناف کی نیت کرتے تھے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے تو لوگ تاکید کی نیت کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کو مہلت ہوتی تھی لیکن اب لوگ اس معاملہ میں جلدی کرنے لگ گئے ہیں۔ تو ایسی صورت کے پیش نظر ان پر تین طلاقیں نافذ کر دینی چاہئیں کیونکہ یہی اس زمانہ کی غالب حالت ہے۔

جواب ثانی: چونکہ اس میں تاکید اور استیناف کا احتمال ہے۔ تو اس میں قائل کی نیت پر اعتماد ہوگا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صدق نیت کے لوگ ہوتے تھے۔ لیکن زمانہ بدلتا گیا تو لوگوں کی صداقت میں بھی کمی آتی گئی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگوں میں امانت اور دیانت کا معیار کم ہوگیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص تین طلاقیں دے کر بھی کہے کہ میری ایک کی نیت تھی لہٰذا ایسا قانون ہونا چاہیے جس سے ایک طلاق سے ایک ہی ہو اور تین سے تین ہی ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اعلان کر دیا اس پر کسی صحابی رسول نے انکار نہیں کیا گویا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوگیا جو کہ حجت ہے۔

جواب ثالث: عند البعض اس حدیث میں مسئلہ بدلنے کی اطلاع مقصود نہیں بلکہ لوگوں کی عادت بدلنے کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ کہ لوگوں کی حالت بدل گئی ہے مسئلہ نہیں بدلا۔

جواب رابع: عند البعض پہلے کوئی تین طلاقیں دیتا تو ایک طلاق ہی شمار ہوتی لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

جواب خامس: بعض حضرات نے کہا کہ یہ حدیث غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے غیر مدخول بہا کو اگر کوئی شخص ''انت طالق

تین مرتبہ "کہے تو ایک طلاق ہوگی کیونکہ پہلے "انت طالق" سے یہ بائنہ ہوجائے گی اور دوسرا اور تیسرا جملہ لغو ہوجائے گا۔

دلیل ثانی: یزید بن رکانہؓ نے ایک مجلس میں تین طلاقوں کے الفاظ کہے اور کہا میں نے ایک طلاق مراد لی آپ ﷺ نے بار بار اس کو قسم دلائی تو وہ ایک کا ہی اقرار کرتا رہا آپ ﷺ نے اس کی بیوی اس کے پاس بھیج دینے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے ایک طلاق رجعی ہوتی ہے۔

جواب اوّل: رسول کریم ﷺ کا صحابی کو بار بار قسم دلانا اس بات پر واضح دلیل ہے کہ اگر وہ تین طلاقوں کا کہہ دے تو تین ہی واقع ہونگی آپ کا مستدل تب بنے گا جب اس نے تین کا اقرار کیا ہو اور آپ ﷺ نے اس سے ایک مراد لی ہو حالانکہ ایسا نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طلاق دینے کا رواج تھا پھر بعد کے زمانے میں تین طلاق دینے کا رواج بھی پڑ گیا "تجعل واحدة" کا مطلب یہ ہے کہ تین کی جگہ ایک طلاق دی جاتی تھی یہ مطلب نہیں کہ تین طلاقیں دے کر ایک قرار دیا جائے جب کہ قرآن میں ہے "اجعل الالهة الها واحدا" اس کا مطلب یہ نہیں کہ متعدد الہ کو ایک معبود بنالیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ مقرر معبودوں کی جگہ میں ایک معبود مقرر کرلیا۔

جواب ثانی: کہ عام عادت ایک طلاق کی تھی اور اسکی تاکید کے لئے تکرار الفاظ کیا جاتا تھا تین طلاق مقصود نہ ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں لوگوں کے اندر دیانت غالب تھی قول و نیت میں موافقت تھی لیکن بعد میں تین بول کر ایک مراد لینا منسوخ ہوگیا جیسا کہ ابوداؤد شریف میں اس پر مستقل باب منعقد کیا ہے "باب نسخ المراجع بعد الطلقات الثلاث" نیز ابن عباسؓ کا فتوی بھی تین طلاق کا ہے۔

جواب ثالث: رکانہ والی حدیث میں اضطراب ہے۔ کیونکہ بعض روایات میں ہے کہ رکانہ نے لفظ ثلثہ کے ساتھ طلاق دی تھی بعض میں ہے لفظ "البتۃ" کے ساتھ طلاق دی تھی اور بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ہی طلاق دی تھی۔ امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے امام احمدؒ نے اسکے تمام طرق کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جواب رابع: جس روایت میں آتا ہے کہ رکانہ نے تین طلاقیں دی تھیں یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے۔ لیکن خود حضرت ابن عباسؓ فتوی اس کے خلاف ہے کیونکہ ان کا فتوی یہ ہے کہ تین طلاقیں ایک لفظ میں بھی دی جائیں تب بھی تین ہی ہوتی ہیں۔

جمہور کی دلیل اول: اللہ تعالی نے تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے عورت کو حرام قرار دیا خواہ ایک ساتھ تین طلاق دیدے یا متفرق طور پر "لقوله تعالى فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" اور تین طلاق دینے والے پر سخت تہدید فرمائی ہے "كما قال ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه" کوئی شخص تین طلاقیں دیدے تو تین طلاقیں دینے سے رجوع نہیں ہوسکتا۔ اب اگر ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے حرمت مغلظہ ثابت نہ ہو بلکہ ایک طلاق رجعی ہو تو آیت کی تہدید بے فائدہ ہوگی۔

دلیل ثانی: صحیح بخاری شریف میں "باب من اجاز الطلاق الثلاث" میں امام بخاریؒ نے حضرت سہل بن سعدؓ کی طویل حدیث پیش کی ہے جس میں عویمر عجلانیؓ کے لعان کا واقعہ مذکور ہے اس کے آخر میں یہ بھی ہے "طلقها ثلاثا قبل ان يامره رسول الله ﷺ" اور آپؐ نے تینوں طلاقیں نافذ فرمادی تھیں۔

دلیل ثالث: بخاری شریف میں اور مشکوۃ شریف "باب المطلقة ثلاثا" میں فصل اوّل کی پہلی حضرت روایت عائشہ رضی اللہ عنہا

ہے جس میں حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کا تذکرہ ہے انہوں نے ان کو طلاق بتہ دی تھی اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن زبیر کیساتھ نکاح کیا یہ عبدالرحمن سے طلاق لیکر دوبارہ رفاعہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا ''**لا حتی تذوقی عسیلته ویذوق هو من عسیلتك**'' یعنی عبدالرحمن ہم بستر ہونے کے بغیر بھی طلاق دیدے تو تم رفاعہ سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتی اس حدیث میں یہ تاویل نہیں ہوسکتی کہ شاید متفرق مجلسوں میں انہوں نے طلاق دی ہو کیونکہ یہاں لفظ ہیں ''**فبت طلاقی**'' لفظ البتہ کہہ کر طلاق دی تھی اور اس میں ایک بائنہ کی نیت نہیں کی تھی تو یہ تین اکٹھی تھیں۔

دلیل رابع: امام نسائیؒ نے باب ذکر کیا ''**باب احلال المطلق ثلاثا**'' اس میں ایسی احادیث لائے ہیں جن سے تینوں طلاقوں کا واقع ہوجانا ثابت ہوتا ہے مثلاً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

دلیل خامس: مشکوۃ شریف میں حضرت مالک سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے پس میرے لیے کیا حکم ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تجھ سے تین طلاق سے وہ جدا ہوگئی۔ باقی طلاقوں سے تو نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو مذاق بنادیا۔

دلیل سادس: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے کہ ان کے پاس سوال پوچھنے والا آیا اس نے سو طلاقیں دی تھیں اور ایک نے ستاروں کی گنتی کی مانند طلاق دی تھی تو انہوں نے یہی فتویٰ دیا کہ وہ عورت تجھ سے جدا ہوگئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بہت ساری احادیث نقل کی ہیں۔

دلیل سابع: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ''**من طلق امراته ثلاثا فقد عصی ربه وبانت منه امراته**'' جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئی۔

دلیل ثامن: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے کہ جو شخص تین طلاقیں اکٹھی دے اس کی تین واقع ہونگی۔

ان کے دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی نے تین طلاقیں دیں تو تین ہی واقع ہوں گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ نَصْرِ بْنِ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ قُلْتُ لِأَيُّوبَ هَلْ عَلِمْتَ أَنَّ أَحَدًا قَالَ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ إِنَّهَا ثَلَاثٌ إِلَّا الْحَسَنَ فَقَالَ لَا إِلَّا الْحَسَنَ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ غَفْرًا إِلَّا مَا حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ كَثِيرٍ مَوْلَى بَنِي سَمُرَةَ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ قَالَ أَيُّوبُ فَلَقِيتُ كَثِيرًا مَوْلَى بَنِي

علی بن نصر بن علی، سلیمان بن حرب، حماد بن زید نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ایوب سے پوچھا کہ آپ حسن بصریؒ کے علاوہ کسی اور شخص کو جانتے ہیں جس نے کہا ہو کہ بیوی سے یہ کہنے سے کہ تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں فرمایا میں حسنؒ کے سوا کسی کو نہیں جانتا پھر فرمایا اے اللہ بخشش فرما مجھے یہ حدیث قتادہ سے پہنچی انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی کہ آپؐ نے فرمایا تین

سَمُرَةَ فَسَأَلْتُهُ فَلَمْ يَعْرِفْهُ فَرَجَعْتُ إِلَى قَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ نَسِيَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سُلَيْمَانَ بْنِ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ بِهٰذَا وَإِنَّمَا هُوَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفٌ وَلَمْ يُعْرَفْ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا وَكَانَ عَلِيُّ بْنُ نَصْرٍ حَافِظًا صَاحِبَ حَدِيثٍ وَقَدِ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي أَمْرُكِ بِيَدِكِ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُودٍ هِيَ وَاحِدَةٌ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ وَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ الْقَضَاءُ مَا قَضَتْ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا جَعَلَ أَمْرَهَا بِيَدِهَا وَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا ثَلَاثًا وَأَنْكَرَ الزَّوْجُ وَقَالَ لَمْ أَجْعَلْ أَمْرَهَا بِيَدِهَا إِلَّا فِي وَاحِدَةٍ اسْتُحْلِفَ الزَّوْجُ وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهُ مَعَ يَمِينِهِ وَذَهَبَ سُفْيَانُ وَأَهْلُ الْكُوفَةِ إِلَى قَوْلِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللّٰهِ وَأَمَّا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ فَقَالَ الْقَضَاءُ مَا قَضَتْ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَأَمَّا إِسْحٰقُ فَذَهَبَ إِلَى قَوْلِ ابْنِ عُمَرَ.

طلاقیں ہوگئیں ایوبؒ کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے ملاقات کر کے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اس سے لاعلمی کا اظہار کیا پھر میں حضرت قتادہ کے پاس آیا اور انہیں اس بات کی خبر دی انہوں نے فرمایا کہ کثیر بھول گئے ہیں یہ حدیث ہم صرف سلیمان بن حرب کی حماد بن زید سے روایت سے جانتے ہیں میں نے امام بخاریؒ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہم سے بھی سلیمان بن حرب، حماد بن زید سے یہی حدیث نقل کرتے ہیں۔ لیکن یہ حضرت ابوہریرہؓ پر موقوف ہے یعنی حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے۔ علی بن نصر حافظ اور صاحب حدیث ہیں۔ اہل علم کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو اختیار دیتے ہوئے یہ کہے کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو کتنی طلاقیں ہوتی ہیں بعض علماء صحابہ جن میں حضرت عمر بن خطاب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور یہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں سے کئی حضرات کا قول ہے عثمان بن عفان اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ فیصلہ وہی ہوگا جو عورت کرے گی۔ ابن عمر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اختیار دے اور وہ خود کو تین طلاقیں دے تو اس صورت میں اگر خاوند کا دعوی ہو کہ اس نے صرف ایک ہی طلاق کا اختیار دیا تھا تو اس (خاوند) سے قسم لی جائے گی اور اسی (خاوند) کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امام احمد کا بھی یہی قول ہے امام اسحاق حضرت ابن عمرؓ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح: أَمْرُكِ بِيَدِكِ: اس کو تفویض طلاق کہتے ہیں اگر ''أَمْرُكِ بِيَدِكِ'' کہا جائے تو یہ مجلس پر منحصر رہتی ہے الا یہ کہ ''متی شئت'' وغیرہ کے الفاظ کے ذریعے اس کو عام کر دیا گیا ہو۔

تفویض طلاق کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوتی ہیں۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ نیت کرنے پر اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے الا یہ کہ زوج نے تین کی نیت کی ہو۔ حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی ان الفاظ کے ساتھ ایک طلاق کے قائل ہیں۔

امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں ''القضاء ما قضت'' عورت جو فیصلہ کرے وہی معتبر ہے یعنی وہ جتنی اور جیسی طلاق واقع کرے۔ یعنی عورت جتنی چاہے طلاقیں واقع کر سکتی ہے امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مسلک مروی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر تفویض طلاق کی وجہ سے عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کیں پھر مرد یہ دعوی کرے کہ اس کی نیت ایک طلاق کی تھی تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم کھالے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ یعنی شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ یہی قول اسحاق بن راہویہ کا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخِيَارِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَاهُ أَفَكَانَ طَلَاقًا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ بِمِثْلِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي الْخِيَارِ فَرُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُمَا قَالَا إِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَوَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ وَرُوِيَ عَنْهُمَا أَنَّهُمَا قَالَا أَيْضًا وَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ وَإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَلَا شَيْءَ وَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ قَالَ إِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَوَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ وَإِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَوَاحِدَةٌ يَمْلِكُ الرَّجْعَةَ و قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ إِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا فَوَاحِدَةٌ وَإِنِ اخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَثَلَاثٌ وَذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَالْفِقْهِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ فِي

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان سے وہ اسماعیل بن ابی خالد سے وہ شعبی سے وہ مسروق سے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا ہم نے آپ کو اختیار کیا تو کیا وہ طلاق واقع ہوئی بندار، محمد بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، اعمش، ابی ضحیٰ، مسروق کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی مثل روایت کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بیوی کو اختیار دینے کے مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے اور وہ خود کو طلاق دیدے تو ایک طلاق بائنہ ہوگی ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ ایک طلاق رجعی بھی دے سکتی ہے لیکن اگر وہ اپنے شوہر کو اختیار کرے تو کچھ بھی نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ اگر وہ خود کو اختیار کرے گی تو ایک طلاق بائن اور اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا اختیار کرے گی تو ایک طلاق رجعی ہوگی حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ اگر اس نے اپنے شوہر کو اختیار کیا تو ایک اور اگر خود کو اختیار کیا تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اکثر فقہاء علماء، صحابہ اور تابعین نے

هٰذَا الْبَابِ إِلَى قَوْلِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَأَمَّا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ فَذَهَبَ إِلَى قَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

اس باب میں حضرت عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول اختیار کیا ہے سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہ قول ہے امام احمد بن حنبل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہیں۔

تشریح: اگر شوہر بیوی کو یوں کہے تم اپنے نفس کو اختیار کرلو یا مجھے اختیار کرلو اور بیوی خاوند کو اختیار کرلے تو اس سے کسی طرح کی طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دیا ان تمام ازواجِ مطہرات نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کو اختیار کیا تو کسی پر بھی طلاق واقع نہ ہوئی۔ یہی جمہور صحابہ کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ گویا اس سے تردید مقصود ہے حضرت علی اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور امام مالکؒ کے قول پر ان حضرات کے نزدیک اگر بیوی نے شوہر کو اختیار کرلیا تو اس صورت میں ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اگر بیوی اپنے آپ کو اختیار کرلے تو اس کو ایک طلاق بائن واقع ہوگی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں صورتوں کا انکار فرمایا ہے۔ (مرقاۃ ج ٦ ص ٢٨١)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَا سُكْنَى لَهَا وَلَا نَفَقَةَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مُغِيرَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا سُكْنَى لَكِ وَلَا نَفَقَةَ قَالَ مُغِيرَةُ فَذَكَرْتُهُ لِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ قَالَ عُمَرُ لَا نَدَعُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَدْرِي أَحَفِظَتْ أَمْ نَسِيَتْ وَكَانَ عُمَرُ يَجْعَلُ لَهَا السُّكْنَى وَالنَّفَقَةَ

ہناد، جریر سے وہ مغیرہ سے وہ شعبی سے کہتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیسؓ نے فرمایا میرے شوہر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مجھے تین طلاقیں دیں تو آپؐ نے فرمایا تیرے لئے نہ تو گھر ہے اور نہ نفقہ۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے جب ابراہیم سے اس حدیث کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے متعلق ہمیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اسے یاد بھی ہے یا بھول گئی ہے حضرت عمرؓ تین طلاق والی کے لئے گھر اور کپڑا مقرر کرتے تھے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ أَنْبَأَنَا حُصَيْنٌ وَإِسْمٰعِيلُ وَمُجَالِدٌ قَالَ هُشَيْمٌ وَأَخْبَرَنَا دَاوُدُ أَيْضًا عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ فَسَأَلْتُهَا عَنْ قَضَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا فَقَالَتْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا الْبَتَّةَ فَخَاصَمَتْهُ فِي السُّكْنَى وَالنَّفَقَةِ فَلَمْ يَجْعَلْ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنَى وَلَا نَفَقَةَ وَفِي حَدِيثِ دَاوُدَ قَالَتْ

حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے معاملے میں کیا فیصلہ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ان کے خاوند نے لفظ بتہ کے ساتھ طلاق دی تھی تو میں نے ان سے نان نفقہ اور گھر کے لئے جھگڑا کیا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر اور نان نفقہ نہ دیا۔ داؤد کی حدیث میں یہ بھی ہے پھر مجھے حکم دیا کہ ابن ام مکتوم کے گھر عدت کے دن

وَأَمَرَنِي أَنْ أَعْتَدَّ فِي بَيْتِ ابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَعَطَاءُ بْنُ أَبِي رَبَاحٍ وَالشَّعْبِيُّ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالُوا لَيْسَ لِلْمُطَلَّقَةِ سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةٌ إِذَا لَمْ يَمْلِكْ زَوْجُهَا الرَّجْعَةَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ عُمَرُ وَعَبْدُ اللّٰهِ إِنَّ الْمُطَلَّقَةَ ثَلَاثًا لَهَا السُّكْنٰى وَالنَّفَقَةُ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَهَا السُّكْنٰى وَلَا نَفَقَةَ لَهَا وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَاللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنَّمَا جَعَلْنَا لَهَا السُّكْنٰى بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى {لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ} قَالُوا هُوَ الْبَذَاءُ أَنْ تَبْذُوَ عَلٰى أَهْلِهَا وَاعْتَلَّ بِأَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ لَمْ يَجْعَلْ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّكْنٰى لِمَا كَانَتْ تَبْذُو عَلٰى أَهْلِهَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِحَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قِصَّةِ حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ

گزاردوں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے حسن بصریؒ، عطاء بن ابی رباح، احمدؒ اور اسحاقؒ وغیرہ کا یہی قول ہے کہ جب شوہر کے پاس رجوع کا اختیار باقی نہ رہے تو رہائش اور نان نفقہ بھی اس کے ذمہ نہیں رہتا لیکن بعض علماء صحابہ جن میں حضرت عمر بن خطاب، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں کہتے ہیں کہ تین طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک گھر اور نان نفقہ مہیا کرنا شوہر کے ذمہ ہے، سفیان اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمے صرف رہائش کا بندوبست رہ جاتا ہے نان نفقہ کی ذمہ داری نہیں۔ مالک لیث بن سعد اور شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے امام شافعی اپنے قول کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا (لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ) امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو اس لئے گھر نہیں دلوایا کہ وہ اپنے شوہر سے سخت کلامی کرتی تھیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کے واقعہ پر مشتمل حدیث کی رو سے ایسی عورت کے لئے نفقہ بھی نہیں۔

تشریح: مسئلہ: معتدہ مطلقہ رجعیہ کا خرچ اور رہائش عدت کے زمانے میں خاوند پر ہے۔ اسی طرح مطلقہ مبتوتہ حاملہ (مطلقہ مغلظہ) کے حکم میں بھی اتفاق ہے کہ اس کا خرچ و رہائش خاوند پر ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں لیکن مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ کا خرچ خاوند پر ہوگا یا نہیں اس میں مختلف اقوال ہیں۔

قول اول: امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راھویہ اور اہل ظواہر کا مسلک یہ ہے کہ ایسی عورت کے خاوند پر نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خاوند پر سکنیٰ تو ہوگا لیکن نفقہ نہیں ہوگا۔

قول ثالث: حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمر بن خطاب، امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہم کا مسلک یہ ہے کہ سکنیٰ اور نفقہ دونوں خاوند پر لازم ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو فرمایا کہ تیرے لئے نفقہ نہیں ہے اور ان کی عدت بھی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر گزری اس سے معلوم ہوا کہ خاوند پر نہ نفقہ ہے اور نہ ہی سکنیٰ ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت ''اسکنوھن من حیث سکنتم اور لا تخرجوھن من بیوتھن ۔الایۃ'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند کے ذمہ صرف رہائش ہے اور عدم وجوب نفقہ کی دلیل مفہوم مخالف ہے کہ جب صرف رہائش ہے تو معلوم ہوا کہ نفقہ نہیں ہے اور ''وان کن اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن'' تو یہاں مفہوم مخالف سے معلوم ہوا کہ غیر حاملہ کو نفقہ نہیں ملے گا۔ **دلیل ثانی:** حدیث الباب ہے۔

جواب اوّل: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سکنیٰ کے اثبات اور نفقہ کی نفی والے موقف کی تردید کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کی گویا یہ ایک اجماع ہو گیا۔ مسلم شریف میں ابو اسحٰق کی روایت ہے جو ابھی اوپر گزر رہی ہے۔ اور ان کے زوج اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بھی رد کیا ہے اور سعید بن المسیبؒ نے بھی رد کیا ہے اسکے بعد کبار سلف کا اس حدیث کو رد کرنا اسکے شاذ اور ضعف کی دلیل ہے اور عموم قرآن کے خلاف ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسکے مخالف ہے ان مخالفتوں کے باوجود اس پر عمل کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں اعلم وافقہ بھی ہیں۔

جواب ثانی: عند البعض یہ زبان کی تیز تھیں اپنے زوج کے رشتہ داروں سے ان کی بنتی نہیں تھی اسلئے حضور ﷺ نے ان کو سکنیٰ اور نفقہ سے محروم کر دیا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ''قالت لفاطمۃ بنت قیس انما اخرجک ھذا اللسان''

جواب ثالث: عند البعض ان کے زوج نے ان کی غیبوبت میں طلاق دی تھی اور ان کا مکان خالی جگہ میں تھا جہاں ان کیلئے رہنا ممکن نہیں تھا جیسا کہ بعض روایات میں بھی آتا ہے اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو شوہر کے مکان سے منتقل ہونے کی اجازت دیدی اسلئے جن عورتوں کا سکنیٰ نہیں تو نفقہ بھی نہیں ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ترک سکنیٰ کے یہ دونوں سبب ہوں۔

امام صاحب کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ہے ''لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ'' یہ آیت وجوب سکنیٰ پر دلالت کرتی ہے اس آیت کا عموم ہر مطلقہ کو شامل ہے خواہ وہ رجعیہ ہو یا بائنہ ہو یا مغلظہ ہو یا حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔

سوال: اس آیت کے آخر میں ہے ''لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا'' اس امر سے رجعت مراد ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مطلقات رجعیات کے بارے میں ہے نہ کہ مبتوتہ کے بارے میں۔

جواب اوّل: آیت میں ''امرا لا عن ھذا ولا عن ذاک'' سے عبارت نہیں بلکہ یہ عبارت ہے ''ما جاء من قبل اللہ تعالی من نسخ او تخصیص او غیر ذلک'' سے

جواب ثانی: آیت میں ''امرا'' سے ''رجعت علی التعیین'' مراد نہیں ہے بلکہ طلاق رجعی میں رجوع سے عبارت ہے اور طلاق بائن میں تجدید نکاح سے عبارت ہے۔

جواب ثالث: یہاں ''ذکر الخاص لبعض ما تناولہ صدر الکلام'' ہے کسی خاص کا حکم صدر کلام کے عموم کیلئے مبطل نہیں ہوتا جیسا کہ ''والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء'' یہ بائنہ کو بھی شامل ہے اور رجعیہ کو بھی شامل ہے لیکن اسکے آخر میں ہے ''وبعولتھن احق بردھن''۔ یہ رجعی کے ساتھ خاص ہے لیکن اسکے باوجود صدر کلام کے عموم میں کوئی فرق نہیں آرہا۔

دلیل ثانی: قرآن کریم کی آیت میں ''اسکنوھن من حیث سکنتم'' ہے اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مشہور

قرات ''اسکنوہن من حیث سکنتم وانفقوا علیھن من وجدکم '' ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفقہ بھی ہے اور سکنیٰ بھی۔
دلیل ثالث: عدت کا مفہوم ''احتباس المرأۃ لرعایۃ زوجھا'' ہے۔ نفقہ اس احتباس کی جزا ہے کیونکہ مسلمہ اصول ہے کہ جب کوئی شخص بحق رجل آخر محبوس ہو تو محبوس کا نفقہ اسی پر ہوگا اور یہ وجہ جیسے مطلقہ رجعیہ میں موجود ہے حاملہ میں موجود ہے اسی طرح بائنہ اور غیر حاملہ میں بھی موجود ہے۔
دلیل رابع: نفقہ کا حق مالی ہونا ظاہر ہے ''من بعضکفا یۃ المرء ۃ''جس طرح سکنیٰ حق مالی ''من بعض کفایۃ المرء ۃ'' ہے تو پھر جیسے سکنیٰ علی الزوج لازم ہے اسی طرح نفقہ بھی علی الزوج لازم ہونا چاہیے۔
سوال: قرآن کریم میں ہے ''فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن'' اگر حاملہ اور غیر حاملہ میں فرق نہیں ہے تو پھر قرآن مین حالات کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** حاملہ ہونے کی صورت میں بعض دفعہ مدۃ الحمل مدۃ العدۃ ثلث حیض سے طویل ہو جاتی ہے تو اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ بس ''مدۃ العدۃ'' تک اس کو نفقہ دینا ضروری ہے تو اس وہم کو دور کرنے کیلئے حالات کی تخصیص کی گئی ہے۔

امام صاحبؒ کے قول کی تائید مسلم کی روایت عن ابی اسحق سے بھی ہوتی ہے ابو اسحق کہتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں اسود بن یزید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے تو شعبی نے اس مجلس میں فاطمہ بنت قیسؓ والی روایت ذکر کی تو اسود بن یزید نے کنکریاں اٹھا کر ان کو ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو جسکے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا '' لا ندع کتاب ربنا وسنۃ نبینا لقول امرأۃ لعلھا نسیت او شبہ لھا ''۔ اور فرمایا '' سمعت النبی ا یقول لھا السکنی والنفقۃ '' اس سے زیادہ صریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طحاوی اور دار قطنی کی وہ روایت ہے جس میں لفظ اس طرح ہیں '' سنۃ رسول اللہ ا یقول للمطلقۃ ثلاثا النفقۃ والسکنی ''
سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو روایات نقل کی گئی ہیں دار قطنی میں اس کے ناقل ابراھیم نخعیؒ ہیں اور ابرھیم نخعیؒ کا سماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے تو یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ **جواب:** ہمارے نزدیک مرسل روایت حجت ہے لہٰذا آپ کا یہ اعتراض درست نہیں۔ اور اکثر محدثین نے ابراہیم نخعیؒ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کو معتبر قرار دیا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ النِّكَاحِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا عَامِرٌ الْأَحْوَلُ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَجَابِرٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ حَدِيثُ عَبْدِ اللَّهِ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم جس چیز پر ملکیت نہیں رکھتا اس میں اس کی نذر صحیح نہیں اسی طرح ایسے غلام یا باندی کو آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں اور طلاق نہیں اس میں جس کا وہ مالک نہیں ہوتا۔ اس باب میں حضرت علی، معاذ، جابر، ابن عباس، عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث عبداللہ بن عمرو حسن صحیح ہے اس باب

بْنِ عَمْرٍو حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ رُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنِ وَسَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ وَشُرَيْحٍ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَغَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِينَ وَبِهِ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَنْصُوبَةِ إِنَّهَا تَطْلُقُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ وَالشَّعْبِيِّ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ قَالُوا إِذَا وَقَّتَ نُزِّلَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّهُ إِذَا سَمَّى امْرَأَةً بِعَيْنِهَا أَوْ وَقَّتَ وَقْتًا أَوْ قَالَ إِنْ تَزَوَّجْتُ مِنْ كُورَةِ كَذَا فَإِنَّهُ إِنْ تَزَوَّجَ فَإِنَّهَا تَطْلُقُ وَأَمَّا ابْنُ الْمُبَارَكِ فَشَدَّدَ فِي هٰذَا الْبَابِ وَقَالَ إِنْ فَعَلَ لَا أَقُولُ هِيَ حَرَامٌ وَذُكِرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ أَنَّهُ لَا يَتَزَوَّجُ ثُمَّ بَدَا لَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَ هَلْ لَهُ رُخْصَةٌ بِأَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِ الْفُقَهَاءِ الَّذِينَ رَخَّصُوا فِي هٰذَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ إِنْ كَانَ يَرَى هٰذَا الْقَوْلَ حَقًّا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُبْتَلَى بِهٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِهِمْ فَأَمَّا مَنْ لَمْ يَرْضَ بِهٰذَا فَلَمَّا ابْتُلِيَ أَحَبَّ أَنْ يَأْخُذَ بِقَوْلِهِمْ فَلَا أَرَى لَهُ ذٰلِكَ . وَقَالَ أَحْمَدُ إِنْ تَزَوَّجَ لَا آمُرُهُ أَنْ يُفَارِقَ امْرَأَتَهُ وَقَالَ إِسْحٰقُ أَنَا أُجِيزُ فِي الْمَنْصُوبَةِ لِحَدِيثِ ابْنِ

میں یہ اصح حدیث ہے اکثر علماء صحابہ کا یہی قول ہے علی بن ابی طالب، ابن عباس، جابر، سعید بن مسیب، حسن، سعید بن جبیر، علی بن حسین، شریح اور جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی منقول ہے کئی فقہاء تابعین اور شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے منصوبہ (یعنی فلاں قبیلہ کی عورت سے نکاح کروتو طلاق ہے) کے بارے میں فرمایا اس پر طلاق واقع ہو جاتی ہے یعنی معین عورت میں تعلیق صحیح ہے۔ ابراہیم نخعی شعبی، اور دیگر اہل علم سے مروی ہے کہ کوئی وقت مقرر کرے گا تو طلاق ہو جائے گی سفیانؒ اور مالک بن انسؒ کا یہی قول ہے کہ جب کوئی شخص کسی خاص عورت کا نام لے کر یا کوئی وقت مقرر کر کے کہے اگر میں فلاں شہر کی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے ان صورتوں میں نکاح کرتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابن مبارکؒ اس مسئلے میں شدت اختیار کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ عورت حرام نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ ابن مبارکؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص نکاح نہ کرنے پر طلاق کی قسم کھالے یعنی کہے کہ اگر میں نے نکاح کیا تو میری بیوی کو طلاق ہے پھر اسے نکاح کا خیال آیا تو کیا اس کے لئے ان فقہاء کے قول پر عمل جائز ہے جو اس کی اجازت دیتے ہیں ابن مبارکؒ نے فرمایا اگر وہ اس مسئلے میں مبتلا ہونے سے پہلے ان کے قول کو صحیح سمجھتا تھا تو اب بھی اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے اجازت نہ دینے والے فقہاء کے قول کو ترجیح دیتا تھا تو اب بھی اجازت دینے والے فقہاء کے قول پر عمل جائز نہیں۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے نکاح کر لیا تو میں اس کو بیوی چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا۔ اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ میں کسی متعین قبیلے، شہر یا عورت کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کی بناء پر اجازت دیتا ہوں اور اگر وہ نکاح کرلے تو میں نہیں کہتا کہ

مَسْعُودٍ وَإِنْ تَزَوَّجَهَا لَا أَقُولُ تَحْرُمُ عَلَيْهِ عورت اس پر حرام ہے غیر متعین عورت کے بارے میں بھی الْمَرْأَةُ وَوَسَّعَ إِسْحٰقُ فِي غَيْرِ الْمَنْصُوبَةِ. امام اسحاقؒ نے وسعت دی ہے۔

تشریح: اس حدیث کی تشریح میں مختلف مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔

قوله لا طلاق قبل نکاح: نکاح سے پہلے طلاق نہیں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ ① تنجیز طلاق یا عتاق ہو یعنی کسی اجنبیہ کو فی الحال طلاق دینا مثلاً کوئی کسی کو کہے "انت طالق" یا غیر کے غلام کو کہے "انت حر" ② "تعلیق الطلاق بالملك" أو "بسبب الملك۔ تعلیق الطلاق بالملك" کی مثال جیسے کوئی یوں کہے "ان ملکتك فانت طالق" کہ اگر میں تیرا مالک ہوا تو تجھے طلاق۔ سبب الملک کی مثال "ان نکحتك فانت طالق" یہ تعلیق بسبب الملک کی مثال ہے ③ "تعلیق الطلاق بغیر الملك و بغیر سبب الملك" یعنی طلاق کو کسی شرط کے ساتھ معلق تو کرتا ہے لیکن وہ شرط ملک (بضع) یا سبب ملک نہیں ہے مثلاً کوئی اجنبیہ کو کہے "اذا دخلت الدار فانت طالق" یا اجنبی غلام کو کہے "ان دخلت المسجد فانت حر" ان میں سے پہلی اور تیسری قسم میں اتفاق ہے یہ کلام لغو ہوگا۔ نہ ہی طلاق ہوگی اور نہ ہی عتاق کیونکہ پہلی صورت میں وہ مالک نہیں ہے اور تیسری صورت میں وہ ملک اور سبب ملک کے علاوہ کے ساتھ معلق کر رہا ہے۔ البتہ دوسری صورت میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں نہ طلاق ہوگی اور نہ ہی عتق ہوگا بلکہ کلام لغو ہو جائے گا گویا ان کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں کلام لغو ہو جائے گا۔ **قول ثانی:** امام مالکؒ کی روایات مختلف ہیں ایک روایت میں شوافع کے ساتھ ہیں اور ایک میں توقف ہے اور راجح قول یہ ہے کہ اگر غیر منکوحہ یا غیر مملوک غلام کو خاص کرے تو طلاق و عتاق صحیح ہے لیکن صورت عموم میں صحیح نہیں ہے۔

قول ثالث: امام احمد بن حنبلؒ کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت حنفیہ کی طرح ہے اور ایک روایت شوافع کی طرح ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی، عتاق واقع ہو جائے گا۔

قول رابع: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہے اور جب شرط پائی جائے گی تو حکم بھی پایا جائے گا۔ خواہ صورت خصوص ہو یا صورت عموم ہو۔ صورت عموم کی مثال جیسے کوئی کہے "کل امرأة ملکتها فهی طالق یا نکحتها فهی طالق" اور صورت خصوص کی مثال کہ کسی معین عورت یا شہر کی طرف نسبت کر کے کہے "اذا نکحتك فانت طالق یا ان ملکتك فانت حر"۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ اس میں الفاظ عام ہیں چاہے وہ معلق کر کے دے یا منجز دے، بہر حال یہ طلاق یا عتاق واقع نہیں ہوگا۔

جواب: یہ حدیث تنجیز و عتاق پر محمول ہے تعلیق پر محمول نہیں ہے کیونکہ تعلیق فی الحال طلاق نہیں ہے باقی کوئی کہے کہ یہ تو ہر کسی کو معلوم تھا کہ اجنبی کو دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی تو نبی کریم ﷺ کے کلام کا کوئی حاصل تو نہ ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کا علم آپ ﷺ کے ارشاد فرمانے کے بعد ہوا۔ **سوال:** منسوبہ پر طلاق واقع ہو جانے کی علت کیا ہے؟

جواب: علت یہ ہے کہ جب اس پر طلاق واقع ہوگی اس وقت وہ منکوحہ بن چکی ہوگی یہ علت غیر منسوبہ میں بھی موجود ہے لہٰذا اس میں بھی طلاق واقع ہونی چاہیے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: موطا امام مالک میں باب کا عنوان قائم کیا ہے "یمین الرجل بما لا ینکح" کہ آدمی کا اس

عورت کو طلاق دینا کہ جس سے نکاح نہیں کیا۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد ابن شہاب زھری اور سلمان بن یسار فرماتے ہیں کہ جب آدمی قسم کھالے کسی عورت کی طلاق قبل النکاح کی اور پھر بعد میں اس سے نکاح کرلے تو اس کو اپنی کہی ہوئی بات لازم ہوگی یعنی پھر جس عورت کے ساتھ نکاح کیا (صورت عموم میں) یا اسی سے نکاح کیا (صورت خصوص میں) تو اسپر فوراً طلاق واقع ہوجائے گی۔

دلیل ثانی: موطا امام مالک ہی میں ہے کہ اگر کسی شخص نے اجنبیہ سے ظہار معلق کیا تو اس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فتوی دیا تھا کہ جب وہ اس سے نکاح کرے گا تو ظہار ہوجائے گا کفارہ ادا کیے بغیر اس کے پاس نہیں جاسکتا۔

دلیل ثالث: امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت منسوبہ ہو یعنی اس کی نسبت خاص قبیلہ یا شہر کی طرف کی گئی ہو تو طلاق ہوجائے گی۔ دلیل رابع: عقلی ہے تعلیق کی حیثیت یمین کی سی ہے اور یمین اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ جس چیز پر آپ نے قسم کھائی ہے وہ فی الحال آپ کی ملک میں ہے یا نہیں تو تعلیق بھی یمین کی طرح تصرف ہے لہٰذا یہ بھی اس بات کا تقاضا نہ کرے گی کہ جس چیز پر طلاق کو معلق کیا ہے وہ فی الحال آپ کی ملک میں ہو بلکہ جب شرط پائی جائیگی تو اس وقت وہ حکم بھی پایا جائے گا یعنی حکم کے وقت شرط پائی جائے اور یہی ہم کہتے ہیں۔

قوله ولا وصال فی صیام: اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی لگاتار روزے رکھے اور کچھ نہ کھائے پیئے یہ کسی امتی کے لئے جائز نہیں ہے۔ صرف یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے صوم وصال صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا "کما مر فی کتاب الصوم"۔

قوله ولا یتامی ا لاحتلام: شرعا یتیم جب ہوگا جس وقت وہ نابالغ ہو جب بالغ ہوجائے تو اس وقت اس پر یتیمی کے احکام نہیں لگیں گے۔

قوله ولا رضاع بعد فطام: اور مدت رضاعت گزرنے کے بعد اگر کسی بچہ نے عورت کا دودھ پی لیا تو اس پر رضاعت کے احکامات لاگو نہیں ہونگے۔

ولا صمت یوم الی اللیل: یہ ہماری امت میں مشروع نہیں ہے اور پچھلی امتوں میں چپ رہنا عبادت کے زمرہ میں آتا تھا۔ اور پورا دن خاموش رہنا عبادت میں شمار ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چپ کا روزہ ہماری امت میں جائز نہیں ہے اس کی وجہ سے کچھ ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ البتہ لایعنی باتوں کی بجائے بہتر ہے کہ خاموش رہا جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلیقل خیرا و لیصمت۔ الحدیث"۔

بَاب مَا جَاءَ أَنَّ طَلَاقَ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى النَّيْسَابُورِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُظَاهِرُ بْنُ أَسْلَمَ قَالَ حَدَّثَنِي الْقَاسِمُ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى

محمد بن یحیی نیساپوری، ابوعاصم سے وہ ابن جریج سے وہ مظاہر بن اسلم سے وہ قاسم سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ حَدَّثَنَا مُظَاهِرٌ بِهٰذَا وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ مُظَاهِرِ بْنِ أَسْلَمَ وَمُظَاهِرٌ لَا نَعْرِفُ لَهُ فِي الْعِلْمِ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ.

فرمایا لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہے۔ محمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ ہم کو اس حدیث کی خبر ابو عاصم نے دی اور انہوں نے مظاہر سے روایت کی۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے۔ حدیث عائشہؓ غریب ہے ہم اسے صرف مظاہر بن اسلم کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور ان کی حدیث اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں۔ علماء صحابہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ کا اسی حدیث پر عمل ہے سفیان، ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: مسئلہ: عدد طلاق میں مرد کی حریت یا غلامی کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کا؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق میں عورت کی حریت یا غلامی کا اعتبار ہوگا اگر عورت آزاد ہے تو اس کو تین طلاقیں اور اگر عورت باندی ہے تو اس کو دو طلاقیں ہوں گی مرد آزاد ہو یا غلام۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک مرد کی حریت اور غلامیت کا اعتبار ہوگا یعنی مرد اگر آزاد ہے تو تین طلاق کا اختیار ہوگا اور اگر مرد غلام ہے تو دو طلاق کا اختیار ہوگا، بیوی خواہ کیسی بھی ہو۔

شوافعؒ کا استدلال: ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے "الطلاق بالرجال والعدة بالنساء" یعنی طلاق مردوں کے اعتبار سے اور عدت عورتوں کے اعتبار سے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۶۹)

جواب: اول تو یہ روایت موقوف ہے دوسرا یہ کہ شوافع کے مسلک پر صریح نہیں۔

احناف کا مستدل: یہی حدیث الباب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان" یہ حدیث احناف کے مسلک پر بالکل صریح ہے۔

اعتراض: یہ مظاہر بن اسلم سے مروی ہے جو کہ ضعیف راوی ہے۔

جواب: یہ روایت ایک مختلف فیہ راوی ہے امام ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور شیخ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ امام حاکم نے "شیخ اهل البصرة" کہا ہے اور شیخ کا لفظ الفاظ تعدیل میں سے ہے۔ لہٰذا یہ روایت حسن سے کم نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِطَلَاقِ امْرَأَتِهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجَاوَزَ اللّٰهُ لِأُمَّتِي مَا

قتیبہ، ابوعوانہ سے قتادہ سے وہ زرارہ بن اوفی سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ میری امت کے دلوں میں آنے والے خیالات پر

حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَكَلَّمْ بِهِ أَوْ تَعْمَلْ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا حَدَّثَ نَفْسَهُ بِالطَّلَاقِ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ حَتّٰى يَتَكَلَّمَ بِهِ .

پکڑ نہیں کرتے جب تک زبان سے نہ نکالیں یا اس پر عمل نہ کریں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو دل میں طلاق دے تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک زبان سے طلاق کے الفاظ ادا نہ کرے۔

تشریح: اگر دل میں یہ وسوسہ آئے اور خیال آئے اور انسان اپنے دل سے باتیں کرے کہ اس نے بیوی کو طلاق دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جب تک منہ سے طلاق کا تلفظ نہ کرے تلفظ کی دو صورتیں ہیں۔ جہری، سری، جہری تلفظ تو ظاہر ہے اور سری کی ادنیٰ مقدار تصحیح حروف ہے یعنی زبان حرکت کرے اس کا ادنیٰ درجہ اسماع النفس ہے یعنی خود کو سنانا۔ سرّ کا کم سے کم درجہ پایا جائے تو طلاق واقع ہوگی۔

سوال: اس حدیث کا سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۴ سے تعارض ہے۔ آیت مبارکہ یہ ہے **وإن تبدوا ما فی انفسکم أو تخفوہ یحاسبکم به الله**۔ آیت کریمہ میں یہ ارشاد کیا گیا ہے کہ جو باتیں تمہارے دلوں میں ہیں خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو۔ اللہ تمہیں ان کی وجہ سے محاسبہ کریں گے معلوم ہوا کہ دل کی باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا پس طلاق بھی واقع ہونی چاہیے۔

یہ حدیث احکام دنیا سے متعلق ہے۔ اور آیت پاک احکام آخرت سے متعلق ہے۔ پس ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نکاح، طلاق، عتاق، بیع اور ہبہ وغیرہ محض دل میں ارادہ کر لینے سے منعقد نہیں ہو جاتے ان کا تلفظ ضروری ہے اور آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ عقائد فاسدہ، اخلاق مذمومہ اور گناہوں کا پختہ ارادہ کرنے کی صورت میں بھی آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔

حدیث میں وساوس اور غیر اختیاری خیالات مراد ہیں جو انسان کے دل میں بغیر قصد وارادہ کے آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف کا ارادہ کرنے پر بھی آتے رہتے ہیں۔ ایسی غیر اختیاری باتوں کو اس امت پر مہربانی کرتے ہوئے معاف کر دیا گیا اور آیت پاک میں مرادوہ ارادے اور نیتیں ہیں جو اپنے کسب واختیار سے آدمی اپنے دل میں جماتا ہے اور اس کو عمل میں لانے کی کوشش کرتا ہے مگر کچھ موانع آجاتے ہیں جن کی بناء پر ان پر عمل نہیں کر پاتا۔ قیامت کے دن ان پر محاسبہ ہوگا۔ جیسے قاتل ومقتول دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے تو یہ دونوں جہنم میں جائیں گے کیونکہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا مارنے آیا تھا مگر اتفاق سے مار نہ سکا بلکہ مر گیا لہٰذا وہ بھی قاتل شمار ہوگا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْجِدِّ وَالْهَزْلِ فِي الطَّلَاقِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أُدْرَكَ الْمَدَنِيِّ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ مَاهَكَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ . قَالَ

قتیبہ، حاتم بن اسماعیل سے وہ عبدالرحمن بن ادرک مدنی سے وہ عطاء سے وہ ابن ماہک سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جو نیت (سنجیدگی) کے ساتھ تو واقع ہوتی ہی ہیں مذاق میں بھی واقع ہو جاتی ہیں طلاق، نکاح اور طلاق

أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ هُوَ ابْنُ حَبِيبِ بْنِ أَدْرَكَ الْمَدَنِيُّ وَابْنُ مَاهَكَ هُوَ عِنْدِي يُوسُفُ بْنُ مَاهَكَ.

کے بعد رجوع کرنا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اسی پر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا عمل ہے اور عبدالرحمٰن، عبدالرحمٰن بن حبیب بن ادرک بن ماہک ہیں اور میرے نزدیک ابن ماہک سے مراد یوسف بن ماہک ہے۔

تشریح: جد کا لغوی معنی: ''ما يراد به ما وضع له او ما صلح له اللفظ مجازا'' کوئی لفظ بولا جائے اور بولتے وقت اسی لفظ سے مرتب ہونے والا حکم واقع کرنا مقصود ہو۔ یا مجازی معنی مراد لینے کی صلاحیت نہ ہو۔

ہزل کا لغوی معنی: ''الهزل ان يراد بالشیء غير ما وضع له بغير مناسبة بينهما'' اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو لفظ بولے اس کو واقع کرنا مقصود نہ ہو۔

مسئلہ اختلافی: حالت ہزل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام احمدؒ، امام مالکؒ کے نزدیک ہازل کی طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک وقوع طلاق کے لئے طلاق کا لفظ بولتے ہوئے طلاق کی نیت ضروری ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک طلاق بطور جد کے ہو یا ہزل کے دونوں صورتوں میں واقع ہوجائے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: قرآن پاک کی آیت میں ہے ''وان عزموا الطلاق'' الآیۃ وجہ استدلال یہ ہے کہ یہاں قرآن کریم نے وقوع طلاق کے لئے عزم طلاق کو شرط قرار دیا ہے اور ہزل کی صورت میں طلاق کا عزم نہیں ہوتا۔

جواب: اس آیت کا زیر بحث مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ زیر بحث طلاق کا مسئلہ ہے اور یہ آیت ایلاء کے بارے میں ہے۔ اور ایلاء میں تو سب حضرات عزم طلاق کا اعتبار کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے ''ثلاث جد هن جد وهزلهن جد''

باقی اس حدیث شریف میں تین چیزوں (نکاح، طلاق اور رجوع) کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان میں جد اور ہزل برابر ہیں۔ احناف کے نزدیک ان تین کے علاوہ اور بھی کئی مسائل میں جد اور ہزل کا حکم ایک ہے۔ حدیث میں ان تین کی تخصیص انکی اہمیت کے پیش نظر کی گئی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْخُلْعِ

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ أَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ سُفْيَانَ أَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَهُوَ مَوْلَى آلِ طَلْحَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ أَنَّهَا

محمود بن غیلان انبانا فضل بن موسیٰ سے وہ سفیان انبانا محمد بن عبدالرحمن سے وہ مولیٰ آل طلحہ سے وہ سلیمان بن یسار سے وہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اخْتُلَعَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ الصَّحِيحُ أَنَّهَا أُمِرَتْ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ.

زمانے میں اپنے شوہر سے خلع لیا، پھر آپؐ نے انہیں حکم دیا یا انہیں حکم کیا گیا کہ وہ ایک حیض تک عدت میں رہیں۔اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ ربیع بنت معوذؓ کی صحیح روایت اُمِرَتْ الخ ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَعْتَدَّ بِحَيْضَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي عِدَّةِ الْمُخْتَلِعَةِ فَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ عِدَّةَ الْمُخْتَلِعَةِ عِدَّةُ الْمُطَلَّقَةِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِنَّ عِدَّةَ الْمُخْتَلِعَةِ حَيْضَةٌ قَالَ إِسْحٰقُ وَإِنْ ذَهَبَ ذَاهِبٌ إِلَى هٰذَا فَهُوَ مَذْهَبٌ قَوِيٌّ

محمد بن عبدالرحیم البغدادی، علی بن بحر، ہشام بن یوسف سے وہ معمر سے وہ عمرو بن مسلم سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم کے زمانے میں ثابت بن قیس کی بیوی نے اپنے شوہر سے خلع لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے خلع لینے والی عورت کی عدت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس کی عدت بھی مطلقہ کی طرح ہے ثوری، اہل کوفہ، کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے اسحاق فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اس مسلک پر عمل کرے تو قوی مسلک ہے۔

تشریح: عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ: حضرت ربیعؓ کے شوہر کون تھے اور یہ واقعہ کس زمانے کا ہے ان کے شوہر کا نام تو کسی روایت میں نہیں آتا۔ البتہ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخیر زمانہ میں پیش آیا۔ جبکہ حضرت عثمانؓ محصور تھے نسائی اور ابن ماجہ میں اس بات کی صراحت ہے مگر چونکہ آئندہ واقعہ بھی حضرت ربیعؓ بیان کرتی ہیں۔ اس لئے بعض رواۃ کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت ربیع کے واقعہ کو بھی عصر نبوی کا واقعہ قرار دے دیا۔ پس اس روایت میں جو شک ہے راوی کی طرف سے "امرها النبی ﷺ أو أمرت" اس میں صحیح "اُمِرَتْ" ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے زمانے کا نہیں ہے۔ اور نسائی میں صراحت ہے کہ ان کے بھائی عثمان نے یہ حکم دیا تھا، امام ترمذیؒ نے یہی بات فرمائی ہے۔

ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام حبیبہ یا جمیلہ تھا بہت خوبصورت اور حسین تھیں جب کہ ثابت ابن قیس چھوٹے قد کے اور

زیادہ خوبصورت بھی نہیں تھے۔ان کی بیوی ان کو پسند نہیں کرتی تھی۔ چنانچہ حضرت ثابت کو آپ ﷺ نے مصلحۃً یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدیں اس سے معلوم ہوا کہ طلاق دینے والے کے حق میں یہ اولیٰ اور افضل ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ بوقت ضرورت رجوع کیا جاسکے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلع فسخ نکاح نہیں ہے بلکہ طلاق ہے چنانچہ خلع میں عورت کا کام ہوتا ہے خاوند کو طلاق کے بدلے مال دینا اور خاوند کا کام ہوتا ہے مال کے بدلے طلاق دینا۔

مسئلہ: خلع کی شرعی حیثیت کیا ہے خلع فسخ نکاح ہے یا طلاق ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے۔ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک خلع طلاق ہے۔

امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی دلیل اوّل: قرآن پاک کی آیت ''الطلاق مرتان فان طلقها'' آیت میں پہلے دو طلاقوں کا ذکر کیا پھر اس کے بعد ''فیما افتدت'' سے خلع کا ذکر کر کے پھر ''فان طلقها'' ذکر کیا اگر خلع کو طلاق کہہ دیں تو لا محالہ چار طلاقیں ہوں گی حالانکہ طلاقیں تو تین ہی ہوتی ہیں۔

جواب: خلع پہلی دو طلاقوں کے اندر داخل ہے اور ''فان طلقها'' میں بلا عوض طلاق کا ذکر ہے جبکہ خلع میں طلاق بالعوض کا ذکر ہے۔ دو کے علاوہ الگ کوئی طلاق نہیں ہے لہٰذا ''فان طلقها'' میں تیسری طلاق کا ذکر ہے جس کے بعد بلا تحلیل وہ زوج کے لئے حلال نہیں ہوگی لہٰذا اس سے استدلال پورا نہیں ہوا۔

دلیل ثانی: ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے خلع کیا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی عدت ایک حیض قرار دیا حالانکہ طلاق کی عدت تین حیض ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے۔

جواب اوّل: وہاں ''حیضة'' میں تاء وحدت کی نہیں یہ کلمہ اسم جنس ہے قلیل و کثیر پر صادق آتا ہے اس لئے اس سے تین کی نفی مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ حیض سے عدت ہوگی۔

جواب ثانی: حضرت علامہ انور کشمیری شاہ صاحبؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ کم سے کم ایک حیض شوہر کے مکان میں گزارے بقیہ دو حیض اپنے مکان میں گزارے کیونکہ اس کا شوہر اس کو بہت ستاتا تھا۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ پوری عدت ایک ہی حیض ہے۔ لہٰذا اس سے خلع کے فسخ نکاح ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی دلیل اوّل: بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ''ان امرأة ثابت بن قیس اتت النبی ﷺ قال رسول اللہ ﷺ اقبل الحدیقه وطلقها تطلیقة'' اس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت سعید بن المسیبؒ کی مرسل حدیث ہے ''ان النبی ﷺ جعل الخلع تطلیقة بائنة''

دلیل ثالث: حضرت عمر، حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ خلع طلاق ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُخْتَلِعَاتِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا مُزَاحِمُ بْنُ ذَوَّادِ بْنِ ابوکریب، مزاحم بن ذواد بن علبہ سے وہ لیث سے وہ ابن

عُلْبَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ لَيْثٍ عَنْ أَبِي الْخَطَّابِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ لَمْ تَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَمَّنْ حَدَّثَهُ عَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ وَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَيُرْوٰى هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي أَسْمَاءَ عَنْ ثَوْبَانَ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ أَيُّوبَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ وَلَمْ يَرْفَعْهُ.

الخطاب سے وہ ابی زرعہ سے وہ ابو ادریس سے وہ حضرت ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خلع لینے والی عورتیں منافق ہیں یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اس کی سند قوی نہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے ارشاد فرمایا کہ جو عورت بغیر عذر کے اپنے شوہر سے خلع حاصل کرے گی وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گی۔ محمد بن بشار، عبدالوہاب ثقفی، ایوب، ابو قلابہ، حضرت ثوبانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے شوہر سے کسی سختی کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ یہ حدیث حسن ہے اور یہ حدیث حضرت ابو ایوبؓ سے بھی مروی ہے۔ عن ابی قلابہ، ابی اسماء، عن ثوبان اور بعض حضرات نے اسی سند کے ساتھ ایوب سے نقل کی ہے اور مرفوع بیان نہیں کیا۔

تشریح: اس باب میں ان عورتوں کے لئے وعید کا بیان ہے جو اپنے شوہروں سے بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرتی ہیں اور اسی طرح وہ مرد بھی اسی وعید میں شامل ہیں جو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیتے ہیں تاکہ دوسری نئی بیوی آئے نئے مزے دیکھیں۔ بعض لوگ جن کی چار بیویاں ہوتی ہیں وہ ان میں سے ایک یا دو کو بلاوجہ طلاق دیتے ہیں تاکہ اور شادی کے مواقع مل سکیں بعض لوگ روافض کی طرح ایک ہفتہ لڑکی سے نکاح کر کے اس کو چند لاکھ دے کر رخصت کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے مرد و زن کو پسند نہیں کرتے معجم طبرانی کبیر میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کو ذواقین (چکھنے والے مردوں) اور ذواقات (اور چکھنے والی عورتیں) پسند نہیں۔

حدیث الباب میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا خلع لینے والی عورتیں ہی منافق ہیں جس طرح منافق کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو عورتیں بلاوجہ خلع لیتی ہیں وہ بظاہر تو ہمیشہ کے لئے نکاح کرتی ہیں مگر ان کی نیت کچھ اور ہوتی ہے اس اعتبار سے ان کو منافق کہا گیا ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو عورت اپنے شوہر سے کسی سختی کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ ہاں اگر شوہر ظالم ہو، نہ تو حقوق ادا کرتا ہو اور نہ ہی چھوڑتا ہو تو اس صورت میں خلع لینے میں کوئی حرج نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي مُدَارَاةِ النِّسَاءِ

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي زِيَادٍ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ كَالضِّلَعِ إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَإِنْ تَرَكْتَهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا عَلَى عِوَجٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي ذَرٍّ وَسَمُرَةَ وَعَائِشَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَإِسْنَادُهُ جَيِّدٌ .

عبداللہ بن ابی زیاد، یعقوب بن ابراہیم بن سعد، ابن اخی ابن شہاب سے وہ اپنے چچا سے وہ سعید بن مسیب سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورت پسلی کی طرح ہے اگر اسے سیدھا کرنا چاہے گا تو توڑ دے گا اور اگر اسی چھوڑ دے گا تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس باب میں حضرت ابوذر، سمرہ، عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث ابوہریرہؓ اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: عورت کو ٹیڑھی پسلی کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ ایک بلیغ تشبیہ ہے اور اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ حضرت حواء %، حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسلی سے پیدا کی گئیں جو تمام پسلیوں میں سب سے چھوٹی اور سب سے ٹیڑھی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کا ٹیڑھا پن اس کا ذاتی ہے۔ گویا عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کجی ہے جس طرح پسلی کی فطرت میں کجی ہے لہٰذا مرد کو عورت کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے اس کے درپے نہیں ہونا چاہیے کہ اس کو سیدھا کر کے چھوڑوں اگر وہ اس کو سیدھا کرنا چاہے گا تو وہ ٹوٹ جائے گی اور اس کا ٹوٹنا طلاق ہے۔ اس لئے مردوں کو چاہیے کہ ان کی معمولی غلطیوں کو نظر انداز کریں اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کریں اس طرح وہ عورت سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

باقی اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان نہیں ہے بلکہ عورتوں کی فطرت میں نہایت کجی ہونے کی مثال ہے۔ ویسے عام طور پر یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اس حدیث میں عورت کی تخلیق کا بیان ہے یعنی عورت شوہر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہے یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے۔ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حواء % حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب کی سب سے اوپر کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور یہ بات بائبل میں لکھی ہوئی ہے پھر وہاں سے اسلامی روایات میں منتقل ہو گیا۔ جبکہ روح المعانی، سورۃ النساء میں اسی آیت کی تفسیر میں حاشیہ میں خود مفسر نے امام باقرؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے تھے اس کے باقی ماندہ سے حضرت حواء رضی اللہ عنہا پیدا کی گئی تھیں اور یہی بات قرین عقل کے مطابق ہے تمام حیوانات جن میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم ہے ان کے پہلے افراد مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں کوئی مادہ نر کی پسلی سے نہیں پیدا کی گئی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يَسْأَلُهُ أَبُوهُ أَنْ يُطَلِّقَ زَوْجَتَهُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ

احمد بن محمد، ابن مبارک، ابن ابی ذئب سے وہ حارث بن عبدالرحمن سے وہ حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے وہ حضرت ابن عمر

حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِي امْرَأَةٌ أُحِبُّهَا وَكَانَ أَبِي يَكْرَهُهَا فَأَمَرَنِي أَبِي أَنْ أُطَلِّقَهَا فَأَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ طَلِّقْ امْرَأَتَكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ.

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے محبت تھی میرے والد اسے ناپسند کرتے تھے چنانچہ انہوں نے مجھے طلاق دینے کا حکم دیا میں نے انکار کردیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف ابن ابی ذئب کی روایت جانتے ہیں۔

تشریح: اس باب میں دو بحثیں چلتی ہیں۔ ① والدین کے حقوق واجبہ کیا ہیں اور غیر واجبہ کیا ہیں۔ ② والدین کے کہنے پر طلاق دینے کا مطالبہ اور اس پر عمل۔

مسئلہ اولیٰ: جہاں تک والدین کے حقوق کا تعلق ہے بعض حضرات والدین کے حقوق پر اتنا افراط کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق واجب اور اپنے بچوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ والدین کا حق زیادہ ہے یہ کام اکثر ان لوگوں میں پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو دین پر عمل کرنے والا سمجھتے ہیں۔ اور اس کے برعکس بعض لوگ تفریط میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور والدین کے حقوق کو پامال کر کے ان کا وبال اپنے سر لیتے ہیں۔ والدین کے حقوق واجبہ کون سے ہیں اور غیر واجبہ حقوق کون سے ہیں؟ ان کے بارے میں چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

① جو امر شرعاً واجبہ ہو اور والدین اس سے منع کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز ہی نہیں۔ چہ جائیکہ واجب ہو مثال کے طور پر اگر ایک شخص مالی حالات سے تنگ ہے اور اگر والدین کی خدمت میں اپنا پیسہ خرچ کرتا ہے تو اس سے بیوی بچوں کو تکلیف ہوگی یعنی ان کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے تو بیوی بچوں کو تکلیف دے کر ماں باپ پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ اور اسی طرح بیوی شوہر سے علیحدہ رہنے کا مطالبہ کرے اور والدین اپنے ساتھ رہنے کا مطالبہ کریں تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ اس حالت میں بیوی کو اپنے والدین کے ساتھ رکھے یا والدین حج فرض یا طلب علم کے لئے نہ جانے دیں تو اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں ہوگی۔

② وہ امور جو شرعاً ناجائز ہوں اور ماں باپ اس کے کرنے کا حکم دیں تو اس میں بھی ان کی اطاعت جائز نہیں مثلاً وہ ایسی ملازمت کا حکم دیں جس میں بے پردگی اور بے حیائی ہو تو ایسی جگہ ملازمت نہیں کرنی چاہیے۔

③ وہ امور جو نہ تو شرعاً واجب ہوں اور نہ ہی ممنوع ہوں بلکہ مباح ہوں خواہ مستحب ہی کیوں نہ ہوں اور والدین اس کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیں تو ان کے بارے میں تفصیل ہے۔

اگر ایسے کام کے کرنے کی اتنی ضرورت ہو کہ اس کے بغیر تکلیف ہوگی مثلاً کسی دوسرے علاقے میں شوہر کمانے کے لئے جا رہا ہو تو والدین اس کو روکیں تو اس کا رکنا ٹھیک نہیں ہے۔

یا ایسے کام میں جا رہا ہے جہاں اس کے غائب ہونے کا اندیشہ ہے یا اس کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے والدین کو تکلیف ہوگی تو اس صورت میں والدین کی مخالفت جائز نہیں۔ مثلاً غیر واجب لڑائی میں جاتا ہے یا سفری صورت میں ماں باپ کی خبر گیری کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ خادم کا انتظام کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور وہ کام اور سفر بھی ضروری نہیں تو اس حالت میں ان کی اطاعت واجب ہوگی۔

اگر وہ سفر ایسا ہے کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی والدین کی شفقت اور تکلیف ظاہری کا کوئی قوی احتمال ہے تو بلا ضرورت سفر باوجود ان کی ممانعت کے جائز ہے اگر چہ مستحب یہی ہے کہ اس وقت بھی ان کی اطاعت کرے۔

مسئلہ ثانیہ: والدین کے مطالبہ پر بیوی کو طلاق دینے کا حکم: والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا اس میں تفصیل ہے۔ اگر اس کی بیوی سے والدین کو ایذاء پہنچتی ہے اور والدین اس سے بیوی کی طلاق کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں اس شخص کے ذمہ طلاق دینا واجب ہے۔ اور اگر والدین کو اس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کی طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس صورت میں والدین کے کہنے پر اس پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ اس صورت میں طلاق دینا عورت پر ایک طرح کا ظلم ہے اور اس ظلم کا سبب بننے والے سب گناہ شریک ہوں گے۔

حدیث الباب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے۔ اس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادہ کو طلاق کا حکم دیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حکم کی توثیق کرتے ہوئے ''طلق امرأتك'' فرمایا ظاہر ہے اس کی کوئی معقول وجہ ہوگی۔ ورنہ خواہ مخواہ طلاق دینا ظلم ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کسی پر ظلم کیسے کر سکتے ہیں اگر بالفرض والمحال وہ ایسے کرتے تو نبی کریم کیسے گوارہ فرماتے اور کیسے ظلم کی اعانت فرما سکتے تھے۔ یقیناً نبی کریم کو ان پر پورا اعتماد تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو طلاق کا حکم دیا ہے وہ کسی وجہ کی بنیاد پر دیا ہے ایسی صورت میں والدین کے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔

سوال: اس صورت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے اپنے والد کے حکم کی تعمیل ضروری تھی تو انہوں نے ابتداءً طلاق دینے سے انکار کیوں فرمایا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے کی نوبت آگئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق دینے کا حکم فرمایا۔

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ایک نظر اپنے والد کے حکم کی طرف تھی اور دوسری نظر طلاق کے مبغوض ہونے پر تھی۔ غرض وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دے پا رہے تھے اور طلاق کے جس سبب صحیح کی طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ تھی۔ وہ اہلیہ کی محبت کی وجہ سے ان کی نظروں سے اوجھل تھا اس لئے انہوں نے ابتداءً طلاق دینے سے توقف فرمایا اور پھر آپ کا حکم آنے پر طلاق دے دی۔

بَاب مَا جَاءَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَكْفِئَ مَا فِي إِنَائِهَا وَفِي الْبَاب عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کوئی عورت اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ وہ انڈیل لے جو اس (دوسری) کے برتن میں ہے۔ اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: ہمارے معاشرہ میں جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ہر بیوی اپنی سوکن کے خلاف شوہر کے کان بھرتی رہتی ہے پھر ان دونوں میں سے ایک غالب آجاتی ہے۔ اور دوسری کو طلاق دلوادی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں اس بات کی

ممانعت آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔ سوکن کو بہن جذبہ ترحم کو پیدا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ تاکہ وہ (اپنے برتن میں) انڈیل لے اس چیز کو جو اس (دوسری) کے برتن میں ہے یعنی وہ اپنے شوہر کے لئے خالص ہو جائے سوکن کا کانٹا درمیان سے نکل جائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي طَلَاقِ الْمَعْتُوهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ الْمَخْزُومِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ إِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ. هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَطَاءِ بْنِ عَجْلَانَ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ الْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهِ لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعْتُوهًا يُفِيقُ الْأَحْيَانَ فَيُطَلِّقُ فِي حَالِ إِفَاقَتِهِ.

محمد بن عبدالاعلیٰ، مروان بن معاویہ فزاری سے وہ عطاء بن عجلان سے وہ عکرمہ بن خالد مخزومی سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا معتوہ (مکمل پاگل) کی طلاق کے علاوہ ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس حدیث کو ہم صرف عطاء بن عجلان کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں اور وہ ضعیف ہیں اور حدیثیں بھول جاتے ہیں اہل علم اور آپ کے صحابہ اور ان کے علاوہ علماء کا اسی پر عمل ہے کہ دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی مگر وہ دیوانہ جسے کبھی کبھی ہوش آجاتا ہو اور وہ اسی حالت میں طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

تشریح: معتوہ: اس کے لغوی معنی ہیں آفت زدہ، کم عقل، لیکن یہاں مکمل پاگل مراد ہے۔ اگر پاگل اپنی بیوی کو طلاق دے تو وہ طلاق لغو ہے کیونکہ وقوع طلاق حکم شرعی ہے جو کہ مکلف سے ثابت ہے اور پاگل سے حکم شرعی مفقود ہے اس لئے اس کی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ نیز پاگل کی طرف سے ولی یا وکیل بھی طلاق نہیں دے سکتا اگر کسی عورت کا شوہر پاگل ہو اور وہ اس سے چھٹکارا لینا چاہتی ہو تو پنچایت بنائے گی یا عدالت سے رجوع کرے گی۔ مجنون اور معتوہ کی طلاق کے واقع نہ ہونے پر علماء کرام کا اجماع ہے پھر یہ حکم نائم اور مغمی علیہ کو بھی شامل ہے۔

سوال: ان مذکورہ معذورین اور سکران میں کوئی فرق نہیں تو جس طرح ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی اسی طرح سکران کی طلاق بھی واقع نہیں ہونی چاہیے حالانکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق اس کی طلاق واقع ہو جاتی ہے؟

جواب: مجنون اور معتوہ کے مغلوب العقل ہونے کا سبب قدرتی اور غیر اختیاری ہے اسی طرح نائم کی نوم اگرچہ بظاہر اختیاری معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی غیر اختیاری ہے جبکہ سکران کے مغلوب العقل ہونے کا سبب خود اس کا اپنا کسب ہے پھر وہ معصیت بھی ہے لہٰذا اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

سوال: مسافر اگر سفر معصیت کر رہا ہے تو اسے بھی رخصت حاصل ہوتی ہے اور وہ بھی قصر کرتا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ سکران کو بھی

عدم وقوع طلاق کی گنجائش حاصل ہو کہ جس طرح سفر معصیت میں معصیت آدمی کی رخصت کو ختم نہیں کرتی۔ اسی طرح سکر کی معصیت سے اس کے مغلوب العقل ہونے کا عذر ختم نہیں ہونا چاہیے۔

جواب: رخصت سفر کا مدار سفر پر ہے اور وہ معصیت کی حالت میں بھی موجود ہوتا ہے لہٰذا رخصت سفر حاصل ہو جاتی ہے جبکہ یہاں طلاق کا دارو مدار الفاظ طلاق پر ہے اگر الفاظ طلاق موجود ہوں تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ شَبِيبٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّاسُ وَالرَّجُلُ يُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ مَا شَاءَ أَنْ يُطَلِّقَهَا وَهِيَ امْرَأَتُهُ إِذَا ارْتَجَعَهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَإِنْ طَلَّقَهَا مِائَةَ مَرَّةٍ أَوْ أَكْثَرَ حَتَّى قَالَ رَجُلٌ لِامْرَأَتِهِ وَاللَّهِ لَا أُطَلِّقُكِ فَتَبِينِينَ مِنِّي وَلَا آوِيكِ أَبَدًا قَالَتْ وَكَيْفَ ذَاكَ قَالَ أُطَلِّقُكِ فَكُلَّمَا هَمَّتْ عِدَّتُكِ أَنْ تَنْقَضِيَ رَاجَعْتُكِ فَذَهَبَتِ الْمَرْأَةُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَى عَائِشَةَ فَأَخْبَرَتْهَا فَسَكَتَتْ عَائِشَةُ حَتَّى جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَتْهُ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ {الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ} قَالَتْ عَائِشَةُ فَاسْتَأْنَفَ النَّاسُ الطَّلَاقَ مُسْتَقْبَلًا مَنْ كَانَ طَلَّقَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ طَلَّقَ حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ نَحْوَ هَذَا الْحَدِيثِ بِمَعْنَاهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عَائِشَةَ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ يَعْلَى بْنِ شَبِيبٍ.

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص اپنی بیوی کو جتنی بار چاہتا طلاقیں دے دیتا اور پھر عدت کے دوران رجوع کر لیتا تو اس کی بیوی رہتی، اگرچہ اس نے سو بار یا اس سے زیادہ مرتبہ ہی طلاقیں کیوں نہ دی ہوتیں یہاں تک کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے کہا اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی طلاق نہ دوں گا کہ تو مجھ سے جدا ہو جائے اور نہ تجھے آباد کروں گا۔ اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا وہ اس طرح کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا اور پھر جب تمہاری عدت پوری ہونے والی ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا وہ عورت حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور انہیں بتایا تو وہ خاموش رہیں یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہیں یہ واقعہ سنایا گیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خاموش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی (الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ) 2(البقرة: 229) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے طلاق کا حساب رکھنا شروع کر دیا جو طلاق دے چکے تھے انہوں نے بھی اور جنہوں نے نہیں دی تھی انہوں نے بھی۔ ابو کریب، محمد بن علاء، عبداللہ بن ادریس سے وہ ہشام بن عروہ سے اور وہ اپنے والد سے اسی کے ہم معنی حدیث نقل کرتے ہیں لیکن اس میں حضرت عائشہؓ کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ حدیث یعلی بن شبیب کی حدیث سے اصح ہے۔

تشریح: اسلام سے قبل زمانہ جاہلیت میں طلاق کی کوئی تحدید نہیں تھی لوگ جتنی چاہتے تھے طلاقیں دیتے تھے۔ پس یہ شرط

تھی کہ عدت میں رجوع کر لیتے اگر عدت گزر گئی تو بیوی نکاح سے نکل جاتی۔اس کے بارے میں حدیث میں ایک واقعہ آیا ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تمہیں ہمیشہ کے لئے لٹکا کر رکھوں گا۔بیوی نے پوچھا وہ کیسے۔اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دوں گا پھر تیری عدت پوری ہونے کو آئے گی تو فوراً رجوع کر کے دوبارہ سے طلاق دے دوں گا۔یہ عورت مسئلہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی انہوں نے مسئلہ سنا اور خاموش ہوگئیں جب آپ گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے مسئلہ آپؐ سے پوچھا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: **الطلاق مرتان فامساكٌ بمعروف او تسریح باحسان**۔یعنی طلاقیں یکے بعد دیگرے دو ہیں دو طلاقوں تک رجوع کر سکتے ہو لیکن اگر تیسری طلاق دے دی تو پھر رجوع نہیں کر سکتے۔پھر وہ دوسری جگہ شادی کرے گی اور وہ چھوڑے گا تو پھر تم دوبارہ شادی کر سکتے ہو پھر جب وہ حکم آیا تو سب نے اس پر عمل شروع کر دیا۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔

اوّل: تین سے کثرت کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ اقل جمع تین ہیں لہٰذا تین طلاقیں بہت ہوگئیں اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔

ثانی: قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ طلاق ایک ہی ہوتی مگر چونکہ طلاق کے بعد غور وفکر اور سوچنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور بعض لوگوں کو بیوی کی قدر وقیمت اس کے کھو جانے کے بعد آتی ہے۔اس لئے ایک سے زائد طلاقیں مشروع کی گئیں تاکہ شوہر کے لئے سوچنے کا موقع مل سکے اور اصل تجربہ ایک طلاق سے ہو جاتا ہے اور دوسے انسان بسا اوقات رک جاتا ہے اور بسا اوقات یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔اور انسان تین طلاقیں دے بیٹھتا ہے۔شریعت نے اس وجہ سے یہ آسانی دی ہے کہ ہر طہر میں ایک طلاق دو تاکہ بعد میں پشیمانی نہ ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَضَعُ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِي السَّنَابِلِ بْنِ بَعْكَكٍ قَالَ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِثَلَاثَةٍ وَعِشْرِينَ أَوْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ يَوْمًا فَلَمَّا تَعَلَّتْ تَشَوَّفَتْ لِلنِّكَاحِ فَأُنْكِرَ عَلَيْهَا ذٰلِكَ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنْ تَفْعَلْ فَقَدْ حَلَّ أَجَلُهَا

احمد بن منیع، حسین بن محمد، شیبان سے وہ منصور سے وہ ابراہیم سے وہ اسود سے وہ ابوسنابل بن بعکک سے روایت کرتے ہیں کہ سبیعہؓ کے ہاں ان کے شوہر کی وفات کے تئیس یا پچیس دن بعد ولادت ہوئی پھر جب وہ نفاس سے پاک ہوئیں تو نکاح کے لئے زینت اختیار کی لیکن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا جب یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا اس کی عدت پوری ہو چکی ہے اگر وہ نکاح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ مَنْصُورٍ نَحْوَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ أَبِي السَّنَابِلِ حَدِيثٌ مَشْهُورٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَلَا نَعْرِفُ

احمد بن منیع، حسن بن موسی، شیبان، منصور کی سند سے اسی کے مثل مروی ہے اور اس باب میں حضرت ام سلمہؓ سے بھی روایت ہے ام سلمہ، ابوسنابل کی حدیث اس سند سے مشہور اور غریب ہے ہمیں اسود کی ابوسنابل سے اس حدیث کے علاوہ

لِلْأَسْوَدِ شَيْئًا عَنْ أَبِي السَّنَابِلِ وَ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَا أَعْرِفُ أَنَّ أَبَا السَّنَابِلِ عَاشَ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْحَامِلَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا إِذَا وَضَعَتْ فَقَدْ حَلَّ التَّزْوِيجُ لَهَا وَإِنْ لَمْ تَكُنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ تَعْتَدُّ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَأَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ تَذَاكَرُوا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا الْحَامِلُ تَضَعُ عِنْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ تَعْتَدُّ آخِرَ الْأَجَلَيْنِ وَقَالَ أَبُو سَلَمَةَ بَلْ تَحِلُّ حِينَ تَضَعُ وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا مَعَ ابْنِ أَخِي يَعْنِي أَبَا سَلَمَةَ فَأَرْسَلُوا إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ قَدْ وَضَعَتْ سُبَيْعَةُ الْأَسْلَمِيَّةُ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِيَسِيرٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

کسی روایت کا علم نہیں۔ میں نے امام بخاری سے سنا کہ مجھے علم نہیں کہ ابوسنابل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد زندہ رہے ہوں۔ اکثر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ حاملہ عورت کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو وہ ولادت کے بعد نکاح کر سکتی ہے اگرچہ اس کی عدت کے دن پورے نہ ہوئے ہوں۔ سفیان ثوریؒ، احمدؒ، شافعیؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض علماء اور دیگر اہل علم سے منقول ہے کہ وہ زیادہ تاخیر والی عدت گزارے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ حاملہ عورت کی عدت ولادت سے پوری ہو جاتی ہے۔ حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ، ابن عباس اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم نے آپس میں اس عورت کا تذکرہ کیا جو حاملہ ہو اور اس کا شوہر فوت ہو جائے حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ اس کی عدت دو عدتوں میں سے زیادہ عدت ہوگی یعنی ولادت یا عدت کے دنوں میں سے جس میں زیادہ دن ہوں گے وہی اس کی عدت ہے۔ ابوسلمہ نے کہا کہ اس کی عدت ولادت تک ہے جب پیدائش ہوگئی تو وہ حلال ہوگئی حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ میں بھی اپنے بھتیجے ابوسلمہ کے ساتھ ہوں پھر انہوں نے حضرت ام سلمہ کے پاس کسی شخص کو یہ مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا انہوں نے فرمایا سبیعہ اسلمی کے ہاں ان کے شوہر کی وفات کے چند دن بعد ولادت ہوئی تھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نکاح کرنے کی اجازت دی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ متوفی عنہا زوجھا حاملہ کی عدت کا بیان ہے۔ متوفی عنہا زوجھا کی عدت اس آیت میں ہے "والذین یتوفون منکم و یذرون أزواجًا یتربصن بأنفسهن أربعة اشهر و عشرًا" اور حاملہ کی عدت کا بیان اس آیت میں آیا ہے "وأولات الاحمال اجلهن أن يضعن حملهن"۔

ان دونوں آیات میں "متوفی عنہا زوجھا" غیر حاملہ کی عدت متعین ہے۔ یعنی چار ماہ دس دن اور حاملہ غیر متوفی عنہا

زوجہا کی عدت بھی متعین ہے یعنی وضع حمل۔ البتہ ایک صورت میں تعارض پیدا ہوجاتا ہے یعنی ''حاملہ متوفی عنہا زوجہا'' کی صورت میں۔ پہلی آیت کے پیش نظر اس کی عدت چار مہینے دس دن ہونی چاہیے جبکہ دوسری آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہو اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور ائمہ حضرات کے نزدیک ایسی عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو یا چار ماہ دس دن کے بعد ہو۔ **قول ثانی:** بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایسی عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو تو عدت چار ماہ دس دن ہوگی اور اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہو تو عدت وضع حمل ہوگی۔

دلیل جمہور: حدیث الباب جمہور حضرات کی تائید کررہی ہے اگرچہ اس روایت پر انقطاع کا اعتراض ہے لیکن اس باب کی دوسری روایت سے بھی جمہور کی تائید ہوتی ہے۔

تطبیق بین الآیات: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ''والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسن اربعة اشهر و عشرًا'' پہلے نازل ہوئی تھی اور ''واولات الاحمال أن یضعن حملهن'' یہ بعد میں نازل ہوئی۔ الہذا یہ بعد والی آیت پہلے والی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ لہٰذا اس صورت میں دونوں آیات میں کوئی تعارض نہیں ہوا۔ باقی جن حضرات نے ابعد الاجلین کا قول اختیار کیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کو حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا والی روایت نہیں پہنچی تھی اور ابعد الاجلین کو اختیار کرنے میں احتیاط تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ علم نہیں تھا کہ کونسی آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہو کر منسوخ ہے اور کونسی آیت مؤخر ہو کر ناسخ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ان سورة النساء القصری'' (سورۃ الطلاق) ''نزلت بعد التی فی البقرة''

بَابُ مَا جَاءَ فِي عِدَّةِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ بِهٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الثَّلَاثَةِ قَالَ قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٍ أَوْ غَيْرِهِ فَدَهَنَتْ بِهِ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ

حمید بن نافع سے روایت ہے کہ زینب بنت ابوسلمہ نے انہیں ان تین حدیثوں کے متعلق بتایا حمید فرماتے ہیں کہ حضرت زینب نے فرمایا میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان کی وفات پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئی انہوں نے خوشبو منگوائی جس میں خلوق ایک خوشبو کی زردی تھی یا کچھ اور تھا انہوں نے وہ خوشبو ایک لڑکی کو لگائی اور پھر اپنے رخساروں پر ملی اور فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا اللہ اور

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ وَاللهِ مَا لِي فِي الطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ زَيْنَبُ وَسَمِعْتُ أُمِّي أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا أَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ وَفِي الْبَابِ عَنْ فُرَيْعَةَ ابْنَةِ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ أُخْتِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَحَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ حَدِيثُ زَيْنَبَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا تَتَّقِي فِي عِدَّتِهَا الطِّيبَ وَالزِّينَةَ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

قیامت پر ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے صرف خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ زینب بنت ابوسلمہ فرماتی ہیں زینب بن جحش کی وفات پر میں ان کے پاس گئی انہوں نے بھی خوشبو منگوا کر لگائی پھر فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں لیکن میں نے رسول اللہ سے سنا کہ کسی مومنہ عورت کے لئے میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں صرف اپنے خاوند پر چار ماہ دس دن سوگ منائے ۔زینب کہتی ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا وہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ میری لڑکی کا شوہر فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں کیا ہم اسے سرمہ لگا سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا نہیں۔ پھر فرمایا یہ چار ماہ دس دن ہی تو ہیں اور زمانہ جاہلیت میں تم ایک سال گزارنے پر اونٹ کی مینگنیاں پھینکتی تھیں ۔اس باب میں فریعہ بنت مالک بن سنان (جو ابوسعید خدری کی بہن ہیں) اور حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث زینب حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو اور زیبائش سے پرہیز کرے۔ سفیان ثوریؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: یہاں ترجمۃ الباب میں عدۃ کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ اس باب میں عدت کا بیان نہیں ہے۔ متوفی ''عنہا زوجھا'' کی عدت چار ماہ دس دن ہے بنص قرآنی ''والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا''۔ یہ آیت مطلق ہے۔ البتہ اس باب میں احداد کا بیان ہے لہٰذا ممکن ہے کہ کسی نے احداد سے عدت بنالیا ہو۔

یہ حکم عورت کے لئے ہے کہ وہ چار ماہ دس دن سوگ منائے مرد کے لئے سوگ منانا قطعاً حرام ہے اس لئے کہ یہ بات مرد کے خلاف ہے مرد تو باہر رہنے والا، کاروباری معاملات سنبھالنے والا ہے اگر وہ عدت میں بیٹھے گا تو زندگی نہیں چل سکے گی۔ اس لئے بیوی کے ذمہ شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ ہے اور شوہر کے علاوہ اور کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے تو گھر کے سب افراد کے لئے تین دن سوگ جائز ہے اس سے زائد سوگ جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: سوگ کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ سوگ ہر معتدۃ الوفاۃ پر واجب ہے خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو مسلمہ ہو یا کتابیہ ہو۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صغیرہ اور کتابیہ عورت پر سوگ کرنا واجب نہیں ابو ثورؒ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: اس میں ''لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ'' کے الفاظ سے بالغہ مؤمنہ کو خطاب کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ احداد بالغ عورت پر واجب ہے نہ کہ صغیرہ پر اور مؤمنہ عورت پر واجب ہے کافرہ عورت پر واجب نہیں۔

وجوب کی دلیل: حدیث باب ''لا یحل لامرأۃ تومن باللہ والیوم الاخر أن تحد علی میت فوق ثلاثۃ ایام الا علی زوج اربعۃ أشھر و عشرا''۔ اس سے وجوب احداد پر استدلال کیا گیا ہے۔

سوال: اس حدیث میں استثناء عدم حل سے ہے جو محض حلت اور جواز پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اس سے وجوب احداد پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

جواب: حدیث الباب میں دونوں معنی ممکن ہیں لیکن ہمارے نزدیک پہلے معنی جو وجوب کو شامل ہیں اس پر شواہد موجود ہیں۔

اوّل: مسلم شریف میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ام عطیہ سے آئی ہے ''قالت کنا ننھی أن نحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج اربعۃ اشھر و عشرًا ولا نکتحل ولا نتطیب ولا نلبس ثوبًا مصبوغًا'' اس روایت میں رخصت تحریم کے مقابلے ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اکتحال وغیرہ ناجائز ہے اور ترک زینت واجب ہے۔

ثانی: مسلم شریف میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں متوفی عنہا زوجھا کے لئے اکتحال کی اجازت طلب کرنے اور آپؐ کے اجازت نہ دینے کا ذکر ہے جو احداد کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ثالث: مسلم شریف میں یحییٰ بن سعید کے طریق سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں استثناء زوج کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں۔

''فانھا تحد علیہ اربعۃ أشھر و عشرًا'' یہ الفاظ خبار بمعنی انشاء ہو کر وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔

مسئلہ: مطلقہ عورت کے لئے ترک احداد کا کیا حکم ہے؟

مطلقہ رجعیہ کے بارے میں ترک احداد متفق علیہ ہے البتہ مبتوتہ یعنی مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک اس پر سوگ منانا واجب نہیں اس لئے کہ شوہر نے اس کو طلاق دے کر وحشت زدہ کر دیا ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر احداد واجب ہے ابو ثورؒ، ابو عبیدؒ اور حکم کا بھی یہی مسلک ہے۔

جمہور حضرات کے قول کا جواب احناف یہ دیتے ہیں کہ سوگ کا وجوب نعمت نکاح کے فوت ہونے پر ہے۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کسی صورت میں بھی معتدہ سرمہ نہیں لگا سکتی خواہ عذر ہو یا نہ ہو۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک عذر کی حالت میں رات کو لگا سکتی ہے دن کو نہیں لگا سکتی اور رات کو لگا ہوا سرمہ دن کو صاف کر دینا چاہیے۔

قول ثالث: امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر عذر کے سرمہ لگانا جائز نہیں عذر کی حالت میں لگانا جائز ہے خواہ دن کو لگائے یا رات کو۔
امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اس میں باوجود عذر کے بھی سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی گئی۔
جواب اوّل: آپ ﷺ کو قرائن سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ مرض اتنا شدید نہیں کہ جس کے لئے سرمہ کی ضرورت ہو۔
جواب ثا... یہ نہی خاص قسم کے سرمہ سے ہوگی جس کا مقصد تزیین ہوتا ہے۔
جواب ثالث: یا اس سے مقصود یہ تھا کہ ضروری نہیں کہ سرمہ لگاؤ بلکہ اور کوئی دوائی استعمال کرو جس سے تکلیف دور ہو جائے۔
امام شافعیؒ کی دلیل: امام احمدؒ اور امام ابوداؤدؒ نے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک معتدہ نے سرمہ لگانے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا "لا تكتحلي به الا من امر لا بد منه يشتد عليك تكتحلين بالليل وامسحنيه بالنهار" پھر فرمایا کہ میں نے اپنے شوہر ابوسلمہ کی وفات پر ایسا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا" فلا تجعليه الا بالليل و تنزعيه بالنهار" اور اسی طرح موطا امام مالکؒ میں ہے "اجعليه بالليل وامسحه بالنهار" کہ رات کو سرمہ ڈال لیا کرو اور دن کو مٹا دیا کرو۔
امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: عذر میں دن یا رات کو سرمہ لگا سکتی ہے کیونکہ فقہ کا مسلمہ اصول ہے "الضرورات تبيح المحظورات"
وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَيْهَا: ① عین پر رفع بھی جائز ہے اور نصب بھی جائز ہے رفع کی صورت میں یہ "اشتکیت" کا فاعل بنے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس کی آنکھ شکایت کر رہی تھی اس صورت میں شکایت کی نسبت عین کی طرف مجازا ہوگی ② اگر "عينها" منصوب پڑھیں تو پھر "اشتكيت" میں ضمیر فاعل ہوگی اور "عينها" مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ وہ لڑکی اپنی آنکھ کی شکایت کر رہی تھی۔
وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ: قاضی عیاضؒ سے اس جملے کے متعلق یہ تفسیر منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس کی بیوی سوگ منانے اور عدت گزارنے کیلئے ایک تنگ و تاریک کمرے میں داخل ہو جاتی تھی باہر سے اس کمرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور اس کی لپائی بھی کی جاتی ایک کھڑکی سے اس معتدہ عورت کو گھٹیا برتن میں کھانا دیا جاتا وہ اس کمرے میں کھانا پینا کرتی تھی اور اسی میں قضاء حاجت کرتی اسی میں لیٹنا سونا کرتی سال بھر کیلئے ایک ہی جوڑا اور ایک ہی جگہ رہنا پڑتا۔ سال پورا ہونے کے بعد جب وہ کمرہ سخت زہریلا ہو جاتا تھا تو وہ لوگ کسی کتے یا جانور یا پرندے کو اس کمرے میں داخل کرتے تھے اور وہ عورت اس سے اپنی فرج کو رگڑ لیا کرتی تھی وہ جانور اکثر مر جاتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ زبردست عدت گزاری ہے پھر اس عورت کو باہر لا کر ایک گدھے پر سوار کرتے اور عورت کا چہرہ گدھے کی سرین کی جانب کرتے تھے اور اس کے ہاتھوں میں اونٹوں، بکریوں کی مینگنیاں دے دیتے تھے اور وہ عورت ایک ایک مینگنی پھینکا کرتی تھی اور بچے اس کے پیچھے پھرتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے جب یہ عورت آخری مینگنی پھینکتی تو اس کی عدت ختم ہو جاتی تھی۔
بہر حال جس جانور کے ساتھ وہ عورت اپنا جسم عدت کے اختتام پر ملتی تو وہ جانور مر جاتا یا تو شیطانی اثر کی وجہ سے یا اس کے جراثیم کی وجہ سے مر جاتا یا سال بھر کی حرارت کی وجہ سے وہ جانور مر جاتا۔

قولہ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ: کہ معتدہ کو مینگنی دی جاتی وہ اس کو پھینکتی اس میں اشارہ ہے کہ اس نے مینگنی کی طرح اس عدت کو بھی پھینک دیا یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے شوہر کی وفات اس کیلئے اتنی مصیبت اور مشقت نہ تھی بلکہ وہ مینگنی کی طرح حقیری تھی یا عند البعض معتدہ بطور تفاؤل کے مینگنی پھینکتی تھی تا کہ دوبارہ یہ حالت پیش نہ آئے۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اسلام میں جاہلیت کی طرح بے جا سختیاں نہیں واضح رہے کہ شروع اسلام میں بھی جس کا خاوند فوت ہو جاتا تھا اس کی عدت بھی ایک سال کی ہوتی تھی کمافی قولہ تعالیٰ ''متاعًا الی الحول غیر اخراج'' پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۳۳۱)

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ

حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ إِدْرِيسَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ الْبَيَاضِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِذَا وَاقَعَهَا قَبْلَ أَنْ يُكَفِّرَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَتَانِ وَهُوَ قَوْلُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ.

ابو سعید اشجع، عبداللہ بن ادریس سے وہ محمد بن اسحاق سے وہ محمد بن عمرو بن عطاء سے وہ سلیمان بن یسار سے وہ حضرت سلمہ بن صخر بیاضیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو شخص ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرے اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوریؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایسے شخص پر دو کفارے واجب ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: الحاصل ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرنے والے پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ عند البعض اس پر دو کفارے واجب ہونگے یہ قول امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر لینے کی صورت میں استغفار لازم ہے اور اس پر پہلے والے کفارہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا البتہ دوسری مرتبہ جماع کرنے سے پہلے کفارہ دینا ضروری ہے۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۳۰۲)

حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک اس پر تین کفارے واجب ہونگے۔ اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب کے ساتھ اس نے ظہار کر لیا تو ان سب کی طرف اضافت کرنا ایسے ہے جیسے کہ طلاق کی اضافت کرنا اس بات میں تو سب کا اتفاق ہے کہ سب کے ساتھ ظہار ہو جائے گا البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس شخص پر ایک کفارہ واجب ہوگا یا ایک سے زائد۔

قول اوّل: حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کے نزدیک اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ یعنی پہلے وہ کفارہ ادا کر دے اس کے بعد ہر بیوی کے ساتھ جماع کرے۔ **دوسرا قول:** امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایسے شخص

پر بیویوں کی تعداد کے برابر کفارے واجب ہوں گے لہٰذا ایسا شخص اپنی بیویوں میں سے جس بیوی کے ساتھ جماع کا ارادہ کرے اس کیلئے پہلے کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ أَبَانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهِ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي ظَاهَرْتُ مِنِ امْرَأَتِي فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى ذٰلِكَ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ قَالَ رَأَيْتُ خَلْخَالَهَا فِي ضَوْءِ الْقَمَرِ قَالَ فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ .

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد اس سے صحبت کر بیٹھا پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تھا اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے صحبت کر لی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے تمہیں کس چیز نے اس پر مجبور کیا وہ کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کی پازیب دیکھ لی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب اللہ کا حکم (کفارہ کی ادائیگی) پورا کرنے سے پہلے اس کے پاس نہ جانا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: قوله قَدْ ظَاهَرْتُ مِنْ زَوْجَتِي فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا: ''ای لم استطع ان احبس نفسی من ان وقعت علیها اویکون بدل من نفسی ای لم املك وقوع نفسی علیها'' کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا کہ میں اپنے نفس کو اس سے روکتا لیکن پھر بھی جماع کر بیٹھا یا یہ بدل ہوگا نفسی سے تو معنی ہوگا کہ میں اپنے نفس کا اس کام کے وقوع میں مالک نہیں تھا۔

قوله فَلَا تَقْرَبْهَا حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ بِهِ : ''ای لا تجامعها ثانیا قبل اداء الکفارة''۔

ظہار کے کفارہ کا سبب نزول: اسی حدیث کے ذیل میں ملا علی قاریؒ کفارہ ظہار کے نزول کا سبب بیان فرماتے ہیں۔ جس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ''وسبب نزول شریعة الکفارة فی الظهار قصة خولة او خویلة بنت مالك ابن ثعلبة قالت ظاهر منی زوجی اوس بن صامت فجئت رسول الله ﷺ اشکوا الیه ورسول الله ﷺ یجادلنی فیه و یقول اتقی الله فانه ابن عمك۔۔۔الخ''

الحاصل خولہ یا خویلہ بنت مالک ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مجھے اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا ''انت کظهر امی'' تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر آئی اور بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ سے آکر کہا یا رسول اللہ جب میری ان کے ساتھ شادی ہوئی تھی اس وقت میرے پاس مال و دولت تھا اب کچھ نہیں ہے بچے ہیں اور میں بھی جوان نہیں رہی اب کوئی صورت جمع ہونے کی بتلا دیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تو اپنے شوہر کے لیے حرام ہوگئی اس پر یہ عورت بحث مباحثہ کرنے لگی اور کہنے لگی کہ اس نے طلاق کا لفظ بھی استعمال نہیں کیا اب پھر کیا ہوگا میں کہاں جاؤں وغیرہ اس پر سورہ مجادلہ کی مذکورہ آیت نازل ہوئی ''قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها وتشتکی الی الله'' آپ ﷺ نے ان کو کہا کہ اپنے شو

ہر کو بلاؤ چنانچہ ان کے شوہر آئے ان کے سامنے رسول کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا کہ تم غلام آزاد کرو۔ انہوں نے کہا کہ میں غلام آزاد نہیں کرسکتا آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھو انہوں نے کہا کہ میں تو بوڑھا ہوں اتنے روزے نہیں رکھ سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ عرض کیا کہ میرے پاس کوئی چیز نہیں جو صدقہ کروں ہاں اگر آپ میرے ساتھ تعاون فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک فرق تمر سے مدد فرمائی ان صحابی نے عرض کیا ایک اور فرق کے ساتھ میری معاونت فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے ان کو دو فرق عطا فرمادیئے ایک فرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۳۰۳)

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ الْخَزَّازُ أَنْبَأَنَا عَلِيُّ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ سَلْمَانَ بْنَ صَخْرٍ الْأَنْصَارِيَّ أَحَدَ بَنِي بَيَاضَةَ جَعَلَ امْرَأَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ أُمِّهِ حَتّٰى يَمْضِيَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰى نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا أَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ أَطْعِمْ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا أَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو أَعْطِهِ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَأْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا أَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يُقَالُ سَلْمَانُ بْنُ صَخْرٍ وَيُقَالُ سَلَمَةُ بْنُ صَخْرٍ الْبَيَاضِيُّ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي كَفَّارَةِ الظِّهَارِ.

اسحاق بن منصور، ھارون بن اسماعیل خزاز انبانا، علی بن مبارک، یحیی بن ابی کثیر، حضرت ابوسلمہ اور محمد بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو بیاضہ کے ایک شخص سلمان بن صخر انصاری ؓ نے اپنی بیوی سے کہا کہ رمضان گزارنے تک تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہو لیکن ابھی آدھا رمضان ہی گزرا تھا کہ بیوی سے رات کو صحبت کر لی، اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا تذکرہ شروع کیا نبی ﷺ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو اس نے عرض کیا میں نہیں کرسکتا آپ ؐ نے فرمایا پھر دو مہینے کے متواتر روزے رکھو اس نے عرض کیا مجھ میں اتنی برداشت نہیں آپ ؐ نے فرمایا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اس نے عرض کیا میرے پاس اس کی بھی قوت نہیں نبی ﷺ نے فروہ بن عمرو (جو عشر و زکوۃ کی مد کے ذمہ دار تھے) کو حکم دیا کہ اسے یہ ٹوکرا دیدو اس میں پندرہ یا سولہ صاع ہوتے ہیں جو ساٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتے ہیں یہ حدیث حسن ہے اور سلمان بن صخر کو سلمہ بن صخر بیاضی بھی کہا جاتا ہے اہل علم کا ظہار کے کفارے کے متعلق اسی حدیث پر عمل ہے۔

تشریح: **ظہار کی لغوی تعریف:** ظہار باب مفاعلہ کا مصدر ہے ظہر بمعنی پشت کے ہے یعنی کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اس کے جسم کو اپنی محرمات ابدیہ میں سے کسی کے ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دے جس کو دیکھنا اس کیلئے ممنوع ہو۔ مثلاً کہے "انت علی کظہر امی" اور عند البعض اسکی تعریف یوں ہے۔ "الظھار تشبیہ المنکوحۃ بامرأۃ محرمۃ علیہ علی التابید مثل

الام والبنت والاخت"۔

مسئلہ: ظہار کس صورت میں متحقق ہوگا۔اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ ظہار صرف ماں کے ذکر کرنیکی صورت میں متحقق ہوگا لہٰذا اگر کسی نے اپنی بیوی سے "انت علی کظھر اختہ" کہا تو ظہار واقع نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کا ایک قول احناف کی طرح بھی ہے۔

دوسرا قول: مالکیہ کے نزدیک ظہار محرم اور اجنبیہ دونوں کے ذکر سے ہوجائے گا لیکن ہمارے نزدیک اجنبی عورت سے ظہار متحقق نہیں ہوگا۔

تیسرا قول: حنفیہ کے نزدیک ماں یا کسی بھی ایسی عورت کے ذکر سے ظہار واقع ہوجائے گا جس کے ساتھ انسان کی حرمت ابدی ہے مثلاً بیٹی، ماں، بہن وغیرہ۔

مسئلہ: کفارہ ظہار کی مقدار کتنی ہے۔اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک نبی کے زیادہ استعمال ہونے والے مد کا ایک مد فی مسکین کو دینا لازم ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفارہ ظہار میں فی مسکین کو نصف صاع گندم یا ایک صاع دینا واجب ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت سلمان بن صخر کی یہی حدیث الباب ہے اس میں ہے "وھو مکتل یاخذ خمسة عشر صاعاً"

جواب: سلمة بن صخر رضی اللہ عنہ کی حدیث راجح ہے جو ابوداؤد شریف میں واقع ہے کہ اور حدیث الباب مرجوع ہے جبکہ سلمة والی حدیث میں زیادتی ہے اور ثقہ کی زیادتی معتبر ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ابوداؤد شریف جلد اول ص ۳۰۹ باب فی الظہار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لیطعم ستین مسکینا۔۔۔ فاطعم وسقا من تمر بین ستین مسکینًا۔۔۔الخ"

دلیل ثانی: حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "قالا فاطعم ستین مسکیناً ثلاثین صاعًا قال لا املك الا ان تعینی فاعانه النبیا بخمسة عشر صاعا واعانه الناس حتی بلغ"۔

قولہ حَتّٰی یَمْضِیَ رَمَضَانُ: جب تک کہ رمضان ختم ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظہار موقت صحیح ہوجاتا ہے اور قاضی خان نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص موقت ظہار کرتا ہے تو اسی وقت سے ظہار کرنیوالا ہوجاتا ہے جب وہ متعینہ عرصہ گزر جاتا ہے تو ظہار باطل ہوجاتا ہے۔

قولہ أَطْعِمْ سِتِّینَ مِسْكِینًا: مطلب یہ ہے کہ ان کھجوروں کو ساٹھ مساکین کو کھلانے میں صرف کردیں۔

سوال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان بن صخرؓ کو جو کھجوریں دلائیں ان کی مقدار پندرہ یا سولہ صاع تھی اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کو ایک ایک صاع دینا واجب نہیں ہے کیونکہ کھجوریں تو پندرہ صاع ہیں اور مساکین ساٹھ ہیں حالانکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دی جائیں تو صدقہ فطر کی مقدار کے برابر یعنی ایک ایک صاع دی جائیں۔

جواب: اگر اس کا ترجمہ یوں کیا جائے کہ یہ ان کھجوروں کو ساٹھ مسکینوں کو کھلانے میں صرف کریں تو پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس طرح اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کھجوروں میں اپنے پاس سے بھی کھجوریں ملا کر ساٹھ مسکینوں میں تقسیم کردو یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک وسق ان کھجوروں کے ساتھ اور ملالو اور پھر ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع کھجور دو۔ اب ظاہر ہے ایک وسق

ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔

سلمة بن صخر: یہ سلمہ بن صخر انصاری بیاضی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ان کا نام سلیمان تھا، یہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے ظہار کرنے کے بعد جماع کرلیا تھا۔ رونے اور گریہ کرنے والے حضرات میں سے تھے، ان سے سلمان بن یسار اور ابن مسیب روایت کرتے ہیں

بَاب مَا جَاءَ فِي الْإِيلَاءِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ قَزَعَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مَسْلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَامِرٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ آلَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ وَحَرَّمَ فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا وَجَعَلَ فِي الْيَمِينِ كَفَّارَةً وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي مُوسَى وَأَنَسٍ حَدِيثُ مَسْلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ عَنْ دَاوُدَ رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ وَغَيْرُهُ عَنْ دَاوُدَ عَنِ الشَّعْبِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَيْسَ فِيهِ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مَسْلَمَةَ بْنِ عَلْقَمَةَ وَالْإِيلَاءُ هُوَ أَنْ يَحْلِفَ الرَّجُلُ أَنْ لَا يَقْرَبَ امْرَأَتَهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَأَكْثَرَ وَاخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِيهِ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ فَإِمَّا أَنْ يَفِيءَ وَإِمَّا أَنْ يُطَلِّقَ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ فَهِيَ تَطْلِيقَةٌ بَائِنَةٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ.

حسن بن قزعہ بصری، مسلمہ بن علقمہ، داؤد بن علی سے وہ عامر سے وہ مسروق سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں سے ایلاء کیا اور انہیں اپنے اوپر حرام کرلیا، پھر آپؐ نے قسم کا کفارہ ادا کیا اور جس چیز کو حرام کیا تھا اسے حلال کیا اس باب میں حضرت ابوموسی اور انس رضی اللہ عنہما وہ سے روایت ہے مسلمہ بن عقیل کی داؤ د سے منقول حدیث علی بن مسہر وغیرہ داؤ د سے وہ شعبی سے مرسلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اس حدیث میں مسروق کے حضرت عائشہؓ سے نقل کرنے کا ذکر نہیں اور یہ حدیث مسلمہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ چار مہینے یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی کے قریب بھی نہیں جائے گا پھر چار مہینے گزر جانے کے بعد عورت کے قریب نہ جائے اس بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے بعض علماء اور تابعین فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزر جانے پر وہ ٹھہر جائے یا رجوع کرے یا طلاق دے۔ امام مالک بن انسؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم صحابہ اور دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ چار ماہ گزرنے پر ایک طلاق بائن خود بخود ہو جائے گی، سفیان ثوریؒ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **ایلاء کا لغوی معنی:** قسم کھانا۔ **اصطلاحی معنی:** آدمی کا اپنی بیوی کے پاس چار ماہ یا اس سے زائد نہ جانے کی قسم اٹھانا۔

ایلاء کی دو قسمیں ہیں: ایلاء لغوی۔ چار ماہ سے کم مدت تک بیوی سے علیحدہ رہنے کی قسم کھانا یہ ایلاء لغوی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بیوی سے علیحدہ رہنے کی جتنی مدت مقرر کی ہے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے اگر بیوی سے صحبت کرلی تو قسم کا کفارہ واجب ہوگا اور

اگر مدت پوری کر لی پھر صحبت کر لی تو پھر کچھ واجب نہیں۔

ایلاء شرعی: چار ماہ یا اس سے زائد اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا ایلاء شرعی کہلاتا ہے۔اس کا حکم یہ ہے کہ چار ماہ سے قبل قسم توڑنا اور بیوی سے صحبت کرنا ضروری ہے اور اس صورت میں قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

مسئلہ اولیٰ: ایلاء کا حکم کیا ہے؟ اگر چار ماہ کے اندر اندر چلا گیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ دینا پڑے گا لیکن اگر چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ گیا تو آیا طلاق خود بخود واقع ہوگی یا دینی پڑے گی تو اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: شوافع کے نزدیک چار ماہ کے بعد طلاق دینے سے طلاق بائن واقع ہوگی خود بخود طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چار ماہ گزرنے سے اس کی بیوی پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے کہ ایلاء کرنے والے سے پوچھا جائے گا کہ تیری نیت کیا تھی اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر طلاق کی نیت نہیں تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

جواب: آپ نے جو دلیل دی ہے اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام مذکور نہیں۔اور جو دلیل ہم نے دی ہے اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام مذکور ہے اور وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے مرتبہ والے ہیں۔لہٰذا چار ماہ کے بعد خود بخود طلاق واقع ہوگی۔طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔

احناف کی دلیل: حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم نے فرمایا اگر کسی نے اپنی بیوی سے ایلاء کر لیا پھر چار ماہ کے اندر اندر بیوی کے پاس چلا گیا تو کفارہ ہوگا اور بیوی حلال ہوگی۔اور اگر چار ماہ کے اندر نہ گیا تو بیوی حرام ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ایلاء کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر چار ماہ کے اندر رجوع کر لیا یعنی جماع کر لیا تو کفارہ ہوگا بیوی حلال ہو جائے گی ورنہ طلاق واقع ہو جائیگی ایلاء میں رجوع فعلی تو جماع سے ہوگا اور قولی رجوع زبان سے ہوگا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے کہ اگر وہ طلاق کا عزم کرے تو یہی مدت کا گزرنا ہی طلاق ہے یہ ضروری نہیں کہ علیحدہ سے طلاق دے

مسئلہ ثانیہ: چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء شرعی ہوگا یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر اور ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک مطلقاً قسم کھا لینے سے ایلاء ہو جاتا ہے خواہ مدت کم ہو یا زیادہ۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک چار ماہ سے کم میں ایلاء شرعی نہیں ہوگا۔

اہل ظواہر کی دلیل: قرآن پاک کی آیت ہے ''للذین یؤلون من نسائھم'' یہاں ایلاء کو کسی مدت شرعی کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا۔

اہل ظواہر کی دلیل کا جواب: یہ آیت مطلق نہیں بلکہ ''اربعۃ اشھر'' کے ساتھ مقید ہے۔لہٰذا یہ ہمارا مستدل ہے نہ کہ آپ کا۔

جمہور حضرات کی دلیل: وہ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں۔ ''لا ایلاء فیما دون اربعۃ اشھر'' کہ چار ماہ سے کم مدت میں ایلاء نہیں۔نیز بیہقی میں روایت ہے کہ اسلام سے قبل ایلاء کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی بلکہ اسلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی مدت مقرر کر دی۔اور وہ چار ماہ ہے چار ماہ سے کم مدت کا ایلاء شرعی نہیں ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي اللِّعَانِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سُئِلْتُ عَنِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فِي إِمَارَةِ مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَمَا دَرَيْتُ مَا أَقُولُ فَقُمْتُ مَكَانِي إِلَى مَنْزِلِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَقِيلَ لِي إِنَّهُ قَائِلٌ فَسَمِعَ كَلَامِي فَقَالَ ابْنُ جُبَيْرٍ ادْخُلْ مَا جَاءَ بِكَ إِلَّا حَاجَةٌ قَالَ فَدَخَلْتُ فَإِذَا هُوَ مُفْتَرِشٌ بَرْدَعَةَ رَحْلٍ لَهُ فَقُلْتُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمُتَلَاعِنَانِ أَيُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ نَعَمْ إِنَّ أَوَّلَ مَنْ سَأَلَ عَنْ ذٰلِكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ أَحَدَنَا رَأَى امْرَأَتَهُ عَلَى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلَى أَمْرٍ عَظِيمٍ قَالَ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُجِبْهُ فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللهُ الْآيَاتِ الَّتِي فِي سُورَةِ النُّورِ { وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ } حَتّٰى خَتَمَ الْآيَاتِ فَدَعَا الرَّجُلَ فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ وَذَكَّرَهُ وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ فَقَالَ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ ثَنّٰى بِالْمَرْأَةِ فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَأَخْبَرَهَا أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ فَقَالَتْ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ

حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ مصعب بن زبیر کی امارت کے زمانے میں مجھ سے لعان کرنے والے میاں بیوی کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے یا نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کہوں، پس میں اٹھا اور عبداللہ بن عمر کے گھر کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچ کر اجازت مانگی تو مجھے کہا گیا کہ وہ اس وقت قیلولہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے میری گفتگو سن لی اور فرمایا ابن جبیر آجاؤ یقیناً تم کسی کام کے لئے ہی آئے ہوگے کہتے ہیں کہ میں اندر داخل ہوا تو وہ اونٹ پر ڈالنے والی چادر بچھا کر آرام کر رہے تھے میں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن کیا لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کردی جائے آپ نے فرمایا سُبْحَانَ اللهِ ہاں فلاں بن فلاں نے یہ مسئلہ سب سے پہلے پوچھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ اگر ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے تو کیا کرے؟ اگر وہ کچھ کہے تو بھی بہت بڑی بات ہے اور اگر خاموش رہے تو ایسے معاملے میں خاموش رہنا بہت مشکل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا کچھ عرصہ بعد وہ پھر حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ جس چیز کے متعلق میں نے آپ سے پوچھا تھا اسی میں مبتلا ہوگیا ہوں اس پر سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں (وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنْفُسُهُمْ الخ) آپ نے اس آدمی کو بلایا اور اس کے سامنے آیات پڑھیں اور اسے وعظ ونصیحت فرمائی اور کہا دنیا کی تکلیف آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کچھ نہیں اس نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا میں نے اس پر تہمت نہیں لگائی پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی آیات عورت کے سامنے پڑھیں اور اسے بھی اسی طرح سمجھایا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت آسان ہے اس نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ اس ذات کی قسم جس

بِالْحَقِّ مَا صَدَقَ قَالَ فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ وَالْخَامِسَةُ أَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ فَشَهِدَتْ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَفِي الْبَابِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَحُذَيْفَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

نے آپ کو حق کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے یہ شخص سچا نہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد سے گواہی شروع کی اس نے چار بار اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دی کہ وہ سچا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت پھر عورت نے اسی طرح چار بار اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دی کہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اگر مرد سچا ہو تو اس عورت پر اللہ کا غضب ہو۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔ اس باب میں حضرت سہل بن سعد، ابن عباس، حذیفہ، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

تشریح: **لعان کا لغوی معنی:** لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے اسکا مادہ لعن ہے اسکے معنی رحمت سے دور کرنا یا ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور لعان میں بھی میاں بیوی میں سے ہر ایک کے الفاظ میں لعنت یا غضب کا لفظ ہوتا ہے یا ہر ایک رحمت سے دور ہو جاتا ہے یا ہر ایک دوسرے سے ہمیشہ کیلئے دور ہو جاتا ہے۔ لعان کی اصطلاحی تعریف میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

احناف کے نزدیک لعان کی تعریف: "شہادات مؤکدات بالأیمان مقرونة باللعن قائمة مقام حد القذف فی حقه ومقام حد الزنا فی حقها"۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لعان کی تعریف: "هی ایمان مؤکدات بلفظ الشهادة" کہ وہ قسمیں جو گواہیوں کے ذریعہ پختہ کی گئی ہوں۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک لعان از قبیل ایمان ہے لہٰذا لعان کے احکام وہی ہوں گے جو ایمان کے احکام ہیں۔

لعان کی حکمت: جب تک لعان کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس وقت تک یہ حکم تھا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو کسی مرد کے ساتھ بدکاری کرتے ہوئے دیکھ لیتا تو اس پر ضروری تھا کہ وہ چار گواہ پیش کرے اگر چار گواہ نہ لا سکتا تو اس پر حد قذف جاری ہوتی تھی۔ اب یہ بڑا دشوار کام تھا۔ کیونکہ یہ تو انسانی غیرت کیخلاف ہے کہ وہ اپنی بیوی کے زنا پر گواہ بنائے تو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں "والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین والخامسة ان لعنت الله علیه ان کان من الکاذبین ویدرأ عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الکاذبین والخامسة ان غضب الله علیها ان کان من الصادقین" تو اس کا فائدہ یہ ہوا کہ خاوند حد قذف سے بچ گیا اور بیوی حد زنا سے بچ گئی جب خاوند نے بیوی پر تہمت لگائی تو لعان ہوگا اگر عورت اقرار کر لے تو اس پر حد زنا لگے گی۔ اور اگر انکار کرے تو مرد کی طرف رجوع کیا جائے گا اگر مرد اپنے قول سے رجوع کر لیتا ہے تو مرد پر حد قذف لگے گی اور اگر مرد رجوع نہیں کرتا تو مرد چار قسمیں کھائے گا کہ میں سچا ہوں اور پانچویں قسم یہ کہ اگر میں اس دعویٰ میں جھوٹا ہوا تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو اور بیوی بھی چار قسمیں کھائے گی۔ اور پانچویں قسم اس طرح کھائے گی کہا گر مرد سچا

ہو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔

لعان کا حکم: اگر میاں بیوی کے درمیان لعان ہو جائے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی لعان کے بعد وہ میاں بیوی کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے۔ اختلاف اس صورت میں ہے کہ صرف لعان سے ہی تفریق ہو جائے گی یا تفریق قاضی کی ضرورت ہے۔

قول اوّل: امام شافعی، امام مالک اور امام زفر رحمہم اللہ کے نزدیک نفس لعان سے زوجین میں تفریق ہو جائے گی قضاء قاضی کی ضرورت نہیں۔

قول ثانی: احناف اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوگی بلکہ قضاء قاضی ضروری ہے اگر قاضی تفریق نہ کرے تو زوج کو اختیار ہے کہ طلاق دیدے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل اوّل: حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا اثر ہے **"حیث قالا المتلاعنان لا یجتمعان ابدا"** رواہ عبدالرزاق۔

جواب: انہوں نے اس اثر سے جو دلیل دی ہے وہ مرفوع حدیث کے مقابلے میں حجت نہیں یا پھر مطلب یہ ہے کہ تفریق کے بعد دوبارہ اجتماع نہیں ہو سکتا تاکہ مرفوع حدیث کے ساتھ تعارض نہ آجائے۔

دلیل ثانی: نیز یہ حضرات اس کو ایلاء پر قیاس کرتے ہیں۔

جواب: لعان کو ایلاء پر قیاس کرنا درست نہیں لعان کے لئے شرعاً قضاء قاضی شرط ہے اس لئے اس میں تفریق بھی قضاء قاضی سے ہونی چاہیے جبکہ ایلاء قاضی کی مجلس میں نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے گھر میں ہوا تھا۔ اس لئے اس کا نتیجہ شرعاً قضاء پر موقوف نہیں کیا گیا بلکہ قرآن کریم نے اس کے لئے ایک مدت بیان فرمادی ہے۔ کہ اس کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی۔

احناف اور سفیان ثوریؒ کی دلیل اوّل: حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا "ان امسکتہا فطلقہا ثلاثا" اگر نفس لعان سے خود بخود فرقت ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طلاق پر انکار فرماتے تو معلوم ہوا کہ نفس لعان سے فرقت نہیں ہوتی بلکہ فرقت تفریق قاضی سے ہوگی یا طلاق سے ہوگی۔ بیہقی میں ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عویمرؓ اس وقت لعان کے مسئلہ سے ناواقف تھے ان کو معلوم نہیں تھا کہ لعان کے بعد جدائی واقع ہو جاتی ہے طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے انہوں نے طلاق دی۔ بعض شوافع اسی سے استدلال کرتے ہیں کہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دینا حرام نہیں بعض مالکیہ کے نزدیک لعان کے بعد تین طلاقیں دینا مستحب ہے اور جدائی نفس لعان سے واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول فاسد ہے کیونکہ اجنبی عورت کو طلاق دینا کس طرح مستحب ہو سکتا ہے۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے **"ان رجلا لا عن عن امرأته علی عهد النبيا ففرق النبيا بينهما"** اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے اور اسی طرح مشکوۃ باب اللعان کی پہلی حدیث مستدل ہے۔

باب مَا جَاءَ أَيْنَ تَعْتَدُّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا

حَدَّثَنَا الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِسْحٰقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ

حضرت سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ اپنی پھوپھی زینب بنت کعب بن عجرہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوسعید کی بہن فریعہ

عَمَّتِهِ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ وَأَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتَّى إِذَا كَانَ بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ قَالَتْ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ فَانْصَرَفْتُ حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ نَادَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ أَمَرَ بِي فَنُودِيتُ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ قَالَتْ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي قَالَ امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ

بنت مالک بن سنانؓ نے انہیں بتایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میرے خاوند اپنے غلاموں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے تھے جب وہ قدوم (ایک جگہ کا نام) پر پہنچے تو وہ انہیں مل گئے لیکن انہوں نے میرے شوہر کو قتل کر دیا کیا میں اپنے رشتہ داروں کے پاس بنوخدرہ (میکے) چلی جاؤں کیونکہ میرے خاوند نے میرے لئے نہ مکان چھوڑا ہے اور نہ ہی نان نفقہ وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں چلی جاؤ۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں واپس لوٹی تو ابھی حجرے یا مسجد ہی میں تھی کہ آپؐ نے مجھے بلایا یا کسی کو حکم دیا کہ مجھے بلائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے اپنے شوہر کا سارا قصہ دوبارہ بیان کر دیا آپؐ نے فرمایا تم اپنے گھر ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے حضرت فریعہؓ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اسی گھر میں چار ماہ دس دن عدت گزاری۔ پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آدمی بھیج کر مجھ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو میں نے آپ کو خبر دی پس حضرت عثمانؓ نے اسی پر عمل کیا اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ عورت جس گھر میں ہو اسی میں اپنی عدت پوری کرے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِسْحٰقَ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فَذَكَرَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَمْ يَرَوْا لِلْمُعْتَدَّةِ أَنْ تَنْتَقِلَ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ

محمد بن بشار، یحیٰی بن سعید سے وہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ سے اسی کے مثل حدیث نقل ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا عمل ہے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ اسی گھر میں عدت پوری کرے اور اپنے شوہر کے گھر سے منتقل نہ ہو بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ عورت جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے اگرچہ اپنے خاوند کے گھر عدت نہ گزارے یہ قول سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق کا

وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَعْتَدَّ حَيْثُ شَاءَتْ وَإِنْ لَمْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ہے اور بعض اہل علم اور اصحاب النبی ﷺ وغیرہ فرماتے ہیں کہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے اگرچہ اپنے شوہر کے گھر عدت نہ گزارے پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ متوفی عنہا زوجہا وہیں عدت گزارے گی جہاں وہ رہتی ہے۔ اس کے لئے نان ونفقہ کی خود اپنی ذمہ داری ہوگی اور اپنا خرچ خود برداشت کرے گی اگر کھانے وغیرہ اور رہائش کے لئے کچھ نہ ہو تو کرایہ پر رہ جائے یا پھر اپنے میکے چلی جائے وہاں عدت گزارے اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ شوہر کے گھر میں عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ اختلافی: متوفی عنہا زوجہا کو زوج کے مکان میں عدت گزارنا ضروری ہے یا نہیں؟

قول اوّل: امام شافعیؒ کے دو قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کو زوج کے مکان میں عدت گزارنا ضروری نہیں اس کو اختیار ہے جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے البتہ عدت پوری کرنا اور ترک زینت اس پر لازم ہے۔ یہی قول بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کیلئے وہیں عدت گزارنا ضروری ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک معتدہ وفات کو شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں بلکہ اس میں عدت گزارنا ضروری ہے ہاں اگر گھر ٹوٹ جائے یا خاوند کے ورثاء نکال دیں تو دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے فریعہ بنت مالک کو شوہر کے گھر سے نکلنے اور اپنے اہل وعیال کی طرف جانے کی اجازت دی ہے اور "امکثی فی بیتك" کا جو امر ہے وہ استحباب پر محمول ہے

امام ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس حدیث میں اولاً آپ ﷺ نے ان کو اپنے گھر جانے کی اجازت دی لیکن پھر دوبارہ بلا کر فرمایا "امکثی فی بیتك" کہ خاوند کے گھر میں ٹھہری رہو پہلے والی اجازت کو منسوخ قرار دے دیا باقی یہ کہنا کہ "امکثی" کا امر بطور استحباب کے ہے اس پر کوئی قرینہ نہیں بلکہ وجوب کا قرینہ موجود ہے کہ اجازت کے بعد منع کر دیا نیز جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو وہ ضرورت کے پیش نظر دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن بغیر ضرورت کے تفریح وغیرہ کیلئے جانا جائز نہیں ہے۔

اَبْوَابُ الْبُیُوْعِ

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بیوع کو جمع لانے کی وجہ: بیوع بیع کی جمع ہے چونکہ اس کی کئی اقسام ہیں اس لئے اس کو جمع لائے ہیں۔

بیع کی لغوی تعریف: اس کے معنی ہیں مطلقاً بیچنا۔ کبھی کبھار خریدنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

بیع کی شرعی تعریف: ''مبادلة المال بالمال بالتراضی'' مال کو مال کے بدلے میں دینا رضامندی کے ساتھ۔ اور اس کا رکن ایجاب وقبول ہے۔

مال کی تعریف: ما یمیل الیه الطبع و یمکن ادخاره لوقت الحاجة (ردالمحتار)

(وہ چیز جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اسکو حاجت کے وقت کے لیے ذخیرہ کرنا ممکن ہو)

پھر مال کی متعدد تقسیمیں ہیں۔ **تقسیم نمبر ۱:** مال متقوم اور مال غیر متقوم۔

مال متقوم کی تعریف: جس میں دو باتیں پائی جائیں۔ (۱) مال ہونا (۲) شریعت سے انتفاع کی اجازت کا ہونا: شراب مال ہے لیکن متقوم نہیں ہے، اور گندم مال بھی ہے اور متقوم بھی ہے۔

مال غیر متقوم کی تعریف: مال غیر متقوم وہ ہے جس سے شریعت نے انتفاع کی اجازت نہ دی ہو۔

تقسیم نمبر (۲): مال منقولی اور غیر منقولی۔ مال کو اپنے محل میں اگر استقرار نہیں ہے تو یہ منقولی ہے جیسے زمین اور اگر اپنے محل میں استقرار ہے تو یہ غیر منقولی ہے جیسے گاڑی وغیرہ۔ گاڑی زمین

تقسیم نمبر (۳): مال مثلی اور غیر مثلی یعنی قیمی۔ مثلی مال وہ کہلاتا ہے جس کی مثل موجود ہو اور یہ تین چیزیں ہوتی ہیں۔

(۱) مکیلی (۲) موزونی (۳) معدودات متقاربہ اگر ان میں سے کسی چیز کو کوئی آدمی ہلاک کردے تو ضمان بالمثل لازم ہوگی۔ ان کے علاوہ باقی چیزیں ذوات القیم میں سے ہیں اور قیمتی ہیں ان میں سے کوئی کسی چیز کو ہلاک کرے تو ضمان قیمت کے ذریعے لازم آئے گی۔

تقسیم (۴): مال استہلاکی اور استعمالی۔ وہ مال جو استعمال کرنے سے ختم ہو جائے استہلاکی کہلاتا ہے۔ اور جو مال استعمال کرنے سے ختم نہ ہو بلکہ باقی رہے وہ استعمالی کہلاتا ہے۔ جیسے روٹی وغیرہ استہلاکی ہے اور سائیکل وغیرہ استعمالی ہے۔

بیع میں چند چیزیں ہوتی ہیں۔ ① **بائع:** بیچنے والا ② **مشتری:** خریدنے والا ③ **مبیع:** وہ سامان جس کو فروخت کیا جارہا ہے ④ **ثمن:** وہ روپے یا پیسے جس کے بدلے مشتری سامان لیتا ہے ⑤ **بیع:** وہ عقد جو مشتری اور بائع کے درمیان طے ہونے والا ہے۔

یہاں پر ایک تقسیم بیع کے اعتبار سے ہے۔ دوسری تقسیم مبیع کے اعتبار سے ہے اور تیسری تقسیم ثمن کے اعتبار سے ہے۔

تقسیم باعتبار بیع: اس کی چار قسمیں ہیں۔ ① بیع نافذ ② بیع موقوف ③ بیع فاسد ④ بیع باطل۔

بیع نافذ: وہ بیع جو طرفین بائع اور مشتری کے درمیان منعقد ہو جائے بغیر شرائط فاسدہ کے۔

بیع موقوف: یعنی بائع کسی کی چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر بیچ دے۔ اب یہ بیع اس چیز کے مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی۔

بیع فاسد: وہ بیع جو اپنی اصل کے اعتبار سے درست ہو لیکن کسی وصف کی وجہ سے وہ بیع درست نہ ہو البتہ اس فاسد شرط کو دور کیا جائے تو بیع صحیح ہو جائے۔

بیع باطل: وہ بیع جو اصلاً یا وصفاً بائع و مشتری میں منعقد ہی نہ ہو جیسے آزاد کی بیع، مردار کی بیع وغیرہ وغیرہ۔ بیع باطل اور بیع فاسد میں ایک فرق اور بھی ہے کہ بیع فاسد میں فروخت شدہ چیز قبضہ کرنے کے بعد مشتری کی ملکیت میں آجاتی ہے اگرچہ حرام ہو لیکن بیع باطل میں کسی صورت میں فروخت شدہ چیز مشتری کی ملکیت میں نہیں آتی۔

تقسیم باعتبار مبیع: مبیع کی چار قسمیں ہیں۔ ① مقایضہ ② صرف ③ سلم ④ بیع مطلق۔

بیع مقایضہ: کسی عین چیز کے بدلے میں دوسری عین چیز بیچنا۔ یعنی ایک شخص کپڑا دے اور دوسرا شخص اس کے بدلے میں گندم دے۔ اس کو بیع العین بالعین بھی کہتے ہیں۔

بیع صرف: نقد کا تبادلہ نقد سے کیا جائے مثلاً ایک شخص کے نوٹ کے بدلے میں دوسرا شخص بھی نوٹ دے۔ اس کو بیع الدین بالدین بھی کہتے ہیں۔

بیع سلم: نقد کا تبادلہ ادھار سے کیا جائے مثلاً بائع نے سو روپے لے لئے کہ مشتری کو ایک ماہ بعد ایک کلو چینی دے گا اس کو بیع الدین بالعین کہتے ہیں۔

بیع مطلق: کسی چیز کی بیع نقد کے عوض میں کی جائے بائع چیز دیدے اور اسی وقت مشتری روپے بھی دیدے جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے ثمن کے اعتبار سے چار اقسام ہیں: بیع مرابحہ: بائع نے جس قیمت پر سامان خریدا ہے اس سے زائد مقررہ قیمت پر فروخت کرنا۔

بیع تولیہ: بائع نے جس قیمت پر سامان خریدا ہے اسی قیمت معینہ پر مشتری کو بیچ دینا۔

بیع وضعیہ: بائع نے جس قیمت پر سامان خریدا ہے اس قیمت سے کم قیمت پر مشتری کو فروخت کرنا۔

بیع مساومہ: بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی سے جس قیمت پر معاملہ طے ہو جائے اسے مساومہ کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ بیوعات کی اور اقسام بھی ہیں مثلاً بیع لازمہ، بیع بالخیار، بیع المزابنہ، بیع محاقلہ، بیع عرایا، بیع مصرات، بیع ملامسہ، بیع منابذہ، بیع اقالہ، بیع غرر، بیع بالسنین، بیع علی سوم الشراء، بیع المزایدہ، بیع حبل الحبلہ، بیع النجش، بیع تلقی الرکبان، بیع حاضر لباد، بیع الکالی بالکالی، بیع العینہ۔ ان کی تفصیل آگے احادیث کے ذیل میں آجائے گی۔ (ان شاءاللہ)

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرْكِ الشُّبُهَاتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَ ذَلِكَ أُمُورٌ مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَدْرِي كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ أَمِنَ

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں کہ آیا وہ حلال چیزوں سے ہیں یا حرام چیزوں سے جس نے اپنا دین اور اپنی عزت محفوظ کرنے کے لئے چھوڑا وہ

الْحَلَالِ هِيَ أُمُرٌ مِنَ الْحَرَامِ فَمَنْ تَرَكَهَا اسْتِبْرَاءً لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ فَقَدْ سَلِمَ وَمَنْ وَاقَعَ شَيْئًا مِنْهَا يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَ الْحَرَامَ كَمَا أَنَّهُ مَنْ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ.

محفوظ ہو گیا اور جو ان چیزوں میں مبتلا ہو گیا وہ حرام کام میں پڑنے کے قریب ہے جیسے کوئی چرواہا اپنے جانوروں کو سرحد کے قریب چراتا ہے تو ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ حدود پار کر جائے جان لو کہ ہر بادشاہ کی حدود (محفوظ چراگاہیں) ہوتی ہیں اور اللہ کی حدود اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ ہناد، وکیع سے وہ زکریا بن ابی زائدہ سے وہ شعبی، نعمان بن بشیر سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے ہم معنی روایت کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے کئی راوی یہ حدیث شعبی کے واسطے سے نعمان بن بشیرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ابواب البیوع کا عنوان قائم کرنے کے بعد یہ باب قائم کیا۔ **باب ترك الشبهات۔** مقصد ترک شبہات کی اہمیت کو بتلانا ہے۔ یہ بہت اہم ہے حتیٰ کہ اس کو ثلث اسلام قرار دیا گیا ہے کیونکہ دین کے تین حصے ہیں۔ ① عقائد۔ ② اعمال۔ ③ معاملات۔ اور شبہات عام طور پر معاملات میں پیدا ہوتے ہیں اور معاملات ثلث دین ہے اس لئے ترک شبہات کو ثلث اسلام قرار دیا ہے۔

اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ: حلال بین وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حلت ہو دلیل حرمت نہ ہو۔ حرام بین وہ ہے کہ جس میں صرف دلیل حرمت ہو دلیل حلت نہ ہو۔ **مُشْتَبِهَاتٌ:** شبہات یہ ''شبهةٌ'' کی جمع ہے جیسے غرفات جمع ہے **غرفة** کی۔ اور مراد اس سے امور مشتبہات ہیں مسلمانوں کو چاہیے وہ ان کاموں کو چھوڑ دیں جو مشتبہات ہیں۔ اور مشتبہات کے بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن مشہور چار قول ہیں۔

قول اوّل: امور مشتبہات وہ امور ہیں کہ جن میں دلیل حلت بھی ہو اور دلیل حرمت بھی ہو اور ان دونوں کا آپس میں تعارض ہو اور بعض کو ترجیح نہ ہو جیسے سور حمار۔

قول ثانی: وہ مسائل اختلافیہ بین المجتہدین ہیں کہ جن میں کسی مجتہد کے پاس کوئی نص نہ ہو اور اجماع بھی نہ ہو لیکن ہر مجتہد کے پاس اپنا اپنا قیاس ہو۔ **قول ثالث:** امور مشتبہات کا مصداق مکروہات تنزیہیہ ہیں۔ **قول رابع:** بعض امور مباح مراد ہیں۔

اشتباہ کی صورتیں اور انکا حکم: صورت نمبر (۱): عام آدمی کو اشتباہ ہو تو یہ دو حال سے خالی نہیں۔ (۱) حکم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اور سوال نہ کرنے کی وجہ سے اشتباہ ہے تو بچنا واجب ہے جب حکم معلوم ہو جائے تو عمل کیا جائے ورنہ نہ کیا جائے۔ (۲) عام آدمی کو اشتباہ ہے مفتیان کرام کے اختلاف کی وجہ سے اور مفتیان کرام بھی ایسے ہیں جو علم وتقوی میں برابر ہیں تو اس عمل سے بچنا مستحب ہے اور اگر مفتیان کے علم وتقوی میں فرق ہے تو جو اعلم واتقی ہو اس کے قول پر عمل کیا جائے۔

صورت نمبر (۲): مجتہد کو اشتباہ ہے پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ (۱): اجتہاد نہ کرنے کی وجہ سے اشتباہ ہے تو بچنا واجب ہے یا ادلہ کے تعارض کی وجہ سے اشتباہ ہے اور ترجیح ممکن نہیں تو بھی بچنا واجب ہے کیونکہ محرم مبیح پر راجح ہوتا ہے۔ (۲): دلائل میں تعارض

کی وجہ سے اشتباہ ہے اور اباحت کو حرمت پر ترجیح دے دی گئی ہے تو اب ایسی مباح چیز سے بچنا مستحب ہے۔

فائدہ: اس حدیث پاک میں انسانی بدن میں قلب کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔

سوال: حدیث پاک میں امور مشتبہات کا حکم ترک بیان کیا گیا ہے اور امور مباحۃ کا حکم تو ترک نہیں ہے امور مباحہ کو کیسے مشتبہات کا مصداق قرار دیا جا رہا ہے۔ **جواب:** علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں کہ ان امور مباحہ سے مراد مطلقا امور مباحہ نہیں بلکہ وہ بعض امور مباحہ ہیں جن کا ارتکاب مفضی الی مکروہات تنزیہیہ ہو اور مکروہات تنزیہیہ کا ارتکاب مفضی ہوتا ہے۔ مکروہات تحریمیہ کی طرف اور مکروہات تحریمیہ یہ واجب الترک ہیں جیسا کہ حرام واجب الترک ہے۔ ان اقوال میں راجح قول اوّل وثانی ہے۔ قول ثالث اور قول رابع یہ دونوں مرجوح ہیں اس لئے کہ ان میں اشتباہ کا معنی کماینبغی نہیں پایا جاتا اوّل اور ثانی میں کماینبغی پایا جاتا ہے۔

سوال: یہ ترک شبہات بطور وجوب کے ہے یا بطور استحباب کے ہے۔

جواب: اجمالی بیان یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بطور استحباب کے ہوگا اور بعض صورتوں میں بطور وجوب کے ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ اشتباہ دو حال سے خالی نہیں اشتباہ مجتہد کو ہوگا یا غیر مجتہد کو اگر اشتباہ غیر مجتہد کو ہو تو دو حال سے خالی نہیں اس کا سبب عدم معرفت فی الحکم ہوگا کہ مسئلہ ہی نہیں پوچھا یا اس کا سبب اختلاف مفتیان ہوگا پھر اس کا سبب عدم معرفت فی الحکم ہے تو ترک واجب ہوگا اور اگر مفتیان کا اختلاف ہو بشرطیکہ مفتیان علم وتقوٰی وورع میں برابر ہوں تو ترک بطور استحباب کے ہوگا اور اگر اشتباہ مجتہد کو ہو تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں اشتباہ کا سبب عدم اجتہاد ہوگا یا ادلہ کا تعارض ہوگا۔ اگر سبب عدم اجتہاد ہے یعنی غور وفکر ہی نہیں کیا تو ترک واجب ہے اور اگر سبب تعارض ادلہ ہے تو پھر دیکھا جائے گا ادلۃ کی اباحت کو ادلۃ حرمت پر ترجیح ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اگر ادلۂ اباحت کو ادلۂ حرمت پر ترجیح ہو تو ترک مستحب ہوگا اگر ادلۂ اباحت کو ادلۂ حرمت پر ترجیح نہ ہو تو ترک واجب ہوگا اس لئے کہ حرمت کو اباحت پر ترجیح ہوتی ہے۔ الغرض امور مشتبہہ کا حکم اس صورت میں چھوڑ دینا بتایا گیا ہے خواہ بطور استحباب کے ہو یا بطور وجوب کے ہو۔

سوال: ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے ''الحلال ما احل اللّٰہ والحرام ما حرّم اللّٰہ وما سکت عنه فهو عفو'' کہ وہ معافی کے درجہ میں ہے۔ ترمذی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امور مشتبہات کا حکم ترک ہے۔ اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ مسکوت عنہ کے درجہ ہے ترک کا حکم نہیں ہے۔

جواب اوّل: ترمذی شریف کی روایت میں امور مشتبہ کے حکم کا بیان ہے اور ابوداؤد کی روایت میں امور مسکوت عنہ کے حکم کا بیان ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت بڑی خلیج حائل ہے۔ امور مشتبہ وہ ہیں کہ جن میں دلائل حلت بھی ہوں اور دلائل حرمت بھی ہوں اور امور مسکوت عنہا وہ ہیں کہ جن میں نہ دلائل حلت ہوں اور نہ دلائل حرمت ہوں۔

جواب ثانی: اگر تعارض کو تسلیم کر لیا جائے کہ جو امور مشتبہیں امور مسکوت عنہا ہیں۔ تو پھر جواب یہ ہے کہ ترمذی شریف کی روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ بطور عزیمت کے ہے بطور تقوٰی اور ورع کے ہے اور ابوداؤد کی روایت میں جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ رخصت کے درجہ میں ہے اول راجح ہے۔

مَنْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهٗ: حمی اس چراگاہ کو کہتے ہیں جس کو قبیلہ کا سردار یا چوہدری اپنے لئے خاص کر لے اور اس چراگاہ میں دوسروں کے جانور کے داخلے کو ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔

حمی بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس علاقے میں وہ سردار یا چوہدری اپنے لئے حمی بنانا چاہتا وہ کہیں اونچے ٹیلے پر جاتا اور اپنے ساتھ ایک ''جہری الصوت'' بلند آواز والا کتا ساتھ لے جاتا وہاں اس کتے کو بھوکنے پر آمادہ کرتا پھر جس جگہ تک اس کتے کے بھونکنے کی آواز پہنچتی اس جگہ تک اس سردار کی حمی بن جاتی پھر عام لوگوں کو اس میں داخل ہونے اور اس میں اپنے جانوروں کے چرانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ تو جس طرح سردار کے عذاب سے بچنے کے لئے سرداروں کی چراگاہ کے قریب بھی نہیں چراتے تھے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ وہ امور مشتبہات سے بچیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے حرام تک پہنچ جائیں اور محرمات یہی اللہ کی چراگاہ ہیں جس طرح سرداروں کی چراہ گاہوں میں پہنچنا موجب سزا ہوتا تھا اسی طرح اللہ کی چراگاہ یعنی محارم میں پہنچنا یہ بھی موجب سزا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بادشاہوں کی چراگاہوں میں بادشاہوں کا فائدہ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی چراگاہ میں بندوں کا فائدہ ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الرِّبَا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُؤْكِلَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَجَابِرٍ حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

قتیبہ، ابوعوانہ سے وہ سماک بن حرب سے وہ عبدالرحمن بن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے گواہوں اور لکھنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اس باب میں حضرت عمر، علی اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ربوا کے لغوی معنی: ربوا کا معنی مطلقاً زیادتی ہے۔

اصطلاحی معنی: اول: ''مبادلۃ المال بالمال مع الفضل بلاعوض'' ربوا مال کی اس زیادتی کو کہتے ہیں کہ جو معاوضہ مالی میں بلاعوض ہو یعنی متجانسین میں سے ایک دوسرے پر بمعیار شرعی زائد ہونا ربوا کہلاتا ہے معیار شرعی سے مراد کیل اور وزن ہے۔

الثانی: ''الربا ھو فضل خالٍ عن العوض شرط لاحد العاقدین''۔

ربوا کی ابتداءً دو قسمیں ہیں۔ ① **ربوا نسیئہ:** دو چیزوں کے باہم لین دین یا دو چیزوں کی باہم خرید و فروخت میں ادھار کرنا خواہ اس ادھار میں اصل مال پر زیادتی نہ کی جائے یعنی لین دین دست بدست نہ ہو۔ اس کا رواج زمانہ جاہلیت میں بہت زیادہ تھا چونکہ اس میں بہت زیادہ نقصان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عظیم نقصان سے لوگوں کو بچانے کیلئے اس کو حرام قرار دیا۔

② **ربوا الفضل:** ایک طرف مال زیادہ ہو اور ایک طرف مال کم ہو یہ چونکہ پہلی قسم کے لئے سبب بنتا ہے اس لئے سد اللذرائع اس کو حرام قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے دو اقسام اور بھی ذکر کی ہیں۔ ③ **ربوا العطیۃ:** اس کی یہ صورت ہوگی کہ مثلاً ایک شخص دوسرے کو عطیہ کرتا ہے لیکن دل میں یہ خیال کرتا رہتا ہے کہ اسکے بدلے میں مجھے بھی عطیہ زیادہ ملے گا اس کے لئے قرآن میں یہ آیت ہے ''وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس'' (الروم:۳۹)۔ ④ **ربوا الاموال:** اس کا اطلاق ہر ناجائز مالی معاملہ پر بھی کیا گیا ہے جیسے قرآن کی آیت ہے جو یہود کی مذمت میں آئی ہے ''واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ'' (نساء:۱۴۵)۔

قولہ آکِلَ الرِّبَا: یعنی ربوا کو لینے والا اگرچہ وہ اس کو نہ کھائے کھانے کے ساتھ اسکو کیوں خاص کیا اس لئے کہ انتفاع کے انواع

کے اعتبار سے آکل زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ "لقولہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلماً۔ الآیۃ"۔

قولہٗ وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ: امام نوویؒ نے فرمایا کہ سود کا کاروبار لکھنے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے کہ اس نے باطل اور حرام کام میں معاونت کی ہے اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سود کے معاملہ میں گواہ بننا بالکل جائز نہیں ہے۔

سوال: ان کے جرائم تو مختلف ہیں تو سب کو گناہ میں کیسے شمار کیا گیا کیونکہ لینے اور دینے کا جتنا گناہ ہے لکھنے والے اور گواہ کا تو اتنا گناہ نہیں۔

جواب: مساوات نفس لعنت میں ہے اگر چہ ہر ایک پر لعنت اس کے گناہ کے بقدر ہوگی آکل اور موکل کی معصیت زیادہ ہے تو لہٰذا لعنت بھی زیادہ ہوگی۔ پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعانت علی المعصیت یہ بھی حرام ہے یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ میں ہے" و تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان "پس موجودہ زمانہ میں جن کا کاروبار ہی سود پر ہے تو وہاں ملازمت سے بچا جائے۔

ربوٰا کے بارے میں نظریاتی بحث:

قرض کی دو قسمیں ہیں: (۱): وہ قرض جو عام ضروریات کے لیے لیا جائے مثلاً کسی کے ہاں فاقہ ہے یا کوئی بیمار ہے یا فوت ہوا اور کفن دفن کے لیے قرض لیتا ہے تو اس قرض کو "صرفی قرض" کہتے ہیں اور اس قرض پر لیے جانے والے سود کو مہاجنی سود کہتے ہیں۔

(۲): کوئی آدمی اپنی تجارت کی ترقی کے لیے یا فیکٹری وغیرہ لگانے کے لیے قرض لیتا ہے یعنی جو قرض پیداواری اغراض کے لیے لیا جائے اسکو تجارتی قرض کہتے ہیں اور اس پر لیا جانے والا سود تجارتی سود کہلاتا ہے۔

دونوں قسموں کا حکم: (۱) احتیاجی قرض کا سود یعنی مہاجنی سود یہ بالاتفاق نا جائز و حرام ہے۔ (۲): تجارتی سود (آج کل کی اصطلاح میں بنک کا سود) علماءِ حق کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ یہ حرام ہے۔ بعض جدت پسند لوگوں نے بینک کے سود کو حرام سود میں داخل قرار نہیں دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ تجارتی اغراض کے لیے لیے جانے والے قرض پر سود حرام نہیں، جائز ہے۔ اس نظریہ کے حاملین مصر کے مفتی اعظم، بعض عرب علماء، ہندوستان میں سرسید احمد خان اور پاکستان میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور جسٹس قدیر الدین جاوید غامدی جیسے ہیں۔

جدت پسند لوگوں کے دلائل اور ان کے جوابات

دلیل نمبر ۱: قرآن مجید میں ہے "اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (سورۃ بقرہ: ۲۷۵)

"الرِّبٰوا" میں الف لام عہد کا ہے، مراد اس سے وہ خاص سود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج تھا۔ اور وہ تھا احتیاجی قرض پر سود۔ اس کو قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ اور جو تجارتی قرض کا سود ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہیں تھا۔ اس کو قرآن نے حرام قرار نہیں دیا۔ اس لیے تجارتی قرض کا سود جائز ہے۔

جواب: اس دلیل کا صغریٰ و کبریٰ دونوں ہی باطل ہیں۔ یہ کہنا کہ تجارتی قرض آپ (علیہ السلام) کے زمانہ میں رائج نہیں تھا، یہ سراسر غلط ہے۔ بلکہ احادیث میں صراحتاً ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تجارتی قرض رائج تھا۔ تجارتی قرض رائج ہونے کے دلائل یہ ہیں۔ (۱) درمنثور میں روایت ہے کہ دو قبائل بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے آپس میں سودی معاملات ہوتے تھے۔ یہ دونوں بڑے بڑے قبیلے تھے اور مالدار تھے۔ سود کا معاملہ ان کا تجارتی قرض ہی کا ہوتا تھا۔ تو اس روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تجارتی قرض کا رائج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (۲) صحیح بخاری کتاب الجہاد میں روایت ہے کہ کئی لوگ حضرت زبیر بن عوامؓ

کے پاس اپنی رقمیں امانت رکھوانے کے لیے آتے تو وہ فرماتے کہ امانت کی بجائے مجھے قرض دے دو۔ تو لوگوں کے ان کے پاس اس قدر پیسے تھے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو بائیس لاکھ روپے ان پر قرض تھا۔ یہ قرض تجارتی قرض تھا کیوں کہ آپؓ اس قرض کو تجارت میں لگا دیتے تھے۔ حضرت زبیر ابن عوام کی وفات کے بعد ان کے ترکہ سے قرض ادا کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ (علیہ السلام) کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ تجارتی قرض لیا کرتے تھے۔ (۳) تاریخ طبری میں ہند بنت عتبہ کا واقعہ ہے۔ کہ اس نے حضرت عمرؓ سے چار ہزار درہم قرض لیے اور بلاد کلب میں جا کر تجارت کی۔ تو یہ قرض بھی تجارتی قرض تھا۔ (۴) بیہقی میں روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ نے حضرت عثمانؓ سے سات ہزار درہم قرض لیا تھا۔ یہ بھی بظاہر تجارت کے لیے تھا۔ (۵) حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے چار ہزار درہم قرض لیا۔ ان روایات میں آپ ﷺ کے زمانے میں تجارتی قرض کا لین دین ہو نا واضح ہے۔ تو یہ کہنا کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں تجارتی قرض نہیں تھا غلط ہے۔ اور دلیل کا کبریٰ کہ جو چیز آپ ﷺ کے زمانہ میں رائج نہ تھی حلال ہے یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ حکم کسی چیز کی حقیقت پر لگایا جاتا ہے۔ تو ربوا کی حقیقت پر قرآن مجید نے حکم لگایا ہے تو یہ حقیقت جہاں بھی پائی جائے گی وہیں حکم لگایا جائیگا۔ ظاہری صورت کے تبدیل ہونے سے حکم تبدیل نہیں ہوگا۔ مثلاً حضور ﷺ نے گانے کو حرام قرار دیا ہے تو ہمارے زمانے کا گانا تمہارے قاعدہ کے مطابق حرام نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ اس طرز پر نہیں گایا جاتا جس طرز پر حضور ﷺ کے زمانہ میں گایا جاتا تھا۔ حالانکہ آج بھی گانا گانا حرام ہے۔ خواہ جونسی بھی طرز ہو۔ اسی طرح شراب کا مسئلہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ہاتھوں سے نچوڑی جاتی تھی جبکہ آج کل مشین سے بنائی جاتی ہے لیکن پھر بھی شراب حرام ہے۔ بہر حال انکی دلیل سراسر غلط ہے۔

دلیل نمبر (۲): حضرت عمر فاروقؓ کا ارشاد ہے "ان آخر ما نزلت آیة الربوا و ان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قبض ولم يفسرها لنا"۔ (مشکوۃ المصابیح ص ۲۴۶)

ربٰوا کے بارے میں ہم آپ ﷺ سے وضاحت طلب نہ کر سکے اس لیے سود کے مسائل مبہم رہ گئے ہیں فقہاء کرام نے اپنے اجتہاد سے بیان کئے ہیں تو قرآن مجید اور حدیث نبوی میں اسے حرام قرار نہیں دیا گیا۔

جواب: ہماری بحث تجارتی قرض یعنی ربوا القرآن کے بارے میں ہے۔ جبکہ حضرت عمرؓ کا ارشاد ربوا البیع یعنی ربوا الحدیث کے بارے میں ہے حضرت عمرؓ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیع میں جو ربوا کو حرام قرار دیا یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے یا اور چیزوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ وضاحت ہم رسول کریم ﷺ سے دریافت نہ کر سکے تو حضرت عمرؓ نے احتیاط کا حکم فرمایا:

"فدعوا الربوا و الريبة" کہ تم ربوا اور شبہ ربوا کو چھوڑ دو۔

الحاصل حضرت عمرؓ کے قول سے جدت پسندوں کا استدلال کرنا سراسر بے بنیاد اور باطل ہے۔

دلیل نمبر (۳): قرآن نے ربٰوا کو ظلم کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے مثلاً کسی کے ہاں فاقہ ہے یا کوئی بیمار ہے تو شریعت یہ حکم دیتی ہے کہ اس کا تعاون کرو اگر تعاون نہیں کر سکتے تو بغیر سود کے قرض دو اگر سود کے ساتھ قرض دو گے تو یہ ظلم ہے۔ جبکہ تجارتی سود میں یہ ظلم نہیں ہوتا کیونکہ قرض لینے والا تو اس پیسے سے کاروبار کرتا ہے لہٰذا تجارتی سود جائز ہے۔

جواب: سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد زیادہ تر سود پر ہے، بینکاری کے سود اور تجارت کے سود کی وجہ سے غریب آدمی پر جو ظلم ہو رہا ہے سب کے ہاں واضح ہے۔ اور یہ کہنا کہ تجارتی سود میں ظلم نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ جو آدمی سود پر قرض لیتا ہے اور پھر تجارت کرتا ہے تو اسکی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ نمبر ۱: تجارتی قرض لینے والے کو نفع نہیں ہوا بلکہ نقصان ہوا ہے۔ نمبر ۲: نہ نفع ہوا نہ نقصان بلکہ معاملہ برابر رہا۔ نمبر ۳: سود کی ادائیگی کے برابر نفع ہوا جتنا سود میں دینا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اسکا نقصان ہے اس پر ظلم ہے۔

ہاں البتہ ایک چوتھی صورت ہے کہ اسے کئی گنا نفع ہوا ہو کہ سود ادا کرنے کے بعد بھی نفع کافی بچ جائے لیکن اس چوتھی صورت میں عوام پر ظلم ہوگا۔ مثلاً ایک آدمی نے بینک سے ایک لاکھ روپے قرض لیے اور تجارت کر کے لاکھ روپے نفع کمایا تو وہ چھیاسی فیصد خود رکھے گا اور چودہ فیصد بینک کو دے گا۔ اس میں سے سات فیصد بینک کا اور سات فیصد ان لوگوں کا جنہوں نے تھوڑے تھوڑے پیسے بینک کو جمع کرائے۔ تو اس لاکھ روپے نفع میں سات فیصد عوام کے پاس آیا پھر وہ قرض لینے والا یہ سات فیصد بھی عوام سے چھین لے گا کیونکہ اشیاء کی تیاری پر آنے والے اخراجات میں سود کی ادائیگی کو بھی شامل کیا جاتا ہے اس انداز سے وہ دوبارہ عوام سے وہی سات فیصد بھی چھین لیتا ہے بہر حال تجارتی سود میں کسی نہ کسی پر ظلم ضرور ہوتا ہے۔ کبھی مقرض پر اور کبھی مستقرض پر۔

دلیل نمبر (۴): جیسے کوئی آدمی گاڑی یا مکان کرائے پر دیتا ہے۔ اور کرایہ حاصل کرتا ہے اسی طرح یہ تجارتی سود بھی پیسوں کا کرایہ ہے تو جیسے گاڑی اور مکان کا کرایہ جائز ہے۔ اسی طرح پیسوں کا کرایہ بھی جائز ہے۔

جواب: کرائے پر دینا اس چیز کا جائز ہوتا ہے جو استعمال کرنے سے ہلاک نہ ہو استعمال کے باوجود باقی رہے۔ اور فائدہ پہنچائے تو گاڑی اور مکان کا کرائے پر دینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ استعمال کرنے سے ہلاک نہیں ہوتے بلکہ باقی رہتے ہیں جبکہ پیسوں کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہو کر نفع پہنچاتے ہیں۔

دلیل نمبر (۵): پیسوں کی مالیت میں کمی واقع ہو جاتی ہے سود لینا اس کمی کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے کسی سے قرض لیا جب 500 کلو گھی آتا تھا تو 500 کی مالیت گر گئی اور اب 500 کا گھی 2 کلو آنے لگا یہ سود اس مالیت کی کمی کو پورا کرنے کے لیے ہے اس لئے یہ جائز ہے۔ **جواب:** ربوٰا میں مالیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ مقدار میں مماثلت ضروری ہوتی ہے۔ تو اس مالیت کو مساوی کرنے کے لیے سود واپس لینا جائز نہیں۔

ربوا البیع میں حرمت کی علت: ربوا البیع کے بارے میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مشہور احادیث ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرما کر ان میں مساوات اور نقد و نقد کو لازم قرار دیا۔ آیا یہ حکم انہی چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے یا متعدی ہے۔ اس میں قول ہیں:

قول اول: بعض اہل ظاہر کی رائے ہے۔ کہ یہ حکم انہی چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے متعدی نہیں ہے۔

قول ثانی: ائمہ اربعہؒ و جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ یہ حکم معلول بالعلۃ ہے۔ جہاں جہاں علت پائی جائے گی حکم پایا جائے گا البتہ اس حکم کی علت کیا ہے اس بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ علت طعم اور ثمنیت ہے۔ اور جنس کا ایک ہونا حکم کے پائے جانے کے لیے شرط ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چار چیزیں ہیں جو کھانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ دو چیزیں ثمنیت میں سے

ہیں۔اس لیئے انہوں نے طعم اور ثمنیت کو علت قرار دیا ہے۔

قول ثانی: امام مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ ربوٰ کی علت طعم اور ادخار ہے۔

اصطلاحی الفاظ میں اقتیات اور ادخار ہے اقتیات سے مراد وہ چیزیں ہیں جو غذا کے لیے استعمال ہوتی ہوں اور ادخار سے مراد جو ذخیرہ کی جاسکتی ہوں۔پہلی چار چیزیں ایسی ہیں جو غذا کا کام دیتی ہیں اور آخری دو چیزیں ثمنیت کے قبیل سے ہیں۔

قول ثالث: احناف کا مذہب ہے اور بعض حضرات نے امام احمدؒ کا مذہب بھی حنفیہ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ علت کی دو صفیں ہیں (۱) قدر (۲) جنس، قدر سے مراد مکیلی یا موزونی ہونا ہے اس حدیث میں چھ چیزوں میں سے چار چیزیں مکیلی ہیں۔

(۱) گندم، (۲) جو (۳) تمر (۴) نمک اور دو چیزیں موزونی ہیں یعنی (۱) ذہب اور (۲) فضہ باقی جنس کے بدلے جنس ہونا یہ تقابل سے واضح ہے۔تو احناف کے نزدیک جہاں علت کی یہ دونوں صفیں پائی جائیں گی تو وہاں کمی بیشی اور نسیہ (ادھار) دونوں حرام ہوں گے اور اگر دو میں سے ایک پائی جائے تو وہاں صرف نسیہ حرام ہوگا کمی بیشی جائز ہوگی مثلاً بکری کے بدلے بکری کے فروخت کی جائے یہاں جنس تو ہے لیکن قدر نہیں پائی جارہی لہٰذا کمی بیشی جائز ہے ایک بکری کے بدلے دو بکریاں لے سکتے ہیں البتہ نسیہ جائز نہیں اگر علت کی دونوں وصفوں (جنس، قدر) میں سے کوئی علت بھی نہ پائی جائے تو اب دونوں چیزیں کمی بیشی اور نسیہ جائز ہونگی مثلاً چادر دے کر گھڑی خریدنا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّغْلِيظِ فِي الْكَذِبِ وَالزُّورِ وَنَحْوِهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّنْعَانِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْكَبَائِرِ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَقَوْلُ الزُّورِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرَةَ وَأَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ

محمد بن عبدالاعلیٰ صنعانی، خالد بن حارث سے وہ شعبہ سے وہ عبید اللہ بن ابی بکر بن حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے متعلق ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کو ناراض کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹ بولنا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔اس باب میں حضرت ابوبکرہ، ایمن بن خریم اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حدیث انس حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: عمومی طور پر معاملات میں کذب بیانی ہوتی ہے چنانچہ ایسی احادیث لارہے ہیں جو اس بات پر دلالت کررہی ہیں کہ معاملات میں بھی کذب بیانی سے بچنا چاہیے۔

کذب اور زور میں فرق: کذب کا معنی ہے جھوٹ بولنا اور الکذب کا معنی ہے جھوٹ، یہاں پر مصدر اور اسم دونوں جمع ہوسکتے ہیں اور زُور کے معنی ہیں خلاف واقعہ بات کو مزین کر کے پیش کرنا یعنی بات اگر سو فیصد خلاف واقعہ ہو تو وہ کذب ہے اور اس سے زیادہ ہو تو وہ زُور ہے مثلاً جھوٹی بات قسم کھا کر بیان کی اور ایک قول یہ ہے کہ جو کذب ہے وہی زُور ہے اور جو زُور ہے وہی کذب ہے اس صورت میں زُور کا کذب پر عطف، عطف تفسیری ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں تغایر ہے خلاف واقعہ خبر دینا کذب ہے اور اس کو دلائل کے ساتھ پختہ کرنا یہ زُور ہے تو یہ عطف الغیر علی الغیر کی قبیل سے ہوگا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ زور اس کو کہتے ہیں کہ جب مبیعہ کی طرف لوگوں کا میلان نہ ہو تو مبیعہ کو بڑھا چڑھا کر اس کی صفات کو بیان کرنا یہ زور ہے اور یہ عام طور پر مفضی الی الکذب ہوتا ہے۔ اس لئے قول زُور سے منع کیا مفضی الی الکذب ہونے کی وجہ سے۔ جب قول زُور سے منع ہوا تو کذب سے بطریق اولیٰ منع ہوگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التُّجَّارِ وَتَسْمِيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ إِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْإِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ وَفِي الْبَابِ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَرِفَاعَةَ حَدِيثُ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ رَوَاهُ مَنْصُورٌ وَالْأَعْمَشُ وَحَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ وَلَا نَعْرِفُ لِقَيْسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي غَرَزَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ .

حضرت قیس بن ابی غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف نکلے لوگ ہمیں سماسرہ (یعنی دلال) کہا کرتے تھے آپ نے فرمایا اے تاجروں کی جماعت خرید وفروخت کے وقت شیطان اور گناہ دونوں موجود ہوتے ہیں لہٰذا تم لوگ اپنی خرید وفروخت کے ساتھ صدقے کو ملا دیا کرو۔ اس باب میں حضرت براء بن عازب اور رفاعہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے حدیث قیس بن ابی غرزہ حسن صحیح ہے اس حدیث کو منصور، اعمش، حبیب بن ثابت اور کئی راوی بھی ابووائل سے اور وہ قیس بن ابی غرزہ سے نقل کرتے ہیں ان کی کوئی اور حدیث ہمارے نزدیک معروف نہیں۔ ہناد، ابومعاویہ سے انہوں نے اعمش، شقیق بن سلمہ، قیس بن ابی غرزہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی کے ہم معنی حدیث روایت کی ہے یہ حدیث صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ حَدَّثَنَا سُوَيْدٌ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا ابْنُ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي حَمْزَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَبِي

ہناد، قبیصہ، سفیان سے وہ ابوحمزہ سے وہ حسن سے وہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

سوید، ابن مبارک سے وہ سفیان سے وہ ابی حمزہ سے اسی سند سے اسی کے مثل نقل کرتے ہیں ہم اس حدیث کو صرف اسی سند

حَمْزَةَ وَأَبُو حَمْزَةَ اسْمُهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَابِرٍ وَهُوَ شَيْخٌ بَصْرِيٌّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلَّى فَرَأَى النَّاسَ يَتَبَايَعُونَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ فَاسْتَجَابُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعُوا أَعْنَاقَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ إِلَيْهِ فَقَالَ إِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فُجَّارًا إِلَّا مَنِ اتَّقَى اللهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ قَالَ أَبُو عِيسَى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَيُقَالُ إِسْمٰعِيلُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ رِفَاعَةَ أَيْضًا۔

سے پہچانتے ہیں یعنی ثوری کی ابوحمزہ سے روایت سے۔ ابوحمزہ کا نام عبداللہ بن جابر ہے یہ بصری شیخ ہیں۔ اسماعیل بن عبید بن رفاعہ اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ کی طرف نکلے تو دیکھا کہ لوگ خرید وفروخت کر رہے ہیں آپؐ نے فرمایا اے تاجرو! وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اپنی گردنیں اٹھالیں اور آپ کی طرف دیکھنے لگے فرمایا تاجر قیامت کے دن نافرمان اٹھائے جائیں گے البتہ جو اللہ سے ڈرے نیکی کرے اور سچ بولے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسماعیل بن عبید کو اسماعیل بن عبیداللہ بن رفاعہ بھی کہا جاتا ہے۔

تشریح: تجارت کرنے والے پر تاجر کا لفظ بولا جائے۔ پہلے زمانہ میں تجارت کرنے والے لوگوں کے لئے سماسرہ کا لفظ بولتے تھے۔ سماسرہ آڑھتی اور دلال کو کہتے ہیں سماسرہ بائع اور مشتری کے درمیان جو واسطہ ہو اس کو کہتے ہیں پھر ان کے لئے لفظ تجار استعمال ہونے لگا یہ تاجر کی جمع ہے اس کے معنی ہیں نفع کمانے والا یہ لفظ سب سے پہلے نبی کریم ﷺ نے کاروباری لوگوں کے لئے استعمال فرمایا ہے۔ لوگوں کو یہ لفظ اتنا پسند آیا کہ یہی لفظ استعمال ہونے لگا۔ اور سماسرہ کا لفظ متروک ہوگیا۔ البتہ دلال کا لفظ ابھی بھی استعمال ہوتا ہے۔

سماسرہ کے لفظ کو نبی کریم ﷺ نے کیوں پسند نہیں فرمایا اس کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

علامہ خطابی نے معارف السنن میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ سماسرہ یہ عجمی لفظ ہے اور اس کے مقابلے میں تجار یہ عربی لفظ ہے ظاہر ہے کہ عربی لفظ کو عجمی لفظ کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اس لئے اپنی زبان کے الفاظ کو استعمال کرنا چاہیے۔

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو عربی اللسان تھے ان میں یہ عجمی لفظ کیسے گھس گیا۔

جواب اوّل: عجمی لوگوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے۔

التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ: جس تاجر میں دو خوبیاں ہوتی ہیں سچائی اور امانت داری اس کو مرتبہ میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے ان کے ساتھ حشر ہونے کا مطلب یہی ہے۔

صادق اور امین تاجر کو انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ لاحق کرنے میں اسی طرح اشارہ ہے کہ تجارت میں جھوٹ اور خیانت سے بالکلیہ احتراز کرنا اور ہمیشہ سچائی اور امانت داری بہت مشکل کام ہے لیکن ناممکن نہیں۔ پس ہر تاجر کو یہ دو خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ تا کہ عظیم لوگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

قولہ فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ: عام طور پر تجارت کرتے ہوئے غیر ضروری اور بے فائدہ باتیں ہو جاتی ہیں اور یہ اللہ کے غضب کا سبب بنتی ہیں اس لئے فرمایا کہ تجارت کرتے وقت صدقہ وخیرات بھی کیا کرو تا کہ اللہ کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور اللہ کی رحمت تمہیں حاصل ہو جائے اور مشہور یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا صدقہ بڑے سے بڑے گناہ کو دفع کر دیتا ہے۔ ’’والمدار على القبول وفضل الله اوسع مما تصوره العقول‘‘۔ (مرقاة ج ٦ ص ٥٤)

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ حَلَفَ عَلَى سِلْعَةٍ كَاذِبًا

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ أَنْبَأَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ يُحَدِّثُ عَنْ خَرَشَةَ بْنِ الْحُرِّ عَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ قُلْنَا مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا فَقَالَ الْمَنَّانُ وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي أُمَامَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَمَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ حَدِيثُ أَبِي ذَرٍّ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں؟ وہ تو برباد ہو گئے اور خسارے میں رہ گئے فرمایا ایک احسان جتلانے والا دوسرا تکبر کی وجہ سے شلوار تہبند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کے ساتھ مال بیچنے والا۔ اس باب میں حضرت ابن مسعود، ابوہریرہ، ابوامامہ بن ثعلبہ، عمران بن حصین اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہم سے بھی روایت مروی ہے حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ حسن صحیح ہے۔

تشریح: قولہ لا یکلمہم اللہ: یعنی اللہ ایسے آدمیوں سے مہربانی سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی رحمت کی نگاہ سے دیکھے گا نہ ہی ان کے اعمال کو بڑھائے گا اور نہ ہی ان کو ان کے خبائث سے پاک کرے گا۔

قولہ قَالَ وَالْمُسْبِلُ: ازار لٹکانے والا اس سے مراد وہ شخص ہے جو تکبر کی وجہ سے کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکائے یا ایسا قمیص و جبہ پہنے جو ٹخنوں کو ڈھانپ دے۔

قولہ الْمَنَّانُ: احسان جتلانے والا۔ یعنی کسی کو دیکر احسان جتلانے والا ثواب سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ: جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مال کو بڑھانے والا مثلاً یہ کہ مشتری کو کہے کہ یہ چیز میں نے سو دینار میں خریدی ہے حالانکہ نوے دینار میں خریدی ہے اب مشتری یقین کر لے گا کہ یہ سو دینار کی ہے یا سو دینار کے برابر کی ہے جس کی وجہ سے وہ زیادہ کی خرید لے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّبْكِيرِ بِالتِّجَارَةِ

حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الدَّوْرَقِيُّ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ حَدَّثَنَا يَعْلَى بْنُ عَطَاءٍ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ حَدِيدٍ عَنْ صَخْرٍ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا قَالَ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ إِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَهُمْ أَوَّلَ النَّهَارِ فَأَثْرَى وَكَثُرَ مَالُهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَبُرَيْدَةَ وَأَنَسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ حَدِيثُ صَخْرٍ الْغَامِدِيِّ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَلَا نَعْرِفُ لِصَخْرٍ الْغَامِدِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ رَوَى سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ عَطَاءٍ هٰذَا الْحَدِيثَ.

یعقوب بن ابراہیم دورقی، ہشیم، یعلی بن عطاء سے وہ عمارہ بن حدید سے وہ حضرت صخر غامدی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ میری امت میں سے صبح جلدی جانے والوں کو برکت عطا فرما چنانچہ آپ جب کبھی کوئی لشکر روانہ کرتے تو صبح صبح بھیجتے۔ راوی کہتے ہیں کہ صخر بھی تاجر تھے وہ بھی جب تاجروں کو بھیجتے تو شروع دن میں ہی بھیجا کرتے تھے پس وہ امیر ہو گئے اور ان کے پاس مال کی کثرت ہو گئی اس باب میں حضرت علی، بریدہ، ابن مسعود، ابن عمر، انس، ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ صخر غامدی کی روایت حسن ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صخر غامدیؓ کی اس کے علاوہ کوئی روایت ہمارے علم میں نہیں یہ حدیث سفیان ثوری بھی شعبہ سے اور وہ یعلی بن عطاء سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: دن کے شروع حصہ میں تجارت کا معاملہ کرنا باعث برکت ہے اس وقت کاروبار کرنا تجارت یا جہاد کے لئے سفر کرنا مطالعہ کرنا یا کوئی اور کام کرنا برکت کا باعث ہے۔ لیکن ساری دنیا کا نظام الٹا ہے سوائے چند اسلامی ملکوں کے۔ ساری دنیا کا نظام ایک انگریز کے نظام الاوقات کے مطابق چل رہا ہے۔ اسی کے مطابق آفس کھلتے ہیں اس لئے سویرے کام شروع کرنے میں دشواری ہے اور یہ دشواری نیک بندوں کے لئے زیادہ ہے کیونکہ وہ فجر سے پہلے بیدار ہوتے ہیں بلکہ بعض بندے تو تہجد کے وقت اٹھ جاتے ہیں۔ اور پھر فجر کے بعد سونا رزق سے محرومی کا سبب ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا **نوم الصبحة يمنع الرزق**۔ فجر کے بعد سونے سے روزی کم ہو جاتی ہے۔ جن علاقوں میں اسلامی نظام الاوقات ہے وہ صبح نماز کے بعد ہی کاروبار شروع کر دیتے ہیں اور دوپہر کو چھٹی کر کے قیلولہ کرتے ہیں۔ وہاں کسی کے لئے کوئی دشواری نہیں ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنا اتنا دشوار نہیں جتنا غیر اسلامی اصولوں میں دشواری ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي الشِّرَاءِ إِلَى أَجَلٍ

حَدَّثَنَا أَبُو حَفْصٍ عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَخْبَرَنَا عُمَارَةُ بْنُ أَبِي حَفْصَةَ أَخْبَرَنَا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر قطر کے بنے ہوئے دو موٹے کپڑے تھے جب آپ

عِكْرِمَةُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَيْنِ قَطَرِيَّيْنِ غَلِيظَيْنِ فَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا يُرِيدُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِمَالِي أَوْ بِدَرَاهِمِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّي مِنْ أَتْقَاهُمْ لِلّٰهِ وَآدَاهُمْ لِلْأَمَانَةِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ وَأَسْمَاءَ ابْنَةِ يَزِيدَ حَدِيثُ عَائِشَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ أَيْضًا عَنْ عُمَارَةَ بْنِ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ فِرَاسٍ الْبَصْرِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ أَبَا دَاوُدَ الطَّيَالِسِيَّ يَقُولُ سُئِلَ شُعْبَةُ يَوْمًا عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ لَسْتُ أُحَدِّثُكُمْ حَتّٰى تَقُومُوا إِلَى حَرَمِيِّ بْنِ عُمَارَةَ فَتُقَبِّلُوا رَأْسَهُ قَالَ وَحَرَمِيٌّ فِي الْقَوْمِ.

بیٹھتے اور پسینہ آتا تو یہ آپ ؐ کی طبیعت پر گراں گزرتے۔ اسی اثناء میں ایک یہودی کے پاس شام سے قیمتی کپڑا آیا میں نے عرض کیا کہ آپ کسی کو بھیجیں کہ وہ آپ کے لئے اس سے دو کپڑے خرید لائے۔ جب ہمیں سہولت ہوگی ہم ان کی قیمت ادا کردیں گے آپ ؐ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس یہودی نے جواب دیا کہ جانتا ہوں کہ آپ چاہتے ہیں کہ میرا کپڑا اور پیسے دونوں چیزوں پر قبضہ کرلیں۔ آپ ؐ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اسے معلوم ہے کہ میں ان سب سے زیادہ پرہیز گار بھی ہوں اور امانت دار بھی اس باب میں حضرت ابن عباس، انس، اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں حدیث عائشہ حسن صحیح غریب ہے شعبہ بھی اس حدیث کو عمارہ بن ابی حفصہ سے نقل کرتے ہیں محمد بن فراس بصری، ابوداؤد طیالسی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شعبہ سے کسی نے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو وہ فرمانے لگے کہ میں اس حدیث کو اس وقت تک بیان نہیں کروں گا جب تک تم کھڑے ہوکر حرمی بن عمارہ کے سر کا بوسہ نہیں لوگے اور حرمی اس وقت وہاں موجود تھے (اس سے مقصد استاذ زادہ حرمی کی تعظیم ہے کیونکہ شعبہ نے یہ حدیث عمارہ بن ابی حفصہ سے سنی ہے)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ وَعُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ بِعِشْرِينَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، ابن ابی عدی، عثمان بن عمرو سے وہ ہشام بن حسان سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وفات پائی تو آپ ؐ کی زرہ بیس (20) صاع غلے کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی جو آپ ؐ نے اپنے گھر والوں کے لئے قرض لیا تھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتُوَائِيِّ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ ح قَالَ مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَشَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور باسی چربی پیش کی اس وقت آپ ؐ کی زرہ ایک یہودی کے پاس بیس (20) صاع غلے کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی جو آپ ؐ نے اپنے گھر والوں کے لئے لیا تھا حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ میں حضور

وَلَقَدْ رُهِنَ لَهُ دِرْعٌ مَعَ يَهُودِيٍّ بِعِشْرِيْنَ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ أَخَذَهُ لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ ذَاتَ يَوْمٍ يَقُولُ مَا أَمْسٰى فِي آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ تَمْرٍ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ يَوْمَئِذٍ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اقدس کو فرماتے ہوئے سنا کہ آج شام کے وقت تک آل محمد کے پاس غلے یا کھجور میں سے ایک صاع بھی باقی نہیں تھا، اس وقت آپ کے ہاں نو ازواج مطہرات تھیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: **حدیث کا ترجمۃ الباب سے مطابقت:** حدیث الباب میں وسعت ہونے پر قیمت ادا کرنے کی جو بات کہی گئی ہے وہ نقد خریدنا ہے لہٰذا یہ حدیث اس باب کے متعلق نہیں۔

جواب: اگر یہ توجیہ کی جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو مشورہ دیتے وقت لفظ میسرہ استعمال کیا تھا مگر جب آپ نے یہودی سے معاملہ کیا تو ادائے ثمن کے لئے کوئی وقت متعین کیا ہوگا پس یہ ادھار خریدنا ہے تو اس صورت میں حدیث کا باب سے تعلق قائم ہو جائے گا۔

إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ: **سوال:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ تو خوشبودار ہوتا تھا تو پھر یہ طبیعت پر بوجھل کیسے ہو جاتا تھا۔

جواب: ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ دوسروں کے حق میں اطیب ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھل ہو، طبیعت کے خلاف ہو۔

عرف کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں ممکن ہے یسر کا وقت اس زمانہ میں معلوم و معروف ہو مثلاً اموال صدقہ کی آمد کا وقت الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تجویز کے مطابق کپڑے خریدنے کے لئے قاصد کو بھیجا اس یہودی نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہارے پیغمبر کا ارادہ کیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو معلوم ہے کہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں سب سے زیادہ امین میں ہوں لیکن اس نے باوجود جاننے کے محض ضد و عناد کی وجہ سے ایسا کہا۔

ثَوْبَيْنِ قِطْرِيَّيْنِ غَلِيظَيْنِ: قاعدہ کے مطابق اس کو مرفوع ہونا چاہیے۔ کَانَ کا اسم ہونے کی وجہ سے اور یہی نسخہ زیادہ راجح ہے یا یہ بعض لغات کا فرق ہے کہ وہ دونوں طرح پڑھتے ہی قطریین میں اگر ق کا کسرہ پڑھنا ہے تو ط پر سکون ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ فِرَاسٍ الْبَصْرِيَّ: امام ترمذیؒ محمد بن فراس بصری کی سند سے ابوداؤد طیالسی کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ایک مجلس میں تلامذہ نے امام شعبہؒ سے یہ حدیث سنانے کی فرمائش کی، اتفاق سے عمارہ کے لڑکے حرمی بھی مجلس میں موجود تھے۔ امام شعبہؒ نے کہا کہ جب تک سب حرمی کے سر کو بوسہ نہیں دو گے حدیث نہیں سناؤں گا۔ چنانچہ سب نے حرمی کو چوما، تب امام شعبہؒ نے یہ حدیث سنائی، مصری نسخہ میں یہ بھی ہے کہ شعبہ کو یہ حدیث بہت پسند تھی اور عمارہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے صاحبزادہ کی تقبیل کرا کر استاذ کی تعظیم کی۔

وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ: اھالۃ کا کیا معنی ہے، اس میں چار احتمال ہیں ① مطلق چربی ② پگھلائی ہوئی چربی ③ شوربا ④ زیتون کا تیل۔ "سنخۃ متغیر الرائحۃ" یعنی اس کی بو قدر تبدیل ہوگئی۔ باقی یہ کیوں پیش کی؟ ممکن ہے اور کوئی چیز موجود نہ ہو اس لئے صرف اس کو پیش کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بھی عالیہ تھے معمولی چیز بھی دل جوئی کے لئے قبول فرما لیتے تھے۔

باب ما جاء فی کتابۃ الشروط

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ لَيْثٍ صَاحِبُ الْكَرَابِيسِ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَجِيدِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ قَالَ لِي الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ أَلَا أُقْرِئُكَ كِتَابًا كَتَبَهُ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ بَلَى فَأَخْرَجَ لِي كِتَابًا هَذَا مَا اشْتَرَى الْعَدَّاءُ بْنُ خَالِدِ بْنِ هَوْذَةَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْهُ عَبْدًا أَوْ أَمَةً لَا دَاءَ وَلَا غَائِلَةَ وَلَا خِبْثَةَ بَيْعَ الْمُسْلِمِ الْمُسْلِمَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبَّادِ بْنِ لَيْثٍ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ هَذَا الْحَدِيثَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ

محمد بن بشار، عباد بن لیث، عبدالمجید بن وہب سے اور وہ عبدالمجید بن وہب نقل کرتے ہیں کہ حضرت عداء بن خالد بن ہوذہ ؓ نے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسی تحریر نہ پڑھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے تحریر کرائی تھی انہوں نے کہا کیوں نہیں اس پر انہوں نے ایک تحریر نکالی اس پر لکھا تھا یہ اقرار نامہ ہے کہ عداء بن خالد بن حوذہ نے محمد رسول اللہ سے ایک غلام یا ایک لونڈی خریدی جس میں نہ بیماری ہے نہ دھوکہ ہے یہ مسلمان کی مسلمان سے بیع ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عباد بن لیث کی حدیث سے جانتے ہیں ان سے متعدد محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

تشریح: **الْكَرَابِيسِ**: کرباس کی جمع ہے اس کے معنی ہیں سوتی کپڑا، سوتی کپڑے کو بزؔ بھی کہتے ہیں اور اس کے تاجر کو ''بزاز'' کہتے ہیں صاحب الکرابیس سوتی کپڑے کا تاجر ''الغائلۃ'' چوری کا مال۔

شروط: جمع ہے ''شرط'' کی اس کے معنی ہیں وثیقہ دستاویز، کسی امر کا تحریری ثبوت، وہ سند جس سے اپنا حق ثابت کر سکیں۔ امام ترمذیؒ نے معاہدات اور معاملات کو لکھنے اور قید تحریر میں لانے کو بیان کرنے کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔ یعنی جب دو آدمیوں کے درمیان کوئی معاملہ اور کوئی عقد ہو تو اس کو لکھ لینا بہتر ہے۔ اس کی تائید میں یہ حدیث لائے ہیں۔ حضرت عداء بن خالد نے حضرت عبدالمجید بن وہب سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسا خط نہ پڑھواؤں جو مجھے حضور ﷺ نے لکھ کر دیا تھا۔ حضرت عبدالمجید بن وہب نے فرمایا کیوں نہیں ضرور پڑھوائیے انہوں نے وہ خط نکال کر پڑھوایا جس کا ترجمہ ماقبل حدیث کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

اگر معاملہ ادھار کا ہو تو پھر لکھنا ضروری ہے چنانچہ ارشاد باری ہے ''یا ایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ'' (البقرۃ:۲۸۲) اور اگر معاملہ نقدی بھی ہو تو پھر بھی اس کا لکھنا مستحب ہے۔

لَا دَاءَ: اس میں کسی قسم کی بیماری نہیں باطنی جو ظاہراً محسوس نہ ہو۔

وَلَا غَائِلَةَ: اس میں دھوکہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ چوری کیا ہوا مال بیچ دیا ہو۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایسا بھی نہیں کہ اس میں عیوب موجود ہوں اور میں نے تمہیں نہ بتلائے ہوں۔

وَلَا خِبْثَةَ: اس میں خباثت بھی نہیں یعنی اس کا حصول بطریق حرام نہیں کہ کسی قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اور پھر ان پر حملہ کر کے ان کا یہ غلام لوٹ لیا ہو۔

سوال: ترمذی شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری عداء بن خالد ہیں اور بخاری شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جواب اوّل: شراء کا لفظ اضداد کی قبیل سے ہے بخاری شریف کی روایت میں اشتری بمعنی باع کے ہے۔

جواب ثانی: بعض حضرات نے کہا کہ درحقیقت یہ بیع مقایضہ تھی بیع المبتاع بالمبتاع تھی اور بیع مقایضہ میں ہر ایک کو بائع اور مشتری کہہ سکتے ہیں۔

جواب ثالث: بخاری شریف (کتاب البیوع باب ۱۹) کی روایت معلق ہے بغیر سند کے ہے اور ترمذی شریف کی روایت مسند ہے اور جب معلق اور مسند کے درمیان تعارض ہو جائے تو مسند کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا ترمذی شریف کی روایت کو ترجیح ہوگی۔

نیز اس بات سے بھی ترمذی شریف کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے کہ دستاویز عداء خالد بن ہوذہ کے پاس تھی اور دستاویز عرفاً مشتری کے پاس ہوتی ہے۔

سوال: اہل سیر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کسی چیز کو نہیں بیچا۔ حدیث الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچا ہے مگر اسی حدیث بخاری میں تعلیقاً کتاب البیوع باب ۱۹ میں ہے کہ غلام نبی کریمؐ نے خریدا تھا مگر تحریر کا حضرت خالد کے پاس ہونا قرینہ ہے کہ خریدار وہی تھے اور بائع نبی کریمؐ تھے۔

جواب: اہل سیر جو یہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز فروخت نہیں کی اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے اس کا مشغلہ نہیں بنایا جزوی طور پر کوئی چیز بیچ دی ہو تو یہ اس کے منافی نہیں ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمِكْيَالِ وَالْمِيزَانِ

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَعْقُوبَ الطَّالِقَانِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْوَاسِطِيُّ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْكَيْلِ وَالْمِيزَانِ إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ هَلَكَتْ فِيهِ الْأُمَمُ السَّالِفَةُ قَبْلَكُمْ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حُسَيْنِ بْنِ قَيْسٍ وَحُسَيْنُ بْنُ قَيْسٍ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ مَوْقُوفًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

سعید بن یعقوب طالقانی، خالد بن عبداللہ واسطی سے وہ حسین بن قیس سے وہ عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپ تول کرنے والوں سے فرمایا تم ایسے دو کاموں کے نگران بنائے گئے ہو جن میں کمی بیشی کی وجہ سے سابقہ امتیں ہلاک ہوگئیں۔ اس حدیث کو ہم صرف حسین بن قیس کی روایت سے مرفوعاً پہچانتے ہیں حسین بن قیس کی حدیث کو ضعیف کہا گیا ہے یہ حدیث اسی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے موقوفاً بھی منقول ہے۔

تشریح: جن چیزوں کی خرید و فروخت ہوتی ہے ان کو بیچنے کی دو صورتیں ہیں یا تو ناپ کر بیچی جاتی ہیں یا تول کر اکثر چیزیں تول کر بیچی جاتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زیادہ تر چیزیں ناپ کر بیچی جاتی تھیں اس وقت تاجروں پر یہ بات فرض ہے کہ وہ ناپ تول میں انصاف سے کام لیں اس میں کمی کرنا سخت گناہ ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اسی وجہ سے ہلاک ہوئی کہ وہ

ناپ تول میں انصاف سے کام نہیں لیتے تھے۔ **إِنَّكُمْ قَدْ وُلِّيتُمْ أَمْرَيْنِ:** سوال: امرین تثنیہ کا صیغہ ہے اس کا مصداق کیل اور وزن ہے آگے ''هلكت فيه'' میں ''ہ'' ضمیر مفرد ہے جب کہ ''فیھما'' ہونا چاہیے تھا تو یہ قاعدہ کے خلاف ہے؟

جواب: ضمیر کو مفرد لایا گیا ''بتاویل کل واحدٍ منهما'' کے باعث۔

سوال: تثنیہ سے عدول کا کیا فائدہ ہے؟ جواب: اگر ''فیھما'' کہا جاتا تو اس میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ دونوں کا مجموعہ ہلاکت کا سبب ہے تنہا ایک چیز ہلاکت کا سبب نہیں ہے حالانکہ تنہا کیل میں کمی بھی ہلاکت کا سبب ہے اور تنہاء وزن میں کمی بھی ہلاکت کا سبب ہے اور امم سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے باقی کثرت کی وجہ سے امم جمع کا صیغہ لائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ مَنْ يَزِيدُ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ شُمَيْطِ بْنِ عَجْلَانَ حَدَّثَنَا الْأَخْضَرُ بْنُ عَجْلَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ الْحَنَفِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِي هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ أَخَذْتُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ فَأَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْأَخْضَرِ بْنِ عَجْلَانَ وَعَبْدُ اللهِ الْحَنَفِيُّ الَّذِي رَوَى عَنْ أَنَسٍ هُوَ أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِبَيْعِ مَنْ يَزِيدُ فِي الْغَنَائِمِ وَالْمَوَارِيثِ وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيثَ الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَنِ الْأَخْضَرِ بْنِ عَجْلَانَ

حمید بن مسعدہ، عبید اللہ بن شمیط بن عجلان، اخضر بن عجلان سے وہ عبداللہ حنفی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چادر اور ایک پیالہ بیچنے کا ارادہ کیا تو فرمایا یہ چادر اور پیالہ کون خریدے گا؟ ایک شخص نے عرض کیا میں انہیں ایک درہم میں خریدتا ہوں آپ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا تو ایک شخص نے دو درہم دے دیئے اس طرح آپ نے یہ دونوں چیزیں اسے دو درہم کے عوض دیدیں یہ حدیث حسن ہے ہم اسے صرف اخضر بن عجلان کی روایت سے پہچانتے ہیں عبداللہ حنفی جو یہ حدیث انس سے نقل کرتے ہیں وہ ابوبکر حنفی ہیں بعض اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ غنیمت اور وراثت کے مال کو نیلام کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ حدیث معتمر بن سلیمان اور دیگر کئی بڑے راوی بھی اخضر بن عجلان سے نقل کرتے ہیں۔

تشریح: حدیث میں بیع من یزید کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے مسئلہ سے پہلے واقعہ ملاحظہ کریں ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دست سوال دراز کیا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے کچھ عنایت کر دیں تا کہ وہ اپنی ضرورت کو پورا کر سکے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہے اس نے عرض کیا کہ جی نہیں میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے ہاں ایک ٹاٹ کا ٹکڑا اور ایک پیالہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو بیع من یزید کے ساتھ فروخت کر دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ

ﷺ نے اس کو کلہاڑی لیکر دی اور اپنے ہاتھوں سے اس کو دستہ لگا کر دیا اور فرمایا جاؤ دس یا پندرہ دن میں آپ کو نہ دیکھوں تم لکڑیاں کاٹتے رہو اور بیچتے رہو چنانچہ وہ شخص اتنی مدت کے بعد آپ ﷺ کے پاس آیا اس کے پاس دراہم تھے آپ ﷺ نے اس کے دراہم اس کے خرچ میں استعمال کر دیئے۔

سوال: آپ ﷺ نے ''سوم علی سوم اخیه'' سے منع کیا ہے جبکہ یہاں بھی وہی صورت ہے کہ ایک آدمی کے سودے پر دوسرا سودا کیا جا رہا ہے جو کہ جائز نہیں یہاں کس طرح جائز ہو گیا؟ **جواب:** یہاں وہ صورت نہیں جس کی ممانعت حدیث میں آئی ہے بلکہ یہاں ابتداء سے بائع اس ارادہ سے مال پیش کرتا ہے کہ جو شخص زیادہ قیمت دے گا اس کو دوں گا یہاں کسی ایک سے بات نہیں بلکہ پورے مجمع کے سامنے مبیع رکھ کر زیادہ قیمت دینے والے کے ساتھ معاملہ ہے جس کو بیع المزایدۃ اور بیع من یزید کہتے ہیں۔

مسئلہ اولیٰ: بیع من یزید کا کیا حکم ہے۔ اس کے جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: فقہاء متقدمین میں سے ابراہیم نخعیؒ کا قول یہ ہے کہ نیلام مطلقاً ناجائز ہے۔ **قول ثانی:** جمہور ائمہؒ اور ائمہ اربعہؒ کے نزدیک نیلام مطلقاً جائز ہے۔

قول اوّل کی دلیل: ترمذی شریف میں اور مشکوٰۃ شریف میں کہ ''نهى رسول الله ﷺ عن السوم على سوم اخيه'' یعنی اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنے سے منع فرمایا اور نیلام کے اندر بھی یہی صورت ہوتی ہے کہ دو آدمی بھاؤ طے کر رہے ہوتے ہیں تو تیسرا شخص آ کر دام لگاتا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ **جواب:** ماقبل سوال و جواب کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

جمہور ائمہؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے بیع من یزید کر کے ان کا پیالہ اور ٹاٹ اچھے داموں میں فروخت کر دیا۔

مسئلہ ثانیہ: کون کون سے اموال میں نیلام جائز ہے۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: بعض فقہاء کے نزدیک صرف مال غنیمت اور مال میراث میں نیلام جائز ہے اس کے علاوہ اموال میں جائز نہیں ہے۔

قول ثانی: جمہور فقہاء کے نزدیک کسی مال کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

قول اوّل کی دلیل اوّل: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں کہیں حضور ﷺ کا نیلام کرنا منقول ہے وہ غنائم اور مواریث ہی میں منقول ہے دوسرے اموال میں منقول نہیں ہے۔ اس لئے دوسرے اموال میں نیلام جائز نہیں ہے۔

جواب اوّل: ایک تو حدیث الباب اس کے خلاف حجت ہے اس لئے کہ اس میں جن چیزوں کا آپ ﷺ نے نیلام کیا تھا وہ نہ تو مال میراث تھا اور نہ مال غنیمت تھا۔ **جواب ثانی:** اگر آپ ﷺ کا نیلام کرنا صرف غنائم اور مواریث ہی میں ثابت ہو تب بھی غنائم اور مواریث کی خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہیں کیونکہ فقہ کا مسلمہ اصول ہے ''**العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب**''۔ اس لئے نیلام ہر قسم کے اموال میں جائز ہو گا۔

دلیل ثانی: دارقطنی میں ایک حدیث شریف ہے ''**نهى رسول الله ﷺ عن بيع من يزيد الا فى غنائم والمواريث**'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مال کے علاوہ میں نیلامی جائز نہیں۔

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اگر اس کو صحیح مان لیں تب بھی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نیلام عموماً انہی دو چیزوں میں ہوتا ہے یہ مطلب نہیں کہ دوسری چیزوں میں نیلام ممنوع ہے۔

جمہور حضراتؒ کی دلیل: یہی حدیث باب ہے کہ آپ ﷺ نے ان دو اشیاء کی نیلامی کروائی نہ یہ مال غنیمت کے تھے اور نہ مواریث سے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری احادیث اسی پر دال ہیں کہ نیلامی مطلقاً جائز ہے۔

باب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ دَبَّرَ غُلَامًا لَهُ فَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ مَالًا غَيْرَهُ فَبَاعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ النَّحَّامِ قَالَ جَابِرٌ عَبْدًا قِبْطِيًّا مَاتَ عَامَ الْأَوَّلِ فِي إِمَارَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ . هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِبَيْعِ الْمُدَبَّرِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ بَيْعَ الْمُدَبَّرِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمَالِكٍ وَالْأَوْزَاعِيِّ .

ابن عمر، سفیان بن عیینہ سے وہ عمرو بن دینار سے وہ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام سے کہا تو میری موت کے بعد آزاد ہے (ایسے غلام کو مدبر کہا جاتا ہے) پھر وہ آدمی فوت ہو گیا اور اس نے اس غلام کے علاوہ ترکے میں کچھ نہیں چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلام کو نعیم بن نحام کے ہاتھوں بیچ دیا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ قبطی تھا اور ابن زبیرؓ کی امارت کے پہلے سال فوت ہوا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حضرت جابرؓ سے ہی منقول ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مدبر کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں امام شافعی، احمد، اسحاق، کا بھی یہی قول ہے۔ سفیان ثوریؒ، مالکؒ، اوزاعیؒ اور بعض علماء کے نزدیک مدبر کی بیع مکروہ ہے۔

تشریح: مدبر کی تعریف: یعنی مولیٰ کا اپنے غلام کی آزادی کو اپنی موت کے ساتھ معلق کر دینا۔ مثلاً یہ کہنا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے اس کو مدبر کہا جاتا ہے۔

مدبر کی اقسام: ① مدبر مطلق: کہ مطلق موت کی طرف منسوب کر کے آزاد کرنا کسی مرض یا کسی سفر کے ساتھ مقید نہ کرنا۔ مثلاً یوں کہے "اذامت فانت حر" ② مدبر مقید: کہ غلام کی آزادی کو کسی مرض یا سفر کے ساتھ مقید کرنا مثلاً یوں کہے "اذامت فی هذا المرض اوفی هذا السفر فانت حر" اس میں سب کا اتفاق ہے کہ مدبر مقید کا بیچنا جائز ہے اختلاف مدبر مطلق کے بارے میں ہے۔

مسئلہ: مطلق مدبر کی بیع کا کیا حکم ہے؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں اور یہی کبار صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کا مسلک ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل اوّل: انہوں نے حضرت عمر، حضرت عثمان، ابن مسعود، اور ابن عمر وغیر ہم اور کثیر صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ سے

آثار نقل کئے ہیں چنانچہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''لولا قول هولاء الاجلة لقلت بجواز المدبر''۔

دلیل ثانی: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے ''قال علیہ السلام المدبر لا يباع ولا يوهب وهو حر من ثلث المال'' اور یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس مسئلہ میں موقوف حکما مرفوع ہوتا ہے لہٰذا اس کے قابل حجت ہونے میں کوئی شائبہ نہیں

فریق مخالف کی دلیل: یہی مذکورہ حدیث الباب ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے مدبر مطلق کو بیع دیا۔

جواب اوّل: اس مدبر سے مراد مقید ہے اور اس کی بیع ہمارے نزدیک بھی جائز ہے

جواب ثانی: یہ بیع نہیں تھی بلکہ اجارہ تھا اور بعض روایات میں اس کی تصریح ہے کہ اس مدبر کو اجارہ پر دیا تھا اور ایسا کرنا جائز ہے

جواب ثالث: بعض نے یہ جواب دیا کہ مدبر کی بیع ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں منسوخ ہوگئی

جواب رابع: حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کی تدبیر کو ختم کر کے بیع کی اور یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی۔

جواب خامس: حدیث جابر فعلی ہے اور حدیث ابن عمر قولی ہے۔ اور جب قولی اور فعلی میں تعارض ہو جائے تو ترجیح قولی حدیث کو ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابن عمرؓ کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب سادس: حدیث ابن عمرؓ محرم ہے مدبر مطلق کی بیع کے لئے اور حدیث جابرؓ مبیح ہے۔

جواب سابع: احناف جو یہ کہتے ہیں کہ مدبر مطلق کی بیع جائز نہیں یہ تب ہے کہ جب قضاء قاضی کا انضمام نہ ہو اور جب قضاء قاضی کا انضمام ہو جائے تو احناف کے ہاں بھی بیع نافذ ہو جاتی ہے۔ اور یہاں بائع نبی کریم ﷺ ہیں اور ظاہر ہے کہ نبی کریم کا بیع کرنا یہ بطور قضاء کے تھا۔

سوال: اس حدیث میں تو ہے کہ مولیٰ کے مرنے کے بعد غلام کو بیچا اور مولیٰ کے مرنے کے بعد تو بالاجماع وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ بیع جائز نہیں ہوتی پھر رسول اللہ ﷺ نے کیسے فروخت کر دیا۔

جواب: صحیحین کی جتنی بھی روایات ہیں وہ سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ بیع مولیٰ کی زندگی میں ہوئی ہے اور ترمذی شریف کی روایت میں جو ''فمات'' کا لفظ ہے یہ سفیان بن عیینہ کا وہم ہے۔ لہٰذا شوافع جو کہتے ہیں کہ ہمارا استدلال تام ہے تو ان کے جوابات اوپر گزر چکے ہیں۔

حدیث کے الفاظ میں ''فاشتراه نعيم بن النحام'' ہے بعض حضرات نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام نحام ہے۔ اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا وہاں نعیم کی نحمہ (یعنی کھانسنے کی آواز) سنی اس وجہ سے انہیں ''نحام'' کہا جانے لگا۔ وگرنہ ان کے والد کا نام عبداللہ ہے حضرت نعیم مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے اور صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مدینہ ہجرت کی تھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ خاندان کے چالیس افراد بھی شامل تھے آپ رضی اللہ عنہ شام کی سرزمین میں ایک غزوہ میں شہید ہوئے (مرقاۃ)

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ تَلَقِّي الْبُيُوعِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ ابْنِ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلہ بیچنے والے قافلوں سے شہر سے

مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰى عَنْ تَلَقِّي الْبُيُوْعِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ وَ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ الرَّقِّيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو عَنْ أَيُّوبَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ فَإِنْ تَلَقَّاهُ إِنْسَانٌ فَابْتَاعَهُ فَصَاحِبُ السِّلْعَةِ فِيهَا بِالْخِيَارِ إِذَا وَرَدَ السُّوقَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَيُّوبَ وَحَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ تَلَقِّي الْبُيُوعِ وَهُوَ ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيعَةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَصْحَابِنَا.

باہر خرید وفروخت کرنے سے منع فرمایا (جب تک کہ وہ شہر کے اندر آ کر خود نہ فروخت کریں) اس باب میں حضرت علی، ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید، ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ایک دوسرے صحابی سے بھی روایت منقول ہے۔

سلمہ بن شبیب، عبداللہ بن جعفر رقی، عبیداللہ بن عمرو سے وہ ایوب سے وہ محمد بن سیرین سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غلہ بیچنے والے قافلے سے شہر کے باہر جا کر ملنے سے منع فرمایا اور اگر کوئی شخص ان سے کچھ خریدے تو شہر میں داخل ہونے کے بعد غلے والوں کو اختیار ہے۔ یہ حدیث ایوب کی روایت سے حسن غریب ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کی ایک جماعت نے شہر سے باہر جا کر تجارتی قافلے سے ملاقات کو مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکہ ہے امام شافعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔

تشریح: **قوله نَهٰى أَنْ يُتَلَقَّى الْجَلَبُ:** اس کو تلقی جلب کہتے ہیں۔ تلقی ملاقات کو کہتے ہیں اور رکبان قافلہ کو کہتے ہیں یعنی خرید وفروخت کی غرض سے شہر سے باہر جا کر قافلہ سے ملاقات کرنا۔ اس کو تلقی السلع تلقی الجلب، تلقی بیوع بھی کہتے ہیں۔

المسئلہ اولیٰ: تلقی جلب کی تفصیل: **تلقی جلب:** باہر سے کوئی تجارتی قافلہ مال لیکر آ رہا ہو تو دوسرا آدمی اس کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس سے ملاقات کر کے وہ سامان تجارت اس سے خرید لے اس کو تلقی البیوع بھی کہتے ہیں۔ یہ دو وجوہ سے درست نہیں ہے۔ ① ضرر ② غرر۔

ضرر کی یہ صورت ہے کہ جو شخص باہر جا کر آنے والے تاجر سے سامان خرید لے گا وہ تنہا اس سامان کا مالک اور اجارہ دار بن جائے گا پہلے وہ اس سامان کی ذخیرہ اندوزی کرے گا اور جب اس سامان کی قیمت زیادہ ہو جائے گی اس وقت وہ اپنی مرضی سے اور من مانی قیمت پر بازار میں فروخت کریگا جس کے نتیجے میں مہنگائی ہو جائے گی اور لوگ اسی قیمت پر لینے پر مجبور ہو جائیں گے اس کے برخلاف اگر باہر کے تاجر خود آ کر وہ سامان تجارت بازار میں بیچیں گے تو سب کو وہ سامان سستے داموں مل جائے اور اس سے غریب کو فائدہ حاصل ہوگا۔

اور غرر کی یہ صورت ہے جو لوگ اکثر وبیشتر شہر سے باہر تاجروں سے سامان لیتے ہیں وہ اکثر دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ قافلہ والوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ شہر میں اس چیز کی کیا قیمت ہے مثال کے طور پر شہر میں ایک کلو چینی کی قیمت پچاس روپیہ ہے تو باہر قافلہ والوں کو وہ بہت کم بتائیں گے جس کی وجہ سے قافلہ والے انکو بہت کم ریٹ پر دینے کو تیار ہو جائینگے تو اس طرح شہر سے باہر خریدنے

والوں سے قافلہ والوں کو دھوکہ ہوسکتا ہے۔ان دونوں صورتوں کا کیا حکم ہے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایسی بیع اس نہی کی وجہ سے مطلقاً مکروہ ہے ہاں اگر وہ تجارتی قافلہ شہر میں آکر دیکھ لے کہ اس کا دام زیادہ ہے تو بیع فسخ کر لے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اہل بلد کو نقصان نہ ہو تو یہ بیع بلا کراہت درست ہے اور اگر نقصان ہو تو مکروہ ہے البتہ بائع کو خیار فسخ حاصل نہیں ہوگا۔

ہمارے نزدیک خیار مغبون حاصل نہیں ہوتا یعنی اگر کوئی شخص کوئی چیز کسی کو دھوکہ دے کر لے تو ایسی صورت میں دوسرے شخص کو خیار فسخ حاصل نہیں ہوتا اور عقد کے اندر اصل یہ ہے کہ وہ لازمی ہو اور خیار ہونا ایک عارض ہے۔لہٰذا مثبت خیار کو دلیل کی ضرورت ہے نافی خیار کو دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔اور چونکہ غلطی بائع کی ہے اس لئے بائع ہی اس غلطی کو بھگتے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔

المسئلة الثانية: اگر غبن فاحش کے ساتھ غلہ خرید لیا ہو تو اس صورت میں شہر میں آنے کے بعد قافلہ والوں کو بیع فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کو بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔الّا یہ کہ شہری مشتری راضی ہو جائے اس صورت میں اس کو اقالہ کہیں گے اگر وہ راضی نہ ہو تو حق نہیں ہوگا۔

قول ثانی: امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ قاضی کی طرف رجوع کر کے بیع فسخ کر سکتے ہیں۔

احناف کی دلیل: احناف فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے نقصان ہوا ہے۔لیکن اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہوا ہے تم نے ایسی بے وقوفی کیوں کی کہ شہر آنے سے پہلے ہی سامان بیچ دیا۔اس لئے چاہیے تھا کہ پہلے تم بازار میں اس کا بھاؤ پوچھتے اس کے بعد اپنا غلہ فروخت کرتے۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آگے آرہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تلقی جلب سے منع فرمایا آخر میں ہے "فصاحب السلعة فيها بالخيار اذا ورد السوق"۔

جواب اوّل: ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو فسخ کا حق حاصل ہوگا لیکن دیانۃً، مروتاً، اخلاقاً اور ہم احناف جو کہتے ہیں کہ فسخ کا حق حاصل نہیں ہوگا وہ قضاءً ہے۔

جواب ثانی: یہاں ایک قید معتبر ہے "فهو بالخيار اي بشرط رضاء المشتري"۔

روایات میں تعارض: اس حدیث کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے ساتھ تعارض ہے جو کہ بخاری شریف میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں "كنا نتلقى الركبان ونشتري منهم الطعام" آگے ہے نبی کریم ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا کہ جہاں اس غلہ کو خریدا ہے وہاں اس کو فروخت کریں بلکہ فرمایا شہر میں آکر فروخت کرو۔یہاں تلقی رکبان سے تو منع نہیں فرمایا تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تلقی رکبان جائز ہے۔

جواب اوّل: یہ نہی والی حدیث معلول بالعلۃ ہے احد الامرین کے ساتھ اور حدیث ابن عمرؓ سے جو اباحت معلوم ہوتی ہے یہ اس وقت ہے جب ضرر اور غرر نہ ہو۔

تلقی کی دو اقسام ہیں۔ خارج البلد و داخل البلد تو احادیث نہی محمول ہیں اس صورت پر کہ جب تلقی خارج البلد ہو اور احادیث اباحت اسی صورت پر محمول ہیں کہ جب تلقی داخل البلد ہو۔

بَابُ مَا جَاءَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ طَلْحَةَ وَجَابِرٍ وَأَنَسٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَحَكِيمِ بْنِ أَبِي يَزِيدَ عَنْ أَبِيهِ وَعَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ جَدِّ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قتیبہ، احمد بن منیع، سفیان بن عیینہ، زہری، سعید بن مسیب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قتیبہ کہتے ہیں کہ وہ یہ حدیث رسول اللہ تک پہنچاتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کوئی شہری، دیہاتی کیلئے کوئی چیز نہ بیچے۔ اس باب میں حضرت طلحہ، انس، جابر، ابن عباس اور حکیم بن ابی زید عن ابیہ، کثیر بن عبداللہ کے دادا عمرو بن عوف مزنی اور ایک صحابی سے بھی روایات منقول ہیں۔

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقُ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ جَابِرٍ فِي هَذَا هُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ أَيْضًا وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِي أَنْ يَشْتَرِيَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُكْرَهُ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَإِنْ بَاعَ فَالْبَيْعُ جَائِزٌ

نصر بن علی، احمد بن منیع، سفیان بن عیینہ، ابوزبیر، حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہری، دیہاتی کا سودا نہ بیچے لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ اللہ بعض کو بعض کے ذریعے رزق پہنچائے۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے حدیث جابرؓ بھی حسن صحیح ہے بعض علماء وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ شہری دیہاتی کی چیزیں فروخت نہ کرے بعض اہل علم نے ان کی اجازت دی ہے کہ شہری دیہاتی سے مال خرید لے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے کوئی شہری دیہاتی کی چیزیں فروخت کرے لیکن اگر ایسا کیا تو بیع جائز ہے۔

تشریح: وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ: "حاضر" کے معنی شہری آدمی اور "باد" سے مراد دیہاتی ہے اس کی دو صورتیں ہیں کہ دیہاتی شخص مال لیکر شہر جارہا تھا کہ یہ سامان آج کے بھاؤ پر بک جائیگا تو شہر میں ایک شخص نے اس سے سارا مال لیکر

اپنے پاس رکھ لیا اب وہ آہستہ آہستہ مہنگا کر کے فروخت کریگا اس صورت میں ''لباد'' کا لام توکیل کیلئے ہوگا اگر اس بیع سے اہل شہر کو نقصان ہو تو یہ ناجائز ہے اگر نقصان نہ ہو تو یہ جائز ہے دوسرا یہ کہ ''لباد کا لام من'' کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل شہر کی ضرورت ہوتے ہوئے بدوی آدمی کو مال نہ بیچو اگر شہر والوں کو نقصان نہ ہو تو پھر یہ درست ہے۔ یہی تعریف صاحب ہدایہ نے بھی کی ہے اس صورت میں ممانعت تب ہوگی کہ شہر والوں کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ اس بیع کا کیا حکم ہے جمہور حضرات کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے لیکن اگر کسی نے اس طرح عمل کیا تو بیع ہو جائیگی البتہ آدمی گناہگار ہوگا مگر اہل ظواہر اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ بیع باطل ہوگی اور فسخ کرنا ضروری ہے۔

شارح مسلم نے اس حدیث کی شرح اس انداز سے کی ہے: **بیع الحاضر للبادی کی تفسیر:** اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔

(۱) شہری دوکاندار یہ التزام کرلے کہ میں صرف دیہاتی گاہک کو چیزیں فروخت کروں گا۔

(۲) شہری کا دلال بن کر دیہاتی کے سامان کو فروخت کرنا۔ پہلی صورت میں شہری خود بائع ہے دوسری صورت میں شہری سامان کا مالک نہیں بلکہ دیہاتی مالک ہے اور شہری دلال ہے یہ دوسری تفسیر زیادہ راجح ہے احادیث کے الفاظ سے یہی صورت واضح ہوتی ہے۔

مسئلہ: بیع الحاضر للبادی کا حکم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نہی کا محمل وہ صورت ہے جب شہری کے دلال بننے سے شہریوں کا نقصان ہوتا ہو۔ اگر شہریوں کو نقصان نہ ہو تو پھر یہ صورت جائز ہے یعنی یہ حکم معلول بالعلۃ ہے اور اس کے معلول بالعلۃ ہونے کے دلائل یہ ہیں۔

دلیل اول: ''دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض''۔ (مسلم ج ۲ ص ۴) میں ہے اس سے اشارہ ہے کہ درمیان میں واسطہ نہ بنا جائے یعنی طلب اور رسد کا براہ راست ٹکراؤ ہو۔ معاشیات میں طلب اور رسد کو بھی بڑی اہمیت دی جاتی ہے اور اس حدیث مبارکہ میں بھی اس کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کیونکہ جتنے واسطے کم ہوں گے قیمتوں میں اعتدال رہے گا۔

دلیل ثانی: حضرت سعید بن منصورؒ حضرت مجاہدؒ سے روایت کرتے ہیں: قال انما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان یبیع حاضر للبادی لانہ اراد ان یصیب المسلمون غرتھم فاما الیوم فلا باس بہ''۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۳۱۱)

معلوم ہوا کہ جب شہریوں کا نقصان نہ ہو تو واسطہ اور دلال بننے میں حرج نہیں۔

دلیل نمبر (۳): مُصنّف عبد الرزاق میں ہے: ''عن الشعبی قال کان المھاجرون یکرھون ذلک یعنی یبیع حاضر لباد وانا لنفعلہ''۔ (ج ۸ ص ۲۰۰)

دلیل رابع: مصنف عبد الرزاق میں ہے ''عن مجاھد انہ کان لا یری بہ باسا ان یبیع حاضر لباد فھؤلاء مجاھد و شعبی وعطاء لم یکونوا لیخالفوا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وانما عللوا انھا بعلۃ کلما زالت ارتفع المانع''۔

(مصنف عبد الرزاق باب لا یبیع حاضر لباد)

آڑھت کے کام کا حکم: آج کل چونکہ شہریوں کا آڑھت میں ضرر نہیں سمجھا جاتا اس لیے آڑھت کا کام جائز ہے جبکہ صحیح طریقے سے کیا جائے ہاں البتہ مستقل پیشہ اختیار کرنا بہتر نہیں ظاہر ہے حدیث کی وجہ سے۔

فائدہ: شوافع وحنابلہ کے نزدیک بیع الحاضر للبادی جائز نہیں اس کے عدم جواز کی چند شرائط ہیں:

(۱) شہری دلالی کے لیے اپنے آپ کو خود پیش کرے۔ (۲) دیہاتی کو ریٹ معلوم نہ ہو۔
(۳) دیہاتی سامان فروخت کرنے کے لیے لایا ہو۔ (۴) وہ دیہاتی اسی دن اپنا سامان فروخت کرنا چاہتا ہو۔
(۵) لوگوں کو اس سامان کی حاجت ہو اور تاخیر بیع کی وجہ سے لوگوں کو تنگی لاحق ہو۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْإِسْكَنْدَرَانِيُّ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ. وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَسَعْدٍ وَجَابِرٍ وَرَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَأَبِي سَعِيدٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْمُحَاقَلَةُ بَيْعُ الزَّرْعِ بِالْحِنْطَةِ وَالْمُزَابَنَةُ بَيْعُ الثَّمَرِ عَلَى رُءُوسِ النَّخْلِ بِالتَّمْرِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا بَيْعَ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّ زَيْدًا أَبَا عَيَّاشٍ سَأَلَ سَعْدًا عَنِ الْبَيْضَاءِ بِالسُّلْتِ فَقَالَ أَيُّهُمَا أَفْضَلُ قَالَ الْبَيْضَاءُ فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ وَقَالَ سَعْدٌ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنِ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ قَالُوا نَعَمْ فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مَالِكٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ زَيْدٍ أَبِي عَيَّاشٍ قَالَ سَأَلْنَا سَعْدًا فَذَكَرَ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَصْحَابِنَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، زید بن ثابت، سعد، جابر، رافع بن خدیج، ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث حسن صحیح ہے۔ محاقلہ کہتے ہیں کھڑی کھیتی کو ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا۔ مزابنہ کہتے ہیں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس غلہ کے عوض فروخت کرنا۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ بیع محاقلہ اور مزابنہ مکروہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ زید ابوعیاش نے حضرت سعدؓ سے گیہوں کے جو کے عوض خریدنے کے بارے میں پوچھا سعد نے کہا کہ ان دونوں میں سے افضل کون سی چیز ہے زید نے کہا گندم۔ پس انہوں نے منع کر دیا اور فرمایا میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے سنا کہ خشک کھجوروں کو تازہ کھجوروں کے عوض خریدنے کا کیا حکم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے پوچھا کہ جب تازہ کھجوریں پکتی ہیں تو کیا وزن میں کم ہو جاتی ہیں انہوں نے کہا جی ہاں پس آپؐ نے منع فرمایا۔ ہناد، وکیع، مالک کی سند سے روایت ہے عبداللہ بن یزید، زید ابی عیاش، سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سعدؓ سے پوچھا پھر اسی حدیث کی مانند حدیث ذکر کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ اور ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔

تشریح: اس باب میں چند مسائل کا بیان ہوگا۔ مسائل سے قبل چند اصطلاحات کی تعریفات کو جان لیں۔

① محاقلہ: کھڑی کھیتی کو مثلاً گیہوں کو ہم جنس غلہ کے عوض بیچنا آسان تعریف یہ ہے کہ گندم کے سٹوں کی بیع گندم کے نکلے ہوئے دانوں کے بدلے میں کرنا۔ چونکہ اس میں سود کا احتمال ہے اس لئے ممنوع ہے۔

② مزابنہ: زبن سے مشتق ہے بمعنی دور کرنا: اصطلاح میں درخت پر لگے ہوئے پھلوں کو ہم جنس اترے ہوئے پھلوں کے عوض بیچنا ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ یہ دونوں جائز نہیں کیونکہ ان میں سود کا احتمال ہے کیونکہ کھڑی کھیتی کا اور درخت پر لگے ہوئے پھلوں کا صحیح اندازہ ممکن نہیں اور ان میں کمی بیشی ہوجاتی ہے اس وجہ سے یہ بیوع ممنوع ہیں۔ آگے اختلافی مسئلہ دیکھ لیں۔

مسئلہ: بیع مزابنہ جائز ہے یا نہیں: اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک یہ پانچ وسق سے کم میں جائز ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔

امام شافعیؒ کی دلیل: آپ ﷺ نے عرایا کی رخصت دی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کے زمانے میں کچھ لوگ فقیر ہوا کرتے تھے جن کے پاس دینار و درہم نہ تھے لیکن تازہ کھجور کھانے کی رغبت رکھتے تھے تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس شکایت کی تو آپ ﷺ نے خشک کھجوریں دے کر اندازہ کر کے تازہ کھجوریں خریدنے کے لئے ان کو اجازت دیدی چونکہ پانچ وسق میں ان کی یہ حاجت پوری ہوجاتی ہے اس لئے اس کو خاص طور پر ذکر کیا۔

قولہٗ فرق: یہ ایک پیمانہ کا نام ہے جس میں سولہ رطل آٹھ سیر غلہ آتا ہے۔

بیع البیضاء بالسلت کی تعریف: بیضاء کے معنی ہیں گندم اور سلت کے معنی ہیں بغیر چھلکوں کے جَو اس کو موجودہ زمانہ میں پیغمبری جو کہتے ہیں تعریف یہ ہوئی کہ گندم کو جَو کے بدلے میں فروخت کرنا یا جو کو گندم کے بدلے میں فروخت کرنا۔

حکم: اگر یداً بید اہو تو بالاجماع جائز ہے اور اگر نسیۃً ہو تو پھر عندالاحناف لایجوز۔

مسئلہ: سلت اور گندم کو باہم کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ یہ دو جنسیں ہیں یا ایک جنس اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک دونوں ایک جنس ہیں اس لئے ان میں کمی بیشی جائز نہیں، مساوات ضروری ہے۔ ان کی دلیل حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک تفاضل جائز ہے کیونکہ یہ دونوں الگ الگ جنس ہیں۔

جمہور حضرات نے حدیث کے راوی زید ابوعیاش کی جہالت کی وجہ سے اس حدیث کو نہیں لیا۔

مسئلہ ثانیہ: بیع الرطب بالتمر جائز ہے یا نہیں؟ اس میں جمہور ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ اور صاحبینؒ کے نزدیک تمر کو رطب کے عوض فروخت کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر تمر کو رطب کے عوض کیلاً برابر کر کے فروخت کیا جائے مثلاً آپ نے ایک صاع کے اندر خشک کھجور بھر دی اور پھر دوسرے صاع میں رطب کھجور بھر دی تو اس صورت میں رطب کھجور زیادہ آئے گی وہ نقصان میں رہے گا۔ اس لئے کہ چند روز کے بعد وہ رطب کھجور خشک ہو کر کم ہوجائے گی اور جس کے حصہ میں تمر آئے گی اس کا کوئی نقصان نہیں ہوا کیونکہ خشک کھجور جیسے تھی ویسے ہی رہی۔

بعد میں دونوں کے درمیان تفاضل ہو جائے گا اور تفاضل کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں۔

اگر آپس میں تبادلہ کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ کیا جائے مثلاً رطب ایک کلو دی جائے اور تمر تین پاؤ دیے جائیں تا کہ خشک ہونے کے بعد دونوں برابر ہو جائیں تو یہ صورت بھی جائز نہیں اس لئے کہ عقد کے وقت ہی دونوں کے درمیان آپس میں تفاضل پایا جا رہا ہے۔ اور تفاضل کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تمر کو رطب کے عوض فروخت کرنا تماثل کے ساتھ جائز ہے تفاضل کے ساتھ جائز نہیں۔

ائمہ ثلاثہ نے جو دلیل دی ہے کہ اگر فی الحال مساوات کے ساتھ بیچا جائے تو بعد میں تفاضل آ ہی جائے گا۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار عقد کے وقت تو ہے بعد میں پیدا ہونے والی کمی زیادتی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر اس اصول کو سامنے رکھا جائے تو کہا جائے گا کہ پھر تو ایک سال کے بعد بھی اگر تفاضل نظر آ گیا ہو تو پھر بھی بیع جائز نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: بیوع میں ایک شرعی قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ کسی وصف زائد کا اعتبار نہیں ہوتا اور کھجور کا خشک و تر ہونا یہ ایک وصف ہے اور اس کا اعتبار نہیں۔ حدیث میں آتا ہے ''جیدھا وردیھا سواء'' لہٰذا اس میں مساوات ضروری نہیں۔

دلیل ثانی: ''عن سعد بن ابي وقاص ص ان رسول انھی عن بیع الرطب بالتمر نسیئة'' اور اس کے علاوہ آیت ''احل اللہ البیع'' کہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا جن بیوع کی نصوص کے ذریعے ممانعت کی گئی ہے وہ ناجائز ہوں گی اور بقیہ جواز کے تحت درست ہونگی۔

دلیل ثالث: رطب دو حال سے خالی نہیں یا تو رطب تمر ہے یا تمر نہیں ہے اگر رطب تمر ہے تو جنس ایک ہوئی لہٰذا حدیث عبادہ بن صامت کے ابتدائی حصہ کا مقتضی یہ ہے کہ یہ جائز ہو جیسے ''التمر بالتمر والفضل ربوا'' اور اگر رطب تمر نہیں ہے تو پھر یہ جنسین مختلفین ہوئے تو حدیث عبادہ بن صامتؓ کا آخری حصہ ''اذا اختلف الاصناف فبیعوا کیف شئتم'' یہ اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بیع یدا بید ہو تو عدم جو ۔ز کی کوئی وجہ نہیں تو پھر عدم جواز کا قول کیسے لیا جائے۔ بلکہ اس بات پر تو دلیل موجود ہے کہ رطب تمر ہے وہ دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں خیبر کی تازہ کھجوریں پیش کی گئیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''اکل تمر خیبر ھکذا'' تو یہاں پر حضورؐ نے رطب پر تمر کا اطلاق کیا ہے۔

سوال: بعض محدثین نے لکھا ہے کہ رطب کا لفظ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے؟

جواب: اعلاء السنن میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ تمر جنیب کا لفظ احادیث میں ثابت ہے اور تمر جنیب رطب ہی کو کہتے ہیں لہٰذا جب رطب تمر کے حکم میں ہے تو اس کی بیع، التمر بالتمر کے تحت جائز ہے۔

اگر رطب تمر کے علاوہ نوع ہے تو پھر مشہور حدیث کے آخری جملے سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ''اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم'' (سنن ابی داؤد باب فی الصرف)

ائمہ ثلاثہؒ اور صاحبینؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے۔ کہ اس میں آپ ﷺ سے بیع الرطب بالتمر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے استفسار کیا کہ تر کھجوریں خشک ہو کر کم ہو جاتی ہیں یا نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جی ہاں کم ہو جاتی ہیں تب آپ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا۔

جواب اوّل: وہ نسیئۃً پر محمول ہے اور نسیئۃً ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ (مرقاۃ ج۶ ص۶۶) نیز تر انگور کی کشمش کے بدلے اور تازہ گوشت کی خشک گوشت کے بدلے خرید وفروخت کا بھی یہی حکم ہے۔

جواب ثانی: اس کی سند میں ابوزید عیاش رجل مجہول ہے اس حدیث سے استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے چنانچہ ابوزید عیاش کو مجہول قرار دینے والے صرف امام صاحب ہی نہیں ہیں بلکہ امام طحاویؒ اور ابن جریج نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی اس کو مجہول قرار دیا ہے۔

شاید اس کے مجہول ہونے کی وجہ سے شیخین نے اپنی صحیحین میں اس کی حدیث کی تخریج نہیں کی۔ چنانچہ عبداللہ بن مبارکؒ کو جب معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ نے ابوزید عیاش پر جرح کی ہے تو انہوں نے فرمایا: ''کیف یقال ان اباحنیفۃ لم یعرف الحدیث وھو یقول ان ابازید لم تقبل روایتہ'' تو جرح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امام صاحب کو اعلیٰ درجہ کی معرفت حدیث حاصل ہے۔

سوال: امام مالکؒ نے موطا امام مالک میں ابوزید عیاش کی حدیث کی تخریج کی ہے اور امام مالک کسی مجہول کی روایت کی تخریج نہیں کرتے تو امام مالکؒ کا ان کی حدیث کی تخریج کرنا یہ دلیل توثیق ہے۔

جواب اوّل: یہ تعدیل ضمناً ہے اور امام صاحب کی جرح مفسر ہے اور جرح مفسر کو تعدیل ضمنی پر ترجیح حاصل ہے۔

جواب ثانی: اور اگر علی سبیل التنزل مان لیں کہ یہ حدیث سنداً صحیح ہے تو یہ محمول ہے نسیئۃً پر۔

سوال: نسیئۃً پر محمول کرنے کی کیا دلیل ہے۔

جواب: ابوداؤد شریف کے اندر نسیئۃً کا لفظ موجود ہے۔

سوال: یحییٰ بن کثیر نسیئۃً کے لفظ کو ذکر کرنے میں متفرد ہیں۔

جواب اوّل: یحییٰ بن کثیر ثقہ راوی ہے تو نسیئۃً کا ذکر کرنا یہ زیادتی ثقہ کی قبیل سے ہے اور زیادتی ثقہ معتبر ہے۔

جواب ثانی: یحییٰ بن کثیر کا تفرد مسلّم نہیں بلکہ ابوداؤد شریف میں عمران بن ابی انس کی روایت میں بھی یہ لفظ مذکور ہے۔

سوال: جب علت نہی نسیئۃً ہے تو پھر نبی کریم ﷺ نے انتقاص بعد الیبوست کے بارے میں کیوں سوال کیا۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ یہ سائل کسی یتیم کا متولی تھا یتیم کی خشک کھجوریں دے کر تازہ کھجوریں لے رہا تھا۔ اور اس میں چونکہ یتیم کا نقصان تھا تو تبرعاً نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا یا پھر سوال شفقۃً کیا یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ اس میں معتد بہ نفع نہیں ہے۔

سوال: انتقاص بعد الیبوست تو امر بدیہی ہے تو آپ ﷺ نے بدیہی چیز کے بارے میں کیوں سوال کیا حالانکہ پیغمبر بدیہیات کے بارے میں سوال نہیں کرتے۔

جواب اوّل: اینقص میں استفہام تقریری ہے معنی یہ ہے کہ یقیناً رطب خشک ہوجانے کے بعد کم ہوجاتی ہے لیکن صحیح جواب یہ ہے کہ یہ سوال مطلق رطب کے بارے میں نہیں تھا بلکہ رطب کی کسی خاص قسم کے بارے میں تھا کہ کیا ان کا حال بھی عام رطب کی طرح ہے کہ خشک ہوجانے کے بعد کمی واقع ہوجاتی ہے یا نہیں تو بتلایا گیا کہ کمی ہوجاتی ہے۔

جواب ثانی: حدیث عبادہ بن صامتؓ جو جواز پر دلالت کرتی ہے یہ از روئے سند کے معارض اقوی ہے تو معارض اقوی کے موجود

ہونے کی صورت میں یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

باغ فروخت کرنے کے بعد کوئی آفت آجائے تو نقصان کا حکم اور تفصیل: مسئلہ: پھل فروخت کرنے کے بعد کہ ابھی پھل درخت کے اوپر ہوں اور اگر کوئی آفت آجائے تو یہ نقصان بائع کا ہوگا یا مشتری کا؟ اس مسئلہ کی کل چار صورتیں ہیں۔

صورت نمبر (۱): بدو صلاح سے پہلے بیع کی بقاء کی شرط کے ساتھ۔۔۔ پھر آفت آگئی جس نے پھلوں کو ہلاک کر دیا تو یہ بائع کی ضمان میں سے ہے بالاجماع۔

صورت نمبر (۲): بدو صلاح سے پہلے یا بعد میں پھلوں کی بیع کی بشرط القطع اور ابھی تخلیہ نہیں ہوا تھا یعنی مشتری نے قبضہ نہیں کیا تھا، پھر آفت آگئی اور پھلوں کو ہلاک کر دیا تو یہ بھی بائع کا نقصان ہوگا اور اگر تخلیہ ہو گیا تھا۔ قطع کی شرط تھی مشتری نے قطع نہیں کیا تو یہ مشتری کا نقصان ہوگا بالاجماع۔ **خلاصہ:** یہ ہے کہ دوسری صورت میں تخلیہ نہیں ہوا اور نقصان ہو گیا تو بائع کا نقصان ہوگا۔ اور اگر تخلیہ ہو گیا اور نقصان ہو گیا تو مشتری کا نقصان شمار ہوگا۔

صورت نمبر (۳): بدو صلاح سے پہلے یا بعد میں پھل فروخت کیے پھر کاٹنے کا وقت آگیا اور کاٹنے سے پہلے ہی آفت آگئی تو یہ مشتری کی ضمان میں سے ہے۔ بالاجماع یہ تین صورتیں اتفاقی ہیں

صورت نمبر (۴): بدو صلاح کے بعد بیع کی لابشرط القطع اور تخلیہ کر دیا، پھر آفت آگئی اس نے پھلوں کو ہلاک کر دیا یہ صورت اختلافی ہے اور اس میں تین قول ہیں۔

قول اول: حنفیہ، شافعیہ، اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقا یہ مشتری کا نقصان شمار ہوگا۔

قول ثانی: امام مالکؒ اور تمام اہل مدینہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک تہائی تک نقصان ہو تو یہ مشتری کا ہے تہائی سے زیادہ ہو تو بائع کا ہوگا۔

قول ثالث: آفت کی وجہ سے ضائع ہونے والا مال بائع کا ہوگا یعنی تمام کا تمام بائع کا ہے یہ امام احمدؒ اور ابو عبیدؒ کا قول ہے۔

دلائل امام احمدؒ اور امام مالکؒ: **دلیل اول:** حدیث الباب ہے مرفوعا حضرت جابرؓ سے اس حدیث میں حکم مطلق ہے اس لئے جو بھی نقصان ہوگا بائع کا ہوگا امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ نقصان تو ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ نقصان مشتری کا ہوگا اور جو زیادہ نقصان ہو جو اس حدیث میں مراد ہے وہ بائع کا ہوگا۔

جواب از جمہور: یہ حدیث پہلی دو صورتوں پر محمول ہے جن میں بائع کا نقصان ہے۔

دلیل ثانی: "عن جابر ان النبی ﷺ امر بوضع الجوائح"۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۶)

جوائح جائحۃ کی جمع ہے بمعنی آفت اور وضع سے مراد معاف کرنا ہے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آفت سے پھل ہلاک ہو جائیں تو ثمن معاف کرو تو بائع اس صورت میں ثمن نہیں لے سکتا اس پر معاف کرنا ضروری ہے۔

جواب از جمہور: یہ امر استحباب کے لیے ہے یعنی مستحب ہے کہ باغ کا مالک معاف کر دے۔

جواب نمبر (۲): امر وجوب کے لیے ہے (تسلیمی جواب) لیکن اس سے مراد قبل قبض المشتری کی صورت ہے اب بائع پر لازم ہے کہ اس کا ثمن نہ لے کیونکہ یہ بائع کی ضمان میں سے تھا۔

جواب نمبر (۳): امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو وضع الجوائح کا حکم ہے اس سے مراد خراج ہے کہ جس باغ پر آفت

آ گئی ہو اور پھل ہلاک ہو گئے ہوں تو اس باغ سے خراج نہ لیا جائے

دلائل جمہور: دلیل نمبر (۱): اگلے باب میں حدیث ابوسعید خدریؓ آرہی ہے کہ ایک آدمی کے پھلوں میں نقصان ہو گیا جو اس نے خریدے تھے تو اس پر دین زیادہ ہو گیا یہ آدمی حضرت معاذ بن جبلؓ تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تصدقوا علیه فتصدق الناس علیه فلم یبلغ ذلك وفاء دینه فقال رسول الله ﷺ لغرماءه خذوا ما وجدتم و لیس لکم الا ذلك"۔ (مسلم ج۲ ص۱۶)

وجہ استدلال کہ نبی علیہ السلام نے غرماء کو معاف کرنے کا نہیں فرمایا بلکہ ادائیگی کی کوشش فرمائی۔ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیا کہ اس پر صدقہ کرو تو جس قدر لوگوں سے صدقہ ہوا تو انہوں نے صدقہ کیا پھر غرماء کو فرمایا جو کچھ تم پاؤ اس کو لے لو تو لوگوں کو صدقے کا حکم دینا اور جن کا دین تھا ان کو کمی کا کہنا یہ دلیل ہے کہ نقصان مشتری کا شمار ہوتا ہے۔

دلیل نمبر (۲): حدیث عمرۃ بنت عبدالرحمنؒ مسلم میں مختصر ہے مؤطا امام مالکؒ میں مفصل ہے کہ ایک آدمی نے باغ خریدا اس کی دیکھ بھال کرتا تھا جب نقصان کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے مالک سے درخواست کی کہ نرمی کرو ثمن میں معافی کر دو یا اقالہ کر دو تو اس نے قسم اٹھائی کہ میں یہ نہیں کروں گا تو اس مشتری کی ماں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی صورتحال بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "این المتألّی علی الله لا یفعل المعروف" (مسلم ج۲ ص۱۷)

یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور مؤطا کے الفاظ یہ ہیں "تألّی ان لا یفعل خیرا" آپ ﷺ نے اس کے اس فعل پر نکیر فرمائی ہے یعنی اس قسم اٹھانے کو ناپسند کیا اور نقصان کو ساقط کرنا واجب قرار نہیں دیا اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ نقصان مشتری کا شمار ہوتا ہے بائع کا شمار نہیں ہوتا اگر بائع کا شمار ہوتا تو آپ ﷺ ثمن ساقط قرار دیتے جبکہ آپ ﷺ نے صرف ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور وہ بھی اس قسم پر کہ اچھا کام نہیں کرے گا چنانچہ اس آدمی نے کہہ دیا کہ "فله أی ذلك أحب"

دلیل نمبر (۳): جمہور کا قول اصول کے مطابق ہے اصول یہی ہے کہ جب مشتری مبیع پر قبضہ کر لے اور تخلیہ ہو جائے تو اب جو نقصان ہو گا تو وہ مشتری کا ہو گا جیسا کہ پھلوں کے علاوہ دوسری مبیع چیزوں میں ہے خواہ کپڑے ہوں یا کوئی اور چیز۔

سوال: دو حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ص ۱۷ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دو آدمیوں کے جھگڑے کی آوازیں سنی تو اس سے آپ کو علم ہوا اور مؤطا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کی والدہ نے آپ ﷺ کو آکر خبر دی اس سے آپ ﷺ کو اس معاملے کا علم ہوا تھا یہ بظاہر تعارض ہے؟

جواب نمبر (۱): پہلے مشتری کی والدہ نے آکر خبر دی تھی اس سے رسول کریم ﷺ کو علم ہو گیا پھر ان دونوں جھگڑنے والوں کی آوازیں بھی آپ ﷺ نے سنیں تو دونوں روایتیں اپنی جگہ درست ہیں۔

جواب نمبر (۲): پہلے آپ ﷺ نے جھگڑنے والوں کی آوازیں سنیں لیکن معاملہ کی تفصیل کا علم ابھی نہ ہوا تھا کہ مشتری کی والدہ نے آکر تفصیل بتائی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الثَّمَرَةِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ. وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ السُّنْبُلِ حَتَّى يَبْيَضَّ وَيَأْمَنَ الْعَاهَةَ نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِيَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ كَرِهُوا بَيْعَ الثِّمَارِ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم سے وہ ایوب بن نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجوروں کو خوش رنگ یعنی پختہ ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔ اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہ مروی ہے کہ آپ نے گیہوں کو سفید ہونے اور آفت وغیرہ سے محفوظ ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا بیچنے اور خریدنے والے دونوں کو منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت انس، عائشہ، ابوہریرہ، ابن عباس، جابر، ابوسعید، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا منع ہے امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ وَعَفَّانُ وَسُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتَّى يَسْوَدَّ وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتَّى يَشْتَدَّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ

حسن بن علی خلال، ابوولید، عفان، سلیمان بن حرب، حماد بن سلمہ سے وہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگور کے سیاہ ہونے اور تمام دانوں یا غلوں کے سخت ہونے سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف حماد بن سلمہ کی روایت سے مرفوعاً جانتے ہیں۔

تشریح: **يَزْهُوَ**: زھا یزھو زھوا اس کے لفظی معنی ہیں حسن المنظر ہونا۔ جب کھجوریں پکنے کے قریب آتی ہیں تو یہ منظر بڑا خوبصورت نظر آتا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ کھجوریں پیلی یا سرخ پڑ جائیں۔ اسی طرح حدیث میں اس کے ہم معنی الفاظ اور بھی مستعمل ہوتے ہیں ''حتی تحمر حتی یبیض، حتی یحمار، حتی یشتد، حتی یسود''۔

ان الفاظ سے امام شافعیؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بیع سے پہلے پھل کا پکنا ضروری ہے پکنے سے پہلے ان کے نزدیک بیع درست نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پھل کا آفت سے اور بیماری سے محفوظ ہونا کافی ہے۔ پورا پکنا اور اس میں مٹھاس کا پیدا ہونا

ضروری نہیں بہر حال دونوں اقوال قریب قریب ہیں۔

پھل اگر ظاہر ہی نہ ہوئے ہوں تو ان کی بیع بالاتفاق حرام ہے جیسا کہ آج کل پھل آنے سے پہلے باغات کو ٹھیکے پر دے دیا جاتا ہے اور بائع مشتری سے کہہ دیتا ہے کہ اس باغ میں اس سال جو پھل آئے گا وہ میں آپ کو فروخت کرتا ہوں یہ صورت ناجائز ہے۔ اس لئے کہ یہ بیع معدوم کی ہو رہی ہے۔ جو ابھی تک وجود میں بھی نہیں آئی۔ اسی طرح آج کل یہ جو صورت ہوتی ہے کہ لوگ چار یا پانچ سال کے لئے باغ ٹھیکے پر لے لیتے ہیں اور ان پر پھلوں کی قیمت پیشگی لے لیتے ہیں یہ صورت بالکل ناجائز ہے اور نص صریح کے خلاف ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

نھی رسول اللہ ﷺ عن بیع السنین آپ ﷺ نے کئی سال تک کی بیع کر لے سے منع فرمادیا لہٰذا یہ صورت کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

پھل کی بیع کی چند صورتیں ہیں جواز اور عدم جواز کی۔ ان صورتوں سے قبل چند تعریفات دیکھ لیں۔

بیع بشرط القطع: پھلوں کا درخت پر ظاہر ہونے کے بعد ابھی وہ پختہ نہیں ہوئے تو بائع مشتری سے یہ کہہ دے کہ تم اپنے پھل اتار کر لے جاؤ اور پھل کو توڑ کر لے جانا بیع کے اندر مشروط ہو تو بیع کے اندر یہ صورت جمہور کے ہاں بالاتفاق جائز ہے اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ امام ابن ابی لیلیٰؒ، سفیان ثوریؒ اس صورت کو بھی ناجائز کہتے ہیں۔

بیع بشرط ترك: دوسری صورت یہ ہے کہ بائع اور مشتری بیع تو ابھی کرلیں لیکن عقد بیع کے اندر ہی شرط لگا دیں کہ یہ پھل درخت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ پکنے کے بعد مشتری یہ پھل کاٹ کر لے جائے گا ایسی بیع کو ''بیع بشرط الترک'' کہتے ہیں۔ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے البتہ امام ابن المنذرؒ اس صورت کو بھی جائز کہتے ہیں۔

بیع مطلق عن الشرط: بیع تو ابھی مکمل کرلیں اور ترک یا قطع کی کوئی شرط عقد بیع کے اندر نہ لگائیں ایسی بیع کو ''مطلق عن شرط القطع والترک'' کہتے ہیں۔ اس صورت کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع کی یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔

دلیل: ائمہ ثلاثہ حدیث الباب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ نے بدو صلاح سے پہلے پھل کی بیع سے منع فرمایا۔

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ بدو صلاح سے پہلے بشرط القطع بیع کرنے کی صورت کو تو آپ بھی جائز کہتے ہیں لہٰذا حدیث کے عموم پر تو آپ نے بھی عمل نہیں کیا۔

پھلوں کی بیع کی چند صورتیں:

بیع اگر قبل بدو الصلاح ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

① بیع بشرط القطع قبل از بدو صلاح ② بیع بشرط الترک قبل از بدو صلاح

③ بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح

بیع اگر بعد بدو الصلاح ہو تو پھر بھی اس کی تین صورتیں ہیں۔

① بیع بشرط القطع بعد از بدو صلاح ② بیع بشرط الترک بعد از بدو صلاح ③ بیع مطلقاً بعد از بدو صلاح

ان چھ صورتوں میں سے چار صورتیں احناف کے نزدیک جائز ہیں اور دو صورتیں ناجائز ہیں۔ جواز کی چار صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

① بیع بشرط القطع قبل از بدو صلاح ② بیع بشرط القطع بعد از بدو صلاح

③ بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح ④ بیع مطلقاً بعد از بدو صلاح

اور بیع بشرط الترک کی دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ چاروں صورتیں جائز ہیں اور دو صورتیں ناجائز ہیں جواز کی چار صورتیں درج ذیل ہیں۔

ان میں سے تین صورتیں بعد از بدو صلاح کی ہیں

① بیع بشرط القطع بعد از بدو صلاح۔ ② بیع بشرط الترک بعد از بدو صلاح

③ بیع مطلقاً بعد از بدو صلاح ④ بیع بشرط القطع قبل از بدو صلاح

اور دو صورتیں ائمہ ثلاثہ کے ہاں بھی ناجائز ہیں۔

① بیع بشرط الترک قبل از بدو صلاح ② بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ محل نزاع صرف دو صورتیں ہیں۔

① بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح احناف کے نزدیک یہ صورت جائز ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

② بیع بشرط الترک بعد از بدو صلاح احناف کے نزدیک جائز نہیں اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: فرماتے ہیں کہ یہ روایت الباب ہمارے موافق ہے اور احناف کے خلاف ہے ''حتیٰ یزھو'' یہ تفسیر ہے ''حتیٰ یبدو اصلاحھا'' کی۔ پس اس حدیث کا منطوق یہ ہے کہ قبل از بدو صلاح کی تینوں صورتیں ناجائز ہوں لیکن بیع بشرط القطع والی صورت بالاجماع اس سے مستثنیٰ ہے تو اس کے منطوق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں ناجائز ہوں اور احناف کا بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح کے جواز کا قول کرنا یہ اس حدیث کے منطوق کے خلاف ہے۔ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ بعد از بدو صلاح کی تینوں صورتیں جائز ہوں اور ان میں سے ایک بیع بشرط الترک بعد از بدو صلاح بھی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہ ناجائز ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے۔ لہٰذا ہم نے اس روایت کے مفہوم پر بھی عمل کیا اور احناف نے تو نہ اس کے منطوق پر عمل کیا اور نہ ہی اس کے مفہوم پر عمل کیا اور ہم ائمہ ثلاثہ اس کے مفہوم اور منطوق دونوں پر عمل کر رہے ہیں۔

جواب: احناف کی طرف سے بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح کے جواز کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا مصداق بیع بشرط الترک ہے اس مفہوم کے تحت بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح داخل نہیں جیسا کہ شوافع بیع بشرط القطع کو اس کے عموم سے خارج قرار دیتے ہیں اس لئے کہ یہ لوٹ جاتی ہے۔ بیع بشرط القطع کی طرف۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ بیع بشرط القطع میں جیسے بائع کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مشتری کو مجبور کرے کہ میرے درخت فارغ کر دو اسی طرح بیع مطلقاً قبل از بدو صلاح میں بھی بائع کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ مشتری کو مجبور کرے کہ میرے درختوں کو فارغ کر دے۔ لہٰذا اس کے تحت ایک صورت بیع بشرط الترک قبل از بدو صلاح داخل رہی اور ہم اس کے عدم جواز کے قائل ہیں۔

سوال: اگر حدیث کا منطوق صرف بیع بشرط الترک قبل از بدو صلاح ہے تو تمہارے مذہب کے مطابق بیع بشرط الترک بعد از بدو صلاح بھی تو ناجائز ہے تو پھر ''حتیٰ یزھو'' کا کوئی فائدہ نہیں ہے بخلاف ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے کہ ان کے مذہب کے مطابق اس کا فائدہ ہے۔

جواب اوّل: یہ قید بیان واقعہ کے طور پر ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کی عادت تھی کہ وہ پھلوں کی بیع قبل از بدوصلاح کرتے تھے تو نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔

جواب ثانی: اس حدیث کا مدلول مطلق بیع الثمرۃ نہیں ہے بلکہ بیع سلم خاص بیع ہے کہ وہ پھلوں میں قبل از بدوصلاح نہیں ہونی چاہیے اس لئے کہ اس کے جواز کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عقد کے وقت سے لے کر ادائیگی کے وقت تک مبیع بازاروں میں موجود ہے اور ظاہر ہے کہ پھل قبل از بدوصلاح بازار میں نہیں ہوتے۔

مسئلہ: قبل بدوصلاح یا بعد بدوصلاح کی بیع کا حکم؟

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بعد بدوصلاح کی تینوں صورتیں جائز ہیں اور قبل بدوصلاح کی تینوں صورتیں ناجائز ہیں۔ ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ بیع قبل بدوصلاح بشرط القطع ہو تو درست ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر بیع بشرط الترک ہو تو قبل بدوصلاح بھی ناجائز ہے اور بعد بدوصلاح بھی اور اگر بشرط القطع ہو تو قبل بدوصلاح بھی جائز ہے اور بعد بدوصلاح بھی جائز ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے قبل بدوصلاح سے بیع کی ممانعت فرمائی ہے۔

جواب اوّل: یہاں بیع سے بیع سلم مراد ہے اور اہل عرب کے عادت یہی تھی کہ پھل آنے سے پہلے بیع سلم کرلیا کرتے تھے اور بعض اوقات مسلم الیہ کو نقصان آتا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ جواب ثانی: یہاں بدوصلاح سے مراد بیع بشرط القطع ہے۔

جواب ثالث: آپ ﷺ کی یہ نہی بطور شفقت ومشورہ کے ہے عزیمت کی بناء پر نہیں ہے لہٰذا حدیث مذکورہ سے قبل بدوصلاح بیع کے عدم جواز پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری حدیث ہے جو بخاری شریف میں موجود ہے "ان النبیا قال من باع نخلا قد ابرت فثمرتها للبائع الا ان یشترط المبتاع" حدیث مذکورہ میں پھل کو قبل بدوصلاح اور بعد الاشتراط مبیع قرار دیا ہے معلوم ہوا کہ ایسی بیع درست ہے۔

دلیل ثانی: بخاری شریف کی ہی روایت ہے کہ ایک شخص نے بدوصلاح سے پہلے پھل خرید لیا تھا اور وہ ہلاک ہوگیا آپ ﷺ کے پاس آکر اس شخص نے کہا کہ میرے اوپر اس بائع کا دین آگیا آپ ﷺ نے اس کے لئے چندہ کرایا اور بائع کے ثمن ادا کرنے کے لئے دیا تو اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو ثمن کا دین اس پر کیسے لازم ہوتا معلوم ہوا کہ بدوصلاح سے پہلے بیع جائز ہے۔

مسئلہ: کئی لوگ سالہا سال کے لیے باغ فروخت کردیتے ہیں یہ صورت بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ البتہ اس کا ایک حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اس میں دو کام کرنے پڑیں گے۔ مثلاً ایک آدمی دو سال کے لیے باغ فروخت کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ دو سال کے لیے مساقات کا معاملہ کرے۔

اولا: باغ کا مالک اپنے لیے کچھ حصہ متعین کرلے بطریق المشاع۔ باقی باغ کی دیکھ بھال کرنے والوں کو دے۔

ثانیا: زمین کا مالک اپنی زمین اسی آدمی کو اجارہ پر دیدے اس اجارہ میں اس سے پھلوں کی قیمت کی بقدر وصول کرلے اس صورت میں یہ معاملہ جائز ہوجائیگا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَحَبَلُ الْحَبَلَةِ نِتَاجُ النِّتَاجِ وَهُوَ بَيْعٌ مَفْسُوخٌ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ مِنْ بُيُوعِ الْغَرَرِ وَقَدْ رَوٰى شُعْبَةُ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَوٰى عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَنَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ.

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کے حمل کے بچے کو بیچنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی روایت ہے حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے حبل الحبلہ سے مراد اونٹنی کے بچے کا بچہ ہے اس کا فروخت کرنا اہل علم کے نزدیک باطل ہے اس لئے کہ وہ غرر کی بیع ہے۔ شعبہ یہ حدیث ایوب سے وہ سعید بن جبیر سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں عبدالوہاب، ثقفی، وغیرہ بھی یہ حدیث ایوب سے وہ سعید بن جبیر سے وہ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور یہ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: علماء محدثین نے اس حدیث کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔

ایک مطلب تو یہی ہے کہ حمل کے حمل کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ مبیع معدوم ہے اس کا وجود ابھی تک آیا ہی نہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ حمل کے حمل کو کسی بیع میں ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا درست نہیں کہ اس میں جہالت ہے۔

اس کے منع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک طرح کا سٹہ ہے مثلاً بائع مشتری سے یہ کہتا ہے کہ میں اس گابھن بکری کے حمل کے حمل کو تیرے ہاتھ اتنی قیمت پر فروخت کر رہا ہوں تو یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ بکری گابھن نہ ہو، کسی بیماری کی وجہ سے اس کا پیٹ پھولا ہوا ہو۔ یا بکری گابھن تو ہو مگر حمل گر جائے یا مرا ہوا بچہ پیدا ہو۔ ان تمام صورتوں کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس کی بیع کو جوا قرار دیا ہے۔

اسی طرح گابھن کے حمل کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اسی لئے احناف مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے اگر یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار کریں تو مطلب یہ ہوگا کہ حمل کے حمل کی بیع تو ناجائز ہے مگر خود اس حمل کی بیع درست ہے حالانکہ اس حمل کی بیع بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور حمل کے حمل کی تخصیص اس لئے کی کہ عربوں میں ایسے سٹوں کا رواج تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دو اشخاص کے درمیان لین دین ہوا اور حمل کے حمل کو ثمن کی ادائیگی کی مدت قرار دیا تو یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ مدت مجہول ہے، ہوسکتا ہے وہ جانور بچہ ہی نہ جنے یا مرا ہوا بچہ جنے کما مر۔ حاصل یہ کہ یہ اجل مجہول ہے اس لئے اس کو ثمن کی ادائیگی کی مدت مقرر کرنا بھی صحیح نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث میں صحیحین میں ہے ''کان الرجل یبتاع

الجزور الی أن تنتج الناقة، ثم تنتج التی فی بطنها'' یہ بیع ٹھیک نہیں ہے۔

فائدہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ لفظ حبل انسانوں کے ساتھ خاص ہے۔ انسانوں کے علاوہ میں لفظ حمل استعمال ہوتا ہے لفظ حبل نہیں۔ ابوعبیدؒ نے فرمایا ہے کہ حبل کا لفظ انسانوں کے علاوہ حیوانوں پر جہاں حدیث میں آیا ہے وہیں استعمال کریں اس کے علاوہ استعمال نہ کریں۔ لیکن امام نوویؒ کا ابوعبیدؒ کے اس قول کی بناء پر انسانوں کے ساتھ خاص کرنا محل نظر ہے کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے ثابت کیا ہے کہ حبل کے لفظ کو انسانوں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں کیونکہ غیر انسانوں کے لیے بھی حبل کا اطلاق شعراء کے کلام سے ثابت ہے۔

جانوروں کو ٹیکہ کے ذریعے حاملہ کروانے کا حکم: مسئلہ: انجیکشن کے ذریعے جانور کو حاملہ کرانا کہ ڈاکٹر مونث کے رحم میں ٹیکہ رکھتے ہیں اس عمل کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جانوروں میں حرمت کے احکام نہیں ہیں جانوروں میں ماں اور اولاد کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا حرمت کے احکام نہ ہونے کی وجہ سے ٹیکہ رکھنا جائز ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْغَرَرِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَبَيْعِ الْحَصَاةِ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَنَسٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا بَيْعَ الْغَرَرِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمِنْ بُيُوعِ الْغَرَرِ بَيْعُ السَّمَكِ فِي الْمَاءِ وَبَيْعُ الْعَبْدِ الْآبِقِ وَبَيْعُ الطَّيْرِ فِي السَّمَاءِ وَنَحْوُ ذٰلِكَ مِنَ الْبُيُوعِ وَمَعْنَى بَيْعِ الْحَصَاةِ أَنْ يَقُولَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي إِذَا نَبَذْتُ إِلَيْكَ بِالْحَصَاةِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَهُوَ شَبِيهٌ بِبَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَكَانَ هٰذَا مِنْ بُيُوعِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکے اور کنکریاں مارنے کی بیع سے منع فرمایا اس باب میں حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوسعید اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں، حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ دھوکے والی بیع حرام ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دھوکے والی بیع میں یہ چیزیں داخل ہیں مچھلی کا پانی میں ہوتے ہوئے فروخت کرنا اور پرندے کا اڑتے ہوئے فروخت کرنا اور اسی طرح کی دوسری بیوع بھی اسی ضمن میں آتی ہیں۔ بیع الحصاۃ کنکری مارنے والی بیع کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا خریدنے والے سے یہ کہے کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں تو میرے اور تیرے درمیان بیع واجب ہوگئی، یہ بیع منابذہ ہی کے مشابہ ہے یہ سب زمانہ جاہلیت کی بیوع ہیں۔

تشریح: بیع الغرر میں اضافت کونسی ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

(۱) یہ اضافت مصدر کی مفعول کی طرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے بیع المغرر اور یہ اس صورت میں غرر کا تعلق صرف مبیع کے ساتھ ہوگا۔

(۲) یہ اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے۔ اب تقدیر عبارت یہ ہوگی ''البیع الذی یکثر فیه الغرر'' اس صورت میں غرر کا

تعلق صرف مبیع کے ساتھ نہیں بلکہ عقد، ثمن، مبیع سب کے ساتھ ہوگا اور مؤجل میں اجل یعنی مدت کے ساتھ بھی ہوگا یہ دوسرا احتمال راجح ہے۔

غرر کا لغوی معنی: لغت میں غرر کے تین معنی آتے ہیں:

(۱) دھوکہ (۲) غلط امید دلانا (۳) خطر (وہ معاملہ جس میں وجود اور عدم دونوں کا احتمال ہو)

غرر کا اصطلاحی معنی: غرر کی اصطلاحی تعریفیں متعدد کی گئیں ہیں۔

(۱) بعض نے کہا جس کا ظاہر اچھا ہو اور باطن خراب ہو۔

(۲) شمس الائمہ سرخسیؒ غرر کی تعریف فرماتے ہیں کہ غرر وہ معاملہ ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ غرر ایک اصطلاحی لفظ ہے صرف ایک جملہ اس کی صحیح ترجمانی نہیں کرسکتا غرر کی صورتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غرر متحقق ہونے کے لیے تین باتوں میں سے کسی ایک کا پایا جانا ضروری ہے۔

(۱) جہالت عام ہو خواہ عقد میں ہو، یا مبیع میں، یا ثمن میں ہو، یا مدت میں ہو۔

(۲) مبیع کا غیر مقدور التسلیم ہونا۔

(۳) "تعلیق التملیک علی الخطر" یعنی مِلک کو خطر کے ساتھ متعلق کرنا مثلاً "ان جآء فلان فبیع والا فلا" (اگر فلاں آ گیا تو بیع ہے وگرنہ نہیں)

غرر کی دو قسمیں ہیں (۱) مؤثر (۲) غیر مؤثر

مؤثر کا مطلب ہے کہ اسکا اثر عقد میں ظاہر ہو جس کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار دے دیا جائے اور غیر مؤثر کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اثر عقد میں ظاہر نہ ہو جس کی وجہ سے عقد کو فاسد قرار نہ دیا جائے۔

غرر مؤثر ہونے کی شرائط: پہلی شرط: غرر کثیر ہو: مثلاً آبق غلام کی بیع، معدوم چیز کی بیع، مجہول چیز کی بیع، غیر مقدور التسلیم چیز کی بیع (بڑے حوض میں مچھلیوں کی بیع فضاء میں پرندوں کی بیع وغیرہ) اگر غرر قلیل ہو تو عقد میں اس کا اثر ظاہر نہ ہوگا مثلاً تکیے کی بیع کرنا جبکہ اس میں روئی کی مقدار مجہول ہو، مکان یا دکان کو ماہانہ کرائے پر دینا اور مہینہ چاند کا ہو حالانکہ پتہ نہیں چاند ۲۹ کا ہوگا یا ۳۰ کا ہو گا، حمام میں غسل کرنا حالانکہ پانی کی مقدار مجہول ہے، گاڑی کرائے پر ہو اور فی کلومیٹر طے ہو کہ ۵۰ روپے کرایہ ہوگا، اور کل فاصلہ مجہول ہے، بعض ہوٹلوں میں کھانے کا ریٹ متعین ہوتا ہے ایسے ہوٹل میں کھانا کھانا بھی جائز ہے، اگرچہ یہاں مقدار میں جہالت ہے کہ کتنی روٹی کھائی جائے گی۔

دوسری شرط: غرر عقد میں اصالۃً پایا جائے، اگر غرر عقد میں بالتبع ہو تو مؤثر نہیں ہوگا، اصالۃً کی مثال جیسے حاملہ بکری کے حمل کی بیع کرنا بغیر بکری کے تو یہ ناجائز ہے اور اگر حاملہ بکری کی بیع کرتا ہے حمل سمیت اور حمل کی وجہ سے قیمت زیادہ لگاتا ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اب حمل بالتبع ہے۔ اسی طرح بکری کے تھنوں میں دودھ کی بیع جائز نہیں ہے کیوں کہ غرر کثیر ہے اور اصالۃً ہے۔ ہاں اگر دودھ والی بکری کی بیع کی جائے اور پیسے اس وجہ سے زیادہ لیے جائیں کہ یہ دودھ دیتی ہے تو یہ جائز ہے۔

تیسری شرط: اس عقد کی حاجت اور ضرورت نہ ہو۔ اگر اس عقد کی حاجت اور ضرورت ہے تو یہ غرر مؤثر نہیں ہوگا۔ مثلاً بیع سلم ہو،

ضرورت کی وجہ سے شریعت نے اسے جائز ٹھرایا ہے بائع کے پاس مسلم فیہ نہیں ہوتی لیکن ضرورت کی وجہ سے جائز ہے اس طرح عورت کے پستان میں دودھ ہو اور بیع کی جائے تو یہ جائز نہیں ہے البتہ مرضعہ کو اجرت پر لینا جائز ہے۔

چوتھی شرط: وہ معاملہ معاوضہ مالیہ میں سے ہو۔ مثلاً بیع کا معاملہ ہو، اجارہ کا ہو، شرکت کا ہو یا مضاربت کا ہو، وصیت میں غرر مؤثر نہیں ہوتا امام مالکؒ کے نزدیک عقد تبرع میں بھی غیر مؤثر نہیں ہوتا مثلاً ہبہ لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک عقد تبرع میں بھی غیر مؤثر ہے اور ہبہ میں بھی۔

آگے شوافع نے کئی صورتیں بیان کی ہیں۔ بیع الحصاۃ یہ بھی غرر کی ایک قسم ہے۔

بعض علماء کے نزدیک بیمہ میں بھی غرر پایا جاتا ہے اس لیے بیمہ کے بارے میں بھی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

بیمہ کے بارے میں کچھ تفصیل: بیمہ اردو زبان کا لفظ ہے عربی میں کہتے ہیں تامین اور انگریزی میں انشورنس کہتے ہیں اس کا معنی ہے یقین دہانی کرانا کہ اگر حامل بیمہ کا نقصان ہو گیا تو بیمہ کمپنی اس کے نقصان کی تلافی کرے گی۔ بیمہ کی تین قسمیں بتائی جاتی ہیں۔

(۱) تامین الاشیاء: یعنی اشیاء کا بیمہ اس میں یہ ہوتا ہے کہ کوئی دکان دار ماہانہ قسط کمپنی کو دیتا ہے کہ اگر اس کی دکان کو آگ لگ گئی تو کمپنی اس نقصان کا تدارک کرے گی۔ اسی طرح گاڑی کا بیمہ کرایا جاتا ہے کہ نقصان کی صورت میں بیمہ کمپنی اس نقصان کا تدارک کرے گی۔ کارخانے والے مثلاً کاٹن فیکٹری والے بیمہ کراتے ہیں اس خطرے سے کہ کہیں آگ نہ لگ جائے۔ جہاز کے ذریعے جو سامان منگایا جاتا ہے اسکا بھی بیمہ کرایا جاتا ہے کہ اگر جہاز ڈوب گیا تو بیمہ کمپنی اس نقصان کا تدارک کرے گی تو کمپنی صرف خطرہ مول لینے کی وجہ سے پیسے لیتی ہے۔ اشیاء کی بیمہ پالیسی ناجائز ہے حرام ہے اس میں سود اور قمار پایا جاتا ہے بعض علماء کے نزدیک غرر بھی پایا جاتا ہے۔

(۲) تامین الحیاۃ یعنی زندگی کا بیمہ: بیمہ کمپنی والے کہتے ہیں کہ آپ ہمیں مثلاً ایک ہزار روپے ماہانہ دیتے رہیں۔ دس سال میں اگر آپ فوت ہوئے تو بیس لاکھ تمھارے وارثوں کو دیں گے۔ اگر یہ دس سال کے اندر فوت نہ ہوا تو بعض کمپنیاں اصل رقم مع سود واپس کر دیتی ہیں اور بعض کمپنیاں اصل رقم بھی واپس نہیں کرتیں۔ بیمہ کی یہ صورت بھی ناجائز اور حرام ہے۔ واضح رہے کہ زندگی کا بیمہ کمپنی ہر آدمی کا نہیں کرتی بلکہ ڈاکٹر معائنہ کرتا ہے کہ عام حالات کے پیش نظر یہ آدمی دس سال میں فوت تو نہیں ہوگا۔ تو جس کے ظاہری حالات فوت ہونے کے نہ ہوں اس کا بیمہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اعضاء کا بیمہ کیا جاتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ جائز نہیں حرام ہے۔

(۳) تامین المسئولیہ: مسئولیت کا بیمہ جس کو انگریزی میں تھرڈ پارٹی کہتے ہیں کہ کوئی آدمی گاڑی چلاتا ہے اس کو خطرہ ہے کہ کہیں اس سے ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس کی وجہ سے اس پر تاوان آجائے تو بیمہ کمپنی اس کو کہتی ہے کہ تو ماہانہ اتنی قسط ہمیں دیتا رہ اگر تجھے اس طرح کا کوئی حادثہ پیش آگیا تو جو تاوان پیش آئے گا وہ بیمہ کمپنی ادا کرے گی۔ اس میں فریق ثالث کو مسئول بنا دیا جاتا ہے یہ صورت بھی ناجائز اور حرام ہے۔

فائدہ: آج کل کچھ کمپنیاں تکافل کے نام سے کام کر رہی ہیں تکافل اسلامی انشورنس کو کہتے ہیں۔ یہ بیمہ کے متبادل کے طور پر کام کرتی ہیں دو تین کمپنیاں پاکستان میں بھی یہ کام کر رہی ہیں:

مثلاً پاک قطر تکافل وغیرہ، بعض علماء اس کے طریق کار کو جائز قرار دیتے ہیں، اکثر علماء کو ان کی بعض چیزوں پر کچھ اشکالات ہیں،

اس لیے اکثر علماء کے قول کے پیش نظر ان سے بچنا بہتر ہے۔

بیع الحصاۃ: اس کو بطور مثال کے نبی کریم ﷺ نے سمجھایا ہے کہ ایک شخص نے بکریوں کے ریوڑ سے غیر متعین دس بکریاں خریدیں اب بائع نے مشتری کو دس کنکریاں دیں کہ ایک ایک کنکری مارو جس جس بکری کو لگے گی وہ تمہاری ہوتی جائے گی۔ یہ بیع جائز نہیں اس میں دھوکہ ہے یہ دیکھتا ہے کہ وہ دسوں کنکریاں اعلیٰ قسم کی بکریوں پر گریں اس صورت میں بائع کا نقصان ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کنکریاں کمزور بکریوں پر گریں تو مشتری کا نقصان ہوگا۔

بیع الحصاۃ کی ایک تفسیر ترمذیؒ نے بھی کی ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان کسی معاملے میں بھاؤ تاؤ چل رہا ہو تو جب ان میں سے کوئی ایک کنکری اٹھا کر پھینک دے تو بیع لازم ہو جائے گی۔ اب دوسرے کو بولنے کا اختیار نہیں رہے گا اسکو بیع منابذہ بھی کہتے ہیں اور یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ معاملات میں آخر تک ہر ایک کو بولنے کا اختیار ہے اس طرح بیع میں زبان بندی درست نہیں۔

قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمِنْ بُيُوعِ الْغَرَرِ: امام شافعی رحمۃ اللہ نے بیع غرر کی وضاحت کے لئے تین مثالیں بیان کی ہیں۔

اوّل: مچھلی کو پانی میں بیچنا یعنی مچھلی ابھی سمندر یا دریا میں موجود ہو اور اس کو جال یا کانٹے سے پکڑا نہ ہو تو ایسی مچھلی کو بیچنا جائز نہیں کیونکہ بیع مقدور التسلیم نہیں ہوسکتا ہے وہ مچھلی ہاتھ نہ آئے۔ ہاں اگر وہ مچھلی اپنے فارم میں ہو یا اپنے حوض میں ہو اس کو بغیر کسی مشقت کے آسانی سے پکڑا جا سکتا ہو تو پھر جائز ہے۔ یہ صورت بیع السمک فی الماء کا مصداق نہیں۔

الثانی: بھاگے ہوئے غلام کی بیع بھی درست نہیں کیونکہ وہ بھی غیر مقدور التسلیم ہے ہوسکتا ہے وہ غلام کبھی ہاتھ نہ آئے۔

الثالث: اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو بیچنا یہ بیع بھی غیر مقدور التسلیم ہے ہاں اگر اپنے کبوتر ہوں اور وہ اس کے قبضہ میں اڑ رہے ہوں تو ان کی بیع جائز ہے، کیونکہ ان کا واپس آنا یقینی ہوتا ہے۔

بیع تعاطی کا حکم اور اسکی قسمیں: قسم اول: ایک جانب سے زبان سے ایجاب ہو دوسری جانب سے زبان سے کوئی لفظ نہ بولا جائے مثلاً گاہک کہے پچاس روپے کی چینی دو اور دکان دار سو روپے لیکر چینی تول کر گاہک کے ہاتھ میں پکڑا دے۔

قسم ثانی: جانبین میں سے کسی جانب سے بھی تلفظ نہ ہو۔ مثلاً دکان پر ایک شئے ہے جس کا ریٹ ہر کسی کو معلوم ہے (مثلاً لیٹر کی بوتل) ہر ایک کو معلوم ہے کہ سو روپے کی ہے۔ یا قیمت چیز پر لکھی ہوئی ہے جس کے مطابق دکاندار فرخت کرتا ہے گاہک نے چیز اٹھا کر پیسے دے دیئے اور دکان دار نے رکھ لیئے اس کے حکم میں اختلاف ہے۔

قول اول: امام شافعیؒ کے اس میں چار اقوال ہیں:

قول اول: بیع تعاطی جائز نہیں خواہ چیز معمولی قیمت کی ہو یا زیادہ قیمت کی ہو امام شافعیؒ کا یہی قول اور مشہور مذہب ہے۔

قول ثانی: معمولی قیمت کی چیزوں میں یہ بیع جائز ہے۔ زیادہ قیمت کی چیزوں میں یہ بیع جائز نہیں۔

قول ثالث: بیع تعاطی کا جہاں عرف ہو وہاں جائز جہاں عرف نہیں وہاں جائز نہیں۔

قول رابع: جو لوگ بیع تعاطی سے واقف ہوں وہاں جائز اور جہاں لوگ واقف نہ ہوں وہاں یہ بیع جائز نہیں ہے۔

قول ثانی: جمہور حضرات کا مذھب یہ ہے کہ بیع تعاطی جائز ہے البتہ علامہ کرخیؒ کا قول امام شافعیؒ کے قول نمبر ۲ کے موافق ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ کا استدلال مذکورہ بیوعات سے ہے، یعنی بیع ملامسہ اور بیع الحصاۃ وغیرہ سے کہ ان بیوعات میں عدم

جواز کی وجہ جانبین سے ایجاب وقبول کے تلفظ کا نہ پایا جانا ہے اور یہی چیز بیع تعاطی میں بھی پائی جاتی ہے لہذا نا جائز ہے۔

جواب: بیع اصل میں جانبین سے رضامندی ہے اور رضامندی بیع تعاطی میں پائی جاتی ہے جبکہ مذکورہ بیوع جو نا جائز ہیں ان میں ایک جانب سے رضامندی نہیں پائی جاتی تو بیع تعاطی کو مذکورہ بیوع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

دلیل جمہور: بیع تعاطی کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک چلا آیا ہے، اور ابتلاء عام کا مسئلہ ہے، اگر بیع تعاطی میں زبان سے تلفظ ایجاب قبول ضروری ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکی تاکید فرماتے حالانکہ کسی بھی حدیث میں زبانی ایجاب وقبول کو لازم قرار نہیں دیا گیا لہٰذا بیع تعاطی جائز ہے۔

واضح رہے کہ غیر سودی بینک جو عقد مرابحہ کرتا ہے، اس میں جو بینک اور گاہک کے درمیان بیع تعاطی ہوتی ہے جائز نہیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اگر کسی کو کوئی شئے مطلوب ہے تو بینک اس شخص کو اپنا وکیل بناتا ہے اور شخص مذکور وہ چیز خرید کر لاتا ہے۔ اس کے بعد وکیل اور بینک کے درمیان بیع تعاطی متصور کر کے بیع کر لی جاتی ہے یہ درست نہیں ہے اس لیے کہ پہلے وہ وکیل وہ چیز بینک کے قبضہ میں دے بعد میں بینک اور اس وکیل کے درمیان بیع تعاطی کا عقد ہو۔ یعنی دو عقد علیحدہ علیحدہ ہوں جبکہ علیحدہ علیحدہ عقد والی بات یہاں نہیں پائی جاتی لہٰذا یہ بیع نا جائز ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشَرَةٍ وَبِنَسِيئَةٍ بِعِشْرِينَ وَلَا يُفَارِقُهُ عَلَى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ فَإِذَا فَارَقَهُ عَلَى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا كَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمَا قَالَ الشَّافِعِيُّ وَمِنْ مَعْنَى نَهْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ أَنْ يَقُولَ أَبِيعُكَ دَارِي هٰذِهِ بِكَذَا عَلَى أَنْ

ھناد، عبدہ بن سلیمان سے وہ محمد بن عمرو سے وہ ابوسلمہ سے وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو، ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر علماء کا عمل ہے بعض علماء اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں تمہیں یہ کپڑا نقد دس روپے میں اور ادھار بیس روپے میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ وہ دونوں میں سے کسی چیز پر متفق ہونے سے پہلے جدا ہو جائیں۔ پس اگر وہ نقد یا ادھار کسی ایک معاملہ پر متفق ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بیع میں دو کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ میں اپنا گھر اتنی قیمت میں بیچتا ہوں بشرطیکہ تم اپنا

تَبِيعَنِي غُلَامَكَ بِكَذَا فَإِذَا وَجَبَ لِي غُلَامُكَ وَجَبَتْ لَكَ دَارِي وَهٰذَا تَفَارُقٌ عَنْ بَيْعٍ بِغَيْرِ ثَمَنٍ مَعْلُومٍ وَلَا يَدْرِي كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى مَا وَقَعَتْ عَلَيْهِ صَفْقَتُهُ.

غلام مجھے اتنی قیمت میں فروخت کرو پس جب تمہارا غلام میری ملکیت میں آ گیا تو تم میرے گھر کے مالک ہو جاؤ گے۔ یہ ایسی بیع پر علیحدگی ہے جس کی قیمت معلوم نہیں ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ اس کی بیع کس پر واقع ہوئی۔

تشریح: ایک بیع میں دو بیع کرنے کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں اور یہ تفسیریں بطور مثال کے ہیں ان میں حصر نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی تفسیرین ہو سکتی ہیں۔

اوّل: اگر نقد خریدنا چاہو تو اس کی قیمت دس ہزار ہے اور اگر ادھار خریدنا چاہو تو اس کی قیمت پندرہ ہزار ہے اگر متعاقدین دونوں معاملوں میں سے ایک کی تعیین سے قبل جدا ہو گئے تو بیع جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں ثمن کے مجہول ہونے کی وجہ سے جھگڑے کا اندیشہ ہے اگر ایک معاملہ کی تعیین ہو جائے کہ نقد اتنے کی خریدتا ہوں یا ادھار اتنے کی تو پھر جائز ہے۔

الثانی: دوسری صورت یہ ہے کہ جو امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ کے حوالے سے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ بائع مشتری سے مثلاً یہ کہے کہ میں اپنا گھر تجھے فروخت کرتا ہوں اتنے لاکھ کے بدلے میں بشرطیکہ تم اپنا غلام مجھے اتنے لاکھ کے بدلے میں بیچ دو، جب غلام مجھے مل جائے گا تو گھر بھی تمہیں مل جائے گا۔

وَهٰذَا تَفَارُقٌ عَنْ بَيْعٍ: یہ کس کا قول ہے اس کے بارے میں دو قول ہیں ممکن ہے یہ امام ترمذیؒ کا مقولہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا مقولہ ہو۔ بہر صورت غرض بیعتین فی بیعۃ کی علت نہی کا بیان ہے کہ اس میں ثمن مجہول ہے۔

اگر اس عبارت کا تعلق صورت اولیٰ کے ساتھ ہو تو سو فیصد صحیح ہے اس لئے کہ صورت اولیٰ میں ثمن مجہول ہیں اوزا گر اس کا تعلق صورت ثانیہ کے ساتھ ہو تو اس پر اشکال ہو گا کہ اس صورت میں تو ثمن معلوم ہے تو اس صورت میں بیع جائز ہونی چاہیے تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں جب بائع نے کہا کہ میں اپنا دار تجھے فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو مجھے اپنا غلام فروخت کرے گا اتنے لاکھ کے بدلے میں۔ جب غلام مجھے مل جائے گا تو دار بھی تجھ کو مل جائے گا یہاں بائع درحقیقت اس غلام میں نفع سمجھ رہا ہے گویا کہ بائع اپنے دار کا جو ثمن قرار دے رہا ہے وہ صرف وہ لاکھ روپیہ نہیں بلکہ اس غلام سے حاصل ہونے والا نفع بھی ہے اور ظاہر ہے کہ غلام کی بیع سے حاصل شدہ نفع معلوم نہیں تو جب کہ اس میں جہالت ہے تو باقی سارے ثمنوں میں جہالت پیدا ہو گئی۔ اور جب ثمنوں میں جہالت ہے تو بیع میں بھی جہالت پیدا ہو گئی وہ اس طرح کہ بائع یہاں پر اپنے گھر کو فروخت کرنے پر جو راضی ہے وہ دو چیزیں ہیں۔ ① قیمت اور (۲) دوسرا غلام کو فروخت کرنا اور غلام کی بیع ساقط الاعتبار ہے لہٰذا دار کا جتنا حصہ غلام کے مقابلے میں تھا وہ ساقط ہو گیا۔ اب معلوم نہیں کتنا حصہ ساقط ہے کتنا حصہ ساقط نہیں ہے؟

یا پھر اس کا تعلق صرف صورت اولیٰ کے ساتھ ہے اس پر زیادہ سے زیادہ یہ سوال ہو گا کہ ہٰذا اسم اشارہ قریب کے لئے ہے اور یہاں پر اس کا مشار الیہ بعید ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فصحاء اور بلغاء کے کلام میں تشحیذ اذہان کے لئے ایسا ہوتا رہتا ہے۔

سوال: صورت ثانیہ میں نہی کی علت کیا ہے؟ **جواب:** بیع مع شرط ہے اور ساتھ ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف سے مستقل نہی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ أَبِي بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَأْتِينِي الرَّجُلُ فَيَسْأَلُنِي مِنَ الْبَيْعِ مَا لَيْسَ عِنْدِي أَبْتَاعُ لَهُ مِنَ السُّوقِ ثُمَّ أَبِيعُهُ قَالَ لَا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ.

قتیبہ، ہشیم، ابی بشر، یوسف بن ماہک، حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ میرے پاس آکر ایسی چیز طلب کرتے ہیں جو میرے پاس نہیں ہوتی کیا میں بازار سے خرید کر انہیں بیچ سکتا ہوں آپ نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اسے فروخت نہ کرو۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو

قتیبہ، حماد بن زید، ایوب، یوسف بن ماہک، حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس چیز کے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے جو میرے پاس نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے اس باب میں عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت ہے۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ شُعَيْبٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ حَتّٰى ذَكَرَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قُلْتُ لِأَحْمَدَ مَا مَعْنَى نَهْيٍ عَنْ سَلَفٍ وَبَيْعٍ قَالَ أَنْ يَكُونَ يُقْرِضُهُ قَرْضًا ثُمَّ يُبَايِعُهُ بَيْعًا يَزْدَادُ عَلَيْهِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ يُسْلِفُ إِلَيْهِ فِي شَيْءٍ فَيَقُولُ إِنْ لَمْ يَتَهَيَّأْ عِنْدَكَ فَهُوَ بَيْعٌ عَلَيْكَ قَالَ إِسْحٰقُ كَمَا قَالَ قُلْتُ لِأَحْمَدَ وَعَنْ بَيْعِ مَا لَمْ تَضْمَنْ قَالَ لَا يَكُونُ عِنْدِي إِلَّا فِي الطَّعَامِ يَعْنِي مَا لَمْ تَقْبِضْ قَالَ إِسْحٰقُ كَمَا قَالَ فِي كُلِّ مَا يُكَالُ وَ

احمد بن منیع، اسماعیل بن ابراہیم، ایوب، عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد سے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلف اور بیع حلال نہیں اور ایک بیع میں دو شرطیں بھی جائز نہیں جس چیز کا وہ ضامن نہ ہو اس کا نفع بھی حلال نہیں اور جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ سلف کے ساتھ بیع کی ممانعت کا کیا مطلب ہے انہوں نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو قرض دے اور پھر کوئی چیز اسے قیمت سے زیادہ کی فروخت کرے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کوئی شخص کسی چیز کی قیمت قرض چھوڑ دے اور اس سے یہ کہے کہ اگر تم یہ قیمت ادا نہ کرسکے تو یہ چیز میرے ہاتھ فروخت ہوگئی اسحاق کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام احمدؒ سے اس کا معنی پوچھا کہ "جس کا ضامن نہ ہو اس کا منافع بھی حلال نہیں" انہوں نے فرمایا میرے نزدیک یہ صرف

يُوزَنُ قَالَ وَأَحْمَدُ إِذَا قَالَ أَبِيعُكَ هٰذَا الثَّوْبَ وَعَلَيَّ خِيَاطَتُهُ وَقَصَارَتُهُ فَهٰذَا مِنْ نَحْوِ شَرْطَيْنِ فِي بَيْعٍ وَإِذَا قَالَ أَبِيعُكَهُ وَعَلَيَّ خِيَاطَتُهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ أَوْ قَالَ أَبِيعُكَهُ وَعَلَيَّ قَصَارَتُهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ إِنَّمَا هٰذَا شَرْطٌ وَاحِدٌ قَالَ إِسْحٰقُ كَمَا قَالَ حَدِيثُ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ رَوٰى أَيُّوبُ السَّخْتِيَانِيُّ وَأَبُو بِشْرٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ عَوْفٌ وَهِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ إِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ سِيرِينَ عَنْ أَيُّوبَ السَّخْتِيَانِيِّ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ هٰكَذَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ وَعَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ حَكِيمٍ قَالَ نَهَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَبِيعَ مَا لَيْسَ عِنْدِي وَرَوٰى وَكِيعٌ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ وَرِوَايَةُ عَبْدِ الصَّمَدِ أَصَحُّ وَقَدْ رَوٰى يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يَعْلَى بْنِ حَكِيمٍ عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عِصْمَةَ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ مَا لَيْسَ عِنْدَهُ۔

غلے وغیرہ میں ہے یعنی جب تک قبضہ نہ ہو اسحاق کہتے ہیں۔ جو چیزیں تولی یا ناپی جاتی ہیں ان کا حکم بھی اسی طرح ہے یعنی قبضے سے پہلے ان کی بیع جائز نہیں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے یہ کپڑا تمہارے ہاتھ فروخت کیا کہ سلائی اور دھلائی میرے ذمہ ہے تو یہ ایک بیع میں دو شرطوں کی طرح ہے لیکن اگر یہ کہے کہ تمہیں کپڑا فروخت کرتا ہوں اس کی سلائی بھی مجھ پر ہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر صرف دھلائی کی شرط ہو تب بھی جائز ہے اس لئے کہ یہ ایک ہی شرط ہے اسحاقؒ نے اسی طرح کچھ کہا ہے۔ حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث حسن ہے یہ حکیم بن حزامؓ ہی سے کئی سندوں سے مروی ہے یہ حدیث ایوب سختیانی اور ابوبشر بھی یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے نقل کرتے ہیں پھر عوف اور ہشام بن حسان، ابن سیرین سے اور وہ حکیم بن حزامؓ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں ابن سیرین ایوب سختیانی سے وہ یوسف بن ماہک سے اور وہ حکیم بن حزام سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔

حسن بن علی خلال، عبدہ بن عبداللہ اور اس کے علاوہ عبدالصمد بن عبدالوارث، یزید بن ابراہیم، ابن سیرین، ایوب، یوسف بن ماہک، حکیم بن حزام ہی سے مروی ہے کہ مجھے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے بیچنے سے منع فرمایا جو میری ملکیت میں نہیں ہے۔ اور روایت کیا وکیع نے اس حدیث کو یزید بن ابراہیم سے وہ ابن سیرین سے وہ ایوب سے وہ حکیم بن حزامؓ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں یوسف بن ماھک کا ذکر نہیں کرتے اور عبدالصمد کی روایت اصح ہے اور روایت کیا یحییٰ بن ابی کثیر نے اس حدیث کو یعلی بن حکیم سے وہ یوسف بن ماھک سے وہ عبداللہ بن عصمۃ سے وہ حکیم بن حزام سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس حدیث پر اکثر اہل علم کا عمل ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز کو فروخت کرے جو اس کے پاس نہ ہو مکروہ ہے۔

تشریح: اس باب کی احادیث میں چند مسائل کا بیان ہے۔

مسئلہ اولیٰ: بائع جو چیز فروخت کر رہا ہے وہ اس کی ملکیت میں ہو اور اس پر اس کا قبضہ بھی ہو اگر مبیع بائع کی ملکیت میں نہیں یا اس پر اس کا قبضہ نہیں تو بیع جائز نہیں۔

اس بیع کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ① مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا۔ ② دوسرا مبیع کا بائع کی ضمان میں ہونا۔ اگر ان دونوں شرطوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگئی تو بیع جائز نہیں۔

یہ شرطیں اس لئے لگائی جاتی ہیں کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہیں ہوتی وہ ہلاک بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے اس کو وہ چیز ملے ہی نہ۔ اس لئے یہ حکم دیا گیا کہ جو چیز بائع کے پاس موجود نہیں ہے اس کا آگے بیچنا درست نہیں ہے۔

اس سے ایک صورت مستثنیٰ ہے کہ بائع نے آرڈر پر کوئی چیز منگوائی ہوئی ہے اور آگے آنے والے گاہک کو بیچ دیتا ہے حالانکہ وہ چیز ابھی تک آئی ہی نہیں ہوتی تو اس کا آگے بیچ دینا درست ہے کیونکہ یہ وعدہ بیع ہے اور اگر وہ چیز نہ آئے تو بائع معذرت بھی کرلے۔ اس لئے آرڈر لینا اس حدیث کے ضمن میں نہیں آتا البتہ پختہ بیع کرنا بھی جائز نہیں۔

مسئلہ ثانیہ: لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَ بَيْعٌ: پہلی تفسیر قرض اور بیع دونوں جائز نہیں مطلب اس کا یہ ہے کہ قرض دے کر مقروض کو کوئی چیز زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو پچیس ہزار کا قرض چاہیے قرض دینے والا شرط لگائے کہ آپ کو میرا گھوڑا پندرہ ہزار میں خریدنا پڑے گا جبکہ اس گھوڑے کی قیمت دس ہزار ہے مگر قرض لینے والا مجبور ہے اسے قرض چاہیے اس لئے اس نے پندرہ ہزار کا گھوڑا بھی خرید لیا یہ جائز نہیں کیونکہ بائع نے پانچ ہزار کا جو نفع کمایا ہے وہ قرض کی بنیاد پر کمایا ہے اور حدیث میں ہے ''کل قرض جر نفعا فهو ربوًا'' یعنی جو بھی قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔

دوسری تفسیر: ایک شخص نے کسی سے دو من گندم ادھار لئے اور کہا کہ جب میرے کھیت میں گندم پیدا ہوگی اتنی ہی گندم واپس کر دوں گا۔ قرض دینے والے نے کہا یا تو تم گندم واپس کر دینا یا آٹھ سو روپے فی من کے حساب سے مجھے پیسے دے دینا یہ چونکہ سودے پر سودا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ یہ دونوں تفسیریں کتاب میں امام احمدؒ سے مروی ہیں۔

وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ: کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا اپنی کوئی چیز دو شرطوں کے ساتھ نہ بیچے مثال کے طور پر کسی نے کپڑا خریدا اس شرط کے ساتھ کہ بائع دھو کر سلائی کر کے دے گا تو یہ ناجائز ہوگا یہاں ایک بیع میں دو شرطیں ہوگئیں یا ایک شخص دوسرے کو کہے کہ میں تجھ پر یہ کپڑا نقد میں دس درہم پر فروخت کرتا ہوں اور ادھار میں بیس درہم پر، دوسرا شخص کسی ایک کی تعیین نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے میں خریدتا ہوں اس میں وہ تعیین نہیں کر رہا اس میں ثمن میں جہالت آگئی اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مشتری نے کون سی صورت کو قبول کیا ہے لہٰذا یہ ناجائز ہے۔ لیکن اگر صرف دھونے یا سلائی کرنے کی شرط ہو تو جائز ہے۔ علامہ سندھیؒ نے فرمایا کہ اس کی تفسیر میں علماء کے مزید اقوال بھی ہیں۔ ان تفاسیر میں سے سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ میں یہ چیز تمہیں ایک دینار نقد میں دوں گا اور ادھار دو دینار میں دوں گا۔ عند البعض یہ ہے کہ بائع مشتری پر یہ شرط لگائے کہ وہ اس سامان یا مبیع کو آگے نہ بیچے گا اور نہ ہی ہبہ کرے گا۔ عند البعض یہ ہے کہ بائع مشتری سے یہ کہے میں یہ چیز تمہیں فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ فلاں چیز تم مجھے فروخت کرو۔

مسئلہ ثالثہ: کہ بیع میں شرط لگانا جائز ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور جمہور حضرات کے نزدیک بیع میں دو شرطیں لگانا جائز نہیں ایک شرط لگانا جائز ہے۔
قول ثانی: ابن ابی لیلیٰؒ کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز تو ہے لیکن شرط باطل ہو جائے گی۔
قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور جمہور حضرات کے نزدیک ایسی شرط لگانا جو عقد کے تقاضے کیخلاف ہو جائز نہیں ہے بلکہ مفسد للبیع ہے چاہے ایک ہو یا دو شرطیں ہوں۔
احناف کے نزدیک کہ عقد میں چار طرح کی شرطیں لگانا جائز ہے۔
اول: وہ شرط جو مقتضاء عقد کے مطابق ہو مثلاً بائع مشتری کو کہتا ہے کہ جب تک تم ثمن ادا نہیں کرو گے میں مبیع نہیں دوں گا جبکہ ثمن حالی ہو مؤجل نہ ہو۔ دوم: وہ شرط جو ملائم عقد میں سے ہو۔ مثلاً بائع کہتا ہے کہ جب تک ثمن نہیں دیتے اس وقت تک اس کے بدلے کوئی چیز رہن رکھو۔ سوم: وہ شرط جسکا عرف جاری ہو جیسے کوئی آدمی جوتا خریدتا ہے اور بائع سے شرط لگاتا ہے کہ وہ برابر کر کے دے گا یا آج کل جو گارنٹی وغیرہ کی شرط لگائی جاتی ہے مثلاً فریج، پنکھا وغیرہ خریدا کہ سال میں خراب ہو گیا تو ٹھیک کر کے دو گے تو یہ شرط بھی عرف کی وجہ سے جائز ہے۔ چہارم: وہ شرط جو شریعت کی طرف سے وارد ہو جیسے خیار شرط وغیرہ۔
مندرجہ بالا چار طرح کی شرائط احناف کے نزدیک جائز ہیں۔ اور ایسی شرط لگانا جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو عاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو یا مبیع کا نفع ہو جبکہ وہ انسان ہو تو ایسی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے۔
امام مالک کی دلیل اوّل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنا اونٹ ایک شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیچا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی تھی۔
جواب اوّل: یہ شرط صلب عقد میں نہ تھی بلکہ عقد طے ہونے کے بعد لگائی لہٰذا کوئی حرج نہیں ہے
جواب ثانی: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ وہاں حقیقۃً کوئی بیع نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو کچھ ہبہ کرنا چاہتے تھے۔
دلیل ثانی: حدیث الباب ہے کہ اس میں دو شرطوں سے نہی فرمائی ہے ایک شرط سے نہی نہیں فرمائی۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ایک شرط جائز ہے۔ جواب: ولا شرطان کی قید اتفاقی ہے اور مفہوم مخالف سے استدلال درست نہیں ہے۔
ابن ابی لیلیٰؒ کی دلیل: بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے ''ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال اشتری بریرة واشترطی لهم الولاء فالبيع جائز والشرط باطل'' کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی ''اشتراء بشرط الولاء'' کی اجازت دی تھی پھر خطبہ میں شرط کو باطل کر دیا تھا اور بیع کو باقی رکھا اس سے معلوم ہوا کہ شرط باطل ہے اور بیع جائز ہے۔
جواب اوّل: شرط لگانا مفید نہیں ہوگا بلکہ نقصان وہ ہوگا لہٰذا شرط لگانے دو
جواب ثانی: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرط لگانے کی اجازت دی تھی تاکہ عملی طور پر تہدیداً ان کو منع فرمادیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ ''مابال رجال يشترطون شروطا'' تو یہ اثبات جواز شرط کے لئے نہیں فرمایا بلکہ تہدید کے طور پر فرمایا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ''قل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله''۔ جواب ثالث: بعض حضرات نے اس حدیث کی تضعیف کی ہے۔
جواب رابع: بعض حضرات نے اس حدیث میں شرط کا انکار کیا ہے جیسا کہ امام خطابیؒ نے کیا (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۴۱۰)

احناف کی دلیل اوّل: حضرت عمرو بن شعیب "عن ابیه عن جده" کی روایت ہے "ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع شرط۔ فالبیع باطل والشرط باطل" کہ بیع اور شرط سے منع کیا ہے مطلقاً اس سے معلوم ہوا کہ دونوں باطل ہیں۔

دلیل ثانی: حدیث الباب ہے اس میں ہے کہ "ولا شرطان فی بیع"۔ اور یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے۔

امام صاحبؒ کی دلیل پر اعتراض: جب یہ قید احتراز کے لئے نہیں ہے اور ایک شرط بھی اسی طرح ناجائز ہے جس طرح دو شرطیں تو پھر شرطان کا صیغہ ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔ **جواب:** اس میں یہ احتمال ہے کہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اگر عقد میں ایک ہی شرط غیر ملائم ہو اور اس میں احد العاقدین کا نفع لازم ہو تو ناجائز ہے اور اگر اس میں دو شرطیں ایسی ہوں کہ ایک میں ایک عاقد کا فائدہ اور دوسری میں دوسرے عاقد کا فائدہ ہو تو جائز ہے تو اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا "ولا شرطان فی بیع"۔

مسئلہ رابعہ: وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ وَلَا بَيْعُ. جو چیز ضمان میں نہیں آئی اس کا نفع جائز نہیں اور کوئی چیز ذمہ داری میں آتی ہے قبضہ کرنے کے بعد۔ جیسا کہ بائع نے بکری مشتری کو پانچ ہزار میں بیچ دی اب مشتری نے اس پر قبضہ نہیں کیا کہ اس کو آگے آٹھ ہزار میں بیچ دیا تو یہ تین ہزار منافع ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ابھی وہ بکری مشتری کے قبضہ میں ہی نہیں آئی کہ اس نے آگے منافع کے ساتھ بیچ دی۔ ہوسکتا ہے وہ مشتری کے پاس زندہ پہنچ ہی نہ پائے یا مشتری کے پاس پہنچ کر وہ ذبح ہو جائے یا مر جائے۔ تو ایسی چیز کے بیچنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ حدیث مطعومات کے ساتھ خاص ہے یعنی کھانے پینے کی وہ چیزیں جو ناپ کر یا تول کر بیچی جاتی ہیں ان کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں جب تک مشتری کا ان پر قبضہ نہ ہو جائے اور مطعومات کے علاوہ دیگر اشیاء قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک یہ حدیث منقولات کے لئے ہے یعنی ہر وہ چیز جو جگہ بدلتی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیجاتی ہے اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔ اور غیر منقولات کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ منقولات میں نقصان کا اندیشہ ہے اور غیر منقولات میں نقصان کا اندیشہ نہیں اس لئے قبضہ کی شرط منقولات میں ہے غیر منقولات میں نہیں۔

قول ثالث: امام محمدؒ کے نزدیک یہ حدیث منقولات اور غیر منقولات سب کے لئے عام ہے۔ ضمان میں آنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

قال اسحاق بن منصور: یہ مقولہ اسحاق بن منصور کا ہے یہ امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے شاگرد ہیں اور قال اسحاق کما قال احمد اس عبارت میں تقریباً تین مرتبہ آرہا ہے اس میں اسحاق سے مراد اسحاق بن راہویہؒ ہیں اور احمد سے مراد احمد بن حنبلؒ ہیں۔

حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے متعلق چند باتوں کا بیان۔

پہلی بات: حدیث حکیم بن حزام کی توثیق وتحسین یہ حدیث حسن ہے۔

سوال: توثیق تو پہلے فرما چکے تھے تو پھر اس کا اعادہ کیوں کیا۔

جواب: تاکہ حدیث حکیم بن حزامؓ کے متعلق جو مزید باتیں آئی ہیں وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں تاکہ ضبط کے اندر آسانی رہے اور یہ توثیق وتحسین آنے والی باتوں کے لئے بطور مقدمہ کے ہے۔

دوسری بات اس حدیث حکیم بن حزامؓ میں یوسف بن ماہک سے روایت کرنے والے ایوب سختیانی ہیں تو بتلادیا کہ متفرد نہیں بلکہ ان کے متابع ابو بشر موجود ہیں۔

تیسری بات یہ حدیث حکیم بن حزامؓ بسند محمد بن سیرین بھی منقول ہے۔

چوتھی بات: حدیث حکیم بن حزامؓ بسند محمد بن سیرین میں واسطہ ہے کہ نہیں تو بعض رواۃ مثلاً عوف اور ہشام بن حبان وغیرہ واسطہ ذکر نہیں کرتے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں لیس بصحیح بلکہ واسطہ ہے۔

پانچویں بات: واسطہ کی تعیین میں ہے کہ واسطہ ایک ہے یا دو واسطے ہیں یا بعنوان آخر صرف ایوب سختیانی کا واسطہ ہے یا یوسف بن ماہک کا بھی واسطہ ہے۔ وکیع ایک واسطہ ذکر کر رہے ہیں اور عبد الصمد دو واسطے ذکر کر رہے ہیں۔ امام ترمذیؒ عبد الصمد کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دو واسطے ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ معضل ہے۔

چھٹی بات: یوسف بن ماہک اور حکیم بن حزام کے درمیان بھی واسطہ ہے یا نہیں تو بعض راوی واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔ یحییٰ بن کثیر واسطہ ذکر کرتے ہیں عبد اللہ بن عصمہ کا، لیکن اس کے متعلق امام ترمذیؒ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا شاید اس بات کی طرف اشارہ کر گئے کہ یوسف بن ماہک کو بلا واسطہ بھی سماع حاصل ہے اور بالواسطہ بھی۔ تو جس نے واسطہ نہیں ذکر کیا وہ بھی صحیح ہے اور جس نے واسطہ ذکر کیا وہ بھی صحیح ہے۔

ماہک: یہ لفظ عربی ہے یا فارسی اکثر حضرات کے نزدیک یہ فارسی لفظ ہے اور تشبیہ پر محمول ہے وہ تشبیہ یہ ہے کہ چاند جیسا اور بعض نے کہا کہ عربی لفظ ہے غیر منصرف ہے عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے۔

مسئلہ خامسہ: بیع قبل القبض میں نہی کی علت کیا ہے اس میں چند اقوال ہیں۔

قول اول: امام مالکؒ کے نزدیک نہی کی علت لوگوں کو سود سے بچانا ہے۔ ان کا استدلال حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے قول سے ہے کہ جب ان سے اس کی نہی کی علت پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا "**الا تراهم يبتاعون بالذهب والطعام مُرْجًا**" (مسلم ج۲ص۵)

حاصل اس کا یہ ہے کہ بیع قبل القبض متضمن ہے بیع الذهب بالذهب متفاضلا کو۔ وہ اس طرح کہ جب ایک آدمی سو دینار کے بدلے طعام خریدتا ہے، بائع کو سو دینار دے دیتا ہے لیکن مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے آگے فروخت کر دیتا ہے ایک سو بیس دینار کے بدلے اور ان پر قبضہ بھی کر لیتا ہے اور طعام ابھی بائع اول کے پاس ہوتا ہے تو گویا مشتری اول نے سو دینار بیچے ایک سو بیس دینار کے بدلے میں تو ظاہر ہے کہ یہ سود ہے۔

قول ثانی: احناف، شافعیہ اور امام احمدؒ کے نزدیک علتِ نہی غرر ہے اور احناف کہتے ہیں کہ غرر اور "**ربح مالم يضمن**" ہے۔ اس باب کی احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ سادسہ: قبضہ کب متحقق ہوگا؟ قبضہ ہر چیز کا اس کی حالت اور شان کے مطابق ہوتا ہے۔ اشیاء کے مختلف ہونے سے اس کا طریقہ بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ قبضہ تام ہونے کے لیے بنیادی طور پر تین شرطیں ہیں۔

(۱) کہ بائع مشتری کے سامنے چیز اس انداز سے پیش کرے کہ مشتری کے لیے اس چیز کے اٹھانے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

(۲) بائع صراحتاً یا دلالۃً اجازت دے صراحتاً یہ ہے کہ مشتری کو مبیع علیحدہ کر کے کہہ دے کہ تو اپنی چیز اٹھا لے۔

(۳) مبیع کسی غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو یعنی مشتری کے غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو مثلاً بائع نے گندم اپنی بوریوں میں ڈال کر رکھ دی تو بائع کی بوریاں مشغول ہیں۔ اب محض چیز کو علیحدہ کر کے رکھنے سے قبضہ متحقق نہیں ہوگا جب تک مشتری چیز کو اٹھا کر نہ

لے جائے۔ہاں اگر مبیع مشتری کی بوریوں میں پڑی ہو اور دوسری شرائط بھی پائی جائیں تو قبضہ متحقق ہو جائے گا۔

مسئلہ سابعہ: بیع قبل القبض کے نقصانات: (۱) مہنگائی، بیع قبل القبض کی وجہ سے اشیاء کی قیمتیں بہت زیادہ ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی نے چھوٹی الائچی کا جہاز ⑤ لاکھ روپے میں منگوایا کراچی پہنچنے سے پہلے کئی ہاتھوں میں بکنے کی وجہ سے ریٹ میں زیادتی ہو جاتی ہے کیونکہ ہر تاجر نفع کے ساتھ جب فروخت کرے گا تو ریٹ میں بھی زیادتی ہو جائے گی اگر بیع قبضہ کے بعد کی جائے تو اشیاء کی قیمتیں اعتدال پر رہیں گی۔ (۲) ربوا اور غرر، بعض ائمہ کے نزدیک یہ نہی ربوا سے بچانے کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک غرر سے بچانے کے لیے ہے لہٰذا ربوا اور غرر کے جو نقصانات ہیں وہ یہاں بھی پائے جائیں گے۔ (۳) مزدور طبقہ کا بھی نقصان ہے اگر ہر آدمی قبضہ کر کے فروخت کرے کرے گا تو ظاہر ہے کہ مزدور چیز کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائیں گے تو اس میں اٹھانے والے مزدوروں کو روزگار میسر ہوگا، جبکہ بیع قبل القبض نہ کرنے کی صورت میں مزدور طبقہ کا بھی نقصان نہیں ہوگا۔

مسئلہ ثامنہ: غائب شئے کی بیع اور خیار رؤیت کا حکم: یعنی جو چیز آدمی کی ملک میں تو ہے لیکن سامنے موجود نہیں ہے اور مشتری نے دیکھی ہوئی نہیں ایسی چیز کی بیع جائز ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے اور چند اقوال ہیں۔

الاول: امام شافعیؒ کا قول جدید ہے کہ ایسی شئے کی بیع باطل ہے۔

الثانی: ایسی شئے کی بیع مطلقاً جائز ہے۔ البتہ جب مشتری اسے دیکھے گا تو اسے خیار رؤیت حاصل ہوگا یہ قول امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ صاحبینؒ امام شافعیؒ کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ، اور سفیان ثوریؒ کا ہے۔

الثالث: غائب شئے کے جب اوصاف بیان کر دیئے جائیں تو اس کی بیع کرنا جائز ہے، مشتری اگر ان اوصاف کے مطابق پائے تو بیع لازم ہو جائے گی اور اس کو خیار نہیں ملے گا اور اگر مشتری اوصاف کے مطابق نہ پائے تو خیار ملے گا یہ قول امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل: امام شافعیؒ نے غائب چیز کی بیع کے باطل ہونے پر بیع ملامسہ کی ممانعت سے استدلال کیا ہے کہ جو وجہ اس میں ہے وہ وجہ یہاں بھی ہے۔

احناف کے دلائل: دلیل نمبر (۱): مشہور حدیث ہے "من اشتری شیئاً مالم یرہ فھو بالخیار اذا راٰہ" (اعلاء السنن ج۱۴ ص۵۲ باب خیار الرؤیۃ) اس حدیث سے غائب چیز کی بیع کا صحیح ہونا اور مشتری کیلئے خیار کا ثابت ہونا معلوم ہوتا ہے۔

دلیل نمبر (۲): حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ سے زمین خریدی یہ سودا مدینہ منورہ میں ہوا اور زمین بصرہ میں تھی۔ بعض لوگوں نے حضرت طلحہؓ کو کہا آپ سے غبن ہوا ہے کہ زمین بہت مہنگی خریدی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے وہ چیز خریدی ہے جو دیکھی نہیں ہے لہٰذا مجھے خیار حاصل ہے۔

ادھر حضرت عثمانؓ کو کہا گیا کہ آپ نے سستی بیچی ہے تو آپ نے فرمایا میں نے وہ چیز بیچی ہے جو میں نے دیکھی نہیں ہے تو مجھے خیار ملے گا ان دونوں حضرات نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کو فیصل مقرر کیا تو انہوں نے مشتری (حضرت طلحہ) کے حق میں خیار کا فیصلہ کر دیا۔

دلیل نمبر (۳): امام طحاویؒ نے قرآن کی آیت سے استدلال کیا ہے "قال اللہ تعالی یا ایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم" (سورۃ النساء:۲۹) کہ تجارت میں آپس کی رضامندی ضروری ہے۔ کیونکہ اس آیت میں مطلق رضامندی کا حکم دیا گیا ہے رؤیت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ حدیث سے غائب چیز کی بیع کے باطل ہونے پر استدلال درست نہیں اس لیے کہ بیع ملامسہ کے ناجائز ہونے کی علت عدم النظر ہے یعنی شئے میں غور وفکر نہ کرنا خیار کے ساقط کرنے کے ساتھ بیع ملامسہ میں مشتری کی رضامندی کے بغیر بیع کو لازم کیا جارہا ہے اور یہ صورت غائب شئے کی بیع میں نہیں پائی جاتی کیونکہ یہاں خیار رویت ملتا ہے۔ اگر راضی ہوگا تو رکھ لے گا ورنہ واپس کردے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رَوَى يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَهِبَتِهِ وَهُوَ وَهْمٌ وَهِمَ فِيهِ يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ وَقَدْ رَوَى عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ.

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، شعبہ سے وہ عبداللہ بن دینار سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق ولاء کے بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف عبداللہ بن دینار کی ابن عمرؓ سے روایت سے جانتے ہیں اہل علم کا اسی پر عمل ہے یحییٰ بن سلیم یہ حدیث عبیداللہ بن عمر سے وہ نافع سے وہ ابن عمرؓ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء کو بیچنے سے اور اس کو ھبہ کرنے سے منع فرمایا۔اس حدیث میں وہم ہے یحییٰ بن سلیم اس میں وہم کرتے ہیں عبدالوہاب ثقفی، عبداللہ بن نمیر اور کئی راوی یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں یہ حدیث یحییٰ بن سلیم کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: ولاء کی دو قسمیں ہیں۔ ① ولاء العتاقہ ② ولاء موالاۃ

ولاء عتاقہ یہ ہے کہ معتق کے مرنے کے بعد معتق کو اس کی میراث کا جو حق حاصل ہوتا ہے اس کو ولاء عتاقہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ معتق کا کوئی قریبی یا بعیدی رشتہ دار نہ ہو۔

ولاء الموالاۃ: کوئی شخص دارالحرب سے دارالاسلام میں آیا اور یہاں آکر کسی شخص کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا اور اس کے ساتھ عہد کرلیا کہ تمہارا نقصان میرا نقصان ہے اور میرا نقصان تمہارا نقصان ہے۔ میں تمہارے مرنے کے بعد میں تمہارے مال کا مستحق ہوں گا اور میرے مرنے کے بعد تم میرے مال کے مستحق ہوگے۔

حکم: ''ولاء العتاقه'' تو اجماعی ہے اور ''ولاء الموالاۃ'' کے قائل صرف احناف ہیں اور کوئی اس کا قائل نہیں ہے الغرض احناف کے مذہب پر ''ولاء الموالاۃ'' ہو یا ''ولاء العتاقه'' ہو ہر ایک کی بیع کی دو صورتیں ہیں۔

① استحقاق کا جو حق حاصل ہے اس کو فروخت کرنا مثلاً معتق کہے کہ فلاں شخص میرا معتق ہے اس کی میراث سے جو میرا حق ہے میں اس حق کو فروخت کرتا ہوں اتنے پیسوں کے عوض۔

② حق سے حاصل شدہ مال کو فروخت کرنا دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

پہلی صورت میں حق مال نہیں ہے حق محض کی بیع جائز نہیں ہوتی۔

سوال: حق مرور یا حق شرب کو تو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔

جواب: حق مرور اور حق شرب کی بیع کو جائز قرار دیا ہے تبعاً للارض، زمین کے ساتھ ملے ہوئے ہونے کی صورت میں اور حق ولاء یہ حق مجرد ہے۔ اگر ولاء سے حاصل ہونے والے مال کو فروخت کر رہا ہے تو بھی جائز نہیں مبیع کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔

وَقَدْ رَوٰى يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ هٰذَا الْحَدِيْثَ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد نافع ہیں یا عبداللہ بن دینار ہیں، جمہور حضرات کہتے ہیں کہ عبداللہ بن دینار ہیں اور یحییٰ بن سلیم کہتے ہیں کہ نافع ہیں۔ امام ترمذیؒ نے فیصلہ جمہور کے حق میں دیا کہ عبداللہ بن دینار ہیں۔

اور امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن دینار کی جگہ نافع کو ذکر کرنا یہ یحییٰ بن سلیم کا وہم ہے۔ اور اس وہم کا منشا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اکثر روایات کے راوی نافع ہیں تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید اس حدیث کے راوی بھی نافع ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں اس حدیث کے راوی عبداللہ بن دینار ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُثَنَّى أَبُو مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَسَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ سَمُرَةَ صَحِيحٌ هٰكَذَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ وَغَيْرُهُ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ

محمد بن مثنی، ابو موسیٰ، عبدالرحمن بن مہدی، حماد بن سلمہ، قتادہ، حسن، حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیوان کے بدلے حیوان ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا اس باب میں حضرت ابن عباس، جابر، ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حسن کا حضرت سمرہؓ سے سماع بھی صحیح ہے علی بن مدینی وغیرہ نے یہی کہا ہے اکثر علماء صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ حیوان کی بیع حیوان کے بدلے میں ادھار فروخت کرنا منع ہے۔ سفیان ثوری اہل کوفہ، اور امام

وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَإِسْحٰقَ

احمد کا یہی قول ہے بعض صحابہ اور دیگر علماء نے جانور کو جانور کے بدلے ادھار فروخت کرنے کی اجازت دی ہے امام شافعیؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ عَنِ الْحَجَّاجِ وَهُوَ ابْنُ أَرْطَاةَ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَيَوَانُ اثْنَيْنِ بِوَاحِدٍ لَا يَصْلُحُ نَسِئًا وَلَا بَأْسَ بِهِ يَدًا بِيَدٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

ابو عمار حسین بن حریث، عبداللہ بن نمیر، حجاج، ابن ارطاۃ، ابو زبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک جانور کے بدلے دو جانور ادھار بیچنا جائز نہیں لیکن نقد بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ حدیث حسن ہے۔

تشریح: حیوان کی بیع حیوان کے ساتھ اس کی دو صورتیں ہیں یداً بید ہوگی یا نسیئۃً ہوگی۔ اگر یداً بید ہو تو بالاجماع جائز ہے۔ متفاضلاً ہو یا مستوفیا ہو۔ اور اگر نسیئۃً ہو تو پھر اس کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ادھار بیع جائز نہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک یہ بیع بھی جائز ہے۔

شوافع کی دلیل: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے جو کہ ابوداؤد شریف میں بھی ہے: ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امره ان يجهزه جيشًا فنفدت الابل فامره أن يأخذ على قلائص الصدقة فكان يأخذ البعير بالبعير الى ابل الصدقة'' (رواہ ابوداؤد) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک لشکر کا سامان تیار کرنے کے لئے کہا۔ پس اونٹ ختم ہو گئے۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ زکوٰۃ کے اونٹوں کے وعدہ پر اونٹ خرید لے وہ ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں زکوٰۃ کے اونٹ آنے تک خریدتے۔ تو یہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً ہے۔ معلوم ہوا کہ بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً جائز ہے۔

جواب اوّل: حدیث سمرہ یہ محرّم ہے ''بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً'' کے لئے اور حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مبیح ہے اور جب اباحت اور حرمت میں تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ لہٰذا حدیث سمرہ رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہے۔

جواب ثانی: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یہ سنداً مضطرب ہے اور حدیث مضطرب سے استدلال بھی اضطراب کو پیدا کرتا ہے۔ حافظ جمال الدین زیلعی نے لکھا ہے یحییٰ بن سعید قطان کا قول ہے جو جرح وتعدیل کے امام ہیں کہ ''ہذا مضطرب الاسناد'' اور اس اضطراب کو اپنی کتاب کے اندر تفصیل سے بیان کیا ہے۔

جواب ثالث: سنداً بھی حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ضعیف ہے چنانچہ ابوداؤد کی سند کے اندر ایک راوی مسلم بن جبیر اور دوسرے عمرو بن حریث کے بارے میں کہا گیا ہے ''کلاھما مجھولان''۔

جواب رابع: اگر مان بھی لیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اور یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب حرمت ربوا کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور جب حرمت ربوا کے احکام نازل ہوئے تو بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً کی بھی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ امام طحاوی کا بھی میلان اسی طرف ہے۔

مالکیہ تھوڑا سا فرق کرتے ہیں کہ متحد الجنس ہوگا یا مختلف الجنس ہوگا اگر مختلف الجنس ہو تو پھر مالکیہ احناف کے ساتھ ہیں اگر متحد الجنس ہو تو پھر شوافع کے ساتھ ہیں اور یہ حدیث تائید کے درجہ میں ہے وگرنہ اس حدیث میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف راوی ہیں اور ضعیف سے بھی سہارا لیا جاتا ہے۔

احناف کے دلائل: **دلیل اوّل:** یہی حدیث الباب ہے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ''**أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ**'' چونکہ یہ حدیث احناف کا مستدل ہے اس لئے شوافع حضرات اس پر اعتراضات کررہے ہیں۔

اعتراض اوّل: اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ ہیں اور ان کی ملاقات حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ روایت منقطع ہے اور تم منقطع حدیث سے استدلال کرتے ہو۔

جواب: کتاب کے اندر یہ بات موجود ہے کہ امام ترمذیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کی ملاقات کو صراحۃً ذکر کیا ہے۔

اعتراض ثانی: اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ حدیث متصل ہے تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ محمول ہے۔ بیع الحیوان بالحیوان پر جبکہ جانبین سے نسیئۃ ہو اور جانبین سے نسیئۃ کے عدم جواز کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

جواب: حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو جانبین سے نسیئۃ پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ نسیئۃ عن الجانبین سے نہی کے لئے مستقل نص ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الکالی بالکالی سے منع فرمایا۔

دلیل ثانی: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابن ماجہ میں موجود ہے ''**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا بأس بالحیون واحد باثنین یدًا بیدٍ وکرھہ نسیئۃً**'' ادھار کو ناپسندیدہ قرار دیا۔

اعتراض: اس حدیث میں ایک راوی حجاج بن ارطاۃ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب: ''قال ابن حبان صدوق یکتب حدیثہ، وقال الذھبی فی المیزان احد الاعلام علی لین'' ابن حبان نے ان کو اپنی احادیث میں صادق کہا ہے اور امام ذہبی نے میزان میں ان کو احد الاعلام کہا ہے جو ان کے ثقہ ہونے پر دلیل ہے۔

دلیل ثالث: امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے ''**محمد بن عمرو المقدمی عن زیاد بن جبیر عن ابن عمر قال نھی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً**''۔

اعتراض: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ان کی روایت زیاد بن جبیر عن النبیؐ سے مرسلاً منقول ہے۔

جواب: امام طحاویؒ نے اسناد جید کے ساتھ موصولاً ذکر کی ہے ''**قال حدثنا محمد بن اسماعیل بن سالم الصائغ و عبداللہ بن محمد بن حشیش و ابراہیم بن محمد الصیرفی قالوا حدثنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا محمد بن دینار عن موسی بن عبید عن زیاد بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃً**''۔

سوال: امام بیہقیؒ نے کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے محمد بن دینار الطاحی البصری بارویٰ عن ابن معین أنہ ضعیف کہ اس میں محمد بن دینار الطاحی البصری ضعیف راوی ہے جیسا کہ ابن معین وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

جواب: یہی روایت احمد بن ابی خیثمہ عن ابی معین روایت ہے فرماتے ہیں ''انہ قال لیس بہ بأس وقال ابو زرعة صدوق قال ابن عدی حسن الحدیث''۔

دلیل رابع: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ترمذی کتاب العلل میں نقل کی ہے'' عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن بیع بالحیوان بالحیوان نسیئۃ''۔

اعتراض: امام بیہقیؒ سے روایت ہے کہ یہ روایت ''عکرمة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کی سند سے مرسلاً روایت ہے۔

جواب: امام طحاویؒ نے اس حدیث کو دو طرق سے متصلاً نقل کیا ہے اسی طرح مسند بزار میں بھی متصلاً نقل کیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْعَبْدِ بِالْعَبْدَيْنِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ عَبْدٌ فَبَايَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْهِجْرَةِ وَلَا يَشْعُرُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ عَبْدٌ فَجَاءَ سَيِّدُهُ يُرِيدُهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعْنِيهِ فَاشْتَرَاهُ بِعَبْدَيْنِ أَسْوَدَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُبَايِعْ أَحَدًا بَعْدُ حَتّٰى يَسْأَلَهُ أَعَبْدٌ هُوَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَنَسٍ حَدِيثُ جَابِرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِعَبْدٍ بِعَبْدَيْنِ يَدًا بِيَدٍ وَاخْتَلَفُوا فِيهِ إِذَا كَانَ نَسِيئًا.

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہجرت کی بیعت کی آپؐ کو علم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے جب اس کا مالک اسے لے جانے کے لئے آ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اسے میرے ہاتھ فروخت کر دو پس آپؐ نے اسے دو سیاہ فام غلاموں کے عوض خریدا۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے اس وقت تک بیعت نہ کرتے جب تک کہ اس سے پوچھ نہ لیتے کہ وہ غلام تو نہیں۔ اس باب میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے حضرت جابرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ دو غلام دے کر ایک غلام خریدنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی نقد ہو جب کہ ادھار میں اختلاف ہے۔

تشریح: ایک غلام کو دو غلاموں کے بدلے میں یا دو غلاموں کو ایک غلام کے بدلے میں خریدنا اگر یداً بید ہو تو بالاجماع جائز ہے۔ خواہ متساویاً ہو یا متفاضلاً ہو۔

سوال اوّل: فقہاء حضرات کہتے ہیں کہ اگر کوئی غلام دار الحرب سے دار الاسلام میں مسلمان ہو کر آ جائے تو دار الاسلام میں آتے ہی وہ مسلمان آزاد ہو جاتا ہے اور آزاد کی بیع تو جائز نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیسے بیچا۔

جواب: ممکن ہے کہ یہ غلام دار الحرب میں رہنے والے ان کفار کا ہو کہ جن کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا اور جن کے ساتھ معاہدہ ہو تو اگر ان کا غلام دار الاسلام میں بھاگ کر آ جائے تو وہ آزاد نہیں ہوتا۔

سوال ثانی: مسلمان غلام کو دار الحرب کی طرف بھیجنا جائز نہیں ہے کہ وہ وہاں کے ماحول سے متاثر ہو کر کہیں کفر نہ اختیار کر لے۔

جواب: اس غلام کے عوض میں جو دو غلام دیے، ہو سکتا ہے وہ دونوں مسلمان نہ ہوں بلکہ کافر ہوں اور دونوں سوالوں کا مشترک جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

باب ما جاء أن الحنطة بالحنطة مثلا بمثل كراهية التفاضل فيه

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ مِثْلًا بِمِثْلٍ فَمَنْ زَادَ أَوِ ازْدَادَ فَقَدْ أَرْبَى بِيعُوا الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَبِيعُوا الْبُرَّ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَبِيعُوا الشَّعِيرَ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَبِلَالٍ حَدِيثُ عُبَادَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَالِدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ قَالَ بِيعُوا الْبُرَّ بِالشَّعِيرِ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ أَبِي الْأَشْعَثِ عَنْ عُبَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَدِيثَ وَزَادَ فِيهِ قَالَ خَالِدٌ قَالَ أَبُو قِلَابَةَ بِيعُوا الْبُرَّ بِالشَّعِيرِ كَيْفَ شِئْتُمْ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَرَوْنَ أَنْ يُبَاعَ الْبُرُّ بِالْبُرِّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَإِذَا اخْتَلَفَ الْأَصْنَافُ فَلَا بَأْسَ أَنْ يُبَاعَ مُتَفَاضِلًا إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ وَهَذَا قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ .وَهُوَ

حضرت عبادہ بن صامت ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے سونا برابر بیچو اور اسی طرح چاندی کے عوض چاندی، کھجور کے بدلے کھجور، گندم کے بدلے گندم، نمک کے بدلے نمک اور جو کے بدلے جو برابر فروخت کرو جس نے زیادہ لیا یا دیا اس نے سود کا معاملہ کیا۔ پس سونا چاندی کے بدلے، گندم کھجور کے بدلے اور جو کھجور کے بدلے جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ اس باب میں حضرت ابوسعید، ابوہریرہ، اور بلال رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت عبادہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض راوی یہ حدیث اسی سند سے خالد سے بھی روایت کرتے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں گندم کے بدلے جو کو جس طرح چاہو فروخت کرنا لیکن نقد و نقد ہونا شرط ہے۔ بعض راوی یہ حدیث خالد سے وہ ابوقلابہ سے وہ ابوالاشعث سے وہ عبادہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور اس میں یہ الفاظ زیادہ کرتے ہیں کہ خالد ابوقلابہ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ گندم جو کے بدلے جیسے چاہو فروخت کرو آگے حدیث کو ذکر کریں۔ اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ گندم کو گندم کے عوض برابر ہی بیچا جا سکتا ہے اور اسی طرح جو کے عوض جو بھی برابر برابر فروخت کئے جا سکتے ہیں اور اگر جنس مختلف ہو تو کمی بیشی سے بیچنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ سودا نقد ہو، اکثر صحابہ کرام اور دیگر

قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَالْحُجَّةُ فِي ذٰلِكَ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيعُوا الشَّعِيرَ بِالْبُرِّ كَيْفَ شِئْتُمْ يَدًا بِيَدٍ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ تُبَاعَ الْحِنْطَةُ بِالشَّعِيرِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ

علماء کا یہی قول ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کے بدلے گندم جس طرح چاہو فروخت کرو لیکن شرط یہ ہے کہ ہاتھوں ہاتھ ہو اہل علم کی ایک جماعت نے جو کے بدلے گندم بڑھا کر بیچنے کو مکروہ کہا ہے امام مالک بن انسؒ کا یہی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

تشریح: عنوان میں جو لفظ کراہیت کا ہے اس سے مراد مکروہ تحریمی یا تنزیہی نہیں بلکہ اس سے مراد حرمت ہے۔

ربوا کی دو قسمیں ہیں ایک ربوا بالقرض دوسرا ربوا بالفضل اور اس سے کم ربو بالنسیئۃ ہے۔قرآن کریم نے صرف ربا بالقرض کو بیان کیا اور ربوا الفضل اور ربوا بالنسیئۃ کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے۔قرآن میں اس کا تذکرہ نہیں۔

ربوا بالقرض: قرض پر زیادتی مشروط کرنے کا نام ہے کسی نے دس ہزار روپیہ قرضہ دیا اور اس میں دس فی صد زیادتی کی شرط لگادی۔ سورۃ آل عمران میں اس قرض کا بیان ہے۔ **''یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافًا مضعفة''** (آیت:۱۳۰) تو مقروض پر ہر ماہ ایک ہزار بڑھتا جائے گا۔اگر قرض میں کوئی شرط نہیں لگی مگر مقروض نے اپنی خوشی سے کچھ زائد دے دیے تو یہ سود نہیں ہے۔

حدیث شریف میں حرمت ربوا چھ چیزوں میں ذکر کی ہے۔اس بارے میں تفصیل ہے کہ حرمت ربوا ان چھ چیزوں کے ساتھ خاص ہے یا اس کا حکم عام ہے۔اگر اس کا حکم عام ہے تو پھر کن چیزوں میں یہ حکم جاری ہوگا اور کن چیزوں میں جاری نہیں ہوگا اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: بعض تابعین کا قول یہ ہے کہ یہ حکم صرف ان اشیاء ستہ کے ساتھ خاص ہے جن کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے۔ان اشیاء کے علاوہ دوسری چیزوں میں اگر کوئی شخص ان کا تبادلہ کرنا چاہے تو ہم جنس ہونے کے باوجود تفاضل اور نسیئۃ حرام نہیں۔مثال کے طور پر اس حدیث میں مکئی کا ذکر نہیں اس لئے اگر مکئی کا تبادلہ مکئی سے ہو تو اس میں تفاضل بھی جائز ہے اور نسیہ بھی جائز ہے یہ قول حضرت قتادہؒ کا بھی ہے۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک یہ حکم صرف انہی چھ چیزوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ حکم معلول بالعلۃ ہے یعنی ایک علت ہے جو ان چھ اشیاء کے درمیان مشترک ہے۔وہ علت جہاں جہاں پائی جائے گی وہاں وہاں تفاضل اور نسیئۃ حرام ہوگا۔اس علت کی تعیین میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ علت قدر مع الجنس ہے۔قدر کا مطلب ہے کہ کسی چیز کا مکیلی یا موزونی ہونا لہٰذا جو چیز کیل یا وزن کے ذریعے فروخت کی جاتی ہے تو اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ اس میں قدر موجود ہے۔

جنس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کا تبادلہ اس کے ہم جنس سے کرنا لہٰذا جس جگہ پر یہ دو چیزیں پائی جائیں گی حرمت تفاضل یا نسیئۃ کا حکم آجائے گا۔لہٰذا جس چیز میں قدر اور جنس پائی جاتی ہے اس میں کمی زیادتی حرام ہے۔چنانچہ جس طرح گندم کو گندم کے بدلے میں کمی زیادتی کے ساتھ بیچنا سود ہے اسی طرح مکئی کو مکئی کے بدلے میں بیچنا اور جو کو جو کے بدلے میں برابر بیچنا جائز ہے کمی زیادتی حرام ہے۔

امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں چھ چیزوں کا ذکر ہے چار چیزوں میں کیل پایا جاتا ہے۔ حنطہ، شعیر، تمر، ملح یہ چار اشیاء مکیلی کہلاتی ہیں اور دو اشیاء موزونی ہیں اور وہ ذہب وفضہ ہیں اور بعض اشیاء وہ ہیں جو نہ کیلی ہیں اور نہ موزونی مثلاً ایک انڈے کی بیع دو انڈوں کے ساتھ ایک اخروٹ کی بیع دو اخروٹ کے ساتھ جائز ہے کیونکہ یہاں جنس تو ہے لیکن قدر نہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت کی علت طعم یا ثمنیت کا پایا جانا ہے حدیث میں چار چیزوں میں طعم پایا جاتا ہے حنطہ، شعیر، تمر، ملح اور دو چیزوں میں ثمنیت پائی جارہی ہے یعنی ذہب اور فضہ میں لہٰذا جو چیز کھانے کی ہو اس میں حرمت کی علت موجود ہے اور جو چیز ثمن بن رہی ہے اس میں بھی حرمت کی علت موجود ہے۔ لہٰذا جن اشیاء میں طعم یا ثمنیت پائی جارہی ہے ان کا ہم جنس کے ساتھ تبادلہ کی صورت میں تفاضل جائز نہیں۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک حرمت کی علت ایک تو یہ ہے کہ وہ چیز غذا بننے کے لائق ہو دوسرا یہ کہ وہ ذخیرہ کی جاسکتی ہو اور وہ خراب ہونے والی چیز نہ ہے۔ گویا جن میں یہ دو علتیں پائی جائیں گی وہاں حرمت کا حکم آجائے گا۔

امام شافعیؒ کی عقلی دلیل: حدیث شریف میں جتنی اشیاء کا ذکر آیا ہے ان میں اکثر کے اندر طعم پایا جاتا ہے اور باقی دو میں ثمنیت پائی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان چھ چیزوں میں علت طعم اور ثمنیت کا پایا جانا ہے۔

امام مالکؒ کی عقلی دلیل: ہماری بیان کردہ علت حکمت تحریم ربوا الفضل سے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ ربوا الفضل کو سدّ اللذ رائع حرام کیا گیا ہے تاکہ آدمی ربوا القرآن تک نہ پہنچ سکے۔ لہٰذا جن چیزوں کو لوگ بطور ثمن استعمال کرتے ہیں ان کے اندر بھی وہی حکم ہونا چاہیے جس طرح سونا چاندی میں تفاضل حرام ہے۔ ان میں بھی حرام ہونا چاہیے اور وہ لوگ ثمن کے طور پر جو چیز استعمال کرتے تھے وہ ایسی چیز ہوتی تھی جو بطور غذا کے کام آتی تھی یا ایسی چیز ہوتی تھی جس کا ذخیرہ کرنا ممکن ہوتا تھا اس لئے انہوں نے اقتیاء اور ادخار کو علت قرار دیا ہے۔

امام صاحب کے دلائل: **دلیل اوّل:** مسلم شریف باب بیع الطعام مثلاً بمثل میں ہے کہ ان میں چھ چیزوں کے ذکر کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''وکذٰلک المیزان'' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہی حکم ان چیزوں کا ہے جو وزنی ہوں ان الفاظ میں خود حضور ﷺ نے فرمادیا کہ وزنی ہونا خود تفاضل کی حرمت کی علت ہے۔

دلیل ثانی: مستدرک حاکم باب النهی عن عسب الفحل جلد ۲ ص ۴۴ میں یہی حدیث آئی ہے۔ اور وہاں آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں ''وکذلک مایکال ویوزن'' یعنی یہی حکم ان چیزوں کا ہے جن کو کیل اور وزن کیا جاسکتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ اشیاء ستہ کے علاوہ جن چیزوں میں یہ حکم جاری کیا جائے گا وہ کیل یا وزن کی بنیاد کیا جائے گا۔

اگرچہ اس حدیث پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک راوی ''حیان'' ہے جو ضعیف ہے لیکن اس روایت کی تائید صحیح مسلم اور صحیح بخاری سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف کتاب الوکالۃ میں جو حدیث ذکر کی ہے اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ''وقال فی المیزان مثل ذٰلک''۔

احناف کے قول پر انہوں نے ربوا کی علت قدر مع الجنس کو قرار دیا ایک اعتراض وارد ہوتا ہے

اعتراض اوّل: احناف نے ربوا کی علت جو بیان کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ جتنی موزونات ہیں ان میں سے کسی میں بھی بیع سلم جائز نہ ہو۔ اس لئے کہ بیع سلم کا مطلب یہ ہے کہ درہم اور دینار تو ابھی بائع کو مل جائیں گے اور مبیع تو کچھ عرصہ کے بعد مشتری کو ملے

گا۔ظاہر بات ہے دراہم اور دنانیر سونے چاندی کے ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں اور جو چیز خریدی جارہی ہے وہ بھی وزنی ہے اگر چہ تبادلہ میں جنس علیحدہ علیحدہ ہے لیکن قدر میں ایک ہی ہیں اس لئے تبادلے کے وقت تفاضل تو جائز ہونا چاہیے لیکن نسیئہ حرام ہونا چاہیے لہٰذا موزونات میں بیع سلم ناجائز ہونی چاہیے۔حالانکہ احناف کے ہاں بھی موزونات میں بیع سلم کو جائز سمجھا جاتا ہے۔

جواب اوّل: اس اصول کے مطابق تقاضا تو یہ تھا کہ موزنات میں بیع سلم جائز نہ ہوتی لیکن اس کے جواز پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اس لئے اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

جواب ثانی: یہ قدر میں بھی مختلف ہیں وہ اس طرح کہ سونا چاندی کو تولنے کے آلے چھوٹے چھوٹے ہیں جبکہ دوسری اشیاء کے تولنے کی چیزیں ہیں وہ بڑی ہیں اگر چہ وزنی ہونے میں متحد ہیں لیکن چونکہ دونوں کے آلات وزن مختلف ہیں اس لئے حکما یہ مختلف القدر ہوئے ان کے درمیان بیع سلم جائز ہوگیا۔

اعتراض ثانی: آپ نے دراہم اور دنانیر کے بارے میں تو کہہ دیا کہ یہ وزنی ہیں لہٰذا ان کے تبادلے میں ایسا حکم ہے جبکہ موجودہ دور میں جو سکے اور فلوس رائج ہیں۔وہ نہ تو کیلی ہیں اور نہ ہی وزنی ہیں بلکہ عددی ہوتے ہیں لہٰذا جب ان کے اندر کیل اور وزنی ہونے کی صفت نہیں تو پھر ان کے اندر حرمت کی علت جو حنفیہ نے بیان کی ہے یعنی قدر وہ بھی نہیں ہے۔لہٰذا جب علت ختم ہوگئی تو پھر ان فلوس کے باہمی تبادلے کے وقت تفاضل جائز ہونا چاہیے۔اسی طرح آج کل کے رائج شدہ کاغذی نوٹ ایک کے بدلے دو بیچ سکتے ہیں۔کیونکہ یہ باہمی تفاضل ہے اور ان میں کیل اور وزن نہیں پایا جا رہا لہٰذا علت تحریم ربوا مفقود ہے۔

جواب: قدر اور جنس کو حرمت ربوا کی علت قرار دینے کی وجہ ربوا الفضل میں ہے۔یعنی جس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے۔اور جس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے اس کو ربوالنسیئۃ کہا جاتا ہے وہ یہ کہ قرض پر کسی بھی قسم کی زیادتی وصول کرنا سود ہے۔اس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ''الفضل الخالی عن العوض'' یعنی وہ زیادتی جو عوض سے خالی ہو جس کے مقابلے میں کوئی معاوضہ نہ ہو وہ ربوا ہے۔ربوا النسیئۃ اور ربوالقرآن کے تحقق کے لئے قدر مع الجنس کا پایا جانا ضروری نہیں۔بلکہ جہاں کہیں بھی فضل خال عن العوض پایا جائے گا ربوا متحقق ہو جائے گا۔باقی ربوا الفضل میں قدر اور جنس کا پایا جانا ضروری ہے۔

وَبِيعُوا الشَّعِيرَ بِالتَّمْرِ كَيْفَ شِئْتُمْ: اس پر امام ترمذیؒ کلام کر رہے ہیں کہ یہ جملہ حدیث عبادہ بن صامتؓ میں ثابت ہے کہ نہیں تو بعض رواۃ اس جملہ کو نقل کر رہے ہیں اور بعض نقل نہیں کرتے۔پھر جو رواۃ نقل کرتے ہیں ان کا آپس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حضرت ابو قلابہ کا قول ہے یا حدیث مرفوع کا حصہ ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو قلابہ کا قول ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع کا حصہ ہے چنانچہ آخر میں فرمائیں گے۔''والحجة في ذلك قول النبي ﷺ۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّرْفِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ أَخْبَرَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ نَافِعٍ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَابْنُ عُمَرَ إِلَى أَبِي سَعِيدٍ

احمد بن منیع، حسین بن محمد، شیبان، یحییٰ بن ابی کثیر، حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور حضرت ابن عمرؓ حضرت ابو سعیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے بتایا

فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ هَاتَانِ يَقُولُ لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ لَا يُشَفُّ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ وَلَا تَبِيعُوا مِنْهُ غَائِبًا بِنَاجِزٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَهِشَامِ بْنِ عَامِرٍ وَالْبَرَاءِ وَزَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ وَفَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ وَأَبِي بَكْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَبِلَالٍ وَحَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَّا مَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرَى بَأْسًا أَنْ يُبَاعَ الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ مُتَفَاضِلًا وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ مُتَفَاضِلًا إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ وَقَالَ إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ وَكَذٰلِكَ رُوِيَ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ شَيْءٌ مِنْ هٰذَا وَقَدْ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ حِينَ حَدَّثَهُ أَبُو سَعِيدٍ الْخُدْرِيُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ لَيْسَ فِي الصَّرْفِ اخْتِلَافٌ

کہ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سونا سونے کے بدلے اور چاندی، چاندی کے بدلے برابر بیچو نہ کم اور نہ زیادہ۔ اور ان کی ادائیگی ہاتھوں ہاتھ کرو۔ یعنی دونوں فریق ایک ہی وقت میں ادائیگی کریں کوئی اس میں تاخیر نہ کرے۔ اس باب میں حضرت ابوبکر صدیق، عمر، عثمان، ابوہریرہ، ہشام بن عامر، براء، زید بن ارقم، فضالہ بن عبید، ابوبکرہ، ابن عمر، ابودرداء اور بلال رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں، حدیث ابوسعید حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی پر عمل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی میں کمی زیادتی جائز ہے بشرطیکہ ہاتھوں ہاتھ ہو وہ فرماتے ہیں کہ یہ ربا تو اس صورت میں ہے کہ یہ معاملہ ادھار کی صورت میں ہو اور اسی طرح اس بارے میں حضرت ابن عباس کے بعض دوستوں سے بھی اسی طرح منقول ہے لیکن ابن عباس نے جب یہ حدیث ابوسعید خدری سے سنی تو اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ لہذا پہلا قول ہی صحیح ہے اور اہل علم کا اسی پر عمل ہے سفیان، ثوری، ابن مبارک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے منقول ہے کہ بیع صرف میں کوئی اختلاف نہیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنْتُ أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں بقیع کے بازار میں دیناروں کے عوض اونٹ فروخت کیا کرتا تھا۔ پس دیناروں کے عوض بیچنے پر دراہم میں بھی قیمت وصول کر لیتا اور اسی طرح دراہم کے عوض بیچنے میں دیناروں میں بھی۔ پھر

فَآخُذُ مَكَانَهَا الْوَرِقَ وَأَبِيعُ بِالْوَرِقِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ خَارِجًا مِنْ بَيْتِ حَفْصَةَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ بِهِ بِالْقِيمَةِ هٰذَا حَدِيثٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَرَوٰى دَاوُدُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَوْقُوفًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَا بَأْسَ أَنْ يَقْتَضِيَ الذَّهَبَ مِنَ الْوَرِقِ وَالْوَرِقَ مِنَ الذَّهَبِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ ذٰلِكَ.

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ حفصہ ؓ کے گھر سے نکل رہے تھے میں نے آپ ؐ سے اس مسئلے کے بارے میں پوچھا تو آپ ؐ نے فرمایا قیمت کے اعتبار سے اس میں میں کوئی حرج نہیں اس حدیث کو ہم صرف سماک بن حرب کی روایت سے مرفوعاً جانتے ہیں سماک بن حرب سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عمر ؓ سے نقل کرتے ہیں داؤد بن ابوہند یہی حدیث سعید بن جبیر سے اور وہ ابن عمر ؓ سے موقوفاً نقل کرتے ہیں بعض علماء کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی اور چاندی کے سونے کے بدلے لین دین میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد ؒ اور اسحاق ؒ کا بھی یہی قول ہے۔ بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ أَنَّهُ قَالَ أَقْبَلْتُ أَقُولُ مَنْ يَصْطَرِفُ الدَّرَاهِمَ فَقَالَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَرِنَا ذَهَبَكَ ثُمَّ ائْتِنَا إِذَا جَاءَ خَادِمُنَا نُعْطِكَ وَرِقَكَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ كَلَّا وَاللهِ لَتُعْطِيَنَّهُ وَرِقَهُ أَوْ لَتَرُدَّنَّ إِلَيْهِ ذَهَبَهُ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْوَرِقُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَمَعْنٰى قَوْلِهِ إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ يَقُولُ يَدًا بِيَدٍ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، حضرت مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں بازار میں یہ پوچھتا ہوا داخل ہوا کہ دیناروں کے بدلے مجھے کون درہم دے سکتا ہے طلحہ بن عبید اللہ جو حضرت عمر ؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے اپنا سونا ہمیں دکھاؤ اور پھر تھوڑی دیر بعد آنا جب ہمارا خادم آجائے تو ہم تمہیں تمہارے درہم دے دیں گے۔ حضرت عمر ؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ ممکن نہیں یا تو تم انہیں اپنے درہم دکھاؤ یا ان کا سونا واپس کر دو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سونے کے بدلے چاندی اگر دست بدست نہ ہو تو سود ہے، اور اسی طرح گندم کے بدلے گندم، جو کے بدلے جو، اور کھجور کے بدلے کھجور سود ہے مگر یہ کہ دست بدست نقد ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اِلَّا ہَاءَ وَہَاءَ کا مطلب ہاتھوں ہاتھ۔ (یعنی نقد)

تشریح: بیع صرف کی صورتیں اور انکا حکم: اس کی کل تین صورتیں ہیں: (۱) سونے کی بیع سونے کے بدلے میں کی

جائے۔(۲) چاندی کی بیع چاندی کے بدلے میں کی جائے چاندی جس شکل میں بھی ہو تو یہ بیع صرف ہے(۳) سونے کی بیع چاندی کے بدلے کی جائے یہ بھی بیع صرف ہے۔

ان کا حکم یہ ہے کہ اگر ہم جنس کے ساتھ تبادلہ ہو یعنی سونے کا سونے سے چاندی کا چاندی سے تو اس میں مساوات ضروری ہے۔ اور دست بدست ہونا ضروری ہے اگر خلاف جنس سے تبادلہ ہو تو یعنی سونے کا چاندی سے یا چاندی کا سونے سے تبادلہ ہو تو کمی بیشی تو جائز ہے لیکن ہاتھ در ہاتھ ضروری ہے۔ حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ یہی ایک باب ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ابتدائی قول یہی تھا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ ہو یا ہاتھوں ہاتھ ہو تو اس میں تفاضل جائز ہے اسی طرح اگر چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہو تو اس میں تفاضل جائز ہے۔ بعد میں حضرت ابن عمرؓ جب پتہ چلا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے تو وہ حضرت نافع کو لے کر ان کے پاس گئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کو مذکورہ حدیث سنائی۔ چونکہ حضرت ابن عمرؓ کے ذہن میں مسئلہ کی نوعیت دوسری تھی اس لئے تاکید کے لئے فرمایا کہ اس حدیث کو میرے ان کانوں نے سنا ہے یعنی اس ارشاد کی نقل میں مجھے ادنیٰ سا شبہ بھی نہیں۔

حدیث اسامہ میں ہے ''انما الربوا فی النسیئة'' انما کلمہ حصر کے لئے ہے اب معنی یہ ہوگا ''لا ربوا الافی النسیئة''، لیکن جب حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنائی کو تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا پھر پوری امت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ اگر سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور اسی طرح چاندی کی بیع چاندی کے ساتھ ہو تو اس میں تفاضل ناجائز ہے۔

سوال: حدیث ابوسعید خدری اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہما میں بظاہر تضاد ہے۔ حدیث اسامہؓ میں ہے کہ صرف نسیئة ہی حرام ہے تفاضل تو حرام نہیں ہے۔ اور حدیث ابوسعیدؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حرام ہیں۔

الجواب اوّل: حدیث اسامہ محمول ہے اشیاء غیر متجانسہ کی بیع پر اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں ربو نسیئة ہی حرام ہے تفاضل تو حرام نہیں۔ اور حدیث ابوسعید خدریؓ محمول ہے اشیاء متجانسہ کی بیع پر، تو اس صورت میں تفاضل بھی حرام ہے اور نسیئة بھی حرام ہے۔

الجواب الثانی: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ محرم ہے اور حدیث اسامہؓ زیادہ سے زیادہ مبیح ہے اور تعرض کے وقت ترجیح محرِم کو ہوتی ہے لہٰذا حدیث ابوسعید خدریؓ حدیث اسامہؓ سے راجح ہے۔

الجواب الثالث: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اور حدیث اسامہ رضی اللہ عنہ منسوخ ہے۔

إِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ: ربوٰ صرف نسیہ میں ہے کمی بیشی میں ربوٰ نہیں۔ لیکن بعد میں حضرت ابن عباسؓ نے اپنی اس رائے سے رجوع فرما لیا تھا یا نہیں؟

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ رجوع نہیں فرمایا تھا، اور بعض سے رجوع فرمانا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ معجم طبرانی کبیر اور مصنف عبدالرزاق کی روایات میں حضرت ابن عباسؓ کے رجوع کا ذکر ہے اور مثبت رجوع کی روایات راجح ہیں اس کی تائید مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ابو صیاء نے جب حضرت ابن عباسؓ سے مکہ میں سوال کیا تو فکرِ ھہ (انہوں نے مکروہ قرار دیا) یہ جملہ ان کے رجوع کی روایات کی تائید کرتا ہے۔(نووی ج۲ ص ۲۷)

بہر حال جمہور کا مسلک یہی ہے کہ جنس بدلے جنس کے فروخت کی جائے ، اور قدر بھی پائی جائے ، تو کمی بیشی اور نسیہ دونوں حرام ہوتے ہیں۔

سوال: بقیع تو قبرستان ہے اس میں تجارت کیسے کرتے تھے۔ **جواب اوّل:** یہ بقیع کے قبرستان بننے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

جواب ثانی: یہ لفظ بقیع نہیں ہے بلکہ نقیع ہے جو کہ مدینہ منورہ کے مشرق میں وادی عقیق کے بیس میل کی مسافت پر ہے وہ مراد ہے۔

جواب ثالث: صحیح یہ ہے کہ یہ بقیع ہی ہے لیکن بقیع دو ہیں، ① بقیع الغرقد ② بقیع الخیل۔ اور بقیع الخیل یہ عید گاہ کے قریب ایک بازار تھا تو حدیث میں یہی بقیع الخیل مراد ہے۔ بقیع الغرقد مراد نہیں جو کہ قبرستان ہے۔

مالک بن اوس بن حدعان کہتے ہیں کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں آیا یہ کہتے ہوئے "یصطرف الدراھم" کہ کون ہے جو دراہم کو فروخت کرنا چاہتا ہے دنانیر کے بدلے میں۔ حاضرین میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے میری آواز پر طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا ارے بھائی میں بیچنا چاہتا ہوں سونا ہمارے حوالے کر دے پھر وقفہ کے بعد جب ہمارا منشی آجائے گا تو پھر ہم دراہم آپ کے حوالے کر دیں گے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا کہ "کلا" ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یا تو اسی مجلس میں دراہم حوالے کرنے ہوں گے یا سونا واپس کر دو کیونکہ یہ بیع صرف ہے اس میں تقابض فی المجلس ضروری ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث پاک سنائی۔

سوال: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ ہیں وہ اس غلط بیع پر کیسے راضی ہو گئے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احکام شرعیہ کا علم تدریجاً حاصل ہوا ہے ہر وقت اور ہر حکم معلوم ہونا ضروری نہیں۔

کاغذی نوٹوں سے سونا و چاندی خریدنے کا حکم: مسئلہ نمبر (۱): کاغذی نوٹ کے ذریعے سونا چاندی خریدنا یہ بیع صرف نہیں اس پر بیع صرف کے احکام جاری نہیں ہوتے البتہ کاغذی نوٹ کے ذریعے سونا چاندی خریدا جائے تو جانب واحد پر قبضہ شرط ہے۔

مسئلہ: سونے چاندی کے برتنوں کی بیع کا حکم: سونے کے بنے ہوئے برتن سونے کے بدلے خریدے جائیں یا چاندی کے بنے ہوئے برتن چاندی کے بدلے خریدے جائیں تو اس بارے میں جمہور حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس صورت میں کمی بیشی جائز نہیں۔ سونا خواہ جس شکل میں بھی ہو خواہ وہ ڈلی ، ہو سکہ ہو یا برتن ہو آپس میں بیع کی جائے تو کمی بیشی بھی حرام اور نسیئہ بھی حرام ہے۔ اسی طرح چاندی کے برتن ، چاندی کی ڈلی ، سکے ، یا چاندی کے برتن کے بدلے میں خریدے جائیں تو بھی برابری ضروری ہے۔ لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ سونے کے اگر برتن بنا لئے جائیں تو یہ برتن سونے کے حکم سے نکل جاتے ہیں اور سامان کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں ، سونے کے بدلے میں یہ برتن خریدے جائیں تو کمی بیشی اور ادھار دونوں جائز ہیں اس طرح اگر چاندی کے برتن بنا لئے جائیں تو وہ بھی ثمن سے نکل کر سامان کے حکم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان برتنوں پر بیع صرف کا حکم جاری نہیں فرماتے تھے یہ انکا اپنا اجتہاد تھا مسلم ص ۲۴ کے آخر میں حدیث ہے کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلے میں اختلاف ہوا ہے تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا مسلک جمہور والا تھا کہ یہ صورت بھی بیع صرف میں داخل ہے۔ جس طرح کا واقعہ اور اختلاف حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا۔ اسی طرح کا واقعہ اور اختلاف حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آیا تھا۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مرفوع حدیث سنائی تھی تو حضرت معاویہ

ؓ نے اس خاص صورت کے بارے میں فرمایا: ''ما اری بمثل هذا باسا ''ان کا اس جملے سے مقصد العیاذ باللہ حدیث مرفوع کورد کرنا نہیں تھا۔ بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ مرفوع حدیث سونے چاندی کے برتنوں کے علاوہ دیگر چیزوں کے بارے میں ہے۔ پھر حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت عمر فاروقؓ سے اپنے اور حضرت معاویہ کے اس اختلاف کا ذکر کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا تھا ''ألا یبیع مثل ذلك الا مثلا بمثل وزنا بوزن'' (تکملہ فتح الملہم ج۱ص ۵۹۵)

جب حضرت عمر فاروقؓ کا خط حضرت معاویہؓ کو پہنچا جس میں اس خاص صورت کو بھی حکم عام میں داخل کیا گیا تھا تو اس کے بعد ظاہر یہی ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے قول اور اجتہاد سے رجوع فرمالیا تھا۔ اس مسئلہ میں جمہور کے دلائل یہی ہیں یعنی حضرت عبادہ بن صامتؓ اور حضرت ابودرداءؓ کا ارشاد اور حضرت عمر فاروقؓ کا فیصلہ کہ برتنوں کا حکم بھی بیع صرف والا ہے برتن پر جو صنعت کاری کی گئی ہے اس کے مقابلے میں زیادہ سونا چاندی لینا جائز نہیں۔

فائدہ: حضرت عمرؓ نے شام میں تین فقہاء صحابہ بھیجے تھے۔ دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ فلسطین میں حضرت معاذؓ اور حمص میں حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت معاذؓ کی وفات کے بعد حضرت عبادہؓ بن صامت فلسطین میں آ گئے تھے۔

سودی بینک کی ملازمت کا حکم: اس حدیث کی وجہ سے علماء حق کا یہ فتوی ہے کہ بینک کا ہر ملازم اس زمرے میں آتا ہے۔ خواہ سود دیتا ہے لیتا ہے یا لکھتا ہے تو اس کی ملازمت بالاتفاق حرام ہے۔ البتہ جو بینک کا پہرے دار ہے یا گاڑی کا ڈرائیور ہے اس کی تنخواہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض مفتیان کرام اسکو ناجائز اور بعض جائز کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے اس کو ناجائز قرار دیا جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں کہ ایسی ملازمت جائز ہے۔

چند جدید متفرق مسائل: سودی قرض کا حکم: مسئلہ نمبر(۱): بینک لوگوں کو عام طور پر سود پر قرض دیتا ہے اسکا حکم تو واضح ہے کہ حرام ہے آج کل اس کی بہت سی صورتیں رائج ہیں بہر حال جو صورت بھی ہو اگر بینک واپس زیادہ وصول کرتے ہیں تو یہ ربوٰ ہے حرام ہے۔

چند سالوں کی ایڈوانس تنخواہ لینا اور کٹوتی کا حکم: مسئلہ نمبر ۲: بعض ملازمین کو بینک چند سالوں کی تنخواہ اکٹھی دے دیتا ہے پھر انکی تنخواہ سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی کر کے کٹوتی کرتا ہے اس میں بھی بینک زیادہ وصول کرتا ہے یہ بھی سودی معاملہ ہے جائز نہیں حرام ہے۔

بجلی اور گیس کے بلوں میں جرمانے کا حکم: بجلی اور گیس کے بلوں میں مقررہ تاریخ میں ادائیگی نہ کرنے کی وجہ سے جو رقم میں اضافہ کیا جاتا ہے یہ اضافہ (جرمانہ) لینا دینا جائز نہیں۔ گناہ ہے لہذا مقررہ تاریخ کے اندر ہی ان بلوں کی ادائیگی کرنا لازم ہے۔ تاکہ آدمی گناہ سے بچے اور مال بھی بچائے۔

انعامی بانڈ کا حکم: مسئلہ نمبر(۳): انعامی بانڈ کا حکم، یہ جوا اور ربوا کا مجموعہ ہے حرام در حرام ہے اس کی خرید فروخت جائز نہیں۔

جی پی فنڈ کا حکم: مسئلہ نمبر(۴): جی پی فنڈ کا حکم، حکومت ملازم کی تنخواہ سے جبراً کچھ کٹوتی کرتی ہے اس کٹوتی کے ساتھ کچھ اضافہ اپنی طرف سے کر کے ملازم کو یہ دونوں قسم کی رقم دیتی ہے اس رقم پر جو حکومت کی طرف سے جو اضافہ ہے شرعا سود کے حکم میں نہیں سود کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی بلکہ یہ تنخواہ کا حصہ شمار ہوتا ہے اس لیے دونوں قسم کی رقم لینا جائز ہے۔

ایک ملک کی کرنسی کا آپس میں تبادلہ: مسئلہ نمبر(۵): مثلاً کاغذی نوٹوں (پاکستانی) کا پاکستانی نوٹوں سے تبادلہ کیا جائے تو اس میں

کمی بیشی جائز نہیں برابری ضروری ہے اور مجلس مین بدلین پر قبضہ بھی ضروری ہے۔ واضح رہے کہ پہلے تفصیل آچکی ہے کہ کاغذی نوٹوں کا حکم فلوس نافقہ کا ہے تو فلوس کا تبادلہ فلوس کے ساتھ کیا جائے تو ردالمحتار کے مطابق جانب واحد پر قبضہ ضروری ہے اور بدائع الصنائع کے مطابق بدلین پر قبضہ ضروری ہے راجح قول بدائع الصنائع والا ہے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی بعض کتابوں میں یہ مسئلہ ردالمحتار کے مطابق بیان کیا گیا تھا پھر انہوں نے اس سے رجوع کرلیا بدائع الصنائع کے مطابق مسئلہ بیان فرمایا اور رجوع حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کے تبصرے کی وجہ سے کیا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نے کرنسی کے بارے میں ایک مقالہ لکھا تھا اس پر حضرت مفتی رشید احمد نے تبصرہ فرمایا اور کئی چیزوں میں اختلاف کیا حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اس مسئلے میں تو رجوع کر لیا لیکن باقی مضمون کو برقرار رکھا نیز سعودی عرب کے ریال کا تبادلہ سعودی ریال کے ساتھ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی ہر ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی کے ساتھ کیا جائے تو بدلین پر قبضہ ضروری ہے۔

ایک ملک کی کرنسی کا دوسرے ملک کی کرنسی کے سے تبادلہ کا حکم: مسئلہ نمبر(٦): ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے مثلاً پاکستانی نوٹوں کا تبادلہ سعودی ریال سے کیا جائے تو اس صورت میں کمی بیشی جائز ہے۔ اور مجلس عقد میں بدل واحد پر قبضہ ضروری ہے واضح رہے کہ ریال کو حکومت کے مقررہ ریٹ سے زیادہ پاکستانی روپے کے بدلے میں بیچنا سود تو نہیں ہوگا البتہ ملکی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے درست نہیں ہے کیونکہ مباح قوانین میں حکومت کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔

بینک میں پڑی رقم کے سود کا حکم: مسئلہ نمبر(٧): بینک یا کسی اور سے سودی معاملہ کرنا ہرگز جائز نہیں حرام ہے اور سخت گناہ ہے اگر کسی آدمی نے بینک سے سودی معاملہ کیا ہوا ہے اب وہ تائب ہونا چاہتا ہے اور اپنی اصل رقم بینک سے نکلوائے گا تو اس پر جو سود بنا ہوا ہے وہ سود بینک سے نکلوائے یا نہ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(١) اسکی رقم غیر مسلم ممالک کے بینک میں تھی تو اب تقریباً علماء کا اتفاق ہے کہ یہ آدمی بینک میں سود کی رقم نہ چھوڑے۔ بلکہ یہ رقم نکلوا کر بغیر نیت ثواب فقراء میں تقسیم کرے خود استعمال کرنا جائز نہیں۔

(٢) اس کی رقم مسلم ممالک کی بینک میں ہے اب سود نکلوائے یا بینک میں رہنے دے اس میں اختلاف ہے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی رائے یہ ہے کہ بینک سے سود نہ نکلوائے صرف اپنی اصل رقم لے ہاں اگر نکلوالیا ہے تو بغیر نیت ثواب کے صدقہ کر دے اور دوسری رائے حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ صاحب کی ہے کہ سود کو بینک میں چھوڑنا جائز نہیں۔ بینک سے نکلوائے اور بغیر نیت ثواب کے غرباء میں تقسیم کرے۔ استاذ محترم حضرت فقیہ العصر مفتی عبدالستارؒ کی رائے بھی یہی تھی کہ بینک میں نہ چھوڑے نکلوا کر بغیر نیت ثواب غرباء کو دے۔ البتہ مفتی رشید احمدؒ صاحب نے سود کی یہ رقم لقطہ کے حکم میں قرار دی ہے۔ لیکن اسے لقطہ کے حکم میں قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ لقطہ کا مالک معلوم نہیں ہوتا۔ جبکہ اس رقم کے مالک کا تو علم ہوتا ہے۔

واضح رہے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے اپنے اس موقف سے بعد میں رجوع کر کے دوسرے اکابر کا موقف اختیار کرلیا ہے کہ بینک میں سود والی رقم نہ چھوڑے نکلوا کر بغیر نیت ثواب کے صدقہ کردے تفصیل ملاحظہ ہو۔ (فتاوی عثمانی ج ٣ ص ٢٦٨)

سود کی رقم کا مصرف: (١): بعض علماء کا فتوی یہ ہے کہ مستحقین کو سود کی رقم دینا بغیر نیت ثواب کے ضروری ہے۔ رفاہی کاموں میں

خرچ کرنا درست نہیں: امداد المفتیین۔ (۲): بعض دوسرے علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ رفاہی کاموں پر بھی صرف کر سکتے ہیں۔
مفتی محمد کفائت اللہؒ اور مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ اور مفتی محمد تقی عثمانی کی رائے یہی ہے پہلی رائے احوط ہے حتی الوسع اس پر عمل کرنا چاہیئے تاہم مجبوری کی صورت میں دوسری رائے پر بھی عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

مروّجہ غیر سودی بینک کاری: **فائدہ:** سودی نظام کا متبادل نظام بھی علماء کرام نے پیش کیا ہے۔ اس پر اہم کتاب اسلامی بینکاری کی بنیادیں ہیں۔ یہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کی انگریزی زبان میں تصنیف تھی جس میں سود کا متبادل نظام پیش کیا گیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ یہی کتاب ہے آج کل اس کتاب کے مطابق بعض بینک کام بھی کر رہے ہیں مثلاً میزان بینک وغیرہ۔ انکے بارے میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی کی رائے یہی ہے کہ یہ صحیح کام کر رہے ہیں لیکن ملک کے بہت سے علماء کرام ان کے متبادل نظام سے اختلاف رکھتے ہیں اور انکی تردید بھی کرتے ہیں بعض نے شدت بھی اختیار کی ہے۔ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ اس نظام کو سراسر ردّ بھی نہ کیا جائے، اور اس قدر زیادہ گنجائش بھی نہ نکالی جائے کہ لوگ فاسد معاملہ تک پہنچ جائیں۔ فریقین کو چاہیے کہ مل بیٹھ کر جو مسائل زیادہ قابل اشکال ہیں ان میں ترمیم کریں اور عوام کو ایک اتفاقی نظام پیش کریں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ابْتِيَاعِ النَّخْلِ بَعْدَ التَّأْبِيرِ وَالْعَبْدِ وَلَهُ مَالٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلَّذِي بَاعَهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَحَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ هٰكَذَا رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَرُوِيَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا

حضرت سالم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کھجور کا درخت تابیر کے بعد خریدے تو اس کا پھل بیچنے والے کے لئے ہے۔ البتہ اگر خریدار شرط لگا چکا ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر کوئی مال دار غلام کو فروخت کرے تو اس کا مال بھی بیچنے والے کے لئے ہے مگر یہ کہ خریدار شرط طے کر لے۔ اس باب میں حضرت جابرؓ سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اور یہ حدیث زہری سے بھی بحوالہ سالم کئی سندوں سے اسی طرح منقول ہے سالم، ابن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے کھجور کا درخت تابیر کے بعد خریدا تو پھل فروخت کرنے والے کا ہوگا بشرطیکہ خریدنے والے نے خریدتے وقت اس کی بھی شرط نہ لگائی ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غلام فروخت کرے تو غلام کا مال بیچنے والے کی ملکیت ہوگا بشرطیکہ خریدار نے اس کی بھی شرط نہ لگائی ہو۔ حضرت نافع، حضرت ابن عمرؓ سے حضرت

لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ هَكَذَا رَوَاهُ عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُ عَنْ نَافِعٍ الْحَدِيثَيْنِ وَرَوَى بَعْضُهُمْ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا وَرَوَى عِكْرِمَةُ بْنُ خَالِدٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ سَالِمٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ قَالَ مُحَمَّدٌ حَدِيثُ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ .

عمرؓ وہ نبی ﷺ سے اسی طرح نقل کرتے ہیں کہ تابیر کے بعد فروخت کی جانے والی کھجوروں کا پھل بیچنے والے کا ہوگا بشرطیکہ خریدنے والے نے اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ پھر اسی سند سے حضرت عمرؓ سے بھی منقول ہے کہ جس شخص نے غلام کو فروخت کیا اور خریدنے والے نے مال کی شرط نہ لگائی تو مال فروخت کرنے والے ہی کا ہے۔ عبیداللہ بن عمر بھی نافع سے دونوں حدیثیں اسی طرح نقل کرتے ہیں بعض راوی یہ حدیث بحوالہ نافع ابن عمر سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں پھر عکرمہ بن خالد بھی ابن عمرؓ سے حضرت سالم کی حدیث کے مثل ہی نقل کرتے ہیں بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے جن میں امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ بھی شامل ہیں امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کہتے ہیں کہ زہری کی سالم سے اور ان کی اپنے والد سے منقول حدیث اصح ہے۔

تشریح: تابیرالنخل کہا جاتا ہے کہ نر کھجور کے شگوفہ کو مؤنث درخت کے شگوفے میں ڈالنا اس سے پھل زیادہ آتا ہے۔

مسئلہ: تابیرالنخل کے بعد اگر کسی نے باغ بیچا تو پھل کس کے ہوں گے بائع کے ہوں گے یا مشتری کے؟

قول اوّل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اگر تابیر نخل ہو تو پھل بائع کا ہوگا ہاں اگر مشتری پھل لینے کی شرط لگالے تو پھر پھل اسی کا ہوگا اور اگر تابیرالنخل نہ کی گئی ہو تو مشتری کا ہوگا۔ **قول ثانی:** امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نخل چاہے مؤبر ہو یا غیر مؤبر ہو ہر صورت میں پھل بائع کا ہوگا ہاں اگر مشتری پھل خریدنے کی شرط لگائے تو پھل بھی مشتری کا ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: کتاب الآثار للامام محمدؒ کی ایک روایت ہے ''**عن النبی ﷺ قال من اشتری فیما نخل فالثمر للبائع الا ان یشترط المبتاع**'' اصول فقہ کا اصول ہے کہ ہر وہ چیز جو مبیع کے ساتھ متصل ہو باتصال قرار کے تو اس کا نام لئے بغیر بیع میں شامل ہوگی اور اگر وہ چیز مبیع سے منفصل ہو تو بیع کرتے وقت اس کا نام لینا ضروری ہے پہلی کی مثال زمین ہے کسی نے زمین خریدی تو اس کے ساتھ اس کے درخت بھی شامل ہونگے اور دوسری مثال کسی نے درخت لئے تو اس کے پھل شامل نہیں ہوں گے یا زمین لی اس پر گندم اگی ہوئی تھی تو گندم زمین کی بیع میں شامل نہیں ہوگی جب تک کہ وہ گندم کا نام نہ لے۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ انہوں نے حدیث کے مفہوم و منطوق دونوں پر عمل کیا۔

جواب اوّل: یہ استدلال مفہوم مخالف کے اعتبار سے ہے جو ہمارے نزدیک قابل حجت نہیں ہے

جواب ثانی: صحیح بات یہ ہے کہ تابیر کنایہ ہے ظہور ثمر سے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے پھل ظاہر ہونے سے پہلے کسی نے درخت بیچ دیا تو پھل مشتری کا ہوگا۔ اور اگر پھل ظاہر ہونے کے بعد بیچا تو پھل بائع کا ہوگا اور یہی مطلب علامہ طیبیؒ نے بیان کیا ہے۔

جواب ثالث: بعدازتابیر کی قید بیان واقع کے لئے ہے کیونکہ اس زمانے میں عام طور پر لوگوں کی عادت تابیر کے بعد بیچنے کی تھی۔

وَمَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُهُ لِلْبَائِعِ: المسئلة الثانية: کوئی شخص غلام خریدے اور اس کے قبضہ میں مال ہو تو وہ مال بائع کا ہوگا بالاجماع الایہ کہ مشتری شرط لگادے کہ میں تب خریدوں گا۔ جب مبیع چیزوں کا مجموعہ ہو یعنی ثمن دونوں کے مقابلے میں ہوں گے تو یہ زیادۃ فی المبیع کی قبیل سے ہے اور یہ جائز ہے اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مال میں تعمیم ہے خواہ نقود کی قبیل سے ہو یا عروض کی قبیل سے دونوں صورتوں میں بائع کا ہوگا۔

قول ثانی: لیکن احناف اور شوافع کہتے ہیں کہ وہ مال دو حال سے خالی نہیں ہے نقود کی قبیل سے ہوگا یا عروض کی قبیل سے ہوگا اگر عروض کی قبیل سے ہو تو بیع مطلقاً جائز ہوگی اگر نقود ہیں تو بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب وہ ثمن جو مشتری دے وہ زیادہ ہوں ان دراہم سے جو غلام کے قبضہ میں ہے۔

مالکیہ کی دلیل: مالکیہ کی دلیل یہی حدیث الباب ہے کہ اس حدیث میں مطلقاً ''فماله للبائع'' ہے عام ازیں کہ وہ مال نقود کی قبیل سے ہو یا عروض کی قبیل سے ہو۔

جواب: نقود کی صورت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ بیع صرف بن جائے گی لہٰذا دیگر احادیث کی روشنی میں اس حدیث کو اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا جو اوپر بیان ہوئی ہے۔

وَقَدْ رَوٰى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ نَافِعٍ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے سالم اور نافع ہیں ان میں فرق اتنا ہے کہ سالم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما میں دونوں مسئلوں کا ذکر ہے حدیث رسول اللہؐ کی حیثیت سے یعنی حدیث مرفوع ہے۔

اور حدیث نافع عن ابن عمرؓ میں پہلے مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں حدیث مرفوع ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں قول عمرؓ کی حیثیت سے یہ بظاہر دونوں میں تدافع ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس کے دو حل پیش کئے ہیں۔

حل اوّل: جس طرح حدیث نافع عن ابن عمرؓ میں دوسرا مسئلہ اثر عمرؓ ہونے کی حیثیت سے مذکور ہے بالکل ایسے حضرت نافع اس کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے بھی نقل کر رہے ہیں کبھی مسئلہ بتلانا ہوتا ہے تو اثر عمرؓ کی حیثیت سے بیان کر دیتے ہیں اور جب حدیث کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے حدیث رسولؐ ہونے کی حیثیت سے تو پھر تصریح کر دیتے ہیں مرفوع ہونے کی لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

حل ثانی: حدیث سالم یہ اصح ہے حدیث نافع کے مقابلے میں امام بخاریؒ بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں ایک تو اس وجہ سے کہ سالم کا متابع عکرمہ بن خالد موجود ہے، اور نافع کا متابع موجود نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سالم احفظ ہیں حضرت نافع کے مقابلے میں اور احفظ کی روایت اولیٰ ہوتی ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ نَافِعٍ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بیچنے اور

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا أَوْ يَخْتَارَا قَالَ فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا ابْتَاعَ بَيْعًا وَهُوَ قَاعِدٌ قَامَ لِيَجِبَ لَهُ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعْبَةَ حَدَّثَنِي قَتَادَةُ عَنْ صَالِحٍ أَبِي الْخَلِيلِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا وَإِنْ كَذَبَا وَكَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا وَهَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ الْبَيْعُ وَفِي الْبَابِ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَسَمُرَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَقَالُوا الْفُرْقَةُ بِالْأَبْدَانِ لَا بِالْكَلَامِ وَقَدْ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مَعْنَى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا يَعْنِي الْفُرْقَةَ بِالْكَلَامِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ لِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ هُوَ رَوَى عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَعْنَى مَا رَوَى وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُوجِبَ الْبَيْعَ مَشَى لِيَجِبَ لَهُ وَهَكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فِي فَرَسٍ بَعْدَ مَا تَبَايَعَا فَكَانُوا فِي سَفِينَةٍ فَقَالَ لَا أَرَاكُمَا افْتَرَقْتُمَا وَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

خریدنے والے جب تک جدا نہ ہوں انہیں اختیار ہے (کہ بیع کو باقی رکھیں یا فسخ کردیں) یا یہ کہ وہ آپس میں اختیار کی شرط کرلیں۔ نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب کوئی چیز خریدتے اور آپؓ بیٹھے ہوتے تو کھڑے ہوجاتے تاکہ بیع مکمل ہوجائے۔

حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فروخت کرنے والے اور خریدنے والے کو جدا ہونے تک اختیار ہے پس اگر ان لوگوں نے بیع میں سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا تو ان کی بیع میں برکت دے دی گئی لیکن اگر انہوں نے جھوٹ کا سہارا لیا تو اس بیع سے برکت اٹھالی گئی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اس باب میں حضرت ابوبرزہ، عبداللہ بن عمرو، سمرہ، ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حضرت ابن عمر کی حدیث بھی حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے کہ جدائی سے مراد جسموں کی جدائی ہے نہ کہ بات کی۔ بعض اہل علم نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا معنی یہ ہے کہ مالم یتفرقا یعنی فروخت بالکلام ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے اس لئے کہ نبی کریمؐ سے نقل کرنے والے راوی وہ خود ابن عمرؓ ہی ہیں اور وہ اپنی نقل کی ہوئی حدیث کو سب سے زیادہ سمجھتے ہیں حضرت ابن عمرؓ سے ہی منقول ہے کہ وہ بیع کو مکمل کرنے کا ارادہ کرتے تو اٹھ کر چل دیتے تاکہ اختیار باقی نہ رہے اسی طرح حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ سے بھی روایت منقول ہے کہ ان کے پاس دو شخص ایک گھوڑے کی خرید و فروخت کے متعلق فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوئے جس کی بیع کشتی میں ہوئی تھی تو ابوبرزہ نے فرمایا میرے خیال میں تم دونوں جدا نہیں ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بائع اور مشتری کو بیع ختم کرنے کا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْكُوفَةِ وَغَيْرِهِمْ إِلَى أَنَّ الْفُرْقَةَ بِالْكَلَامِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ أَنَّهُ قَالَ كَيْفَ أَرُدُّ هٰذَا وَالْحَدِيثُ فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَحِيحٌ وَقَوّٰى هٰذَا الْمَذْهَبَ وَمَعْنٰى قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ مَعْنَاهُ أَنْ يُخَيِّرَ الْبَائِعُ الْمُشْتَرِيَ بَعْدَ إِيجَابِ الْبَيْعِ فَإِذَا خَيَّرَهُ فَاخْتَارَ الْبَيْعَ فَلَيْسَ لَهُ خِيَارٌ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي فَسْخِ الْبَيْعِ وَإِنْ لَمْ يَتَفَرَّقَا هٰكَذَا فَسَّرَهُ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ وَمِمَّا يُقَوِّي قَوْلَ مَنْ يَقُولُ الْفُرْقَةُ بِالْأَبْدَانِ لَا بِالْكَلَامِ حَدِيثُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ بعض اہل علم کا مسلک یہی ہے کہ اس سے مراد افتراق بالکلام ہے اہل کوفہ، ثوری، اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں اس کو کیسے رد کرسکتا ہوں حالانکہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہے جو قوی اور صحیح ہے اور آپ کے قول ''الا بالخیار'' اور ان میں سے ان لوگوں کی بات زیادہ قوی ہے جو کہتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بالا بدان ہے تفرق بالکلام نہیں جیسا کہ عبداللہ بن عمرو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں معنی یہ ہیں کہ فروخت کرنے والا خریدنے والے کو اختیار دے لیکن اگر اس اختیار دینے کے بعد خریدنے والے نے بیع کو اختیار کرلیا تو پھر خریدنے والے کا اختیار ختم ہو گیا خواہ جدا ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں امام شافعی اور کئی اہل علم حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کی یہی تفسیر کرتے ہیں کہ اس سے مراد افتراق ابدان (یعنی جسموں کا جدا ہونا ہے)۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَمَعْنٰى هٰذَا أَنْ يُفَارِقَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ وَلَوْ كَانَتِ الْفُرْقَةُ بِالْكَلَامِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خِيَارٌ بَعْدَ الْبَيْعِ لَمْ يَكُنْ لِهٰذَا الْحَدِيثِ مَعْنًى حَيْثُ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ

قتیبہ، لیث بن سعد، ابن عجلان، حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ جدائی تک بیچنے اور خریدنے والے کو اختیار ہے البتہ اگر بیع میں خیار کی شرط لگائی ہو تو بعد میں بھی اختیار باقی رہتا ہے پھر ان میں سے کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ دوسرے سے اس لئے جلدی مفارقت اختیار کرے کہ کہیں وہ بیع فسخ نہ کردے یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کے معنی بھی بدنوں کے افتراق ہی کے ہیں کیونکہ اگر اس سے مراد افتراق کلام لیا جائے تو اس حدیث کے کوئی معنی نہیں بنتے جب کہ آپ نے فرمایا کہ کوئی اس ڈر سے جدائی کی راہ اختیار نہ کرے کہ کہیں بیع فسخ نہ ہوجائے۔

تشریح: خیار کی اقسام: خیار شرط: عقد بیع کرتے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اتنے دن تک مجھے اس بیع کے ختم کرنے یا قبول کرنے کا خیار ہوگا۔ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ خیار زیادہ سے زیادہ تین دن تک رہے گا۔

خیار عیب: کسی خریدی ہوئی چیز میں عیب ظاہر ہونے پر مشتری کو اسے رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہونا۔

خیار رویت: کوئی چیز بغیر دیکھے خرید لی ہو تو دیکھنے پر رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار ہونا۔

خیار تعیین: چند چیزوں میں سے بعض کو رکھ لینے اور بعض کو واپس کرنے کا اختیار مشتری کو حاصل ہونا ہے۔

خیار قبول: عقد بیع کے وقت ایک شخص نے بیع کے لئے ایجاب کر دیا تو دوسرے شخص کو مجلس کے اندر اس کے قبول یا عدم قبول کا اختیار ہوگا مجلس ختم ہونے تک یہ اختیار حاصل رہتا ہے۔

خیار مجلس: دونوں فریقوں کو بیع ختم کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار مجلس ختم ہونے تک باقی رہتا ہے بعد میں نہیں رہتا۔ اسی آخری قسم میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک خیار مجلس ثابت ہے یعنی بائع اور مشتری عقد کے بعد جب تک مجلس میں بیٹھے ہوں ہر ایک کو عقد فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار حاصل ہے۔ گویا حدیث میں ''مالم یتفرقا'' میں تفرق بالابدان مراد ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک کسی کیلئے خیار مجلس کا حق حاصل نہیں ہے یعنی جب مجلس میں ایجاب وقبول ہو جائے تو اب کسی کو فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں خواہ وہ مجلس میں بیٹھے ہوں گویا انکے نزدیک تفرق بالاقوال مراد ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث ہے۔ اس حدیث میں تفریق مجلس سے پہلے خیار کا حق دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تفریق سے مراد تفریق بالابدان ہے۔

دلیل ثانی: اگلی حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''البیعان بالخیار مالم یتفرقا... الخ'' الحاصل ان احادیث میں ''مالم یتفرقا'' آیا ہے اس سے تفرق بالابدان مراد لیتے ہیں کیونکہ تفرق اعراض میں سے ہے۔ اور اعراض جوہر کیساتھ قائم ہوتے ہیں دوسرے اعراض کیساتھ قائم نہیں ہوتے اس لئے تفرق بالاقوال مراد نہیں ہوتا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ایجاب وقبول کے ذریعے سے عقد تام ہو چکا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اوفوا بالعقود'' تو اب زبردستی ایفائے عہد کے منافی ہے۔

دلیل ثانی: ''عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ... ولا یحل له ان یفارق صاحبه خشیة ان یستقیله ... الخ'' اقالہ عقد تام ہونے کے بعد ہوتا ہے معلوم ہوا کہ خیار مجلس نہیں اگر خیار مجلس ہوتا تو اس کو اقالہ اور واپس کرنے کے مطالبہ کی ضرورت پیش نہ آتی۔

دلیل ثالث: دوسرے عقود پر قیاس کرتے ہیں مثلاً نکاح، طلاق، اجارہ وغیرہ میں خیار مجلس نہیں ہوتی تو یہاں بھی خیار مجلس حاصل نہیں ہوگا۔

خلاصہ: یہ ہے کہ احناف نے تفرق سے مراد تفرق بالاقوال لیا ہے ان کی تائید میں بعض آیات پیش کی جاتی ہیں۔

(۱): ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا''۔ (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)

(۲): ''وما تفرق الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جائتهم البینة'' (سورۃ بیینہ: ۴)

نیز خیار بالاقوال مراد لینے میں دو دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں۔

دلیل نمبر(۱): حدیث میں لفظ ہے البیعان یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اب انکو بائع اور مشتری قرار دیا جائے تو ان میں تین صورتیں ہیں۔

(۱) بیع وشراء پہلے ہو چکی ہو پھر انکو بائع ومشتری کہیں۔

(۲) بیع وشراء آئندہ ہوگی اس اعتبار سے انکو بائع ومشتری کہیں۔

(۳) ابھی عقد ہو رہا ہے اس اعتبار سے انکو بائع ومشتری کہیں۔

پہلے دو معنی مجازی اور تیسرا معنی حقیقی ہے جب تک حقیقت مراد لی جاسکتی ہو حقیقت ہی مراد ہوگی مجاز کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا اس اعتبار سے حنفیہ کا مسلک راجح ہے۔

امام شافعیؒ کے ہاں تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس بات پر کہ اس حدیث ابن عمرؓ میں تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خیار مجلس مشروع ہو، چند شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

اوّل: راوی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل یہ تھا کہ جس کسی سے معاملہ کرتے یعنی بیع شراء کرتے تو ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد مجلس سے چند قدم چل پڑتے۔ تو یہ چند قدم چلنا تفریق بالابدان ہے اور ''صاحب البیت ادری مافیه''۔

ثانی: فیصلہ ابوبرزہ اسلمیؓ ہے کہ ان کے پاس ایک مقدمہ آیا کہ کچھ لوگ کشتی پر سوار تھے ان میں سے دو آدمیوں نے ایک گھوڑے کے بارے میں معاملہ کرلیا اگلا دن جب آیا تو مشتری نے گھوڑے پر قبضہ کرنا چاہا بائع نے قبضہ کرنے سے روک دیا ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا وہ مقدمہ حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ کے پاس لے آئے تو انہوں نے فرمایا ''لا اراکما افترقتما'' کہ میرا خیال ہے کہ تمہارا افتراق نہیں ہوا۔

ثالث: حضرت عبداللہ بن المبارکؒ کا قول ہے کہ ان کے سامنے ان فقہاء کا تذکرہ ہوا جو خیار مجلس کے قائل ہیں آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا ''کیف اردّ هذا القول'' کہ اس قول کو کیسے رد کردوں حالانکہ اس کے بارے میں صحیح حدیث موجود ہے۔

رابع: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہے ابتداء میں تو وہی مضمون ہے۔ ''البیعان بالخیار مالم یتفرقا'' اس کے آخر میں اضافہ ہے ''لا یحل له ان یفارق صاحبه خشیة ان یستقیله'' کہ فسخ کے خوف سے متعاقدین میں سے کسی کو مفارقت اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ ''اذا کان الامر کذلك'' شوافع یہ کہتے ہیں کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد بھی فسخ کا حق ختم نہیں ہوا یہ اس بات کے شواہد ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے اس لئے کہ تفرق بالابدان کی صورت میں ہی ایجاب و قبول کے بعد مجلس کے باقی رہتے ہوئے فسخ کا اختیار ہوتا ہے۔

شوافع کے دلائل کے جوابات: جواب اوّل: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں تفرق سے مراد تفرق قولی ہے معنی یہ ہے کہ جب تک بائع اور مشتری بیع سے متعلق جو کلام ہے اس سے فارغ نہ ہوں اس وقت تک ہر ایک کو اختیار ہے۔ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد پھر کسی کو اختیار نہیں ہے لہٰذا اگر متعاقدین میں سے کسی ایک نے ایجاب کیا دوسرے نے ابھی قبول نہیں کیا تو اس موجب کو اپنے ایجاب سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اسی طرح دوسرے کو بھی قبول کرنے اور رد کرنے کا

اختیار ہے، قبول کرنے نہ کرنے اور موجب کو اپنے ایجاب سے رجوع کرنے کا حق اس وقت تک ہوگا کہ جب تک یہ دونوں بیع سے متعلق جو کلام ہے اس سے فارغ نہ ہوں لیکن جب دونوں بیع سے متعلق کلام سے فارغ ہو گئے ایک ایجاب سے فارغ ہو گیا اور دوسرا قبول سے فارغ ہو گیا جس کی وجہ سے ایک بائع کہلانے کا مستحق ہو گیا اور دوسرا مشتری کہلانے کا مستحق ہو گیا تو اب کسی قسم کا کسی کو اختیار نہیں ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ حدیث کا مدلول تفرق قولی ہے اس پر دلیل کیا ہے۔

دلیل کو سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ یہ مقدمہ مسلمات میں سے ہے کہ عقد بیع کا موضوع لہ ثبوت ملک اور لزوم ملک ہے۔

دلیل اوّل: ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث پاک میں تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث (ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد بیع تام ہو جاتی ہے) وہ موضوع لہ کے لئے مؤکد اور مقرر ہوگا اگر تفرق بدنی مراد لیں تو مدلول حدیث عقد بیع کے موضوع لہ کے منافی ہوگا۔

دلیل ثانی: اگر تفرق سے مراد تفرق قولی ہو تو مدلول حدیث اپنی نظائر کے ساتھ شریک ہوگا خیار مجلس کے نہ ہونے میں اس لئے کہ اس صورت میں مدلول حدیث یہ ہوگا کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی قسم کا خیار نہیں۔ جس طرح دیگر عقود مثلاً عقد اجارہ یا عقد خلع ہے ان میں خیار مجلس نہیں اسی طرح ان میں بھی خیار مجلس نہیں ہے اگر تفرق سے مراد تفرق بدنی لیں تو مدلول حدیث ہے خیار مجلس کا ثبوت تو اب عقد بیع اپنی نظائر سے کٹ جائے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے جس کی وجہ سے عقد بیع اپنے نظائر کے مطابق ہو۔

سوال: اس میں کیا حرج ہے کہ عقد بیع اپنی نظائر سے کٹ جائے اور بھی تو عقد بیع میں ایسی چیزیں ہیں جن میں وہ اپنی نظائر کے ساتھ ملحق نہیں ہے مثلاً خیار رؤیت ہے خیار عیب ہے اور خیار شرط ہے۔

جواب: بے شک عقد بیع دیگر احکام میں دوسرے عقود سے ممتاز ہے لیکن ان کا عقد بیع میں ثابت ہونا نصوص صریحہ کی وجہ سے ہے اور اس قسم کی نصوص صریحہ خیار مجلس کے بارے میں موجود نہیں ہیں۔

تیسری دلیل: اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت میں غیر کے حق کا ابطال لازم نہیں آئے گا اس لئے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد کسی ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر فسخ کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو اس صورت میں غیر کے ثابت شدہ حق کا ابطال لازم آئے گا لہٰذا تفرق قولی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

دلیل رابع: اگر تفرق قولی مراد لیں تو اس صورت میں مدلول حدیث کا رد الی الجہالۃ نہیں ہوگا اور اگر تفرق بدنی مراد لیں تو رد الی الجہالۃ لازم آئے گا اس لئے کہ کوئی پتہ نہیں کہ کب تک مجلس باقی رہے گی اور ظاہر ہے کہ وہ معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے جس میں رد الی الجہالۃ لازم نہ آئے۔

دلیل خامس: اگر تفرق بالاقوال مراد لیں تو اس صورت میں ''البیعان'' اپنے معنی حقیقی میں مستعمل ہوگا اگر تفرق بالابدان مراد لیں تو اس صورت میں البیعان معنی مجازی میں مستعمل ہوگا اس لئے کہ عاقدین جب عقد بیع میں مشغول ہوں تو ان کو بیعان کہنا حقیقۃ ہے اور ایجاب وقبول کے بعد مجلس کے ختم پر ''البیعان'' کا اطلاق یہ ''ما کان'' کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ اسم فاعل کا اطلاق حالت مباشرت میں حقیقی ہے۔

سوال: باقی رہی یہ بات کہ آیا تفرق کا استعمال تفرق قولی میں ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب اوّل: نصوص میں تفرق کا اطلاق تفرق قولی پر ہوا ہے۔ مثلاً ''واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا'' یہاں تفرق

بالاقوال مراد ہے کہ نظریات اور عقائد کے لحاظ سے جدا نہ ہو۔

(۲) لا نفرق بین احدٍ من رسله یہ بھی تفرق بالاقوال ہے تفرق عقائد کے اعتبار سے ہے۔

(۳) وان یتفرقا یغن اللّٰہ کلّا من سعته۔ اسی طرح "ستفرق امتی" میں بھی تفرق بحسب العقائد مراد ہے نہ کہ تفرق بالاقوال۔

جواب ثانی: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے لیکن خیار سے مراد خیار مجلس نہیں بلکہ خیار قبول ہے۔ مدلول حدیث یہ ہے کہ موجِب کے ایجاب کے بعد جب تک مجلس باقی رہے گی تو دوسرے کے قبول کا اعتبار ہوگا اور جب مجلس ختم ہو جائے تو دوسرے کے قبول کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس کے قبول کے لئے از سرِ نو ایجاب کی ضرورت ہوگی یہی قاضی ابو یوسف اور عیسیٰ بن ابان سے منقول ہے۔

جواب ثالث: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے منقول ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ تفرق سے مراد تفرق بدنی ہے اور خیار سے مراد خیار مجلس ہی ہے لیکن یہ خیار مجلس علی سبیل الوجوب نہیں ہے بلکہ علی سبیل المروت اور علی سبیل التبرع ہے حق معاشرت کے طور پر ہے کہ اگر ایک نادم ہے اور وہ فسخ کرنا چاہتا ہے تو دوسرے کو مان لینا چاہیے اور اس پر قرینہ بھی موجود ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے "او یختار ثلاثًا" شوافع کہتے ہیں کہ ثلاثًا کی قید استحباب کے لئے ہے پس احناف کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ یہاں خیار مجلس استحباباً مراد لیں نہ کہ وجوباً۔

شوافع کے ہاں خیار مجلس کے ساقط ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ ① مجلس باقی نہ رہے۔ ② التخایر، یعنی ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد فریقین میں سے ایک دوسرے کو کہے "اختر" دوسرا کہے "اخترت" تو اب خیار مجلس ساقط ہو جائے گا اگرچہ مجلس باقی ہو۔ اب حدیث میں "یختار ثلاثًا" کے الفاظ ہیں لیکن شوافع اس بات پر متفق ہیں کہ "ثلاثًا" کی قید استحباب کے طور پر ہے ورنہ ایک دفعہ بائع کہہ دے اختر تو مشتری نے کہہ دیا "اخترت" تو بیع لازم ہو جائے گی تین دفعہ "اختر" کہنے کی ضرورت نہیں۔

راوی حدیث کے عمل کا جواب اوّل: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا چند قدم چلنا یہ احتیاطاً تھا اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ خیار مجلس کے قائل تھے اور تفرق سے مراد تفرق بالابدان ہے بلکہ اس وجہ سے تھا تاکہ بیع پکی ہو جائے۔

جواب ثانی: یہ اس وجہ سے ہوتا کیونکہ فریق آخر خیار مجلس کا قائل ہوتا کہ فریق آخر کے مسلک کے مطابق بھی بیع پکی ہو جائے۔

ثالثًا: اگر مان لیا جائے کہ مجلس کو بدلنا اس وجہ سے تھا کہ وہ خیار مجلس کے قائل تھے تو یہ ابن عمرؓ کا اپنا فہم واجتہاد ہے اور بسا اوقات صحابی کا اپنا فہم حجت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ کی حدیث "ان المیت لیعذب ببکاء اھله" پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تخطیہ کیا۔ یا منہ کے لئے مطلقہ کے بارے میں نفقہ اور سکنی ہے یا نہیں اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیسؓ کی حدیث کا اعتبار نہیں کیا۔ اور ایسے ہی "ممامست النار موجب للوضوء" ہے یا نہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فہم ابو ہریرہؓ کو رد کر دیا اگر امام ابو حنیفہؒ خیار مجلس کے مسئلہ میں فہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اعتبار نہ کریں تو پھر کیا نقصان ہوگا۔

شاہد ثانی: ابو برزہ اسلمی کے قول کا جواب: یہ فیصلہ بطور صلح اور تبرع کے تھا قضاء شرعی ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا۔ اگر ہم مان لیں کہ یہ فیصلہ قضاء شرعی ہونے کی حیثیت سے تھا تو یہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور صحابی کا اجتہاد اس وقت حجت ہوتا ہے جب وہ نص کے معارض نہ ہو۔ اگر نص کے معارض ہوا تو وہ حجت نہیں ہوگا۔

شاہد ثالث: عبداللہ بن مبارک کے قول کا جواب یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جو دوسروں کے لئے حجت نہیں۔

شاہد رابع: حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص والی دلیل کا جواب یہ ہے کہ تو احناف کی دلیل ہے کہ ایجاب وقبول ہو جانے کے بعد فسخ کا حق نہیں بجز اقالہ کے اور قالہ کہتے ہیں دوسرے کی رضامندی کے ساتھ بیع کو فسخ کرنا اور خیار مجلس دوسرے کی رضا کے بغیر ہوتا ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ اقالہ کے خوف کی وجہ سے اپنے ساتھی سے جدا نہ ہو اور اقالہ تو بیع تام ہونے کے بعد ہوتا ہے اور ''ان یستقیله'' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اقالہ ہی مراد ہے کیونکہ اگر خیار مجلس مراد ہو تو دوسرے سے مطالبہ کی کیا ضرورت ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اقالہ کے خوف کی وجہ سے مجلس نہیں بدلنی چاہیے۔

سوال: جیسے مجلس میں اقالہ کرنا جائز ہے اسی طرح مجلس کے بعد بھی اقالہ کرنا جائز ہے۔ تو پھر مجلس نہ بدلنے کا حکم کیوں دیا؟

جواب: مجلس میں اقالہ کا استحباب علی وجہ التاکید ہے اور مجلس کے بدلنے کے بعد اقالہ کرنا یہ بھی مستحب ہے لیکن علی وجہ التاکید نہیں ہے۔

باب (منه)

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا زُرْعَةَ بْنَ عَمْرِو بْنِ جُرَيْرٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَتَفَرَّقَنَّ عَنْ بَيْعٍ إِلَّا عَنْ تَرَاضٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

نصر بن علی، ابواحمد، یحییٰ بن ایوب، ابا زرعہ بن عمرو بن جریر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فروخت کرنے اور خریدنے والے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک کہ وہ آپس میں راضی نہ ہوں یہ حدیث غریب ہے۔

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيَّرَ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ الْبَيْعِ وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ۔

عمر بن حفص شیبانی، ابن وہب، ابن جریج، ابی زبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی کو بیع کے بعد اختیار دیا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

تشریح: اس باب میں امام ترمذیؒ نے خیار مجلس کے متعلق دو حدیثیں بیان کی ہیں۔

ان کا حاصل یہ ہے کہ بیع تراضی طرفین سے ہوتی ہے۔ یہ رضامندی کہاں تک باقی رہنی چاہیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجلس کے اختتام تک باقی رہنی چاہیے اگر مجلس ختم ہونے سے پہلے کوئی فریق ختم کرنا چاہے تو ختم کر سکتا ہے کیونکہ ابھی تک فریقین میں سے کسی نے فائدہ نہیں اٹھایا اور اس پر وقت بھی زیادہ نہیں گزرا پس سودا ختم کرنے میں کسی کا نقصان نہیں ہاں مجلس ختم ہونے کے بعد تراضی ضروری نہیں کیونکہ اگر مجلس کے بعد بھی تراضی ضروری ہوئی تو یہ بائع اور مشتری کا نقصان ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر مجلس کے ختم ہونے سے پہلے کسی فریق نے اپنی رائے بدل دی تو وہ تنہا بیع توڑ سکتا ہے یہی خیار مجلس ہے۔

اس حدیث کے راوی ابو زرعہ جلیل القدر تابعیؒ ہیں یہ جب کسی کے ساتھ سودا کرتے تو اس کو بیع رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیتے تھے پھر اس سے کہتے تھے کہ آپ مجھے بھی اختیار دیں۔ یعنی خود بھی اختر کہتے تھے اور دوسرے فریق سے بھی یہی کہلواتے تھے اس

ہے بھی معلوم ہوا کہ حدیث کا تعلق خیار مجلس سے ہے اور یہ اختیار تفرق ابدان تک رہتا ہے یا اخترکہنے تک رہتا ہے۔

دوسری حدیث میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے پورا واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک اعرابی کو اونٹ بیچا وہ اونٹ لے کر چلا گیا ایک عرصہ کے بعد واپس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ آپ نے مجھے پہچانا آپؐ نے فرمایا ہاں تم وہی تو ہو جو مجھ سے اونٹ خرید کر لے گئے تھے۔ اس نے کہا ہاں میں وہی ہوں اور مجھے سودا منظور نہیں۔ آپ ﷺ نے اونٹ واپس لے لیا اور رقم لوٹا دی یہ حدیث مکارم اخلاق میں سے ہے اس واقعہ کا نہ تو خیار مجلس سے تعلق ہے اور نہ اخترکہنے سے۔

بَاب مَا جَاءَ فِيمَنْ يُخْدَعُ فِي الْبَيْعِ

حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا كَانَ فِي عُقْدَتِهِ ضَعْفٌ وَكَانَ يُبَايِعُ وَأَنَّ أَهْلَهُ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ احْجُرْ عَلَيْهِ فَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَا أَصْبِرُ عَنِ الْبَيْعِ فَقَالَ إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ هَاءَ وَهَاءَ وَلَا خِلَابَةَ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالُوا يُحْجَرُ عَلَى الرَّجُلِ الْحُرِّ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ إِذَا كَانَ ضَعِيفَ الْعَقْلِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَقَ وَلَمْ يَرَ بَعْضُهُمْ أَنْ يُحْجَرَ عَلَى الْحُرِّ الْبَالِغِ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص خرید و فروخت میں کمزور تھا اور وہ خرید و فروخت کرتا تھا چنانچہ اس کے گھر والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اسے بیع سے روک دیں آپؐ نے اسے بلایا اور تجارت سے منع کیا تو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس کے بغیر صبر نہیں آتا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا اگر تم خرید و فروخت کرو تو اس طرح کہہ دیا کرو کہ برابر برابر لین دین ہے اس میں فریب اور دھوکہ نہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے حضرت انس کی حدیث حسن صحیح غریب ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ کمزور عقل والے کو خرید و فروخت سے روکا جائے۔ امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک ایک آزاد اور بالغ آدمی کو خرید و فروخت سے روکنا جائز نہیں۔

تشریح: اس حدیث کے تحت دو مسائل کا بیان ہوگا۔

المسئلة الاولیٰ: ایک شخص آزاد عاقل بالغ صحیح العقل نہ ہو سفیہ العقل ہو یعنی جس کو معاملات کی سمجھ سوجھ نہ ہو تو آیا ایسے شخص پر قاضی کی طرف سے حجر (خرید و فروخت میں پابندی) عائد کیا جا سکتا ہے یا نہیں کیا جا سکتا؟

قول اوّل: جمہور حضرات اور امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس پر حجر عائد نہیں کیا جا سکتا۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس پر حجر عائد کیا جا سکتا ہے۔ قاضی ایسے شخص کو روک سکتا ہے جب قاضی روک دے تو اس کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہ وہ معاملات کرتا ہے تو اس میں اس کو نقصان ہو جاتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے درخواست کی کہ اس پر پابندی لگا دیں تو آپؐ نے اس کو روک دیا تو معلوم ہوا کہ حجر عائد کیا جا سکتا ہے۔

یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ آپ ﷺ کا منع فرمانا بطور مشورہ کے تھا جس پر وزنی قرینہ یہ ہے کہ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ جب تک میں خرید و فروخت کا معاملہ نہ کروں تو مجھے چین نہیں آتا تو نبی کریمؐ نے اس کو اجازت دے دی اور فرمایا کہ جب معاملہ کیا کرو تو دو کام کر لیا کرو۔ ① ھاء وھاء کہ یہ معاملہ نقد ہوگا ادھار نہیں ہوگا۔ ② **لا خلابة:** خلابة خدیعة کے معنی میں استعمال ہوتا ہے نبی ﷺ نے اسے خدیعہ کا لفظ نہیں بتلایا کیونکہ اس کی ادائیگی مشکل تھی۔ خلابة کا لفظ ارشاد فرمایا چونکہ وہ زبان سے توتلا تھا وہ خلابة کو خیابة کہتا تھا۔ لا خلابہ کہنے کی صورت میں دھوکہ بازی نہیں ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھ دھوکہ نہ کرو۔ اگر آپ نے قانونی طور پر حجر عائد فرمایا ہوتا تو پھر خرید و فروخت کی اجازت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہی حدیث الباب احناف کا بھی مستدل ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہ حجر نہیں ہے اور پابندی لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اعلان کرنا ضروری ہوتا ہے کہ فلاں شخص محجور قرار دیا گیا ہے کوئی اس کے ساتھ معاملہ نہ کرے۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت حبان بن منقذ کو کاروبار سے منع تو کیا لیکن باہر اعلان نہیں کرایا اس لئے یہ حجر نہیں اور گھر والوں کا ان کو خرید و فروخت سے روکنے کا مطالبہ کرنا کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان کا فعل حجت نہیں غرض یہ بھی نص فہمی کا اختلاف ہے۔ دلائل کا اختلاف نہیں۔

المسئلة الثانية: مغبون کو حق فسخ ہے یا نہیں؟ مغبون کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو تجربہ کار نہ ہو (۲) جو تجربہ کار ہو۔ تجربہ کار کیلئے بالاتفاق خیار فسخ نہیں ہوگا۔ اور جو نا تجربہ کار ہو اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف اور شوافع کے نزدیک خیار فسخ نہیں ہوگا۔

قول ثانی: حنابلہ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ فسخ کا حق حاصل ہے اگر فسخ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

دلیل: شوافع اور احناف کہتے ہیں کہ جب عقد کرو تو سوچ سمجھ کر کرو اس وقت جو تحقیق کرنی ہے وہ کر لو لیکن ایک مرتبہ جب عقد کر لیا تو وہ عقد لازم ہو گیا دھوکہ کھا لیا تو تمہارا نقصان نہ کھایا تو تمہارا فائدہ۔ لیکن اگر اپنی کمی کوتاہی کی وجہ سے غبن میں مبتلا ہوا ہے تو اس کا اپنا نقصان ہے۔

مالکیہ وحنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ آپ ﷺ نے اس شخص سے ارشاد فرمایا کہ تو لا خلابة کہہ دیا کر اس کے کہنے کا حکم اس وجہ سے دیا کہ اس لفظ کو کہہ دینے کے بعد اس کے لئے خیار غبن ثابت ہوگا ورنہ اس لفظ کو کہنے کا کیا فائدہ ہے۔

جواب اوّل: لا خلابة اس لئے نہیں کہ اس کے لئے خیار غبن ہے اس پر وزنی قرینہ یہ ہے کہ بعض روایات میں ''**وقل لی الخیار ثلاثة ایام**'' کا اضافہ ہے اس کو خیار شرط کہتے ہیں نہ کہ خیار غبن اگر لا خلابة سے خیار غبن ثابت ہو گیا تو **ولی الخیار ثلاثة ایام** کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس خیار سے مراد خیار شرط ہے نہ کہ خیار مغبون۔ خیار شرط ہونے کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) غبن فاحش ہوا ہو، اور غبن فاحش وہ ہوتا ہے جو قیمت لگانے والے کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو۔ مثلاً کسی نے کوئی چیز خریدی دس روپے کی اب قیمت لگانے والے اس کی قیمت چھ روپے یا آٹھ روپے لگاتے ہیں دس روپے کوئی نہیں کہتا تو یہ غبن فاحش ہے اگر کوئی آٹھ کی اور کوئی دس کی کہتا ہے تو یہ غبن یسیر ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ تہائی قیمت یا اس سے زیادہ لگانا غبن فاحش ہوگا۔

(۲) بائع کی طرف سے دھوکا ہوا ہو بائع نے سو روپے کی چیز دی اور کہا کہ اس کی قیمت بھی یہی ہے حالانکہ مارکیٹ میں اس کی قیمت ستر روپے ہے تو اب مشتری کو خیار ملے گا یہ خیار تغریر کہلاتا ہے (الاشباہ والنظائر ج ۱ ص ۱۰۱) اسی طرح بائع سیدھا سادھا ہے مشتری نے اس سے کوئی چیز سستی لے لی حالانکہ عام ریٹ وہ نہیں تو اب اس بائع کو غبن کی صورت میں خیار حاصل ہوگا۔

سوال: لاخلابۃ کا کیا فائدہ ہے۔ **جواب اوّل:** فریق مخالف کو متنبہ کرنا ہے کہ ارے بھائی میں معاملات کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتا میرے ساتھ ''الدین النصیحۃ'' والا معاملہ کیا جائے میری پوری خیر خواہی کی جائے۔

جواب ثانی: یا پھر یہ ان کی خصوصیت ہے دلیل یہ ہے کہ مستدرک حاکم میں ہے:

''ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر نی فی بیعی'' اس سے معلوم ہوا کہ صرف انہیں کو خیار دیا گیا تھا۔ لہٰذا اس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جا سکتا جس پر وزنی قرینہ یہ بھی ہے کہ ایک صحابی کو جن کی عمر ایک سو بیس سال تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غبن ہو جاتا تھا تو حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو حضورؐ نے اختیار دیا ہوا تھا۔

لیکن متاخرین حنفیہ نے یہی فتویٰ دیا ہے کہ غبن کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہے۔

المسئلۃ الثالثۃ: صاحب خلابہ کون تھے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ان کا نام حبان بن منقذ بن عمرو تھا۔ لاخلابہ کی خبر محذوف ہے ''لاخلابۃ فی الدین''۔

المسئلۃ الرابع: فائدہ: خیار شرط بالاتفاق ثابت ہے البتہ اس کی مدت میں اختلاف ہے اس میں تین قول ہیں۔

قول اول: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک خیار شرط تین دن تک ہوتا ہے اس سے زائد نہیں ہو سکتا مصنف عبدالرزاق اور دار قطنی میں تین دن کی روایات صراحۃً موجود ہیں۔

قول ثانی: امام احمد بن حنبلؒ امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک باہمی رضامندی سے جتنے دن کی شرط لگا لیں جائز ہے۔ حتیٰ کہ تین دن سے زیادہ کی بھی شرط لگا سکتے ہیں البتہ تعیین ایام ضروری ہے۔

قول ثالث: امام مالکؒ کے نزدیک مبیع کے مختلف ہونے کی وجہ سے خیار شرط کی مدت مختلف ہو جاتی ہے۔ مبیع اگر زمین یا مکان ہے تو مدت خیار چھتیس دن ہے غلام ہے تو دس دن ہے سامان ہے تو پانچ دن ہے اور اگر جانور ہے تو دو دن ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُصَرَّاةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا حَلَبَهَا إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَرَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَفِي

ابو کریب، وکیع، حماد بن سلمہ، محمد بن زیاد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے ایسا دودھ دینے والا جانور خریدا جس کا دودھ اس کے مالک نے کئی روز سے روکا ہوا تھا اسے اختیار ہے کہ دودھ دوہنے کے بعد چاہے تو ایک صاع کھجور کے ساتھ

الْبَاب عَنْ أَنَسٍ وَرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

واپس کردے۔ اس باب میں حضرت انسؓ اور ایک دوسرے صحابی سے بھی روایت ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اشْتَرَى مُصَرَّاةً فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ رَدَّهَا رَدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَصْحَابِنَا مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَمَعْنَى قَوْلِهِ لَا سَمْرَاءَ يَعْنِي لَا بُرَّ.

محمد بن بشار، ابو عامر، قرۃ بن خالد، محمد بن سیرین، حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تھنوں میں روکے ہوئے دودھ والا جانور خریدا اسے تین دن تک اختیار ہے اگر واپس کرے تو گندم کے علاوہ کوئی دوسرا غلہ ایک صاع دے۔ لا سمراء کا معنی ہے کہ وہ گندم نہ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہمارے اصحاب کا اسی پر عمل ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ بھی ان میں شامل ہیں۔

تشریح: مصراۃ اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ تصریہ ہے اور تصریہ کے معنی ہیں باندھنا روکنا اصطلاح میں دودھ والے جانور کا دودھ چند دن اس کے تھنوں میں روک لینے کو کہتے ہیں تاکہ اس کی کثرت مشتری کو دکھا کر حسب منشا ثمن وصول کئے جائیں۔ اس عمل کو تصریہ کہتے ہیں۔ اگر یہ عمل اونٹنی کے ماسوا کے ساتھ کیا جائے مثلاً بکری کے ساتھ کیا جائے تو اس عمل کو تصریہ اور اس بکری کو شاۃ مصراۃ کہتے ہیں اگر اس عمل کو گائے میں کیا جائے تو اس کو بقرۃ مصراۃ کہتے ہی۔ اگر یہ عمل اونٹنی میں کیا جائے تو اس عمل کو تحفیل اور اس اونٹنی کو ناقہ محفلہ کہا جائے گا۔

اس حدیث کے ذیل میں تین مسائل کا بیان ہوگا۔

المسئلۃ الاولی: اگر کوئی شخص اس طرح کا جانور فروخت کرے اور کہے کہ اس جانور میں اتنے کلو دودھ ہے اور مشتری اس کو گھر لے جا کر ایک دو مرتبہ دوہے تو دودھ کم پائے تو اس صورت میں تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ خیار وصف کی بناء پر مشتری سودا ختم کر سکتا ہے۔ اور بائع انکار کرے تو قاضی یہ معاملہ ختم کرادے گا اسے کہتے ہیں غرر قولی۔

اور اگر بائع نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا مگر غرر فعلی کیا جب مشتری نے دودھ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ صبح تمہارے سامنے دودھ نکالیں گے جتنا دودھ ہے وہ تمہارے سامنے ہوگا۔ پھر بائع نے شام کے وقت وہ دودھ سارا نہیں نکالا تاکہ اس کے تھنوں میں کچھ دودھ بچ جائے تو صبح اکٹھا نکالوں گا اس اعتبار سے جب صبح اونٹنی کا دودھ نکالا گیا تو اس کا دودھ زیادہ تھا۔ پھر جب مشتری اس جانور کو لے کر گھر پہنچا دوسرے وقت میں اس نے دودھ نکالا تو اس جانور کا دودھ بہت کم نکلا پتہ چلا کہ بائع نے دھوکہ کیا ہے یہ غرر فعلی ہے کیونکہ بائع نے اپنے عمل سے دھوکہ دیا ہے۔ اس صورت میں مشتری کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کو اختیار تام حاصل ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر سکتا ہے۔

قول ثانی: طرفین کے نزدیک مشتری کو خیار ناقص حاصل ہے وہ بائع کو راضی کر کے سودا ختم کر سکتا ہے تنہا اس کو فسخ نہیں کر سکتا۔

المسئلۃ الثانیۃ: مشتری کو یہ اختیار تام یا ناقص صرف تین دن تک حاصل رہے گا تین دن کے بعد یہ حق ساقط ہوجائے گا پھر بیع فسخ کرنے کیلئے فریقین کی رضامندی بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ جانور کو دو یا تین دن دوہنے کے بعد دودھ کا پتہ چل جاتا ہے اس سے زائد دنوں تک اختیار دینے میں بائع کا نقصان ہے نیز عرصہ گزرنے کے بعد دودھ خود بخود کم ہوجاتا ہے اور دیگر عوارض سے بھی کم ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں مزید اختلاف ہے جو آنے والے مسئلہ میں واضح ہوجائے گا۔

المسئلۃ الثالثہ: اگر جانور واپس کرنا چاہتا ہے تو کیا واپس کرسکتا ہے یا نہیں اور رجوع بالنقصان کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اگر وہ اس دھوکہ کے بعد جانور کو واپس لوٹانا چاہے تو واپس کرسکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک صاع ثمر کا بھی واپس کرنا ہوگا لیکن گندم کے ماسوا ہو گندم نہ ہو۔

قول ثانی: احناف کے نزدیک اس صورت میں مشتری کو یہ اختیار نہیں کہ وہ جانور واپس کردے البتہ مشتری رجوع بالنقصان کرے گا۔ وہ اس طرح کہ اس وقت اس بکری کی قیمت بازار میں لگائی جائے گی اور مشتری کے ساتھ اس بھرے ہوئے تھن کی وجہ سے بائع نے کیا قیمت لگائی تھی ان دونوں قیمتوں کے درمیان جو فرق ہوگا وہ بائع مشتری کو ادا کرے گا چونکہ یہ مسلک حدیث الباب کے صریح معارض ہے اس لئے اس مسئلہ میں حنفیہ کے خلاف خوب اعتراضات ہوئے کہ انہوں نے حدیث کے خلاف اپنے قیاس کو ترجیح دی ہے۔

قول ثالث: امام ابو یوسف اور امام مالکؒ کے نزدیک مشتری مبیع کو تو واپس لوٹا سکتا ہے لیکن صاع من التمر نہیں دے گا۔ لیکن مالکیہ کے ہاں ایک صاع لوٹا دے جیسا کہ عام طور پر شہروں میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ تمر میں سے ہو یا کسی اور جنس میں سے ہو۔

امام ابو یوسفؒ و مالکؒ کی دلیل: فرماتے ہیں کہ جتنا دودھ مشتری نے اس شاۃ مصراۃ سے نکالا ہے اس کی قیمت لوٹانی ضروری ہے کیونکہ مضمون دودھ ہی ہے لہٰذا اس کی قیمت واجب ہوگی اور آپ ﷺ کے زمانے میں اس دودھ کی قیمت ایک صاع تمر ہی بنتی تھی اس لئے آپ ﷺ نے اس کی ادائیگی کا حکم دے دیا۔ یا پھر مصلحۃً اس کا حکم دیا۔

احناف کا استدلال: جو صورت حال یہاں پیش آرہی ہے اس صورت میں بائع کو بکری واپس لوٹانے کی کوئی صورت نہیں بنتی کیونکہ جب بائع نے مشتری کو بکری فروخت کی تو اس وقت اس کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ بھی فروخت کیا تو وہ دودھ بھی مشتری کی ملکیت میں آگیا اور وہ دودھ بھی مبیع کا ایک حصہ ہوگیا لہٰذا اگر کسی وقت اس بکری کو واپس لوٹایا جائے گا تو اس دودھ کو بھی لوٹانا ضروری ہے جو بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں موجود تھا لیکن جب مشتری اس بکری کو خرید کرلے آیا تو اس نے اس کو کھلایا پلایا اس کی وجہ سے اس کے تھنوں میں مزید دودھ پیدا ہوگیا۔ اب اس کے کھلانے اور پلانے سے جو دودھ پیدا ہوا وہ اس کی ملکیت میں پیدا ہوا اور اصول یہ ہے کہ "الخراج بالضمان" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی چیز کسی شخص کی ضمان میں ہے تو اس کے ضمان میں ہوتے ہوئے اس سے جو نفع حاصل ہوگا وہ اسی شخص کی ملکیت ہوگا چونکہ یہ بکری مشتری کی ضمان میں ہے اس لئے اس عرصہ میں پیدا ہونے والا دودھ مشتری کا ہونا چاہیے اس اصول کی بناء پر مشتری پر صرف پہلی قسم کا دودھ لوٹانا لازم ہونا چاہیے۔ اور بعد میں پیدا ہونے والا لوٹانا واجب نہ ہونا چاہیے۔

اس لئے اگر ہم مشتری پر کل دودھ کی قیمت لازم کریں تو مشتری کا نقصان ہے کیونکہ اس دودھ میں وہ دودھ بھی تھا جو مشتری

کے پاس پیدا ہوا اور اگر ہم مشتری پر کچھ لازم نہ کریں تو اس صورت میں بائع کا نقصان ہے کیونکہ بیع کے وقت بکری کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ بائع کے ہاں پیدا ہوا۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ مشتری پر اس دودھ کی قیمت واجب ہے جو عند البیع بکری کے تھنوں میں تھا اور جو اس کے بعد پیدا ہوا اس دودھ کی قیمت نہیں تو یہ صورت عقد کے موافق ہے لیکن یہ کیسے معلوم ہوگا کہ عقد کے وقت کتنا دودھ تھا اور بعد میں کتنا آیا یہ معلوم کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا جانور کو واپس کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس لئے وہی صورت باقی رہ گئی جیسے احناف نے کہا کہ رجوع بالنقصان کرے۔

دوسرا یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث کو اس لئے چھوڑا کہ یہ حدیث بہت سے اصول شرعیہ کے معارض تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ضمان بقدر نقصان ہوتا ہے دونوں میں مساوات ہوتی ہے اگر حدیث پر عمل کرتے ہیں تو ضمان اور نقصان میں مساوات ممکن نہیں ہے اس کے علاوہ یہ حدیث اور اصول مسلمہ کے خلاف ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل گزر چکی ہے۔

حدیث الباب کا جواب اوّل: امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں فرمایا کہ یہ حدیث اس اصول "الخراج بالضمان" کے معارض ہے۔

جواب علی الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول اصل میں زیادۃ متولدہ غیر منفصلہ کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے اس لئے اس اصول کے ذریعے حدیث الباب کو چھوڑنا درست نہیں زیادہ سے زیادہ اس دودھ کے مقابلہ میں اس اصول سے استدلال کیا جا سکتا ہے جو دودھ بیع کے بعد مشتری کی ملکیت میں پیدا ہوا اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مصالحت پر محمول ہے۔

جواب ثانی: اگر یہ بات مان لی جائے کہ صاعًا من التمر واپس کرنا ہے تو پھر ہم کہتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد قضاءً نہیں بلکہ دیانۃً ہے بائع کی تطییب قلبی کے لئے فرمایا کہ ایک صاع تمر کا دیدو اور نبی کریم ﷺ کے دونوں طرح کے فیصلے ہیں قضاء شرعی کی حیثیت سے بھی ہیں اور دیانۃً بھی ہیں۔

جواب ثالث: نور الانوار قیاس کی بحث میں ہے کہ یہ حدیث قیاس کے خلاف ہے اس لئے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ضمان مثل صوری کے ساتھ ہو یا مثل معنوی کے ساتھ اور ظاہر ہے کہ صاعًا من التمر یہ تو مثل صوری ہے اور نہ مثل معنوی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ ظَهْرِ الدَّابَّةِ عِنْدَ الْبَيْعِ

حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ بَاعَ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعِيرًا وَاشْتَرَطَ ظَهْرَهُ إِلَى أَهْلِهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنْ جَابِرٍ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ يَرَوْنَ الشَّرْطَ فِي الْبَيْعِ جَائِزًا

ابن ابی عمر، وکیع، زکریا، شعبی، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک اونٹ فروخت کیا اور اس پر اپنے گھر تک سواری کرنے کی شرط لگائی، یہ حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت جابرؓ سے کئی سندوں سے منقول ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اس پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ بیع میں ایک شرط جائز ہے امام احمدؒ

إِذَا كَانَ شَرْطًا وَاحِدًا وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَجُوزُ الشَّرْطُ فِي الْبَيْعِ وَلَا يَتِمُّ الْبَيْعُ إِذَا كَانَ فِيهِ شَرْطٌ.

اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز نہیں اور شرط والی بیع پوری نہیں ہوگی۔

تشریح: بیع الدابۃ مع شرط الرکوب یعنی کوئی شخص اپنی سواری کا جانور فروخت کرے اور یہ شرط لگادے کہ اتنی مسافت میں نے خود اس پر سواری کرنی ہے ایسی بیع کرنا جائز ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہؒ کے نزدیک بیع میں شرط لگانا مطلقاً جائز ہے۔ مالکیہ حضرات اس میں فرق کرتے ہیں کہ اگر مسافت قریبہ ہو تو جائز ہے اور اگر مسافت بعیدہ ہو تو پھر جائز نہیں۔

قول ثانی: جمہور حضرات کے نزدیک بیع میں شرط لگانا جائز نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل: نہی عن بیع وشرط کہ آپ ﷺ نے بیع اور شرط سے منع فرمایا ہر وہ عقد جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو وہ جائز نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے۔

حنابلہ کی دلیل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو اونٹ بیچا اور مدینہ منورہ تک اس پر سوار ہو کر جانے کی شرط لگائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شرط کو مان لیا اس سے معلوم ہوا کہ بیع میں ایک شرط لگا سکتے ہیں۔

جواب: جمہور حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مختصر ہے واقعہ اس کا یہ ہے کہ ایک غزوہ سے واپسی پر جب مدینہ منورہ قریب آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی کو بھگاتے جارہے تھے اونٹنی دبلی تھی۔ آپؐ پیچھے سے آئے اور اونٹنی کو چھڑی ماری جس سے وہ تیز رفتار ہوگئی پھر آپؐ نے فرمایا کہ یہ اونٹنی مجھے بیچ دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ تو نکمی تھی آپؐ کی برکت سے اس میں جان پڑی ہے یہ آپ کو ہدیہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں کیا اور بیچنے پر اصرار کیا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی وہ اونٹنی بیچ دی جب معاملہ طے ہوگیا تو حضرت جابرؓ نے سوچا کہ میں اب مدینہ کس پر جاؤں گا اونٹنی تو میں نے بیچ دی ہے چنانچہ انہوں نے یہ بات آپؐ سے عرض کی آپؐ نے فرمایا اس پر سوار ہو کر چلے جاؤ اور مدینہ پہنچ کر اونٹنی مجھے دے دینا یہ اشتراط نہیں تھا بلکہ معاملہ طے ہونے کے بعد آپ ﷺ کی طرف سے اذن اور تعاون ہے۔ جیسا کہ ایک شخص آیا دکان سے اس نے کتابوں کے تین کارٹن خریدے اب وہ کہتا ہے اس کو آپ فلاں اڈے سے بلٹی کروادیں اور بل مجھے لادیں اسے بلٹی کروانے کی شرط تو بیع میں نہیں تھی لیکن یہ اس شخص کے ساتھ تعاون کیا ہے۔

اشتراط کی دو صورتیں ہیں: ایک اشتراط جو مقصود ہو دوسرا اشتراط جو محض وعدہ ہو۔ اشتراط مقصود کی علامت یہ ہے کہ شرط قبول کرنے نہ کرنے پر بیع موقوف ہو اگر شرط قبول کی جائے تو بیع ہو ورنہ نہ ہو ایسے اشتراط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے۔ مثلاً بائع نے مکان بیچا لیکن اس نے اس میں چھ ماہ رہنے کی شرط لگادی تو یہ شرط ناجائز ہے۔ اور اشتراط غیر مقصود جو وعدہ کی قبیل سے ہوتا ہے اس میں شرط کے منظور کرنے اور نہ کرنے پر بیع کا مدار نہیں ہوتا۔ پس اتنی بات ہوتی ہے کہ اگر شرط منظور کی جائے تو بیع خوشدلی سے ہوتی ہے اور اگر شرط منظور نہ کی جائے تو بھی بیع ہوتی ہے۔ بہر حال یہ شرط وعدہ کی قبیل سے ہے اس سے بیع فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ شرط صلب عقد میں داخل نہیں ہوتی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْاِنْتِفَاعِ بِالرَّهْنِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَيُوسُفُ بْنُ عِيسَى قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ زَكَرِيَّا عَنْ عَامِرٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظَّهْرُ يُرْكَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ نَفَقَتُهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عَامِرٍ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مَوْقُوفًا وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَ قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْتَفِعَ مِنَ الرَّهْنِ بِشَيْءٍ.

ابوکریب، یوسف بن عیسیٰ، وکیع، زکریا، عامر، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گروی رکھے جانے والے جانور کو سواری کے لئے استعمال کرنا یا اس کا دودھ استعمال کرنا جائز ہے لیکن سوار ہونے اور دودھ استعمال کرنے پر اس کا نفقہ وغیرہ بھی واجب ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے صرف عامر شعبی کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے مرفوع جانتے ہیں کئی راوی یہ حدیث اعمش سے وہ ابوصالح سے اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً نقل کرتے ہیں بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ بھی اسی کے قائل ہیں بعض اہل علم کے نزدیک گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

تشریح: قوله الظهر یر کب بنفقته: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی کے پاس بطور رہن رکھ لے تو اس جانور کے مصارف گھاس پانی وغیرہ اس کے ذمہ ہے اور پھر وہ اس جانور پر سواری وغیرہ کرسکتا ہے۔

مسئلہ: شیٔ مرہونہ سے نفع اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ **قول اوّل:** امام احمدؒ، امام اسحاقؒ کے نزدیک شیٔ مرہونہ سے انتفاع جائز ہے۔ **قول ثانی:** ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک مرہون چیز سے نفع اٹھانا مرتہن کے لئے مطلقاً ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ "ان رسول اللہ ﷺ قال لا يغلق الرہن الرہن من صاحبہ الذی رہن لہ"۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیٔ مرہونہ کا نفع سب راہن کا ہے دوسری بات یہ ہے کہ اگر مرتہن اس سے فائدہ حاصل کریگا تو "وکل قرض جر نفعا فھو ربا" میں شامل ہوگا اور ربوا کی حرمت سب کو معلوم ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اور اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ مرتہن اس سواری کے نفقات بھرے اور اس سے سواری یا دودھ پینے کا نفع اٹھائے۔

جواب اوّل: یہ اس زمانہ کا ارشاد ہے کہ جس زمانے میں ابھی تک ربوا کی حرمت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اور بعد میں ربوا کو حرام قرار دیا گیا تو اس کا جواز بھی منسوخ ہوگیا یہ جواب سب سے قوی ہے۔

جواب ثانی: حدیث میں یرکب اور یشرب یہ دونوں مجہول کے صیغے ہیں ان میں اس بات کی تصریح نہیں کہ راکب کون ہوگا شارب کون ہوگا جیسے یہ احتمال ہے کہ مرتھن راکب اور شارب ہو اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ راکب اور شارب راھن ہو اور راھن خرچہ بھی

کرے گا اور سواری بھی کرے گا اس لئے کہ شیءِ مرہونہ کے دو قسم کے اخراجات ہوتے ہیں ایک بقاء کے لئے ایک حفاظت کے لئے۔ حفاظت کے اخراجات مرتھن کے ذمہ ہوتے ہیں اور بقاء کے اخراجات راھن کے ذمہ ہوتے ہیں راھن خرچہ بھی کرے گا اور انتفاع بھی حاصل کرے گا۔ پھر قبضہ تو مرتھن کا ہے تو راھن کیسے انتفاع حاصل کرے گا؟ جواب یہ ہے کہ حدیث میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر راھن اس سے انتفاع حاصل کرنا چاہے تو مرتھن کو رکاوٹ نہیں بننا چاہیے لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ بعض روایتوں میں مرتھن کی تصریح کی گئی ہے تو اجمال کو تفصیل پر محمول کیا جائے گا۔

جواب ثالث: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ جب راھن نے اپنی خوشی سے مرتھن کو شیءِ مرھونہ سے انتفاع کی اجازت دے دی ہو کہ خرچہ بھی تم کرتے رہو اور نفع بھی حاصل کرتے رہو۔

سوال: اس صورت میں راھن نے مرتھن کو سود لینے کی اجازت دے دی۔ جواب: یہ بھی دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ① مرتھن کا یہ انتفاع حاصل کرنا عقد رھن شرط کے طور پر طے نہ ہو۔ ② لوگوں کے ہاں معروف بھی نہ ہو اس لئے کہ "المعروف کالمشروط" ہے۔

جواب رابع: یہ حدیث اس صورت پر محمول ہے کہ عقد رہن ہو جانے کے بعد عقد اجارہ قائم ہو جائے کہ راہن یہی چیز مرتھن کو اجرت پر دے دے اور اس کی اجرت نفقہ کو قرار دے دے یا بمع شیءِ زائد کے تو اس صورت میں انتفاع حاصل کرنا بطور عقد اجارہ کے لئے ہے نہ کہ بطور عقد رھن کے اور حدیث اسی صورت پر محمول ہے تا کہ حرمت ربوا والی نصوص کے ساتھ تعارض پیدا نہ ہو۔

باقی حدیث کے موقوف ہونے سے کوئی اثر نہیں پڑتا غیر مدرک بالقیاس ہونے کی وجہ سے یہ حدیث مرفرع کے حکم میں ہے۔

جواب خامس: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ راہن کو یہ جانور ایسے انداز سے نہیں دینا چاہیے کہ دوسرا اس سے انتفاع نہ کر سکے بلکہ ایسے انداز سے دینا چاہیے کہ دوسرا اس سے نفع حاصل کر سکے الحاصل بطور رہن کے نہ دے بلکہ عاریت کے طور پر دے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي شِرَاءِ الْقِلَادَةِ وَفِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي شُجَاعٍ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ أَبِي عِمْرَانَ عَنْ حَنَشٍ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ فَفَصَّلْتُهَا فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنَ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أَبِي شُجَاعٍ سَعِيدِ بْنِ يَزِيدَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا

قتیبہ، لیث، ابی شجاع، سعید بن یزید، خالد بن ابی عمران، حنش صنعانی، حضرت فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے بارہ دینار کا ایک ہار خریدا جس میں سونا اور نگینے جڑے ہوئے تھے میں نے انہیں الگ کیا تو بارہ دینار سے زیادہ (سونا) پایا۔ پس میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا سونا الگ کئے بغیر نہ بیچا جائے۔ قتیبہ، ابن مبارک، ابی شجاع، سعید بن یزید سے اسی اسناد سے اسی حدیث کی مثل مروی ہے۔ یہ حدیث

عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَمْ يَرَوْا أَنْ يُبَاعَ السَّيْفُ مُحَلًّى أَوْ مِنْطَقَةٌ مُفَضَّضَةٌ أَوْ مِثْلُ هٰذَا بِدَرَاهِمَ حَتّٰى يُمَيَّزَ وَيُفَصَّلَ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ذٰلِكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ.

حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اس پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کسی تلوار یا کمر بند وغیرہ کا جس میں چاندی لگی ہوئی ہو اس کا ان چیزوں سے الگ کئے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں تاکہ دونوں چیزیں الگ الگ ہو جائیں۔ ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے، بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے اس کی اجازت دی ہے۔

تشریح: ایسا ہار جس میں سونا بھی ہو نگینہ بھی ہو۔ اور اس میں موتی بھی جڑے ہوئے ہوں۔ تو ایسے ہار کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ بالفاظ دیگر ذہب مرکب اور فضہ مرکب کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے ہاں اس میں تفصیل ہے ذہب مرکب وہ سونا جو کسی چیز کے ساتھ جڑا ہوا ہو اور فضہ مرکب وہ چاندی جو کسی چیز کے ساتھ جڑی ہوئی ہو اس کی بیع اس وقت جائز ہوگی جبکہ اس کے بدلے میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو اس سونے سے جو ہار پر لگا ہوا ہے تو پھر بیع جائز ہو جائے گی اور اگر اس کے برابر ہو یا کم ہو یا مجہول المقدار ہو تو کل اس کی چار صورتیں ہوں گی۔

① عوض میں دیا جانے والا سونا زیادہ ہو۔ ② یا وہ سونا ہار والے سونے کے برابر ہو۔ ③ عوض میں دیا جانے والا سونا ہار پر جڑے ہوئے سونے سے کم ہو۔ ④ مجہول المقدار ہو۔

اب اگر ہار میں لگا ہوا سونا تین تولے ہے اور عوض میں دیا جانے والا چار تولے ہے یا ساڑھے تین تولے تو بیع جائز ہوگی باقی تینوں صورتوں میں بیع جائز نہیں ہوگی دوسری اور تیسری صورت میں حقیقۃً ربوا لازم آئے گا اور چوتھی صورت میں احتمال ربوا ہے اور معاملات میں جس طرح حقیقۃً ربوا حرام ہے اسی طرح احتمال ربوا بھی حرام ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اسی پر قیاس کرلو تمام اشیاء متجانسہ کو جو مرکب مع الغیر توں تو ان کی بیع تب جائز ہوگی جبکہ ان کے عوض میں دی جانے والی جنس کی مقدار زیادہ ہو۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس وقت تک بیع جائز نہیں ہوگی جب تک مرکب سونا چاندی کو دوسری چیز سے الگ نہ کرلیا جائے اس کے بعد سونے کی بیع سونے کے ساتھ یدًا بیدٍ اکرے اور دوسری چیز جس طرح چاہے بیچ دے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: یہی واقعہ ہے کہ حضرت فضالہؓ کہتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر میں نے بارہ دینار کے عوض ہار خریدا اس میں سونا بھی لگا ہوا تھا، نگینے بھی لگے ہوئے تھے تو میں نے اس میں سونا بارہ دینار سے زیادہ پایا تو میں نے اس کا تذکرہ حضور ﷺ کے سامنے کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ''لا تباع حتیٰ تفصل'' کہ اس کو نہ بیچا جائے یہاں تک کہ اس کو جدا کر دیا جائے، تمام اشیاء متجانسہ کی جب اپنی جنس کے ساتھ بیع ہو رہی ہو اور دوسری شیء مرکب ہو کسی دوسری چیز کے ساتھ تو اس کی بیع اس وقت جائز ہوگی کہ جب اس کو دوسری چیز سے الگ کر دیا جائے۔

جواب: اس حدیث میں یہ بات صاف موجود ہے کہ حضرت فضالہؓ نے یہ ہار بارہ دینار میں خریدا تھا اور اس میں سے سونا بارہ دینار سے زائد نکلا اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کی اصل وجہ یہ تھی کہ قیمت کم تھی اور ہار میں لگا ہوا سونا زیادہ تھا جس کی وجہ سے تفاضل پایا گیا

اس لئے یہ بیع ناجائز ہوگئی اسی لئے حضور ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا اور پھر بطور مشورہ کے فرمایا کہ آئندہ اس وقت تک بیع مت کرنا جب تک سونے کو الگ نہ کرلو تاکہ صحیح پتہ لگ جائے کہ سونا کتنا ہے اور غیر سونا کتنا ہے اور مرکب ہونے کی صورت میں صحیح صحیح پتہ لگانا مشکل ہے کہ اس میں سونا کتنی مقدار میں ہے اور غیر سونا کتنی مقدار میں ہے اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسی صورت پیش آجائے تو تم صرف اندازے اور تخمینے سے کام مت لو بلکہ سونے کو الگ کر کے فروخت کرو اور ہار کو علیحدہ کر کے فروخت کرو۔

احناف کا استدلال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ کے آثار کثرت سے موجود ہیں اور انہوں نے وہی بات ذکر کی ہے جو امام صاحب ذکر فرمارہے ہیں، صحابہ کرامؓ و تابعینؒ نے اس بیع کو مطلقاً ناجائز قرار نہیں دیا ہے بلکہ فرمایا ہے کہ ثمن اگر ذہب مرکب کے مقابلے میں زیادہ ہے تو پھر بیع جائز ہے یہ تمام آثار تکملہ فتح الملہم میں ذکر کئے گئے ہیں۔

اس بیع کے عدم جواز کی علت یہی ہے کہ اس میں تفاضل ہے بلکہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ آیا ہے کہ جب آپؐ کے سامنے قلادہ کا مسئلہ آیا تو آپؐ نے اس سے منع فرمایا اور ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا ''لا الذھب بالذھب مثلاً بمثل'' اس سے معلوم ہوا کہ اصل علت حرمت تفاضل کا پایا جانا ہے لہٰذا اس میں تماثل کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور جہاں پر تماثل نہیں پایا جائے گا وہاں عقد جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ: نوٹوں کا تبادلہ نوٹوں کے ساتھ: یہ تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ اگر چہ ایک جانب نئے نوٹ اور دوسری جانب پرانے نوٹ ہوں کیونکہ اموال ربویہ میں جودت (جید) اور ردیت (ردی) کا اعتبار نہیں۔ کراچی کے بعض حضرات مفتیان کرام نے ایک حیلہ بتایا ہے کہ نئے نوٹوں والا اپنے نوٹوں کے ساتھ کچھ ٹافیاں دے دے تو جائز ہوجائے گا۔

کیونکہ زائد روپے ان ٹافیوں کا ثمن بن جائیں گے لیکن یہ حیلہ محل اشکال ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر ایک جانب چاندی ہے جس کے ساتھ اور چیز بھی ہے اور دوسری جانب صرف چاندی ہے اب دیکھا جائیگا کہ جو چیز چاندی کے ساتھ ہے اس کی قیمت کتنی ہے۔ اگر یہ چیز زائد چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو بیع جائز ہے اور اگر اس چاندی سے کم قیمت کی ہے تو پھر بیع مکروہ ہے علامہ شامیؒ نے تفصیل بیان کر کے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں بھی یہ جائز نہیں ہے اور اگر زائد چیز کی کوئی قیمت ہی نہیں تو یہ تبادلہ ہی جائز نہیں (باب الصرف ہدایہ و شامی)

بَابُ مَا جَاءَ فِي اشْتِرَاطِ الْوَلَاءِ وَالزَّجْرِ عَنْ ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَاشْتَرَطُوا الْوَلَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْطَى الثَّمَنَ أَوْ لِمَنْ وَلِيَ النِّعْمَةَ وَفِي

محمد بن بشار، عبدالرحمن بن مہدی، سفیان، منصور، ابراہیم، اسود، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت بریرہؓ کو خریدنے کا ارادہ کیا تو بیچنے والوں نے ولاء کی شرط لگائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اسے خرید لو کیونکہ حق ولاء تو اسی کے لئے ہے جو اس کی قیمت دے یا اس نعمت عتق کا مالک بن جائے۔ اس باب میں

الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ حَدِیثُ عَائِشَةَ حَدِیثٌ حَسَنٌ صَحِیحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ مَنْصُورُ بْنُ الْمُعْتَمِرِ یُکْنٰی أَبَا عَتَّابٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَکْرٍ الْعَطَّارُ الْبَصْرِیُّ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ الْمَدِینِیِّ قَالَ سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ سَعِیدٍ یَقُولُ إِذَا حُدِّثْتَ عَنْ مَنْصُورٍ فَقَدْ مَلَأْتَ یَدَكَ مِنَ الْخَیْرِ لَا تُرِدْ غَیْرَهُ ثُمَّ قَالَ یَحْیٰی مَا أَجِدُ فِی إِبْرَاهِیمَ النَّخَعِیِّ وَمُجَاهِدٍ أَثْبَتَ مِنْ مَنْصُورٍ وَأَخْبَرَنِی مُحَمَّدٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِی الْأَسْوَدِ قَالَ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ مَنْصُورٌ أَثْبَتُ أَهْلِ الْکُوفَةِ۔

حضرت ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے حدیث عائشہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے منصور بن معتمر کی کنیت ابوعتاب ہے۔ ابوبکر عطار، علی بن مدینیسے اور وہ یحییٰ بن سعید سے اور وہ یحیی بن سعید کے حوالے سے کہتے ہیں کہ جب تمہیں منصور کے واسطے سے کوئی حدیث پہنچے تو سمجھ لو کہ تمہارے دونوں ہاتھ خیر سے بھر گئے اور اس کے بعد کسی اور کی ضرورت نہیں، یحیی کہتے ہیں کہ ابراہیم نخعیؒ اور مجاہدؒ سے روایت کرنے والوں میں منصور سے اثبت کوئی نہیں۔ امام بخاریؒ، عبداللہ بن ابی اسود سے اور وہ عبدالرحمن بن مہدی سے نقل کرتے ہیں کہ منصور کوفہ کے تمام راویوں سے اثبت ہیں۔

تشریح: ولاء: یہ ایک حق ہے جو آزاد کرنے والے کو اپنے آزاد کئے ہوئے غلام یا باندی پر حاصل ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ غلام مرے گا تو آزاد کرنے والا بھی اپنے درجہ میں اس کا وارث ہوگا۔ مالک اگر یہ کہے کہ میں اپنی باندی یا غلام کو فروخت کرتا ہوں اس شرط پر کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے ولاء کا مالک میں ہوں گا۔ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: جمہور حضرات کے نزدیک اس کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ یہ شرط فاسد ہے اور آپ ﷺ نے بیع مع شرط سے منع فرمایا ہے۔

قول ثانی: حنابلہ کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے اس لئے کہ یہ شرط واحد ہے چنانچہ حنابلہ نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے۔ حضرت بریرہؓ کو ان کے آقا نے نو اوقیہ پر مکاتبہ بنایا تھا آقا نے کہا کہ تم ہمیں نو اوقیہ لا کر دو تو تم آزاد ہو۔ اور سالانہ ایک اوقیہ ادا کرتی رہو یہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس آئیں کہ میرا تعاون کریں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں نہیں کرتی کہ مالک سے کہو کہ وہ تمہیں ہم پر فروخت کر دیں۔ حضرت بریرہؓ نے جا کر کہا تو مالکوں نے کہا کہ ہم فروخت کر دیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد ولاء کے ہم مستحق ہوں گے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے عرض کیا تو حضورؐ نے فرمایا اشتریها حنابلہ کہتے ہیں کہ دیکھو یہ بیع مع شرط ہے معلوم ہوا کہ اگر شرط واحد ہو تو تحمل ہو سکتا ہے۔

جواب: ہم اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے کہ یہ بیع مع شرط الولاء ہے گو ابتداءً مالکوں نے شرط لگانے کا ارادہ کیا تھا لیکن آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شرط اللہ کے حکم کے خلاف ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور سختی سے منع فرمایا تو انہوں نے اپنی شرط سے رجوع کر لیا لہٰذا یہ بیع بدون شرط الولاء ہوئی ہے۔

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ''خذیها واشترطی لهم الولاء'' اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بیع مع شرط الولاء ہوئی ہے اور ساتھ ساتھ مالکوں کو دھوکہ بھی دیا جا رہا ہے۔

جواب اوّل: واشترطی لهم میں لام بمعنی علی کے ہے کہ ان کے خلاف تم بھی ولاء کی شرط لگا دو کہ ولاء تو خریدنے والے کے لئے

ہوتا ہے لہٰذا ولاء تمہیں نہیں ملے گا جیسے قرآن مجید میں "لھم اللعنة" اس میں بھی لام بمعنی علی کے ہے۔

جواب ثانی: واشترطی لھم الولاء کا معنی ہے اظھری لھم حکم الولاء کہ الولاء لمن اعتق۔

سوال: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا تو مکاتبہ تھیں اور مکاتبہ کی بیع تو جائز نہیں ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیسے خرید لیا۔

جواب: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے بدل کتابت سے عاجز آجانے کے بعد خریدا اور مکاتب جب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آجائے تو "صار قنًّا محضًا" خالص غلام بن جاتا ہے۔

باب

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً بِدِينَارٍ فَاشْتَرَى أُضْحِيَّةً فَأُرْبِحَ فِيهَا دِينَارًا فَاشْتَرَى أُخْرَى مَكَانَهَا فَجَاءَ بِالْأُضْحِيَّةِ وَالدِّينَارِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِالشَّاةِ وَتَصَدَّقْ بِالدِّينَارِ حَدِيثُ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَحَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ لَمْ يَسْمَعْ عِنْدِي مِنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ۔

ابوکریب، ابوبکر بن عیاش، ابی حصین، حبیب بن ابی ثابت، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک دینار کے عوض قربانی کے لئے جانور خریدنے کے لئے بھیجا انہوں نے اس جانور کو خریدا اور دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر ایک اور جانور ایک دینار کے عوض خرید کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ دینار بھی پیش کیا جو منافع ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ جانور کو ذبح کردو اور دینار کو صدقے میں دیدو۔ حضرت حکیم بن حزام کی یہ حدیث ہم صرف اسی سند سے جانتے ہیں ہمارے علم میں حبیب بن ابی ثابت کا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الدَّارِمِيُّ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا هَارُونُ الْأَعْوَرُ الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ الْخِرِّيتِ عَنْ أَبِي لَبِيدٍ عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ قَالَ دَفَعَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا لِأَشْتَرِيَ لَهُ شَاةً فَاشْتَرَيْتُ لَهُ شَاتَيْنِ فَبِعْتُ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ وَالدِّينَارِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهُ مَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ فَقَالَ لَهُ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِي صَفْقَةِ يَمِينِكَ فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ يَخْرُجُ إِلَى كُنَاسَةِ

احمد بن سعید دارمی، حبان، ہارون اعور مقری، زبیر بن خریت، ابولبید، حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار دیا اور حکم دیا کہ ان کے لئے ایک بکری خرید لاؤں۔ میں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں اور ان میں سے ایک بکری ایک دینار کی فروخت کر کے دوسری بکری اور دینار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا پھر آپ کے سامنے قصہ بیان کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تمہارے دائیں ہاتھ میں برکت دے اس کے بعد حضرت عروہ کوفہ میں

الْكُوفَةِ فَيَرْبَحُ الرِّبْحَ الْعَظِيمَ فَكَانَ مِنْ أَكْثَرِ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَالًا حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَبَّانُ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ خِرِّيتٍ عَنْ أَبِي لَبِيدٍ فَذَكَرَ نَحْوَهُ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالُوا بِهِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَلَمْ يَأْخُذْ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِهٰذَا الْحَدِيثِ مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ وَسَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ أَخُو حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَأَبُو لَبِيدٍ اسْمُهُ لِمَازَةُ بْنُ

کناسہ کے مقام پر تجارت کیا کرتے اور بہت زیادہ نفع کمایا کرتے پس حضرت عروہ کوفہ میں سب سے زیادہ مال دار تھے۔ احمد بن سعید، حبان، سعید بن زید، زبیر بن خریت، ابی لبید سے وہ زبیر بن خریت سے اور وہ ابولبید سے اسی کے مانند حدیث نقل کرتے ہیں بعض اہل علم کا مسلک اسی کے مطابق ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے لیکن بعض علماء اس پر عمل نہیں کرتے امام شافعی اور حماد بن زید کے بھائی سعید بن زید بھی انہی میں شامل ہیں ابولبیدہ کا نام لمازہ ہے۔

تشریح: امام ترمذی نے عنوان قائم نہیں کیا طلبہ کی ذہنیت پر چھوڑ دیا کہ طلبہ خود اس میں عنوان قائم کریں۔

حضور ﷺ نے حضرت حکیم بن حزامؓ کو بھیجا تا کہ ایک دینار کے بدلے میں قربانی کا جانور خرید کر لائیں حضرت حکیم بن حزامؓ قربانی کا جانور خرید کر واپس آرہے تھے راستہ میں اس جانور کو دو دینار کے بدلے میں فروخت کر دیا اور ایک دینار کے بدلے میں اور ایک بکری خریدی اور ایک دینار بھی واپس لے آئے اور بکری بھی لے آئے تو یہ بیع الفضولی ہوئی کیونکہ جب پہلی مرتبہ بکری خریدی تو وکالت تام ہوگئی اس کے بعد دو دیناروں کے بدلے میں فروخت کرنا یہ بیع الفضولی ہے تو معلوم ہوا کہ بیع الفضولی جائز ہے لیکن احناف کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہے اور شوافع کہتے ہیں **لا یجوز** حدیث جمہور کی تائید کر رہی ہے اور شوافع کے مسلک کے خلاف ہے ممکن ہے کہ یہ حدیث ان تک نہ پہنچی ہو یا سنداً ضعیف ہو۔

مسئلہ: قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر قربانی واجب ہے تو قربانی کے ارادے سے خریدے ہوئے جانور کو آگے بیچنا جائز ہے اور اگر نفلی قربانی ہو تو اس کو آگے بیچنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں اضحیہ کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہے اور وہ ذمہ باقی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس جانور کے ساتھ ہے اس لئے اگر وہ جانور ہلاک ہوگیا تو قربانی ساقط ہو جائے گی باقی دینار جو بچا تھا اس کو صدقہ کرنے کا حکم کیوں دیا یا تو بطور تبرع اور استحباب کے تھا کوئی واجب نہ تھا۔ یا یہ صدقہ والی بکری سے حاصل ہونے والا نفع تھا اس لئے اس کو پسند نہیں فرمایا۔

دوسری حدیث میں بھی اس قسم کا مضمون ہے فرق صرف اتنا ہے کہ حدیث حکیم بن حزامؓ میں اضحیہ کے خریدنے کا وکیل بنایا اور دوسری حدیث میں مطلق بکری خریدنے کا وکیل بنایا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمُكَاتَبِ إِذَا كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْبَزَّازُ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ

ہارون بن عبداللہ بزار، یزید بن ہارون، حماد بن سلمہ، ایوب، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر مکاتب کو دیت یا

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ مِيرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَدِّي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا أَدَّى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَفِي الْبَابِ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَهٰكَذَا رَوَى يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَوَى خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ عَلِيٍّ قَوْلَهُ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

وراثت کا مال ملے تو وہ اتنے ہی مال کا مستحق ہوگا جتنا وہ آزاد ہو چکا ہے اگر اس کی دیت ادا کی جائے تو جتنا آزاد ہو چکا اتنی آزاد شخص کی دیت اس کے وارثوں کو دی جائے اور جتنا غلام ہے اتنی غلام کی قیمت اس کے مالک کو بطور بدل کتابت دی جائے۔اس باب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث منقول ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ کی حدیث حسن صحیح ہے یحییٰ بن ابی کثیر بھی عکرمہ سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی حدیث اسی طرح مرفوعاً نقل کرتے ہیں۔ خالد بن حذاء بھی عکرمہ سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہی کا قول نقل کرتے ہیں بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے اکثر صحابہ کرام اور اہل علم کے نزدیک مکاتب پر ایک درہم بھی باقی ہو تو وہ غلام ہی ہے۔ سفیان ثوری، امام شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي أُنَيْسَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ يَقُولُ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلَى مِائَةِ أُوقِيَّةٍ فَأَدَّاهَا إِلَّا عَشْرَ أَوَاقٍ أَوْ قَالَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيقٌ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الْمُكَاتَبَ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ كِتَابَتِهِ وَقَدْ رَوَى الْحَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَهُ.

قتیبہ، عبدالوارث بن سعید، یحییٰ بن ابی انیسہ، حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے اپنے غلام کو سو اوقیہ دینے کی شرط پر آزاد کرنے کا کہا لیکن غلام دس اوقیہ یا دس درہم ادا نہ کر سکا تو وہ غلام ہی ہے (یعنی باقی نوے درہم ادا کر دیئے لیکن دس درہم باقی ادا نہ کر سکا)۔ یہ حدیث غریب ہے اکثر صحابہ اور دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ مکاتب اس وقت تک غلام ہے جب تک اس کے ذمے کچھ بھی باقی ہے حجاج بن ارطاۃ نے عمرو بن شعیب سے اسی کی مثل بیان کیا ہے۔

تشریح: قَالَ إِذَا أَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا أَوْ مِيرَاثًا: یعنی حدود اور وراثت میں مکاتب آزاد بھی مانا جائے گا اور غلام بھی جتنا زر کتابت ادا کر چکا ہے اتنا آزاد ہوگا جتنا زر کتابت اس کے ذمہ ہے اتنا غلام رہے گا اس لئے اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو مکاتب بنایا اور بدل کتابت ایک ہزار روپے رکھا جب کہ غلام مکاتب نے صرف پانچ سو روپے ادا کئے تھے کہ مکاتب کا باپ فوت ہو گیا اور مکاتب اپنے

باپ کا اکلوتا بیٹا ہے جو سارے ترکہ کا وارث ہونا چاہیے تو اب یہ مکاتب آدھے ترکہ کا وارث ہوگا کیونکہ یہ آدھا آزاد ہے۔

قولہ مَا اَدّٰی دِیَۃً : دیت کی تفصیل یہ ہے کہ مکاتب نے پانچ سو روپے ادا کر دیئے تھے پھر اس مکاتب کو کسی شخص نے قتل کر دیا تو یہ دیت کا حقدار ہے اب دیت کتنی آئے گی تو آزادی کی قیمت کا نصف یعنی پانچ سو روپے مکاتب کے ورثاء کو دیئے جائیں گے اور پانچ سو روپے مولیٰ کو دیئے جائیں گے کیونکہ مکاتب نے نصف رقم ادا کی تھی لہٰذا غلام کا نصف آزاد ہوا چونکہ بقیہ نصف قیمت ادا نہیں کی اس لئے غلام کا نصف آزاد نہیں ہوگا۔ یہ حدیث سوائے ابراہیم نخعیؒ کے تمام ائمہ کے نزدیک ضعیف ہے صرف انہوں نے اس پر عمل کیا ہے۔

مکاتب کی تعریف: ''مکاتب'' اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کو اس کا مالک یہ کہہ دے کہ تم اتنے پیسے کما کر دو تو تم آزاد ہو۔

مسئلہ: کتنی مقدار ادا کر دینے سے مکاتب آزاد ہو جائے گا؟ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ابراہیم نخعیؒ کے نزدیک اگر غلام نصف قیمت ادا کرنے کے بعد بقیہ قیمت کی ادائیگی سے عاجز آ گیا تو آزاد تصور کیا جائیگا۔

قول ثانی: بعض حنابلہ کے نزدیک اگر قیمت کے چار حصوں میں سے تین حصے ادا کر دیئے پھر ادائیگی سے عاجز آ گیا تو آزاد شمار ہوگا۔

قول ثالث: جمہور فقہاء کے نزدیک جب تک وہ پوری قیمت ادا نہ کر دے آزاد نہیں ہوگا اگر ایک درہم بھی باقی ہے تو وہ غلام ہی رہے گا آزاد نہیں ہوگا۔ قول اوّل والوں کی کوئی دلیل نہیں صرف ان کا اپنا اجتہاد ہے۔

حنابلہ کی دلیل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ترمذی شریف میں ہے ''انہ علیہ السلام قال اذا اصاب المکاتب حدًا اومیراثا ورث بحساب ما عتق منہ ویودی المکاتب بحصۃ ما ادی دیۃ حر وما بقی دیۃ عبد''۔ اس سے واضح ہوا کہ جس قدر آزاد ہوا اسکے مطابق میراث ملے گی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس قدر قیمت ادا کرے گا اسی کے اندازہ کے مطابق حصہ آزاد سمجھا جائے گا۔

جواب اوّل: وہ حدیث کمزور ہے۔ **جواب ثانی**: ملا علی قاریؒ نے یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں عتق موقوف کا بیان ہے اور عمرو بن شعیبؒ کی حدیث میں عتق کامل کا بیان ہے لہٰذا دونوں احادیث میں تعارض نہیں۔

جمہور حضرات کی دلیل اوّل: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''المکاتب عبد ما بقی علیہ درھم''۔

دلیل ثانی: ایک اور حدیث ہے ''من کاتب عبدا علی مائۃ اوقیۃ فاداھا الا عشرۃ او عشرۃ دنانیر ثم عجز فھو رقیق'' ان دونوں حدیثوں سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک ایک درہم بھی باقی رہے وہ غلام ہی رہتا ہے۔

مسئلہ: اگر غلام عقد مکاتبت کرنا چاہے تو آقا پر واجب ہے کہ نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: اہل ظواہر اور عکرمہؒ کے نزدیک مولیٰ پر عقد کتابت کرنا واجب ہے۔

قول ثانی: جمہور کے نزدیک غلام کے ساتھ عقد کتابت کرنا مولیٰ پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

اہل ظواہر اور عکرمہؒ کی دلیل: قرآن کریم کی آیت سے ہے ''کما فی قولہ تعالی والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم'' یہاں امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔

جواب: صیغہ امر یہاں وجوب کے لئے نہیں بلکہ بطور استحباب کے ہے۔

جمہور حضرات کی دلیل: بدل کتابت کو یا تو بیع کہا جاتا ہے یا عتق کہا جاتا ہے اور ان میں سے کوئی واجب نہیں اگرچہ کوئی بہت زیادہ ثمن دے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال سمعت رسول الله ﷺ یخطب یقول من کاتب عبده۔

قولہ أُوقِيَّةٍ: ہمزہ کے ضمہ اور یاء تشدید و تخفیف دونوں کے ساتھ۔

اس حدیث کے متعلق ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں ''قال ابن الملك هذا يدل على ان عجز المكاتب عن اداء البعض الخ '' یعنی ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتابت فسخ کردینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے۔ اور جو اس غلام نے بدل کتابت ادا کیا ہے وہ اسی مالک کی ملکیت میں ہو جائیگا۔

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ نَبْهَانَ مَوْلٰى أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ إِحْدَاكُنَّ مَا يُؤَدِّي فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى التَّوَرُّعِ وَقَالُوا لَا يُعْتَقُ الْمُكَاتَبُ وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي حَتّٰى يُؤَدِّيَ.

سعید بن عبدالرحمن، سفیان، زہری، نبھان مولی، ام سلمہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی عورت کے مکاتب کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنی مکاتبت کی تمام رقم ادا کر سکے تو اس سے پردہ کرنا چاہیے یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کے نزدیک اس کا مطلب تقویٰ و احتیاط ہے ورنہ جب تک وہ ادائیگی نہ کرے آزاد نہ ہوگا اگرچہ اس کے پاس اتنی رقم ہو۔

سوال: مکاتب پر جب تک ایک درہم بھی باقی رہے تو وہ غلام ہی رہتا ہے لہٰذا اس کی سیدہ پر مکاتب سے پردہ کرنا لازم نہیں تو حدیث الباب میں پردے کا حکم کیسے دیا گیا۔

جواب اوّل: پردہ کا یہ حکم بطور ورع اور احتیاط دیا گیا ہے۔

جواب ثانی: اس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو جائے کہ کسی بھی وقت وہ بدل مکاتبت ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہے۔

جواب ثالث: چونکہ ازواج مطہرات عام عورتوں کی مانند نہیں ''لقوله تعالى لستن كاحد من النساء'' ۔ الآیۃ۔ اس لئے پردہ کا یہ حکم ازواج مطہرات کے لئے خاص تھا عام عورتوں کے لئے پردہ کا حکم استحبابی ہے۔

مسئلہ: غلام اپنی سیدہ کے لئے محرم ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ کے نزدیک محرم ہے لہٰذا محرم کے جن اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے غلام اپنی سیدہ کے ان اعضاء کی طرف دیکھ سکتا ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سیدہ عبد کے لئے محرم نہیں ہے بلکہ مثل اجنبیہ کے ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل اوّل: قرآن کریم کی آیت ''او ما ملكت ايمانهن الآية'' سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں ''ما'' عام ہے مذکر و مونث دونوں کو شامل ہے۔

جواب: وہاں مما لیک سے باندیاں مراد ہیں غلام نہیں جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "لا یغرنکم باللہ الغرور" صاحب ہدایہ فرماتے ہیں " فانما فی الاناث دون الذکور"۔

دلیل ثانی: مشکوٰۃ باب "باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے غلام کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے" انہ لیس علیك بأس انما ہو ابوك وغلامك" اس سے معلوم ہوا کہ غلام سے پردہ نہیں۔

جواب اوّل: ہوسکتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غلام نابالغ ہو لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب ثانی: عندالبعض حضرت فاطمہؓ کے ہاں فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا بہر حال یہ ایک جزوی واقعہ ہے اس میں کئی احتمالات ہوسکتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال"۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: غلام سے اس کی آزادی کے بعد سیدہ کا نکاح کرنا جائز ہے لہٰذا اس کی حرمت ابدی نہیں بلکہ عارضی ہے "لوجہ الملکیة" لہٰذا ملکیت ختم ہوجانے سے نکاح جائز ہے جیسے اجنبی عورت جب دوسرے شخص کی زوجیت میں ہو اور اسکی زوجیت جب زائل ہوجائے تو اس سے شادی جائز ہے اور حرمت غیر ابدی سے محرم ہونا ثابت نہیں ہوتا لہٰذا عبد اپنی سیدہ کے لئے محرم نہیں ہوگا۔

دلیل ثانی: مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ " تستر المرأة من غلامها " اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں مجاہد اور طاؤس کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ "لا ینظر المملوك الی شعر سیدته" ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ کا اپنے غلام سے پردہ ہے۔ دلیل ثالث: یہی حدیث باب ہے کہ اس میں "فلتحتجب" کے الفاظ آئے ہیں۔

باب مَا جَاءَ إِذَا أَفْلَسَ لِلرَّجُلِ غَرِيمٌ فَيَجِدُ عِنْدَهُ مَتَاعَهُ

افلاس: سلب ماخذ کے لئے استعمال ہوا ہے اس کا معنی فلوس (پیسے) کا نہ ہونا ہے۔ قاضی کسی شخص کے بارے میں یہ فیصلہ کردے کہ یہ مفلس ہے اس کے پاس کچھ مال نہیں ہے کیونکہ اگر مال ہوتا تو یہ قرض خواہوں کے قرضے ادا کرتا لیکن قاضی نے اس کو مفلس قرار دیا ہے اور اتنے عرصے کی مہلت دیدی اب اس مہلت کے دوران قرض خواہ اس سے قرض کا مطالبہ نہیں کرسکتے۔ افلاس کی دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے مبیع لے لی ابھی تک اس نے ثمن ادا نہیں کئے تھے کہ ثمن ادا کرنے سے پہلے وہ غریب ہوگیا اب مبیع اس کے ہاتھ میں ہے لیکن پیسہ نہیں تو یہ شخص مفلس ہوگیا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مبیع قبضہ میں لینے کے بعد ثمن ادا کرنے سے پہلے مر گیا اب سامان ہے لیکن اس نے پیچھے پیسے بھی نہیں چھوڑے یہ مفلس ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَفْلَسَ وَوَجَدَ

قتیبہ، لیث، یحییٰ بن سعید، ابی بکر بن حزم، عمر بن عبدالعزیز، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث بن ھشام، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص مفلس ہوجائے پھر کوئی آدمی اپنا مال بعینہ اس کے پاس پائے تو وہ دوسروں کی نسبت اس مال کا زیادہ

رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَيْنِهَا فَهُوَ أَوْلَى بِهَا مِنْ غَيْرِهِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ سَمُرَةَ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ هُوَ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْكُوفَةِ.

حقدار ہے اس باب میں حضرت سمرہؓ اور ابن عمرؓ نے بھی روایت ہے۔حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے امام شافعیؒ، احمد اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے۔بعض اہل علم کہتے ہیں کہ وہ دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہے اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **مسئلہ اختلافی:** حدیث مبارکہ میں ایک مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی مبیع خریدا اس نے ابھی تک پیسے ادا نہیں کئے تھے کہ قاضی نے اس کو مفلس قرار دے دیا اب وہ مبیع اس مفلس کے ہاں جوں کے توں موجود تھا اتنے میں اس کے پاس اس کے قرض خواہ بھی پہنچ گئے اب انکے ساتھ بائع بھی پہنچ گیا تو اب یہ بائع بیع فسخ کر کے اپنا مال واپس لے سکتا ہے یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بائع اس سامان کے لینے کا دوسرے قرض خواہوں سے زیادہ حق دار ہے باقی قرضہ خواہ اس کے حق دار نہیں۔ **قول ثانی:** احنافؒ کے نزدیک مشتری نے جب مبیع پر قبضہ کر لیا تو اس کے بعد بائع اور دوسرے قرض خواہوں کا حق برابر ہے اس لئے بائع کو اکیلے اس چیز پر قبضہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل: حدیث الباب ہے "قَالَ أَيُّمَا امْرِئٍ أَفْلَسَ وَوَجَدَ رَجُلٌ سِلْعَتَهُ عِنْدَهُ بِعَيْنِهَا فَهُوَ أَوْلَى بِهَا مِنْ غَيْرِهِ" کے الفاظ ہیں کہ بائع زیادہ حق دار ہے۔

جواب اوّل: اس میں بعینہٖ اپنا مال پانا مذکور ہے اور شیٔ مبیع چونکہ بائع کا مال نہیں رہا لہٰذا اس میں سب کا حق برابر ہے۔

جواب ثانی: امام طحاویؒ نے کہا اس حدیث کا محمل غصب وعاریت ودیعت ہے کہ اس میں کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا بلکہ صاحب مال حق دار ہے۔

جواب ثالث: حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر شیٔ مبیع مراد لی جائے تو یہ حکم دیانۃً ومروۃً ہے قضاءً نہیں کہ دوسرے افراد کے لئے جائز نہیں کہ اس میں شریک ہوں بلکہ اخلاقاً مروۃً بائع ہی کو دیدیں کیونکہ یہ مال تو اسی ہی کا تھا۔

جواب رابع: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو خیار پر محمول کریں گے یعنی اگر بائع نے اختیار رکھا ہو اور اس خیار کے دوران مشتری مفلس ہو جائے تو بائع کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ بیع فسخ کر دے اگرچہ بائع آدھے مبیع کا ثمن بھی لے چکا ہو تو پھر بھی آدھے مبیع ہی میں بیع فسخ کردے "وان کان اخذ بعض الثمن وافلس بالباق اخذ من ماله بقدر ما بقی من الثمن قضی به عثمان وروی عن علی رضی اللہ عنہ ولا نعلم لهما مخالفا من الصحابة وبه قال مالك والشافعی"۔(مرقاۃ ج۶ ص۹۷)

احنافؒ کی دلیل اوّل: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہو فیہا اسوۃ الغرماء اذا وجدہا بعینہ"۔

دلیل ثانی: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا اثر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "ان من اقتضی من ثمن سلعته شیئا ثم افلس فهو والغرماء فیه سواء"۔اس پر دلیل حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "من سرق له متاع او ضاع له متاع فوجده عند رجل بعینه فهو احق بعینه ویرجع المشتری علی البائع بالثمن"۔اسی طرح طبرانی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "انه علی الودائع والغصوب ونحوها

وان صاحب المتاع احق به اذا وجده بعینه بخلاف ما اذا باعه وسلمه الی المشتری فانه یخرج عن ملکه وان لم یقبض الثمن''۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چوری وغیرہ کا مال موجود ہو تو مالک اس کا زیادہ حقدار ہے ہاں اگر اس نے کوئی چیز بیچ دی اور مشتری نے قبضہ کر لیا ثمن ادا نہیں کئے کہ وہ مشتری مفلس ہو گیا تو یہ مبیع بائع واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس مبیع میں سب غرماء کا حق ہے۔ (التعلیق الصبیح ج ۳ ص ۳۲۸)

دوسرا یہ کہ جب بیع تام ہو گئی تو مشتری مبیع کا مالک ہو گیا اور ثمن اس کے ذمہ واجب ہو گیا تو بائع کا دین اس پر ہے لہٰذا دوسرے اصحاب دین کی مانند ہو گیا اس لئے دیگر حق داروں کے برابر ہو گا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى الذِّمِّيِّ الْخَمْرَ يَبِيعُهَا لَهُ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ مُجَالِدٍ عَنْ أَبِي الْوَدَّاكِ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِيَتِيمٍ فَلَمَّا نَزَلَتْ الْمَائِدَةُ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ وَقُلْتُ إِنَّهُ لِيَتِيمٍ فَقَالَ أَهْرِيقُوهُ وَفِي الْبَاب عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ حَدِيثُ أَبِي سَعِيدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا و قَالَ بِهَذَا بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ وَكَرِهُوا أَنْ يُتَّخَذَ الْخَمْرُ خَلًّا وَإِنَّمَا كُرِهَ مِنْ ذَلِكَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ أَنْ يَكُونَ الْمُسْلِمُ فِي بَيْتِهِ خَمْرٌ حَتَّى يَصِيرَ خَلًّا وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِي خَلِّ الْخَمْرِ إِذَا وُجِدَ قَدْ صَارَ خَلًّا.

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب تھی پس جب سورۂ مائدہ نازل ہوئی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم لڑکے کی ہے آپؐ نے فرمایا اس کو بہا دو۔ اس باب میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت ہے حضرت ابو سعید کی روایت حسن ہے اور کئی سندوں سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے بعض علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا مکروہ ہے واللہ اعلم یہ اس لئے کہ مسلمان شراب کو سرکہ بنانے کے لئے اپنے گھروں میں نہ رکھنے لگیں بعض اہل علم خود بخود سرکہ بن جانے والی شراب کو رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

تشریح: امام ترمذیؒ نے ایک مسئلہ تو عنوان میں ذکر کر دیا اور دوسرا مسئلہ جو حدیث پاک سے مستنبط ہو رہا ہے معنون کے طور پر ذکر کر دیا۔

مسئلہ اولیٰ: ایک کافر کے قبضہ میں خمر تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مشرف باسلام کیا اب کیا وہ ذمی آدمی کو اپنی خمر کی بیع کا وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے وکیل بنا لیا اور اس ذمی نے وہ خمر بیچ دی تو اس کے ثمن حلال ہوں گے۔

جمہور ائمہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ مسلمان اپنی خمر کی بیع کے لئے ذمی کو وکیل نہیں بنا سکتا۔

جمہور کی دلیل: یہی حدیث ابو سعید الخدریؓ ہے کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی خمر تھی جب آیت مائدہ نازل ہوئی تو میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے یہی بتلایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کو گرا دو ظاہر ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے قرآن پاک میں ہے ''ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم

ناڑا'' اگر انتفاع کی کوئی صورت بھی ہوتی تو نبی کریم ﷺ گرانے کا حکم نہ فرماتے۔
مسئلہ ثانیہ: خمر مسلمان کے پاس ہو تو اس کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟
قول اوّل: احناف کہتے ہیں کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنا جائز ہے۔ اب وہ سرکہ از خود بن گیا یا اس میں کوئی چیز ملائی تو سرکہ بن گیا دونوں صورتیں ٹھیک ہیں۔ **قول ثانی:** شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اگر بغیر کسی عمل کے سرکہ بن جائے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔
قول ثالث: حنابلہ کہتے ہیں کہ مطلقاً جائز ہے علاوہ ازیں اس میں کسی کا عمل دخل ہو یا نہ ہو۔
حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے کہ یتیم کے مال میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے اگر انتفاع کی کوئی صورت ہوتی تو آپ ﷺ اس کو گرانے کا حکم نہ فرماتے تو معلوم ہوا کہ سرکہ بنا کر استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔
دونوں مسائل کا مشترکہ جواب: ابتداءً ایسا حکم تھا جب خمر کی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اس وقت خمر کی نفرت علی وجہ المبالغہ دل میں راسخ کرنے کے لئے یتیم کی خمر کو بھی گرانے کا حکم دے دیا تا کہ لوگوں کے دلوں میں خمر کی نفرت اچھی طرح راسخ ہو جائے حتیٰ کہ شراب کے برتنوں کے استعمال سے بھی منع فرمایا اس طرح جب لوگوں کے دلوں میں جب شراب کی نفرت اچھی طرح راسخ ہو گئی تو پھر انتفاع کی اجازت دے دی کہ اس کی ماہیت تبدیل کر کے مثلاً سرکہ وغیرہ بنا کر استعمال کر سکتے ہو۔

بابٌ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَرِيكٍ وَقَيْسٍ عَنْ أَبِي حَصِينٍ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنْ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالُوا إِذَا كَانَ لِلرَّجُلِ عَلَى آخَرَ شَيْءٌ فَذَهَبَ بِهِ فَوَقَعَ لَهُ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ عَنْهُ بِقَدْرِ مَا ذَهَبَ لَهُ عَلَيْهِ وَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ التَّابِعِينَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَقَالَ إِنْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ دَرَاهِمُ فَوَقَعَ لَهُ عِنْدَهُ دَنَانِيرُ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَحْبِسَ بِمَكَانِ دَرَاهِمِهِ إِلَّا أَنْ يَقَعَ عِنْدَهُ لَهُ دَرَاهِمُ فَلَهُ حِينَئِذٍ أَنْ يَحْبِسَ مِنْ دَرَاهِمِهِ بِقَدْرِ مَا لَهُ عَلَيْهِ۔

ابو کریب، طلق بن غنام، شریک، قیس، ابی حصین، ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارے پاس کوئی شخص امانت رکھے تو اسے ادا کرو اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو قرض دیا اور وہ ادا کئے بغیر چلا گیا اور قرض خواہ کے پاس اپنی کوئی چیز چھوڑ گیا تو اس کے لئے جائز نہیں کہ اس کی چیز پر قبضہ کرلے بعض تابعین نے اس کی اجازت دی ہے سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ اگر اس کے پاس دراھم تھے اور قرض خواہ کے پاس اس کے دینار رکھے ہوئے تھے تو ان کو رکھنا جائز نہیں البتہ اگر درہم ہوتے تو اپنے قرض کے برابر رکھ لینا درست تھا۔

تشریح: اس باب میں جس مسئلہ کا بیان ہے اس کو مسئلۃ الظفر کہتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص پر کسی کا قرضہ ہے وہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرتا ہے تو اس کی کوئی چیز قرض خواہ کے ہاتھ لگے تو کیا وہ اس سے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک اگر وہ چیز قرض کی جنس سے ہے تو وصول کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔مثلاً تین ہزار قرض تھا اس کا موبائل ہاتھ لگ گیا تو وہ اس کو فروخت کر کے اپنے تین ہزار وصول نہیں کر سکتا اگر اس کو بٹوہ ہاتھ لگ گیا تو اس میں پانچ ہزار تھے تین ہزار نکال کر باقی واپس کر دے۔امام اعظمؒ کے نزدیک سونا چاندی اور کرنسی ایک چیز ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ کے ہاں ہر صورت میں قرض وصول کر سکتا ہے خواہ وہ چیز قرض کی جنس سے ہو یا قرض کی جنس سے نہ ہو۔شوافع کا ایک قول یہ بھی ہے کہ قرض خواہ مقروض کے گھر میں چوری کر کے اپنا قرض وصول کر سکتا ہے۔اور ایک رائے یہ ہے کہ اس چیز سے قرض نہیں وصول کر سکتا اگر چہ وہ اس قرض کی جنس سے بھی ہو۔

قول ثالث: مالکیہ اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً اپنے حق کے بقدر نہیں لے سکتا خواہ متحد الجنس ہو یا مختلف الجنس ہو کسی صورت میں بھی وہ اپنے حق کے بقدر وصول نہیں کر سکتا۔

مالکیہ اور حنابلہ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے ''ولا تخن من خانك'' کہ جس نے تمہارے ساتھ خیانت کی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔

جواب اوّل: یہ حدیث محمول ہے اپنے حق سے زائد مقدار لینے پر اور اپنے حق کے بقدر مال لینا یہ خیانت نہیں ہے بلکہ یہ تو استیفاء حق ہے۔

جواب ثانی: یا یہ محمول ہے مکارم اخلاق پر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ امانت والا معاملہ کرو۔

شوافع کی دلیل: وجزاء سیئة سیئة مثلها اور دوسری آیت میں ہے ''وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به''۔

احناف کی دلیل: وہ واقعہ زوجہ سفیان بن حرب کا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا کہ میرا خاوند مجھے نفقہ وغیرہ نہیں دیتا تو فرمایا کہ نفقہ کے بقدر لے سکتی ہو واللہ اعلم بالصواب۔

چند جدید مسائل: **مسئلہ نمبر(۱):** ٹال مٹول کا سد باب: مدیون کے ٹال مٹول کرنے سے دائن کو جو نقصان پہنچے اس نقصان کا تدارک کیسے ہوسکتا ہے؟ فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ مدیون تنگ دست ہے اس وجہ سے وہ ادا نہیں کر رہا تو دائن کیلئے مدیون کو مہلت دینا واجب ہے اور اگر قدرت کے باوجود دین ادا نہیں کر رہا تو اس پر تعزیر کا حکم عائد کیا جائے گا چنانچہ قید وغیرہ تک کی سزا بیان کی گئی ہے اصل حکم تو یہی ہے کہ اس پر تعزیر عائد ہوتی ہے لیکن آج کل عدالتیں جلدی فیصلہ نہیں کرتیں اس لیے بعض علماء نے اس کے متبادل اور صورتیں لکھی ہیں۔

صورت نمبر(۱): ایسے آدمی پر مالی معاوضہ مقرر کیا جائے یہ بعض علماء کی رائے ہے ان علماء پر سوال ہوتا ہے کہ پھر سود اور مالی معاوضہ میں کیا فرق ہوگا تو یہ حضرات چار طرح کا فرق بیان کرتے ہیں۔

فرق نمبر(۱): سود ہر مدیون پر لاگو کیا جاتا ہے خواہ وہ تنگ دست ہو یا نہ ہو جبکہ مالی معاوضہ تنگ دست پر عائد نہ کیا جائے گا بلکہ تنگ دست کے علاوہ پر عائد کیا جائے گا۔

فرق نمبر(۲): ادائیگی کی مدت میں تاخیر کی وجہ سے سود فوراً لاگو ہو جاتا ہے اور مالی معاوضہ فوراً عائد نہیں کیا جاتا بلکہ چار نوٹس بھیجے

جائیں گے جن کے درمیان ہفتہ ہفتہ کا وقفہ ہوگا۔ پھر بھی مدیون دین ادا نہ کرے تو مالی معاوضہ لاگو کیا جائیگا۔

فرق نمبر (۳): سود ہر حالت میں عائد ہوتا ہے جبکہ مالی معاوضہ ہر حال میں لاگو نہیں ہوتا بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ بینک کا مدیون کے ذمہ قرض کتنا ہے اور اس کی سرمایہ کاری سے نفع کتنا ہوا ہے اگر نفع ہوا ہے تو اس وقت اتنا معاوضہ وصول کیا جائیگا، اور اگر نفع نہیں ہوا تو پھر مالی معاوضہ عائد نہ کیا جائیگا۔

فرق نمبر (۴): سود کی شرح عاقدین کو عقد کے وقت سے معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ مالی معاوضہ کی شرح عاقدین کو معلوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب بینک سرمایہ کاری میں نفع حاصل کرتا ہے تو اس شرح سے مالی معاوضہ لاگو کرتا ہے۔

لیکن جمہور علماء نے رد کیا ہے کہ مالی معاوضہ اس انداز میں مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں فکری اور عملی خرابیاں ہیں چنانچہ اس کا تفصیلی رد حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے فقہی مقالات میں لکھا ہے۔ انہوں نے اس کے تدارک کے لیے ایک تو تعزیر کی رائے دی ہے۔ دوسری یہ رائے دی ہے کہ تمام بینک ایسے آدمی کا نام اپنی بیلنس شیٹ میں لکھ دیں۔ اور تمام مراعات سے اس آدمی کو محروم کر دیں۔

صورت نمبر (۲): ٹال مٹول کرنے والے پر صدقہ مقرر کیا جائے یعنی بینک جب کرائے پر کوئی چیز دیتا ہے، یا ادھار پر کوئی چیز فروخت کرتا ہے۔ مثلاً مرابحہ مؤجلہ کے طور پر تو اس عقد کے وقت ہی وعدہ کیا جائے کہ اگر اس نے متعینہ مدت میں ادائیگی میں تاخیر کی تو اتنا صدقہ کرنا پڑیگا۔ اور تاخیر کرنے والا یہ صدقہ بینک میں جمع کرائے گا۔ اور یہ صدقہ بینک کا مملوک نہیں ہوگا۔ بلکہ بینک اس صدقہ کی رقم کو رفاہی کاموں میں خرچ کرے گا۔ یہ رائے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور دوسرے بعض علماء کی ہے۔ اور آجکل کے اسلامی بینکوں میں یہ رائج ہے۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کا رد کیا ہے۔ خاص کر جب اسے بینک میں جمع کرایا جائے۔ چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ بینک کی بجائے کسی اور ادارے میں جمع کرائے مثلاً مدرسہ، یا ٹرسٹ، وغیرہ میں اور وہ صدقہ کی رقم رفاہی کاموں میں خرچ کریں۔

مسئلہ نمبر (۲): بینک چیک، اور ہنڈی کا حکم ان پر بھی حوالہ کے احکام جاری ہوتے ہیں جو تفصیلات حوالہ کے صحیح ہونے کے لیے ضروری ہیں ان تفصیلات اور احکام کا یہاں پایا جانا بھی ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر (۳): بینک سے جاری ہونے والے بعض جدید کارڈز کے احکام

(۱) اے ٹی ایم کارڈ: یہ وہ کارڈ ہے جس کے ذریعے آدمی اپنی رقم مشین سے نکال سکتا ہے۔ اس کارڈ کا استعمال دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔

شرط نمبر (۱): بینک وغیرہ اس کارڈ کے جاری کرنے کی فیس نہ لے اگر لیتا ہے تو فیس اس کارڈ کے جاری کرنے کے اخراجات سے زیادہ نہ لے۔

شرط نمبر (۲): بینک مشین استعمال کرنے کی اجرت بھی نہ لے یا اگر بینک اگر مشین استعمال کرنے کی اجرت لیتا ہے تو محض اس کارڈ کے استعمال کرنے کی اجرت ہو رقم کے کم یا زیادہ ہونے کی وجہ سے فیس کم یا زیادہ نہ ہو یعنی وہ اجرت رقم کے تناسب سے کم وبیش نہ ہو۔

مندرجہ بالا دو شرائط کے ساتھ اے ٹی ایم کارڈ کا استعمال جائز ہے وگرنہ جائز نہیں ہے۔

(۲) ڈیبٹ کارڈ: اس کارڈ کے جاری کرنے والے ادارے کے پاس آدمی کی رقم پہلے سے موجود ہوتی ہے۔ جس کے نام کارڈ جاری کیا جاتا ہے اسے بینک قرض کی سہولت فراہم نہیں کرتا اس کارڈ کو استعمال کرنا اور اس کے ذریعے خرید وفروخت کرنا جائز ہے کیونکہ

بینک اس کے کھاتے سے ادائیگی کرتا ہے۔

(۳) چارج کارڈ: بینک جس کے نام یہ کارڈ جاری کرتا ہے اسے قرض کی سہولت فراہم کرتا ہے کہ اس آدمی کی رقم بینک میں موجود نہیں ہوتی تو بینک اپنی طرف سے رقم ادا کرتا ہے۔ اس میں یہ طے ہوتا ہے کہ فلاں مدت تک حامل کارڈ اگر رقم ادا کردے تو سود عائد نہ ہوگا۔ بصورت دیگر سود عائد ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس کارڈ کے ذریعہ معینہ مدت کے لیے قرض کی سہولت میسر ہوتی ہے۔ مدت معینہ میں قرض واپس کرنے کی صورت میں سود لاگو نہیں ہوتا ورنہ لاگو ہوتا ہے۔

اس کارڈ کا استعمال دارالعلوم کراچی کے مفتیان کرام نے چند شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے اور وہ شرائط یہ ہیں۔

(۱) حتی الامکان سود ادا کرنے کی نوبت نہ آنے دی جائے۔ (۲) اسے جائز امور میں استعمال کیا جائے۔

(۳) ڈیبٹ کارڈ سے کام نہ چلتا ہو تو پھر چارج کارڈ استعمال کیا جائے۔ (تفصیل حاشیہ فتاوی عثمانی ج۳ ص ۲۵۲)

احتیاط اسی میں ہے کہ اس کارڈ کے استعمال سے اجتناب کیا جائے کیونکہ لوگ قرضے کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں جس سے سود تک پہنچنے کی نوبت آسکتی ہے۔ اور بعض لوگ ویسے ہی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے۔ اس لیے چارج کارڈ کا استعمال جائز نہیں ہے

(۴) کریڈٹ کارڈ: یہ کارڈ جس کے نام جاری کیا جاتا ہے اسے قرض کی سہولت بھی مہیا کی جاتی ہے اس میں معاہدہ ہی سود پر ہوتا ہے۔ چنانچہ مخصوص مدت کے بعد سود عائد ہو جاتا ہے اس مہلت میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی تناسب سے سود میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ دارالعلوم کراچی کے مفتیان کرام نے کریڈٹ کارڈ کے استعمال سے منع فرمایا ہے بعض صورتوں میں انہوں نے اجازت دی ہے۔ مثلاً یہ کہ ڈیبٹ کارڈ جاری نہ ہو سکے تو پہلے والی شرائط کے ساتھ اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن حقیقت میں جب اس کا معاملہ ہی سود پر ہے تو سودی معاملہ کرنے کا گناہ علیحدہ ہوگا۔ اور سود ادا کرنے کا گناہ علیحدہ ہوگا۔ اس لئے اس کارڈ کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہے۔

الحمد للہ اس کارڈ کے ناجائز ہونے کی ہندوستان کے چند علماء سے تائید بھی ہوگئی ہے۔ ہندوستان کی فقہ اسلامی اکیڈمی نے بھی اس موضوع پر بحث ومباحثہ کا اہتمام کیا اور بہت سے علماء اور مفتیان نے مقالات پیش کیئے ہیں انہوں نے پہلی دو قسموں (اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ) کو جائز لکھا ہے اور باقیوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تفصیل بینک سے جاری ہونے والے کارڈز کے شرعی احکام میں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي أَنَّ الْعَارِيَةَ مُؤَدَّاةٌ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي الْخُطْبَةِ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَفِي الْبَاب عَنْ سَمُرَةَ وَصَفْوَانَ

ہناد، علی بن حجر، اسماعیل بن عیاس، شرحبیل بن مسلم خولانی، حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپؐ نے فرمایا عاریۃ لی ہوئی چیز قابل واپسی ہے، ضامن ذمہ دار ہے اور قرض ادا کیا جائے۔ اس باب میں حضرت سمرہؓ صفوان

بْنِ أُمَيَّةَ وَأَنَسٍ قَالَ وَحَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتَّى تُؤَدِّيَ قَالَ قَتَادَةُ ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ فَقَالَ هُوَ أَمِينُكَ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ يَعْنِي الْعَارِيَةَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ إِلَى هَذَا وَقَالُوا يَضْمَنُ صَاحِبُ الْعَارِيَةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لَيْسَ عَلَى صَاحِبِ الْعَارِيَةِ ضَمَانٌ إِلَّا أَنْ يُخَالِفَ وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ وَبِهِ يَقُولُ إِسْحٰقُ

بن امیہ اور انس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث ابی امامہ حسن صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بواسطہ ابوامامہ اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاتھ پر اس چیز کی ادائیگی واجب ہے جو اس نے لی یہاں تک کہ ادا کرے قتادہ کہتے ہیں کہ پھر حسن بھول گئے اور فرمانے لگے وہ تمہارا امین ہے اور اس دی ہوئی چیز کے ضائع ہونے پر جرمانہ نہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء کا یہی مسلک ہے کہ چیز لینے والا ضامن ہوتا ہے امام شافعیؒ اور احمدؒ کا بھی یہی قول ہے بعض صحابہ کرام اور دوسرے علماء کے نزدیک اگر مانگ کر لی ہوئی چیز ضائع ہو جائے تو اس پر جرمانہ نہیں ہوگا بشرطیکہ مالک کی مرضی کے خلاف استعمال نہ کرے اگر مالک کی مرضی کے خلاف استعمال کرے اور وہ چیز ضائع ہوجائے تو اس صورت میں اسے جرمانے کے طور پر ادا کرنا ضروری ہے اہل کوفہ اور امام اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: **اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ:** عاریت ادا کی ہوئی چیز ہے کسی سے کوئی چیز مانگ کر لینا عاریت کہلاتا ہے۔ عاریت پر مانگ کر کوئی چیز لائی جائے تو اس کو واپس کیا جائے ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کیا جائے۔ شکریہ کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس چیز کے ساتھ کوئی دوسری چیز دی جائے مثال کے طور پر پکانے کے لئے برتن لیا تو جو چیز اس میں پکائی ہے وہ بھی تھوڑی سی بطور شکریہ کے دی جائے۔ دوسری قسم کا شکریہ یہ ہے کہ اس کو زبانی جزاك الله یا شکرًا کہا جائے۔

وَالزَّعِيمُ غَارِمٌ: ضامن ادائیگی کا ذمہ دار ہے۔ ایک خرابی معاشرہ میں یہ بھی پائی جاتی ہے کہ بعض لوگ دوسرے شخص کی ذمہ داری لے لیتے ہیں پھر اس ذمہ داری کو نبھاتے نہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص زید سے دس ہزار قرض کا مطالبہ کرتا ہے خالد آتا ہے اور وہ کہتا ہے میں ذمہ دار ہوں آپ اس کو قرض دے دیں وہ قرض لے گیا لیکن بعد میں قرض کی ادائیگی کے لئے اگر وہ شخص ٹال مٹول کرے تو خالد کو چاہیے کہ اس کو قرض دلوائے کیونکہ یہ اس نے ذمہ داری قبول کی ہے۔

وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ: قرض چکایا ہوا ہے یہ بھی ایک معاشرتی خرابی ہے کہ جب قرض دار اپنے پیسے مانگنے کے لئے آتا ہے تو ہزار مجبوریاں ظاہر کرتے ہیں اور بڑی منت سماجت کرتے ہیں مگر وقت پر قرض واپس نہیں کرتے۔ اور اگر ان سے قرض مانگا جائے تو بڑی بے شرمی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم کونسا بھاگے جا رہے ہیں۔ یہ اخلاقی بیماری ہے بلکہ آپؐ نے فرمایا قرض چکایا ہوا ہے یعنی وہ

ہر وقت سوار رہنا چاہیے۔ اور اس قرض کی ادائیگی کی فکر لگی رہنی چاہیے جب بھی پیسے آئیں تو قرض ادا کر دینا چاہیے۔

مسئلہ: عاریت مضمون ہے یا نہیں: شی مستعار پر مستعیر کا قبضہ آیا کہ یہ قبضہ امانت ہے یا قبضہ ضمان ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ یہ قبضہ امانت ہے جب یہ چیز موجود ہو تو اس وقت تک واپس کرنا ضروری ہے اور جب موجود نہ ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ ① وہ چیز از خود ہلاک ہوگئی ہوگی یا استہلاک ہوگئی ہوگی اگر ہلاکت ہوگئی ہو تو پھر کوئی ضمان نہیں ہے اور اگر استہلاک ہو تو پھر ضمان ہوگی۔ یہی قاعدہ ہے امانت میں۔ یہ قول اسحاق بن راہویہؒ کا ہے۔ تمام اختلافی مسائل میں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ جس میں اسحاق بن راہویہ احناف کا ساتھ دے رہے ہیں۔

شوافع اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ وہ مطلقاً مضمون ہوگی استہلاک کی صورت میں بھی اور ہلاکت میں بھی۔ دونوں صورتوں میں یہ مضمون ہوگی۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ **العارية مودّاةٌ** عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی علاوہ ازیں موجود ہو یا نہ ہو ظاہر ہے موجود نہ ہونے کی صورت میں تاوان لیا جائے گا۔

دلیل اوّل کا جواب: اس میں مدعی واضح نہیں ہے اس لئے کہ موداۃ کا لفظ ادا سے ماخوذ ہے اور ادا کہتے ہیں عین ماوجب کو صاحب حق کے حوالہ کرنا اور عین ماوجب کو سپرد کرنا، یہ اسی وقت ہوگا کہ جب وہ موجود ہو۔ تو حدیث کا مدلول یہ ہے کہ جب تک شے ماوجب مستعیر کے پاس موجود ہو تو واپس کرنا واجب ہے اور جب موجود نہ ہو تو آیا ضمان ہوگی یا نہیں؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے اور حدیث یعلی بن امیہ ناطق ہے کہ جب ہلاکت ہو تو ضمان واجب نہیں ہے۔

دلیل ثانی: حدیث امیہ بن صفوان عن ابیہ ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ صفوان یہ کہتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے کچھ زرہیں مجھ سے عاریت پر لینے کا ارادہ فرمایا میں نے عرض کیا ''اتاخذ غصبًا'' (اس وقت تک یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو حضور ﷺ نے فرمایا ''بل مضمونة، هي عارية مضمونة'' یا ''آخذ عاريةً مضمونةً'' یہ عام ہے ہلاکت کی صورت ہو یا استہلاک کی صورت ہو۔

جواب اوّل: اگرچہ بظاہر یہ نص ہے کہ عاریت مضمون ہے نبی کریم ﷺ کا اس موقع پر عاریت کے ضمان کو اپنے ذمہ لینا یہ علی وجہ التبرع ہے اور بطور احسان کے ہے اس پر دلیل وہ روایت ہے جو مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امیہ بن صفوان سے دو قسم کی عاریت لی ایک مضمونہ اور ایک غیر مضمونہ۔ **جواب ثانی:** حدیث یعلی حدیث امیہ بن صفوان سے سنداً اصح ہے۔

احناف کی دلیل: حدیث یعلی بن امیہ ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد اور امام نسائی نے کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یعلی بن امیہ سے ارشاد فرمایا کہ جب میرے نمائندے تیرے پاس آجائیں تو ان کو تیس اونٹ اور تیس زرہیں دے دینا اس پر یعلی بن امیہ نے کہا یا رسول اللہ ''اعارية مضمونةٌ ام عارية مؤداةٌ'' اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا **بل عارية مؤداةٌ** جب تک وہ چیز موجود ہوگی تو واپس کی جائے گی یہاں پر تقابل ہے مضمونہ اور غیر مضمونہ کا اور نص صریح ہے کہ شے مستعار پر مستعیر کا قبضہ، قبضہ امانت ہے قبضہ ضمان نہیں ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ حَتّٰى تُؤَدِّيَ: ید کی طرف اسناد مجازی ہے کیونکہ لینا دینا ہاتھ سے ہوتا ہے معنی یہ ہے کہ جو کوئی کسی سے کوئی چیز عاریت کے طور پر لے یا سرقہ کے طور پر لے یا غصب کے

طور پر تو وہ اس کے ذمہ میں باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کو واپس کر دے مدلول حدیث یہی ہے کہ جب تک شے موجود ہوگی اس کو واپس کرنا ضروری ہوگا۔

قَالَ قَتَادَةُ ثُمَّ نَسِيَ الْحَسَنُ: لیکن قتادہ یہ سمجھے کہ عاریت مطلقاً مضمون ہے قتادہ نے یہ سمجھ کر حضرت حسن بصریؒ کا فتوی دیکھا کہ حضرت حسن بصریؒ اپنی حدیث کے خلاف فتوی دے رہے ہیں کہ ضمان لازم نہیں ہوگی یہ قتادہ کا وہم ہے اب حسن بصری کے قول اور ان کی حدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو گیا تو قتادہ نے حضرت حسن بصری پر احسان کرتے ہوئے یہ تعارض اس طرح دور کیا کہ حسن بصری اس حدیث کو بھول گئے تھے اس لئے یہ فتویٰ دیا ورنہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ضمان لازم ہوگی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سو فیصد حسن بصریؒ کو اپنی حدیث یاد ہے۔ لیکن حسن بصریؒ یہ سمجھ رہے ہیں کہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ضمان ہے یا نہیں جیسا کہ احناف کہتے ہیں تو قول حسن بصری یہ تفسیر اور بیان ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا آپس میں کوئی تعارض نہیں۔ الحاصل دونوں حدیثوں میں ضمان کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ معاشرتی خرابی کی اصلاح ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الِاحْتِكَارِ

حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَقَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ فَضْلَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِئٌ فَقُلْتُ لِسَعِيدٍ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّكَ تَحْتَكِرُ قَالَ وَمَعْمَرٌ قَدْ كَانَ يَحْتَكِرُ وَإِنَّمَا رُوِيَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ كَانَ يَحْتَكِرُ الزَّيْتَ وَالْخَبَطَ وَنَحْوَ هٰذَا وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَأَبِي أُمَامَةَ وَابْنِ عُمَرَ وَحَدِيثُ مَعْمَرٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا احْتِكَارَ الطَّعَامِ وَرَخَّصَ بَعْضُهُمْ فِي الِاحْتِكَارِ فِي غَيْرِ الطَّعَامِ وَقَالَ ابْنُ الْمُبَارَكِ لَا بَأْسَ بِالِاحْتِكَارِ فِي الْقُطْنِ وَالسِّخْتِيَانِ وَنَحْوِهِ

اسحاق بن منصور، یزید بن ہارون، محمد بن اسحاق، محمد بن ابراہیم، سعید بن مسیب، حضرت معمر بن عبداللہ بن فضلہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ذخیرہ اندوزی کر کے مہنگائی کا انتظار کرنے والا گنہگار ہے۔ راوی کہتے ہیں میں نے سعید سے کہا کہ اے ابو محمد آپ بھی تو ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا معمر بھی کرتے تھے اور سعید بن مسیب سے منقول ہے کہ وہ تیل اور چارے کی ذخیرہ اندوزی کیا کرتے تھے۔ اس باب میں حضرت عمر، علی، ابوامامہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے غلے کی ذخیرہ اندوزی کو وہ مکروہ سمجھتے ہیں بعض اہل علم غلے کے علاوہ دیگر اشیاء میں اس کی اجازت دیتے ہیں ابن مبارکؒ کہتے ہیں کہ روئی اور چمڑے کی ذخیرہ اندوزی میں کوئی حرج نہیں۔

تشریح: احتکار کی لغوی تعریف: باب افتعال کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی رو کنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف: ''ھو حبس الطعام حین احتیاج الناس بہ حتی یغلو'' کہ لوگوں کی حاجت مندی کے وقت غلہ کی

ذخیرہ اندوزی کرنا۔ (مرقاۃ ج ۶ ص ۹۴) شریعت کی اصطلاح میں بھی یہی تعریف ہے۔ احتکار کی چند صورتیں حرام ہیں۔

اوّل: احتکار اقوات کے اندر ہو یعنی ایسی چیز میں ہو جو اس علاقہ کی بنیادی غذا ہو۔

الثانی: احتکار کی جانے والی اشیاء اسی شہر کی ہوں لیکن اگر دوسرے شہر سے مال منگوایا ہے تو عند ابی حنیفہؒ احتکار جائز ہے اور عند ابی یوسفؒ مکروہ ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر وہ چیز عموماً شہر میں آنیوالی ہے تو اس کا احتکار جائز ورنہ ناجائز ہے طرفینؒ کے نزدیک انسانوں اور جانوروں کی خوراک کے متعلق اشیاء میں احتکار جائز نہیں ہے۔

الثالث: احتکار کی جانے والی چیز اس نے خریدی ہو اگر اس نے خریدی نہیں بلکہ اپنی زمین کا غلہ یا باغات کے پھل ہیں تو اس میں احتکار منع نہیں۔

الرابع: امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ کا فرمان یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسانی ضرورت سے متعلق ہے اور اس کے روکنے میں عوام کو تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہے تو اسکی ذخیرہ اندوزی شرعاً ممنوع ہے۔

الخامس: احتکار سے ضرر عامہ لازم آرہا ہو تو حرام ہے اگر ایسا نہ ہو تو پھر حرام نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْمُحَفَّلَاتِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَسْتَقْبِلُوا السُّوقَ وَلَا تُحَفِّلُوا وَلَا يُنَفِّقْ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا بَيْعَ الْمُحَفَّلَةِ وَهِيَ الْمُصَرَّاةُ لَا يَحْلُبُهَا صَاحِبُهَا أَيَّامًا أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ لِيَجْتَمِعَ اللَّبَنُ فِي ضَرْعِهَا فَيَغْتَرَّ بِهَا الْمُشْتَرِي وَهٰذَا ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيعَةِ وَالْغَرَرِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مال کے بازار میں پہنچنے سے پہلے خریدنے میں جلدی نہ کرو اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ خریدار کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے نہ روکو۔ اور جھوٹے خریدار بن کر کسی چیز کی قیمت نہ بڑھاؤ۔ اس باب میں حضرت ابن مسعودؓ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی سے روایت ہے حدیث ابن عباسؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ دودھ روک کر جانور بیچنا مکروہ ہے۔ مصراۃ اور محفلہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کسی دودھ دینے والے جانور کا کئی دن تک دودھ نہ نکالا جائے تاکہ دودھ اس کے تھنوں میں جمع ہو جائے اور خریدار دھوکے میں پڑ کر اسے خرید لے یہ دھوکے اور فریب کی ہی ایک قسم ہے۔

تشریح: لَا تَسْتَقْبِلُوا السُّوقَ: بازار کا استقبال مت کرو سوق سے مراد اہل السوق تاجر مراد ہیں۔ یعنی تاجروں کا استقبال نہ کرو اسے تلقی رکبان، تلقی جلب بھی کہتے ہیں یعنی جو تاجر حضرات شہر سے غلہ فروخت کرنے کے لئے لا رہے ہیں ان سے غلہ شہر سے باہر نہ خریدو اس کے متعلق بحث ماقبل میں گزر چکی ہے۔ اس صورت میں اہل شہر کا نقصان ہو تو پھر یہ منع ہے لیکن اگر ضرر نہ ہو لیکن غرر ہو تو بھی جائز نہیں اور اگر نہ ضرر ہو اور نہ ہی غرر ہو تو پھر جائز ہے۔

وَلَا تُحَفِّلُوا: تحفیل کہتے ہیں دودھ والے جانوروں کا دودھ تھنوں میں روکے رکھنا تاکہ دودھ کی کثرت کی وجہ سے مشتری اس جانور کو مہنگے داموں خرید سکے۔ اور بائع کا فائدہ ہو اور وہ زیادہ ثمن لے۔ اگر یہ عمل اونٹنی میں کیا جائے تو اسے تحفیل کہتے ہیں اور اس

ناقہ کو ناقہ محفلہ کہتے ہیں اور یہاں عام ہے فرق اتنا ہے کہ مصراۃ مشہور ہے اور محفلہ غیر مشہور ہے۔

وَلَا یُنَفِّقْ بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ: نہ کوئی بھاؤ لگائے کسی ایک کے بھاؤ پر یعنی ایک شخص بغیر خرید نے کے ارادے سے آ کر ثمن میں اضافہ کر کے بتلاتا ہے کہ میں اس کو اتنے میں خریدتا ہوں تا کہ اصل خریدنے والا دھوکے میں مبتلا ہو جائے اس کو نجش کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے باب کے ذیل میں آ رہی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْيَمِينِ الْفَاجِرَةِ يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ الْمُسْلِمِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَقَالَ الْأَشْعَثُ فِيَّ وَاللهِ لَقَدْ كَانَ ذَلِكَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ أَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا فَقَالَ لِلْيَهُودِيِّ احْلِفْ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِذًا يَحْلِفُ فَيَذْهَبُ بِمَالِي فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى { إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا } إِلَى آخِرِ الْآيَةِ وَفِي الْبَابِ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ وَأَبِي مُوسَى وَأَبِي أُمَامَةَ بْنِ ثَعْلَبَةَ الْأَنْصَارِيِّ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَحَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی کا مال غصب کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے دن اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوں گے اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم یہ تو مجھ ہی سے متعلق ہے۔ میرے اور ایک یہودی کے درمیان زمین میں شرکت تھی لیکن اس نے میرے حصے کا انکار کیا تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے فرمایا کیا تمہارے پاس گواہ ہیں میں نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے یہودی سے کہا کہ تم قسم کھاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ حقیر بدلہ لے لیتے ہیں اس عہد کے عوض میں جو اللہ تعالیٰ کے انہوں نے کیا ہے اور اپنی قسموں کے عوض میں آل عمران: 77) اس باب میں وائل بن حجر، ابوموسیٰ، ابوامامہ بن ثعلبہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث ابن مسعود حسن صحیح ہے۔

تشریح: حدیث کا شان ورود: حضرت اشعث بن قیسؓ یہ حضر موت کے باشندے تھے ان کا ایک یہودی سے زمین کے بارے میں جھگڑا تھا وہ زمین اشعث کے دادا سے اس یہودی کے دادا نے غصب کی تھی اشعث اس کا مقدمہ لے کر آپ ﷺ کے پاس مدینہ آئے آپ ﷺ نے اشعث سے گواہ طلب کئے کیونکہ وہ مدعی تھے وہ گواہ پیش نہ کر سکے کیونکہ اس معاملہ کو دیکھنے والا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ پس آپ ﷺ نے یہودی کو قسم کھلانی چاہی تو حضرت اشعثؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودی ہے جھوٹی

قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا اسی معاملہ میں سورۂ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی: ''ان الذین یشترون بعھد اللہ و ایمانھم ثمناً قلیلاً'' یعنی جو لوگ دنیا میں حقیر بدلہ لے لیتے ہیں اس عہد کے عوض میں جو اللہ تعالیٰ سے انہوں نے کیا ہے اپنی قسموں کے عوض میں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائیں گے اور ان کی طرف قیامت کے دن نہیں دیکھیں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک سزا ہوگی''۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے اس یہودی کو اللہ پاک کے عذاب سے ڈرایا اور فرمایا اگر وہ جھوٹی قسم کھائے گا تو جب اس کی اللہ سے ملاقات ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس سے سخت ناراض ہوں گے پھر اس یہودی نے قسم کھانے سے انکار کر دیا یا اس نے قسم کھائی تھی اس بارے میں اس حدیث کے اندر اس کا ذکر نہیں ہے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جھوٹے گواہوں کے ذریعے مال حاصل نہ کرے اور نہ مدعی علیہ گواہ نہ ہونے کی صورت میں مال حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے۔ حدیث میں یمین سے مراد وہ مال ہے جس کو جھوٹی قسم کے ذریعہ حاصل کیا ہو اس شخص پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں گے اور جس پر اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوں تو اس کی ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ هٰذَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ عَوْنُ بْنُ عَبْدِ اللهِ لَمْ يُدْرِكْ ابْنَ مَسْعُودٍ وَقَدْ رُوِيَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا الْحَدِيثُ أَيْضًا وَهُوَ مُرْسَلٌ أَيْضًا قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ قُلْتُ لِأَحْمَدَ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ وَلَمْ تَكُنْ بَيِّنَةٌ قَالَ الْقَوْلُ مَا قَالَ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَرَادَّانِ قَالَ إِسْحٰقُ كَمَا قَالَ وَكُلُّ مَنْ قَالَ الْقَوْلُ قَوْلُهُ فَعَلَيْهِ الْيَمِينُ هٰكَذَا رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنْ بَعْضِ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ شُرَيْحٌ.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب (متعاقدین) فروخت کرنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف ہو جائے تو بیچنے والے کے قول کا اعتبار ہوگا اور خریدنے والے کو اختیار ہے چاہے تو لے ورنہ واپس کر دے۔ یہ حدیث مرسل ہے اس لئے کہ عون بن عبداللہ کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ حدیث قاسم بن عبدالرحمن بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں ابن منصور نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اگر بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) میں اختلاف ہو جائے اور کوئی گواہ نہ ہو تو کیا حکم ہے فرمایا کہ اس میں فروخت کرنے والے کے قول کا اعتبار کیا جائے گا پس اگر مشتری (خریدنے والا) راضی ہو تو خریدے ورنہ چھوڑ دے۔ اسحاقؒ کہتے ہیں کہ فروخت کرنے والے کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا بعض تابعین جن میں شریح بھی شامل ہیں سے یہی منقول ہے۔

تشریح: قولہ إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ: مسئلہ: بائع اور مشتری اگر مقدار ثمن یا خیار شرط یا تعیین کے بارے میں

اختلاف کریں تو مبیع اگر موجود ہے تو جس کے پاس بینہ مثبت زیادت ہوگا اس کے حق میں فیصلہ ہوگا اس میں اختلاف نہیں ہے۔

لیکن اگر کسی کے پاس بینہ نہ ہوں تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کس کا قول معتبر ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ کے نزدیک بائع کا قول حلف کے ساتھ معتبر ہوگا اب مشتری کو اختیار ہے کہ چاہے تو بائع کی بات مان لے یا حلف اٹھا کر انکار کردے یا پھر دوسرے کے قول پر راضی ہو ورنہ قاضی بیع کو فسخ کردے گا چاہے مبیع موجود ہو یا نہ ہو گو یا چند شرائط کے ساتھ بائع کا قول معتبر ہے۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مبیع کے موجود ہونے کی صورت میں تو تحالف ہوگا لیکن اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو تحالف نہیں ہوگا بلکہ یمین کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ہے کہ اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے لیکن بعض طرق میں اضافہ کے ساتھ ''إِذَا اخْتَلَفَ الْبَيِّعَانِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ'' ابن ماجہ میں ''یترادان البیع'' کے الفاظ مذکور ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں طرف سے واپسی ہونی چاہئے یہ وجود بیع کو مستلزم ہے اور حدیث مذکورہ میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعَطَّارُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمَاءِ وَفِي الْبَاب عَنْ جَابِرٍ وَبُهَيْسَةَ عَنْ أَبِيهَا وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَعَائِشَةَ وَأَنَسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ إِيَاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّهُمْ كَرِهُوا بَيْعَ الْمَاءِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي بَيْعِ الْمَاءِ مِنْهُمُ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ

قتیبہ، داؤد بن عبدالرحمن عطار، عمرو بن دینار، ابی منہال، ایاس بن عبد مزنیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی فروخت کرنے سے منع فرمایا اس باب میں حضرت جابر، بھیسہ، بواسطہ والد، ابوہریرہ، عائشہ، انس، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث ایاسؓ حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ پانی بیچنا مکروہ ہے ابن مبارکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم نے پانی فروخت کرنے کی اجازت دی ہے حضرت حسن بصریؒ بھی اسی میں شامل ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ضرورت سے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُمْنَعُ فَضْلُ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَأُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

زائد پانی سے نہ روکا جائے کہ جس کی وجہ سے گھاس چارہ وغیرہ میں رکاوٹ پیش آئے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: ان دونوں احادیث کے ذیل میں مشترکہ مسئلہ پانی کا ہے پانی کی کئی صورتیں ہیں۔ ① عام دریاؤں وغیرہ کے پانی یہ کسی کی ملک نہیں ہیں مباح عام بلکہ نہ ان کو کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ کوئی ان کو خرید سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے استعمال سے منع کر سکتا ہے۔ ② وہ پانی جو برتنوں میں جمع کر لیا گیا ہو یہ پانی جمع کرنے والے کی ملک ہو جاتا ہے خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور بیچ بھی سکتا ہے لیکن پھر بھی پانی کا بیچنا ناپسندیدہ اور خسیس ہے۔ ③ اور اگر کنواں ہے تو جس کی زمین میں ہے وہی زیادہ حق دار ہے لیکن اگر کنواں ایسی جگہ پر ہے کہ وہ ارض موات ہے اور اس شخص نے کنواں کھود کر اس زمین کو سیراب کیا ہے تو اس کے بارے میں علامہ خطابیؒ نے فرمایا کہ اگر اس کنویں کے علاوہ کوئی اور دوسرا پانی نہیں ہے اور صاحب بئر پانی نہ دے تو جانور والے جانور نہیں چرائیں گے تو کنویں والے کو کہا جائے گا کہ زائد پانی کو نہ روکے کیونکہ اس سے گھاس کا روکنا لازم آئے گا حالانکہ وہ سب کے لئے مباح ہے۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ سے یہی معنی منقول ہیں اور وہ حضرات اس نہی کو نہی تحریمی قرار دیتے ہیں کیونکہ آدمی اگر اپنا مال نہ دے تو کوئی زبردستی نہیں لے سکتا۔

بعض حضرات نے کہا کہ ''لا یباع''، ''لا یمنع'' کے معنی میں ہے تو معنی ہوں گے ''لا یمنع فضل الماء لیمنع به الکلأ''۔ علامہ تورپشتیؒ نے اسی ''لا یمنع'' والی روایت کو ترجیح دی ہے اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ارض موات میں کنواں کھود کر یہ سوچتا ہے کہ اردگرد کے لوگ جانور چرانے نہ آئیں لیکن وہ صراحۃً روک نہیں سکتا اس لئے وہ یہ حیلہ اختیار کرتا ہے کہ جو لوگ وہاں جانور چرانے آتے ہیں ان سے کہتا ہے کہ جانور بے شک چراؤ لیکن بعد میں اپنے کنویں سے تمہیں پانی نہیں لینے دوں گا قریب اور بھی کوئی پانی نہیں ہے گھاس چرنے کے بعد چونکہ عموماً جانوروں کو پیاس لگ جاتی ہے اس لئے اگر پاس پانی کا انتظام نہ ہو تو جانوروں کو چرانا مشکل ہو جائے گا اس لئے یہ شخص جب ان کو پانی سے روکے گا تو نتیجہ کے اعتبار سے گھاس چرانے سے ہی روکے گا تو ''لیمنع الکلأ'' میں لام عاقبت کا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد پانی نہ روکے اس سے نتیجۃً گھاس سے روکنا ہوگا۔ پانی کی اقسام کے متعلق تفصیل آگے حدیث میں آجائے گی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ عَسْبِ الْفَحْلِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ وَأَبُو عَمَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسٍ وَأَبِي سَعِيدٍ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ

احمد بن منیع، ابو عمار، اسماعیل بن علیہ، علی بن حکم، نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نر کو مادہ پر چھوڑنے پر اجرت لینے سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ، انس اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح

أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَدْ رَخَّصَ قَوْمٌ فِي قَبُولِ الْكَرَامَةِ عَلَى ذَلِكَ

ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی اسے بطور انعام کچھ دے تو یہ جائز ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حُمَيْدٍ الرُّؤَاسِيِّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا مِنْ كِلَابٍ سَأَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ فَنَهَاهُ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نُطْرِقُ الْفَحْلَ فَنُكْرَمُ فَرَخَّصَ لَهُ فِي الْكَرَامَةِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

عبدہ بن عبداللہ خزاعی بصری، یحییٰ بن آدم، ابراہیم بن حمید رواسی، ھشام بن عروہ، محمد بن ابراہیم تیمی، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ بنوکلاب کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے منع فرمایا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جب نر کو مادہ پر چھوڑتے ہیں تو بطور انعام کچھ نہ کچھ ہم دیئے جاتے ہیں۔ پس آپؐ نے اسے اس کی اجازت دی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف ابراہیم بن حمید کی ہشام بن عروہ سے روایت پہچانتے ہیں۔

تشریح: فحل کے معنی ہیں سانڈ یعنی وہ نر جو نسل کشی کے لئے ہوتا ہے اور عسب کے معنی ہیں اجرت مگر یہ لفظ بجار کی اجرت کے ساتھ خاص ہے۔

نر کی جفتی کا معاوضہ لینا اجرت لینا، آیا یہ اجارہ جائز ہے یا نہیں؟ تو یہ ناجائز ہے اس لئے کہ نطفہ مال متقوم نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نطفہ قرار پکڑے یا نطفہ قرار نہ پکڑے تو اس صورت میں دھوکہ بھی ہے ہاں عاریت کے طور پر لے لے یا مکارم اخلاق کے طور پر کچھ نہ کچھ دے دیا بشرطیکہ عرف عام نہ ہو تو جائز ہے اور بعض لوگوں نے جواز کا فتوی دیا ہے۔

عسب کے دو معنی ہیں نر کا مادہ کے ساتھ جفتی کرنا اور نر کی مادہ کے ساتھ جفتی کی اجازت ان دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي ثَمَنِ الْكَلْبِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ح و حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

قتیبہ، لیث، ابن شہاب، سعید بن عبدالرحمن مخزومی، سفیان بن عیینہ، زہری، ابی بکر بن عبدالرحمن، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے، زنا کی اجرت لینے اور کاہن کو مٹھائی دینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

محمد بن رافع، عبدالرزاق، معمر، یحییٰ بن ابی کثیر، ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ، سائب بن یزید، حضرت رافع بن خدیجؓ سے

بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ قَارِظٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ وَمَهْرُ الْبَغِيِّ خَبِيثٌ وَثَمَنُ الْكَلْبِ خَبِيثٌ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ وَجَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ حَدِيثُ رَافِعٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا ثَمَنَ الْكَلْبِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ثَمَنِ كَلْبِ الصَّيْدِ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پچھنے لگانے کی اجرت، زنا کی اجرت اور کتے کی قیمت حرام ہے۔

اس باب میں حضرت عمر، ابن مسعود، جابر، ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر اور عبداللہ بن جعفر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث رافع بن خدیج حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ کتے کی قیمت حرام ہے امام شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم نے شکاری کتے کی قیمت کو جائز قرار دیا ہے۔

تشریح: مسئلہ: کتے کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: احناف کہتے ہیں کہ اس کی بیع مناسب تو نہیں لیکن اگر کسی نے بیع کر دی تو جائز ہو جائے گی یہی وجہ ہے کہ ہلاکت کی صورت میں تاوان لازم ہوگا۔

قول ثانی: مالکیہ کی اس میں روایات مختلف ہیں ایک روایت شوافع کے مطابق ہے کہ کتے کی بیع جائز نہیں اور دوسری روایت احناف کے موافق ہے۔ **قول ثالث:** شوافع حضرات کے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک کتے کی بیع جائز نہیں۔

کلب صید کی بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو نسائی شریف میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلب صید کی اجازت دی اس کے رجال ثقات میں سے ہیں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہر کلب کے اندر کلب معلم بننے کی صلاحیت موجود ہے جب کلب صید کی بیع جائز ہے تو دوسرے کلب کی بیع بھی جائز ہوگی۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اوّل: حدیث الباب ہے ''نھی عن ثمن الکلب'' کہ کلب کے ثمن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

جواب اوّل: یہ اس زمانہ کے احکامات میں سے ہے کہ جس زمانے میں کلاب کے بارے میں تشدیدی احکام تھے حتیٰ کہ قتل کلاب کا حکم تھا جب بعد میں قتل کلاب والا حکم منسوخ ہوا تو بیع کی نہی والا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ اور ناسخ ''الا کلب صید'' والا استثناء ہے۔ یہ حدیث آگے باب کے ذیل میں آ رہی ہے۔

جواب ثانی: یہ نہی مکارم اخلاق کے طور پر ہے نہی تنزیہی ہے مطلب یہ ہے کہ کاروبار کرنا ہے تو اچھا کاروبار کرو۔ کتے کی خرید و فروخت بھی کوئی کاروبار ہے؟ **جواب ثالث:** اس سے مراد وہ کتا ہے جس کا پالنا جائز نہیں۔

دلیل ثانی: اسی باب کی دوسری حدیث ہے ''عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسب الحجام خبیثٌ، و مھر البغی خبیثٌ، و ثمن الکلب خبیث'' ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ دیکھو مہر البغی کے ساتھ اس کا ذکر کیا تو جو حکم

اس کا ہے وہی حکم کتے کے ثمن کا ہے۔ ظاہر ہے زانیہ کی اجرت حرام ہے تو کتے کی قیمت بھی حرام ہوگی۔

جواب: یہ خباثت خبیث دون خبیث کی قبیل سے ہے۔ ''کفر دون کفر'' کی طرح۔ خبیث کلی مشکک ہے اس کا اعلیٰ درجہ حرام دوسرا درجہ مکروہ تنزیہی تیسرا درجہ خلاف اولیٰ ہے۔ لہٰذا یہ احناف کے خلاف نہیں ہے۔

شوافع نے کتے کی بیع کے عدم جواز پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کتے کے ثمن سے منع فرمایا ہے مگر جب ان سے سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے تو بلی کی قیمت سے بھی منع فرمایا ہے حالانکہ وہ آپ کے نزدیک جائز ہے پس انہوں نے جواب دیا کہ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ شریعت چاہتی ہے کہ بلی مباح الاصل ہے لیکن اگر کسی کو بلی کی ضرورت ہو اور اس کو مفت نہ ملے تو خرید سکتا ہے یہی جواب کتے کی قیمت سے ممانعت کا بھی ہے اگر مجبوری ہو تو کتے کی خرید و فروخت جائز ہے اور اس کا ثمن حلال ہے لیکن یہ کاروبار پسندیدہ نہیں۔

موذی کتے اور اس کے نقصان کا حکم: مسئلہ نمبر ۳: محلہ میں کسی نے کتا پال رکھا ہے اور وہ نقصان پہنچاتا ہے تو پہلے اس کے مالک کو کہا جائے کہ اس کو قتل کرو کہنے کے باوجود اگر وہ قتل نہ کرے تو اہل محلہ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔ (عالمگیری کتاب الکراہیت الباب الحادی والعشرون)

باقی اگر اس کتے نے کسی آدمی کو کاٹا اور نقصان پہنچایا، تو مالک پر ضمان آئے گی یا نہیں تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر لوگوں کے مالک کو اطلاع دینے سے پہلے کاٹا تو ضمان نہیں آئے گی اور اگر لوگوں کے کہنے کے بعد کاٹا تو ضمان آئے گی۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ مُحَيِّصَةَ أَخِي بَنِي حَارِثَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِجَارَةِ الْحَجَّامِ فَنَهَاهُ عَنْهَا فَلَمْ يَزَلْ يَسْأَلُهُ وَيَسْتَأْذِنُهُ حَتَّى قَالَ اعْلِفْهُ نَاضِحَكَ وَأَطْعِمْهُ رَقِيقَكَ وَفِي الْبَابِ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَأَبِي جُحَيْفَةَ وَجَابِرٍ وَالسَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ حَدِيثُ مُحَيِّصَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ و قَالَ أَحْمَدُ إِنْ سَأَلَنِي حَجَّامٌ نَهَيْتُهُ وَآخُذُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ.

ابن محیصہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پچھنے لگانے پر اجرت لینے کی اجازت چاہی تو آپ نے منع فرمادیا لیکن بار بار پوچھتے رہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی اور فرمایا اسے اپنے اونٹ کے چارے یا غلام کے کھانے پینے کے لئے استعمال کرلو۔ اس باب میں حضرت رافع بن خدیج، ابو جحیفہ، جابر اور سائب رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث محیصہ حسن ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر پچھنے لگانے والا مجھ سے پوچھے تو میں اسے منع کر دوں گا اور یہی حدیث لوں گا۔

تشریح: اس حدیث الباب میں آپ ﷺ نے حجام کی اجرت سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت باجماع امت تحریم پر محمول نہیں کیونکہ اگر اس کی اجرت حرام ہوتی تو اپنے غلام کو کھلانا بھی حرام ہوتا لیکن آپ ﷺ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کوئی اچھا پیشہ نہیں ہے کیونکہ حجامہ لگانے والا اپنے منہ سے انسان کا گندا اور ناپاک خون چوس کر پھینکتا ہے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس پیشہ کو پسند نہیں فرمایا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ أَنَسٌ احْتَجَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةَ أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ فِي كَسْبِ الْحَجَّامِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

حضرت حمید کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے حجام کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ابوطیبہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پچھنے لگائے تو آپؐ نے انہیں دو صاع غلہ دینے کا حکم دیا اور ان کے مالکوں سے گفتگو فرمائی۔ پس انہوں نے ابوطیبہ کے خراج سے کچھ کم کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سب سے بہترین علاج پچھنے لگوانا ہے یا فرمایا بہترین دوائی پچھنے لگوانا ہے۔ اس باب میں حضرت علی، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حدیث انسؓ حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام اور دیگر علماء نے پچھنے لگانے والے کی کمائی کو جائز کہا ہے امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

تشریح: یہ حدیث پچھنے لگانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی چیز کی اجازت دی جائے تو اس کے موقوف علیہ کی خود بخود اجازت ہو جاتی ہے۔ جب آپ ﷺ نے حجامہ لگوانے کے عمل کو بہترین عمل قرار دیا تو حجامہ لگوانا جائز ہوا۔ لہٰذا اس کی اجرت بھی جائز ہوئی۔ ابوطیبہ کو بطور اجرت دو صاع غلہ دیا۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَا أَنْبَأَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَالسِّنَّوْرِ هَذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ وَقَدْ رُوِيَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ عَنْ جَابِرٍ وَاضْطَرَبُوا عَلَى الْأَعْمَشِ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ كَرِهَ قَوْمٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ ثَمَنَ الْهِرِّ وَرَخَّصَ فِيهِ بَعْضُهُمْ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ

علی بن حجر، علی بن خشرم، عیسیٰ بن یونس، اعمش، ابی سفیان، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے اور بلی کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے اعمش بھی اپنے بعض ساتھیوں سے اور وہ حضرت جابرؓ سے نقل کرتے ہیں اس حدیث کی روایت میں اعمش پر راویوں کا اضطراب ہے اہل علم کی ایک جماعت بلی کی قیمت کو مکروہ سمجھتی ہے بعض علماء اس کی اجازت دیتے ہیں امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول

وَإِسْحَقَ وَرَوَى ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ زَيْدٍ الصَّنْعَانِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْهِرِّ وَثَمَنِهِ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعُمَرُ بْنُ زَيْدٍ لَا نَعْرِفُ كَبِيرَ أَحَدٍ رَوَى عَنْهُ غَيْرَ عَبْدِ الرَّزَّاقِ

ہے۔ ابوفضیل، اعمش سے وہ ابوحازم سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سند کے علاوہ بھی ایسے ہی نقل کرتے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلی کو کھانے اور اس کی قیمت لینے سے منع فرمایا ہے یہ حدیث غریب ہے عمر بن زید سے کوئی بڑا آدمی روایت نہیں کرتا سوائے عبدالرزاق کے۔

تشریح: بلی کی بیع بالا جماع جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں کیونکہ کوئی بھی بلی کو بیچتا نہیں یہ نہی تنزیہی ہے اسی طرح ثمن کلب سے نہی بھی تنزیہی ہے باقی شرح ماقبل ابواب کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

هَذَا حَدِيثٌ فِي إِسْنَادِهِ اضْطِرَابٌ: پہلا اضطراب یہ ہے کہ اعمش اور جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان واسطہ ہے یا نہیں بعض رواۃ ابوسفیان کا واسطہ ذکر کرتے ہیں اور بعض ذکر نہیں کرتے۔

دوسرا اضطراب یہ ہے کہ حدیث مسندات جابر میں سے ہے یا مسندات ابی ابوہریرہؓ میں سے ہے بعض اس کو مسندات جابرؓ میں سے قرار دے رہے ہیں۔ اور بعض مسندات ابی ہریرہؓ میں سے قرار دے رہے ہیں۔

دوسری حدیث سے مقصود بلی کے کھانے سے نہی کو ثابت کرنا ہے۔ بلی کو کھانے سے نہی، نہی تحریمی ہے اور بلی کے ثمن کھانے سے نہی تنزیہی ہے۔

سوال: نہی کا لفظ ایک ہے اس سے کراہت تنزیہی بھی مراد لے رہے ہو اور کراہت تحریمی بھی مراد لے رہے ہو یہ تو جمع بین الحقیقۃ والمجاز کی قبیل سے ہے۔

جواب: یہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز کی قبیل سے نہیں بلکہ عموم مجاز کی قبیل سے ہے یا یہ کہو کہ نھی عن أکل الھرۃ سے نہی تحریمی ہے و نھی عن ثمنه سے مراد نہی تنزیہی ہے۔

باب (منه)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ أَبِي الْمُهَزِّمِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ إِلَّا كَلْبَ الصَّيْدِ هَذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَأَبُو الْمُهَزِّمِ اسْمُهُ يَزِيدُ بْنُ سُفْيَانَ وَتَكَلَّمَ فِيهِ شُعْبَةُ بْنُ الْحَجَّاجِ وَرُوِيَ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوُ هَذَا وَلَا يَصِحُّ إِسْنَادُهُ أَيْضًا .

ابوکریب، وکیع، حماد بن سلمہ، ابی مہزم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شکاری کتے کے علاوہ کتے کی قیمت لینے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے صحیح نہیں۔ ابومہزم کا نام یزید بن سفیان ہے شعبہ بن حجاج ان میں کلام کرتے ہیں حضرت جابرؓ سے اسی کے مثل مرفوعاً روایت منقول ہے لیکن اس کی سند بھی صحیح نہیں۔

تشریح: هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ: یہ حدیث احناف کے موافق ہے، امام ترمذیؒ نے اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابوالمھزم ہے ان کا نام یزید بن سفیان ہے ان پر شعبہ بن الحجاج نے جرح کی ہے پس مجروح راوی کی وجہ سے یہ حدیث قابل استدلال نہیں ہے۔

جواب: بے شک یہ سند صحیح نہیں لیکن احناف کا مستدل یہ نہیں بلکہ احناف کا مستدل وہ حدیث جابرؓ ہے جس کی تخریج امام نسائی نے کی ہے اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا اقرار کیا ہے نیز ضعف بھی کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ حدیث تعدد طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ جاتی ہے اور حسن لغیرہ سے استدلال کرنا صحیح ہوتا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ بَيْعِ الْمُغَنِّيَاتِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ زَحْرٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَبِيعُوا الْقَيْنَاتِ وَلَا تَشْتَرُوهُنَّ وَلَا تُعَلِّمُوهُنَّ وَلَا خَيْرَ فِي تِجَارَةٍ فِيهِنَّ وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ فِي مِثْلِ هٰذَا أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ { وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ } إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ حَدِيثُ أَبِي أُمَامَةَ إِنَّمَا نَعْرِفُهُ مِثْلَ هٰذَا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَقَدْ تَكَلَّمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي عَلِيِّ بْنِ يَزِيدَ وَضَعَّفَهُ وَهُوَ شَامِيٌّ.

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گانے والی عورتوں کی خرید وفروخت نہ کیا کرو اور نہ انہیں گانا سکھاؤ کیونکہ ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے۔ یہ آیت اسی کے متعلق نازل ہوئی (ترجمہ) بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتوں کو خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو گمراہ کریں (لقمان:٦) اس باب میں حضرت عمر بن خطابؓ سے بھی روایت ہے ابوامامہؓ کی حدیث ہم اس طرح صرف اسی سند سے جانتے ہیں بعض اہل علم علی بن یزید کو ضعیف کہتے ہیں یہ شام کے رہنے والے ہیں۔

تشریح: مغنیات، مغنیۃ کی جمع ہے گانے بجانے والی لونڈی۔ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ اپنی باندیوں کو گانا بجانا سکھاتے تھے پھر وہ باندیاں بھاری داموں فروخت ہوتی تھیں شریعت نے نہ صرف باندیوں کو گانا بجانے کی تعلیم سے منع کیا بلکہ اس کی خرید وفروخت اور اس کے ثمن کو بھی حرام قرار دیا۔ کیونکہ ایسی باندیاں لہو الحدیث کا مصداق اور اللہ کی یاد سے غافل کردینے والی ہیں لہٰذا ہر وہ کھیل جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو اس کا یہی حکم ہے مثلاً ٹی وی، انٹرنیٹ، کیبل، ناول، کرکٹ وغیرہ یہ سب لہو الحدیث میں شامل ہیں۔

امام صاحبؒ کے نزدیک ایسی باندی کی بیع جائز ہے کیونکہ اس کا خریدنے والا مختار ہے چاہے۔ تو اس سے گانے بجانے کا کام لے یا اس کو توبہ کروادے۔ بائع مشتری کو اس کے گانے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ علماء نے کہا ہے کہ فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے اور تقویٰ کا تقاضا صاحبینؒ کے قول پر عمل ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْأَخَوَيْنِ أَوْ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ الشَّيْبَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ قَالَ أَخْبَرَنِي حُيَيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فَرَّقَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنِ الْحَجَّاجِ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ أَبِي شَبِيبٍ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ فَبِعْتُ أَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ التَّفْرِيقَ بَيْنَ السَّبْيِ فِي الْبَيْعِ وَرَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي التَّفْرِيقِ بَيْنَ الْمُوَلَّدَاتِ الَّذِينَ وُلِدُوا فِي أَرْضِ الْإِسْلَامِ وَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ أَصَحُّ وَرُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا فِي الْبَيْعِ فَقِيلَ لَهُ فِي ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي قَدْ اسْتَأْذَنْتُهَا فِي ذَلِكَ فَرَضِيَتْ .

عمر بن حفص شیبانی، عبداللہ بن وہب، حیی بن عبداللہ، ابی عبدالرحمن، حضرت ابوایوب ؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی ماں اور اس کے بچوں کو جدا کرے گا۔ اللہ قیامت کے دن اسے اس کے محبوب لوگوں سے جدا کر دے گا۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ حسن بن علی، عبدالرحمن بن مہدی، حماد بن سلمہ، حجاج بن میمون، ابی شبیب، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دو غلام دیئے۔ وہ دونوں آپس میں بھائی تھے میں نے ایک بیچ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا اے علی تمہارا ایک غلام کیا ہوا، حضرت علی ؓ کہتے ہیں کہ میں نے واقعہ سنایا تو آپ ؐ نے فرمایا اسے واپس لے آؤ (دو مرتبہ فرمایا) یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور تحقیق بعض اہل علم اصحاب النبی ؐ اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے دو قیدیوں کو بیع کر کے جدا کرنا مکروہ ہے بعض صحابہ کرام ؓ اور دیگر علماء نے ان قیدیوں کو جو سرزمین اسلام میں پیدا ہوئے جدا کرنے کی اجازت دی ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے ابراہیم نخعی ؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ماں بیٹے کو جدا کر دیا تو لوگوں نے ان پر اعتراض کیا اس پر انہوں نے کہا میں نے اس کی والدہ سے پوچھ لیا تھا وہ اس پر رضامند تھی۔

تشریح: ایسے دو غلام کہ جن میں ذی رحم والی قرابت کا تعلق ہو برابر ہے ان کا تو الد دارالحرب میں ہوا یا دارالاسلام میں ہوا ہو اور وہ دونوں صغیر ہوں یا ان میں سے ایک صغیر ہو تو ایسے دو غلاموں کے درمیان تفریق جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ غلام دونوں صغیر ہیں یا

ان میں سے ایک صغیر ہے تو ایسے دو غلاموں کے درمیان بیع کے ذریعہ یا ہبہ کے ذریعے تفریق جائز نہیں اگر ذی رحم والی قرابت نہیں یا قرابت تو ہے لیکن دونوں بالغ ہیں تو ایسی صورت میں بیع جائز ہے لیکن شوافع کے نزدیک کسی صورت میں بیع جائز نہیں ہے۔

اعتراض: یہ حدیث بظاہر شوافع کی دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو غلام ہبہ کئے حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا بعد میں حضور اکرمؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ردّہ ردّہ کہ اس کو واپس لے آ، اس کو واپس لے آ۔ اور وہ دونوں صغیر تھے یا ان دونوں میں سے ایک صغیر تھا شوافع کہتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ تفریق کی صورت میں بیع منعقد نہیں ہوتی۔

جواب: ردّہ، ردّہ کا حکم استحبابی ہے نہی لغیرہ ہے تا کہ ان دونوں میں ایک کو جدائی کی وجہ سے وحشت اور تکلیف محسوس نہ ہو۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر ان دونوں دار الحرب کے اندر پیدا ہوئے پھر ان کو قید کر کے دار الاسلام لے آئے تو تفریق منع ہے اور اگر دونوں کا توالد دار الاسلام میں ہوا تو پھر تفریق جائز ہے۔

والدہ اور ولد کے درمیان تفریق جائز نہیں ہے۔ ابراہیم نخعیؒ نے تفریق کر دی تو لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ اس کی ماں راضی ہو گئی تھی تو معلوم ہوا کہ اگر والدہ راضی ہو جائے تو بیع جائز ہو جاتی ہے لیکن امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ "القول الاوّل اصح"۔

بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ وَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ وَأَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِيُّ عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ مَخْلَدِ بْنِ خُفَافٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ مِنْ غَيْرِ هٰذَا الْوَجْهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ . حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَاسْتَغْرَبَ مُحَمَّدُ بْنُ اسْمَاعِيلَ هٰذَا الْحَدِيثَ مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ وَقَدْ رَوَى مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ الزَّنْجِيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَرَوَاهُ جَرِيرٌ

محمد بن مثنی، عثمان بن عمر، ابو عامر عقدی، ابن ابی ذئب، مخلد بن خفاف، عروة، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک نزاع میں) فیصلہ فرمایا کہ آمدنی ذمہ داری کے عوض میں۔ یہ حدیث حسن ہے اور کئی سندوں سے منقول ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ آمدنی ذمہ داری کے عوض میں ہے یعنی نفع اسی کے لئے ہے جو اس کا ضامن ہے۔ یہ حدیث ہشام بن عروہ کی روایت سے صحیح غریب ہے۔ امام بخاریؒ نے عمر بن علی کی روایت سے اسے غریب کہا ہے یہ حدیث مسلم بن خالد زنجی بھی ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں جریر نے بھی اس حدیث کو ہشام سے روایت کیا۔ کہا گیا ہے کہ جریر کی روایت میں تدلیس ہے اس لئے کہ جریر نے ہشام سے یہ حدیث نہیں سنی۔

عَنْ هِشَامٍ أَيْضًا وَحَدِيثُ جَرِيرٍ يُقَالُ تَدْلِيسٌ دَلَّسَ فِيهِ جَرِيرٌ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ وَتَفْسِيرُ الْخَرَاجِ بِالضَّمَانِ هُوَ الرَّجُلُ الَّذِي يَشْتَرِي الْعَبْدَ فَيَسْتَغِلُّهُ ثُمَّ يَجِدُ بِهِ عَيْبًا فَيَرُدُّهُ عَلَى الْبَائِعِ فَالْغَلَّةُ لِلْمُشْتَرِي لِأَنَّ الْعَبْدَ لَوْ هَلَكَ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِي وَنَحْوُ هٰذَا مِنَ الْمَسَائِلِ يَكُونُ فِيهِ الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ

اس حدیث کی تفسیر یہ ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے نفع اٹھایا بعد میں پتہ چلا کہ اس میں کوئی عیب ہے تو اسے واپس کر دیا اس صورت میں اس نے جو کچھ غلام کے ذریعے کمایا وہ اسی کا ہوگا کیونکہ اگر وہ غلام ہلاک ہو جاتا تو خسارہ خریدنے والے ہی کا تھا۔ اس قسم کے دوسرے مسائل کا یہی حکم ہے کہ نفع اسی کا ہوگا جو ضامن ہوگا۔

تشریح: قَضٰى أَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ: یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے ''الغنم بالغرم'' فائدہ تاوان کے بدلے میں ہے دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہے کہ جو مبیع کا ذمہ دار ہے وہی آمدنی کا مالک ہے لہٰذا مبیع پر مشتری جب قبضہ کر لے تو ضمان مشتری پر ہے۔ لہٰذا اس سے حاصل ہونے والا فائدہ بھی مشتری کو ہوگا۔ اگر مشتری نے قبضہ نہیں کیا بلکہ وہ مبیع بائع کے پاس ہے تو اس سے حاصل ہونے والا نفع بائع کا ہوگا۔

مثال کے طور پر ایک شخص نے غلام خریدا مشتری نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے نفع حاصل کیا پھر مشتری اس کے کسی عیب پر مطلع ہوا جو عیب بائع کے پاس پیدا ہوا تھا اب مشتری اس عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت حال میں اس غلام نے جو کمائی کی اس کا مالک مشتری ہے بائع اگر اس کی منفعت کا مطالبہ کرے تو اس کو نہیں دی جائے گی کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ منفعت ضمان کے عوض میں ہے۔ اس مسئلہ میں شوافع حضرات نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ الخراج بالضمان البتہ مسئلہ مصراۃ میں اس اصول کو تسلیم نہیں کرتے۔ یستغلہ بمعنی پھر اس سے آمدنی حاصل کرے۔

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ: حدیث الباب کی سند پر امام ترمذیؒ کلام کر رہے ہیں کہ ہشام بن عروہ سے نقل کرنے والے ان کے تین شاگرد ہیں۔ ① عمر بن علی ② مسلم بن خالد الزنجی ③ جریر۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن علی کی سند سے یہ حدیث غریب ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ میں ہی نہیں کہتا بلکہ میرے استاذ امام بخاریؒ نے بھی اس کو غریب قرار دیا ہے۔

باقی جریر والی سند بھی مخدوش ہے اس لئے کہ جریر مدلس راوی ہے اور اس کا سماع ہشام بن عروہ سے ثابت نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ جریر عنعنہ سے روایت کرتا ہے اور اس کا عنعنہ قبول نہیں۔

رہی سند مسلم بن خالد الزنجی کی تو یہ صحیح ہے اور اس کی متابعت بھی سالم ہے اس لئے امام ترمذیؒ نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّخْصَةِ فِي أَكْلِ الثَّمَرَةِ لِلْمَارِّ بِهَا

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي الشَّوَارِبِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

محمد بن عبدالملک بن ابی شوارب، یحییٰ بن سلیم، عبیداللہ بن عمر، نافع، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ حَائِطًا فَلْيَأْكُلْ وَلَا يَتَّخِذْ خُبْنَةً قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَعَبَّادِ بْنِ شُرَحْبِيلَ وَرَافِعِ بْنِ عَمْرٍو وَعُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ يَحْيَى بْنِ سُلَيْمٍ وَقَدْ رَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لِابْنِ السَّبِيلِ فِي أَكْلِ الثِّمَارِ وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ إِلَّا بِالثَّمَنِ

وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی باغ میں داخل ہو تو وہ اس سے کھا سکتا ہے لیکن کپڑے وغیرہ میں جمع کر کے نہ لے جائے ۔اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمرو، عباد بن شرحبیل ، رافع بن عمرو، ابوالحم کے مولیٰ عمیر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث غریب ہے ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں بعض علماء اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن بعض علماء نے قیمت ادا کئے بغیر پھل کھانے کو مکروہ کہا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ فَقَالَ مَنْ أَصَابَ مِنْهُ مِنْ ذِي حَاجَةٍ غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

قتیبہ، لیث ،ابن عجلان ، حضرت عمر بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درختوں پر لگی ہوئی کھجوروں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی ضرورت مند جمع کئے بغیر کھالے تو کوئی حرج نہیں یہ حدیث حسن ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى عَنْ صَالِحِ بْنِ أَبِي جُبَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَافِعِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَرْمِي نَخْلَ الْأَنْصَارِ فَأَخَذُونِي فَذَهَبُوا بِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَافِعُ لِمَ تَرْمِي نَخْلَهُمْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْجُوعُ قَالَ لَا تَرْمِ وَكُلْ مَا وَقَعَ أَشْبَعَكَ اللّٰهُ وَأَرْوَاكَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ

ابوعمار حسین بن حریث خزاعی، فضل بن موسیٰ، صالح بن ابی جبیر سے وہ اپنے والد سے وہ حضرت رافع بن عمرو سے روایت ہے کہ میں انصار کے کھجوروں کے درختوں پر پتھر مار رہا تھا کہ وہ مجھے پکڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے آپؐ نے فرمایا رافع کیوں ان کے کھجور کے درختوں کو پتھر مار رہے تھے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھوک کی وجہ سے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پتھر نہ مارو جو گری ہوئی ہوں وہ کھالیا کرو۔اللہ تعالیٰ تمہیں شکم سیر کرے اور آسودہ کرے یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص پھلدار باغ کے پاس سے گزرے تو کیا وہ اس کے پھل کھا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے ① قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر حالت اضطرار ہو تو بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے لیکن بعد میں اس کا تاوان ادا کر دے۔ ② اس کے لئے دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر ہے اگر باغ میں داخل ہونے والے کے لئے مالکوں کی طرف سے اجازت ہو برابر ہے وہ اجازت صریح ہو یا حکماً ہو تو استعمال کر سکتا ہے ورنہ نہیں اور عرف بھی مختلف ہوتے ہیں۔ایک عرف یہ ہے کہ پھل توڑ کر بھی کھا سکتا ہے اور ایک عرف یہ ہے

کہ نیچے گرے ہوئے تو اٹھا کر کھا سکتا ہے لیکن توڑ کر نہیں کھا سکتا۔لہٰذا یہ حدیث حالت اضطرار پر محمول ہے یا عرف پر محمول ہے۔

سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ: ① وہ پھل جو ابھی تک درختوں پر لگا ہوا ہو ابھی اس کو اتارا نہ ہو۔

② عربوں میں یہ عادت تھی کہ خوشوں کو توڑ کر کسی رسی کے ساتھ باندھ کر لٹکا دیتے تھے تو ضرورت کے ماسوا اس کو کوئی استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

فَلَا شَيْءَ: اگر پھل کھانے والا شخص ذی حاجت اور حالت اضطراری میں ہے تو بعد میں اس کا تاوان ادا کر دے باقی ''فلا شیء'' کا تعلق اخروی مؤاخذہ سے ہے کہ آخرت میں اس سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔اور اگر عرف کا لحاظ کیا جائے تو اس صورت میں ''لا شیء'' کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو تاوان ہے اور نہ اخروی مؤاخذہ ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں انصار کے کھجور کے درختوں پر پتھر پھینکتا تھا، انصار نے مجھے پکڑ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان ہے کہ کسی کام کا فیصلہ خود نہیں کرتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرواتے تھے۔انصار کے لوگوں نے یہ بتایا کہ یہ لڑکا ہماری کھجوروں پر پتھر پھینکتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رافع تم ان کے درختوں پر پتھر کیوں پھینکتے ہو تو جواب دیا یارسول اللہ بھوک کی وجہ سے تو آپ نے فرمایا کہ پتھر نہ پھینکو جو از خود گر جائے اس کو کھا لیا کرو۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الثُّنْيَا

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ أَيُّوبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ قَالَ أَخْبَرَنِي سُفْيَانُ بْنُ حُسَيْنٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالثُّنْيَا إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ يُونُسَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ

زیاد بن ایوب بغدادی، عباد بن عوام، سفیان بن حسین، یونس بن عبید، عطاء، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور غیر معلوم چیز کے استثناء سے منع فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے یعنی یونس بن عبید، عطاء سے اور وہ جابر سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: ثُنیا دُنیا کے وزن پر ہے۔استثناء کے معنی میں ہے یعنی کسی چیز کو فروخت کرتے وقت اس میں کسی چیز کا استثناء کرنا۔اصول یہ ہے کہ اگر شیء معلوم کا استثناء ہو تو یہ جائز ہے اور اگر شیء مجہول کا استثناء ہو تو جائز نہیں۔مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ باغ تمہیں فروخت کر رہا ہوں سوائے چند درختوں کے تو یہ استثناء درست نہیں کیونکہ وہ درخت مجہول ہیں۔ جہالت کی وجہ سے بائع اور مشتری میں نزاع ہو جائے گا اس لئے یہ استثناء جائز نہیں۔اور اگر باغ فروخت کیا اور ان میں سے ایک معین درخت کا استثناء کر لیا تو یہ درست ہے۔حدیث میں چند قسموں کو بیان کر رہے ہیں۔

محاقلہ: کھڑی ہوئی کھیتی کو اسی جنس کے بدلے میں نکلے ہوئے غلہ کے بدلے میں بیچے یا آسان الفاظ میں گندم کے سٹوں کی بیع گندم سے نکلے ہوئے دانوں کے بدلہ میں بیچنا یہ بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں ربوا کا احتمال ہے۔

مخابرۃ: مزارعہ کے معنی میں ہے مخابرۃ کہتے ہیں کسی کو زراعت (کھیتی باڑی) کرنے کے لئے زمین دینا اور یہ شرط لگانا کہ پیداوار کا ثلث یا ربع میرا ہوگا۔ ان میں فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں بیج عامل کا ہوتا ہے اور مزارعت میں مالک کا ہوتا ہے۔

باب ما جاء في كراهية بيع الطعام حتى يستوفيه

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ طَاؤسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَأَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ مِثْلَهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا بَيْعَ الطَّعَامِ حَتَّى يَقْبِضَهُ الْمُشْتَرِي وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيمَنِ ابْتَاعَ شَيْئًا مِمَّا لَا يُكَالُ وَلَا يُوزَنُ مِمَّا لَا يُؤْكَلُ وَلَا يُشْرَبُ أَنْ يَبِيعَهُ قَبْلَ أَنْ يَسْتَوْفِيَهُ وَإِنَّمَا التَّشْدِيدُ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الطَّعَامِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے وہ اسے قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے۔ اس باب میں حضرت جابر، ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابن عباس کی یہ حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں۔ بعض اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ جو چیزیں تولی یا وزن نہیں کی جاتیں اور نہ ہی کھانے پینے میں استعمال ہوتی ہیں ان کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے۔ اہل علم کے نزدیک صرف غلے میں سختی ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا یہی قول ہے۔

تشریح: قولہ کانوا یبتاعون: مسئلہ: مبیع میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے یا ناجائز۔

یہ اختلاف طعام کے علاوہ کے بارے میں ہے کیونکہ اگر مبیع غلہ اور طعام ہے تو قبل القبض اسکا فروخت کرنا جائز نہیں اگر اسکے علاوہ ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک طعام کے علاوہ چیزوں میں قبضہ کرنے سے پہلے بیع جائز ہے۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام سفیان ثوریؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک جس طرح طعام وغلہ کا قبل القبض بیچنا جائز نہیں اسی طرح کسی بھی چیز کو قبضہ کرنے سے پہلے بیچنا ناجائز ہے اگرچہ زمین ہی کیوں نہ ہو۔

قول ثالث: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار اور غیر منقولی چیز میں تصرف قبل القبض جائز ہے اور بقیہ چیزوں میں جائز نہیں ہے۔

امام شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ کی دلیل اوّل: حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ”قال قلت یا رسول اللہ انی رجل ابتاع ہذا البیوع وابیعہا فما یحل لی منہا وما یحرم قال لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ“۔

دلیل ثانی: حضرت حکیم بن حزامؓ کی روایت ہے ”قال نہانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ابیع مالیس عندی رواہ الترمذی وفی روایۃ لہ ولابی داؤد والنسائی قال قلت یا رسول اللہ یاتینی الرجل فیرید منی البیع ولیس

عندی فابتاع له من السوق قال لا تبع ما لیس عندك"۔

جواب: یہ حدیث سنداً مضطرب ہے پھر اس میں ایک راوی ابن عصمہ ضعیف اور مجہول ہے نیز اس میں اشیاء سے اشیاء منقولی مراد ہیں۔ یہی وضاحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں احادیث میں مختلف الفاظ آئے ہیں بعض میں "یستوفیه" بعض میں "ینقله" اور کسی میں "یکیله" تو اس میں قبضہ کی مختلف قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ امام شافعیؒ نے صرف ایک پر عمل کیا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ نے ان تینوں پر عمل کیا گیا ہے۔

امام مالکؒ کی دلیل: یہ یہی حدیث الباب ہے کہ انہوں نے اس حکم کو صرف غلہ وطعام میں منحصر کیا ہے۔

جواب: وہاں طعام کی قید اتفاقی ہے اور وہ حکم معلل بالعلۃ ہے اور وہ علت غرر انفساخ ہے جو منقولی اشیاء میں پائی جاتی ہے اور غیر منقولی میں نہیں پائی جاتی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: اس ممانعت کی علت بائع کے پاس مبیع ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے اس میں غرر انفساخ ہے۔ اور دھوکہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور یہ احتمال اشیاء منقولہ میں ہوتا ہے اس لئے ان میں قبل القبض بیع جائز ہوگی اور غیر منقولہ اشیاء میں جائز ہوگی کیونکہ ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ بہت کم ہوتا ہے۔

بہر حال اس مسئلے کی عموماً چار صورتیں بنتی ہیں۔

(۱) کوئی چیز کیلاً خریدی اور کیلاً فروخت کی تو مشتری کیلئے اعادہ کیل ضروری ہے۔

(۲) مجازفۃً خریدی اور مجازفۃً فروخت کی تو کسی پر بھی کیل ضروری نہیں نہ مشتری اول پر نہ ثانی پر۔

(۳) کیلاً خریدی اور مجازفۃً فروخت کی تو اب مشتری اول پر کیل ضروری ہے اور ثانی مشتری پر ضروری نہیں۔

(۴) مجازفۃً خریدی اور کیلاً فروخت کی تو اب مشتری اول پر کیل ضروری نہیں ہے اور ثانی مشتری پر ضروری ہے۔

مبیع کا اعادہ وزن اور کیل کب ضروری ہے:

مسئلہ: موزونی چیز اگر وزن کے اعتبار سے یا مکیلی چیز کیل کے اعتبار سے خریدی تو اس میں خریدنے کے وقت یعنی بائع کے کیل یا وزن کرنے کے وقت مشتری موجود ہو تو اس پر استعمال سے قبل اعادہ وزن یا اعادہ کیل ضروری نہیں اس کے موجود ہونے کی وجہ سے بلکہ وہی کیل اور وزن کافی ہے۔ ہاں اگر مشتری وہاں موجود نہ ہو تو عام بیع میں مشتری پر اعادہ وزن یا اعادہ کیل کے بغیر اس میں تصرف جائز نہیں ہے اگر بیع تعاطی ہو تو پھر مشتری کے لیے تصرف جائز ہے۔ اعادہ وزن یا کیل ضروری نہیں۔

مسئلہ: پیک شدہ چیز میں اعادہ وزن کا حکم: جو چیز بند ڈبوں میں پیک ہوتی ہے یا بوری میں بند ہوتی ہے ان کو اگر وزن کی بنیاد پر خریدا جائے تو اس کے وہی احکام ہیں جو پہلے مسئلے میں آئے ہیں اور اگر وزن کی بنیاد پر نہ خریدا جائے بلکہ ڈبہ اور بوری کی حیثیت سے خریدا جائے تو اعادہ وزن اور کیل ضروری نہیں کیونکہ اب یہ مجازفۃً بیع کے حکم میں آجاتی ہے۔

ڈبہ سمیت مٹھائی کے وزن کا حکم: مسئلہ: مٹھائی والے کا ڈبہ سمیت وزن کے اعتبار سے مٹھائی فروخت کرنا بغیر بتلائے جائز نہیں اگر دکاندار قیمت ایک کلو مٹھائی کی لیتا ہے تو پھر وزن میں ڈبہ کو شامل نہ کرے مٹھائی پوری دے اور ڈبہ کے پیسے علیحدہ لے لے اگر دکاندار

ڈبہ سمیت مٹھائی دیتا ہے تو وضاحت کرے کہ ڈبہ سمیت مٹھائی اتنے روپے فی کلو ہے۔ نیز تحریری اطلاع بھی کافی ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا يَخْطُبْ بَعْضُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ بَعْضٍ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَسَمُرَةَ حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَسُومُ الرَّجُلُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ وَمَعْنَى الْبَيْعِ فِي هَذَا الْحَدِيثِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ هُوَ السَّوْمُ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص دوسرے کی فروخت کی ہوئی چیز پر وہی چیز اس سے کم قیمت میں نہ بیچے اور کسی عورت کے کسی کے ساتھ نکاح پر راضی ہونے کے بعد کوئی اسے نکاح کا پیغام نہ بھیجے۔ اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور سمرہ رضی اللہ عنہما سے بھی روایات منقول ہیں حدیث ابن عمرؓ حسن صحیح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کوئی شخص اپنے بھائی کی لگائی ہوئی قیمت (بھاؤ) پر قیمت نہ لگائے بعض اہل علم کے نزدیک اس حدیث میں بیع سے قیمت لگانا مراد ہے۔

تشریح: **لَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ**: اس کا تعلق نہی کے ساتھ بھی ہے اور نفی کے ساتھ بھی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے بھاؤ پر بھاؤ نہ لگائے مثلاً زید اور عمرو کے درمیان معاملہ طے ہو رہا ہو تو اب اس میں تیسرے شخص کو دخیل نہیں ہونا چاہیے لیکن یہ صورت اس وقت ہے جب جانبین میں معاملہ طے ہو جائے یعنی مشتری لینے پر اور بائع دینے پر راضی ہو جائے اس کو ''سوم علی سوم اخیہ'' بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن بیع مزایدہ میں جو تیسرا شخص دخل اندازی کرتا ہے وہ اس نہی میں داخل نہیں کیونکہ وہاں ایک تو جانبین سے میلان نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ بیع مزایدہ میں ثمن کی زیادتی مقصود ہوتی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں بیع سے مراد بیع حقیقی ہے اس کی صورت یہ ہے کہ بیع بشرط الخیار میں جب من لہ الخیار بائع ہو اب مدت خیار میں اس کے پاس تیسرا آدمی آتا ہے کہ آپ نے اپنے لئے مدت خیار رکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس سے فائدہ اٹھا کر مجھے اس سے زائد میں بیچ دو تو نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا تو یہ ایک مستقل حدیث ہے اور ''لا یسوم احدکم'' یہ الگ حدیث ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ امام ترمذیؒ امام نوویؒ سے فائق ہیں اور یہی مطلب امام طحاوی نے بھی بیان کیا ہے۔

اور آگے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے رکھا ہے تو دوسرے کو دخیل نہیں بننا چاہیے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب جانبین سے میلان ہو جائے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ الْخَمْرِ وَالنَّهْيِ عَنْ ذَلِكَ

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ لَيْثًا يُحَدِّثُ عَنْ يَحْيَى

حمید بن مسعدہ، معتمر بن سلیمان، یحییٰ بن عباد، انس، حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ان

بْنِ عَبَّادٍ عَنْ أَنَسٍ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنِّي اشْتَرَيْتُ خَمْرًا لِأَيْتَامٍ فِي حِجْرِي قَالَ أَهْرِقِ الْخَمْرَ وَاكْسِرِ الدِّنَانَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَعَائِشَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ حَدِيثُ أَبِي طَلْحَةَ رَوَى الثَّوْرِيُّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَا طَلْحَةَ كَانَ عِنْدَهُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ اللَّيْثِ . حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ السُّدِّيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُتَّخَذُ الْخَمْرُ خَلًّا قَالَ لَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ . حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُنِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ عَنْ شَبِيبِ بْنِ بِشْرٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ عَشَرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةُ إِلَيْهِ وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَالْمُشْتَرِي لَهَا وَالْمُشْتَرَاةُ لَهُ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ وَقَدْ رُوِيَ نَحْوُ هٰذَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری کفالت میں ہیں آپؐ نے فرمایا شراب بہا دو اور برتن کو توڑ ڈالو۔ اس باب میں حضرت جابر، عائشہ، ابوسعید، ابن مسعود، ابن عمر اور انس رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی احادیث منقول ہیں۔ حضرت ابوطلحہؓ کی حدیث ثوری، سدی سے وہ یحیی بن عباد سے اور وہ انسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انسؓ ابوطلحہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں یہ حدیث لیث کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا شراب سے سرکہ بنالیا جائے آپ نے فرمایا نہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (1) شراب نچوڑنے والے پر (2) شراب نچڑ نے والے پر (3) پینے والے پر (4) پلانے والے (5) لے جانے والے پر (6) جس کی طرف لے جائی جارہی ہے (7) فروخت کرنے والے پر (8) شراب کی قیمت کھانے والے پر (9) خریدنے والے پر (10) جس کے لئے خریدی گئی ہو۔ یہ حدیث انس کی روایت سے غریب ہے حضرت ابن مسعود، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی اس کے مثل منقول ہے یہ حضرات نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: خمر کی بیع بالاجماع باطل ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک شراب مال متقوم ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر شراب ثمن بن سکتی ہو تو اس صورت میں بیع فاسد ہوگی۔ مثال کے طور پر ایک طرف بکری ہے اور دوسری طرف ثمن (شراب) ہے تو یہاں چونکہ ہر ایک چیز ثمن بھی بن سکتی ہے اور مبیع بھی اس لئے یہاں بیع فاسد ہے۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی بیع درست نہیں یعنی ایک طرف مبیع شراب ہو اور دوسری جانب پیسے ہوں تو اس صورت میں شراب کا مبیع ہونا متعین ہے اور شراب مسلمانوں کے حق میں مال نہیں اس لئے یہ بیع باطل ہے۔

حدیث میں ہے کہ شراب کو بہادو اور جن مٹکوں میں شراب ہے ان کو توڑ دو اس سے تو معلوم ہوا کہ سرکہ بنانا جائز نہیں اس بارے

میں کچھ مسئلہ ماقبل میں گزر چکا ہے یہاں خلاصہ کے طور پر دیکھ لیں کہ کیا اس کو سرکہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز ہے۔ **قول ثانی:** امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک شراب کو سرکہ بنانا جائز نہیں۔

قول ثالث: امام شافعیؒ کے نزدیک اگر شراب میں کوئی چیز ڈال کر اس کو سرکہ بنایا تو نا جائز اور ناپاک ہے لیکن اگر کوئی چیز ڈالے بغیر وہ ازخود سرکہ بن گئی تو وہ پاک اور حلال ہے۔

قول رابع: امام مالکؒ کے تین قول ہیں۔ ان میں سے راجح قول یہی ہے کہ شراب کو سرکہ بنانا تو جائز نہیں لیکن اگر خود بخود شراب سرکہ بن جائے تو اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ الحاصل امام احمدؒ کے علاوہ تینوں ائمہ سرکہ بنانے کے جواز کے قائل ہیں۔

حدیث باب امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل ہے باقی اس میں جو ممانعت آئی ہے اس کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ حکم ابتداءً تھا اس پر قرینہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مٹکوں کو توڑنے کا حکم دیا اس بات پر تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ مٹکے توڑنا کوئی ضروری نہیں۔ لہٰذا جب برتنوں کو توڑنے کی نہی باقی نہ رہی تو سرکہ کی نہی بھی باقی نہیں رہی۔

حدیث ابی طلحہ: یحییٰ بن عباد کے دو شاگرد ہیں لیث اور سدی دونوں کی روایت میں فرق ہے کہ لیث اس کو مسندات ابی طلحہؓ میں سے قرار دے رہے ہیں اور سدی اس کو مسندات انسؓ سے قرار دے رہے ہیں حضرت انسؓ ابوطلحہ کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ امام ترمذیؒ سدی کے حق میں فیصلہ دے رہے ہیں اس لئے کہ سدی کے متابع موجود ہیں۔

باب مَا جَاءَ فِي احْتِلَابِ الْمَوَاشِي بِغَيْرِ إِذْنِ الْأَرْبَابِ

حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ عَلَى مَاشِيَةٍ فَإِنْ كَانَ فِيهَا صَاحِبُهَا فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ أَذِنَ لَهُ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهَا أَحَدٌ فَلْيُصَوِّتْ ثَلَاثًا فَإِنْ أَجَابَهُ أَحَدٌ فَلْيَسْتَأْذِنْهُ فَإِنْ لَمْ يُجِبْهُ أَحَدٌ فَلْيَحْتَلِبْ وَلْيَشْرَبْ وَلَا يَحْمِلْ وَفِي الْبَاب عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي سَعِيدٍ حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَبِهِ يَقُولُ أَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ سَمَاعُ الْحَسَنِ مِنْ سَمُرَةَ صَحِيحٌ وَقَدْ تَكَلَّمَ

ابوسلمہ یحییٰ بن خلف، عبدالاعلیٰ، سعید، قتادہ، حسن، حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی مویشیوں پر گزرے تو اگر ان کا مالک موجود ہو اور وہ اجازت بھی دیدے تو اس کا دودھ نکال کر پی لے اور اگر وہاں کوئی نہ ہو تو تین مرتبہ آواز دے اگر جواب آئے تو اس سے اجازت لے اگر جواب نہ دے تو دودھ نکال کر پی لے لیکن ساتھ نہ لے جائے۔

اس باب میں حضرت ابن عمر اور ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے حدیث سمرہؓ حسن غریب صحیح ہے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ حسنؒ کا سمرہؓ سے سماع صحیح

بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ وَقَالُوا إِنَّمَا يُحَدِّثُ عَنْ صَحِيفَةِ سَمُرَةَ .

ہے بعض محدثین نے سمرہؓ سے حسنؒ کی روایت میں کلام کیا ہے اور فرمایا کہ وہ سمرہ کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں۔

تشریح: مسئلہ: مالکوں کی اجازت کے بغیر دودھ والے جانوروں کا دودھ نکال کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے کہ جائز نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه او کما قال علیه الصلوٰة والسلام'' حدیث الباب میں ہے کہ وہ شخص تین بار آواز لگائے اگر اس کے زور سے آواز لگانے سے مالک آجائے تو اس سے اجازت لے لے پھر اس جانور کا دودھ نکال کر پی لے لیکن وہ برتن میں ڈال کر لے نہیں جاسکتا اور اگر مالک نہ آئے تو اس جانور کا اتنا ہی دودھ نکالے جو اس کی بھوک کو ختم کردے۔ ایسا کرنا عرف پر محمول ہے یا حالت اضطرار پر محمول ہے اگر عرف کا اعتبار ہے تو پھر تاوان نہیں بھرے گا اور اگر حالت اضطرار ہے تو پھر تاوان واجب ہے۔

حَدِيثُ سَمُرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ: حسن بصریؒ کا سماع بعض کہتے ہیں کہ مطلقاً ثابت نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں مطلقاً ثابت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حدیث عقیقہ میں سماع ثابت ہے اس کے ماسوا میں ثابت نہیں ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ حسن بصریؒ حضرت سمرہؓ سے صحیح ہے اس کی سماع کی تائید کے لئے علی بن مدینیؒ کا قول نقل کیا ہے بعض حضرات کہتے ہیں کہ حسن بصری کے پاس حضرت سمرہ بن جندبؓ کا ایک بیاض تھا وہ اس سے دیکھ کر بیان کرتے تھے۔ اس طرح روایت کرنے کو بطریق وجادہ کہتے ہیں اگر مؤیدات موجود ہوں تو یہ قابل استدلال ہوتے ہیں ورنہ نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي بَيْعِ جُلُودِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ قَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَلِكَ قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْهِمْ الشُّحُومَ فَأَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَبُو عِيسَى

قتیبہ، لیث، یزید بن ابی حبیب، عطاء بن ابی رباح، حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بت فروخت کرنے سے منع کیا ہے پس آپؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! مردار کی چربی کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو ملا جاتا ہے اور چمڑوں پر بطور تیل استعمال کی جاتی ہیں اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ بھی حرام ہے پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا یہودیوں پر لعنت ہو۔ اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھالی۔ اس باب میں حضرت عمر اور ابن

حَدِیْثُ جَابِرٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔

تشریح: عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ: فتح مکہ کے موقع پر اعلان کیا اس میں دو احتمال ہیں ایک احتمال یہ ہے کہ حرمت ہی اس موقع پر ہوئی اور یہ بھی احتمال ہے کہ حرمت پہلے ہوئی تھی لیکن پھر اعلان کر دیا تاکہ سب کو اس کا علم ہو جائے۔

حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ وَالْمَیْتَةِ وَالْخِنْزِیْرِ وَالْأَصْنَامِ: الْخَمْرِ جس طرح خمر کا پینا حرام ہے اسی طرح خمر کی بیع بھی حرام ہے۔ **سوال:** مسلم شریف کی حدیث ابن عباس ہے **قال بلغ عمر انّ سمرة باع خمرا فقال قاتل الله سمرة الم یعلم ان رسول الله ﷺ قال لعن الله الیهود**"۔ (مسلم ج۲ ص۲۲) اور حضرت عمرؓ نے تنقید فرمائی ہے سوال یہ ہے کہ حضرت سمرۃ نے خمر کی بیع کیوں کی ہے۔ **جواب:** محدثین حضرات نے اس کی چند وجوہ بیان کی ہیں۔

وجہ اول: حضرت سمرۃؓ نے خمر جزیہ کی قیمت میں لی تھی تو اس خمر کو انہوں نے جائز سمجھ کر فروخت کر دیا جو انکا اپنا اجتہاد تھا۔ حضرت عمرؓ نے تنقید فرمائی کہ اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔

وجہ نمبر (۲): اصل میں انہوں نے خمر بنانے والے کے پاس عصیر عنب بیچا تھا تو اس پر مجازاً خمر کا اطلاق کر دیا گیا، حضرت سمرہ نے اس کو جائز سمجھا تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا۔

وجہ نمبر (۳): اصل میں انہوں نے سرکہ بنا کر بیچا تھا اور خمر کا سرکہ بنانا جائز ہے کما ھو مذہب الاحناف لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے انکار کیا اور اس کو جائز نہیں سمجھا کما ھو مذہب الشوافع

وجہ نمبر (۴): حضرت سمرۃؓ کو شرب خمر کی حرمت کا علم تھا لیکن بیع کی حرمت کا علم نہیں تھا اسی لئے حضرت عمرؓ نے حضرت سمرہ کو معذور سمجھ کر سزا نہیں دی ورنہ سزا دیتے۔

الْمَیْتَةِ: مسئلہ: مردار کا مصداق اور اس کی بیع کا حکم: مردار کی بیع حرام ہے مردار سے مراد وہ جانور ہے جو طبعی موت مر جائے۔ بکرا، بھینسا وغیرہ طبعی موت مر جائیں تو انکو بیچنا حرام ہے۔ البتہ مردار جانوروں کا چمڑا اتار کر دباغت دے کر فروخت کرنا جائز ہے۔ بغیر دباغت فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ مردار میں مردہ انسان بھی داخل ہے اس کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔

نیز جس طرح مردار کی بیع حرام ہے اسی طرح مردار کے وہ اجزاء جن میں حیات نہیں ہوتی مثلاً سینگ، بال، کھر وغیرہ ان کی بیع میں اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک انکی بیع جائز نہیں۔ دلیل حدیث الباب ہے کہ میتۃ کے عموم میں یہ اجزاء بھی داخل ہیں

احناف اور مالکیہ کے نزدیک مردار کے ان اجزاء کی بیع جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ہاتھی کے دانت کی ایک کنگھی تھی اس سے معلوم ہوا کہ جب اس کا استعمال جائز ہے تو اسکی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ" انما حرّم رسول الله ﷺ من المیتة لحمها فاما الجلد والشعر والصوف فلاباس به" (تکملہ فتح الملہم ج۱ ص۵۵۰) تو معلوم ہوا کہ مردار کے اجزاء کی بیع جائز ہے۔

مسئلہ: مردار کی کھال کا حکم: اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

پہلاقول: امام مالکؒ کے نزدیک غیر ماکول اللحم جانور کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا۔

دوسرا قول: امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور جمہور فقہاء کے نزدیک مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے سوائے خنزیر اور انسان کے۔ خنزیر کی کھال نجس العین ہونیکی وجہ سے اور انسان کی کھال شرافت کی وجہ سے امام شافعیؒ نے کتے کا بھی استثناء کیا ہے کہ کتے کی کھال بھی دباغت پاک نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی نجس العین ہے۔

ہر ایک کے دلائل: امام مالک کی دلیل اوّل: حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہمارے پاس آپ ﷺ کا مکتوب گرامی پہنچا اس میں تھا '' **ان لا تنتفعوا من المیتة باھاب ولا عصب** '' کہ اس کی کھال اور پٹھوں سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔

دلیل ثانی: اسی طرح حضرت عبدالرحمن بن ابی یعلی کی روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا '' **انی کنت رخصت لکم فی اھاب المیتة وعصبھا فلا تنتفعوا باھاب ولا عصب** '' کہ مردار کے پٹھے اور کھال سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔

جواب اوّل: یہ حدیث مضطرب ہے اس وجہ سے اس سے استدلال درست نہیں۔

جواب ثانی: مذکورہ دونوں احادیث ان صحیح احادیث کے معارض ہیں جو کثرت طرق سے منقول ہیں اس لئے یہ قابل استدلال نہیں۔

جواب ثالث: ایسا اھاب جس سے نہی آئی ہے وہ غیر مدبوغ چمڑے پر محمول ہے جبکہ یہاں بحث اس چمڑے کے بارے میں ہے جس کو دباغت دی گئی ہو۔

جواب رابع: احادیث تحریم کتابت سے منقول ہیں اور احادیث اباحت سماع سے منقول ہیں لہٰذا احادیث سماع اولیٰ اور راجح ہونگی۔ باقی حدیث میں آیا ہے کہ '' **فقال انما حرّم اکلھا** '' حالانکہ کھال کو کوئی نہیں کھاتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض علاقے ایسے ہیں جہاں کھال کھاتے ہیں اس طرح کہ بکرا ذبح کر کے چمڑا نہیں اتارتے بلکہ اندر سے گو دا وغیرہ نکال کر اس میں مصالحہ جات ڈال کر سی (بند کر) لیتے ہیں پھر اس کو انگاروں میں دبا دیتے ہیں تو وہ خوب پک جاتا ہے۔ وہ لذیذ بھی ہوتا ہے۔ تو لوگ بھونے ہوئے بکرے کو چمڑے کے ساتھ کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ جیسے گلگت چترال کے لوگ وغیرہ۔

جمہور حضرات کے دلائل: دلیل اوّل: یہی حدیث الباب '' **اذا دبغ الاھاب فقد طھر** '' (مشکوٰۃ شریف)

دلیل ثانی: '' **ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم** ''۔

دلیل ثالث: '' **وعن عائشة** رضی اللہ عنہا **انه علیه السلام امران یستمتع بجلود المیتة اذا دبغت** '' (ابوداؤد)۔

اَلْخِنْزِیرِ: خنزیر کی بیع کا حکم: خنزیر اور اس کے تمام اجزاء کی بیع جائز نہیں ہے العین ہونے کی وجہ سے بعض حضرات نے خنزیر کے بالوں کی بیع کو ضرورۃ جائز قرار دیا ہے لیکن محققین نے عدم جواز کا قول کیا ہے '' **لانھا توجد مباحة الاصل فلا ضرورة الی البیع** '' (ہدایہ ج ۳ ص ۵۷)

وَالْأَصْنَامِ: بتوں کی بیع میں دو حیثیتیں ہیں صنم کی بیع صنم ہونے کی حیثیت سے تاکہ گھر میں رکھ دیئے جائیں صبح وشام ان کی پوجا کی جائے تو بالاجماع ان کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اگر بت خریدنے سے یہ نیت ہو کہ یہ سونے کا ہے ہم اس کو توڑ پھوڑ کر اس سے زیورات بنائیں گے تو اس صورت میں جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کی شکل، صورت بدل دی جائے تاکہ دیکھنے والے کو یہ وہم نہ ہو کہ وہ پوجنے کے لئے لے جا رہا ہے۔

بتوں کی بیع کا حکم: مسئلہ نمبر (۴) بتوں کی بیع من حیث البت حرام ہے اگر بت کو توڑ دیا جائے تو اس کے ملبہ کی بیع جائز ہے۔ یہ تفصیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے الکوکب الدری میں اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے تکملہ فتح الملہم میں بیان فرمائی ہے۔

قَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ: قوله فقال لا هو حرام: ھو ضمیر کا مرجع کیا ہے اس میں دو قول ہیں: (۱): شوافع کا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع بیع المیتۃ ہے۔ (۲): جمہور کا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع دونوں چیزیں ہیں یعنی اشیاء مذکورہ سے انتفاع بھی جائز نہیں ہے اور ان کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں ھن حرام تو اس میں یہ ساری چیزیں حرام ہیں۔

أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ: مردار کی چربی، جانور کی چربی یہود پر حرام کردی گئی تھی اور جو چربی گوشت کے ساتھ لگی ہوئی تھی وہ حرام نہیں کی گئی تھی یہود حرام چربی کو پگھلا کر فروخت کرتے تھے اور کہتے تھے ہم چربی نہیں کھاتے وہ ہمارے لئے حرام ہے بلکہ ہم اس کی قیمت کھاتے ہیں اور قیمت ہم پر حرام نہیں۔ جیسا کہ یہود مچھلی کے شکار کے متعلق یہ حیلہ کرتے تھے کہ ہفتہ کے دن چونکہ مچھلی پکڑنے سے منع کیا گیا تھا اور اسی دن مچھلیاں خوب آتی تھیں تو انہوں نے دریا سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی ہوتی تھیں اور ان کے آگے حوض بنائے ہوتے تھے ہفتہ کے دن نہر کا رخ حوض کی طرف کردیتے جب حوض میں مچھلیاں جمع ہوجاتیں تو حوض کا منہ بند کردیتے پھر اتوار کے دن وہ مچھلیاں پکڑتے اور کہتے کہ ہم نے ہفتہ کو شکار نہیں کیا بلکہ اتوار کو شکار کیا ان کے نزدیک یہ حلال کو حرام کرنے کا حیلہ بہانہ تھا۔ اسی طرح مردار کی چربی بھی حرام ہے کیونکہ جب مردہ جانور حرام ہے تو مردہ جانور کی چربی بھی حرام ہے۔

خلاصۂ کلام کا یہ ہوا کہ کسی حرام کو حلال کرنے کا حیلہ بنایا جائے تو اس سے وہ حرام چیز حلال نہیں ہوسکتی۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے یہود پر چربی کو حرام قرار دیا، انہوں نے اس کو بیچ کر اس کے ثمن کھائے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعید بیان فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حیلہ جائز نہیں ہے جبکہ آپ احناف بھی بعض مقامات پر حیلہ کرتے ہیں۔

جواب: حیلے کے حکم میں تفصیل ہے اگر ایسا حیلہ کیا جائے جس سے شریعت کا حکم فوت ہو تو ایسا حیلہ ممنوع ہے اور اگر حیلہ کیا جائے حرام سے بچنے کے لیے یا حلال تک پہنچنے کے لیے تو ایسا حیلہ جائز اور محمود ہے جو حیلہ جائز اور محمود ہے اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حیلہ سکھایا ہے حضرت ایوبؑ کو فرمایا "وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث" (سورۃ ص: ۴۴) تو یہاں بھی حیلہ بتلایا گیا ہے۔

(۲): جب عامل خیبر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تمر جنیب لیکر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اکل تمر خیبر ھکذا" اس نے کہا نہیں۔ بلکہ ہم نے گھٹیا کھجور کے دو صاع دے کر عمدہ کھجور کا ایک صاع لیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع کیا اور اسکا متبادل حیلے کے ذریعے بیان فرمایا کی اپنی گھٹیا کھجوریں اس کو فروخت کردو پھر اس کے ثمن کے بدلے میں عمدہ کھجوریں لے لو۔ یہ طریقہ حیلہ ہی ہے جس کی وجہ سے حرام سے چھٹکارا مل گیا۔

وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ: اس کے ذریعہ سے لوگ چراغ روشن کرتے ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ الْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ حَدَّثَنَا بِذَلِكَ مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ أَنَّهُ سَمِعَ طَاوُسًا يُحَدِّثُ عَنْ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ يَرْفَعَانِ الْحَدِيثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْحَدِيثِ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا مَنْ وَهَبَ هِبَةً لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي هِبَتِهِ وَمَنْ وَهَبَ هِبَةً لِغَيْرِ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِيهَا مَا لَمْ يُثَبْ مِنْهَا وَهُوَ قَوْلُ الثَّوْرِيِّ و قَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ وَاحْتَجَّ الشَّافِعِيُّ بِحَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يُعْطِيَ عَطِيَّةً فَيَرْجِعَ فِيهَا إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صفات ذمیمہ کا اپنانا ہمارے (مسلمانوں کے) شایان شان نہیں۔ ہبہ کی ہوئی چیز واپس لینے والا ایسے کتے کی طرح ہے جو اپنی قے کو چاٹ لے۔ اس باب میں حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کے لئے جائز نہیں کہ کوئی چیز کسی کو دینے کے بعد واپس لے البتہ والد اپنے بیٹے سے واپس لے سکتا ہے۔ محمد بن بشار، ابن عدی سے وہ حسین معلم سے وہ عمر بن شعیب سے وہ طاؤس سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کرتے ہیں یہ دونوں حضرات اس حدیث کو مرفوع نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ و دیگر علماء کا اسی پر عمل ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز اپنے کسی محرم رشتہ دار کو عطیہ دی تو اسے واپس لینے کا کوئی حق نہیں لیکن اگر غیر محرم رشتہ دار کو دی ہو تو وہ واپس لینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدلے کوئی چیز نہ لے چکا ہو۔ اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ والد کا بیٹے کو دیئے گئے عطیہ کے علاوہ کسی کا کوئی چیز واپس لینا جائز نہیں وہ اپنے قول پر حجت کے طور پر حدیث باب ہی کو پیش کرتے ہیں یعنی حدیث ابن عمر۔

تشریح: مسئلہ: رجوع فی الھبہ جائز ہے یا نہیں ہے۔ اس میں ائمہ کے مختلف اقوال ہیں۔

قول اوّل: ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک رجوع فی الھبہ جائز نہیں ہے۔ نہ قضاء اور نہ ہی دیانۃً۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کی اور پھر واپس لینا چاہتا ہے تو بوقت ضرورت جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں۔

قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجوع فی الھبہ کے متعلق تفصیل ہے اگر اس کے موانع نہ پائے جائیں تو جائز ہے وگرنہ ناجائز ہے اب وہ موانع کون کون سے ہیں فقہاء کرام نے آسانی کے لئے ان کو ان الفاظ میں بند کر دیا ہے ''دمع خزقة'' تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو الفاظ کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ دال سے مراد زیادتی یعنی ہبہ کی ہوئی چیز میں زیادتی کی گئی ہو مثلاً ستو کو گھی کے ساتھ ملا دیا۔

۲۔ میم سے مراد موت ہے یعنی احد المتعاقدین میں سے اگر کوئی ایک مرجائے تو ہبہ واپس نہیں لے سکتا۔

۳۔ عین سے مراد عوض ہے یعنی کسی شخص نے چیز دیتے ہوئے اس کے بدلے میں کوئی چیز واپس لی ہو۔

۴۔ خاء سے مراد خروج ہے یعنی دونوں میں سے کسی کی ملکیت سے نکل جائے۔

۵۔ زاء سے مراد احد الزوجین ہے یعنی واہب اور موہوب دونوں میاں بیوی ہوں تو پھر رجوع نہیں کرے گا۔

۶۔ ق سے مراد قرابت ہے یعنی دونوں قریبی رشتہ دار ہوں تو پھر رجوع نہیں کر سکتا۔

۷۔ ھاء سے مراد ہلاکت ہے کہ شیء مذکورہ ہلاک ہوگئی ہو تو پھر بھی رجوع نہیں کر سکتا۔

ان مذکورہ سات صورتوں میں رجوع نہیں کر سکتا اور ان کے علاوہ میں رجوع کر سکتا ہے۔

ائمہ ثلاثہؒ کی دلیل اوّل: یہی حدیث الباب ہے کہ اس میں ہبہ سے رجوع کرنے والے کے لئے وعید ہے۔

جواب: وہاں نہی تو نہیں ہے بلکہ قباحت بیان کی گئی ہے جس کے قائل احنافؒ بھی ہیں۔

دلیل ثانی: ''لا یرجع الواہب فی ہبتہ الا الوالد لولدہ''۔

جواب: وہاں مطلب یہ ہے کہ بغیر قضاء قاضی ورضاء موہوب لہ خود واہب رجوع میں مستقل نہیں ہو سکتا الا یہ کہ واہب محتاج ہو تو رجوع کر سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کی حدیث ہے ''انه علیه السلام قال الواهب احق بهبته مالم یثب منها''۔ دلیل ثانی: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''اذا كانت الهبة لذی رحم محرم لم یرجع فیها''۔

إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ: والد کا اپنی اولاد کو دی ہوئی چیز کا واپس لینا یہ رجوع ہے ہی نہیں بلکہ ''انت و مالك لابیك'' کی وجہ سے بوقت ضرورت تصرف کر سکتا ہے۔ یہ رجوع صوری ہے حقیقی نہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الْعَرَايَا وَالرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا لیکن عرایا

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ أَذِنَ لِأَهْلِ الْعَرَايَا أَنْ يَبِيعُوهَا بِمِثْلِ خَرْصِهَا وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَجَابِرٍ حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ هٰكَذَا رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحٰقَ هٰذَا الْحَدِيثَ وَرَوٰى أَيُّوبُ وَعُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَمَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَبِهٰذَا الْإِسْنَادِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ.

والوں (محتاج لوگ جنہیں درختوں کے پھل عاریۃً دیئے گئے ہوں) کو اندازہ کے مطابق فروخت کرنے کی اجازت دی۔ اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث منقول ہیں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو محمد بن اسحاق بھی ایسے ہی نقل کرتے ہیں ایوب، عبیداللہ بن عمر اور مالک بن انس نے بواسطہ نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔ اس اسناد سے بواسطہ ابن عمر، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ وسق سے کم میں عرایا کی اجازت دی ہے یہ روایت محمد بن اسحاق کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ حُبَابٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ كَذَا. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ حُصَيْنٍ نَحْوَهُ وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ.

ابوکریب، زید بن، مالک، داؤد بن حصین عن ابی سفیان کی سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل عرایا کو پانچ وسق سے کم پھل اندازے سے بیچنے کی اجازت دی یا اسی طرح فرمایا۔ قتیبہ، مالک، داؤد بن حصین سے اسی کے مثل کی روایت ہے اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرایا پانچ وسق یا اس سے کم مقدار میں بیچنے کی اجازت دی۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْخَصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا وَهٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرایا کو اندازے کے ساتھ بیچنے کی اجازت دی یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل علم، شافعی، احمد، اور اسحاق اسی پر عمل کرتے ہیں۔ ان حضرات کا

صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحٰقُ وَقَالُوا إِنَّ الْعَرَايَا مُسْتَثْنَاةٌ مِنْ جُمْلَةِ نَهْيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَاحْتَجُّوا بِحَدِيثِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَقَالُوا لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ وَمَعْنَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ التَّوْسِعَةَ عَلَيْهِمْ فِي هٰذَا لِأَنَّهُمْ شَكَوْا إِلَيْهِ وَقَالُوا لَا نَجِدُ مَا نَشْتَرِي مِنَ الثَّمَرِ إِلَّا بِالتَّمْرِ فَرَخَّصَ لَهُمْ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَنْ يَشْتَرُوهَا فَيَأْكُلُوهَا رُطَبًا.

کہنا ہے کہ عرایا محاقلہ اور مزابنہ کی بیوع کی ممانعت سے مستثنیٰ ہیں ان کی دلیل حضرت زیدؓ، ابوہریرہؓ کی حدیثیں ہیں۔ امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ عرایا کے لئے پانچ وسق سے کم پھلوں کو بیچنا جائز ہے۔ بعض اہل علم اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ان کے لئے آسانی اور وسعت کے لئے تھا۔ کیونکہ انہوں نے شکایت کی تھی کہ ہم تازہ پھل خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے مگر یہ کہ پرانی کھجوروں سے خریدیں۔ نبی کریمؐ نے انہیں پانچ وسق سے کم خریدنے کی اجازت دیدی تاکہ وہ تازہ پھل کھاسکیں۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ كَثِيرٍ حَدَّثَنَا بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ وَسَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَاهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ إِلَّا لِأَصْحَابِ الْعَرَايَا فَإِنَّهُ قَدْ أَذِنَ لَهُمْ وَعَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ بِالزَّبِيبِ وَعَنْ كُلِّ ثَمَرٍ بِخَرْصِهَا هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

بنو حارثہ کے مولیٰ بشیر بن یسار نقل کرتے ہیں کہ رافع بن خدیج اور سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع مزابنہ یعنی درختوں سے اتری ہوئی کھجور کے عوض درختوں پر لگی ہوئی کھجور خریدنے سے منع فرمایا لیکن اصحاب عرایا کو اس کی اجازت دی اور تازہ انگور کو خشک انگور کے عوض اور تمام پھلوں کو اندازے سے بیچنے سے منع فرمایا یہ حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

تشریح: **عرایا کی پہلی تفسیر:** ایک باغ میں ایک شخص کے کھجوروں کے بہت سارے درخت ہیں اور اس باغ میں دوسرے شخص کے دو تین درخت ہیں عرب میں دستور تھا کہ جب پھل پکتے تھے تو مالک باغ میں مع اہل وعیال کے وہاں مقیم ہوجاتا تھا اور دوسرا شخص (جس کے درخت کم ہوتے تھے) بھی اپنا پھل دیکھنے کے لئے آجاتا جس سے دوسرے شخص کو ایذاء وتکلیف ہوتی تو یہ اس شخص کو کہتا کہ تمہارے ان درختوں پر جو تازہ کھجوریں ہیں ان کے بدلے میں مجھ سے توڑی ہوئی کھجوریں لے لو اور باغ میں مت آیا کرو تو یہ بھی بیع ہوئی تو عرایا اشجار قلیلہ ہوئے اور خمسۃ اوسق کی قید اتفاقی ہے کہ عام طور پر اشجار قلیلہ میں پانچ وسق ہی ہوتے ہیں۔

دوسری تفسیر: یہ امام مالکؒ کے نزدیک دوسری تفسیر ہے کہ کسی باغ میں دو آدمی شریک ہیں ایک شخص کے نوے درخت ہیں اور

دوسرے شخص کے دس درخت ہیں پس زیادہ درخت والا اپنی فیملی کے ساتھ باغ میں آجاتا ہے اور کم درخت والا روزانہ آئے گا اس کی وجہ سے زیادہ درخت والے کی عورتوں کو پریشانی ہوگی۔ پس اگر وہ اندازے کے چھوہاروں کے عوض اپنے شریک کے درختوں کے پھل خرید لے تو یہ جائز ہے اور یہ بیع عریہ ہے اور حقیقۃً بیع مزابنہ

تیسری تفسیر: امام طحاویؒ نے طحاوی شریف میں ذکر کی ہے کہ کسی شخص کے پاس بڑا باغ ہوتا تو اس باغ سے کھجوروں کے ایک یا دو درخت کسی فقیر کو دیدیتا یا بطور ہدیہ وعطیہ کسی کو کھجور دے دیتا اور وہ فقیر جب باغ میں اپنے درختوں کے پاس آتا تو اس امیر کو تکلیف ہوتی اس وجہ سے وہ فقیر کو کہتا کہ ان تر کھجوروں کے بدلے میں مجھ سے توڑی ہوئی کھجوریں لے لو اس تفسیر کے مطابق عریہ عطیہ ہوا جو کہ لغت کے بھی موافق ہے دونوں مسلکوں میں فرق ہے امام مالکؒ کے نزدیک یہ بیع اور معاوضہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہبہ کیلئے قبضہ تام ضروری نہیں ہے اس لئے درخت میں جو پھل ہے اس کا موہوب لہ مالک ہو گیا لہٰذا اس کے بدلے میں جو ٹوٹی ہوئی کھجوریں دی گئی ہیں وہ بیع ہے۔ لیکن امام صاحبؒ کے نزدیک یہ صورت ہبہ وعطیہ کی قبیل سے ہے اور کہتے ہیں کہ یہاں ایک ہبہ کا دوسرے ہبہ کے ساتھ تبادلہ ہو گیا تو یہ استبدال الھبۃ بالھبۃ ہے اگرچہ یہ بیع کی صورت ہے مگر حقیقت میں یہ عطیہ ہے یہاں مزابنہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور حدیث میں مزابنہ سے عرایا کا استثناء منقطع ہے نیز ہبہ میں قبضہ تام ضروری ہے لہٰذا جب تک درخت کے پھل توڑ کر موہوب لہ کے حوالے نہ کر دیئے جائیں وہ مالک نہیں ہوگا بلکہ خود واہب مالک ہوگا لہٰذا اب مالک جو توڑا ہوا پھل دے رہا ہے یہ خود مستقل ہبہ ہے اس کو صورۃً وظاہراً بیع کہہ دیا گیا۔

سوال: اگر یہی حقیقت ہے تو احادیث میں اس پر بیع کا اطلاق کیوں ہوا ہے معلوم ہوا کہ اس کی حقیقۃً بیع ہوئی ہے؟

جواب: چونکہ یہ صورۃً مبادلۃ المال بالمال ہے۔ اس صورتِ مبادلۃ المال بالمال کے پائے جانے کی وجہ سے اس پر بیع کا اطلاق کیا گیا ہے۔

سوال: جب یہی حقیقت ہے تو موہوب شدہ ہبہ کی مقدار کی رعایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے؟

جواب: پہلے موہوب شدہ ہبہ کا اندازہ کرنا یہ موہوب لہ کی تطییب قلبی کے لئے ہوسکتا ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ پہلے والی مقدار زیادہ تھی اب وہ کم دے رہا ہے اس کا دل کہیں اوپر نیچے نہ ہونے لگ جائے۔

سوال: اگر عریہ کی حقیقت ہبہ ہے تو پھر بیع مزابنہ سے اس کا استثناء کیسے صحیح ہے حالانکہ احادیث میں بیع مزابنہ سے اس کا استثناء ہوا ہے اور استثناء میں اصل استثناء متصل ہے؟

جواب: یہ استثناء صورۃً متصل ہے اور حقیقۃً منفصل ہے صورۃً متصل اس لئے ہے کہ صورۃً مبادلۃ المال بالمال پایا جاتا ہے اور حقیقۃً منفصل اس وجہ سے ہے کہ مستثنیٰ منہ بیع ہے اور مستثنیٰ ہبہ ہے اور فصحاء اور بلغاء کے کلام میں جیسے مستثنیٰ متصل پایا جاتا ہے اسی طرح مستثنیٰ منفصل بھی پایا جاتا ہے۔

سوال: اگر اس کی حقیقت ھبہ ہے تو پھر ان الفاظ کا کیا فائدہ ''فیما دون خمسۃ اوسق'' کہ پانچ وسقوں سے کم میں اجازت دی ہے حالانکہ ہبہ تو کم زیادہ میں بھی ہوسکتا ہے۔

جواب: یہ بیان واقع کے لئے ہے کوئی احتراز مقصود نہیں ہے اس لئے کہ عربوں میں عام طور پر اس قسم کے ہبہ میں مقدار پانچ وسق سے کم ہوتی ہے۔

سوال: ابن رشدین نے کہا کہ تم حقیقۃً ہبہ قرار دے کر نہی عن المزابنہ کے ارتکاب سے تو بچ گئے ہو لیکن رجوع فی الھبہ سے بھی تو نہیں

ہے اس کے مرتکب ہو گئے ہو تو تمہیں کیا فائدہ ہوا۔
جواب: احناف پر یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ رجوع فی الھبہ سے نہی اس وقت ہے کہ جب ہبہ تام ہو جائے اور عند الاحناف ہبہ تام ہوتا ہے قبضہ کے بعد اور یہاں قبضہ نہیں ہوا تو ہبہ بھی تام نہیں ہوا جب ہبہ تام نہیں ہوا تو نہی عن الرجوع فی الھبہ کے ارتکاب کا الزام قائم نہیں کیا جا سکتا۔
یہی تفسیر راجح ہے کہ عریہ درحقیقت ھبہ ہے بیع نہیں ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔
اول: لغت میں عریہ کا اصل معنی عطیہ ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں کے پھل کا عطیہ چنانچہ لسان العرب جو لغت کی معتمد علیہ کتاب ہے اس میں ہے کہ "العریۃ النخلۃ یعطی ثمارھا المحتاج"۔
ثانی: لسان العرب میں سوید بن صامت کا شعر نقل کیا گیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عریہ ہبہ ہی کو کہتے ہیں نہ کہ بیع کو۔ کھجور کے درختوں کے بارے میں وہ فرماتے ہیں "لیست بسنخاء ولا رجلیۃ ولکن عرایا فی السنین الجوائح" سخاء کھجور کے وہ درخت جو وقفہ سے پھل دیں اور "رجلیۃ" وہ درخت کہ جن کے اردگرد کانٹوں کی باڑ لگائی جائے تاکہ چور وغیرہ پھل چرا نہ سکیں۔
شعر کا ترجمہ: کہ یہ درخت وقفے سے پھل دینے والے بھی نہیں اور نہ ان کے اردگرد باڑ لگائی گئی ہے بلکہ ان کا پھل قحط سالی کے زمانہ میں محتاجوں کو دے دیا جاتا ہے۔ اور خصوصاً لغت میں سے صاحب قاموس جو شافعی ہیں اور لغت میں شوافع کی رعایت بھی کرتے ہیں لیکن اس میں انہوں نے رعایت نہیں کی اور فرمایا کہ عریہ کا معنی عطیہ ہے لیکن مطلق نہیں بلکہ کھجور کے درختوں کے پھلوں کا عطیہ دینا۔
ثالث: روایت کے اعتبار سے بھی احناف کے مسلک کو ترجیح حاصل ہوتی ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "رخص فی العرایا فی النخلۃ والنخلتین توہبان للرجل" جن ایک دو درختوں کا پھل ہبہ کیا جاتا ہے "توہبان" نص صریح ہے اس بارے میں کہ یہ ہبہ ہے اور زید بن ثابتؓ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل بساتین میں سے ہیں۔
رابع: نہی عن المزابنۃ والی حدیث اپنے عموم پر رہے گی اور اگر بیع قرار دیں تو خمسۃ اوسق اور مافوق خمسۃ اوسق کے ساتھ خاص کرنا ہو گا۔ اور مادون خمسۃ اوسق کو نکالنا ہوگا۔
خامس: اگر اس کو بیع قرار دیں تو ظاہر ہے کہ یہ بیع التمر بالرطب ہے۔ اور ہے بھی نسیئۃً اور پہلے یہ پڑھ چکے ہو بیع الرطب بالتمر نسیئۃً ہو تو جائز نہیں ہے۔ نیز اگر نسیئۃً نہ بھی ہو تو پھر لازم آتا ہے "بیع التمر بالرطب متفاضلاً" اور حدیث ہے "التمر بالتمر مثلاً بمثل یداً بید" تو جو مفاسد بیع قرار دینے میں ہیں وہ مفاسد ہبہ قرار دینے میں نہیں ہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ النَّجْشِ فِي الْبُيُوعِ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قُتَيْبَةُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپس میں نجش نہ کرو۔ قتیبہ کہتے ہیں کہ وہ اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاتے ہیں اس باب میں حضرت ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَنَاجَشُوا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَنَسٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا النَّجْشَ وَالنَّجْشُ أَنْ يَأْتِيَ الرَّجُلُ الَّذِي يُبْصِرُ السِّلْعَةَ إِلَى صَاحِبِ السِّلْعَةِ فَيَسْتَامُ بِأَكْثَرَ مِمَّا تَسْوٰى وَذٰلِكَ عِنْدَمَا يَحْضُرُهُ الْمُشْتَرِي يُرِيدُ أَنْ يَغْتَرَّ الْمُشْتَرِي بِهِ وَلَيْسَ مِنْ رَأْيِهِ الشِّرَاءُ إِنَّمَا يُرِيدُ أَنْ يَخْدَعَ الْمُشْتَرِيَ بِمَا يَسْتَامُ وَهٰذَا ضَرْبٌ مِنَ الْخَدِيعَةِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَإِنْ نَجَشَ رَجُلٌ فَالنَّاجِشُ آثِمٌ فِيمَا يَصْنَعُ وَالْبَيْعُ جَائِزٌ لِأَنَّ الْبَائِعَ غَيْرُ النَّاجِشِ .

سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ نجش حرام ہے۔ نجش یہ ہے کہ کوئی ماہر تجارت آئے اور خریدار کی موجودگی میں تاجر کے پاس آ کر سامان کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت لگائے (یعنی آفر دے) اور مقصد خریدنا نہ ہو بلکہ محض خریدار کو دھوکہ دینا چاہتا ہو یہ دھوکہ کی ایک قسم ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی نجش کرے تو وہ اپنے اس فعل کے سبب گناہ گار ہوگا لیکن بیع جائز ہے کیونکہ بیچنے والے نے نجش نہیں کیا۔

تشریح: نجش جیم کے سکون کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں یہ مصدر ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں یہ اسم ہے چھپی ہوئی چیز کو کرید کر نکالنا۔ اصطلاحی معنی یہ ہے کہ مشتری کو دھوکہ دینے کے لئے خریدنے کی پیش کش کرنا۔ نجش کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر خریدنے کے ارادے سے قیمت میں اضافہ کر کے بتلاتا رہے تاکہ اصل مشتری جو خریدنے والا ہے وہ دھوکہ میں مبتلا ہو کر خریدے کہ اس کی قیمت اتنی ہی ہوگی یہ سمجھ کر وہ آدمی بھی اس کے دھوکہ میں آ رہا ہے اگر بائع کا بھی مشورہ ہے تو دونوں گنہگاروں ہوں گے لیکن بایں ہمہ ایک صورت مستثنٰی ہے کہ ایک آدمی اپنی ہوشیاری کی وجہ سے اصل مالیت سے بھی کم میں خریدنا چاہتا ہے اور دوسرا آ کر ثمنوں میں اضافہ کرے تاکہ مالک کو اصل مالیت حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کو ثواب ملے گا یہ وتعاونوا علی البر والتقوی کی قبیل سے ہوگا۔ باقی بیع منعقد ہوگی یا نہیں تو ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ بیع منعقد ہو جائے گی اور اختیار بھی نہیں ہوگا البتہ دیانۃً فسخ کرلے تو الگ مسئلہ ہے۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي الرُّجْحَانِ فِي الْوَزْنِ

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ أَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِنْ هَجَرٍ فَجَاءَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاوَمَنَا بِسَرَاوِيلَ وَعِنْدِي

سوید بن قیسؓ سے روایت ہے کہ میں اور مخرفہ عبدی ہجر کے مقام پر کپڑا بیچنے کے لئے لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ایک پاجامے کا سودا کیا میرے پاس ایک تولنے والا تھا جو اجرت پر تولتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ

وَزَّانٌ يَزِنُ بِالْأَجْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْوَزَّانِ زِنْ وَأَرْجِحْ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثُ سُوَيْدٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَأَهْلُ الْعِلْمِ يَسْتَحِبُّونَ الرُّجْحَانَ فِي الْوَزْنِ وَرَوَى شُعْبَةُ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ سِمَاكٍ فَقَالَ عَنْ أَبِي صَفْوَانَ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ .

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تولو اور جھکاؤ کے ساتھ تولو۔ اس باب میں حضرت جابر اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت سوید کی حدیث حسن صحیح ہے علماء وزن میں جھکاؤ کو پسند کرتے ہیں شعبہ یہ حدیث سماک سے اور وہ ابوصفوان سے نقل کرتے ہوئے پوری حدیث بیان کرتے ہیں۔

تشریح: مکیلی موزنی چیزوں کو فروخت کرتے وقت وزن کو جھکتا ہوا رکھنا یہ حکم استحبابی ہے وجوبی حکم مساوات ہی ہے لیکن یہ بھی بیع صرف کے ماسوا میں ہے اگر سونے کی بیع بعوض سونے کے ہو یا چاندی کی بیع بعوض چاندی کے ہو تو پھر مساوات ضروری ہے تھوڑی سی بھی اضافے کی اجازت نہیں۔

بَاب مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمُعْسِرِ وَالرِّفْقِ بِهِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّازِيُّ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي الْيَسَرِ وَأَبِي قَتَادَةَ وَحُذَيْفَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَعُبَادَةَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ

ابوکریب، اسحاق بن سلیمان رازی، داؤد بن قیس، زید بن اسلم، ابی صالح، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جب کہ اس کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ اس باب میں حضرت ابویسر، ابوقتادہ، حذیفہ، ابومسعود اور عبادہ رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ رَجُلًا مُوسِرًا وَكَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ

حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں سے کسی شخص کا حساب کیا گیا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہ نکلی لیکن اتنا تھا کہ وہ شخص امیر تھا اور لوگوں سے لین دین کرتا تھا اور اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا

وَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوا عَنْهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

تھا کہ اگر کوئی مقروض تنگدست ہوتو اسے معاف کردیا کرو۔ پس اللہ نے فرمایا ہم اس بات کے اس سے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا اس سے درگزر کرو یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس نے کسی دوسرے سے حق وصول کرنا ہے تو حسن معاشرت اختیار کرے کہ اگر ابھی تمہارے پاس نہیں ہیں تو بعد میں دے دینا اور اگر ہمت کرے تو معاف کردے سارا قرض معاف کردے یا بعض قرض معاف کردے اس کی فضیلت یہ ہے کہ یہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رہے گا۔

سوال: عرش تو سب کو محیط ہے زمین و آسمان کو بھی محیط ہے تو یہ متصور نہیں کہ کوئی اس سایے سے محروم ہو۔

جواب اوّل: ممکن ہے کہ یہ سایہ خاص نوع کا ہو کہ خاص نوع کا سایہ اس کو حاصل ہوگا۔

جواب ثانی: عرش الٰہی کے نیچے ہونا اس کو یہ مستلزم نہیں کہ سایے میں ہو اس شخص کے پاس بجز تنگ دستوں سے حسن معاشرت کے اس نیکی کے علاوہ کوئی نیکی نہ تھی۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي مَطْلِ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالشَّرِيدِ . حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَاهُ إِذَا أُحِيلَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ فَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا أُحِيلَ الرَّجُلُ عَلَى مَلِيءٍ فَاحْتَالَهُ فَقَدْ بَرِئَ الْمُحِيلُ وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَلَى الْمُحِيلِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِذَا تَوِيَ مَالُ هٰذَا بِإِفْلَاسِ الْمُحَالِ عَلَيْهِ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ عَلَى الْأَوَّلِ وَاحْتَجُّوا بِقَوْلِ عُثْمَانَ وَغَيْرِهِ حِينَ قَالُوا لَيْسَ عَلَى مَالِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امیر آدمی کی طرف سے قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور کسی شخص کو کسی مالدار کے پیچھے لگا دیا جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس سے وصول کرے اس باب میں حضرت ابن عمر اور شرید رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کسی کو کسی مالدار کی طرف حوالہ کیا جائے تو اس سے وصول کرے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر اس مالدار نے قبول کرلیا تو قرض دار بری ہوگیا وہ اس سے طلب نہیں کرسکتا امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر محال علیہ (جس کی طرف حوالہ کیا گیا) مفلس ہوجائے اور قرض خواہ کا مال ضائع ہوجائے تو اس صورت میں دوبارہ پہلے قرض دار سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ سے منقول ہے کہ مسلمان کا مال ضائع

مُسْلِمٍ تَوًى قَالَ إِسْحٰقُ مَعْنٰى هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ عَلٰى مَالِ مُسْلِمٍ تَوًى هٰذَا إِذَا أُحِيلَ الرَّجُلُ عَلٰى آخَرَ وَهُوَ يَرٰى أَنَّهُ مَلِيٌّ فَإِذَا هُوَ مُعْدِمٌ فَلَيْسَ عَلٰى مَالِ مُسْلِمٍ تَوًى. نہیں ہوسکتا۔ امام اسحاق بھی اس قول کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی طرف حوالہ کیا جائے اور جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہو لیکن حقیقت میں وہ مفلس ہو تو اس صورت میں قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پہلے قرضدار سے رجوع کرے۔

تشریح: حدیث کی شرح سے قبل چند اصطلاحات سمجھ لیں۔ قرض کا حوالہ کرنے والے مدیون کو محیل کہتے ہیں اور جو قرض خواہ ہوتا ہے اس کو محتال لہ کہتے ہیں اور جس پر حوالہ کیا گیا ہو اس کو محتال علیہ کہتے ہیں۔

مسئلہ فقہی: حوالہ کے صحیح ہونے کے بعد اصل مدیون بری ہوگا یا نہیں؟

قول اوّل: احناف کہتے ہیں کہ محیل سے مطالبہ ساقط ہو جائے گا البتہ جبکہ توی متحقق ہو جائے۔ توٰی دین کی ہلاکت کو کہتے ہیں توی کی صورت میں اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اصل مدیون سے مطالبہ کرے رجوع کرے۔ پھر اس کی تین صورتیں ہیں۔

اوّل: محتال علیہ قسم کے ساتھ حوالہ کا انکار کردے اور محتال کے پاس حوالہ پر گواہ بھی نہ ہو۔

ثانی: محتال علیہ مرجائے اتنا ترکہ چھوڑ کر نہ جائے کہ اس سے قرضہ ادا ہو سکے یہ دونوں صورتیں احناف کے ہاں اجماعی ہیں۔

ثالث: قاضی نے محتال علیہ کے افلاس کا فیصلہ کردیا ہو اور یہ حکم دیا کہ یہ مفلس ہے اس سے اتنی مدت تک مطالبہ نہیں کیا جاسکتا اب اس صورت میں توی متحقق ہوگا یا نہیں۔

قول اوّل: امام صاحب فرماتے ہیں کہ افلاس متحقق نہیں ہوگا اس لئے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے صبح کو فقیر ہوتا ہے تو شام کو مالدار بن جاتا ہے اور صاحبین کے ہاں اب بھی توی متحقق ہو جائے گا اور محتال کو محیل سے مطالبہ کا حق ہوگا۔

قول ثانی: شوافع اور دیگر ائمہ یہ فرماتے ہیں کہ محیل مطالبے سے بری ہو گیا اب کسی صورت میں بھی محتال اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا علاوہ ازیں وہ مفلس ہو یا نہ ہو۔

احناف کی دلیل: حدیث عثمانؓ ہے کہ ''لیس فی مال المسلم توًی'' کہ مسلمان کے مال میں توٰی نہیں ہے۔ یعنی ایسی کوئی صورت نہیں کہ قرضہ بالکل ہلاک ہو جائے اور مطالبہ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔

شوافع کی دلیل: ''و اذا اتبع احدکم علی ملیءٍ فلیتبع'' کہ جب حوالہ کیا جائے تو اس کو چاہیے کہ محتال علیہ سے مطالبہ کرے نہ کہ محیل سے۔

جواب: حدیث کا مضمون صرف اتنا ہے کہ جب محتال علیہ غنی ہو تو ایسی صورت میں چاہیے کہ محتال علیہ ہی سے مطالبہ کرے محیل سے نہ کرے باقی توی کی صورت میں محیل سے مطالبہ کا حق ہوگا یا نہیں حدیث کی اس پر کوئی دلالت نہیں۔

احناف کی دلیل کا جواب: اثر عثمانؓ کی جمہور حضرات یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے کہ جب محتال نے یہ سمجھا کہ محتال علیہ کوئی مالدار ہے وہ یہ سمجھ کر حوالہ کو قبول کرلیتا ہے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ وہ تو غریب ہے۔

جواب الجواب: یہ تخصیص من غیر مخصص ہے حالانکہ یہ عام ہے خواہ محتال علیہ پہلے سے فقیر ہو یا بعد میں ہو گیا ہو اور قاضی نے اس کے افلاس کا فیصلہ کردیا ہو یا وہ مرگیا ہو تو اب یہ محتال محیل سے رجوع کرسکتا ہے۔

حوالہ کے صحیح ہونے کے لئے محتال کی رضامندی جمہور فقہاء کے نزدیک ضروری ہے اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ رضامندی کوئی ضروری نہیں جمہور کہتے ہیں کہ دائن کو حق ہے کہ وہ اپنے دین کا مطالبہ کرے اور محیل سے مطالبہ اسی وقت ساقط ہوگا کہ جب محتال راضی ہو کیونکہ یہ اس کا اپنا حق ہے۔ نیز لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں کوئی نرم مزاج اور کوئی سخت مزاج ہوتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ محیل نرم مزاج ہو اور محتال سخت مزاج اور متکبر ہو تو قرضے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے **فلیتبع** قبول کرے برابر ہے وہ راضی ہو یا نہ ہو۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امر استحبابی ہے وجوبی نہیں ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ وَمَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ وَفِي الْبَاب عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عُمَرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيثِ أَنْ يَقُولَ إِذَا نَبَذْتُ إِلَيْكَ بِالشَّيْءِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ بَيْنِي وَبَيْنَكَ وَالْمُلَامَسَةُ أَنْ يَقُولَ إِذَا لَمَسْتُ الشَّيْءَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ وَإِنْ كَانَ لَا يَرَى مِنْهُ شَيْئًا مِثْلَ مَا يَكُونُ فِي الْجِرَابِ أَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ وَإِنَّمَا كَانَ هٰذَا مِنْ بُيُوعِ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ.

ابوکریب، محمود بن غیلان، وکیع بن سفیان، ابی زیاد، اعرج، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع منابذہ اور ملامسہ سے منع فرمایا۔ اس باب میں حضرت ابوسعید اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث حسن صحیح ہے اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ جب تمہاری طرف کوئی چیز پھینکوں تو ہمارے درمیان بیع واجب ہوگئی۔ (یہ بیع منابذہ ہے) بیع ملامسہ یہ ہے کہ اگر میں نے کوئی چیز چھولی تو بیع واجب ہوگئی اگرچہ اس نے کچھ بھی نہ دیکھا ہو۔ مثلاً وہ چیز کسی تھیلے وغیرہ میں ہو۔ یہ دور جاہلیت کی بیع ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: منابذہ نبذ سے ہے۔ نبذ سے مراد کنکری پھینکنا ہے اور یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا ایک دوسرے کی طرف پھینکنا۔ **بیع منابذہ:** اس کی چند تفسیریں ہیں:

تفسیر اول: بائع مشتری کی طرف چیز کو پھینک دے اور اس پھینکنے سے ہی بیع کو لازم قرار دیا جائے خواہ مشتری راضی ہو یا نہ ہو۔

تفسیر ثانی: بائع کہے کہ میں نے یہ چیز تجھے بیچ دی جب میں تیری طرف پھینک دوں تو تیرا اختیار ختم ہو جائے گا اور بیع لازم ہو جائے گی۔

بہرحال یہ بیع منابذہ بھی دونوں تفاسیر کے اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔

اور ملامسہ اس کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کو چھونا یہ بھی باب مفاعلہ سے آتا ہے۔ بیع ملامسۃ اس کی چند تفسیریں ہیں۔

تفسیر اول: بائع مشتری کو کہے کہ میں نے یہ کپڑا تجھے 800 سو روپے کے بدلے میں فروخت کیا جب میں کپڑا مس کر کے تجھے دوں تو بیع لازم ہو جائیگی یا مشتری کہے کہ میں نے یہ کپڑا آٹھ سو روپے کے بدلے خریدا جب میں مس کروں تو بیع لازم ہو جائیگی۔ یہ تفسیر

امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے" کما فی عمدۃ القاری"۔ (ج ۵ ص ۵۰۵)

تفسیر ثانی: کوئی آدمی کپڑا لپیٹ کر لائے یا رات کے اندھیرے میں لائے تاکہ مشتری اس کو مس کرے اب کپڑے کا مالک اس مشتری کو کہتا ہے کہ میں نے یہ کپڑا اتنے روپے کے بدلے تجھے بیچ دیا اس شرط کے ساتھ کہ تیرا ہاتھ لگانا تیرے دیکھنے کے قائم مقام ہے، اور جب تو اسے دیکھے تو تجھے اختیار نہیں "ھذا منقول عن امام الشافعی علیہ کما فی شرح النووی"۔

تفسیر ثالث: دو آدمیوں میں سے ہر ایک کپڑے کی بیع کریں کپڑے کے بدلے کہ ہر ایک دوسرے کے کپڑے کو ہاتھ لگائے تو اس سے بیع کو لازم قرار دیا جائے دوسرے کے تامل کے بغیر "ھذا منقول عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ کما فی متن الصحیح لمسلم"۔

ان تینوں تفاسیر کے مطابق بیع کی یہ صورت ناجائز ہے اور حرام ہے ان تمام تفاسیر میں قدر مشترک چیز غرر کا پایا جانا ہے اور مبیع میں غور وفکر نہ کرنا اور دوسرے پر اس کی رضا کے بغیر بیع کا لازم قرار دینا ہے۔

بہرحال یہ دونوں بیوع زمانہ جاہلیت میں رائج تھیں کہ اگر بیع کرتے ہوئے بائع مشتری کی طرف مبیع پھینک دے تو یہ بیع لازم ہو جاتی تھی مشتری کو بولنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی یا مشتری ثمن کو بائع کی طرف پھینک دے تو بائع کو بولنے کا اختیار نہیں ہوتا تھا یہ دستور زبان بندی تھا۔

اسی طرح اگر بائع یا مشتری میں سے کسی نے مبیع یا ثمن کو ہاتھ لگا لیا تو وہ بیع لازم ہو جاتی تھی فریقین میں سے کوئی ایک بھی اس کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

جب اسلام آیا تو اس رسم جاہلیت کو ختم کر دیا تاکہ متعاقدین میں سے کسی کا نقصان نہ ہو۔ یہ بیوع ٹھیک اس وجہ سے نہیں کہ اس میں "مبادلۃ المال بالمال بالتراضی" نہیں پایا جا رہا۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي السَّلَفِ فِي الطَّعَامِ وَالتَّمْرِ

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ كَثِيرٍ عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَرِ فَقَالَ مَنْ أَسْلَفَ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَجَازُوا السَّلَفَ فِي الطَّعَامِ وَالثِّيَابِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يُعْرَفُ حَدُّهُ وَصِفَتُهُ وَاخْتَلَفُوا فِي السَّلَمِ فِي

احمد بن منیع، سفیان، ابن ابی نجیح، عبداللہ بن کثیر، ابی منہال، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ لوگ کھجور کی قیمت پیشگی ادا کر دیا کرتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو بیع سلم کرے تو وہ پیمانہ، وزن اور مدت معلوم کرے اس باب میں حضرت ابن ابی اوفی اور عبدالرحمن بن ابزی رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین کا اسی پر عمل ہے ان

الْحَیَوَانِ فَرَأَی بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ السَّلَمَ فِي الْحَيَوَانِ جَائِزًا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمُ السَّلَمَ فِي الْحَيَوَانِ وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ وَأَهْلِ الْكُوفَةِ

کے نزدیک غلے، کپڑے اور ان دوسری چیزوں میں جن کی مقدار اور صفت معلوم ہو، بیع سلم جائز ہے جانوروں کی بیع سلم میں اختلاف ہے امام شافعیؒ، احمدؒ، اور اسحاقؒ اسے جائز کہتے ہیں کہ جب کہ بعض صحابہ، سفیان، ثوری، اور اہل کوفہ جانوروں کی بیع سلم کو ناجائز کہتے ہیں۔

تشریح: سلف اور سلم دونوں ہم معنی لفظ ہیں سلف کے معنی ہیں قرض دینا اور سلم کے معنی ہیں سپرد کرنا بیع سلم میں مبیع موجود نہیں ہوتی نہ فی الحال مجلس عقد میں اور نہ ہی بائع کی مِلک میں موجود ہوتی ہے۔ البتہ ثمن اسی مجلس میں سپرد کرنا ہوتا ہے چونکہ ثمن دیا جاتا ہے اور مبیع موجود نہیں ہوتا گویا کہ یہ قرض ہو گیا اس لئے اس کا دوسرا نام سلف ہے۔

بیع سلم بالاجماع جائز ہے البتہ جواز کے لئے تقریباً سات شرائط ہیں۔ ① مبیع کی جنس معلوم ہو۔ ② نوع معلوم ہو۔ ③ وصف معلوم ہو۔ ④ مکیلی چیز ہے تو کیل معلوم ہو اور اگر موزونی ہے تو وزن معلوم ہو۔ ⑤ اجل معلوم ہو۔ ⑥ مبیع عقد سے لے کر ادائیگی کے وقت تک بازار میں موجود ہو۔ ⑦ ادائیگی کی جگہ معلوم ہو۔

شوافع کے نزدیک ان شرائط میں سے پانچویں شرط معتبر نہیں۔ حدیث الباب احناف کا مستدل ہے۔ اور شوافع حضرات کے خلاف ہے اس لئے شوافع حضرات اس کی تاویل کرتے ہیں کہ حدیث کا مدلول یہ ہے کہ اگر اجل متعین ہو تو اس کی مدت معلوم ہونی چاہیے اگر اجل متعین نہ ہو تو مدت کا معلوم ہونا بھی ضروری نہیں۔

مسئلہ: حیوانات میں بیع سلم جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: احناف کے نزدیک حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں ہے صرف مکیلی، موزونی اور عددی متقارب اشیا میں یہ صحیح ہے یعنی جن کے اوصاف ضبط ہو سکیں ان میں بیع سلم جائز ہے چونکہ حیوانات کے اوصاف ضبط نہیں ہو سکتے اس لئے ان میں بیع سلم بھی جائز نہیں ہے۔

قول ثانی: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس طرح مکیلی موزونی اور عددی متقارب کے اندر بیع سلم جائز ہے اسی طرح حیوانات میں بھی جائز ہے۔

احناف کی دلیل اوّل: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "نهى عن سلف فى الحيوان" کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوان میں بیع سلف کرنے سے منع فرمایا۔ امام حاکمؒ نے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔

دلیل ثانی: دوسرا یہ کہ فتویٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہے جو کہ کتاب الآثار میں موجود ہے کہ حیوانات میں بیع سلم جائز نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہ موقوف مرفوع کے حکم میں ہے نیز ضبط اوصاف بھی متعذر رہے۔

اس مسئلہ کا اختلاف دوسرے مسئلہ پر مبنی ہے وہ مسئلہ حیوان کے استقراض کے بارے میں ہے۔ اس کی تفصیل آگے "باب ماجاء فی استقراض البعیر والشئ من الحیوان" کے عنوان کے ذیل میں آ رہی ہے۔

باب ما جاء في أرض المشترك يريد بعضهم بيع نصيبه

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ الْيَشْكُرِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكٌ فِي حَائِطٍ فَلَا يَبِيعُ نَصِيبَهُ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى يَعْرِضَهُ عَلَى شَرِيكِهِ هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ سُلَيْمَانُ الْيَشْكُرِيُّ يُقَالُ إِنَّهُ مَاتَ فِي حَيَاةِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ قَتَادَةُ وَلَا أَبُو بِشْرٍ قَالَ مُحَمَّدٌ وَلَا نَعْرِفُ لِأَحَدٍ مِنْهُمْ سَمَاعًا مِنْ سُلَيْمَانَ الْيَشْكُرِيِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ فَلَعَلَّهُ سَمِعَ مِنْهُ فِي حَيَاةِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ وَإِنَّمَا يُحَدِّثُ قَتَادَةُ عَنْ صَحِيفَةِ سُلَيْمَانَ الْيَشْكُرِيِّ وَكَانَ لَهُ كِتَابٌ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ ذَهَبُوا بِصَحِيفَةِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ إِلَى الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ فَأَخَذَهَا أَوْ قَالَ فَرَوَاهَا فَذَهَبُوا بِهَا إِلَى قَتَادَةَ فَرَوَاهَا وَأَتَوْنِي بِهَا فَلَمْ أَرْوِهَا حَدَّثَنَا بِذَلِكَ أَبُو بَكْرٍ الْعَطَّارُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْمَدِينِيِّ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کا کسی باغ میں حصہ ہو تو وہ اپنا حصہ اپنے دوسرے شریک پر پیش کئے بغیر فروخت نہ کرے۔ اس حدیث کی سند متصل نہیں میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ سلیمان یشکری کا حضرت جابر بن عبداللہؓ کی زندگی میں انتقال ہو گیا قتادہ اور ابو بشر نے بھی سلیمان سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے علم نہیں کہ سلیمان یشکری سے عمرو بن دینار کے علاوہ کسی اور کا سماع ہو۔ انہوں نے شاید حضرت جابرؓ کی زندگی ہی میں ان سے احادیث سنی ہوں اور قتادہ سلیمان یشکری کی کتاب سے حدیثیں نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے جابر بن عبداللہؓ سے منقول احادیث لکھی ہوئی تھیں۔ سلیمان تیمی نے کہا کہ لوگ حضرت جابرؓ کی کاپی حضرت حسن بصریؒ کے پاس لے گئے تو انہوں نے اس کاپی کو لیا یا یہ کہا کہ اس کو روایت کیا پھر وہ لوگ اس کاپی کو قتادہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے بھی اس کو روایت کیا پھر لوگ وہ کاپی میرے پاس لے آئے تو میں نے ان سے روایت نہیں کیا۔

تشریح: دو یا دو سے زائد لوگوں میں مشترک زمین و مکان ہو اور ان میں سے ایک فریق فروخت کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے شریک کو اطلاع کر دے اور یہ اطلاع کرنا مستحب ہے کوئی فرض واجب نہیں ہے۔ اختلاف تو اس میں ہے کہ اس نے اطلاع کر دی اور شریک نے اجازت دے دی یا اس نے خریدنے سے منع کر دیا کہ میں نہیں خریدوں گا تو اس صورت میں شریک کے لئے حق شفعہ باقی رہے گا یا نہیں۔ **قول اول:** ائمہ اربعہ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ حق شفعہ باقی رہے گا۔

قول ثانی: حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔

جمہور کی دلیل: کسی چیز کا سقوط اس وقت ہو گا جب پہلے سے وہ ثابت تو ہو اور ثابت تب ہو گا جب پہلے بیع ہو اس نے محض اجازت

سے حق شفعہ ساقط نہیں ہوگا۔ حنابلہ کی دلیل: پھر اطلاع دینے کا کیا فائدہ ہے کہ جب حق شفعہ ساقط نہیں ہوتا۔
جواب: اطلاع دینے کا فائدہ یہ ہے کہ یہ گنہگار ہونے سے بچ جائے اگر بغیر اطلاع دیے بیچے گا تو گنہگار ہوگا۔
هٰذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَقُولُ: یہاں سند میں قتادہ روایت کررہے ہیں سلیمان یشکری سے۔ان کو یشکری اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ یشکر بن وائل قبیلہ کی طرف منسوب ہیں اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے یشکری کہلاتے ہیں۔ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی سند متصل نہیں ہے اور دلیل کے طور پر امام بخاریؒ کا قول پیش کررہے ہیں''یقول سلیمان الیشکری یقال أنّه مات فی حیاة جابر بن عبداللّٰه''کہ سلیمان یشکری کی وفات حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ میں ہوچکی تھی اس لئے قتادہ کو ان سے سماع حاصل نہیں اور نہ ہی ابو بشر کو سماع حاصل ہے۔لہٰذا درمیان میں انقطاع پیدا ہوگیا۔کیونکہ جب ان کا سماع سلیمان یشکری سے ثابت نہیں تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سماع کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔
قَالَ مُحَمَّدٌ: امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں محدثین میں سے کسی کا بھی سلیمان یشکری سے سماع نہیں جانتا سوائے عمرو بن دینار کے، کہ انہوں نے سلیمان سے حضرت جابرؓ کی حیات میں پڑھا ہے۔
قَالَ: امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ سلیمان یشکری کے پاس حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرویات کی ایک کاپی تھی قتادہ اس کاپی سے روایت کرتے تھے۔علی بن مدینی فرماتے ہیں۔یحییٰ قطان نے فرمایا سلیمان تیمی نے فرمایا لوگ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی کاپی کو حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے اس کو لیا یا یہ کہا کہ اس کو روایت کیا پھر وہ لوگ اس کاپی کو قتادہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے بھی اس کو روایت کیا پھر وہ لوگ وہ کاپی میرے پاس لائے تو میں نے اس سے روایت نہیں کیا۔
گویا یہ بطریق وجادہ ہے اور بطریق وجادہ روایت اس وقت قابل قبول ہوتی ہے کہ جب سماع حاصل ہو ورنہ یہ قابل استدلال نہیں ہوتی۔
مزید یہ کہ قتادہ کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی اور ایک قول ۶۵ ہجری کا بھی ہے اور سلیمان یشکری کی وفات حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے زمانہ میں ہوئی جو کہ ۶۵ھ سے لے کر ۷۳ھ تک کا زمانہ ہے۔یہ قتادہ کے بچپن کا زمانہ ہے اگر ان کا زمانہ ۶۱ھ سے بھی شمار کریں تو پھر بھی بارہ سال عمر بنتی ہے۔اتنی عمر میں روایت کا تحمل نہیں ہوسکتا جیسا کہ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وفات ہو تو پھر ان کی وفات ۷۴ھ یا ۷۳ھ میں ہوئی تو قتادہ کو کس طرح سماع ہوسکتا ہے۔

بَاب مَا جَاءَ فِي الْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ

حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ وَالْمُخَابَرَةِ وَالْمُعَاوَمَةِ وَرَخَّصَ فِي الْعَرَايَا . هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

ابن بشار، عبدالوہاب ثقفی، ایوب، ابی زبیر، حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور معاومہ سے منع فرمایا لیکن عرایا میں ان کی اجازت دی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: مخابرہ کی تعریف ماقبل میں گزر چکی ہے۔مخابرہ کسی کو کھیتی باڑی کے لئے زمین دینا اور یہ شرط لگانا کہ پیداوار کا

ربع یا ثلث میرا ہوگا۔فرق یہ ہے کہ مخابرہ میں بیج عامل کا ہوتا ہے اور مزارعہ میں بیج مالک کا ہوتا ہے۔

وَالْمُعَاوَمَةِ: درختوں کے پھلوں کو نمودار ہونے سے پہلے ایک دو سال یا زیادہ مدت کے لئے فروخت کر دیا جائے یہ بھی بیع باطل ہے کیونکہ اس میں مبیع معدوم ہے اور معدوم کی بیع ناجائز ہے جو مفضی الی النزاع ہے۔

باب میں مخابرہ کا ذکر ہے۔ ''مخابرۃ'' اور ''مزارعۃ'' مترادف الفاظ ہیں۔زمین کو مزارعت پر دینا جائز ہے یا نہیں اس کی جائز و ناجائز صورت کیا ہوگی؟

مزارعت کی پانچ صورتیں ہیں دو ناجائز اور دو جائز ہیں اور ایک صورت میں اختلاف ہے۔

جائز صورتیں: ① اگر مزارعت کی اجرت نقد ہو تو یہ جائز ہے ② اور گھر سے غلہ دینے کا وعدہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔

ناجائز صورتیں: ① کھیتی میں سے مقدار معین معاوضہ مقرر کر لیا مثلاً پانچ من یا اس سے زائد تو یہ ناجائز ہے ② یا مزارعت والی زمین کا متعین حصہ مقرر کر لیا تو یہ صورت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔

پانچویں صورت: اگر پیداوار کا تہائی یا ربع حصہ مقرر کیا تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

قول اوّل: امام احمدؒ، امام یوسفؒ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز ہے اور اسی طرح امام شافعیؒ مزارعت کو مساقات کے تابع کر کے جائز کہتے ہیں۔

قول ثانی: امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام احمدؒ کی دلیل اوّل: روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما ''ان رسول اللہ ادفع الی الیھود خیبر... الخ''۔

دلیل ثانی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری شریف میں ہے ''انه قالت الانصار للنبیا اقسم بیننا وبین اخواننا النخل قال لا تکفونا المؤنة ونشرککم فی الثمر قالوا سمعنا واطعنا''۔

دلیل ثالث: ''وعن عمرو قال قلت لطاؤس لو ترکت المخابرۃ... الخ''۔

چوتھی دلیل: مشکوٰۃ شریف میں حدیث قیس بن مسلم کی روایت ہے۔ ''قال ما بالمدینة اهل بیت هجرۃ الا یزرعون علی الثلث والربع''۔

جواب اوّل: یہود کے ساتھ حضور ﷺ کا جو معاملہ تھا وہ مزارعت و مساقات کے طور پر نہیں تھا بلکہ خراج مقاسمہ تھا اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زمین انہی لوگوں کو دی جائے جو اس کے مالک ہوں اور ان کو اجرت کے طور پر کچھ دے دیا جائے اور بقیہ بیت المال لے لے۔

لیکن حضرات متاخرین نے لوگوں کی حاجت اور تعامل امت دیکھ کر صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا اور جن احادیث میں نہی آئی ہے اس کو نہی تنزیہی اور شفقت پر محمول کیا ہے۔

جواب ثانی: یہ حکم ابتداء اسلام پر محمول ہے کہ انصار مروۃً و اخلاقاً اپنی زمین مزارعت کے بجائے عطیہ و منحہ کے طور پر مہاجرین کو دے دیں تاکہ مہاجرین کے حوصلے پست نہ ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل اوّل: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ ''قال انه علیه السلام نهی عن المخابرۃ وہی المزارعة'' (رواہ مسلم)

دلیل ثانی: روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے ''قال کنا نخابر ولا نری به بأسا حتی زعم''۔

دلیل ثالث: رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ''ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انهی عنه فترکناه''۔ (رواہ مسلم)

دلیل رابع: اجارہ کی صحت کیلئے شرط ہے کہ عمل سے پہلے اجرت دینے پر قادر ہو اور اجرت متعین ہو اور یہاں دونوں مفقود ہیں۔

باب

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ قَتَادَةَ وَثَابِتٌ وَحُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

محمد بن بشار، حجاج بن منہال، حماد بن سلمہ، قتادہ، ثابت، حمید، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مہنگائی ہوئی تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ قیمتیں مقرر کر دیجیے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرخ مقرر کرنے والا، تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا اور رزق دینے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے رب سے اس حال میں ملوں کہ تم میں سے کوئی شخص مجھ سے اپنے خون یا مال میں ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

تشریح: یہاں مصنفؒ نے باب بلا ترجمہ قائم کیا ہے بعض مصری نسخوں میں یہ باب مذکور ہے'' **باب ماجاء فی التسعیر**''، تسعیر کے معنی ہیں قیمتوں پر قابو پانا چیزوں کے بھاؤ مقرر کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دفعہ مدینہ منورہ میں چیزوں کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ آپ ہمارے لئے قیمتیں مقرر فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی بھاؤ کو اوپر بھی لے جانے والے ہیں اور نیچے لانے والے ہیں روزی دینے والے ہیں یعنی چیزوں کا بھاؤ اتار چڑھاؤ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آرزو کرتا ہوں کہ میں اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملوں کہ مجھ سے کوئی حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو نہ جان میں اور نہ ہی مال میں۔ اگر قیمت مقرر کر دی جائے اور مالکان میں سے کسی کا نقصان نہ ہو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ بھاؤ جہاں تک پہنچا ہوا ہے اگر اس کو زیادہ نیچے لائیں تو تاجروں کا نقصان ہوگا اور اگر بھاؤ برائے نام کم کر دیا جائے تو صارفین کی پریشانی کم نہیں ہوگی۔

البتہ اگر لوگ غبن فاحش کے طور پر غلہ فروخت کرنے لگ جائیں تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حاکم کچھ مدت کیلئے قیمت مقرر کر دے جب لوگوں میں بے اعتدالی ختم ہو جائے پھر ختم کر دے تو جائز ہے لیکن مستقل اور دائمی طور پر قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ مَا هٰذَا قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ ثُمَّ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي الْحَمْرَاءِ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَبُرَيْدَةَ وَأَبِي بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ وَحُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا الْغِشَّ وَقَالُوا الْغِشُّ حَرَامٌ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلے کی ایک ڈھیری کے پاس سے گزرے تو اپنا ہاتھ اس میں داخل کیا آپؐ نے اس میں نمی محسوس کی تو فرمایا۔ اے غلہ کے مالک یہ کیا ہے غلہ فروخت کرنے والے نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بارش کی وجہ سے گیلا ہو گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے اس بھیگے ہوئے مال کو اوپر کیوں نہیں رکھ دیا تا کہ لوگ دیکھ سکیں پھر فرمایا جس نے دھوکہ کیا وہ ہم سے نہیں۔ اس باب میں حضرت ابن عمر، ابوحمراء، ابن عباس، بریدہ، ابوبردہ بن نیار اور حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایات منقول ہیں۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن صحیح ہے اہل علم کا اس پر عمل ہے ان کے نزدیک خرید وفروخت میں دھوکہ فریب حرام ہے۔

تشریح: اگر مبیع میں کوئی عیب نکل آئے تو مشتری کو بتلا دینا چاہیے کسی کو دھوکہ نہیں دینا چاہیے دھوکہ دینا حرام ہے سارے فقہاء اس بات پر قائم ہیں کہ ایسی بیع جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ آج کل کوئی نوٹ خراب ہو تو اس کو نوٹوں کے درمیان چھپا کر دیتے ہیں اور بعض لوگ جعلی ملا کر دیتے ہیں یہ غش ہے ''من غش فلیس منا'' اس سے منع فرمایا ہے۔

باب ما جاء في استقراض البعير أو الشيء من الحيوان أو السن

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ عَلِيِّ بْنِ صَالِحٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اسْتَقْرَضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِنًّا فَأَعْطٰى سِنًّا خَيْرًا مِنْ سِنِّهِ وَقَالَ خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي رَافِعٍ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَقَدْ رَوَاهُ شُعْبَةُ

ابوکریب، وکیع، علی بن صالح، سلمہ بن کھیل، ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جوان اونٹ قرض لیا اور ادائیگی کے وقت اس سے بہتر اونٹ دیا اور فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو بہتر طریقے سے قرض ادا کرتے ہیں۔ اس باب میں حضرت ابورافعؓ سے بھی روایت ہے حدیث ابوہریرہ حسن صحیح ہے اس

وُسُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ لَمْ يَرَوْا بِاسْتِقْرَاضِ السِّنِّ بَأْسًا مِنَ الْإِبِلِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذٰلِكَ.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَغْلَظَ لَهُ فَهَمَّ بِهِ أَصْحَابُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ فَإِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَقَالَ اشْتَرُوا لَهُ بَعِيرًا فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَطَلَبُوهُ فَلَمْ يَجِدُوا إِلَّا سِنًّا أَفْضَلَ مِنْ سِنِّهِ فَقَالَ اشْتَرُوهُ فَأَعْطُوهُ إِيَّاهُ فَإِنَّ خَيْرَكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً.

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ نَحْوَهُ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي رَافِعٍ مَوْلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اسْتَسْلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكْرًا فَجَاءَتْهُ إِبِلٌ مِنَ الصَّدَقَةِ قَالَ أَبُو رَافِعٍ فَأَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ فَقُلْتُ لَا أَجِدُ فِي الْإِبِلِ إِلَّا جَمَلًا خِيَارًا رَبَاعِيًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطِهِ إِيَّاهُ فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

تشریح: مسئلہ: کیا جانور کا قرض لینا جائز ہے۔

حدیث کو شعبہ اور سفیان، سلمہ سے نقل کرتے ہیں بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ اونٹ بطور قرض لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے امام شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ کا یہی قول ہے بعض اہل علم کے نزدیک مکروہ ہے۔

محمد بن مثنیٰ، وھب بن جریر، شعبہ، سلمہ بن کھیل، ابی سلمہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرض کا تقاضا کیا اور کچھ بدتمیزی سے پیش آیا صحابہؓ نے اسے جواب دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا اسے چھوڑ دو حق والے کو کچھ کہنے کی گنجائش ہے فرمایا اس کے لئے ایک اونٹ خرید و اور اسے دیدو صحابہ کرامؓ نے تلاش کیا تو اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ ملا اس جیسا نہ مل سکا فرمایا یہی خرید کر اسے دیدو تم میں سے بہتر وہی ہے جو قرض کی ادائیگی کرنے میں اچھا ہو۔ محمد بن بشار، محمد بن جعفر سے وہ شعبہ سے وہ اور وہ سلمہ بن کہیل سے اسی کے مثل حدیث نقل کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جوان اونٹ بطور قرض لیا پھر جب آپؐ کے پاس زکوۃ کے اونٹ آئے تو مجھے حکم دیا کہ اس شخص کو اونٹ دیدو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں سے کوئی جوان اونٹ نہیں ہے البتہ اس کے اونٹ سے بہتر اونٹ ہیں آپ نے فرمایا وہی دیدو کیونکہ وہی لوگ اچھے ہیں جو قرض کی ادائیگی اچھی طرح کرتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قول اوّل: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حیوان کا قرض لینا جائز ہے۔
قول ثانی: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیوان کا قرض لینا جائز نہیں ہے۔
امام شافعیؒ کی دلیل: یہی حدیث الباب ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجت شدیدہ کے وقت قرض پر اونٹ لینا جائز ہے اور اس کے ذمہ میں یہ ثابت ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جس سے کوئی چیز قرض لی ہے تو وہ اس قرض کو لوٹائے خواہ وہ ذات القیم میں سے ہو یا ذوات الامثال سے ہو اور حیوان ذوات القیم سے ہے۔ اور حدیث الباب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرض خواہ کی چیز سے بہتر چیز لوٹانا حسن اخلاق ہے۔
امام ابوحنیفہؒ کی دلیل: حیوان کا قرض لینا درست نہیں ہے ''لحدیث عبداللہ بن عمرؓ نھی رسول اللہ ا عن بیع الحیوان بالحیوان نسیئۃ'' اور حدیث الباب کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

باب (بلا ترجمہ)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ مُغِيرَةَ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ يُونُسَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ سَمْحَ الْبَيْعِ سَمْحَ الشِّرَاءِ سَمْحَ الْقَضَاءِ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ جَابِرٍ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَقَدْ رَوَى بَعْضُهُمْ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْ يُونُسَ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَنِي عَبَّاسٌ الدُّورِيُّ بْنِ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَفَرَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانَ سَهْلًا إِذَا بَاعَ سَهْلًا إِذَا اشْتَرَى سَهْلًا إِذَا اقْتَضَى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ حَسَنٌ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

ابوکریب، اسحاق بن سلیمان، مغیرہ بن مسلم، یونس، حسن، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نرمی کے ساتھ خرید وفروخت کرنے والے اور نرمی ہی کے ساتھ قرض ادا کرنے کو پسند کرتا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کو یونس سے انہوں نے سعید مقبری سے اور انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلے ایک شخص کو بخش دیا وہ بیچنے، خریدنے اور قرض کے تقاضے میں نرمی اختیار کرتا تھا یہ حدیث اس سند سے غریب صحیح حسن ہے۔

تشریح: سماح کا معنی ہے اعلیٰ ظرفی سیر چشمی بیچنے میں نرمی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بائع ایک ہی بھاؤ پر نہ اڑ جائے بلکہ اس کو ثمن میں کمی کرنے کا کہا جائے تو وہ ثمن کم کر دے یا مبیع میں کچھ زیادتی کر لے یا مشتری کو اگر قیمت زیادہ دینی پڑ جائے تو وہ زیادہ دے دے اس پر وہ بضد نہ ہو جائے۔ اور قرض کی ادائیگی میں نرمی یہ ہے کہ وقت پر قرض ادا کرے اور کچھ زیادہ دے اس کے علاوہ نرمی کی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنِ الْبَيْعِ فِي الْمَسْجِدِ

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا عَارِمٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ ثَوْبَانَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَبِيعُ أَوْ يَبْتَاعُ فِي الْمَسْجِدِ فَقُولُوا لَا أَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَإِذَا رَأَيْتُمْ مَنْ يَنْشُدُ فِيهِ ضَالَّةً فَقُولُوا لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ كَرِهُوا الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحٰقَ وَقَدْ رَخَّصَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ فِي الْمَسْجِدِ

حسن بن علی خلال، عارم، عبدالعزیز بن محمد، یزید بن خصیفہ، محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد میں خرید وفروخت کرتا ہے تو کہو اللہ تیری تجارت کو نفع بخش نہ بنائے اور جب کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرتے دیکھو تو کہو کہ اللہ تمہاری چیز واپس نہ لوٹائے۔ حدیث ابوہریرہؓ حسن غریب ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ مسجد میں خرید وفروخت حرام ہے۔ امام احمدؒ، اسحاقؒ کا بھی یہی قول ہے بعض اہل علم مسجد میں خرید وفروخت کی اجازت دیتے ہیں۔

تشریح: مسجد میں بیع شراء کا کیا حکم ہے؟ غیر معتکف کے لئے مطلقاً ناجائز ہے علاوہ ازیں ضرورت ہو یا نہ ہو علاوہ ازیں اہل وعیال کے لئے ہو یا بغرض تجارت ہو اور اخفاء مبیع ہو یا نہ ہو۔

معتکف کے لئے دو شرطوں کے ساتھ بیع جائز ہے۔ ساز وسامان مسجد میں نہ لایا ہو۔ دوسرا بیع سے مقصود تجارت نہ ہو بلکہ اپنے اہل و عیال کی ضرورت کو پورا کرنا ہو۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ حدیث سے تو عموم معلوم ہو رہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معتکف کے ماسوا پر محمول ہے اور اگر معتکف بھی مراد ہے تو پھر خاص صورتیں مراد ہیں ایک یہ کہ احضار مبیع ہو۔ دوسرا تجارت کی غرض سے ہو حقیقت میں کوئی تضاد نہیں۔ جو حضرات مکروہ قرار دیتے ہیں وہ غیر معتکف کے لئے ہے اور جنہوں نے کہا کہ جائز ہے وہ معتکف کے لئے ہے اور ساز وسامان سے مراد وہ سامان ہے کہ جس کی وجہ سے مسجد مصروف ہو جائے۔ باقی گمشدہ مال کے بارے میں دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ چیز باہر گم ہوئی تو مسجد میں اس کا اعلان مطلقاً جائز نہیں، اگر مسجد میں کوئی چیز گم ہوئی ہے تو پھر اس کی گنجائش ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الخیر الشذی

شرح اردو

جلد چہارم

جامع الترمذی

اَبْوَابُ الْاَحْکَامِ، اَبْوَابُ الدِّیَاتِ، اَبْوَابُ الْحُدُوْدِ، اَبْوَابُ الصَّیْدِ، اَبْوَابُ الْاَضَاحِیْ
اَبْوَابُ النُّذُوْرِ وَالْاَیْمَانِ، اَبْوَابُ السِّیَرِ، اَبْوَابُ فَضَائِلِ الْجِهَادِ، اَبْوَابُ الْجِهَادِ، اَبْوَابُ اللِّبَاسِ

از

مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ

فاضل جامعہ خیرالمدارس ملتان   استاذ الحدیث جامعہ نعمانیہ نظامیہ ملتان

ناشر

قرآن مجید * دینی کتب * اسلامی رسائل کا مرکز

اِدارہ اشاعت الخیر

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

061-4514929,0300-7301239

حضرات اکابر علمائے کرام کی تقاریظ کے اقتباسات

شیخ الحدیث
استاذ العلماء سندی واستاذی

حضرت مولانا محمد یٰسین صابر مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ عمر بن خطاب ملتان

عزیزم مولوی مفتی عبدالرشید صاحب نے ترمذی شریف کی تسہیل وتبیین پر کام کیا ہے ماشاء اللہ اچھا کام ہے۔ میں نے دیکھا ہے تدریس اور دوسری مصروفیات کے باوجود تصنیف تالیف کا ذوق بڑی مبارک بات ہے۔ میرے نزدیک تو علم کی خدمت کسی درجہ میں ہو قابل رشک ہے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت اور کاوش کو قبول فرمادیں اور حدیث کے طلبہ کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کو نفع مند بنادیں اور عزیز موصوف کے لئے دین ودنیا کی کامیابیوں کا ذریعہ بنادیں۔ آمین ثم آمین

استاذ العلماء

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

نگرانِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

ہمارے سامنے فاضلِ اجل جامعہ خیر المدارس ملتان کے مایہ ناز فیض یافتہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے الخیر الشذی کے نام سے اردو زبان میں ایک منفرد انداز میں شرح تالیف فرمائی ہے۔ یقیناً یہ اہل علم کے لئے باعث فخر ہے۔ موصوف محترم نے اس سے قبل خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تالیف فرما کر اکابر علماء کرام سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے طلباء وطالبات کے لئے انتہائی مفید ہے حضرت مفتی صاحب اور ادارہ اشاعت الخیر کے ملتان کے ذمہ داران کو اس عظیم خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ہم سب کو دین کی عالی محنت میں مصروف رکھے اور حضور اکرم کی محبت اور شفاعت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

مذہبی سکالر حضرت اقدس

مفتی محمد شہاب الدین پوپلزئی

مسجد قاسم علی خان پشاور

دورِ حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ اکابرین کے علمی اور تحقیقی اثاثہ کو سلیس اور عام فہم انداز میں تشنگان علوم نبویہ تک پہنچایا جائے اَلْخَیرُ الشَّذِیْ عبارت پر اعراب، عام فہم ترجمہ، بیان وتوضیح مسالک، ترجیح مذہب حنفی، دیگر مسالک کے دلائل سے جوابات، مشکل صیغ کا صرفی ونحوی حل، ابواب کا باہم ربط وتعلق اور اکابرین کے علوم سے استفادہ کی خوبیاں اس تقاضا کی پوری رعایت کو جلو میں لئے ہوئی ہے۔ چند صفحات کے مطالعہ سے ناچیز کے ذہن میں استاد مکرم حضرت مولانا مفتی عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ (فاضل دیوبند) صدر مدرس جامعہ علوم اسلامیہ سرحدیہ پشاور کا درس ترمذی تازہ ہوگیا۔ آخر میں حضرت مفتی صاحب سے ایک گزارش ہے کہ اپنی تمام تر تصنیفی اور تالیفی سرگرمیوں کو مؤخر کر کے اپنے زرین اوقات صرف ''اَلْخَیرُ الشَّذِیْ'' کے لئے مختص فرمادیں، یہ شمع رسالت کے پروانوں پر احسان عظیم ہو گا۔ اللہ کریم سے عاجزانہ دعا ہے کہ موصوف مکرم کی اس نادر علمی کاوش کو اپنی رضا کے لئے قبولیت سے نواز کر بعافیت جلد پایہ تکمیل تک پہنچادے اور سببِ افادہ عام وتام بنائے۔ آمین

استاذ العلماء، شیخ الحدیث

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

مہتمم جامعہ خیر المدارس وناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

جامعہ خیر المدارس ملتان کے فاضل حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم جید الاستعداد اور فصیح البیان مؤلف ہیں۔ تدریسی واشاعتی مشاغل کے باوجود مطالعہ وتصنیف کے لیے وقت نکال کر علمی وتحقیقی تالیفات اہلِ علم کی خدمت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کی شرح ''خیر التوضیح'' میں وہ اپنی علمی وتحقیقی قابلیت ولیاقت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید زید مجدہم کی تالیف ''الخیر الشذی'' شروح کے اس گلدستہ میں نئے پھول کا اضافہ ہے۔ ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است..... بندہ کو اس کے چیدہ چیدہ مقامات کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، اندازہ ہوا کہ مؤلف موصوف نے محنت وعرق ریزی کے ساتھ شرح احادیث کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی محنت واخلاص کو قبول فرمائیں اور اس شرح کو اساتذہ وطلبہ میں مقبولیت عطا فرمائیں (آمین)

استاذ العلماء

حضرت اقدس مولانا منیر احمد منور صاحب

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا

الخیر الشذی شرح جامع الترمذی مؤلفہ حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب کے فرستادہ چند صفحات کا مطالعہ کیا۔ شرح مذکور الحمد للہ جامع، مدلل، منقح اور حسن ترتیب کی خوبیوں سے مزین ہے اور علماء طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔

عالم اسلام کے ممتاز
مذہبی سکالر ودنویس مؤلف کتب کثیرہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ع ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است... کے مصداق مولانا مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ کا یہ علمی اور تحقیقی کارنامہ علمی اور حدیثی دنیا میں سراہا جائے گا کہ انہوں نے اکابر کی تحقیقات اور ان کے تدریسی مناہج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے منفرد عالمانہ اور محققانہ انداز میں مشاغل وموانع کثیرہ کے باوجود انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مستند ومعتبر کتب کا عطر کشید کر کے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جمع کردیئے ہیں۔ اس مبارک سلسلہ کی ایک زرین کڑی ہے جس میں ہزاروں صفحات کا عطر کشید کیا گیا ہے۔ اساتذہ وطلبہ کے لیے یکساں مفید ہے۔ یہ شرح ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز یہ گراں قدر شرح حدیث کی خدمت کے سلسلہ میں ایک نادر اضافہ ثابت ہوگا اور شائقین علوم نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اس سے بہت زیادہ مستفید ہوں گے دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس انتھک محنت کو شرفِ قبولیت سے نواز کر ابدی سعادتوں کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

حضرت اقدس شیخ الحدیث

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دار العلوم مدنیہ بہاولپور

الحمد للہ! آج دفتر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان میں حاضری کے موقع پر مولانا عبدالرشید صاحب زید مجدہ کی شرح الخیر الشذی کو چند مقامات سے پڑھا اور الحمد للہ مولانا موصوف کی محنت طلباء کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور ذخیر آخرت بنائے آمین

استاذ العلماء

حضرت علامہ شبیر الحق کشمیری صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جلد اول جامعہ خیر المدارس ملتان

اما بعد! برادر عزیز فاضل جلیل مولانا مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم ماشاء اللہ علماً وعملاً، درساً وتدریساً وتصنیفاً وتالیفاً شرحاً وتحقیقاً جامع الصفاتِ الحمیدہ ہیں۔ فاضل موصوف زید مجدہ کی مؤلفہ خیر التوضیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے اساتذہ وطلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی امام ترمذی کی شہرہ آفاق کتاب سنن ترمذی شریف کے درس سے متعلق یہ عملی گلدستہ بھی ہے ابتدائی چند مباحث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اس میں جامع ترمذی شریف کے درس سے متعلقہ جملہ مباحث کی کماینبغی رعایت کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ شرح اساتذہ وطلبہ دورہ حدیث شریف کے لئے بہترین علمی تحفہ وہدیہ ہے۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ مقبولیت عامہ سے نوازے اور فاضل مؤلف اور ان کے جملہ متعلقین کیلئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

رئیس دار الافتاء وحضرت اقدس

مفتی محمد عبداللہ صاحب

صاحب تدریس جامع ترمذی جامعہ خیر المدارس ملتان

جامع ترمذی پر بہت سے حضرات نے کام کیا ہے لیکن محترم ومکرم عزیزم مفتی عبدالرشید صاحب زید مجدہم نے ''الخیر الشذی'' کے نام سے جو خدمت سرانجام دی، وہ اپنی مثال آپ ہے، انہوں نے اس گلدستہ میں ہر ہر نوع کے پھول سجائے ہیں، صحیح اعراب، حدیث کا ترجمہ، لغوی، صرفی اور نحوی تحقیق، بیانِ مذاہب، دلائل، ترجیح الراجح اور حدیث سے متعلقہ دیگر مباحث کو اس انداز میں جمع کیا ہے کہ دیگر بہت سی شروحات سے ان شاء اللہ بے نیاز کردے گی۔... عزیز موصوف کو اللہ پاک نے بہت سی خوبیوں کا جامع بنایا ہے، موصوف ایک ہمہ وقت بہترین مصنف، بہترین کالم نگار، بہترین صحافی، بہترین مہتمم، بہترین ناظم، بہترین خطیب، بہترین تاجر ہیں، گویا اللہ پاک نے انہیں ہر فن مولا بنایا ہے۔ اللہ پاک نظر بد اور حاسدین کے حسد اور شریر کے شر سے محفوظ فرمائیں اور ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہِ عالی میں شرف قبولیت بخش کر علماء، طلبہ کے حق میں نافع بنائیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں قرب کا ذریعہ بنائیں اور ہم سب کیلئے ذریعہ نجات بنائیں۔ (آمین

شیخ الحدیث وصاحب تدریس جامع ترمذی

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مدظلہ مدیر دار العلوم کبیر والہ

سنن ترمذی اپنے مخصوص فقہی طرز کی بناء پر درس نظامی میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے درس وتدریس میں خاصی محنت وجدوجہد کارفرما ہوتی ہے۔ ترمذی شریف کی کئی محققین نے شروحات لکھ کر خدمت کی جو مختلف خصوصیات کی حامل ہیں۔ اسی سلسلہ خدمت حدیث کی ایک کڑی ''الخیر الشذی'' بھی ہے۔ جو ہمارے برادرم محترم مفتی عبدالرشید صاحب مدظلہ نے محققانہ اور تدریسانہ انداز میں مرتب کی ہے۔ اس میں اکابر کے ذوق وتحقیقات کو سامنے رکھتے ہوئے، طالب علم کی اہم ضروریات یعنی اعراب، بامحاورہ ترجمہ، رواۃ حدیث کا تعارف، مذاہب ائمہ ومستدلات کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے، ان خصوصیات کی بناء پر یہ شرح اساتذہ وطلباء اور دیگر محققین کی اہم بنیادی علمی ضروریات پوری کردے گی۔ ان شاء اللہ